

چہارم

مقبولین لادو شرح تفسیر حلاوت

مؤلفین

الشیخ عبدالرحمن الی کر جلال اللہ سیوطی

الشیخ عبدالرحمن جلال الدین محمد بن احمد علی

مترجمہ و شاح

حضرت مولانا سید الدین

نظر ثانی و تفسیری نوٹس

مولانا حافظ عبدالمستبان صاحب

مکتبہ اسلامیہ
لاہور

مقبولین

اردو شرح

تفسیر جلالین

فیلڈیام

الكهف ١٨ - العنكبوت ٢٩

۱۰۸۰
 الشیخ عبد الرحمن بن ابی بکر جمال الدین سیوطی
 الشیخ عبد الرحمن جمال الدین محمد بن محمد سیوطی

خلافتِ اہل سنت کی راہ
 دینی ملی کتابوں کی تعلیمات پر غور و فکر
حق سب خانہ محمد معاذ خان
 دس سال کی عمر میں ایک عالم تھے
 لکھنؤ، بنگالہ

مستخرجہ و شائع

حضرت مولانا شمس الدین عظیمی

نظریاتی و تفسیری فوائد

مولانا حافظ عبدالکنان صاحب

مکتبۃ المسلمین
19-47 شارع الفیاض
37831760 37831760

37831700 37831700

بیتنا تحریریں

مذہب حق و عدل کی روشنی میں

ہر ایک کے لئے ایک نیا سفر



تمام کتاب مقبولین اردو شرح جہانیں جہلہ اول

مفسرین: شیخ عبد الرحمن بن عبد ربہ بن عبد سیلم
شیخ عبد الرحمن بن عبد ربہ بن عبد سیلم

شارح: حضرت مولانا شمس الدین عظیمی

ناشر: مکتبہ اسلام

طبع: تاسیس پر پرنٹرز

مال: خالد مقبول

ضروری بنیادیں

ایک مسلمان جو کہ قرآن مجید، احادیث عقل و دھما اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا، جوں کہ ہونے والی غلطیوں کی صحیح و اصلاح کے لئے بھی دور ہے اور میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی حواشی کے دوران اصلاح کی غلطی پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم ہر جگہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے ہر جگہ غلطی کے روکنے کا کام ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ غلطی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

دور سے ادارہ کا نام بغیر کسی تحریری اجازت بطور ملنے کا پتہ یا خطی پتہ نہ لکھنا یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ کھانا جائے۔ صورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب میں کردارے والے پر ہوگی۔ ادارہ ہذا اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ کو کوئی کھدواہی کا حق رکھتا ہے۔

بیتنا تحریریں

میں کوئی نوکریٹ نہ ملے گی نہ ملے گی نہ ملے گی نہ ملے گی 37241788

کتبہ جوہر: 37211788 ادارہ دار: ادارہ دار: پاکستان

کتبہ رحمانیہ افریقہ: 37224228 ادارہ دار: ادارہ دار: ادارہ دار

کتبہ علوم اسلام: 37355743 ادارہ دار: ادارہ دار: ادارہ دار

فہرست مضامین

مستوان

صفحہ

مستوان

صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو مورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی

حرمت ۱۶

بقیہ قصہ مہولی باغض علیہ السلام: ۱۶

بیان تاویلات واقعات مذکورہ: ۱۷

بیان تاویل واقعہ اول: ۱۷

بیان تاویل واقعہ دوم: ۱۷

تاویل واقعہ سوم: ۱۸

لطائف و معارف: ۱۹

قصہ ذوالقرنین: ۲۹

ذوالقرنین کون تھے ان کا نام کیا تھا اور ذوالقرنین کیوں کہا

جاتا تھا: ۲۹

مغرب کا سفر: ۳۱

شرق کا سفر: ۳۲

غیر اسفر: ۳۲

یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار کی تعمیر: ۳۲

دیوار کو کس طرح اور کس چیز سے بنایا گیا: ۳۳

یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں، سد ذوالقرنین کس

جگہ ہے؟ ۳۳

یاجوج ماجوج کے متعلق روایات حدیث: ۳۴

روایات حدیث سے حاصل شدہ نتائج: ۳۹

سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود ہے اور قیامت تک

رہے گی یا وہ ٹوٹ چکی ہے؟ ۴۴

ذوالقرنین کا جذبہ شکر و تواضع: ۴۶

آخری آیت کا شان نزول: ۵۰

خاتمہ مورت برتو حیدر رسالت و تذکیر آخرت: ۵۲

حضرت زکریا کی دعا اور اس کی قبولیت: ۶۱

مریم ۱۹

حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ و اخلاق عالیہ: ۶۳

مریم کا تذکرہ اور انکے بیٹے عیسیٰ کی ولادت کا واقعہ: ۷۰

مریم کا پردہ کا اہتمام اور اچانک فرشتہ کے سامنے آ جانے

سے فکر مند ہونا: ۷۰

فرشتہ کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب

- سے کون بہتر ہے اور انکے سوال کا جواب: ۹۶.....
- کافروں کو ذلیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے: ۹۷.....
- عیار مقروض اور حضرت خباب: ۹۸.....
- اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد حجوٰز کرنے والوں کی مذمت اور ان کے قول کی شاعت: ۱۰۲.....
- اہل ایمان کا اکرام، قرآن مجید کی تیسیر، ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ: ۱۰۳.....

ظہ ۲۰

- آسمان اور زمین پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو: ۱۰۹.....
- ذرنے والوں کے لیے نصیحت ہے: ۱۰۹.....
- تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام: ۱۱۱.....
- عظائے خلعت نبوت و رسالت: ۱۱۳.....
- پہلی دعا: ۱۲۰.....
- دوسری دعا: ۱۲۱.....
- تیسری دعا: ۱۲۱.....
- چوتھی دعا: ۱۲۲.....
- پانچویں دعا: ۱۲۳.....
- صالح رفقاء، ذکر و عبادت میں بھی مددگار ہوتے ہیں: ۱۲۳.....
- کیا وحی کسی غیر نبی و رسول کی طرف بھی آ سکتی ہے: ۱۲۳.....
- ام موسیٰ کا نام: ۱۲۳.....

- ہو: ۷۱.....
- فرشتہ کا جواب دینے کے لیے سب کچھ آسان ہے: ۷۱.....
- یعنی اصول سے زچہ کے لیے کھجوروں کا مفید ہونا: ۷۳.....
- وَبَرِّأَيُّ الدِّنِّیٰ فرما کر یہ بتا دیا کہ میرا کوئی باپ نہیں: ۷۵.....
- کسی کو اپنی اولاد بتانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے: ۷۵.....
- اسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاد دہانی: ۷۸.....
- صدیق کی تعریف: ۷۸.....
- اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب: ۷۸.....
- حضرت موسیٰ، ہارون، اسماعیل اور ادریس علیہما السلام کا تذکرہ: ۸۳.....
- نبی اور رسول میں فرق: ۸۳.....
- حضرت اسماعیل کے اوصاف عالیہ: ۸۵.....
- حضرت ادریس کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال: ۸۶.....
- حضرات انبیاء کرامؑ کے باہمی رشتے اور ان کے مستحبین کے ذکر و ذکر: ۸۷.....
- مکرمین قیامت کی سوچ: ۹۳.....
- جہنم میں دخول یا ورود؟ ۹۳.....
- کافروں کا سوال کہ دونوں میں مقام اور مجلس کے اعتبار

موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے اور اس سے نرمی

کے ساتھ بات کرنے کی ہدایت: ۱۲۵

ان کے سامنے خدا رب ہی: ۱۲۶

آخرت موسیٰ کا فرعون سے مکالمہ: ۱۲۷

فرعون کے غیہ میں خدا کے ساتھ اس جگہ کی مٹی بھی شامل

ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہوگا: ۱۳۳

فرعون کی طرف سے اذیت موسیٰ کو متا ہے کا نتیجہ: ۱۳۴

میتا ہے اس لیے جہنم کے دن کا تقرر: ۱۳۵

ایمان یافتہ بادشاہوں پر فرعون کا عقاب: ۱۳۷

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج فرعون کا عقاب اور اسکی

فرقہ دہی: ۱۳۹

انسانیت کی یاد دہانی: ۱۴۶

بنی اسرائیل کا دریا پار جانا: ۱۴۶

موسیٰ کے بعد ہر شرک: ۱۴۷

گائے پرست سامری اور بکھڑا: ۱۵۳

مشرکین آخرت اور مہذبین رسالت کے ایک سوال کا

جواب: ۱۵۸

مہذب آدمی کی تذکیہ و یاد دہانی: ۱۶۱

ضروری فوائد: ۱۶۶

انہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا، عذاب کی

ومید: ۱۶۹

دیرالوں سے مہرت حاصل کرو: ۱۶۹

استقامت وسیلہ فقر و معذرت: ۱۷۴

انہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد بڑا فرماتا ہے لوگوں کو یہ

کہنے کا موقع نہیں: ۱۷۶

کہ رسول آتا تو عیسیٰ کر لیتے: ۱۷۶

الانبیاء ۲۱

سورۃ انبیاء کی فضیلت: ۱۷۹

مکرمین کے من و کلمات کرد اور ان کی معائنات ہاتوں کا

جواب: ۱۷۹

بلاک ہونے والی بستیوں کی بد حالی: ۱۸۶

آسمان و زمین کوئی کھیل تماشا نہیں: ۱۸۷

اشہات توحید، ابطال شرک اور حق کی فتح یابی: ۱۸۸

توحید کے دلائل اور فرشتوں کی شان مہبت کا

تذکرہ: ۱۸۹

تعدد آلہ کے ابطال پر ایک مضبوط دلیل: ۱۸۹

بیان دلائل قدرت برائے اشہات وحدانیت: ۱۹۳

قسم اول: ۱۹۳

قسم دوم: ۱۹۶

قسم سوم: ۱۹۶

قسم چہارم: ۱۹۶

قسم پنجم: ۱۹۷

قسم ششم: ۱۹۷

بر نفس موت کا حرہ نکھندہ ہے: ۱۹۸

مسئلات

سوال

مسئلات

۲۳۱..... دلائل:

۲۳۲..... (۶) تصدیق:

حضرت ذوالکفل نبی تھے یا ولی اور ان کا قصہ

۲۳۳..... عجیب:

۲۳۶..... یونس اور ان کی امت:

۲۳۷..... استغفار موجب نجات ہے:

بڑھاپے میں زکریا کا اللہ تعالیٰ سے چٹا مانگنا، اور ان کی دعا

۲۳۸..... قبول ہونا:

۲۳۹..... حضرات انبیاء کرام کی تین عظیم صفات:

۲۴۰..... حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کا تذکرہ:

۲۴۵..... مؤمن کے اعمال صالحہ کی ناقدری نہیں ہے:

۲۴۵..... جہنم کی بولناکیاں:

لَا يَخْزُوهُمْ فِي السَّعْيِ إِلَّا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي السَّعْيِ حِمْزٌ

۲۴۷..... بنائے گی:

قیامت کے دن آسمان کا لپینا جانا، جس طرح ابتدائے

۲۴۸..... آفرینش

۲۴۸..... ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کیے جائیں گے:

۲۴۹..... رسول اللہ رحمۃ اللعالمین ہی ہیں:

الحج ۲۲

قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت

۲۵۷..... ہوگا:

وقوع قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے

۲۰۲..... ذلت و رسوائی کے بارے لوگ:

۲۰۹..... قہر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام:

۲۱۳..... مرثیہ کی خباثت اور اس کے قتل کرنے میں اجر:

ابراہیم کو قیامت کے دن سب سے پہلے کھڑے پہنائے

۲۱۳..... جائیں گے:

۲۱۳..... فلاں گنڈہاپ اور ان کی تشریح اور ابراہیم کا قیامت کے

۲۱۳..... دن شفاعت کبریٰ سے عذر فرما دیتا:

۲۱۳..... حضرت ابراہیم اور لوط کا مبارک سر زمین کی طرف ہجرت

۲۱۸..... کرتا:

۲۲۵..... نوح کی دعا:

حضرت داؤد اور سلیمان کا تذکرہ، ان پر اللہ تعالیٰ کے

۲۲۵..... انعامات:

کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا

۲۲۵..... فیصلہ:

۲۲۶..... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ:

۲۲۷..... حضرت سلیمان کا ایک اور واقعہ:

داؤد کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں

۲۲۷..... مشغول ہونا:

۲۲۸..... زور بنانے کی صنعت:

۲۳۰..... حضرت سلیمان کے لیے ہوا کی تسخیر:

۲۳۱..... رسول اللہ کا شیطان کو پکڑ لینا:

سانپوں کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان کا عہد یاد

تکلف اور اس کا تذکرہ: ۲۵۹

عجب: یہ ہے احد مقلد نے والوں کی

تہا: ۲۶۵

پانچ سو تین ستارے سب سجدہ ورینہ: ۲۶۶

ایمان اور افعال صالحہ والوں کا انجام، جنت کا داخلہ ان کے

تکفواں اور لباس کا تذکرہ: ۲۷۰

اہل جنت کو تکلیف پہناتے جانے کی نعمت: ۲۷۱

مسجد حرام حائلہ اور مسافر سب آیتیں برابر ہے، اس میں الحاد

ارکان مذاہب الہم کا سب ہے: ۲۷۳

سواہ العاکف میں اقوال: ۲۷۳

مسجد حرام کی اولین بنیاد وحید: ۲۸۰

افعال حج میں ترتیب کا درجہ: ۲۸۲

ایک سوال اور جواب: ۲۸۳

قرہانی ہر امت پر فرض قرار دی گئی: ۲۸۶

ذبح اور نحر کے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی تعلیم و

تعمین: ۲۸۷

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دیا، اسے خائن اور کفور پسند نہیں

ہیں: ۲۸۷

جہاد کی اجازت اور اس کے فوائد، اصحاب اقتدار کی ذمہ

داریاں: ۲۹۱

خلفائے راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور اس

کا ظہور: ۲۹۲

ذکر فضیلت شیطان پرانے امتحان غنائین و منافقین: ۲۹۶

اس قصہ کے بارے میں علماء کے دو گروہ: ۲۹۷

آدم پر سب طلب: ۳۰۲

تفسیر اول: ۳۰۲

آیت کی دوسری تفسیر: ۳۰۵

تیسری تفسیر: ۳۰۷

آیت ہدائی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ: ۳۰۷

دوسری اور تیسری تفسیر: ۳۰۹

تمتہ بیان سابق: ۳۱۰

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، ہجرت کرنے والوں کے لیے

رزق حسن ہے: ۳۱۷

اللہ کی قدرت کا ایک عظیم الشان مظہر: ۳۱۸

مظاہر قدرت میں غور و فکر کی دعوت و ترغیب: ۳۱۹

ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کیے گئے

ہیں: ۳۲۰

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال: ۳۲۲

دین میں غلی نہیں ہے: ۳۲۳

المؤمنون ۲۳

اہل ایمان کی صفات اور ان کی کامیابی کا اعلان: ۳۳۰

پہلا وصف: ۳۳۱

دوسرا وصف: ۳۳۱

تیسرا وصف: ۳۳۲

۴۷۸۔ اور حاضرہ مدعیان میں جہالت باطنی:۔

اور حاضر کے بعد میان ختم کی جاہلانہ باتیں: ۳۷۸

نکات کی ضرورت اور محنت و عصمت محفوظ رکھنے کی

528 _____ 2014

خلاصوں اور باندھنیوں کا مکاتبہ بنانے کا حکم۔۔۔ ۴۳۰

فن معاشیات کا ایک اہم مسئلہ اور اس میں قرآنی

٢٢٢ _____

نور بن عرف: _____ ۴۳۷

۴۴۷ _____: ۴۴۷

نورانی کریم علی: ۱۳۸۸

۴۴۹ _____: دفتري چوکي برکات:

۴۴۹۔ کے بارے میں مہانت:

کافروں کے اعمال ریت کی طرح سے ہیں جو دور سے پانی

معلوم ہوتا ہے: _____ ۴۴۴

منافعوں کی دنیا طبعی، اللہ تعالیٰ اور اے کے رسول کی اطاعت

سے انحراف اور قبول حق سے اعراض: _____ ۴۴۸

من نفقوں کا مہوئی قسمیں کھا کر فرما تیر داری کا عہد

FOR _____

آیت مذکور سے خلفاء راشدین کی خلافت اور مقبولیت عند

۴۵۵ _____: التذکرات

گمروں میں داخل ہونے کے لیے خصوصی طور پر تین

اوقات میں احازت لینے کا اہتمام کیا جائے:۔ ۴۵۹

بوزمی عورتیں یردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں تو گنجائش

٢٧٠ _____ C

گھروں میں داخل ہونے کے بعد کے پیش قدمی

آداب معاشرت: _____

آداب مجلس نجومی: _____ ۴۶۵

الفرقان ۲۵

انبیاء و ائمہ کرام کے لیے جو اصول مسیحی تھے

میں بغض بغض کے لیے آ رہا تھا۔

انباء سے دہشتی کا غلبہ رہا۔ ۲۸۸

رات میں نیند اور دن میں کام کی تفصیلات بھی بڑی صحت

پر مبنی ہے: _____ ۴۶

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہرہ ہو، میں نے اور کھانے سمجھ رہا تھا

مخرج: _____ ٢٤٩

ستارے اور سیارے آسمانوں کے اندر تپتی یا پابرجہ رہے۔

جدید علم ویت کے نظریات اور قرآن کے

ارشادات: _____ ۵۰۵

حقائق کو نبی اور قرآن: _____ ۵۰۶

تفسیر قرآن میں قصفی نظریات کی مہر افست یا مہر افست کا صحیح

معارف: ۵۰۸

ان تحقیقات نے انسان اور انسانیت کو یکجہاں: ۵۱۱

عہد الرحمن کی صفات اور ان کے اخلاق و اعمال :- ۵۵

پہلی مفت: _____ ۵۳

دوسری صفت: _____ ۵۱۳

تیسری صفت: ۵۱۴

۵۲۲ _____ سوئی کا تیسرا جواب:

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ

۵۲۲ _____ تہدید:

۵۲۶ _____ سرحران فرعون کا سوئی سے مقابلہ:

۵۲۳ _____ نیک و معارف:

۵۵۰ _____ مشرکین کے لیے دوائے مغفرت جائز نہیں:

۵۵۰ _____ ایک سوال و جواب:

۵۶۸ _____ بشارت و تصدیق یافتہ کتاب:

۵۷۰ _____ شعر کی تعریف:

۵۷۱ _____ شریعت اسلام میں شعر و شاعری کا درجہ:

خدا و آخرت سے ناغل کر دینے والا بر علم اور فن مذموم

۵۷۲ _____ ہے:

اکثر اتہاع کرنے والوں کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی

۵۷۲ _____ علامت ہوتی ہے:

الفصل ۲۷

۵۸۱ _____ تِلْكَ سے آیات سورت کی طرف اشارہ ہے:

حضرت سوئی کا رات کے وقت سفر میں کوہ طور پر آگ کے

۵۸۲ _____ لیے جانا اور نبوت سے سرفراز ہونا:

۵۸۳ _____ حضرت سوئی کیلئے بیضا کا دوسرا عظیم الشان وجود:

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر خصوصی

۵۸۹ _____ انعامات:

۵۹۱ _____ انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

۵۱۳ _____ بحرِ مست:

۵۱۳ _____ بحرِ مست:

۵۱۵ _____ بحرِ مست:

۵۱۵ _____ بحرِ مست:

۵۱۵ _____ بحرِ مست:

۵۱۶ _____ بحرِ مست:

۵۱۸ _____ بحرِ مست:

۵۱۹ _____ بحرِ مست:

۵۱۹ _____ بحرِ مست:

۵۱۹ _____ بحرِ مست:

شعر آ ۲۶

۵۲۳ _____ بحرِ مست:

۵۲۳ _____ بحرِ مست:

۵۲۳ _____ بحرِ مست:

۵۲۸ _____ بحرِ مست:

۵۲۸ _____ بحرِ مست:

۵۲۸ _____ بحرِ مست:

۵۲۸ _____ بحرِ مست:

۵۲۹ _____ بحرِ مست:

۵۲۹ _____ بحرِ مست:

۵۳۰ _____ بحرِ مست:

۵۳۱ _____ بحرِ مست:

العنکبوت ۲۹

- تمہیدی کلمات: ۷۰۶
- ہر شخص کا مجاہدہ اسکے اپنے نفس کیلئے ہے اور اللہ تعالیٰ
- سارے جہانوں سے بے نیاز ہے: ۷۰۹
- والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم: ۷۰۹
- مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے: ۷۱۱
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی: ۷۱۵
- کفر و بطل کا نتیجہ و انجام نہایت دردناک عذاب: ۷۱۹
- حضرت ابراہیم کی قوم کا جواب کہ ان کو قتل کر دیا آگ
- میں جلا دیا: ۷۲۰
- لوط کا دعوت ابراہیمی کو قبول کرنا اور دونوں حضرات کا
- فلسطین کے لیے ہجرت کرنا: ۷۲۱
- بیٹے اور پوتے کی بشارت اور موبہبت: ۷۲۱
- حضرت ابراہیم کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری
- فرماتا: ۷۲۱
- ذکر خیر کی دعا اور قبولیت: ۷۲۲
- فرشتوں کی آمد: ۷۲۶
- اہل مدین اور فرعون، ہامان، قارون کی ہلاکت کا
- تذکرہ: ۷۲۷
- اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟ ۷۲۸

- میں سے ہے: ۷۷۹
- احکام قوانین میں قصبات و دیہات شہروں کے تابع
- ہوتے ہیں: ۷۸۰
- عقل و تدبیر کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کے دھندوں میں زیادہ
- منہک نہ: ۷۸۱
- ہو بلکہ آخرت کی فکر میں لگے: ۷۸۱
- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے خطاب اور یہ سوال
- کہ جنہیں تم نے
- شریک ٹھہرایا تھا وہ کہاں ہیں؟ ۷۸۳
- قارون اور اس کی سرکشی کی داستان عبرت کا بیان: ۷۹۰
- قارون کے مال و دولت کا حال: ۷۹۱
- اگر نے اترانے کی ممانعت: ۷۹۲
- مال و دولت کا صحیح مصرف اور حقیقی فائدہ: ۷۹۳
- آخری زندگی کی کامیابی کے لیے فکر و کوشش کا
- درس: ۷۹۳
- زمین میں فسادت پھیلاؤ: ۷۹۳
- اپنی عقل و دانش پہ مغرور قارون کا جواب: ۷۹۳
- قارون کے ایک بڑے جلوس کا ذکر: ۷۹۵
- قارون کا انجام: ۷۹۶
- آخرت کا گھرانہ لوگوں کیلئے ہے جو زمین میں بلندی اور
- فساد کا ارادہ نہیں کرتے: ۷۰۰
- تواضع کی منفعت اور تکبر کی مذمت: ۷۰۰

الجزء ١٢

أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ زَادَ لَكَ عَلَى مَا قَبْلَهُ لِعَدْمِ الْعَدْرِ مُنَا وَلِهَذَا قَالِ إِنَّ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا أَيْ بَعْدَ هَذِهِ الْمَرْةِ فَلَا تُصِغْنِي ۚ لَا تَتْرُكْنِي أَتَبَعَكَ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَدُنِّي بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ مِنْ قَبْلِي عُدًّا ۖ فِي مَفَارِقَتِكَ لِي فَأُطْلَقًا حَتَّى إِذَا أَتَيْتَ أَهْلَ قَرْيَةٍ هِيَ أَنْطَاكِيَّةُ اسْتَطَعْنَا أَهْلَهَا طَلَبًا مِنْهُمْ الطَّعَامَ ضِيَافَةً فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ فَوَجَدْنَا فِيهَا جِدَارًا أَرْتَفَاعُهُ مِائَةُ ذِرَاعٍ يُرِيدُ أَنْ يَنْقُصَ أَيْ يَقْرُبَ أَنْ يَسْقُطَ لِمِثْلَانِهِ فَأَقَامَهُ الْخَضِرُ بِيَدِهِ قَالَ لَهُ مُوسَى كَوَيْشْتُ لَتَخَذْتَ وَفِي قِرَائَةٍ لَا تَخَذْتُ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ جُعِلَ حَيْثُ لَمْ يُضَيِّفُوْنَا مَعَ حَاجَتِنَا إِلَى الطَّعَامِ قَالَ لَهُ الْخَضِرُ هَذَا فِرَاقُ أَيْ وَقْتُ فِرَاقِ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ فِيهِ إِضَافَةٌ بَيْنَ إِلَى غَيْرِ مُتَعَدِّ شُرُوعَهَا تَكْرِيرُهُ بِالْعَطْفِ بِالْوَاوِ سَأَلْتَنِيكَ قَبْلَ فِرَاقِي لَكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۖ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِسُكَّانِ عَشْرَةِ يَوْمٍ فِي الْبَحْرِ بِالسَّفِينَةِ مُوَاجِرَةً لَهَا طَبَا لِلْكَسْبِ فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ إِذَا رَجَعُوا أَوْ أَمَّا مَتْلَبُهُمْ الْآنَ مَلِكٌ كَافِرٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَضَبًا ۖ نَصَبَهُ عَلَى الْمَضَرِّ الْمُبِينِ لِنَوْعِ الْأَخْذِ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَإِنَّهُ كَمَا فِي حَدِيثِ مُسْلِمٍ طَبَعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَأَرْهَقَهُمَا ذَلِكَ أَيْ لِمَحَبَّتِهِمَا لَهُ يَتَبَعَانِهِ ذَلِكَ فَارَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً أَيْ صَلَاحًا وَتَقَى وَأَقْرَبَ مِنْهُ وَرَحْمًا ۖ بِسُكُونِ الْحَاءِ وَضَمِّهَا زُحْمَةً وَهِيَ الْبُرْبُورُ الَّذِيهِ فَا بَدَلَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى جَارِيَةً تَزَوَّجَتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فَهَدَى اللَّهُ تَعَالَى بِهِ أُمَّةً وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِعُلَمَاءٍ يَتَّبِعُونَ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ مَالٍ مَدْفُونٌ مِنْ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَحَفِظْنَا بِصَلَاحِهِ فِي أَنْفُسِهِمَا وَمَالِهِمَا فَلَمَّا دَرَبَكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا أَيْ إِتْنَسَ رُشْدَهُمَا وَيُسَخَّرَ كَنْزُهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ مَفْعُولٌ لَهُ عَامِلُهُ أَرَادَ وَفَعَلْتُهُ أَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ خَرْقِ السَّفِينَةِ وَقَتْلِ الْغُلَامِ وَأَقَامَةِ الْجِدَارِ عَنْ أَمْرِي ۚ أَيْ اخْتِيَارِي بَلْ بِأَمْرِ الْهَامِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۖ يُقَالُ اسْطَاعَ وَاسْتَطَاعَ بِمَعْنَى أَطَاقَ فَقِي هَذَا وَمَا بَع

مقبلیں شرح جلالیہ

قَبْلَهُ جَمَعَ بَيْنَ اللَّغَتَيْنِ وَتَوَعَّتِ الْعِبَارَةُ فِي فَارِذَتْ فَارِذًا مَازَاذَ رَبُّكَ

ترجمہ: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ الْخ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہر گز صبر نہیں کر سکیں گے (اس مرتبہ خضر علیہ السلام نے اپنے ماقبل کے کلام پر لَکَ کا لفظ بڑھا دیا اس وجہ سے کہ اب موسیٰ علیہ السلام کے لیے عذر کا کوئی موقع نہیں رہا۔ اسی وجہ سے قَالَ اِنْ سَأَلْتُكَ الْخ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب اگر میں آپ سے اس کے بعد (یعنی اس مرتبہ کے بعد) کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے (مجھ کو مت چھوڑیئے کہ میں آپ کے پیچھے رہوں۔ قَدْ بَلَغْتَ الْخ بیشک پہنچ چکے ہیں آپ میری طرف سے (میری جانب سے) عذر کی انتہا کو مجھ کو اپنے سے جدا کرنے میں (لَدُنِّي دُنُوں کی تشدید کے ساتھ اور تخفیف النون یعنی بغیر تشدید بھی ہے)۔ فَانْطَلَقَا حَتَّى اِذَا اَتَيَا اَهْلًا قَرْيَةً لَیْہ پھر دونوں چل دئے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے (جس گاؤں کا نام انطاکیہ تھا) تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا (یعنی ان دونوں نے گاؤں والوں سے بطور مہمانی کے کھانا طلب کیا) گاؤں والوں نے ان دونوں بزرگوں کی مہمانداری سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی (جس کی اونچائی سو گز تھی) جو گرنے ہی والی تھی (یعنی جھک جانے کی وجہ سے گرنے کے قریب تھی) پس (حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے) اس دیوار کو سیدھا کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے (خضر) سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے (جعلاً بمعنی جبکہ اجرت یعنی ان لوگوں نے کھانے کی طرف ہماری حاجت کو جانتے ہوئے بھی مہمانی نہیں کی، لَتَخَذْتَ میں ایک قراءت لا تخذت بھی ہے۔ قَالَ هَلَا فَرَأَى..... خضر علیہ السلام نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا یہ فراق کا سبب ہے (یعنی جدائی کا وقت ہے) میرے اور آپ کے درمیان (فِيهِ اِضَافَةٌ بَيْنِ الْخ اس میں بین کی غیر متعدد کی طرف اضافت کو داؤ سے عطف کے ذریعہ اس کے تکرار نے جائز کر دیا۔ سَأَلْتُكَ..... اب میں آپ کو (آپ سے جدا ہونے کے قبل) ان چیزوں کی حقیقت بتلا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ اَمَّا السَّفِينَةُ..... وہ جو کشتی تھی سو وہ چند غریبوں (دس غریبوں) کی تھی جو اس کشتی کے ذریعہ (دریا میں کھائی کرتے تھے) یعنی اس کشتی کو روزگار حاصل کرنے کے لیے کرایہ پر چلاتے تھے) پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کو عیب دار کر دوں اور لوگوں کے کچے ازار جو یعنی جب یہ کشتی والے واپس ہوں گے یا ان کے سامنے ظالم بادشاہ کا فر تھا۔ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ الْخ۔ جو ہر کشتی کو (جو صحیح سالم ہو) زبردستی لے لیتا ہے (غصباً) کو مصدر ہونے کی بنا پر نصب ہے ایک خاص قسم کے لینے کو بتلاتا ہے) وَ اَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبُوهُ الْخ اور رہا وہ لڑکا اس کے ماں باپ مومن تھے سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر کا اثر ان دونوں پر ڈال دے (یہ لڑکا جیسا کہ مسلم شریف جلد ثانی ص ۳۳ میں ہے کہ کافر پیدا کیا گیا تھا اور اگر وہ لڑکا زندہ رہتا تو ان دونوں یعنی والدین پر کفر کا اثر ڈال دیتا یعنی والدین بھی اس لڑکے کی محبت کی وجہ سے اس کفر میں مبتلا ہو جاتے) پس ہم نے یہ چاہا کہ اس کے بدلہ میں ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو اس سے بہتر ہو پاکیزگی کے اعتبار سے (یعنی نیکی اور پرہیزگاری میں يُبْدِلُهُمَا دال کے تشدید کے ساتھ اور دال کے تخفیف کے ساتھ وَ اَقْرَبَ وَ رَحِمًا ۝ اور ماں باپ پر) مہربانی اور رحم کے لحاظ سے اس سے بڑھ کر ہو (رحم کے حاکم جزم اور ضمہ کے ساتھ رحمت کے معنی والدین کے حسن سلوک کرنے کے ہیں، چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے ان دونوں کو ایسی لڑکی عطا فرمائی جس کی شادی ایک نبی سے ہوئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ **وَ اَقَامَ الْاِحْدَارُ فِکَانَ لِبَغْلَتِیْنِ** الخ اور رہی دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے پیچھے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ (یعنی سونے چاندی کا دفن کیا ہوا مال) تھا اور ان دونوں کے والد نیک آدمی تھے باپ کی نیکی کی وجہ سے دونوں یتیموں کے جان اور مال کی حفاظت کی گئی اس لیے آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں (اٰی اِنْسَاسُ رُسُدِهِمَا، عقل و فہم کی حد کو پہنچ جائیں) اور اپنے خزانے کو نکال لیں آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (رحمۃ مفعول لہ ہے جس کا عامل ارادہ ہے۔ **وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ** اور میں نے نہیں کیا ہے) جس کا ذکر ہوا یعنی کشتی کا پھاڑنا، اور لڑکے کو قتل کرنا اور دیوار کو کھڑا کر دیا) اپنی رائے سے (یعنی اپنے اختیار سے بلکہ من جانب اللہ الہام تھا وہ ہے حقیقت ان چیزوں کی جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ **اِمْطَاعٌ** اور **اِشْتِطَاعٌ** بمعنی اطاق ہے مطلب یہ اول اسطاع یسطیع سے تاء افتعال کو حذف کر دیا گیا ہے ورنہ اس کی اصل **اِشْتِطَاعٌ** ہے دونوں کے معنی ایک ہیں طاقت رکھنا قوت رکھنا۔ پس اس میں یعنی **مَا کَمْ تَسْطِیْعُ** بخذف التاء اور اس کے ماقبل **مَا کَمْ تَسْطِیْعُ** میں دونوں لغت کو جمع کر دیا ہے اور اردت، اراد ربک اور اردنا میں عبارت میں تنوع اختیار کیا گیا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **لِعَدَمِ الْعُدْرِ**: اس لیے عتاب کو ان کی طرف متوجہ کیا اور وصیت کو چھوڑا اور اس لیے تاکہ پوری ثابت قدمی نہ دکھانے کی نشاندہی ہو جائے۔

قولہ: **بِعَذَابِ الْعَزَّةِ**: اس میں ضمیر کے مؤنث لانے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

قولہ: **لَا تَنْزَغُنِي**: یعنی مجھے اپنے ساتھ نہ جھوڑیے، یہاں لا نصاحب کو لا تنزک کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قولہ: **مِنْ قَبْلِي**: اس سے اشارہ کیا کہ لدن اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ وہ ظرف مکان ہے۔

قولہ: **فِي مَفَازٍ قَبْلِكَ**: یعنی میں تیرے مقابلے کی مخالفت کر چکا ہوں۔

قولہ: **يَنْفَرُ بَ:** ارادے کا معنی بطور استعارہ قرب لیا گیا ہے۔

قولہ: **لَا تَخْذَلْ**: یہ **تَخَذَّلَ** سے ہے اخذ سے نہیں۔ اس میں ت کی تخفیف اور ذال کا سکون بھی درست ہے۔

قولہ: **وَقْتُ يَزَاقِي**: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مخدوف ہے۔

قولہ: **بِالسَّفِينَةِ**: یعنی وہ تجارت کے لیے نہیں بلکہ محنت مزدوری کے لیے کشتی کو استعمال کرتے تھے۔

قولہ: **اِذَا رَجَعُوا**: یہ وراء کا معنی اس وقت ہے جبکہ وہ خلف (پیچھے) کے معنی میں ہو ورنہ تو وہ امام کے معنی میں بھی آتا ہے۔

قولہ: **نَضَبُهُ عَلَى الْمَضَدِّ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مفعول لہ نہیں ہے۔

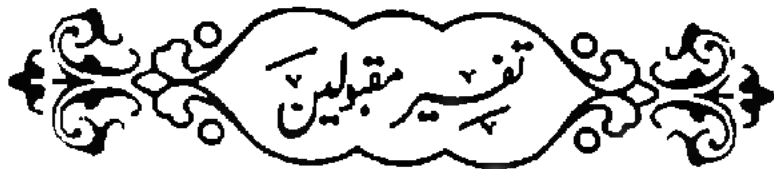
قولہ: **فَخَشِينَا**: یہ خطرہ انہوں نے اس لیے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا اور ارہاق ڈھانپ لینے کے معنی میں

آتا ہے۔

قولہ: مَنْفَعْلٌ لَّہُ: ارادہ اس کا مال ہے اور یہ مَنْفَعْلٌ لَّہُ ہے مصدر نہیں۔

قولہ: بِاشْتِغَاعٍ: اور بِاشْتَغَاعِ دُنُوں ہم معنی ہیں۔ اور تَوَلَّجَ مَہارت کیلئے اَلْکَلَّ لائے گئے ہیں۔

قولہ: فَاَزْدُ: یہ اصل مہارت اس طرح ہے: فَاَزْدُ فَاَزْدًا۔



قَالَ اَللّٰهُ اَقْبَلْ لَكَ يَتَكَ كُنْ تَسْتَطِيعُ مَعِيَ صَبْرًا ۝۵

بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام:

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکا یک ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار کہہ اٹھے: لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا فَكْرًا ۝۵ (آپ نے کدے تو بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا۔ اے موسیٰ کیا میں نے تم سے پہلے ہی اول صحبت میں یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے اول بار کہہ دیا تھا۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوبارہ عہد شکنی تھی اس لیے حضرت خضر علیہ السلام نے اس مرتبہ مزید تنبیہ کے لیے لفظ لَكَ اور بڑھا دیا یعنی تم ہی سے تو کہا تھا پھر کیوں بھول گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اس قسم کے خیر خیز واقعات پر مبرا کرنا اور خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہنا بہت نیرنگی کھیر ہے اس لیے آخری بات کہہ دی خیر اب تو جانے دیجئے لیکن اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھتا ہے فلک آپ میری طرف سے نذر کی حد اور انتبا کو پہنچ چکے ہیں آپ ایسا کرنے میں معذور ہوں گے اور میری طرف سے آپ کو کوئی الزام نہ ہوگا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقعہ دینے سے نجت پوری ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی بار بار مخالفت سے شرم آئی۔ اور ان کی لامت سے ڈرے اس لیے ان سے یہ آخری بات کہہ ڈالی کہ اگر تیسری بار آپ سے پوچھوں تو آپ کو جدا کرنے کا اختیار ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

پھر دونوں آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں پر پہنچے اور ان سے ملے اور کہا کہ ہم مسافر ہیں اور تمہارے مہمان ہیں تو اس بستی والوں سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ مبرا کیا اور بھوکے پڑے رہے۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ یعنی جھکی ہوئی تھی۔ گرنے کے قریب تھی پس خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے اسکو سیدھا کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور دیوار سیدھی ہو گئی۔ یہ خارق عادت امران کی کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر خضر علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ایسے سنگ دل اور بے مروت اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور مفت ان کا کام کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور اس سے ہم کھانا کھا

محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں۔ اور کفر اختیار کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں پس اس طرح لڑ کے کا مارا جانا ان کے حق میں معصیت بنا اور باطن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بنا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بد بخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جواز راہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو۔ یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بد اخلاقی اور بد اعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور ازراہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔ اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور ایک نبی سے بیانی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک امت کو ہدایت دی۔ اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بد بخت لڑکے کا بدلہ ہو گئی۔ ہر بچہ ابتداء اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی شروع سے ہی بنیاد بری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی القاد اور بنیاد بری ہے بڑا ہو کر خود بھی گمراہ ہو گا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی راہ سے اس روڑہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضر علیہ السلام کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاویل واقعہ سوم:

اور یہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا وہ اس شہر کے دو تہیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغر سنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزانہ اور وہ فیض نکالیں از روئے مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہو گئی۔ اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

خاتمہ کلام:

جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا لہجے یہ ہے باطنی حقیقت ان چیزوں کی جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں مبرکی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے افعال کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھا۔ ولکل وجہ ہو مولیٰ ہا اور حسب وعدہ میں نے آپ کو ان واقعات کے تاویلات سے آگاہ کر دیا چنانچہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہوئے۔

لفائف و معارف:

(۱) حضرت علیؑ کا نام بلیا بن مکان تھا اور کنیت ان کی ابو العباس تھی اور حضرت یحییٰ خاں اور سر خادان کا لقب تھا۔ شاعی خاندان سے تھے دنیا کو ترک کیا اور زہد اور درویشی کی راہ اختیار کی۔ ظاہر میں ذوالقرنین کے وزیر تھے لیکن در پردہ فقیر اور درویش تھے اور خضر اس لیے ان کا نام ہو گیا کہ ایک صاف اور چمکیل زمین ان کے بیٹھنے سے سرسبز ہو گئی اور مجاہد محمد علیؑ کہتے ہیں کہ خضر کو اس لیے خضر کہا گیا کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے ارد گرد کی زمین سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام ”عابر“ یا ”خضر دن“ تھا اور صحیح اور رائج قول یہ ہے کہ ان کا نام بلیا بن مکان تھا۔

(دیکھو نسخ الباری ص ۳۰۹ جلد ۶ حدیث انخر مع موسیٰ علیہما السلام)

(۲) جمہور علماء کے نزدیک حضرت نوحؑ حضرت یحییٰؑ کی نسل سے ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدمؑ کے صلیٰ فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ مہملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ تھے بنی آدم میں سے نہ تھے (مزید اقوال کی تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶ حدیث انخر مع موسیٰ علیہما السلام دیکھیں)۔

یہ ناچیز کہتا ہے کہ حقیقت حال تو اللہ کو معلوم مگر حضرت علیؑ کے جو افعال حق تعالیٰ نے ذکر فرمائے تو وہ ملائکہ مدبر استوار سے یعنی کارکنان قضاء و قدر سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کرام کا علم اور قسم کا ہے اور انبیاء و مرسلین کا علم اور قسم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو یہ دکھا دیا کہ ہمارے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو ملائکہ کی طرح ہمارے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ در پردہ کیا ماجرا ہے۔ حضرت علیؑ اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہوا اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کیے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کیے گئے اور عجب نہیں کہ اسی غلبہ ملکیت کی وجہ سے حضرت علیؑ عام نظروں سے محبوب و مستور کر دیئے گئے ہوں جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح حضرت خضرؑ بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ حضرت علیؑ حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں مگر عملی طور پر نمونہ ملائکہ ہیں اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

موسیٰؑ کو حضرت علیؑ کے پاس جانے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ حضرت علیؑ کو جو علم دیا گیا ہے وہ دوسری قسم کا ہے تم اس سے واقف نہیں بلکہ وہ ایسا علم ہے جو بظاہر علوم نبوت اور علوم شریعت کے خلاف ہے اور تم اس کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے بلاشبہ اے موسیٰ تم ہمارے رسول عظیم اور کلیم ہو اور بلاشبہ اس وقت تمام روئے زمین پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم محیط نہیں تم ہمارے مقرب خاص بندے ہو۔ تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے مبادا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ یا واہمہ بھی نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم محیط پر محمول کر دیا جائے۔

(۳) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت علیؑ نبی ہیں یہ ولی ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے اور علماء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے پھر نامعلوم کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے۔ علماء کا جو گروہ ان کی نبوت

کا قائل ہے وہ حجت اور استدلال میں چند امور ذکر کرتا ہے۔

پہلی دلیل: یہ کہ حق تعالیٰ خضر علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں: اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول: وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّسَلِّقَ اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظٰلِمًا مِّنْ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

جواب: نبوت بے شک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسری دلیل: قائلین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے: وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۱۹﴾ اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہ معلم کے تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔

جواب: علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَوْحَيْنَا اِلٰی اِبْرٰهٖمُ اَنْ اَرْضٰعِيْہٖ ؕ اِسْ ایت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ کی وحی اور الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اور علیٰ ہذا قرآن کریم میں حضرت مریم نے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

تیسری دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی حالانکہ نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔

جواب: نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تعلیم اور اس کے اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور اس دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت کو تعلق نہ ہو تو اگر نبی کو ان میں سے کسی علم کی ضرورت اور حاجت ہو تو وہ غیر نبی کے اتباع سے حل کر سکتا ہے اور حدیث جس میں خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس کی مؤید ہے۔

۴) نیز علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یہ مرچکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مرچکے ہیں بہر حال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔

حافظ ابو عمرو بن صلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اسی پر ہے اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ ایک جامع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال جمہور علماء کرام اور عامہ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے جن

اور یہ امر قطعی اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیاء کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلاشبہ یہ گروہ صادقین اور سچوں کا گروہ

ہے۔ اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعی سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جہت سے ہے۔ حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاد تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعی یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے، پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعی یعنی حلال و حرام اور یجوز اور لا یجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکملین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت و ارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے۔ یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نظراً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے: ازی رؤیاکم قد فو اطلنت علی العشر الاواخر۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارے میں عشرہ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کا خواب کاذب نہیں ہوتا اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق ہوگی خاص کر جب علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکوینیہ میں سے ہے۔ لہذا اس بارے میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی۔ واللہ اعلم وعلہ اتم و احکم۔

موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھنی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور وہاں اس نے اپنے لیے سرنگ اور طاق بنالیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے ہوئے ایک دوسرے کی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا نمجہ ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق کا بن جانا۔ مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیات قدرت اور دلائل نبوت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ یہی نشانی بتلائی تھی کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور یہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْهَبُوا بَقَرًا ۖ إِلَىٰ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَيُؤْتِكُمْ أَيْتَهُ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگا دو وہ خود ہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اڑدھا بن جاتا تھا۔ یہ بھی ایک قسم کا احیاء موتی تھا بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہو جانے کی نظیر آنحضرت ﷺ کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملا یا ہوا

تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ ﷺ مجھے نہ کھائیے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے
 آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ پھل کے معجزے سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو فقط زندہ ہو گئی اور اس بکری کے دست نے آپ ﷺ سے
 باتیں کیں اور دشمنوں نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا اور علی ہذا ستون حسانہ کا رونا اور ہتھروں کا
 آپ ﷺ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ ﷺ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے فقط زندہ
 ہو جانے سے بڑھ کر ہے کیوں کہ یہ جمادات زندہ ہو کر بول رہے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔
 امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل نبوت میں سواد بن عمر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو معجزات
 آنحضرت ﷺ کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے۔ سواد بن عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو
 مردوں کو باذن الہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ ﷺ کو یہ معجزہ نہیں عطا
 کیا) اس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر
 آنحضرت ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہو گیا تو وہ خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز
 تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ ﷺ کی مفارقت کے صدمہ
 سے رونا یہ اسکی کمال محبت کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور پھل کا سمندر میں راستہ بنالینا اور پھل کے چھونے سے پانی
 کا خشک اور نمند ہو جانا اور اسی کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ للہم البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات
 کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے،
 فاروق اعظمؓ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضریؓ کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت
 پیاس لگی۔ راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضریؓ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام و نشان
 نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر
 سیراب ہو گیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آ گئی جس سے
 پار ہونا تقریباً ناممکن تھا۔ علاء بن حضریؓ نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھے یا علی۔ یا عظیم۔ یا حلیم۔ یا کریم۔ پھر کہا بسم
 اللہ پڑھ کر گزر دو اور پار ہو جاؤ۔ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی ساریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہو گئے اور
 جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بھجھ اللہ فتیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا۔ پھر لوٹ
 کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضریؓ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہو کر خشکی پر آ گئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو
 نہیں ملی۔ خطیب رحمہ اللہ ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارے میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

(دیکھو تفسیر سراج مسنیر ص ۲۱۹ جلد ۲)

وَيَسْأَلُونَكَ آيَةَ الْيَهُودَ عَنْ ذِي الْقُرْنَيْنِ ۖ اسْمُهُ اُسْكَنْدَرُ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا قُلْ سَأَتْلُو اسْمَا قُصِّ عَلَيْكُمْ مِنْهُ مِنْ حَالِهِ
 وَكَوْنِهِ خَبَرْنَا مَكَانًا لَهُ فِي الْأَرْضِ بِشَرْبِ الْخَمْرِ فِيهَا وَاتَيْنَهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَبَحْنًا بِحَالِهِ سَبَّحًا طَرِيفًا

يُوصِلُ إِلَى مَزَادِهِ فَأَتَّبَعَ سَبِيلًا ۝ بِبَلِّكَ طَرِيقًا نَحْوَ الْمَغْرِبِ حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ مَوْضِعَ غُرُوبِهَا
وَجَدَهَا تُغْرِبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ذَاتِ حِمَاةٍ وَهِيَ الْعَيْنُ الْأَشْوَدُ وَغُرُوبُهَا فِي الْعَيْنِ فِي رَأْيِ الْعَيْنِ وَالْأَفْهَى
أَعْظَمُ مِنَ الدُّنْيَا وَوَجَدَ عِنْدَهَا أَى الْعَيْنِ قَوْمًا ۝ كَافِرِينَ قُلْنَا لَئِنْ الْفَرِيقَيْنِ بِالْهَامِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ الْقَوْمَ
بِالْقَتْلِ وَإِمَّا أَنْ نَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ۝ بِالْإِسْرِ قَالَ إِمَّا مَنْ ظَلَمَ بِالشَّرِكِ فَنُصِفُ نُعَذِّبُهُ نَقْلُهُ ثُمَّ يَرُدُّ إِلَى
رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نَكِرًا ۝ بِسُكُونِ الْكَافِ وَضَمِّهَا شَدِيدًا فِي النَّارِ وَ إِمَّا مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ
إِلَاضِي ۝ أَى الْجَنَّةِ وَالْإِضَافَةُ لِلْبَيَانِ وَفِي قِرَاءَةٍ يَنْصَبُ جَزَاءً وَ تَوْنِيهِ قَالَ الْفَرَاءُ نَصْبُهُ عَلَى التَّفْسِيرِ أَى
لِجِهَةِ النِّسْبَةِ وَ سَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرٍ نَأْتِيهِ أَى نَأْمُرُهُ بِمَا يَسْهَلُ عَلَيْهِ ثُمَّ أَتَّبَعَ سَبِيلًا ۝ نَحْوَ الْمُسْرِقِ حَتَّى
إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ مَوْضِعَ طُلُوعِهَا وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَى قَوْمٍ ۝ هُمْ الزَّنَجُ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا أَى
الشَّمْسِ سِتْرًا ۝ مِنْ لَيْلٍ وَلَا سَفْهِ لَآ أَنْ أَرْضَهُمْ لَا تَحْمِلُ بِنَاءً وَلَهُمْ سُرُوتٌ يَنْفِيُونَ فِيهَا عِنْدَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ وَيَظْهَرُونَ عِنْدَ زَفَاغِهَا كَذَلِكَ أَى الْأَمْرُ كَمَا قُلْنَا وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ أَى عِنْدَ ذِي الْقُرْتَيْنِ
مِنْ الْأَلَاتِ وَالْجُنْدِ وَغَيْرُهُمَا خُبْرًا ۝ عَلِمْنَا ثُمَّ أَتَّبَعَ سَبِيلًا ۝ حَتَّى إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ بَفْتَحِ السَّيْنِ
وَضَمِّهَا هُنَا وَبَعْدَهُمَا جِيلَانِ بِمَنْقَطِعِ بِلَادِ التُّرْكِ سَدَّ الْأَسْكَندَرُ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا سَيَاتِي وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا
أَى أَمْرًا مَهُمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۝ أَى لَا يَفْقَهُونَهُ إِلَّا بَعْدَ بَطُولٍ وَفِي قِرَاءَةٍ بِضَمِّ الْيَاءِ وَ كَسْرِ
الْقَافِ قَالُوا لَئِنْ الْفَرِيقَيْنِ إِنْ يَأْجُوجُ وَ مَا جُوجُ ۝ بِالْهَمْزَةِ وَتُرْكِيهَا إِسْمَانِ اعْجَمِيَانِ لِقَبِيلَيْنِ فَلَمْ يُنْصَرَفَا
مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۝ بِالنَّهْبِ وَالبَغْيِ عِنْدَ خُرُوجِهِمُ الْيَنَّا قَهْلُ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا ۝ جُعَلًا مِنَ الْمَالِ وَفِي قِرَاءَةٍ
خَرَجًا عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ حَاجِرًا فَلَا يَصِلُونَ الْيَنَّا قَالَ مَا مَكَّنِّي ۝ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالتَّوْنِ مِنْ
غَيْرِ ادْعَامٍ فِيهِ رَبِّي مِنَ الْمَالِ وَغَيْرِهِ خَيْرٌ مِنْ خَرَجِكُمْ الَّذِي تَجْعَلُونَهُ لِي فَلَا حَاجَةَ لِي إِلَيْهِ وَ جُعَلُ
لَكُمْ السَّدَّ تَبَرَّعًا فَأَعِزَّنِي بِقُوَّةٍ لَمَّا أَطْلَبْتُمْ مِنْكُمْ أَجْعَلُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ حَاجِرًا حَصِينًا أَلْتَنِي ذَبَرَ
الْعَبِيدُ ۝ قِطْعَةً عَلَى قَدْرِ الْحِجَارَةِ الَّتِي يَبْنِي بِهَا قُبُورَهَا وَجَعَلَ بَيْنَهَا الْحَطَبَ وَ الْفَحْمَ حَتَّى إِذَا سَادَى

بَيْنَ الصَّدَقَيْنِ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَفَتْحِهِمَا وَضَمُّ الْأَوَّلِ وَشُكُونُ الثَّانِي أَيْ جَانِبِي الْجَبَلَيْنِ بِالْبِنَاءِ وَوَضَعَ
الْمَنَافِعَ وَالنَّارَ حَوْلَ ذَلِكَ قَالَ انْفُخُوا فَانْفُخُوا حَتَّى إِذَا جَعَلَهُ أَيْ الْحَدِيدَ نَارًا أَيْ كَالنَّارِ قَالَ التَّوْبَى أَمْرٌ
عَلَيْهِ قَطْرًا ۖ هُوَ النَّحَاسُ الْمَذَابُ تَنَازَعَ فِيهِ الْفِعْلَانِ وَحُذِفَ مِنَ الْأَوَّلِ لِاحْتِمَالِ الثَّانِي فَأَقْرَعَ النَّحَاسُ
الْمَذَابَ عَلَى الْحَدِيدِ الْمُحْمَى فَدَخَلَ بَيْنَ زُبُرِهِ فَصَارَ شَيْئًا وَاحِدًا فَمَا اسْتَطَاعُوا أَيْ يَاجُوجُ وَمَاجُوجُ
أَنْ يَظْهَرُوهُ يَغْلُوا ظَهْرَهُ لَا زِتْفَاعِهِ وَمَلَأَتْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۖ خَرَقًا لِبَصَلَاتِهِ وَسَمِعَكَ قَالَ
ذُو الْقُرْنَيْنِ هَذَا أَيْ السُّدَّ أَيْ الْإِقْدَارَ عَلَيْهِ رَحْمَةً مِنِّي نِعْمَةً لِأَنَّهُ مَانِعٌ مِنْ خُرُوجِهِمْ فَإِذَا جَاءَ وَعَدُ رَبِّي
بِخُرُوجِهِمْ الْقَرِيبَ مِنَ الْبُعْثِ جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۖ مَدَّ كُوكَا مَبْسُوطًا وَكَانَ وَعَدُ رَبِّي بِخُرُوجِهِمْ وَغَيْرِهِمْ
حَقًّا ۖ كَانِنًا قَالَ تَعَالَى وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ يَخْتَلِطُ بِهِ بَكْثَرَتُهُمْ وَنُفِخَ
فِي الصُّورِ أَيْ الْقَرْنِ لِلْبُعْثِ فَجَعَلَهُمْ أَيْ الْخَلَائِقَ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ جَمْعًا ۖ وَعَرَضْنَا قُرُونًا
بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرَضًا ۖ الْكَافِرِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ بَدَلٌ مِنَ الْكَافِرِينَ فِي غَطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي أَيْ الْقُرْآنِ
فَهُمْ عُمَى لَا يَهْتَدُونَ بِهِ وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَبْعًا ۖ أَيْ لَا يَقْدِرُونَ أَنْ يَسْمَعُوا مِنَ النَّبِيِّ مَا يَتْلُو عَلَيْهِمْ ۖ
بَعْضُالَهُ فَلَا يُؤْمِنُونَ بِهِ

ترجمہ: وَيَسْأَلُونَكَ..... اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (یعنی یہود، جن کا نام اسکندر ہے اور وہ نبی نہیں
تھے) آپ کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہارے سامنے اس کا (مختصر حال) ذکر کروں گا (بطور خبر کے) ہم نے ان کو روئے زمین کی
حکومت عطا کی تھی (زمین پر سیر و سیاحت کی آسانیاں دے کر) اور ہم نے ان کو ہر قسم کا (جس کی ضرورت ان کو پڑ سکتی تھی)
سامان دیا تھا (ایسے اسباب و وسائل دئے جو ان کو منزل مقصود تک پہنچا دے)۔ فَاتَّبَعَ سَبَبًا ۖ چنانچہ وہ ایک راستہ پر چل
پڑے مغرب کی جانب ایک راستہ پر چل پڑے۔ حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کی
جگہ پر پہنچے تو سورج کو ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا (ذاتِ جماء بسکون المسح وھی الطین الاسود یعنی ایک
کچڑ والے، ولدلی چشمہ میں اور وہ کالی مٹی ہے اور سورج کا غروب صرف نظر میں آنکھ سے دیکھنے میں تھا اور نہ وہ سورج تو دنیا
سے بہت بڑا ہے۔ وَوَجَدَ عِنْدَهَا..... اور اس کے پاس (یعنی چشمے کے پاس) ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا (جو کافر
تھے)۔ قُلْنَا لَكَ الْقَوْنَيْنِ..... ہم نے کہا (الہام کے ذریعہ) اے ذوالقرنین (تو چاہے تو ان کو سزا دے) قوم کافر کو قتل کر
ذریعہ) یا کہ ان کے بارے میں نرمی اختیار کرو (قید کر کے) ذوالقرنین نے عرض کیا جو شخص ظلم کرے گا شرک کر کے عنقریب ہم

اس کو سزا دیں گے (یعنی اس کو قتل کر دیں گے) پھر وہ (مرنے کے بعد) اپنے مالک حقیقی کے پاس لوٹائے جائیں گے پھر وہ اس کو (دوزخ میں ڈال کر) سخت سزا دے گا (نکرا کے کاف کو جزم اور ضمہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے جس کے معنی سخت کے ہیں)۔
وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا..... اور جو شخص (دعوت ایمان کے بعد) ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لیے (آخرت میں) نیک بدلہ ہے (یعنی جنت) اس صورت میں جزاء کی اضافت حسنی کی طرف اضافت بیانیہ اور ایک قراءت میں جزا منصوب مع اتوین ہے، اور فراء نے کہا کہ جزاء پر نصب تفسیر کے لیے ہے یعنی حسنی بحیثیت جزا ملے گی) اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس سے آسان اور نرم بات کہیں گے (یعنی اس کو ایسا ہی حکم دیں گے جو اس پر آسان ہو۔ ثُمَّ أَنتَبِغْ سَبَبًا پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑے (مشرق کی جانب یہاں تک جب طلوع آفتاب کے موقع پر (سورج طلوع ہونے کی جگہ پر) پہنچ تو دیکھا کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے ایک قوم پر (جو جوش ہیں) جن کے لیے ہم نے آفتاب سے آڑ (پردہ) کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی (یعنی نہ لباس اور نہ چھت اس لیے کہ ان لوگوں کی زمین تعمیر کا بار اٹھانے کے قابل نہیں تھی البتہ ان کے لیے سرگمین تھیں جن میں وہ آفتاب کے طلوع ہوتے وقت چھپ جاتے اور آفتاب کے بلند ہونے یعنی زوال کے بعد سرنگ سے باہر نکل آتے ہیں۔ کذلک اسی طرح ہے) (یعنی ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح جس طرح ہم نے بیان کیا ہے) اور جو کچھ اس کے پاس تھا (یعنی ذوالقرنی کے پاس جو ساز دسماں اور لشکر وغیرہ تھا ہم کو اس کی پوری خبر ہے) (ہمارا علم اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے) سُفُوسَمٌ۔ ثُمَّ أَنتَبِغْ سَبَبًا پھر ذوالقرنین ایک اور راستہ چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ پہاڑوں کے درمیان پہنچے (سدین کے سین پر زبر اور پیش دونوں طرح قراءت ہے، یہاں یعنی اس آیت: إِذَا كُنْتَ بَيْنَ التَّوَيْنِ اور بعد کی آیت: أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُم سَدًا میں سد کا لفظ آیا ہے مراد دو پہاڑ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ جب ذوالقرنین چلتے چلتے دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے جو ترکستان کا آخری حصہ ہے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سکندر ذوالقرنین نے ایک دیوار بنادی جیسا کہ عنقریب آئے گا۔
وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا..... تو ان دونوں پہاڑوں سے ورے (یعنی دونوں پہاڑوں کے سامنے) ایک قوم کو پایا جو تقریباً کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے (یعنی جنگی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے کوئی بات نہیں سمجھتے تھے مگر بہت دیر کے بعد، يَفْقَهُونَ میں ایک قراءت یاء کے ضمہ اور ق کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ قَالُوا يَذَّالِقُ الْغَرْنَيْنِ إِنْ بَأْسُهُمَا ان لوگوں نے کہا اے ذوالقرنین یا جوج اور ماجوج کی قوم (یا جوج اور ماجوج ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے دونوں قراءت ہے یہ دونوں دو قبیلوں کے عجمی نام ہیں اور دونوں اسم غیر منصرف ہیں) مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ہماری اس سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں (جب وہ لوگ نکل کر ہمارے پاس آتے ہی تو لوٹ مار اور قتل و غارتگری کرتے ہی) تو کیا ہم لوگ آپ کے لیے کچھ مال جمع کریں (چندہ کر کے کچھ مال جمع کر دیں اور ایک قراءت میں خَوَّجًا کے بجائے خَزَّاجًا ہے خرج اور خراج دونوں ہم معنی ہیں اجرت، مزدوری وغیرہ) عَلَى أَنْ تَجْعَلَ..... اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان کوئی عمارت بنا دیں (یعنی کوئی ایسی رکاوٹ کھڑی کر دیں کہ پھر وہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے) ذوالقرنین سے کہا جو کچھ اختیار دیا ہے مجھ کو (ایک قراءت میں دونوں کے ساتھ بغیر ادغام کے ہے) میرے پروردگار نے مال وغیرہ میں وہ بہتر ہے تمہاری اس اجرت (چندہ) اسے جو تم میرے لیے ٹھہراتے ہو اس لیے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے اور میں ان خود تمہارے لیے رکاوٹ کھڑی کر دوں گا۔ فَاعْبُدُونِي۔ يَعْلَمُونَ.....

البتہ تم لوگ اپنی طاقت (یعنی ہاتھ پاؤں کی جسمانی محنت) سے میری امداد کرو (جب میں تم سے اس کا مطالبہ کروں) تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا (یعنی ایسی مضبوط روک بنا دوں گا کہ یا جوج ماجوج ادھر نہ آ سکیں) اَتُوْنِ زُبُوْرَ الْحَدِيْدِ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ (لوہے کے ٹکڑے لاؤ ان پتھروں کے برابر جن سے دیوار کھڑی کی جاسکے چنانچہ ذوالقرنین نے اس لوہے کے ٹکڑوں سے دیوار کی تعمیر کر دی اور اسکے درمیان میں لکڑی اور کوئلہ رکھ دیا۔ حَقِّيْ اِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ یہاں تک کہ جب (اس دیوار کے ردے ملاتے ملاتے) دونوں پہاڑوں کی پھاکیوں کو برابر کر دیا پاٹ دیا (صدفین میں دونوں طرف صاد اور دال کے ضمہ کے ساتھ اور دونوں پر فتح کے ساتھ اور صاد کو ضمہ اور دال ساکن یعنی جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو تعمیر دیوار کے ذریعہ پُر کر دیا اور دھونکی اور آگ اس کے پاس رکھ دئے گئے) قَالَ اَنْفُخُوْا ذُو الْقَرْنَيْنِ نے کہا اس میں آگ لگا کر پھونک مارو (لوگوں نے آگ کو دھونکا) یہاں تک کہ جب بنا دیا اس کو (یعنی لوہے کو) آگ (یعنی آگ کی طرح سرخ) تو کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ تاکہ میں اس پر ڈال دوں (قطر کے معنی پگھلا ہوا تانبہ۔ اس قَطْرًا میں تازع فعلان ہے یعنی قَطَرًا مفعول ہے اس میں اَتُوْنِ اور افرغ دونوں فعل اپنا مفعول بنانا چاہتے ہیں تو یہاں قَطْرًا کو فعل ثانی افرغ کا مفعول بنا دیا اور فعل اول اَتُوْنِ کے بعد اس کا مفعول قَطْرًا کو مخذوف مانا گیا ہے۔ اسی آتونی قطر افرغ علیہ قطرا پھر انہوں نے اس پگھلے ہوئے تانبے کو اس گرم دھلتے ہوئے لوہے پر ڈال دیا چنانچہ وہ تانبہ لوہے کی چادروں میں پیوست ہو کر ایک چیز بن گیا پھر چونکہ یہ دو در نہایت بلند اور چوڑی چکنی اور مضبوط تھی) اس لیے انہیں قدرت ہوئی ان کو (یعنی یا جوج ماجوج کو کہ اس پر چڑھ سکیں۔ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهُ نَقْعًا اور نہ ان کے لیے ممکن رہا کہ وہ اس میں سوراخ کر دیں) (اس دیوار کے سخت اور موٹا ہونے کی وجہ سے) (ذوالقرنین نے کہا یہ) (یعنی یہ دیوار یعنی اس دیوار پر قادر بنانا) میرے پروردگار کی رحمت ہے (نعمت ہے کیونکہ یہ دیوار یا جوج ماجوج کے نکلنے سے روک ہے پھر جب (قیامت کے قریب یا جوج ماجوج کے نکلنے کی بابت) میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ (جو قیامت کے قریب یا جوج ماجوج کے خروج وغیرہ کا کیا ہے) حق ہے (بلاشبہ ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا): وَتَرٰكُنَا بَعْضُهُمْ يُؤْمِنُ اور ہم اس روز ان کے بعض کو چھوڑ دیں گے (یعنی جب یا جوج ماجوج کا خروج ہو گا کہ ایک میں ایک گنڈہ ہو جائیں گے اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے) اور صور پھونکا جائے گا (صور ایک قرن یعنی سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا بعث بعد الموت کے لیے فَجَمَعْنَاهُمْ اٰلِہٖمْ سَبًّا کو ایک ایک کر کے جمع کریں گے (یعنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن ایک جگہ میں جمع کر لیں گے) اور اس روز دوزخ کو ہم کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں (الَّذِيْنَ بَدَّلَ وَاٰقِعَہٗمُ الْکٰفِرِيْنَ سے) میری یاد سے پردہ میں تھیں (یعنی قرآن سے غافل تھے یہ لوگ اندھے تھے اس قرآن سے ہدایت نہیں حاصل کر سکتے) اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے (یعنی نبی کریم ﷺ ان کے سامنے جو آیات و احکامات کی تلاوت فرماتے تھے) بغض و عناد کی وجہ سے سننا گوارہ نہیں کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: مِنْ خَالِه: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قولہ: يَخْتَالِجُ السَّيِّئَاتِ: یعنی علم طاقت اور آلات وغیرہ۔

قولہ: فَاتَّبَعَ سَبِيلًا: یعنی اس مغربی جانب میں پہنچنے کیلئے اس کے اسباب و ذرائع تلاش کرنے شروع کیے۔

قولہ: وَغُرُوبَهَا فِي الْغَيْبِ: یعنی ظاہر دیکھنے میں سورج وہاں غروب ہو رہا ہے کیونکہ وہ بحر محیط کے ساحل پر پہنچ چکا ہے۔

قولہ: وَالْأَفْهَى أَكْثَرُ: اس میں اس ارادہ کی ایک دوسری وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا کہ سورج تو زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔

قولہ: بِالْأَشْرِ: اس کو قتل کے مقابلہ میں احسان قرار دیا۔

قولہ: فَسُوفَ نُعَذِّبُهُ: یعنی اس نے دعوت کو پسند نہ کیا تو اس نے کفر پر اصرار کر کے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

قولہ: وَتَوْبَتِهِ: الْحُسْنَى سے یہ حال ہے یعنی اس کو اچھا ثواب ملے گا یا فَلَکَ مصدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے (لما ہجری

بہا جزاء)

قولہ: نَائِمٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں امر مامور کے معنی میں ہے۔

قولہ: بِمَا تَشْتَلِ عَلَيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: وَلَهُمْ سُرُورٌ: جمع ہے سرب، زمین دوز گڑھوں کو کہاں جاتا ہے۔ سرگین۔

قولہ: الْأَمْرُ: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قولہ: عَلِمْنَا: یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی ان کی تعداد کا علم نہیں۔

قولہ: أَنَا نَحْنَا: اس میں اشارہ کر دیا کہ یہاں دون کا معنی امام ہے۔

قولہ: لَا يَبْقَىٰ بَطْنٌ: وہ دیر سے اس لئے سمجھے کہ زبان نہیں جانتے تھے اور سمجھ بھی کم تھی۔

قولہ: رَدْمًا: سد سے بڑی دیوار کو کہتے ہیں۔

قولہ: أَتَوْنِي: یہ دینا بطور معاونت ہے نہ کہ بطور خراج۔

قولہ: كَالنَّارِ: یعنی حرارت میں وہ آگ کی طرح ہو گیا۔

قولہ: حُذِفَ مِنَ الْأَوَّلِ: یعنی میرے پاس پگھلا ہوا تانبہ لاؤ میں اس پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالوں گا۔

قولہ: مَلَأْتِهِ: ملائم ہونا۔

قولہ: وَسَنَلِكْ: بلندی اور موٹائی۔

قولہ: مَذْكُورًا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی زمین کے برابر کر دیا جائے گا۔

قولہ: يَخْتَلِطُ بِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ زمین یا جوج ماجوج کی طرف لوٹ رہی ہے کہ وہ دیوار کے پیچھے سے نکلے وقت بھیڑ

بھاڑ کی صورت میں نکلیں گے۔ با مخلوق ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائے گی۔
قوله: بُغْضَالَهُ: یعنی وہ بغض کی وجہ سے قرآن کو سنتے نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ فِيهِ ذِكْرًا ۝
قصہ ذوالقرنین:

ذوالقرنین کا مفصل قصہ، مغرب و مشرق کا سفر کرنا یا جوج و ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار بنانا۔
 مذکورہ بالا آیات میں ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے مغرب اور مشرق کے اسفار اور ایک قوم کی درخواست کرنے پر یا جوج ماجوج سے حفاظت کرنے کے لیے دیوار بنادینے کا تذکرہ فرمایا ہے یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علماء یہود نے قریش مکہ سے کہا تھا کہ تم محمد رسول اللہ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں، وہ تین باتیں جن کا سوال کرنے کی تلقین کی تھی ان میں ایک سوال روح کے بارے میں تھا اور دوسرا سوال اصحاب کہف کے بارے میں اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا سورۃ الاسراء میں روح کے بارے میں سوال و جواب گزر چکا ہے اور سورۃ کہف کے رکوع نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں اصحاب کہف کا تذکرہ ہو چکا ہے ذوالقرنین کے بارے میں جو سوال کیا تھا یہاں اس کا جواب مذکور ہے۔ ذوالقرنین کون تھے اور یا جوج ماجوج کہاں تھے اور جو دیوار یا جوج ماجوج کے فساد سے بچانے کے لیے بنائی تھی وہ کہاں ہے یہ سوال دلوں میں ابھرتے ہیں اور ایک مؤمن آدمی کے لیے تو قرآن کا اجمالی بیان ہی کافی ہے لیکن اس دور میں چونکہ تحقیق اور تفتیش کا ذوق کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے اس لیے مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب آجائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ذوالقرنین کون تھے ان کا نام کیا تھا اور ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا:

پہلا سوال کہ ذوالقرنین کون تھے اور ان کا نام کیا تھا اور ان کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟ اس کے بارے میں اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بعض لوگوں نے ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی بتایا ہے جس کا وزیر ارسطو (فلسفی) تھا۔ محققین کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (جنہوں نے یا جوج ماجوج کی حفاظت کے لیے دیوار بنائی تھی) وہ ایک مؤمن صالح آدمی تھے (اور بعض حضرات نے انہیں نبی بھی مانا ہے) اور اسکندر مقدونی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسکندر مقدونی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسکندریہ شہر کا بانی تھا (جو مصر میں ایک مشہور شہر ہے) اور وہ ذوالقرنین اول (جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے) سے بہت متاخر تھا یہ شخص (بانی اسکندریہ) حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اس نے دارا کو قتل کیا اور شاہان فارس کو ذلیل کیا اس کے بعد حافظ ابن

کثیر تحریر فرماتے ہیں۔

وانما نبهنا عليه الان كثيرا من الناس يعتقد انهما واحد وان المذكور في القرآن هو الذي كان ارطاطاليس وزيره فيقع بسبب ذلك خطأ كبير وفساد عريض طويل كثير فان الاول كان عبدا مؤمنا صالحا وملك اعدالا وكان وزيره الخضر وقد كان نبيا على ما قررنا قبل هذا واما الثاني فكان مشركا وكان وزيره فيلسوفا وقد كان بين زمانيهما ازيد من الفاسنة فان هذا من هذا لا يستويان ولا يشتبهان الا على غبي لا يعرف حقائق الامور۔ (الداية والنهاية ص ۲۶ ج ۲)

ہم نے اس بات پر اس لیے تنبیہ کی ہے کہ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ وہی ذوالقرنین ہے جس کا وزیر ارسطو تھا اور اس کی وجہ سے بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ذوالقرنین اول (جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) وہ عبد مؤمن تھے صالح انسان تھے اور ملک عادل تھے اور ان کے وزیر حضرت خضر تھے اور خود بھی نبی تھے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا ہے، اور دوسرا ذوالقرنین مشرک تھا اور اس کا وزیر ایک فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان دو ہزار سے زائد مدت کا فاصلہ تھا سو یہ کہاں اور وہ کہاں؟ دونوں میں ایسے ہی کوڑھ مغز آدمی کو اشتباہ ہو سکتا ہے جو حقائق الامور کو نہ جانتا ہو۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ ذوالقرنین کون تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے حافظ ابن کثیر نے ان کے نام کے بارے میں چند اقوال نقل کیے ہیں۔ (۱) عبد اللہ بن ضحاک بن معد (۲) مصعب بن عبد اللہ بن قنان (۳) مرزوبان بن مرزبہ (۴) مصعب بن ذی مراند (۵) ہرمس (۶) ہر دیس، پھر لکھا ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بنی حمیر میں سے تھے۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کا لقب ہی ذکر کیا ہے نام اور نسل کا تذکرہ نہیں فرمایا اس لیے اتنا زیادہ اختلاف ہوا اور اصل مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے اور اسحق بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ان کے وزیر اور مشیر حضرت خضر علیہ السلام ان کے لشکر کے سب سے اگلے حصہ کے امیر تھے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ کعبہ مکرمہ کا طواف کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے پیدل حج کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو ان کا استقبال کیا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا وہ جہاں چاہتے تھے ان کو لے جاتے تھے۔ واللہ اعلم

ذوالقرنین کا یہ لقب کیوں معروف ہوا؟ اس سوال کے جواب میں اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ قرنین ثنیہ ہے قرن کا اور قرن عموما سینک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سو سال کی مدت کے لیے لفظ قرن کا اطلاق ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے (ج ۱۶ ص ۲۴ پر) گیارہ قول نقل کیے ہیں اور ان کے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: فیہا مالا یکاد بصح (یعنی ان میں وہ باتیں ہیں جو صحیح ہونے کے قریب بھی نہیں ہیں) ان گیارہ وجوہ میں بعض باتیں دل کو لگتی ہیں ایک

تو یہ کہ ان کے زمانہ سلطنت میں دو قریب ختم ہو گئی تھیں یعنی دو سو سال سے زیادہ ان کی حکومت رہی۔ دوسرا یہ کہ ان کے سر میں دو سینک تھے جیسے بکری کے کمر ہوتے ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عمامہ استعمال کیا تاکہ انہیں چھپا کر رکھا جائے تیسرا یہ کہ ان کے تاج میں دو سینک تھے اور چوتھا یہ کہ انہوں نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا تھا ہر جانب کو ایک قرن سے تعبیر کیا گیا۔

علامہ شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دلوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا فرماں روا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔ (فتح الباری ص ۲۷۲ ج ۶ و مرقۃ المفاری ص ۳۲۷ ج ۷)

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَا ذَا الْقُرْنَيْنِ امْضَا
أَنْ تَعَذِّبَ وَاقْصَا أَنْ تَسْخَذَ فِيهِمْ حُسْنًا ۝

مغرب کا سفر:

قریش مکہ کے سوال کرنے پر ذوالقرنین کے بارے میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالقرنین کو زمین میں حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا جو حکومت کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک راہ پر چل دیئے یعنی مغرب کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا سفر کرتے کرتے (درمیان شہروں کو فتح کرتے ہوئے) ایسی جگہ پر پہنچے جو آفتاب غروب ہونے کی جگہ تھی مطلب یہ ہے کہ مغرب کی جانب میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ایک سیاہ مٹی والے چشمہ میں آفتاب ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ اس سے سمندر کا پانی مراد ہے۔ عین عربی میں چشمہ کو اور حمۃ کا لے رنگ کی کچھڑ اور دلدل کو کہا جاتا ہے صاحب روح المعانی (صفحہ ۳۲ ج ۱۶) لکھتے ہیں کہ (عین حمۃ) سے یا تو کوئی ایسا چشمہ مراد ہے جو سمندر میں تھا یا اس سے سمندر ہی مراد لیا ہے اور سمندر کو عین یعنی چشمہ نام رکھنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن کالی مٹی والے چشمے میں آفتاب غروب ہوتا ہوا نظر آتا یہ بتاتا ہے کہ سمندر میں دور دراز دوسرے کنارے پر آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ کیونکہ عام محاورہ میں کچھڑ اس مٹی کو کہا جاتا ہے جو تھوڑے پانی میں ہو (اور عموماً کناروں پر پانی تھوڑا ہوتا ہے۔)

آفتاب حقیقت میں سمندر میں غروب نہیں ہوتا مگر سمندر سے آگے نگاہ نہ پہنچنے کی وجہ سے سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے جن حضرات نے سمندری سفر کیے ہیں انہوں نے بارہا پانی کے جہاز میں یہ منظر دیکھا ہوگا۔

وہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ ایک قوم آباد ہے اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین تمہیں اختیار ہے خواہ ان کو عذاب دینا یعنی ابتدائی (ان کے کفر کی وجہ سے) قتل کر دیا ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو یعنی ان کو ایمان کی دعوت دو پھر نہ مانیں تو قتل کر دینا۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو پہلے دعوت ایمان پہنچ چکی تھی وہ اس کے باوجود بھی کافر تھے اس لیے مستقل طور پر دعوت دیئے بغیر بھی قتل کرنے کا اختیار عطا فرما دیا) ذوالقرنین نے عرض کیا کہ ہم پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیں گے (دعوت دینے کے بعد) جس شخص نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر پر ہی رہا تو ہم اسے سزا دیں گے (قتل کریں یا اور کوئی

صورت اختیار کریں اور یہ سزا نیا دی ہوگی) پھر جب وہ اپنے رب کے پاس واپس لوٹا یا جائے گا یعنی موت کے بعد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا تو وہ اسے بری سزا دے گا اور جو شخص دعوت حق کو قبول کرے گا اور ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کے لیے ایمان و عمل کے بدلہ بھلائی ملے گی (یعنی جنت میں داخل ہوگا کما فی سورۃ یونس: وَلَنُكَفِّرَنَّ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادًا ۖ اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی عملی یا زبانی سختی نہ ہوگی۔

مشرق کا سفر:

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ۖ: مغرب کے سفر کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کے ممالک کا رخ کیا اور مشرقی جانب کی راہ پر چل دیے، چلتے چلتے جب ایسی جگہ پہنچے جہاں آفتاب طلوع ہونے کی جگہ تھی (یعنی جانب مشرق میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے) تو دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے کہ آفتاب کے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کوئی آڑ نہیں رکھی یعنی یہ قوم ایسی تھی جو دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی مکان یا خیمہ نہیں بناتے تھے، کھلے میدان میں رہتے تھے (ممکن ہے کہ ان کے یہاں دھوپ کی تیزی زیادہ نہ ہوتی ہو۔ اور دھوپ میں رہنے کی عادت پڑ گئی ہو جیسے جنگلی جانور اس دھوپ میں گزارہ کرتے ہیں اور رہتے ہیں) اور بارش بھی کم ہوتی ہو اور تھوڑی بہت بارش ہونے پر درختوں کے نیچے پناہ لے لیتے ہیں۔

كَذَٰلِكَ ۖ: یہ قصہ اس طرح ہے واقعی ہے۔ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۖ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان وغیرہ تھا اور ان کو جو حالات پیش آئے ہم کو ان کی پوری خبر ہے۔

حضرت ذوالقرنین نے جس قوم کو مشرق کے آخری حصے میں پایا قرآن مجید میں ان کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ وہ مؤمن تھے یا کافر، اور نہ یہ بتایا کہ ان کے ساتھ ذوالقرنین نے کیا معاملہ کیا۔ اگر یہ لوگ کافر تھے تو بظاہر وہی معاملہ کیا ہوگا جو مغرب کی جانب رہنے والوں کے ساتھ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا سفر:

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ۖ: جانب مشرق میں مَطْلِعُ الشَّمْسِ میں رہنے والی قوم سے فارغ ہو کر ذوالقرنین آگے بڑھے، چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا۔ (یہ بَيْنَ السَّيِّئَيْنِ کا ترجمہ ہے۔ اور سدیدین سے دو پہاڑ مراد ہیں ان کے درمیان خالی جگہ تھی۔ ان دونوں کے درمیان درہ سے جہاں یا جوج ماجوج حملہ آور ہوئے تھے۔)

ان پہاڑوں سے ورے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔ (ذوالقرنین کی زبان تو کیا سمجھتے یہ تو لغت جاننے کی بات ہے سمجھ بوجھ بھی بس یونہی تھوڑی بہت تھی لیکن دشمنوں کی وجہ سے پریشان بہت زیادہ تھے۔)

یا جوج ماجوج سے حفاظت کے لیے دیوار کی تعمیر:

ذوالقرنین کا اقتدار دیکھتے ہوئے اپنی مصیبت سے چھٹکارا کے لیے (اشارہ وغیرہ کے ذریعہ) انہوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین یا جوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں (گھائی کے اس طرف رہتے ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو کر قتل و غارتگری

کرتے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے) سو کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے چندہ کر کے مال جمع کر دیں اور اس شرط پر آپ کو دیدیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان روکنے والی ایک آڑ بنادیں۔ (تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں۔)

دیوار کو کس طرح اور کس چیز سے بنایا گیا:

ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال جمع کرنے کی ضرورت نہیں مجھے میرے رب نے جو اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے جس میں مالی تصرفات بھی شامل ہیں وہ بہتر ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کی طاقت یعنی محنت و ہمت کے ذریعہ میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنادوں گا۔ تم ایسا کرو کہ لوہے کے ٹکڑے لاؤ (چنانچہ ٹکڑے لائے گئے اور ان کو اینٹوں کی جگہ استعمال کیا اور اس طرح ان کی چنکی کی کہ ان کے درمیان لکڑی اور کوئلے رکھتے چلے گئے) یہاں تک کہ جب پہاڑوں کے درمیان والے خالی حصے کو پہاڑوں کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اب دھونکو (صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ پھونکنے کے آلات رکھ دیئے گئے اور چاروں طرف آگ جلا دی گئی) چنانچہ ان لوگوں نے دھونکنا شروع کیا اور اتنا دھونکا اتنا دھونکا کہ وہ لوہا آگ بن گیا۔ اندر کی لکڑیاں اور کوئلہ تو جل گیا اور لوہے کے ٹکڑے آگ کی طرح لال ہو کر آپس میں جڑ گئے۔ مضبوط دیوار کے لیے تو یہی کافی تھا لیکن انہوں نے مضبوطی کے لیے یہ کیا کہ تانبا طلب کیا اور ان لوگوں سے فرمایا کہ میرے پاس تانبا لے آؤ تاکہ میں تانبا کو اس پر ڈال دوں، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا اس لوہے میں ڈال دیا جو خوب زیادہ گرم تھا اول تو وہ خود ہی آپس میں مل کر جام ہو چکا تھا پھر اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا جو لوہے کے ٹکڑوں کے اندر پکی کھچی جگہوں میں داخل ہو گیا۔ اور اس طرح سے ایک مضبوط دیوار بن گئی۔ اس دیوار کی بلندی اور چوڑائی اور چکنے پن کی وجہ سے یا جوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ جب ذوالقرنین دیوار بنا کر فارغ ہوئے تو کہنے لگے (هَذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي) یہ میرے رب کی طرف سے بڑی رحمت ہے اور دیوار کا تیار ہو جانا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے مجھے اس نے اس کام میں لگایا اور ان لوگوں کے لیے بھی رحمت ہے جن کو یا جوج ماجوج دکھ دیتے تھے اور غارت گری کرتے تھے اب دیوار کے ادھر رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یا جوج ماجوج سے محفوظ فرما دیا۔

یا جوج و ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں، سد ذوالقرنین کس جگہ ہے؟

ان کے متعلق اسرائیلی روایات اور تاریخی کہانیوں میں بہت بے سرو پا عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں جن کو بعض درجہ دو حضرات مفسرین نے بھی تاریخی حیثیت سے نقل کر دیا ہے مگر وہ خود ان کے نزدیک بھی قابل اعتماد نہیں قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم ﷺ نے بقدر ضرورت تفصیلات سے بھی امت کو آگاہ کر دیا ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آگئی ہے اس سے زائد تاریخی اور جغرافیائی حالات جو مفسرین محدثین اور مؤرخین نے ذکر کئے ہیں اور صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ان میں جو اہل تاریخ کے اقوال مختلف ہیں وہ قرآن اور قیاسات اور تخمینوں پر مبنی ہیں ان کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی اثر قرآنی ارشادات پر نہیں پڑتا۔

میں اس جگہ پہلے وہ احادیث نقل کرتا ہوں جو اس معاملے میں محدثین کے نزدیک صحیح یا قابل اعتماد ہیں اس کے بعد بقدر ضرورت تاریخی روایات میں لکھی جاویں گی۔

یا جوج و ما جوج کے متعلق روایات حدیث:

قرآن و سنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یا جوج و ما جوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں عام انسانوں کی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی نص صریح ہے: وَجَعَلْنَا خُذْرٍ يَتَّبِعُهُ الْهَيْجُومُ لِيُغْرِقَنَّهُ طُوفَانٌ نُّوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے۔ تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یافث کی اولاد میں ہیں ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور صحیح حدیث حضرت نواس بن سمعانؓ کی ہے جس کو صحیح مسلم اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس میں خروج دجال نزول عیسیٰ علیہ السلام پھر خروج یا جوج و ما جوج وغیرہ کی پوری تفصیل مذکور ہے اس پوری حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر و ذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ وہ کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے (مثلاً جنت و دوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات) آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے حضور ﷺ فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں (یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا (تمہیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں) اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار ہے (اس کی علامت یہ ہے) کہ وہ نو جوان سخت بیچ دار بالوں والا ہے اس کی ایک آنکھ اوپر کوا بھری ہوئی ہے (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) اور اگر میں (اس کی بیچ صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکنا ہوں تو وہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے (یہ زمانہ جاہلیت میں بنو خزاعہ قبیلہ کا ایک بد شکل شخص تھا) اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے (اس سے دجال کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا) دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا اے اللہ

کے بندو اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ زمین میں کس قدر مدت رہے گا آپ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرتا ہوں گی پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو پھر دجال کسی قوم کے پاس سے گزرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے اور زمین کو حکم دے گا وہ سرسبز و شاداب ہو جائے گی (اور ان کے مویشی اس میں چریں گے) اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے کی بہ نسبت اونچے ہوں گے اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور ان کی کوکھیں پر ہوں گی پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گزرے گا اور ان کو بھی اپنے کفر و اضلال کی دعوت دے گا لیکن وہ اس کی باتوں کو رد کر دیں گے وہ ان سے مایوس ہو کر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا اور ویران زمین کے پاس سے اس کا گزر ہوگا تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہوتی ہیں پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا اس کو تلواریں مار کر دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کر دیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنے والے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر وہ اس کو بلائے گا وہ (زندہ ہو کر) دجال کی طرف سر کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آجائے گا دریں اثنا حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے چنانچہ وہ دو رنگ دار چادریں پہنے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھریں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے جس کا فر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مر جائے گا۔

اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ آپ اسے باب اللہ پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے اور (بطور شفقت کے) ان چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوش خبری سنائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور حق تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ سرعت میر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ

طریقہ سے گزریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گزریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائے گا تو ایک نیل کے سر کو سودینار سے بہتر سمجھا جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے (حق تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے) اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یا جوج و ما جوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا (اس کی کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے) کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھر کم پرندوں کو بھیجیں گے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی (اور ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی ساری زمین دھل جائے گی اور شیشہ کے مانند صاف ہو جائے گی پھر حق تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگادے اور (از سرفو) اپنی برکات کو ظاہر کر دے (چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہو جائے گا (یہ غیر معمولی برکات اور امن و امان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے اور باقی صرف شریرو کا فرہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

اور حضرت عبد الرحمن بن یزید کی روایت میں یا جوج و ما جوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی ہے وہ یہ کہ بحیرہ طبریہ سے گزرنے کے بعد یا جوج و ما جوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل النمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو سب قتل کر دیا ہے لو اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کریں چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر حق تعالیٰ کے حکم سے خون آلود ہو کر ان کی طرف واپس آئیں گے (تاکہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیا)۔

اور دجال کے قصہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے دور رہے گا اور مدینہ کے راستوں پر بھی اس کا آنا ممکن نہ ہوگا تو وہ مدینہ کے قریب ایک شور زمین کی طرف آئے گا اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا اور وہ آدمی اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا اور اس کو خطاب کر کے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں

کہ تو وہی دجال ہے جس کی ہمیں رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی (یہ سن کر) دجال کہنے لگے گا تو گو مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تو میرے خدا ہونے میں شک کرو گے وہ جواب دیں گے نہیں چنانچہ اس آدمی کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا تو وہ دجال کو کہہ گا کہ اب مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا ہے دجال اس کو دو بار قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ (صحیح مسلم)

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے بعث النار (یعنی جہنمی لوگ) اٹھائیے وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں تو حکم ہوگا ہر ایک ہزار میں سے نو سونٹا نوے جہنمی ہیں صرف ایک جہنمی ہے صحابہ کرام اجمعین سہم گئے اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے وہ ایک جہنمی کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا تم نہ کرو کیونکہ یہ نو سونٹا نوے جہنمی تم میں سے ایک اور یا جوج و ماجوج میں سے ایک ہزار کی نسبت سے ہوں گے۔ اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ان میں سے نو حصے یا جوج و ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں باقی ساری دنیا کے انسان ہیں۔ (روح المعانی)

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان روایات کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ یا جوج و ماجوج کی تعداد ساری انسانی آبادی سے بے حد زیادہ ہے۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں باسناد صحیح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد چالیس سال زمین پر رہیں گے مسلم کی ایک روایت میں جو سات سال کا عرصہ بتلایا ہے حافظ نے فتح الباری میں اس کو مؤول یا مرجوح قرار دے کر چالیس سال ہی کا عرصہ صحیح قرار دیا ہے اور حسب تصریح احادیث یہ پورا عرصہ امن و امان اور برکات کے ظہور کا ہوگا بغض و عداوت آپس میں قطعانہ رہے گا کبھی دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا یا عداوت نہیں ہوگی۔ (روایت مسلم و احمد)

بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کا حج و عمرہ خروج یا جوج و ماجوج کے بعد بھی جاری رہے گا۔ (غیر مقہری)

بخاری و مسلم نے حضرت زینب بنت جحش ام المؤمنینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے۔

لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یا جوج و ماجوج مثل هذه وحلق تسعین۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آچکا ہے آج کے دن یا جوج و ماجوج کی ردم یعنی سد میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا۔

ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم ایسے حال میں ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ خبث (یعنی شر) کی کثرت ہو جائے (مثلاً فی الصمیمین من ابی ہریرۃؓ کذانی البدایہ والنہایہ لابن کثیر) اور سد یا جوج و ماجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہو جانا

اپنے حقیقی معنی بھی ہو سکتا ہے اور مجازی طور پر سد ذوالقرنین کے کمزور ہو جانے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ (ابن کثیر ابو احیان)
مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یا جوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس آہنی دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف کی روشنی نظر آنے لگے مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کو کل کھود کر پار کر دیں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو پھر ویرانی مضبوط درست کر دیتے ہیں اور اگلے روز پھر نئی محنت اس کے کھودنے میں کرتے ہیں یہ سلسلہ کھودنے میں محنت کا اور پھر منجانب اللہ اس کی درستی کا اس وقت تک چلتا رہے گا جس وقت تک یا جوج و ماجوج کو بند رکھنے کا ارادہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اس روز جب محنت کر کے آخری حد میں پہنچا دیں گے اس دن یوں کہے گے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم کل اس کو پار کر لیں گے (اللہ کے نام اور اس کی مشیت پر موقوف رکھنے سے آج توفیق ہو جائے گی) تو اگلے روز دیوار کا باقی ماندہ حصہ اپنی حالت پر ملے گا اور وہ اس کو توڑ کر پار کر لیں گے۔

ترمذی اس روایت کو بسند ابی عوانہ عن قتادہ عن ابی رافع عن ابی ہریرہ نقل کر کے فرمایا: غریب لا نعرفہ الا من هذا الوجه ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

اسنادہ جید قوی ولكن متنه في رفعه نكارة: استاد اس کی جید اور قوی ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کو مرفوع کرنے یا اس کو رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں ایک نكارت و اجنبیت معلوم ہوتی ہے۔

اور ابن کثیر نے الہدایہ والنہایہ میں اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ کعب احبار کی روایت ہے تب تو بات صاف ہوگئی کہ یہ کوئی قابل اعتماد چیز نہیں اور اگر اس روایت کو دوہم راوی سے محفوظ قرار دے کر آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد قرار دیا جائے تو پھر مطلب اس کا یہ ہوگا کہ یا جوج و ماجوج کا یہ عمل سد کو کھودنے کا اس وقت شروع ہوگا جبکہ ان کے خروج کا وقت قریب آجائے گا اور قرآنی ارشاد کہ اس دیوار میں نقب نہیں لگائی جاسکتی یہ اس وقت کا حال ہے جبکہ ذوالقرنین نے اس کو تعمیر کیا تھا اس لئے کوئی تعارض نہ رہا نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نقب سے مراد دیوار کا وہ رخسہ اور سوراخ ہے کہ جو آ رہا ہو جائے اور اس روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ سوراخ آ رہا نہیں ہوتا۔ (بدایہ میں ۱۱۲ ج ۲)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کو عبد بن حمید اور ابن حبان کے حوالے سے بھی نقل کر کے کہا ہے کہ ان سب کی روایت حضرت قتادہ سے ہے اور ان میں بھی کوئی شبہ نہیں کیا اور بحوالہ ابن عربی بیان کیا کہ اس حدیث میں تین آیات الہیہ یعنی معجزات ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ سد کو کھودنے کا کام رات دن مسلسل جاری رکھیں ورنہ اتنی بڑی قوم کے لئے کیا مشکل تھا کہ دن اور رات کی ڈیوئیاں الگ الگ مقرر کر لیتے دوسرے ان کے ذہنوں کو اس طرف سے پھیر دیا کہ اس سد کے اوپر چڑھنے کی کوشش کریں اس کے لئے آلات سے مدد لیں حالانکہ وہب بن منبہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صاحب زراعت و صناعیت ہیں ہر طرح کے آلات رکھتے ہیں ان کی زمین میں درخت بھی مختلف قسم کے ہیں کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اوپر چڑھنے کے ذرائع و مسائل پیدا کر لیتے تیسرے یہ کہ ساری مدت میں ان کے قلوب میں یہ بات نہ آئے کہ ان شاء اللہ

کہہ لیں صرف اس وقت یہ کلمہ ان کی زبان پر جاری ہوگا جب ان کے نکلنے کا وقت مقرر آ جائے گا۔
ابن عربی نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا جوج و ما جوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے وجود اور اس کی مشیت و ارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ہی ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ کلمہ جاری کر دے اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے (اشراط السید محمد ص ۱۵۱) مگر ظاہر یہی ہے کہ ان کے پاس بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہ ہونا چاہئے۔ و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً۔
معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو بھی پہنچی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جتے رہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے وجود اور اس کے ارادہ و مشیت کے قائل ہوں گے اگرچہ صرف اتنا عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت اور آخرت پر ایمان نہ ہو بہر حال ان شاء اللہ کلمہ کہنا باوجود کفر کے بھی بعید نہیں۔

روایات حدیث سے حاصل شدہ نتائج:

مذکورہ صدر احادیث میں یا جوج و ما جوج کے متعلق جو باتیں رسول کریم ﷺ کے بیان سے ثابت ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:
(۱) یا جوج و ما جوج عام انسانوں کی طرح انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جمہور محدثین و مؤرخین ان کو یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یافث ابن نوح کی اولاد نوح علیہ السلام کے زمانے سے ذوالقرنین کے زمانے تک دور دور تک مختلف قبائل اور مختلف قوموں اور آبادیوں میں پھیل چکی تھی یا جوج و ما جوج جن قوموں کا نام ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب سد ذوالقرنین کے پیچھے ہی محصور ہو گئے ہوں ان کے کچھ قبائل اور قومیں سد ذوالقرنین کے اس طرف بھی ہوں گے البتہ ان میں سے جو قتل و غارت گری کرنے والے وحشی لوگ تھے وہ سد ذوالقرنین کے ذریعہ روک دیئے گئے مؤرخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں مگر ان میں سے یا جوج و ما جوج نام صرف ان وحشی غیر متہدین خواف و ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین جو تمدن ہو گئے وہ اس نام سے خارج ہیں۔

(۲) یا جوج و ما جوج کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد کم از کم ایک اور دس کی نسبت سے ہے (حدیث نمبر ۲)

(۳) یا جوج و ما جوج کی جو قومیں اور قبائل سد ذوالقرنین کے ذریعہ اس طرف آنے سے روک دیئے گئے ہیں وہ قیامت کے بالکل قریب تک اسی طرح محصور رہیں گے ان کے نکلنے کا وقت مقدر ظہور مہدی علیہ السلام پھر خروج دجال کے بعد وہ ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر چکیں گے (حدیث نمبر ۱)

(۴) یا جوج و ما جوج کے کھلنے کے وقت سد ذوالقرنین منہدم ہو کر زمین کے برابر ہو جائے گی (آیت قرآن) اس وقت یا جوج و ما جوج کی بے پناہ قومیں بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی سرعت رفتار کے سبب ایسی معلوم ہوں گی کہ گویا یہ پھسل پھسل کر گر رہے ہیں اور یہ لاتعداد وحشی انسان عام آبادی اور پوری زمین پر ٹوٹ پڑیں گے اور ان کے قتل و غارت گری کا

کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بامرالہی اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر پناہ لیں گے اور عام دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ قلعے یا محفوظ مقامات ہیں وہ ان میں بند ہو کر اپنی جانیں بچائیں گے کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے کے بعد ضروریات انتہائی گراں ہو جائے گی باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی قومیں ختم کر ڈالیں گی ان کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گی (حدیث نمبر ۱)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعاء سے پھر ٹڈی دل قسم کی بے شمار قومیں بیک وقت ہلاک کر دی جائیں گی ان کی لاشوں سے ساری زمین پٹ جائے گی ان کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسا مشکل ہو جائے (حدیث نمبر ۱)

(۶) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء ہی کی دعاء سے ان کی لاشیں دریا بردیا غائب کر دی جائیں گی اور عالمگیر بارش کے ذریعہ پوری زمین کو دھو کر پاک صاف کر دیا جائے گا (حدیث نمبر ۱)۔

(۷) اس کے بعد تقریباً چالیس سال امن و امان کا دور دورہ ہوگا زمین اپنی برکات اگل دے گی کوئی مفلس محتاج نہ رہے گا کوئی کسی کو نہ ستائے گا سکون و اطمینان آرام و راحت عام ہوگی (حدیث نمبر ۲)

(۸) اس امن و امان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج و عمرہ جاری رہے گا (حدیث نمبر ۴)

(۹) رسول کریم ﷺ کے آخر زمانے میں بذریعہ وحی خواب آپ کو دکھلایا گیا کہ سدا و القرنین میں ایک سوراخ ہو گیا ہے جس کو آپ ﷺ نے عرب کے لئے شرفقتہ کی علامت قرار دی اس دیوار میں سوراخ ہو جانے کو بعض محدثین نے اپنی حقیقت پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مطلب بطور استعارہ اور مجاز کے یہ قرار دیا ہے کہ اب یہ سدا و القرنین کمزور ہو چکی ہے خدج یا جوج و ما جوج کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس کے آثار عرب قوم کا تنزل و انحطاط کے رنگ میں ظاہر ہوں گے واللہ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کا قیام زمین پر چالیس سال ہوگا (حدیث نمبر ۳) ان سے پہلے حضرت مہدی علیہ السلام کا زمانہ بھی چالیس سال رہے گا جس میں کچھ حصہ دونوں کے اجتماع و اشتراک کا ہوگا سید شریف برزنجی نے اپنی کتاب اشراف السلفہ صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیام قتل و جال اور امن و امان کے بعد چالیس سال ہوگا اور مجموعہ قیام پینالیس سال ہوگا اور صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیس سے اوپر کچھ سال پہلے ظاہر ہوں گے اور ان کا مجموعہ زمانہ چالیس سال ہوگا اس طرح پانچ یا سات سال تک دونوں حضرات کا اجتماع رہے گا اور ان دونوں زمانوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ پوری زمین پر عدل و انصاف کی حکومت ہوگی زمین اپنی برکات اور خزانہ اگل دے گی کوئی فقیر و محتاج نہ رہے گا لوگوں کے آپس میں بغض و عداوت قطعاً نہ رہے گی ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کے آخری زمانے میں دجال اکبر کا فتنہ عظیم سوائے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس اور کوہ طور کے سارے عالم پر چھا جائے گا اور یہ فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے عظیم تر ہوگا دجال کا قیام اور فساد صرف چالیس دن رہے گا مگر ان چالیس دنوں میں سے پہلا دن ایک سال کا دوسرا دن ایک مہینہ کا تیسرا دن ایک ہفتہ کا ہوگا باقی دن عام دنوں کی طرح کے ہوں گے جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حقیقت یہ دن اتنے طویل کر دیئے جائیں کیونکہ اس آخر زمانے میں تقریباً سارے واقعات ہی خرق عادت اور معجزہ کے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دن رات تو اپنے معمول کے مطابق ہوتے رہیں مگر دجال کا بڑا ساحر ہونا حدیث سے ثابت ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے سحر کے اثر سے عام مخلوق کی

نظروں پر یہ دن رات کا تغیر و انقلاب ظاہر نہ ہو وہ اس کو ایک ہی دن دیکھتے اور سمجھتے رہیں حدیث میں جو اس دن کے اندر عام دنوں کے مطابق اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنے کا حکم آیا ہے اس سے بھی تائید اس کی ہوتی ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو دن رات بدل رہے ہوں گے مگر لوگوں کے احساس میں یہ بدلنا نہیں ہوگا اس لئے اس ایک سال کے دن میں تین سو ساٹھ دنوں کی نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ورنہ اگر دن حقیقتاً ایک ہی دن ہوتا تو قواعد شرعیہ کی رو سے اس میں صرف ایک ہی دن کی پانچ نمازیں فرض ہوتیں خلاصہ یہ کہ دجال کا کل زمانہ اس طرح کے چالیس دن کا ہوگا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر کے اس فتنہ کو ختم کریں گے مگر اس کے متصل ہی یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل و غارتگری کریں گے مگر اس کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہوں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے یہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کے آخر میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجال اور یاجوج و ماجوج کے ہوں گے جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ و بالا کرویں گے ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد میں پوری دنیا کے اندر عدل و انصاف اور امن و سکون اور برکات و ثمرات کا دور دورہ ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ و مذہب زمین پر نہ رہے گا زمین اپنے خزان و دفائن اگل دے گی کوئی فقیر و محتاج نہ رہے گا درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

یاجوج و ماجوج اور سد ذوالقرنین کے متعلق یہ معلومات تو وہ ہیں جو قرآن اور احادیث نبویہ نے امت کو بتلا دیئے ہیں اسی پر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت ناجائز ہے۔ باقی رہی اس کی جغرافیائی بحث کہ سد ذوالقرنین کس جگہ واقع ہے اور قوم یاجوج و ماجوج کون سی قوم ہے اور اس وقت کہاں کہاں بستی ہے اگرچہ اس پر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے اور نہ قرآن کریم کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اس پر موقوف ہے لیکن مخالفین کی ہفوات کے جواب اور مزید بصیرت کے لئے علماء امت نے اس سے بحث فرمائی ہے اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اسی قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا وہ ترک ہیں اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یاجوج و ماجوج سے ملتی ہوئی ہیں اور آخر زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے پھر فرمایا کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے وہی مسلمانوں کو ان کو شر سے بچا سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یاجوج و ماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں (قرطبی ص ۷۰ ج ۱۱) (قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے جس میں فتنہ تاتار ظاہر ہوا اور اسلامی خلافت کو تباہ و برباد کیا ان کا عظیم فتنہ تاریخ اسلام میں معروف اور تاتاریوں کا مغول ترک میں سے ہونا مشہور ہے) مگر قرطبی نے ان کو یاجوج و ماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے ان کے فتنہ کو وہ خروج یا جوج و ماجوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ وہ خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا۔

اسی لئے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے جنہوں نے تا تاریخ کو یا جوج و ما جوج قرار دیا اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے البتہ یہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یا جوج و ما جوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے (روح مس ۱۶ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مورخین موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یا جوج و ما جوج قرار دیتے ہیں اگر اس سے ان کی مراد وہی ہوتی جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا کہ ان کا فتنہ فتنہ یا جوج و ما جوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوتا مگر اسی کو وہ خروج یا جوج و ما جوج قرار دینا جس کی خبر قرآن وحدیث میں بطور علامات قیامت دی گئی اور اس کا وقت نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یا جوج و ما جوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل و مقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے۔

ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو تبتاق اور جہ کس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یا جوج و ما جوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوٹی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھٹکا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہوجاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے۔

اور عبد اللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات و اوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون ص ۷۹)

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سد ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کے لئے ایک جماعت کو بھیجا اور ان کا تحقیق کر کے آنا ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کبیر دطبری نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو وہ نما اس کو ایسے چھیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو سرقت کے محاذات میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱۲)

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یا جوج و ما جوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق و روایت کے اعلیٰ معیار پر ہے آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت و تاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں بہت کچھ بگہوں میں سدی (دیواریں) بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں ان میں سے

زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا طول ابو حیان اندلسی (در بار ایران کے شاہی مورخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بناء کی تاریخ بہو ط آدم علیہ السلام سے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی اور یہ کہ اس دیوار چین کو مغل لوگ انکودہ اور ترک لوگ بورقورقہ کہتے ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدیں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل و تحقیق سے لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کی تاخت و تاراج اور شر و فساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کاکیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم و ستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے انہی یاجوج و ماجوج کے شر و فساد سے بچنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد تعمیر کی گئی ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام در بند ہے یہ سد مشہور مغل تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی اور شاہ روم کے خاص ہم نشین سیلابر جرجرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلائیو نے بھی اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے یہ 1403ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گذرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے۔ (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ص ۱۹۸ ج ۹)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی در بند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے یا قوت حموی نے معجم البلدان میں اور یسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرة المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

داغستان میں در بند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد 3-43 شمالاً اور طول البلد 15-48 شرقاً ہے اور اس کو در بند انوشیرواں بھی کہتے ہیں اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے۔ چونکہ سداں باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ یہ چونکہ سد جو قفقاز یا جبل قو قایا کوہ قاف کی سد کہلاتی ہے بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

اور اسی کے (یعنی سد باب الابواب کے) قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب یردھتی چلی گئی ہے غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کردی ہے اور بعض نے کسری و نوشیرواں کی طرف اور یا قوت کہتا ہے کہ یہ تانبا کچھا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔

(دائرة المعارف جلد ۷ ص ۶۵۱ معجم البلدان جلد ۸ ص ۹)

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سے سد

ذوالقرنین کون سی ہے اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری دوسدوں کے معاملہ میں پیش آیا کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی در بند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکور الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے اس کے متعلق تو سد ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے۔

اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال ہی میں ہیں ان میں سے عام طور پر مورخین مسعودی اصطخری حموی وغیرہ اس دیوار کو سد ذوالقرنین بتاتے ہیں جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الالباب کے در بند میں بحر خزر پر واقع ہے بخارا و ترمذ کے در بند اور اس کی دیوار کو جن مورخین نے سد ذوالقرنین کہا ہے وہ غالباً لفظ در بند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہو گیا کہ علاقہ داغستان کاکیشیا کے در بند باب الالباب میں یا اس سے بھی اوپر جبل قفقاز یا کوہ قاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مورخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ نے عقیدہ الاسلام میں کوہ قاف قفقاز کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سد ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔ (عقیدہ الاسلام ص ۲۹۷)

سد ذوالقرنین اس وقت تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گی یا وہ ٹوٹ چکی ہے؟

آج کل تاریخ و جغرافیہ کے ماہرین اہل یورپ اس وقت ان شمالی دیواروں میں سے کسی کا موجود ہونا تسلیم نہیں کرتے اور نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب بھی یا جوج و ماجوج کا راستہ بند ہے اس بناء پر بعض اہل اسلام مورخین نے بھی یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا ہے کہ یا جوج و ماجوج جن کے خروج کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے وہ ہو چکا ہے بعض نے چھٹی صدی ہجری میں طوفان بن کراٹھنے والی قوم تاتار ہی کو اس کا مصداق قرار دے دیا ہے بعض نے اس زمانے میں دنیا پر غالب آ جانے والی قوموں روس اور چین اور اہل یورپ کو یا جوج و ماجوج کہہ کر اس معاملہ کو ختم کر دیا ہے مگر جیسا کہ اوپر بحوالہ روح المعانی بیان ہو چکا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یا جوج و ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نو اس بن سمان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا وہ واقعہ ہو چکا کیونکہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات بھی قرآن وسنت کی کسی نص صریح کی خلاف نہیں ہے کہ سد ذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو اور یا جوج و ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آ چکی ہوں بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا بلکہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہو گا وہ ابھی نہیں ہوا بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہو گا جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی بلوگوں کی یہ تصریحات

موجود ہیں کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا دوسرے یہ بھی احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی معافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستہ سے یا جوج و ما جوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔

اس سد ذوالقرنین کے تاقیامت باقی رہنے پر بڑا استدلال تو قرآن کریم کے اس لفظ سے کیا جاتا ہے کہ: فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءً وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا یعنی ذوالقرنین کا یہ قول کہ جب میرے رب کا وعدہ آ پہنچے گا (یعنی خروج یا جوج و ما جوج کا وقت آ جائے گا) تو اللہ تعالیٰ اس آہنی دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیں گے اس آیت میں: وَعْدُ رَبِّي کا مفہوم ان حضرات نے قیامت کو قرار دیا ہے حالانکہ الفاظ قرآن اس بارے میں قطعی نہیں کیونکہ وَعْدُ رَبِّي کا صریح مفہوم تو یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج کا راستہ روکنے کا جو انتظام ذوالقرنین نے کیا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح رہے جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے کہ ان کا راستہ کھل جائے تو یہ دیوار منہدم و مسمار ہو جائے گی اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بالکل قیامت کے متصل ہو چنانچہ تمام حضرات مفسرین نے وعدہ رب کے مفہوم میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں تفسیر بحر محیط میں ہے: والوعدہ یحتمل ان یراد بہ یوم النبیمة وان یراد بہ وقت خروج یا جوج و ما جوج۔

اس کی تحقیق یوں بھی ہو سکتا ہے کہ دیوار منہدم ہو کر راستہ ابھی کھل گیا ہو اور یا جوج و ما جوج کے حملوں کی ابتداء ہو چکی ہو خواہ اس کی ابتداء چھٹی صدی ہجری کے فتنہ تاتار سے قرار دی جائے یا اہل یورپ اور روس و چین کے غلبہ سے مگر یہ ظاہر ہے کہ ان متمدن قوموں کے خروج اور فساد کو جو آئینی اور قانونی رنگ میں ہو رہا ہے وہ فساد نہیں قرار دیا جاسکتا جس کا پتہ قرآن وحدیث دے رہے ہیں کہ خالص قتل وغارت گری اور ایسی خون ریزی کے ساتھ ہوگا کہ تمام انسانی آبادی کو تباہ و برباد کر دے گا بلکہ اس کا حاصل پھر یہ ہوگا کہ انہی مفسد یا جوج و ما جوج کی کچھ قومیں اس طرف آ کر متمدن بن گئیں اسلامی ممالک کے لئے بلاشبہ وہ فساد عظیم اور فتنہ عظیم ثابت ہوئیں مگر ابھی ان کی وحشی قومیں جو قتل و خون ریزی کے سوا کچھ نہیں جانتیں وہ تقدیری طور پر اس طرف نہیں آئیں اور بڑی تعداد ان کی ایسی ہی ہے ان کا خروج قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا۔

دوسرا استدلال ترمذی اور مسند احمد کی اس حدیث سے کیا جاتا ہے جس میں مذکور ہے کہ یا جوج و ما جوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے رہتے ہیں مگر اول تو اس حدیث کو ابن کثیر نے معلول قرار دیا ہے دوسرے اس میں بھی اس کی کوئی تصریح نہیں کہ جس روز یا جوج و ما جوج ان شاء اللہ کہنے کی برکت سے اس کو پار کر لیں گے وہ قیامت کے متصل ہی ہوگا اور اس کے بھی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ سارے یا جوج و ما جوج اسی دیوار کے پیچھے رکے ہوئے رہیں گے اگر ان کی کچھ جماعتیں یا قومیں کسی دور دراز کے راستہ سے اس طرف آجائیں جیسا کہ آج کل کے طاقتور بحری جہازوں کے ذریعہ ایسا ہو جانا کچھ مستبعد نہیں اور بعض مؤرخین نے لکھا بھی ہے کہ یا جوج و ما جوج کو طویل بحری سفر کر کے اس طرف آنے کا راستہ مل گیا ہے تو اس حدیث سے اس کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ سد ذوالقرنین قیامت تک

باقی رہے گی یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اس طرف کے انسانوں پر نہیں ہو سکیں گے البتہ وہ انتہائی خوفناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کر دے گا اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا جس کا ذکر بار بار آچکا ہے حاصل یہ ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص کی بناء پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ سد یا جوج و ما جوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ از روئے قرآن و سنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے احتمال دونوں ہی ہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝

ذوالقرنین کا جذبہ شکر و تواضع:

اتنی بڑی اور اس قدر عظیم الشان دیوار بنانے پر تنگ ظرف لوگوں کی طرح ذوالقرنین نے اپنے لیے کسی طرح کی تعلی یا کسی عجب و غرور اور بڑائی کا کوئی اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی عاجزی و فردوسی کا اظہار کرتے ہوئے اس کو اپنے رب کی رحمت و عنایت قرار دیا۔ چنانچہ ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ جو اس نے میرے ذریعے اپنے بندوں پر فرمائی ہے۔ اور وہ یا جوج و ما جوج کی لوٹ مار سے محفوظ ہو گئے۔ اور اس طرح ذوالقرنین نے اپنے قول و قرار اور اپنی للہیت کا ایک اور ثبوت فراہم کر دیا۔ سو اس میں انہوں نے نہ کسی تعلی کا اظہار کیا اور نہ ہی کسی طرح کی بڑائی کا کوئی دعویٰ کیا۔ بلکہ کہا تو یہ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا نتیجہ و ثمر ہے جو اس نے محض اپنے کرم سے اپنے بندوں پر فرمائی ہے۔ اور یہی نشانی ہوتی ہے اللہ کے مخلص بندوں کی کہ وہ جو بھی کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے کرتے ہیں۔ اور ہر خوبی کو اسی کی رحمت و عنایت سمجھتے ہیں۔ اور یہی چیز بندے کی شان عبدیت و بندگی کے لائق ہے۔ اور اسی میں اس کا بھلا اور فائدہ ہے دنیا و آخرت میں سو ذوالقرنین نے اس دیوار کی تعمیر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ یہ کرشمہ میرے ہاتھوں ظہور پذیر ہو اور ایسی عظیم الشان آہنی دیوار کھڑی ہو گئی جس پر چڑھنا یا اس میں نقب لگانا یا جوج و ما جوج کے لیے ممکن نہیں رہا لیکن یہ ابدی نہیں ہے۔ بلکہ جب آپہنچے گا میرے رب کے وعدے کا وہ وقت۔ جو اس نے اس دیوار کے خاتمے اور یا جوج و ما جوج کے خروج سے متعلق فرما رکھا ہے اور جس کا علم اسی کو ہے۔ (معارف، خازن، مراغی، جامع اور محاسن وغیرہ) تو اس وقت وہ اس دیوار کو پاش پاش کر دے گا کہ میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ اور اس نے بہر حال پورا ہو کر رہنا ہے۔ سو یہ دیوار ہمیشہ کے لیے ایسی ناقابل شکست نہیں رہے گی بلکہ اس کی یہ شان ایک وقت تک کے لیے ہے۔ کیونکہ ذوالقرنین نے جب یہ کہا کہ میرے رب کا وعدہ حق پورا ہو کر رہے گا اور جب اس کے وعدے کا وہ مقرر وقت آ جائے گا تو اللہ اس سب کو پاش پاش کر دے گا۔ اور یہ تمام اونچ نیچ ختم ہو جائے گی۔ یہ سب بلندیاں پست اور یہ تمام تعمیرات مسمار ہو جائیں گی۔ سو اس سے ذکر قیامت کی مناسبت پیدا ہو گئی۔ تو اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و عنایت سے سرکشگان دنیا کی تنبیہ و تذکیر کے لیے یہ ارشاد فرمایا اور اس طرح انذار کا وہی مضمون جو اس سورت کریمہ کے شروع میں ارشاد فرمایا گیا تھا ایک نئے اسلوب کے ساتھ پھر سامنے آ گیا جو کہ نظم قرآنی کا ایک معروف اسلوب ہے۔ یہاں تک ذوالقرنین کا قصہ پورا ہو گیا۔ اب آگے قیامت کے احوال کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

أَفْحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي أَيْ مَلَائِكَتِي وَعِيسَى وَعِزْرًا مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ أَوَبَابًا مُفْعُولٌ ثَانٍ
يَتَّخِذُوا وَالْمَفْعُولُ الثَّانِي لِحَسِبَ مَحذُوفٍ الْمَعْنَى أَظُنُّوا أَنَّ الْإِتِّخَاذَ الْمَذْكُورَ لَا يُفْعِلُنِي وَلَا
أَعَابِيَهُمْ عَلَيْهِ كَلَّا إِنَّا عَتَدْنَا لَهُمْ لِلْكَافِرِينَ هَؤُلَاءِ وَغَيْرِهِمْ نُزُلًا ۝ أَيْ هِيَ مُعَدَّةٌ لَهُمْ كَالنُّزْلِ الْمُعَدِّ
لِلضَّيْفِ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۚ تَمِيزُ طَابَتْ الْمُخَيَّرَ وَبَيْنَهُمْ بِقَوْلِهِ الَّذِينَ صَلَّ سَعُهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بَطَلْ عَمَلُهُمْ وَهُمْ يَحْسَبُونَ يظنون أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ عَمَلًا يُجَازُونَ عَلَيْهِ أَوْلِيَاءَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ بِذَلِيلٍ تَوَجَّهَ مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِهِ وَلِقَاءَهُ أَيْ وَبِالْبُعْثِ وَالْحِسَابِ وَالنَّوَابِ
وَالْعِقَابِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ بَطَلَتْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزَنًا ۝ أَيْ لَا نَجْعَلُ لَهُمْ قَدْرًا ذَلِكَ أَيْ
الْأَمْرَ الَّذِي ذَكَرْتُ مِنْ حُبُوطِ أَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهِ وَابْتِدَاءِ جَزَائِهِمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا الْيَقِي وَرُسُلِي
هَؤُلَاءِ ۝ أَيْ مَهْزُورًا يَهْمَا إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ فِي عِلْمِ اللَّهِ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ هُوَ وَسَطُ
الْجَنَّةِ وَاعْلَاهَا وَالْإِصَافَةُ إِلَيْهِ لِلْبَيَانِ نُزُلًا ۚ مَنَزِلًا خَلِيدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ يَطْلُبُونَ عَنْهَا حَوْلًا ۝ تَحَوَّلًا إِلَى
غَيْرِهَا قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ أَيْ مَاءُهُ مِدَادًا هُوَ مَا يَكْتُبُ بِهِ لَكَلِمَاتِ رَبِّي الدَّالَّةُ عَلَى حُكْمِهِ وَعَجَائِبِهِ بِأَنْ تُكْتُبَ
بِهِ لَكَلِمَاتِ الْبَحْرِ فِي كِتَابَتِهَا قَبْلَ أَنْ تُنْقَدَ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ تَفْرُغُ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جُنَّتْ بِهَيْثُ بِهِ أَيْ الْبَحْرِ مِدَادًا ۝
زِيَادَةٌ فِيهِ لِنَفْدِ وَلَمْ تَفْرُغْ هِيَ وَنَصْبُهُ عَلَى التَّمْيِيزِ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَدْمِئْتُ قَبْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ
وَاحِدٌ ۚ أَنْ الْمَكْفُوفَةُ بِمَا بَاقِيَةً عَلَى مُضْطَرِئَتِهَا وَالْمَعْنَى يُوحَىٰ إِلَيَّ وَخُذَانِيَةُ إِلَهُ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا يَامِلُ
لِقَاءَ رَبِّهِ بِالْبُعْثِ وَالْجَزَاءِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ ۚ أَيْ فِيهَا بِأَنْ يُرَآئِي أَحَدًا ۚ

ترجمہ: أَفْحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو (یعنی میرے فرشتوں
کو اور عیسیٰ کو اور عزیر کو) اپنا کارساز (یعنی رب اور حاجت روا) قرار دیں (أَوْلِيَاءَ ۚ يَتَّخِذُوا کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول
عِبَادِي ہے اور حسب کا مفعول ثانی محذوف ہے معنی یہ ہیں کہ کیا ان کافروں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے
بندوں کو اپنا معبود اور کارساز بنالیا مجھ کو غصہ نہ دلائے گا اور میں اس شدید ترین جرم پر ان کو سزا نہیں دوں گا ہرگز نہیں) بیشک ہم
نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ کو تیار رکھا ہے (ان کافروں کے لیے اور ان کے علاوہ شرکوں و کافروں کے لیے قُلْ هَلْ
نُنَبِّئُكُمْ اَلْآپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل ہی خسارے میں ہیں (أَعْمَالًا ۚ

تیز ہے جو اپنے میز کے مطابق ہے) وَبَيْنَهُمْ بِقَوْلِهِ یعنی ان لوگوں کو اپنے قول: الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ سے بیان کر دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی کوشش یعنی کی کرائی محنت بیکار گئی ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ کم اچھا کام کر رہے ہیں (ایسا عمل کہ اس پر ثواب و بدلہ پائیں گے) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات (یعنی قرآن و حدیث کے دلائل توحید) کا انکار کیا اور اس سے ملنے کے (یعنی قیامت کے حساب و کتاب کے اور ثواب و سزا کے) ہمیشہ منکر رہے اس لیے ان کے سارے اعمال غارت ہو گئے (باطل ہو گئے) پس قیامت کے روز ان کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے (یعنی ہم ان کے اعمال کی کوئی قدر نہیں کریں گے) (یعنی ان کے اہل وغیرہ کے ضائع ہونے کا معاملہ جو ذکر کیا گیا) ان کی سزا ہے یعنی جہنم اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا یعنی وہ چیز یا شخص جس کا مذاق اڑایا جائے۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے شریعت کے مطابق نیک کام کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس (یعنی بہشت) کے باغ ہوں گے (اور وہ جنت کے وسط میں ہے اور وہ جنت کا سب سے اعلیٰ و بالا ہے والا ضافۃ للبیان یعنی جنت کی اخلافت فردوس کی طرف اضافت بیان ہے) نُزُلًا نزل بمعنی منزل ہے طعام ضیافت مہمانی کھانا خَالِدِينَ فِيهَا اس جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے اس سے ہٹا نہیں چاہیں گے (یعنی وہاں سے اُکٹا کر دوسری جگہ کے طالب و خواہشمند نہیں ہوں گے۔ قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ آپ فرمادیجئے کہ اگر سمندر (یعنی اس کا سارا پانی) رو شنائی ہو جائے (جس سے لکھا جائے) میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے (یعنی) کلمات رب جو اس کے احکام اور غائبات پر دلالت کرتے ہیں اس سمندر سے لکھے جائیں تو سمندر میں ختم ہو جائیں گا (ان کلمات مبارکہ کے لکھنے میں) ہمارے پروردگار کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے تنفد میں یاہ کے ساتھ ہے اور تاء کے ساتھ بمعنی وَنُوحِطْنَا بِهِ اگرچہ اس کے مثل (یعنی اس سمندر کے مثل) اس کی مدد کے لیے (مزید) سمندر لے آئیں تو وہ بھی ختم ہو جائے گا لیکن خدا تعالیٰ کے کلمات حکمت ختم نہ ہوں گے۔ مَدَدًا کونصب بر بناء تمیز ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم سب ہی کی طرح بشر ہوں (آدمی ہوں) میرے پاس (اللہ کی طرف سے) وحی آتی ہے تمہارا معبود ایسا ہی معبود ہے (ان مائے وجہ سے اپنے عمل سے رک گیا ہے یعنی مانے عمل کرنے سے روک دیا لیکن اہل مصدریت پر بات ہے یعنی مصدریت سے خارج نہیں ہو گا اور معنی یہ ہیں کہ میرے پاس اللہ کے ایک ہونے (یعنی وحدہ) شریک ہونے) کی وحی آتی ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا۔ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے (امید رکھتا ہے) حشر و نشر کے ذریعہ اور جزاء اعمال تو اس کو چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے (یعنی کسی کو دکھانے کے لیے عمل نہ کرے) (رجاء جو رجاء یہ اضداد میں سے ہے اس کے امید اور خوف دونوں معنی آتے ہیں ایک معنی یعنی امید رکھنا ترجمہ میں مذکور ہوا دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ ہو گا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا۔ جو شخص اللہ کے سامنے جانے سے ڈرتا ہو اور اس کے ثواب اور دیدار کا خواہشمند ہو علامہ زنجشیری اور علامہ بخوی نے لکھا ہے (کہ رجاء کے معنی خوف بھی ہیں اور امید ایک شاعر نے دونوں کے لیے اس لفظ کے لیے ایک شعر استعمال کیا ہے۔

فلا کل ماتر جو امن الخبر کائن۔ ولا کل ماتر جو امر الیہ اقا۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس خیر کے تم امیدوار ہو وہ ہو ہی جائے اور نہ یہ لازم ہے کہ جس شر سے تم ڈرتے ہو وہ شر واقع ہی ہو جائے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **أَنْ يَتَّخِذُوا**: اس کا معنی اتخاذ سے کر کے اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے۔

قولہ: **يَحْسِبُ مَحْذُوفٌ**: یعنی حسب کا دوسرا مفعول محذوف ہے پس عبارت اس طرح بنے گی: **انحسب الذين كفروا الا** اتخاذنا نعم یعنی کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کا معبود بنا نا ان کو فائدہ دے گا۔

قولہ: **كَلَّا**: یہ استفہام انکاری ہے۔

قولہ: **هِيَ مُعَذَّةٌ**: اس میں بطور تنبیہ اور تحکم کے یہ بات اشارہ فرمائی گئی کہ اس کے پیچھے ان کے لیے ایسا برا عذاب ہے جس کے سامنے یہ عذاب حقیر نظر آئے گا۔ اور اس پہلے عذاب کو بطور تشبیہ مہمان کی مہمانی کا اول کھانا قرار دیا۔

قولہ: **تَمَيِّزٌ تَمَيِّزٌ** کو جمع لائے حالانکہ ذات کی تمیز مفرد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کرنے والوں کے نام میں سے ہے اور یہ عامل کی جمع ہے جیسے ساحل۔ یہ عمل کی جمع نہیں اور نہ یہ جنس ہے۔

قولہ: **بَطَلٌ عَمَلُهُمْ**: یہاں خاص کا ذکر کر کے عام مراد لیا کیونکہ ان کے تمام اعمال باطل ہیں۔

قولہ: **يُحْسِنُونَ**: یعنی خود پسندی کی وجہ سے اس کو اچھا کر دیتے تھے کیونکہ انکار اعتقاد یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں۔

قولہ: **الْأَمْرُ ذَلِكَ**: یہ خبر ہے اور مبتداء اس کا محذوف ہے۔

قولہ: **إِبْتِدَاءٌ**: یعنی جزاء ہم مبتداء ہے اور جہنم اس کی خبر ہے اور ذالک مبتداء نہیں ہے۔

قولہ: **مَهْرُؤًا يَهْمًا**: اس سے اشارہ کیا کہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

قولہ: **وَالْإِضَافَةُ إِلَيْهِ لِلْبَيَانِ**: اس سے اشارہ کیا کہ جنت کی فردوس کی طرف اضافت بیان کے لیے ہے لام کے معنی میں نہیں۔

قولہ: **مَنْزِلًا**: اس میں اشارہ ہے کہ مصدر نَزَلَ بمعنی مصدر کے ہے۔

قولہ: **نَحْوًا إِلَى غَيْرِهَا**: اس میں اشارہ کیا کہ **نَحْوًا** بمعنی مصدر کے ہے۔

قولہ: **مَنَاقِبُهُ**: اس میں مضاف کو مقدر مانا گیا ہے۔

قولہ: **لَتَفِدَّ الْبَحْرُ**: اس میں جنس بحر مراد ہے کیونکہ رب کے کلمات اس کے علم کی طرح غیر متناہی ہیں اور متناہی کا مجموعہ بھی متناہی ہوتا ہے۔

قولہ: **زِيَادَةٌ فِيهِ**: یعنی مدد سے مراد یہاں وہ نہیں جو اس سے پہلے تھی اور مدد پر نصب تیز کی بناء پر ہے نہ کہ مفعولیت کی بناء پر۔

قولہ: **لِقَاءٌ لِقَاءً** سے مراد حسن لقاء ہے۔

قولہ: **فِيهَا**: یعنی رب یہاں فیہ کے معنی میں ہے۔

((تلك عاجل بشرى المؤمن)) یعنی یہ تو مؤمن کے لیے نقد بشارت ہے (کہ اس کا عمل اللہ کے نزدیک قبول ہوا اس نے اپنے بندوں کی زبانوں سے اس کی تعریف کرا دی۔

تفسیر مظہری میں ان دونوں قسم کی روایتوں میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اس کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ پہلی روایات جن کے بارے میں آیات نازل ہوئی اس صورت میں ہیں جب کہ انسان اپنے عمل سے اللہ کی رضا جوئی کے ساتھ مخلوق کی رضا جوئی یا اپنی شہرت و وجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے یہاں تک کہ لوگوں کی تعریف کرنے پر اپنے اس عمل کو اور بڑھادے یہ بلاشبہ ریا اور شرک خفی ہے۔

اور بعد کی روایات ترمذی اور مسلم کی اس صورت سے متعلق ہیں جب کہ اس نے عمل خالص اللہ کے لیے کیا ہو لوگوں میں اس کی شہرت یا ان کی مدح و ثنا کی طرف کوئی التفات نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مشہور کر دیں اور لوگوں کی زبانوں پر اس کی تعریف جاری فرمادیں تو اس کا ریا سے کوئی تعلق نہیں یہ مؤمن کے لیے نقد بشارت (قبول عمل کی) ہے۔ حضرت محمود بن لبیدؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں جس چیز پر سب سے زیادہ خوف رکھتا ہوں وہ شرک اصغر ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ریا۔ (رواہ احمد فی مسندہ) اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو نقل کر کے اس میں یہ زیادتی بھی نقل کی ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کی جزا عطا فرمائیں گے تو ریا کار لوگوں سے فرمادیں گے کہ تم اپنے عمل کی جزا لینے کے لیے ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم نے یہ عمل کیا تھا پھر دیکھو کہ ان کے پاس تمہارے لیے کوئی جزا ہے یا نہیں؟ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں شرکاء میں شرک ہونے سے غنی اور بالائز ہوں جو شخص کوئی عمل نیک کرتا ہے پھر اس میں میرے ساتھ کسی اور بھی کو شریک کر دیتا ہے تو میں وہ سارا عمل اسی شریک کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس عمل سے بری ہوں اس کو تو خالص اسی شخص کا کر دیتا ہوں جس کو میرے ساتھ شریک کیا تھا۔ (راہ مسلم)

اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے نیک عمل کے لوگوں میں شہرت کے لیے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ (رواہ احمد البیہقی فی شعب الایمان از تفسیر مظہری)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ سے اخلاص و ریا کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں اپنے نیک اور اچھے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب ہو اور برے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب نہ ہو پھر اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو لوگوں پر ظاہر فرمادیں تو تم یہ کہو کہ یا اللہ یہ سب آپ کا فضل ہے احسان ہے میرے عمل اور کوشش کا اثر نہیں۔ اور حکم ترمذی نے صدیق اکبرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

تمہیں ایک ایسا کام بتلاتا ہوں کہ جب تم وہ کام کر لو تو شرک اکبر اور شرک اصغر (یعنی ریا) سب سے محفوظ ہو جاؤ تم تمنا مرتبہ روزانہ یہ دعا کیا کرو: اللہم انی اعوذ بک من ان شرک بک وانا اعلم واستغفر لک لئلا اعلم۔ (معارف) سورہ کہف کے بعض فضائل اور خواص:

حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد رکھیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا (رواہ مسلم و احمد و ابوداؤد و الترمذی) اور امام احمد، مسلم اور نسائی نے حضرت ابوالدرداءؓ سے ہی اس روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ جس شخص نے سورہ کہف کی آخری دس آیتیں یاد رکھیں وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ اور حضرت انسؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لیے ایک نور جائے گا اس کے قدم سے لے کر سر تک، اور جس نے یہ سورہ پوری پڑھی اس کے لیے نور ہوگا زمین سے آسمان تک۔ (آخر جہ ابن السنی و احمد بنی مسندہ)

اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز سورہ کہف پوری پڑھ لی تو دوسرے جمعہ تک اس کے لیے نور ہو جائے گا۔ (رواہ الحاکم و محمد و البیہقی فی الدعوات) از مظہری

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ دل میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ آخرات میں بیدار ہو کر نماز پڑھوں مگر نیند غالب آجاتی ہے آپؓ نے فرمایا کہ جب تم سونے کے لیے بستر پر جاؤ تو سورہ کہف کی آخری آیتیں: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِصْرًا أَوْ سَمَوَاتٌ مَّاءٌ لَّيُفْشِرَنَّ بِعِبَادِكَ رِيَّةً أَحَدًا لَّيُتَّكِلَ عَلَيْهَا قَوْمٌ كَثِيرٌ لَّيُؤْخَذُوا بِهَا بِغْوَاهٍ فَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ اسی وقت بیدار کر دیں گے اور مسند داری میں ہے کہ زر بن حبیشؓ نے حضرت عبیدہ کو بتلایا کہ جو آدمی سورہ کہف کی یہ آخری آیتیں پڑھ کر سوئے گا تو جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرے گا اس وقت بیدار ہو جائے گا عبیدہ کہتے ہیں کہ ہم نے بارہا اس کا تجربہ کیا بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ طرطوشیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری عمر عزیز کے اوقات اپنے ہم عمروں سے مقابلے اور دوستوں سے میل جول ہی میں نہ گزر جائیں دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان کو اس آیت پر ختم فرمایا ہے: فَتَنْ كَانُ يَرْجُوَ الْفَقَاءَ رَبِّهِ فَلْيُفَضِّلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُفْشِرَنَّ بِعِبَادِكَ رِيَّةً أَحَدًا لَّيُتَّكِلَ عَلَيْهَا قَوْمٌ كَثِيرٌ لَّيُؤْخَذُوا بِهَا بِغْوَاهٍ فَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ کہ عمل نیک کرے اور اللہ کی عبادت میں کسی کو حصہ دار نہ بنائے۔ (قرطبی از معارف مفتی صاحب)

اَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُوْنِيْ اَوْلِيَاءَ ۚ اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِيْنَ نُزُلًا ۝۳۰
حاشیہ: سورت برتو حید و رسالت و تذکیر آخرت:

(دبط) سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا۔ اب سورت کو انہی تین مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ازراہ تہر و سرکشی، احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بے شمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰی اِلَیَّ

آنحضرت ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہر اور باطناً ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی لامحدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے۔ سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝ لہذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر فخر کرنا اور ناز کرنا ناجائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں؟ مطلب یہ کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو سج غلیم اور عزیر غلیم کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ان کو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے۔ وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور کھانٹے میں ہیں؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کری کرائی محنت اور جدوجہد بیکار ہوگئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام کوشش اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دار آخرت کا انکار کیا۔ اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشا کے مطابق نہ مانا۔ پس اپنے زعم اور خیال کے مطابق، آخرت کو مانا پس اس کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے یعنی جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں وہ سب حبط اور ضبط ہو جائیں گے۔ اور بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور ایک دم امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ پس قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ وزن قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ بے جان اور بے روح ہوں گے اور اپنے اندر کوئی وزن نہ رکھیں گے اور جب وزن کے لیے لائے جائیں گے تو ان کا کچھ وزن نہ ہوگا اور جن اعمال کو وہ اپنے زعم میں نیک اور موجب ثواب سمجھتے تھے، وہ سب بے وزن ثابت ہوں گے۔ دنیا میں ان اعمال کی ظاہری صورت سے شبہ ہوتا تھا کہ ان اعمال میں کچھ وزن ہے لیکن قیامت کے دن حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب بے جان اور بے وزن ہیں میزان اعمال تو قیامت کے دن نیک و بد، مؤمن و کافر سب کے لیے قائم ہو جائے گی۔ مگر کافر جب اپنے اعمال کو لے کر آئیں گے اور ان کو تولا جائے گا تو ان میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ ایمان اور اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے تمام اعمال مردہ اور بے جان ہوں گے۔ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی (کافر) لایا جائیگا اور اس کو تولا جائیگا مگر وہ پتھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ فَلَا تَقِيَمُ لِحُومِ الْقِيَمَةِ ذَنَابًا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خود

کے کفریات اور سیمات کو رکھا جائے گا اور ان کے قائل کرنے کے لیے ان کے گمان کے مطابق جو ان کے نزدیک ان کی نیکیاں تھیں ان کو بھی نیکیوں کے پلہ میں رکھا جائے گا مگر ان میں کوئی وزن بھی نہ ہوگا۔ لہذا یہ پلہ ہلکا رہے گا اور کفر کا پلہ بھاری رہے گا بلکہ وہی رہے گا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تولے بغیر ہی انہیں جہنم میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا اس لیے کہ اعمال کا تولنا اس لیے ہوتا ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کی مقدار الگ الگ معلوم ہو جائے اور جن کے پاس سوائے کفریات اور سیمات کے کچھ نہ ہو تو تولنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگ تو بغیر وزن ہی کے دوزخ کے مستحق ہیں۔ اس تقدیر پر میزان اعمال صرف ایمانداروں کے لیے ہوگی مگر صحیح قول وہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن مؤمن اور کافر سب کے اعمال کا وزن ہوگا۔ جس سے مقصود عدل وانصاف کا ظاہر کرنا ہوگا اور لوگوں کی حجت اور معذرت کو قطع کرنا ہوگا۔ کافروں کے اعمال بھی میزان اعمال میں تولنے کے لیے رکھے جائیں گے مگر ان کا کوئی ثقل نہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ: وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝ یعنی ان کے اعمال کا اکارت ہونا اور ان کا بے وزن ہونا یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا برہاری آیتوں کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا لہذا اب اس کفر اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان رابل اخلاص کا حال بیان کرتے ہیں۔

تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی انی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا لیا کے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گے اس لیے کبھی اس بات کی ش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا غیر محدود اور لامتناہی ہونا بیان کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے اگر سمندر پروردگار کے علم و حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں۔ یعنی خدا کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کے لیے آویں۔ سمندر کے تم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر میں لکھا جاسکتا۔

مِنْ أَيْ بَانَ أَوْ عَلِيكَ قُوَّةُ الْجَمَاعِ وَأَنْتَ رَجِمَ أَمْرُكَ لِلْعُلُوقِ وَقَدْ خَلَقْتِكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكْ شَيْئًا قَبْلَ خَلْقِكَ وَلَا ظَهَرَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ الْقُدْرَةُ الْعَظِيمَةُ الْهَمَّةُ السُّؤَالُ لِجَبَابِ بِمَا يُدُلُّ عَلَيْهَا وَلَمَّا تَأَنَّ نَفْسُهُ إِلَى سُوءَةِ الْمُبَشِّرِ بِهِ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً أَيُّ عِلْمَةٍ عَلَى حَمَلِ أَمْرَاتِي قَالَ أَيْتُكَ عَلَيْهِ لَوْ تَكَلَّمَ النَّاسُ أَيْ تَمْتَنِعُ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى تَكَلَّمَ لَيْلًا أَيْ بِأَيَّامِهَا كَمَا فِي آلِ عِمْرَانَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ سُبْحًا خَالَ مِنْ فَاعِلٍ تَكَلَّمَ أَيْ بِلَا عِلَّةٍ فَفُجَّ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْخَوَابِ أَيْ الْمَسْجِدِ وَكَانُوا يَنْتَظِرُونَ فَتَحَهُ لِيَصْلُوا فِيهِ بِأَمْرِهِ عَلَى الْعَادَةِ فَأَوَّلَى أَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبَّحُوا بِكُرَّةٍ وَعَشِيًّا أَوَّلَ النَّهَارِ وَأَوَّخِرَهُ عَلَى الْعَادَةِ فَعَلِمَ بِمَنْعِهِ مِنْ كَلَامِهِمْ حَمَلُهَا يَحْيَى وَبَعْدَ وَلَادَتِهِ بِسِتَيْنِ قَالَ تَعَالَى لَهُ يَحْيَى خَلِّ الْكِتَابَ أَيْ التَّوْرَةَ بِقُوَّةٍ بَجْدٍ وَأَتَيْنَهُ الْحُكْمَ الثَّبُوتَ صَبِيحًا ابْنِ ثَلَاثِ سِنِينَ وَحَنَانًا رَحْمَةً لِلنَّاسِ مِنْ لَدُنَّا مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرًا لِمَنْ صَدَقَهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ تَقِيًّا رَوَى أَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيئَةً قَطُّ وَلَمْ يَهْمُ بِهَا وَبَنَى بَوَالِيَهُ أَيْ مَحَسِنَاتِ الْيَتَامَى وَلَمْ يَكُنْ جَنَارًا مُشَكِّرًا أَحْسَنًا عَصِيًّا عَاصِيًا لِرَبِّهِ وَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ يَوْمَ وَلَدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يَبْعَثُ حَيًّا أَيْ فِي هَذِهِ الْأَيَّامِ الْمَخُوفَةِ الَّتِي يَرَى فِيهَا مَا لَمْ يَرَهُ قَبْلُهَا فَهُوَ آمِنٌ فِيهَا

فَتَحَهُ

ترجمہ: گھمبھس اللہ ہی خوب جانتا ہے اپنی مراد کو اس لفظ ہذا ذکر رحمت ربک عبدک یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ (ذکر یا) پر عبدک مفعول بہ ہے رحمہ کا، ذکر یا عطف بیان ہے۔ اذ تادی ربک اذ آء حقیقا جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا (یعنی حضرت زکریا نے نصف رات کے بعد اپنے عبادت خانہ میں دعا کی مقبولیت کا خاص وقت ہے۔ کہا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ (عینا تمیز ہے جو درحقیقت فاعل تھا۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ انتشار الشیب فی شعرہ کیا انتشار شعاع النار فی الخطب، یعنی سر کے بالوں میں سفیدی اس طرح پھیل گئی ہے، جیسے کہ لکڑی میں آگ جلنے پر اس کی لپٹ پوری لکڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لئے اب خاص طور پر وہ وقت آ گیا ہے کہ آپ کو آواز دوں اور آپ سے مدد طلب کروں) اور اس سے پہلے بھی کبھی میں آپ سے مانگنے میں ناکام نہیں رہا ہوں (تو جس طرح اس سے پہلے آپ نے کبھی ناکام نہیں لوٹا یا ہے، آئندہ بھی ناکام نہ کریں گے) اور میں اندیشہ رکھتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے اپنے بعد (جو میرے قریبی رشتہ دار ہیں مثلاً چچا کے) کے بغیرہ سے دین کے بارے میں کہ کہیں وہ میرے بعد نبوت اور دین کو ضائع نہ کر دیں اور میں نے اپنی

اسرائیل میں مشاہدہ کر لیا) اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو آپ ہی مجھے اپنے پاس سے وارث دیجئے (یعنی بیٹا) جو میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے۔ (برٹنی کے ثامن دو قراءتیں۔ ایک جزم کی اس صورت میں یعنی امر کا جواب ہوگا۔ یعنی زکریا علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا کہ ”دے مجھ کو“ اسی کا بیان ہے کہ کیا دے یعنی میرا وارث اور اگر ثاپر پیش پڑھیں گے تو یہ ولیا کی صفت ہوگی۔ یعنی ایسا لڑکا عنایت فرما دیجئے جو وارث ہو میرا اور اولاد یعقوب کے علوم و نبوت کا اور جو میری نبوت کو سنبھال سکے) اور اے خدا اسے پسندیدہ کر دیجئے (اور اسے ایسا بنا دیجئے جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) اے زکریا! ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے قبل ہم نے کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا (یعنی اس سے قبل کسی کا یحییٰ نام نہیں رکھا گیا اور یہ آپ کے حسب منشاء آپ کا وارث ہوگا) زکریا نے عرض کیا کہ میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں۔ (عتیاعتا سے ہے جس کے معنی خشک ہونا۔ یعنی عمر کے آخری مرحلہ پر پہنچ چکا ہوں۔ تقریباً ایک سو بیس سال کا ہوں اور میری بیوی اٹھانوے برس کی ہوگئی ہے۔ عتی، کا اصل عتو ہے۔ تاکو کسرہ دیا گیا۔ تخفیف کیلئے اور مشدد واو میں سے پہلے واو کو کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل دیا گیا اور پھر دوسرے واو کو بھی ادغام کرنے کیلئے یاء سے بدل دیا۔ تو اس طرح پر یہ عتبا ہو گیا) ارشاد ہوا کہ اسی حالت میں (باوجود تمہارے بوڑھے ہونے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے تمہارے لڑکا پیدا ہوگا) اے زکریا! تمہارے رب کا قول ہے کہ یہ آسان ہے میرے لیے (کہ میں لوٹا دوں تمہارے اندر قوت جماع اور تمہاری بیوی کے رحم میں نطفہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دوں) اور میں نے ہی تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ تم کچھ بھی نہیں تھے (یعنی تمہاری پیدائش سے قبل تمہارا کوئی وجود نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی اسی قدرت کے اظہار کیلئے بچے کے سوال کا خیال زکریا کے دل میں ڈالا۔ تاکہ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ وہ معاملہ کریں جس سے ان کی کمال قدرت کا مظاہرہ ہو اور اس فوری خوشخبری سے زکریا حیرت زدہ ہوں اور اتنی آسانی سے ان کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہو) زکریا علیہ السلام نے کہا کہ اے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے (یعنی میری بیوی کے حاملہ ہونے کی کوئی پہچان اور علامت بتا دیجئے) ارشاد ہوا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہیں بول سکو گے (یعنی تم تین دن رات سوائے خدا تعالیٰ کے ذکر کے لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے) درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے (سو یا حال ہے تکلم کے قائل سے) پھر وہ اپنی قوم کے روبرو حجرہ میں برآمد ہوئے (یعنی حضرت زکریا حجرہ عبادت میں سے نکلے، جہاں لوگ دروازہ کے کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ حسب معمول عبادت کی جاسکے) اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح و شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔ (یعنی لوگوں سے اشارہ دے فرمایا کہ صبح و شام خدا کی پاکی اور عبادت حسب معمول کیا کرو اور جب حضرت زکریا اپنے میں لوگوں سے کلام کی صلاحیت کتبہ پانے لگے تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بیوی کو حمل ٹھہر گیا اور دو سال کے بعد یحییٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے

ں گا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

۱: ھَذَا: اس سے اشارہ کیا کہ ذِکْرُ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور عَبْدًا یہ رحمت کا مفعول ہے نہ کہ ذِکْرُ کا۔
 ۲: بَيَّنَّا لَہُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ بدل نہیں کیونکہ رحمت ان کی عبودیت کی وجہ سے ہے نہ کہ ذات کی وجہ سے۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِرَحْمَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ اذکا تعلق وہ رحمت سے ہے نہ کہ ذکر سے۔

قوله: مُسْتَمِيلًا: اس سے اشارہ کیا کہ خَفِيًّا ⑤ موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قوله: بَیْرًا: اس سے اشارہ ہے کہ خَفِيًّا ⑤ سے مراد اخفاء بمعنی مخافت جو کہ جہر کی ضد ہے نہ وہ اخفاء جو اظہار کی ضد ہے۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو آدمی لوگوں سے خلوت کے اندر جائے اور آواز دینے میں آواز کو کم کرے اس وقت اخفاء جو اظہار کے مقابلے میں ہے وہ اس پر صادق آتا ہے یعنی چھپ کر بات کرنا۔

قوله: الْعَظْمُ: ہڈیوں کی تخصیص اس لیے کی کہ جسم کے لقون یہی ہیں۔

قوله: بِجَنِيحِهِ: اس الْعَظْمُ میں لام استغراق کا ہے عہد کا نہیں۔

قوله: الرَّأْسُ مِثِّي: اس سے اشارہ کیا کہ اس میں الف لام عہد کا ہے اور اضافت کو چھوڑ لام پر اکفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ مراد اس سے راس ہے نہ کہ غیر کاسر۔

قوله: اِنْتَشَرَ الشَّيْبُ: اس میں بڑھاپے کو سفیدی اور بھڑک میں آگ کے شعلے سے تشبیہ دی ہے۔ سفیدی کے سر میں پھیلنے کو آگ کے اشتعال سے تشبیہ دی اور استعارہ کے مقام پر اس کو لایا گیا اور اشتعال کی نسبت سر کی طرف بطور مبالغہ ہے۔

قوله: اِنِّي اُرِيدُ: یعنی ان کا قول کہ اَكُنْ بِدُعَاكَ اس کو اپنے مقصد کے لیے انہوں نے وسیلہ بنایا۔

قوله: بِدُعَايَ اِيَّاكَ: اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی ہے نہ کہ فاعل کی طرف۔

قوله: خَائِبًا فَيَبْئَسُ مَضًى: یعنی اگرچہ یہ دعوت تو معتاد نہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ اجابت کرنے والے ہیں اور اس کی رحمت سے کبھی بھی کھانے سے محروم نہیں کرتا۔

قوله: الَّذِينَ يَلُونِي: اس سے غلام مراد نہیں بلکہ موالی سے قریبی رشتے دار مراد ہیں اور مِنْ وَدَّاءِي اس کا تعلق محذوف سے ہے ای فعل الموالی من وراء ی۔ خفت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

قوله: مِنْ جَنْدِكَ: یعنی مجھ جیسا آدمی آپ کے علاوہ اور کسی سے توقع نہیں رکھ سکتا۔

قوله: الْعِلْمُ وَالنَّبُوءَةُ: اس سے مراد مالی وراثت نہیں کیونکہ انبیاء مال کے وارث نہیں ہوتے۔

قوله: رَضِيًّا ⑥: یہ مَرْضِيًّا کے معنی میں یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: اَلَا مَرَكْزَلِكُ ⑦: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: تَمْتَنِعُ: یعنی تم باتیں نہیں کر سکو گے یعنی نفی ہے بھی نہیں ہے۔

قوله: بَابَا مَهْنًا: اس سے اشارہ کیا کہ تین دن رات کلام کی ممانعت ہے۔ جو کسی بیماری کے بغیر ہوگی۔

قوله: الْمَسْجِدُ: الْمَحْرَاب سے مراد یہاں مسجد ہے۔

قوله: بِأَمْرِهِ عَلَى الْعَادَةِ: یعنی ان کو تسبیح کا حکم دیا گیا تاکہ قوم کے لوگ ان کی موافقت کریں۔

قوله: كَلَّمَ تَعَالَى: اس کو مقدر اس لیے مانا کیونکہ اس کے بغیر کلام منظم نہیں ہوتی۔

قوله: صَدَقَتْ عَلَيْهِمْ: اس کا معنی یہ ہے اس کو ہم نے اللہ کی طرف سے والدین پر بطور صدقہ کے دیا۔
قوله: وَلَمْ يَهْمْ بِهَا: یعنی انہوں نے گناہ کا قصہ بھی نہیں کیا۔

قوله: بَرَّأ: یہ بار کے معنی میں اسم فاعل ہے اسی طرح عَصِيًّا ۵ یہ بھی عاصی کا معنی میں ہے۔

قوله: حَيَّاهُ: اس سے مفید کیا کیونکہ شیطان کی چوک سے مامون و محفوظ کر دیا گیا اور عذاب قبر اور عذاب نار سے۔

تفسیر مقبولین

حضرت زکریا کی دعا اور اس کی قبولیت:

اس سورت کے شروع میں جو پانچ حروف ہیں انہیں حروف مقطعه کہا جاتا ہے ان کا تفصیلی بیان ہم سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں کر چکے ہیں۔ اللہ کے بندے حضرت زکریا نبی علیہ السلام پر جو لطف الہی نازل ہوا اس کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک قراءت ہے۔ یہ لفظ م سے بھی ہے اور قصر سے بھی۔ دونوں قراءتیں مشہور ہیں۔ آپ بنو اسرائیل کے زبردست رسول تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے آپ بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے دعا کرتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی کوئی سنا تو خیال کرتا کہ لو بڑھا پے میں اولاد کی چاہت ہوئی ہے۔ اور یہ وجہ بھی تھی کہ پوشیدہ دعا اللہ کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آسگئی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنے والوں کی پوری نیند کے وقت اٹھے اور پوشیدگی سے اللہ کو پکارے کہ اے میرے پروردگار اے میرے پالنہار اے میرے رب اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک میں موجود ہوں میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ اے اللہ میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں میرے سر کے بالوں کی سیاہی اب تو سفیدی سے بدل گئی ہے یعنی ظاہری اور پوشیدگی کی تمام طاقتیں زائل ہو گئی ہیں اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا تجھ کریم سے جو مانگا تو نے عطا فرمایا۔ موالی کو کسائی نے موالی پڑھا ہے۔ مراد اس سے عصبہ ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان سے خفیت کو خفیت پڑھنا مروی ہے یعنی میرے بعد میرے والے بہت کم ہیں۔ پہلی قراءت پر مطلب یہ ہے کہ چونکہ میری اولاد نہیں اور جو میرے رشتے دار ہیں ان سے خوف ہے کہ مبادا یہ کہیں میرے بعد کوئی براتصرف نہ کر دیں تو تو مجھے اولاد عنایت فرما جو میرے بعد میری نبوت سنبھالے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کو اپنے مال اطا کے ادھر ادھر ہو جانے کا خوف تھا۔ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت پاک ہیں۔ ان کا مرتبہ اس سے بہت سوا ہے کہ وہ اس لئے اولاد مانگیں کہ اگر اولاد نہ ہوئی تو میرا ورثہ دور کے رشتے داروں میں چلا جائے گا۔ دوسرے بظاہر یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جو عمر بھر اپنی ہڈیاں پیل کر بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ اپنے ہاتھ کے کام سے پالتے رہے ان کے پاس ایسی کون سی بڑی رقم تھی کہ جس کے ورثے کے لئے اس قدر پس و پیش ہوتا کہ کہیں یہ دولت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ انبیاء علیہم السلام تو یوں بھی ساری دنیا سے زیادہ مال سے بے رغبت اور دنیا کے زاہد ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ بخاری و مسلم میں کئی

سندوں سے حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑیں سب صدقہ ہے۔ ترمذی صحیح سند سے مروی ہے کہ ہم اس سے مطلب ورثہ نبوت ہے نہ کہ مالی ورثہ۔ اسی لئے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا ورثہ ہے یعقوب کا وارث ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ (وورث سلیمان داود) سلیمان داود علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ یعنی نبوت کے وارث ہوئے۔ نہ کہ مال کے ورثہ مال میں اور اولاد بھی شریک ہوتی ہے۔ تخصیص نہیں ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے اور یہ بھی معقول وجہ ہے کہ اولاد کا وارث ہونا تو عام ہے، سب میں ہے تمام مذہبوں میں ہے پھر کوئی ضرورت نہ تھی کہ حضرت زکریا اپنی دعائیں یہ وجہ بیان فرماتے اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ ورثہ کوئی خالص ورثہ تھا اور وہ نبوت کا وارث بننا تھا۔ پس ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ اس سے مراد ورثہ نبوت ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے ہم جماعت انبیاء کا ورثہ نہیں بننا ہم جو چھوڑ جائیں مدفن ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد ورثہ علم ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اولاد یعقوب علیہ السلام میں تھے۔ ابوصالح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح نبی بنے۔ حسن علیہ السلام فرماتے ہیں نبوت اور علم کا وارث بنے۔ سدی علیہ السلام کا قول ہے میری اور آل یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وارث ہو۔ زید بن اسلم بھی یہی فرماتے ہیں ابوصالح کا قول یہ بھی ہے کہ میرے مال کا اور خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وارث ہو۔ عبدالرزاق میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام پر رحم کرے بھلا انہیں وراثت مال سے کیا غرض تھی؟ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی مضبوط قلعے کی تمنا کرنے لگے۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بھائی زکریا پر اللہ کا رحم ہو کہنے لگے اے اللہ مجھے اپنے پاس سے والی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے لیکن یہ سب حدیثیں مرسل ہیں جو صحیح احادیث کا معارضہ نہیں کر سکتیں واللہ اعلم۔ اور اے اللہ اسے اپنا پسندیدہ غلام بنالے اور ایسا دین دار دیا تدار بنا کہ تیری محبت کے علاوہ تمام مخلوق بھی اس سے محبت کرے اس کا دین اور اخلاق ہر ایک پسندیدگی اور پیار کی نظر سے دیکھے۔

اتنی عبارت یہاں گویا اور ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور حکم ہوا کہ ہم تم کو لڑکے ہونے کی خوشی سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اب آگے حضرت زکریا علیہ السلام کے تعجب کا بیان ہے کہ جب ان کی دعا قبول ہوئی اور لڑکے ہونے کی ان کو خبر سنائی گئی تو اس سے وہ بہت خوش ہوئے اور لڑکے کے ہونے کی کیفیت کا سوال کیا یہ تعجب زکریا علیہ السلام کو اس سبب سے ہوا کہ بیوی بانجھ اور بوڑھی تھی اور آپ بھی اس قدر بوڑھے ہو گئے کہ ہاتھ پیرا کڑ گئے تھے کیونکہ اب تو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں موجود ہیں اس صاحب قدرت نے تو انسان کو ایسی حالت میں پیدا کیا کہ جب انسان کچھ بھی نہیں تھا ترمذی ابوداؤد اور صحیح ابن حبان کے حوالہ سے ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلے کی مٹی میں اللہ نے تمام اولاد آدم کے پتلوں کی مٹی جگہ سے لی ہے جس سے سلسلہ سلسلہ اولاد آدم علیہ السلام کی پیدائش اس طرح ہو چکی آتی ہے کہ کوئی گورا ہے اور کوئی کالا اس حدیث سے (وقد خلقتک من قبل ولم تکن شیئا) کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس صاحب قدرت نے انسان کی پیدائش کی ابتدا ایسی حالت سے کی ہے کہ جب انسان کچھ بھی نہیں تھا اس صاحب قدرت کے آگے بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے لڑکے کا پیدا کر دینا کچھ مشکل نہیں ہے اور عرب لوگ العود العاتی سوکھی لکڑی کو کہتے ہیں اس لیے (وقد بلغت من الکبر عتیا) کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کے سبب سے سارا بدن سوکھ کر بالکل اڑھا بیٹھا ہو۔

فَتَحْمِلُنِي بِهِ وَلَكِنْ مَا ذَكَرَ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ غُطِفَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَجْعَلْهُ آيَةً لِلنَّاسِ عَلَى قُدْرَتِنَا وَرَحْمَةِ رَبِّكَ
لَيْسَ أَمْرٌ بِهِ وَكَانَ خَلْقُهُ أَمْرًا مُقْتَضِيًا ۝ بِهِ فِي عِلْمِي فَتَفْعَ جَبْرِيْلُ فِي حَيْبِ دَرْعِهَا فَأَخَشَتْ بِالْحَصْرِ
ف/ي بَطْنِهَا مُضَوِّرًا فَحَلَّتْهُ فَتَبَدَّتْ تَخَشُّتُ بِهِ مَكَانًا قَوِيًّا ۝ بَعِيدًا مِنْ أَهْلِهَا فَلَجَاءَهَا حَاضِرُهَا
الْحَصْرُ وَحَمَّ الْوِلَادَةَ إِلَى جَدِّهِ "تَخَلُّو" بِتَعْنِيدٍ عَلَيْهِ فَوَلَدَتْ وَالْحَمْلُ وَالتَّصَوُّرُ وَالْوِلَادَةُ فِي شَاعِ
قَالَتْ يَكُنِّي لِتَشْبِيهِهِ مَتَّ قَبْلَ هَذَا الْأَمْرِ وَكُنْتُ نَسِيًّا مُنِيًّا ۝ شَبَابًا مَثْوًى كَمَا لَا يُعْرَفُ وَلَا يُلْدُ خُرْقَانَهَا
مِنْ تَحْتِهَا أَيْ جَبْرِيْلُ وَكَانَ أَسْفَلَ مِنْهَا أَلَّا تَعْرِفَ قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتَكَ سَيًّا ۝ نَهَزَ مَاءُ كَمَانِهِ انْقَطَعَ وَفُزِلَ
إِلَيْكَ بِجَدِّهِ "تَخَلُّو" كَانَتْ بَابِئِةً وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ لِقَطْعِ أَصْلِهِ بِثَانِيَيْنِ فُلِبَتْ الثَّانِيَةُ مَبْنًى وَأُذِغِمَتْ فِي السَّيِّئِ
وَفِي قِرَاءَةِ يَتَرَكُّهَا عَلَيْكَ رُطْبًا تُمَيِّزُ حَيَاتًا ۝ صِفَتُهُ لَكُنِّي مِنَ الرُّطْبِ وَالْمَرْئِ مِنَ الشَّرِّ وَفِي عَيْنَا
بِالْوَلَدِ تُمَيِّزُ مَحْوُلٌ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ يَنْفَرُ عَلَيْكَ بِهِ أَيْ تَسْكُنُ فَلَا تَعْلَمُ إِلَى غَيْرِهِ وَقَدْ بَيَّنَّ إِذَا غَامَ ثَوْبَانِ
الشَّرْطِيَّةُ فِي مَا الْغَرَبِيَّةُ تَرِيحٌ خَذَفَتْ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْتُهُ وَالْقَبْضُ خَرَّ كَتُّهَا عَلَى الزَّوَاءِ وَكُسِرَتْ بَاءُ
الطَّمِيرِ لِاتِّقَاءِ الشَّاكِسِينَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۝ فَيَسْأَلُكَ عَنْ ذَلِكَ لَقَوْلِي إِنْ سَدَرْتُ بِمَرْحَلَتَيْنِ صَوَّمَا أَيْ امْسَاكًا
عَنِ الْكَلَامِ فِي شَأْنِهِ وَغَيْرِهِ مَعَ الْإِنْسَانِ بِدَلِيلٍ لَكِنَّ أَكْثَرَ الْيَوْمِ الْيُسَارَى أَيْ نَعْدَ ذَلِكَ قَاتَتْ بِهِ قُوَّامَهَا
تَجْعَلُهُ ۝ حَالُ فَرَأَوْهُ قَالُوا يَمْرُؤٌ لَقَدْ جِئْتَنَا شَيْئًا فَيًّا ۝ غَضِبْنَا حَبِيبُ أَتَيْتَ بَوْلِدَ مِنْ غَيْرِ ابٍ نَأَخَتِ هَرُونَ مُز
رَجُلٌ ضَالِحٌ أَيْ يَأْشِبُهُنَّ فِي الْعِفَّةِ مَا كَانَ أَبُوهُ أَمْرًا سَوِيًّا أَيْ زَانِيًا وَمَا كَانَتْ أُمُّهُ بَغِيًّا ۝ زَانِيَةً فَيَسُئُ أَمِنْ لَكَ
هَذَا الْوَلَدُ فَأَشَارَتْ لَهُمُ الْيَهُودُ أَنْ كَلِمَتُهُ قَالُوا كَيْفَ لَكُمُ مَنْ كَانَ ۝ أَيْ وَجَدَ فِي السَّهْلِ سَهِيًّا ۝ قَالَ إِنْ
عَمِدَ اللَّهُ أَشْيَى الْكَشَفِ أَيْ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي صَبْرًا كَمَا أَتَيْنَا مَا كُنْتُ أَيْ تَقَاعًا لِلنَّاسِ اخْتِبَارُ
بِمَا حَبِيبُ لَهُ وَأَوْصِيَنِي بِالْعُلُوِّ وَالْوَلَوِّ أَمْرُنِي بِهِمَا مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَيَّا بِوَالِدِي مَنْصُوبٌ بِجَعْلِنِي مُقَدَّرًا
لَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا مُتَغَاظِمًا حَقِيًّا ۝ غَاصِبًا لِزَيْهِ وَالسَّلَامُ مِنَ اللَّهِ عَنْ يَوْمِ وَلَدْتُ وَ يَوْمَ أَمُوتُ وَ يَوْمَ أُهْبَتُ
حَيًّا ۝ لَقَالَ فِيهِ مَا تَقَدَّمَ فِي الشَّيْءِ بَحْنِي قَالَ تَعَالَى ذَلِكَ جِئْتُ ابْنُ مَرْيَمَ ۝ قَوْلُ الْعَقِّ بِالزَّمْعِ خَيْرٌ مِنْهُ

مَقْدَرِ اَیْ قَوْلِ ابْنِ مَرْیَمَ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِیرِ قُلْتُ وَالْمَعْنٰی الْقَوْلُ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَسْتَكُونُ ۝ مِنْ الْمَرْبِیَةِ اَیْ
 یَسْكُونُونَ وَهُمْ النَّصَارِیُّ قَالُوا اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ اللّٰهِ كَذَبُوا مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّخْذَ مِنْ ذٰلِكَ سُبْحٰنَهُ تَنْزِیْهًا عَنْ
 ذٰلِكَ اِذَا قُضِیَ اَمْرًا اَیْ اَرَادَ اَنْ یُحْدِثَهُ فَاَنَّمَا یَقُولُ لَهُ كُنْ فَیَكُونُ ۝ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِیرِ هُوَ وَبِالنَّصَبِ بِتَقْدِیرِ اَنْ
 وَمِنْ ذٰلِكَ خَلَقَ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۝ بِفَتْحٍ اَنْ بِتَقْدِیرِ اَذْكُرْ وَبِكُسْرٍ هَا
 بِتَقْدِیرِ قُلْ بِدَلِیْلِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ هَٰذَا الْمَذْكُوْرُ صِرَاطٌ طَرِیْقٌ
 تَسْتَقِیْمُ ۝ مُؤَدِّ اِلَى الْجَنَّةِ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِهِمْ ۝ اَیِ النَّصَارِیِّ فِی عِیْسٰی اَهْوَابُ اللّٰهِ اَوْ اِلَهٌ مَعَهُ اَوْ
 ثَالِثٌ ثَلَاثَةٌ قَوِیْلٌ شِدَّةٌ عَذَابٍ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا بِمَا ذُكِّرَ وَ غَیْرِهِ مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ اَیْ حُضُوْرِ یَوْمِ
 الْقِیَمَةِ وَ اَهْوَالِهِ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصُرْ بِهِمْ صِیغَتَا تَعْجَبٍ بِمَعْنٰی مَا اَسْمَعُهُمْ وَ مَا اَبْصُرُهُمْ یَوْمَ یَأْتُوْنَنَا فِی
 الْاٰخِرَةِ لَیْكِنَ الظَّالِمُوْنَ مِنْ اِقَامَةِ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ الْیَوْمَ اَیْ فِی الدُّنْیَا فِی ضَلٰلٍ قَبِیْنٍ ۝ اَیْ بَیْنَ بِهٖ
 صَمُّوْا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ وَ عَمُّوْا عَنْ اَبْصَارِهِ اَیْ اَعْجَبَ مِنْهُمْ یَا مُخَاطِبًا فِی سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ فِی
 الْاٰخِرَةِ بَعْدَ اَنْ كَانُوْا فِی الدُّنْیَا ضَمًّا غَمًّا وَ اَنْذَارُهُمْ ۝ خَوْفٌ یَا مُحَمَّدُ كُفَّارَ مَكَّةَ یَوْمَ الْحَصْرَةِ هُوَ یَوْمُ
 الْقِیَمَةِ یَتَحَسَّرُ فِیهِ الْمُسْبِیُّ عَلٰی تَرْكِ الْاِحْسَانِ فِی الدُّنْیَا اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ لَهُمْ فِیهِ بِالْعَذَابِ وَ هُمْ فِی
 الدُّنْیَا فِی غَفْلَةٍ عَنْهُ وَ هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ بِهٖ اِنَّا نَحْنُ تَاكِیْدُ ثَوْبِ الْاَرْضِ وَ مَنْ عَلَیْهَا مِنَ الْعُقَلَاءِ وَ غَیْرِهِمْ
 بِاَهْلَا كِبِهِمْ وَ اَلْبَنَّا یُرْجَعُوْنَ ۝

۱۰۵

تَرْجُمَتُہَا: وَ اَذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اور آپ اس کتاب (یعنی قرآن) میں مریم کا (یعنی مریم کا قصہ) بھی ذکر کیجئے جب وہ
 اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا (یعنی گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایسے مکان میں گئیں جو
 گھر سے مشرق کی جانب تھا) پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے (درمیان میں) پردہ ڈال لیا (یعنی ایک پردہ ڈال لیا
 تاکہ اس پردہ میں اپنے سر کی صفائی یا کپڑے کی صفائی کرے یا غسل حیض کر لیں پھر ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ (جبریل)
 بھیجا چنانچہ وہ فرشتہ مریم کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا (مریم کے کپڑا پہن لینے کے بعد) قَالَتْ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ
 کہنے لگیں میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے (تو میرے پناہ مانگنے کی وجہ سے ہٹ جائے گا) فرشتہ نے کہا تو
 تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں (جونی ہوگا) قَالَتْ اَنِّیْ یَكُوْنُ لِیْ غُلَامٌ.....

مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا درانحالیکہ مجھ کو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا (یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا) اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ نے کہا یونہی ہوگا (یعنی بغیر باپ کے تیرے لڑکا ہوگا) تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے (کہ میرے علم سے جبرئیل تیرے گریبان میں پھونک ماردیں اور اس کے نتیجے میں تمہیں حمل ٹھہر جائے اور جو مذکور ہوا علت کے معنی میں اسی پر عطف کیا ہے وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ اور ہم اس کو (اپنی قدرت کاملہ پر) نشانی بنادیں اور اپنی جانب سے سب رحمت بنادیں، ان کے لیے جو ان پر ایمان لائیں گے) وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ اور یہ ایک طے شدہ بات ہے میرے علم میں، چنانچہ حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردی تو حضرت مریم نے اپنے پیٹ میں ایک مصرور حمل محسوس کیا) فَحَصَلَتْهُ بِسِ مَرِيَمَ حَالِمَةً هُوَ كُنِيَ اس حمل کو لیے ہوئے کسی دور جگہ میں چلی گئیں (اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر دور چلی گئیں) فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۱ پھر درد زہ ان کو کھجور کے ایک درخت کی طرف لے آیا تاکہ اس پر ٹیک لگا سکیں پھر ولادت ہوئی اور استقرار حمل اور جسم کا مکمل ہونا اور ولادت سب کچھ ایک ہی ساعت میں ہو گیا۔ قَالَتْ يَلَيْسَ بِي مَوْلًى قَبْلَ هَذَا (گھبرا کر) کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی (ایسی متروک ہو جاتی کہ نہ کوئی جانے اور کوئی یاد کرے۔ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِينَ پس جبرئیل نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی (یعنی حضرت جبرئیل نے اور جبرئیل اس وقت مریم کی جگہ سے نیچے کی جگہ میں تھے تو غم نہ کرتے تھے) پروردگار نے تیرے نیچے ایک نہر جاری کر دی ہے (سری پای کی چھوٹی نہر جس کا پانی خشک ہو گیا تھا۔ وَهَٰذَا نَبِيُّ إِلَيْكِ اور اس کھجور کے تنہ کو پکڑا کر اپنی طرف ہلاؤ وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا) (درخت سوکھا تھا پھر جِذْع میں باءزائدہ ہے۔ فَكُنِيَ وَاشْتَرَبَنِي پس (اس پھل کو) کھاؤ اور (اس پانی کو) بہو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو بچہ کے ذریعہ بچہ کو دیکھ کر، عَيْنًا ۲ تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے یعنی اصل عبارت ہے لِنَقَرَّ عَيْنُكَ بِہ یعنی اس بچہ سے آنکھیں ٹھنڈی کرو یعنی سکون دل حاصل کرو اور دوسرے بچوں کی طرف توجہ مت کر۔ وَقَالَا قَوَّيْنَا مِنَ الْبُشْرَى پس اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو (آتا اور اعتراض کرتا) دیکھو (اما کی اصل ان ماہے ان شرطیہ کے نون کو مازائد میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ ترین فعل کے لام کلمہ کو حذف کیا گیا اور عین کلمہ ہمز کو حذف کر کے اس کی حرکت رکودیدی گئی اور یا کسورہ جو لام کلمہ تھا اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گیا اور اس کا کسرہ یا ساکنہ کو دے دیا گیا۔ فَقَوْلِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ کے واسطے (ایسے) روزہ کی منت مان رکھی ہے (جس میں اس بچہ کے متعلق اور اسکے علاوہ لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کی بندش و ممانعت ہے) اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی) یعنی اخبار بالندر کے بعد۔ قَالَتْ بِهِ قَوْمُهَا تَحْصِلُهُ ۱ تو مریم اس کو گود میں اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں (اس حال میں کہ لوگوں نے اس بچہ کو دیکھا۔ قَالُوا يَمْزِجُ لَقَدْ حَمَلَتْ شَيْئًا قُرْآنًا ۲ لوگوں نے کہا اے مریم تو نے تعجب خیز کام کیا) (عظیم بری حرکت کی کہ بغیر باپ کے بچہ لائی ہے) اے ہارون کی بہن (وہ ایک نیک آدمی تھے یعنی اے عفت و پاکدامنی میں رجل صالح کے مشابہ مریم) تمہارے باپ کوئی برے آدمی نہ تھے (یعنی زنا کار و بدکار نہ تھے) اور نہ تمہاری ماں بدکار (زانیہ) تھیں (پھر کس طرح تمہارے یہ بچہ پیدا ہو گیا)۔ فَكَشَرَاتُ إِلَيْهِ ۱ پس مریم (علیہا السلام) نے اس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا تم لوگ اس بچہ سے بات کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی

ہے (یعنی جو بچہ ماں کی گود میں پایا گیا ہے۔ قَالَ اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اَلنَّبِیُّ الْکِثْبَ اللّٰہ نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی ہے اور مجھے پیغمبر بنایا ہے۔ وَ جَعَلَنی نَبِیًّا ۝ وَ جَعَلَنی مُبَرَّکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں (یعنی مجھ کو لوگوں کے لیے نفع رساں بنایا ہے ان چیزوں کے متعلق خبر دے کر جو ان کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھیں۔ وَ اَوْصَیْنِی بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ اور اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا (یعنی ان دونوں کا) حکم دیا جب تک میں زندہ ہوں۔ اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے (برا منصوب ہے اس پر بنا پر کہ اس سے پہلے جَعَلَنی فَعَلَ مقدر ہے) اور اللہ نے مجھ کو سرکش (متکبر) اور بد بخت (اپنے پروردگار کا نافرمان) نہیں بنایا۔ وَ السَّلَامُ عَلَیْ اور مجھ پر سلام ہے (اللہ کی طرف سے) جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاوے گا) حضرت عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں وہی سلام کہا جاتا ہے جو حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے متعلق پہلے گزر چکا ہے۔ قَالَ تَعَالٰی ذٰلِکَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یہ ہیں عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام پسر مریم میں (بالکل) سچی بات بتلا رہا ہوں فول کے لام کو رفع کے ساتھ تو اس صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور نصب کے ساتھ تو مفعول ہوگا فعل قلت کا جس میں یہ لوگ جھڑتے ہیں (یَسْتَدْرِیْنَ ۝) مر یہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جھگڑا اور شک یعنی یہ نصاریٰ ہمارے قول میں شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں عِیْسٰی ابن اللہ جو بالکل جھوٹ ہے۔ مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے کوئی فرزند بنائے سبحانہ وہ بالکل پاک ہے وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے (یعنی جب اللہ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے) تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جاسودہ ہو جاتا ہے (اسی قبیل سے عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کی پیدائش بغیر باپ کے ہے، لفظ بکون پر اگر رفع پڑھیں گے تو بکون سے پہلے ہو محذوف ہوگا اور اگر نصب پڑھیں گے تو بکون سے پہلے ان کو مقدر ماننا پڑے گا۔ وَ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ اور بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تم سب کا پروردگار ہے سو تم سب (صرف) اسی کی عبارت کرو (ان کو اگر فتح کے ساتھ پڑھیں تو اذکر فعل مقدر مانیں گے اور ان کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو ان سے پہلے قل مقدر ہوگا: بِذَلِیْلِ مَا قُلْتُ لَہُمْ اَلَا مَا اَمَرَ تَبِیْہِ اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝) یہی مذکور سیدھا راستہ ہے (جو جنت کی طرف لے جاتا ہے) فَ اخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِہُمْ پھر (حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں) مختلف گروہوں نے باہم اختلاف پیدا کر لیا (یعنی نصاریٰ نے حضرت عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے بارے میں اختلاف پیدا کر لیا ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں بعض کہتے ہیں کہ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام خدا کے ساتھ میں شریک ہیں اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ تین خداؤں میں سے ایک عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام بھی ہیں۔ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سو ہلاکت ہے کافروں کے لیے (یعنی سخت عذاب ہے ان کے لیے یعنی جو عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے بندہ ہونے اور رسول ہونے سے منکر ہیں) بڑے دن کی حاضر کے وقت (قیامت کے دن) کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے (جس دن ہمارے پاس آئیں گے) (آخرت میں لیکن آج تو (یعنی دنیا میں) یہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں (یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر کیا گیا ہے یعنی لکنہم کی جگہ لکن الظالمون سے اعلان و اشارہ ہے بانہم ظلموا انفسہم ان کی گمراہی بالکل واضح ہے کہ آج یعنی دنیا میں حق بات سننے سے بہرے بن گئے اور ہر حق بات یعنی اللہ کی آیات کو دیکھنے سے اندھے بن گئے اے مخاطب تمہیں تعجب ہو رہا ہے

ان کے آخرت میں سننے اور دیکھنے پر درانحالیکہ دنیا میں یہ لوگ بہرے اور اندھے بنے رہے۔ فائدہ: یہاں اَسْمِعْ فعل قمر ہے مگر مراد اظہار تعجب نہیں بلکہ تمہید اور ڈرانا مقصود ہے کہ قیامت کے دن یقیناً وہ اس عذاب کو دیکھیں گے اور مایوس کن جزایاں سنیں گے جن کا ان سے وعدہ کر لیا گیا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اَسْمِعْ اور اَبْصُرْ اس جگہ فعل تعجب نہیں ہے بلکہ امر کے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ ان اہل کتاب کافروں کا حال دکھلائیے اور سنائیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کیا عذاب کرے گا۔ وَ اَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَصْرَةِ اور آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے (اے محمد ﷺ آپ ان کفار کو حسرت کے دن سے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیے جس میں گنہگار نیک کام نہ کرنے پر حسرت کرے گا۔ جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے (ان کافروں کے لیے عذاب کا فیصلہ کر دیا جائے گا) اس روز سب کو حسرت ہوگی: اس روز کو يَوْمَ الْحَصْرَةِ اہل لیے کہا گیا کہ اس روز مومن و کافر، نیک اور بد سب حسرت میں مبتلا ہوں گے، سب ہی پچھتائیں گے برے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ برے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں اور یہ حسرت اس وقت ہوگی جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں چلے جائیں گے اور موت کو ذرا کر دیا جائے گا پھر جنت کے اندر اہل جنت اور دوزخ کے اندر اہل دوزخ کبھی نہیں مریں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چکبرے سینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان میں سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا اور لوگ دیکھتے ہوں گے اور اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں فریق کو غلو اور دوام کا حکم سنا دیا جائے گا کہ اہل جنت کو معلوم ہو جائے گا اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں غلو اور دوام ہے اور کفار کو معلوم ہو جائے گا اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں غلو اور دوام ہے موت اور فنا نہیں۔ (۱۱) البخاری (مسلم) وَ هُمْ فِي عَقْلَةٍ اور وہ لوگ (آن دنیا میں) غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ لوگ (اس پر) ایمان نہیں لاتے اور بلاشبہ ہم ہی وارث ہوں گے نَعْنِ تاکید ہے تمام زمین اور زمین پر رہنے والوں یعنی سب لوگ اور سب چیزیں مر جائیں گی اور ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے جزا کے لیے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: خَبَّرَهَا: اس میں اشارہ ہے کہ مضامین محذوف ہے۔

قوله: جِئْنَا: اس تغیر سے اشارہ کیا کہ یہ لَإِذْ ان کی کے معنی میں نہیں بلکہ جِئْنَا کے معنی میں ہے۔

قوله: نَحْنُ الشَّرِيقِ: اسی وجہ سے نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ قرار دیا۔

قوله: فَتَمَثَّلَ لَهَا: اس سے مریم کی پاکبازی کا امتحان لینا مقصود تھا۔

قوله: تَوَيَّنَا ۝: تو اللہ تعالیٰ سے میرے تَعُوذ کے سبب ڈر اور مجھ سے دور ہٹ جا۔ فَتَنَّتْهُنَّ عَنِّي: یہ جواب شرط محذوف نہ کہ ماقبل۔

قوله: لَأَكْفَبَ: اس کا معنی یہ ہے تاکہ تمہارا رب بغیر باپ کے اپنی خالص قدرت سے تمہیں بٹا دے۔

قوله: **يَعْنَا** ۝: یہ اصل میں فعل کے وزن پر بنو یا تھا۔

قوله: **جَاءَ**: اجاء کا یہی معنی الجاہا کے معنی میں نہیں۔

قوله: **يَلِيكُنِي قَبْلَ هَذَا**: لوگوں سے حیا کرنے اور ان کی الزام بازی سے ڈراتے ہوئے یہ کلمات کہے۔

قوله: **مَنْبِيَا** ۝: یعنی جس کے تذکرہ کو اس طرح مجھ دیا جائے کہ کسی کے دل میں اس کا خیال بھی نہ آئے۔

قوله: **تَحْتَكَ سَرِيًّا** ۝: یعنی تمہارے قریب یا حکم کے ماتحت ندی جاری ہو گئی۔

قوله: **هَزَي**: تم اپنی طرف مائل کرو اور پھر کھینچ کر حرکت دینے کو کہتے ہیں۔ پھینچ کی باز آمد ہے۔

قوله: **رُطِبًا**: یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعولیت کی وجہ سے۔

قوله: **إِنِّي نَذَرْتُ**: اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم فرمایا اس لیے کہ مجادلہ تو نا پسند ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو مطاعن قطع کرنے کے لیے قطع قرار دیا۔

قوله: **بَعْدَ ذَلِكَ**: اسکے بعد کہ میں نے اپنی نذر کی خبر دی میں ملائکہ کے کلام کرتا ہوں اور اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں۔

قوله: **فَأَنْتَ بِهِ**: جامع کے معنی میں ہے۔ یعنی طہارت کے بعد اس کو اٹھاتے ہوئے آئیں۔ **تَحْمِلُهُ** یہ حال ہے مفت نہیں۔

قوله: **فَرِيًّا** ۝: انوکھا و عجیب۔

قوله: **أَنْ كَلِمَةً**: اس کو مقدر مانا تاکہ جواب درست ہو سکے کیوں اشارہ جواب نہیں بن سکتا۔

قوله: **وُجِدَ**: سے تغیر کر کے بتلایا کہ گان نامہ ہے۔

قوله: **صَبِيًّا** ۝: اس سے اشارہ کیا کہ آج تک کسی عاقل نے گود کے بچے سے کلام نہیں کیا۔

قوله: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ** ۝: ان کو اللہ تعالیٰ نے بلوایا اور مقامات کا حقدار بنایا دعویٰ ربوبیت کی تردید کے لیے اولیٰ ہے۔

قوله: **مُبْرَكًا**: نفع پہنچانے والا، بھلائی کو ظاہر کرنے والا اور ماضی سے تعبیر کی اس لیے کہ قضاء الہی میں یہ پہلے طے ہو چکا۔

قوله: ۝: اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ بصورت اطلاع ہے۔ جو پہلے لکھی جا چکی تھی اور ان کی زبان دی گئی۔

قوله: **أَمْرِي**: اس سے اشارہ ہے کہ وصیت حکم کے معنی میں ہے۔

قوله: **بُرًّا**: یہ جعلی مقدور سے ہے اور اس کا عطف **مُبْرَكًا** پر ہے نہ کہ **حَقًّا** پر ہے۔

قوله: **مِنَ اللَّهِ**: اس سے اشارہ ہے **السَّلَامُ** عہد کا ہے اور **السَّلَامُ** تینوں مواقع میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہے۔

قوله: **قَوْلِ ابْنِ مَرْيَمَ**: یعنی ہمارا قول عیسیٰ بن مریم کی بات ہیں یا میں کی بات کہتا ہوں اضافت بیان ہے۔

قوله: **الْمَرْيَةِ**: یہ **يَسْتَرْوُونَ** ۝ سے ہے یہ مرآ سے نہیں جس کا معنی اختلاف آتا ہے۔

قوله: **حُضُورٍ**: **مَشْهُدٍ** یہ مصدر بھی ہے۔ وہ مشہور کے معنی میں ہے۔ ظرف نہیں۔

قوله: **أَبْصَرُ** ۝: یہ **وَمَا أَبْصَرُهُمْ** تو ہم فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اسی طرح **أَسْمِعُ** بھی یہ دونوں تعجب کے سینے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کو جب وہ ہمارے ہاں آئیں گے تو کان اور آنکھیں اس مدق ہیں کہ ان پر تعجب کیا جاتے

جب کہ وہ دنیا اندھے بھرے تھے یہ امر کے سینے نہیں۔

قوله: مِنْ إِقَامَةِ الظَّاهِرِ: یہ قید لگا کر بتلانا چاہتے ہیں کہ ان کے ظلم کا سبب استماعِ نظر میں نفع اٹھانے کے وقت نظر اختیار کرنا ہے۔

قوله: فِي الدُّنْيَا: یہ قید لگا کر فِي صَلَاتِ مُبِينٍ ۝ اَسْمِعْ بِهْمُ کے ظاہری تناقض کا ازالہ فرمایا۔

قوله: يَتَحَسَّرُ: گنہگار نیکی نہ کرنے اور نیک کام کرنے پر حسرت و افسوس کا اظہار کریں گے۔

قوله: مَنْ عَلَيْهَا: کرنے والے کے علاوہ کسی چیز کسی کی ملکیت و حکومت نہ رہے گی۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرِيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝

مریمؑ کا تذکرہ اور ان کے بیٹے عیسیٰؑ کی ولادت کا واقعہ:

سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے کہ جناب عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی کہ میرے اولاد ہوگی تو اسے بیت المقدس خدمت میں لگا دوں گی اور خواہش یہ تھی کہ لڑکا پیدا ہو اور اسی لیے منت مانی تھی جب ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کا نام مریم رکھا چونکہ یہ لڑکی ایک نیک عورت کی نیک منت پر پیدا ہوئی تھی اس لیے اس کا نام مریم رکھا جس کا معنی ہے عابدہ اور ان مطلب یہ تھا کہ لڑکی ہونے کی وجہ سے مسجد کی خدمت کے لیے نہیں تو عبادت ہی کے لیے سب سے اپنی اس نذر کی وجہ سے وہ بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں وہاں کے رہنے والوں نے اس بچی کی کفایت میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں جھگڑے کو نبھانے کے لیے آپس میں قرعہ ڈالا تو حضرت زکریاؑ کے نام قرعہ نکل آیا لہذا انھوں نے مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا وہ حضرت زکریاؑ کی کفالت میں رہنے لگیں بیت المقدس میں ان کے لیے ایک کمر مخصوص کر دیا تھا جو بلندی پر تھا اور اس میں زینہ سے چڑھتے اور اترتے تھے اللہ تعالیٰ نے مریم کو خوب اچھے طریقے سے نشوونما فرمایا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔

جب حضرت مریم بڑی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو بشارت دی کہ تمہیں ایک بیٹا دیا جائے گا جس کا نام مسیح ہوگا وہ دنیا و آخرت میں وجیہ ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

مریمؑ کا پردہ کا اہتمام اور احبابِ نیک مندرشتہ کے سامنے آ جانے سے منکر مند ہونا:

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب یہاں سورۃ مریم کی تصریحات کو ذہن نشین کیجیے وہ ایک دن اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر کمر کے مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں۔ صاحبِ معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ دن سخت سردی کا تھا وہاں دھوپ میں بیٹھ گئیں اور سر کی جوئیں نکالنے لگیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ غسل کرنے کے لیے بیٹھی تھیں فَاسْتَحْذَتْ مِنْهُمْ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا

دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے، اس علیحدہ جگہ میں پردہ ڈال کر بیٹھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا گیا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک صحیح سالم انسان کی صورت میں ان کے سامنے کھڑے ہو گئے حضرت مریم پاکباز عفت دار اور عصمت والی خاتون تھیں وہ انھیں دیکھتے ہی گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ تو کون ہے جو تنہائی میں یہاں پہنچا؟ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تیری صورت شکل تو یہ بتا رہی ہے کہ متقی آدمی ہوگا متقی کا کیا کام کہ وہ تنہائی میں کسی ایسی عورت کے پاس آئے جس کے پاس آنا حلال نہیں، میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور تو بھی اپنے تقویٰ کی لاج رکھ اور یہاں سے چلا جا۔

فرشتہ کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب ہونا:

اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ اس پر حضرت مریم نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ نہ تو مجھے کسی ایسے شخص نے چھوا ہے جس کا چھونا حلال ہو (یعنی شوہر) اور نہ میں فاجرہ عورت ہوں بچہ تو حلال مباشرت سے یا کسی زانی کے زنا سے پیدا ہوتا ہے، اور یہاں تو دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں لہذا میرے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتہ کا جواب دینا کہ اللہ کے لیے سب کچھ آسان ہے:

سورہ آل عمران کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فرشتوں نے انھیں لڑکا ہونے کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی انھوں نے یہی کہا تھا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہاں ان کی بات کا جواب یوں نقل کیا ہے۔ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا... (اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے) إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا لہذا ہو جاتا ہے)۔

اور یہاں فرشتہ کا جواب یوں ذکر فرمایا ہے : قَالَ كَذَلِكَ (فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا) قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلِيمٌ هَدِيقٌ (تیرے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے) جس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو اور بغیر ماں کے حضرت حوا کو پیدا فرما دیا اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا فرمانا کیا مشکل ہے؟ اس کے لیے سب کچھ آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ آل عمران (إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ) (۷۱)

وَلَنَجْعَلَ لَآيَةٍ لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهَا مَكَانًا قَوِيًّا ۝ يَٰ هِيَ أَلَمْ نَكُنْ لَّكَ آيَةً لِّتُزَكَّىٰ وَلَمْ نُكَلِّمْ لَكَ شَرْحًا ۝ وَإِنِّي مُرْسِلَاتٌ لِّكَ الْوَحْيَ وَإِنِّي أَتِيكَ خَفَا ۝ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ (اور یہ ایک طے شدہ بات ہے اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے) پیدا ہونے والا یہ بچہ بغیر باپ ہی کے پیدا ہوگا اللہ کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ (اور یہ ایک طے شدہ بات ہے اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے) پیدا ہونے والا یہ بچہ بغیر باپ ہی کے پیدا ہوگا اللہ کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

حمل اور وضع حمل کا واقعہ، درد زہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچنا فرشتہ کا آواز دینا کہ غم نہ کرو درخت کا تہا ہلاؤ

کھجوریں کھاؤ

فَصَلَّتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَوِيًّا ۝ (سواس لڑکے سے وہ حاملہ ہو گئی۔ لہذا وہ اس حمل کو لیے ہوئے علیحدہ ہو کر درخت پر چلی گئی) سورۃ تحریم میں فرمایا: (وَمَرْيَمَ إِهْنَتْ إِعْمَرَانَ الْيَتِيمَ أَخْصَنَتْ لَرَجُلًا يَدْعُوْنَا وَصِدْقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا مِنَ الْغَايِبَاتِ) (اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرماتا ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس کے گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انھوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور اطاعت والوں میں سے تھیں) حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پھونکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس پھونکنے سے حمل قرار پا گیا۔ حمل قرار پانے کے بعد وہ اس حمل کو لیے ہوئے اپنے گھر سے کسی دور جگہ میں چلی گئیں پھر جب درد زہ یعنی پیدائش کا درد شروع ہوا تو اس کی وجہ سے کھجور کے درخت کے پاس آ گئیں اور اس کے تنہ کے قریب یا اس سے قریب لگا کر بیٹھ گئیں اور اسی حالت میں کہنے لگیں کہ ہائے کاش میں پہلے سے مر گئی ہوتی اور بالکل ہی بھولی ہوتی ہو جاتی نہ کوئی جاننا نہ پہچانتا، اس وقت پریشانی کا عالم تھا جنگل تھا تنہائی تھی درد سے بے چین تھیں کوئی چھپر تک نہیں تھا جس میں لیٹیں اور یہ بھی خیال لگا ہوا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے ایسی پریشانی میں منہ سے یہ بات نکل گئی کہ کاش میں اس سے پہلے مردہ ہو چکی ہوتی، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ استقرار حمل کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ولادت ہو گئی۔ (ذکرہا عالم التریل منہ) آیت کریمہ کے سیاق سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دیگر حاملہ عورتوں کی طرح ان پر حمل کی مدت نہیں گزری کیونکہ اتنی لمبی مدت تک تنہا اکیلی عورت کا گھر سے باہر اور دور رہنا بعید ہے پھر اگر لمبی مدت ہوتی تو حمل کا ظاہر ہونا اور اندر پیٹ میں پرورش پانا اس سے لوگوں کو ولادت سے پہلے ہی حاملہ ہو جانے کا پتہ چل جاتا اور لوگوں کا طعن اور اعتراض شروع ہو جاتا لیکن قرآن کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ بچہ کو لے کر آئیں اس وقت لوگوں نے اعتراض کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(فَتَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا) (سو جبریل نے حضرت مریم کو آواز دی جو اس جگہ سے نیچے کھڑے ہوئے تھے جہاں وہ اوپر کسی ٹیلے پر تھیں اور یوں کہا: (أَنْ لَا تَحْزَنِي) (کہ تو رنجیدہ نہ ہو)۔ (کافی الردح ص ۸۲ ج ۱۱)

(قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝) (تیرے رب نے تیرے نیچے ایک نہر بنادی ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پاؤں مار دیا جس کی وجہ سے ٹھٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہاں پہلے سے خشک نہر تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی جاری فرمادیا اور وہیں ایک خشک کھجور کا درخت تھا اس میں پتے اور پھل آ گئے اور اسی وقت پک گئے۔ (سالم التریل ص ۱۹۳ ج ۲)

رحمت خداوندی سے سرفرازی کے لیے بہانے کی ضرورت: سورحت خداوندی سے سرفرازی کے لیے حیلے اور بہانے کی تعلیم کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے اس تنے کو۔ تاکہ اس طرح آپ کی اپنی محنت کا بھی اس نعمت کے حصول میں کچھ دخل ہو سکے اور کسب ید کی فضیلت بھی واضح ہو جائے۔ سواس سے درد ملنا کہ اس کا نام انسان کو

اپنے مقدور کی حد تک اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔ اسی لئے حضرت مریم کو درخت کا تنہا ہلانے کا حکم و ارشاد فرمایا گیا۔ ورنہ جو ذات خشک تنے سے تازہ کھجوریں عطا فرما سکتی ہے۔ وہ اس کو ہلائے بغیر کیوں نہیں دے سکتی۔ مگر اس میں کسب و محنت اور اسباب کو اپنانے کا درس دیا گیا ہے۔ نیز اس میں یہ ارشاد بھی ہے کہ جو ذات اقدس خشک درخت سے بغیر موسم کے تازہ کھجوریں عطا فرما سکتی ہے وہ تم کو اے مریم! بغیر مسس بشر کے بچہ کی نعمت سے بھی سرفراز فرما سکتی ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ دینا اور نوازنا اور ہر طرح کی اور ہر قسم کی دین اور نوازش اسی وحدہ لا شریک کی شان اور اسی کا کام ہے۔ پس مومن صادق کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اسی سے مانگے اور اپنا بھروسہ اور اعتماد اسی پر اور صرف اسی پر رکھے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس مختصر سے ارشاد سے ایک طرف تو یہ درس ملتا ہے کہ بندے کو اپنے قلب و باطن اور نہاں وعیاں کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح رکھنا چاہیے تاکہ اس کی عنایات سے سرفراز ہوتا رہے کہ اس کی رحمت و عنایت سے سرفرازی کے لیے بس حیلے اور بہانے کی ضرورت رہتی ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے جہاں تک ہو سکے اپنے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں اور اپنی طرف سے حرکت کرنی چاہیے کہ حرکت میں برکت ہے۔ اور تیسری طرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہمیشہ اور ہر وقت جاری و ساری ہے۔ وہ اسباب و مسببات کی پابند نہیں ہے۔ اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔

لَكُلُّيْنَ وَالْأُخْرَىٰ وَكَذَىٰ عَيْنَانَا (سو تو ان تازہ کھجوروں میں سے کھا اور اس نہر میں سے پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کر) یہ تیرا بچہ تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ فی معالم التنزیل یعنی طبیبی نقاش و فیل قری عینک بولدک عیسیٰ۔

طبی اصول سے زچہ کے لیے کھجوروں کا مفید ہونا:

یہاں پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ صاحب بیان القرآن کی ایک عبارت نقل کر دی جائے موصوف فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہارے پاس ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے فرحت طبعی ہوگی، و نیز حسب روایت روح المعانی ان کو اس وقت پیاس بھی لگی تھی اور حسب مسئلہ طبیہ گرم چیزوں کا استعمال قبل وضع یا بعد وضع سہل ولادت و دافع فضلات و مقوی طبیعت بھی ہے اور پانی میں اگر خون (گرمی) بھی ہو جیسا بعض چشموں میں مشاہدہ ہے تو اور زیادہ مزاج کے موافق ہوگا و نیز کھجور کثیر المغذا، مولد خون مسمن و مقوی گردہ کمر و مفاصل ہونے کی وجہ سے زچہ کے لیے سب غذاؤں اور دواؤں سے بہتر ہے۔ (فی معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۳ قال الربیع بن خثیم مال للنساء عدى خبر من الرطب ولا للمريض خبر من العسل) اور حرارت کی وجہ جو اس کی مضرت کا احتمال ہے سو اول تو رطب میں حرارت کم ہے دوسرے پانی سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے مضرت کا ظہور جب ہوتا ہے کہ عضو میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی و نیز خرق عادت (کرامت) کا ظہور اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت ہونے کی وجہ سے موجب مسرت روحانی بھی ہے انتہا

حضرت مریم سے فرشتہ کا یوں کہنا کہ کوئی دریافت کرے تو کہہ دینا کہ میرا بولنے کا روزہ ہے
فَاَمَّا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ احَدًا فَقُولِي اِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ اَكَلِمَهُ الْيَوْمَ اِنْ شِئْتَ (سوا اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے لیے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے لہذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی) بنی

اسرائیل کی شریعت میں نہ بولنے کا روزہ بھی مشروع تھا ہماری شریعت میں منسوخ فرما دیا گیا یوں کوئی آدمی کسی ضرورت سے کم بولے یا نہ بولے اور اشارہ سے بات کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن اس کا نام روزہ نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کودیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور بات نہیں کرے گا اور روزہ سے رہے گا آپ نے فرمایا اس سے کہو بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھے جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (رواہ البخاری ص ۶۹۱ ج ۲)

حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھا ہے: لا یتیم بعد احتلام ولا صہان یوم الی اللیل (یعنی احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں اور کسی دن رات تک خاموش رہنا نہیں) (رواہ ابو داؤد فی کتاب الوصایہ ج ۱ ص ۶۱) یعنی کسی دن رات تک روزے کی نیت سے خاموش رہنا شریعت اسلامیہ میں نہیں۔

فَآتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحِيْلَةً ۚ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝

ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس گود میں لے کر آنا، قوم کا معترض ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمانا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ مریم کے بچہ تولد ہونا ہے اور وہ بھی بغیر باپ کے لہذا وہ بچہ پیدا ہو گیا جب اس کی ولادت ہوئی تو اسے آدمی میں لے کر آنا تھا وہ اس بچہ کو گود میں اٹھا کر آبادی میں لے آئیں وہاں قوم کے لوگ موجود تھے انھوں نے بچہ کو گود میں دیکھ کر کہا کہ اے مریم یہ بچہ کہاں سے آیا؟ ہمارے علم میں تو یہی بات ہے کہ تیری شادی نہیں ہوئی جب بچہ حلال کا نہیں ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بچہ بدکاری سے پیدا ہوا ہے یہ تو تو نے بڑے ہی غضب کا کام کیا تیری جیسی خاتون سے بدکاری کا سرزد ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارے باپ برے آدمی تھے نہ تمہاری ماں بدکار تھی تمہیں بھی انھیں کی طرح پاک رہنا لازم تھا۔ تمہارے بھائی ہارون (جو خاندان کے ایک شخص ہیں) وہ بھی نیک شخص ہیں جب سارا ہی خاندان نیک ہے تو تمہیں بھی ہر اعتبار سے نیک اور صالح ہونا چاہیے تھا۔

حضرت مریم نے لوگوں کی طعن و تشنیع والی باتیں سنیں اور خود سے جواب نہیں دیا بلکہ نومولود بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ان کی گود میں تھا۔ لوگ کچھ یوں سمجھے کہ یہ ہم سے تسخر کر رہی ہے۔ کہنے لگے ہم ایسے شخص سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی (یعنی عطا فرمائے گا) اور اس نے مجھے نبی بنایا یعنی مجھے نبوت عطا فرمائے گا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا میرے ذریعہ خیر پھیلے گی اور اس نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بد بخت نہیں بنایا۔ (لہذا میں اپنے خالق کے حقوق ادا کروں گا اور اپنی والدہ کے بھی)۔ اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میری وفات ہوگی اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہودی اس بچہ سے دشمنی کریں گے اور ان کی نبوت کے انکاری ہوں گے اور نصرانی ان کے بارے میں بہت

زیادہ غلو کریں گے کچھ لوگ ان کے بارے میں کہیں گے کہ اللہ انھیں کی ذات ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اس لیے ابھی سے ان کی زبان مبارک سے یہ کہلوادیا کہ میں اللہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی مخلوق ہوں اور اللہ کا مامور ہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا (جو خود عبادت گزار ہو وہ کسی کا معبود نہیں ہو سکتا اور عابد و معبود ایک نہیں ہو سکتے) اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت گزار کے طریقہ پر پیش آؤں گا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي فَسَرَّمَا كَرِيهًا دِيَا كَمَسِيرَا كُوْنِي بَابِ نَهِيْس:

یاد رہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں براہ والدہ یہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی زبان سے بَرًّا بِوَالِدَتِي کہلوایا اس لفظ میں ہمیشہ کے لیے اس بات کی نفی ہوگئی کہ ان کا کوئی باپ ہو۔ نصاریٰ کی حماقت اور ضلالت کو دیکھو کہ جس ذات کو اللہ یا ابن اللہ یا الہ (معبود) کہہ رہے ہیں اس کا اپنا بیان تو یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور صرف ماں کا بیٹا ہوں لیکن یہ لوگ کبھی انھیں یوسف نجار کا بیٹا بتاتے ہیں اور کبھی اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں العیاذ باللہ من ذلک کلمہ در حقیقت یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں جن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے نہایت صفائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمادیا سورۃ مریم میں اور سورۃ آل عمران میں واضح طور پر یہ بتادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن قرآن کی تصریحات کے خلاف دور حاضر کے بہت سے زندقہ پرست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ تجویز کرتے ہیں۔ (قَاتِلَهُمُ اللّٰهُ اَلِیْ یُؤْلَفُوْنَ)

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ ذَلِکَ مُبْتَدِئًا ۚ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاَنۡمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۱۰﴾

کسی کو اپنی اولاد بنا کر اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے:

ان آیات میں بھی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور اللہ پاک کی توحید بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے کسی کو اولاد بنانے سے بری اور بیزار ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہوا۔ ان کے بارے میں ہم نے سچی بات بیان کر دی اس سچی بات میں لوگ جھگڑتے ہیں اور یہ جھگڑالو یہود و نصاریٰ ہیں اور اب تو جھوٹی نبوت کے دعویدار بھی ان کے ہم نوا ہو گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ تجویز کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے صرف اتنا فرمادیتا ہے کہ ہو جا، لہذا وہ ہو جاتا ہے۔ لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس نے بغیر باپ کے ایک بچہ کو پیدا فرمادیا۔ جو ایسا صاحب کمال اور صاحب قدرت کاملہ ہو اس کے لیے اولاد تجویز کرنا سراپا حماقت اور ضلالت ہے۔ باپ اور بیٹے آپس میں ہم جنس ہوتے ہیں مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں پھر مخلوق کیسے اس کی اولاد بن سکتی ہے۔ نیز مخلوق کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی مدد کے لیے اولاد کو چاہتے ہیں اس لیے کہ خود ناقص ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اور اس میں کبھی کوئی تغیر اور نقص وضع کرنے والا نہیں اسے کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں پھر وہ اپنے لیے اولاد کیوں تجویز کرے۔

فَبِیۡہِ الْبَحۡرَآءِ وَادۡکُرۡ لَّہُمۡ فِی الْکِتَابِ اِبۡرَہِیۡمَ ؑ اٰی حَبِیۡرَہٗ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا مُّبٰیۡغًا فِی الصِّدۡقِ کَیۡنًا ﴿۱۱﴾ وَیُعۡذِلُ

مِنْ خَيْرِهِ اِذْ قَالَ لَا يَهِيَ اَزْرُ يَابْتَ التَّاءُ عَرِضٌ عَنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَكَانَ يُعِيدُ الْاَصْنَامَ لَمْ
تَعْبُدْ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ لَا يَكْفِيكَ شَيْئًا ۝ مِنْ نَفْعٍ اَوْ ضَرٍّ يَابْتَ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ
يَايِكَ فَاتَّبِعْنِي اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ مُسْتَقِيمًا يَابْتَ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۝ بَطَاعَتِكَ اِيَّاهُ فِي عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِنَّ
الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۝ كَثِيرُ الْعِصْيَانِ يَابْتَ اِنِّي اَخَافُ اَنْ يَسْسَكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ اِنْ لَمْ تُسَبِّحْ فَتَكُونَ
لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ نَاصِرًا وَقَرِئْنَا فِي النَّارِ قَالَ اَرَاغِبُ اَنْتَ عَنْ الْيَقِي يَابْرَاهِيمُ ۝ فَتَعْبِيهَا لَهِنْ لَمْ تَنْتَهُ عَنْ
التَّعَرُّضِ لَهَا لَا رَجْمَتَكَ بِالْحِجَارَةِ اَوْ بِالْكَلَامِ الْقَبِيحِ فَاحْذَرْنِي وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ دَهْرًا طَوِيلًا قَالَ سَلِّمْ
عَلَيْكَ ۝ مَنَى اَيُّ لَا اَصِيْبُكَ بِمَكْرُوهِهٖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۝ اِنَّهُ كَانَ بِنِي حَفِيًّا ۝ مِنْ حَفِيٍّ اَيُّ بَارًا فَيَجِيبُ
دُعَائِي وَقَدْ وُفِيَ بَوَعْدِهِ بِقَوْلِهِ الْمَدْكُورُ فِي الشَّعْرَاءِ وَغَيْرِ لَا بِنِي وَهَذَا قَبْلُ اَنْ يَتَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ كَمَا
ذَكَرَ فِي بَرَاءَةِ وَاعْتَزَلَ لَهُمْ وَمَا تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَاَدْعُوا اَعْبُدْ رَبِّي ۝ عَسَى اَلَّا اَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي
بِعِبَادَتِهِ شَاقِيًّا ۝ كَمَا شَفَعْتُمْ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ فَلَمَّا اعْتَرَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ اَبَانَ ذَهَبَ اِلَى
الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ وَهَبْنَا لَهُ اِبْنَيْنِ يَانِسُ بِهِمَا اِسْحَاقُ وَيَعْقُوبُ ۝ وَكُلًّا مِنْهُمَا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَهَبْنَا لَهُمُ
الْثَّلَاثَةَ مِنْ رَحْمَتِنَا الْمَالُ وَالْوَلَدُ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ زَفِيْعًا وَهُوَ الشَّاءُ الْحَسَنُ فِي جَمِيعِ اَهْلِ
الْاَدْيَانِ

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ) آپ اس کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے بیشک وہ ابراہیم نہایت راستہ
تھے (صدق و راستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے) اور پیغمبر تھے (نبیؑ)۔ گان کی خبر سے بدل واقع ہے۔ اِذْ قَالَ لَا يَهِيَ
..... جب کہ انہوں نے اپنے باپ (آزر) سے (جو بت پرست تھا) کہا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پوجا کرتے
ہیں جو نہ کچھ سنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ کچھ آپ کے کام آسکے (یعنی نفع و نقصان کے معاملہ میں کسی بھی ضرورت میں تیری کفایت
کر سکے۔ یا بت میں یاہ اضافت کے بدلہ میں ہے کیوں کہ یا اضافی اور تاجع نہیں ہوتے اس۔ یَابْتَ اِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ
الْعِلْمِ..... اے میرے پاس (اللہ کی طرف سے) ایسا علم پہنچا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میرا اتباع کیجئے میں
آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے (یعنی آپ شیطان کے بہکانے سے بتوں کی
پرستش نہ کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے (انتہائی نافرمانی کرنے والا ہے) اے میرے باپ بیشک میں ڈرتا ہوں کہ آپ
پر رحمان کی طرف سے پہنچے گا (اگر آپ نے توبہ نہ کی) پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جاؤ گے (یعنی دوزخ میں شیطان کے

معاذ بن وسامی بن جاؤ گے۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ الْبَقِيَّةِ يَا اِبْرَاهِيْمُ ؑ ابراہیم کے باپ نے کہا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم (اس لیے ان کی عیب جوئی، مذمت کرتے ہو) اگر تم باز نہیں آئے (ان معبودوں کے پیچھے پڑنے سے تو میں تو تم کو ضرور سنگسار کروں گا) (پتھروں سے مار مار کر ہلاک کروں گا، یا بدگوئی و بدکلامی سے ایذا پہنچاؤں گا سو تم مجھ سے ڈرو) اور مجھے ایک مدت کے لیے تم چھوڑ دو (طویل زمانہ یعنی عمر بھر کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے کہا) (اچھا تم پر سلام ہو) میرا سلام لیں یعنی اب میں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤں گا) اب میں آپ کے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے یعنی بہت لطف و کرم کرنے والا، بہت بھلائی کرنے والا، لہذا وہ میری دعا کو قبول کرے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس وعدے کو پورا کیا جیسا کہ سورہ شعراء میں مذکور ہے ”اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرما“۔ وَهَذَا قَبْلَ اَنْ يَتَبَدَّلَ لَهُ وَاعْتَزِلْ لَكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے (پوجتے ہو) سب کو چھوڑ رہا ہوں اور میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کروں گا امید (یعنی یقین) ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں (یعنی اپنے رب کی عبادت کر کے) محروم نہ رہوں گا) جیسا کہ تم بتوں کی عبادت کر کے محروم و ناکام ہو) پس جب ابراہیم علیہ السلام ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے علیحدہ ہو گئے (اس طرح کہ وہ سرزمین مقدس روانہ ہو گئے) تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمایا (یعنی دو اولاد عطا فرمائیں کہ ان دونوں سے دل بہلائیں اور ہم نے ان دونوں میں سے ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو) (یعنی تینوں کو) ہم نے اپنی رحمت سے خاص حصہ دیا (یعنی ان تینوں کو مال دولت اور اولاد عطا کی) اور اس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا (کہ تمام اہل دین و ملت ان کی تعظیم و ثناء کے ساتھ ذکر کرتے رہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: النَّاءُ عَوْضٌ : يَابَّتْ کی تا، یا نسبت کی عوض میں آتی ہے تا تانیث کی نہیں ہے یہ دونوں ایک اسم میں نہیں آسکتے۔
 قوله: وَلَا يُبْصَرُ : یہ دیکھتے نہیں کہ تمہاری حالت کو پہچانیں اور تیرا تذکرہ سنیں اور تیری عاجزی کو دیکھیں۔
 قوله: لَا يَكْفِيكَ : یعنی ذرہ بھر نفع و نقصان میں کفایت نہیں کر سکتے اور غناء سے مالداری مراد نہیں۔
 قوله: اِنْ لَمْ تَنْتَبْ : اس سے اشارہ کیا کہ اگر تو بہ نہ کی تو عذاب آخرت سے نہ بچ سکو گے۔
 قوله: فَاحْذَرْنِي : یعنی مجھے چھوڑ اس کا عطف اس پر ہے جس پر لَا دَجْنَكَ دلالت کر رہا ہے۔
 قوله: حَفِيًّا ⑥ : لطف و احسان میں نہایت کرنے والا۔

قوله: لِسَانَ صِدْقٍ : معروف کو بولنے کا آلہ، جب عرب کی طرف اس کی نسبت ہو تو لغت مراد ہے اور یہاں صدق و علو کی طرف اس کی نسبت کر کے خبردار کیا کہ ان کی جو تعریف کی جا رہی ہے وہ اس کے حقدار ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَدِيْقًا نَّبِيًّا ۝

اسوہ ابراہیمی کی تذکیر و یاد دہانی:

بے شک ابراہیم بڑے راست باز اور عظیم الشان پیغمبر تھے۔ جنہوں نے راہِ حق میں بے مثال قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کئے۔ حق کی خاطر اپنے باپ، اپنی قوم اور اپنے ملک سب کو چھوڑا۔ حق کی خاطر وقت کے جابر حاکم سے ٹکری اور کسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جن کے تعمیر کردہ بیت اللہ کا ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود آج تک برابر اور مسلسل دلگاتار طواف کیا جا رہا ہے۔ جو اپنے بعد آنے والے تمام انبیائے کرام کے جہادِ مجد قرار پائے اور جن کی عظمت شان کا یہ عالم ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ہی ان کو اپنا مقداد و پیشوا مانتے ہیں۔ اور مسلمان تو ہیں ہی ملتِ ابراہیمی کے پیروکار۔ اور جن سے منسوب درود ابراہیمی ہر مسلمان اپنی ہر نماز میں ہمیشہ پڑھتا ہے۔ جن کی یادگار قربانیوں کے صلے میں صفادِ مردہ کی سعی، منیٰ کی قربانی اور رمی جمار کو ہمیشہ کے لیے حج و عمرہ جیسی مقدس عبادات کے مناسک و ارکان میں سے قرار دے دیا گیا۔ جن کی نسل میں خاتم الانبیاء و امام الرسل ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور جن کو فاتحِ مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْفًا کے امر سے آپ ﷺ کی ملت کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس عظمتِ شان کے اور کیا ٹھکانے واجبِ مطلق حضرت حق - جل مجدہ - کی قدر دانی اور اس کی بخشش و عطا کے۔ جس کی ہر صفت و شان کی طرح اس کی صفتِ بخشش و عطاء بھی لامحدود اور ناپیدا کنار ہے۔

صدیق کی تعریف:

صَدِيْقًا نَّبِيًّا ۝ لفظ صدیق بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے اور بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر وہ اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت ہیں۔ اصل صدیق تو نبی و رسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی و رسول کے لئے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی و رسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کر لے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔ حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے امہ صدیقہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہورِ امت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔

اِذْ قَالَ لَا اٰمِيْنُ يَا بَتِّ لِيْهٖ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَّلَا يُبْصِرُ وَّلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝

اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے کا طریقہ اور اس کے آداب:

يَا بَتِّ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم و محبت کا خطاب ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ

نے جو مقام جامعیت اوصاف و کمالات کا عطا فرمایا تھا، ان کی یہ تقریر جو اپنے والد کے سامنے ہو رہی ہے اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی ایک بے نظیر تقریر ہے کہ ایک طرف باپ کو شرک و کفر اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اس کا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے خلیل اللہ پیدا کئے گئے ہیں، دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت و محبت ہے ان دونوں ضدوں کو حضرت خلیل اللہ نے کس طرح جمع فرمایا اول تو یائیت کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں جس سے اس کی توہین یا دل آزاری ہو کہ اس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف ان کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔ دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی تیسرے اور چوتھے جملے میں اس انجام بد سے ڈرایا جو اس شرک و کفر کے نتیجہ میں آنے والا تھا۔ اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور و فکر یا یہ کہ ان کی فرزندانہ گزارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا، انہوں نے تو خطاب یائیت کے پیارے لفظ سے کیا تھا جس کا جواب عرف میں یا ہبی کے لفظ سے ہونا چاہئے تھا مگر آزر نے ان کا نام لے کر یا ابراہیم سے خطاب کیا اور ان کو سنگسار کر کے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اس کا جواب حضرت خلیل اللہ کی طرف سے کیا ملتا ہے وہ سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ یہاں لفظ سلام دو معنی کے لئے ہو سکتا ہے اول یہ کہ یہ سلام مقاطعہ ہو یعنی کسی سے قطع تعلق کرنے کا شریفانہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول و صالح بندوں کی صفت میں بیان فرمایا ہے: **وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا** یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ ان سے دو بدو ہونے کے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمہیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنی میں ہو، اس میں فقہی اشکال یہ ہے کہ کسی کافر کو ابتداء سلام کرنا حدیث میں ممنوع ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((لَا تَبْدَأُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ))** (یعنی یہود و نصاریٰ کو ابتداء سلام نہ کرو) مگر اس کے بالقابل بعض روایات حدیث میں ایک ایسے مجمع کو ابتدائی سلام کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جس میں کفار و مشرکین اور مسلمان سب جمع تھے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت اسامہ کی روایت سے ثابت ہے۔

اسی لئے فقہاء امت کا اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہوا۔ بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے بعض سے عدم جواز، جس کی تفصیل قرطبی نے احکام القرآن میں اسی آیت کے تحت بیان کی ہے۔ اور امام غنوی نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تمہیں کسی کافر یہودی نصرانی سے ملنے کی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آ جائے تو اس کو ابتدائی سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور بے ضرورت سلام کی ابتداء کرنے سے بچنا چاہیے۔ اس میں مذکورہ دونوں حدیثوں کو تطبیق ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔ (قرطبی)

مَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي، یہاں بھی یہ اشکال ہے کہ کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ حضرت رسول اللہ

وَهَارُونَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَهُمْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ أَيُّ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَخَيْرُ أَوْلِيَّكَ إِذَا تَنَافَلْتُمْ عَلَيْهِمْ
 آيَةُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝ جَمْعُ سَاجِدٍ وَبَاكِ أَيُّ فَكُونُوا امْتِلَاهُمْ وَأَصْلُ بَكِي بِكُؤَى قُلَيْبِ الْوَاوِيَاءِ ۝
 وَالضَّمَّةُ كَثْرَةُ السَّجْدَةِ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ بِرُكْبَتَيْهَا كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ وَأَنفَعُوا
 الشَّهَوَاتِ مِنَ الْمَعَاصِي ۖ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ هُوَ وَادِ فِي جَهَنَّمَ أَيُّ يَقْعُونَ فِيهِ إِلَّا لَكِنْ مَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ
 صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يَظْلَمُونَ نَبْذُورًا ۝ شَيْئًا ۝ مِنْ ثَوَابِهِمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ إِقَامَةٌ بَدَلٌ مِنَ الْجَنَّةِ الَّتِي
 وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ حَالُ أَيُّ غَائِبِينَ عَنْهَا إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ أَيُّ مَوْعُودُهُ مَا يَتِيًّا ۝ بِمَعْنَىٰ إِنَّمَا وَأَصْلُهُ
 مَا تَرَىٰ أَوْ مَوْعُودُهُ هُنَا الْجَنَّةُ يَأْتِيهِ أَهْلُهَا لَا يَسْعَوْنَ فِيهَا لَفْوَ مِنْ الْكَلَامِ إِلَّا لَكِنْ يَسْمَعُونَ سَلَامًا مِنْ
 الْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمْ أَوْ مِنْ بَعْضِهِمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝ أَيُّ عَلَى قَدَرٍ هَمَافِي الدُّنْيَا
 وَلَيْسَ فِي الْجَنَّةِ نَهَارٌ وَلَا لَيْلٌ بَلْ ضَوْءٌ وَتُورُ أَبَدًا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ نِعْمَتِي وَنُزُلٌ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
 تَقِيًّا ۝ بِطَاعَتِهِ وَنَزَلَ لَنَا تَاخَرُ الرُّوحَىٰ آيَامًا وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَجْبُرَ بَلْ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ
 تَزُورُنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا وَمَا نَنْتَزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا أَوْ أَمَا مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَمَا خَلَقْنَا
 مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ أَيُّ مَا يَكُونُ مِنْ هَذَا الْوَقْتِ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ أَيُّ لَهُ عِلْمٌ ذَلِكَ جَمِيعُهُ وَمَا
 كَانَ رَبُّكَ لَيْسِيًّا ۝ بِمَعْنَىٰ نَاسِيًّا أَيُّ تَارِكًا لَكَ بِتَاخِيرِ الرُّوحَىٰ عَنْكَ هُوَ رَبُّ مَالِكِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
 بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ أَيُّ اصْبِرْ عَلَيْهَا هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَيِّئًا ۝ أَيُّ مُسَمًّى بِذَلِكَ لَا

ع

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا (یہود و نصاریٰ کی طرح نمازوں کو چھوڑ
 دیا) اور خواہشات کی پیروی کی (گناہوں میں) سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) عذاب پائیں گے (جہنم میں ایک وادی
 ہے جس میں یہ لوگ واقع ہوں گے) مگر (لیکن) جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو ایسے لوگ جنت
 میں داخل ہوں گے اور انکی ذرا بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی (یعنی ان کا ثواب کو کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا باغات میں داخل ہوں
 گے) (عَدْن کے معنی اقامت کے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے بسنے کے باغوں میں داخل ہوں گے یہ عَدْن جنت سے بدل ہے) یہ
 دائی باغات ایسے ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے (بالغیب حال ہے ای غائبین۔ عنہا یعنی یہ جنت
 عَدْن کا بندوں سے غائب ہے) بلاشبہ اللہ کے وعدہ کو (یعنی وعدہ کی ہوئی چیز کو) یہ لوگ ضرور پہنچ کر رہیں گے (مَا يَتِيًّا ۝ ام

مفعول کا میضہ ہے مانی اصل میں ماتی بر وزن معنوی تھا واد کو یاد سے بدل کر ادغام کرنے کے بعد بکسرۃ تاماتی بنا لیا گیا، یا مانی
یہاں جنت ہے جس میں اہل سعادت ضرور پہنچ کر رہیں گے۔ لَا يَسْعَوْنَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا اس جنت میں وہ سوائے سلام
کے کوئی فضول بات نہیں سنیں گے البتہ سلام کی آوازیں گے جو فرشتے ان پر بھیجیں گے یا آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں
گے (اور اس میں ان کے لیے صبح و شام ان کا رزق موجود حاضر ہوگا) یعنی دنیا میں صبح و شام یا رات اور دن کی مقدار کے مطابق
ان کو رزق ملے گا جیسا کہ دنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي
نُورِتْ..... وہ جنت (جس کا ذکر ہوا) وہ ہے جس کا ہم وارث بنادیں گے (یعنی ہم دیدیں گے اور جنت میں اتار دیں گے)
اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو جو پرہیزگار ہوں گے۔ جب وحی کے آنے میں چند دنوں کی تاخیر ہو گئی اور نبی اکرم ﷺ
نے جبریل سے فرمایا کہ جتنا ہماری ملاقات کو آپ آیا کرتے ہیں اس سے زیادہ ہماری ملاقات سے کیا چیزیں مانع ہے؟ اس پر
آیت: وَمَا نُنْزِلُ إِلَّا بِهَامٍ رَّهَقٍ نازل ہوئی (اور ہم) (یعنی فرشتے) نہیں اترتے (زمین پر) مگر آپ کے پروردگار کے
حکم سے سب اسی کی ملک ہیں جو ہمارے آگے ہیں (یعنی امور آخرت) اور جو ہمارے پیچھے ہے (یعنی امور دنیا) اور جو ان کے
درمیان ہے (یعنی اس وقت سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے
والا نہیں) (لَيْسَ بِهَا) یعنی ناسبیا ہے یعنی وحی کی تاخیر سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو چھوڑ دیا ہے (وہ آسمانوں اور
زمین کا پروردگار) (یعنی مالک) ہے اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہیں تم اس کی عبادت کیا کرو
اور اس کی عبادت پر قائم رہو (یعنی اس کی عبادت پر جے رہو) کیا تو خدا کا کوئی ہمنام اور ہم صفت جانتا ہے؟ نکتہ: اس آیت
میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر و استقامت کا حکم دیا اس لیے کہ یہاں دو وجہیں ہیں ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے
اور دوسرا درجہ ہے عبودیت اور غلامی پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبودیت اور
عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کے حکم سے پہلے
رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فرمایا یہ عبادت کے مقتضی کا بیان تھا کہ ربی اور محسن ہونا عبادت کو مقتضی ہے اور هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا
میں رفع مانع کا بیان ہے یعنی اگر کوئی اس کی مثل ہوتا تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں پس
جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اسکی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل دیکتا ہے تو اسی کا
عبادت پر جے رہو۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: وَكَانَ رَسُولًا: ان کو اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کی طرف پیغمبر بنایا اور ان کے متعلق لوگوں کو خبر دی۔ جب کہ ارسال خبر سے
پہلے ہے تو رسول کو اسی وجہ سے مقدم کیا حالانکہ وہ خاص ہے۔
قولہ: يَمِينٌ مُّؤْتِي: اشارہ کیا کہ پہاڑ کا دایاں بائیں نہیں بلکہ وہ حصہ مراد ہے جو موئی کے دائیں جانب تھا۔

قولہ: قَرْنَهُ: تَقْرِيبُ شَرَفِ عَنَانٍ مِثْلَ اس فَخْصٍ سَے تَشْبِیْہِ دِی جِس کو بِادِشَاہِ اِپنی سِرگوشی کے لیے چنے۔

قولہ: مُتَاجِبًا: اِس مِثْلِ اِشارہ ہے کہ نَچِیٹَا ۞ مَصْدَرُ نَحِیْصٍ بَلْکَہ دُونوں مَہَاڑ مِثْلِ اِیکِ سَے حَال ہے۔

قولہ: یَغْمِیْتَا: اِس سَے اِشارہ کیا کہ رَحْمَت سَے مَرادِ نِعْمَتِ مَجازِ اُہ ہے کیونکہ وہ سَبب ہے۔

قولہ: اَخَاہ: یَعْنِی اِن کا مَعَاوَن و بوجھ باندھے والا بِنَا یا اِیَا پ کا بڑا بھائی تھا۔

قولہ: مَادِیُّ الْوَعْدِ: ذَرَع ہونے پر مَبْر کیا اور و قَاداری دِکھائی۔

قولہ: جُزْءُہُمْ بِرُوزِہِ قُنْفُذٍ: یَہ دَقِیلَہ مَکہ مَکرمہ مِثْلِ حَضْرَتِ حَاجِرہ کے ہاں آ کے آ بار ہوا اور اَسْمَاعِیل کی شادی اُنہی مِثْلِ ہوئی۔

قولہ: اِذْیَنْسَ: یَہ شِیْث کے پوتے ہیں۔ اِن پر تِیس مَحَافِ اترے اُنہی نے سب سَے پہلے قَلَم سَے لکھا۔

قولہ: صِفَۃٌ: یَعْنِی یہ خَبَر نہیں بَلْکَہ مُفْت ہے، قِنَ الْکُتُبِ اِن سَے مَاقِل کا بَیَان اور مَعْنی کے لِحَاط سَے مُفْت ہے۔

قولہ: اَیْ اِذْیَنْسَ: اِس سَے مَقْصُود یہ ہے کہ کَلَام تو زَلِج کے لیے ہے۔

قولہ: مِیْنِ جُمْلَتِہُمْ: مِیْن تَجْزِیَہ ہے بَیَانِہ نہیں۔

قولہ: جَمْعٌ سَاجِدٍ: اِس سَے اِشارہ کیا کہ سُجَّدًا یہ مَصْدَرُ نَحِیْصٍ بَلْکَہ جَمْع ہے۔

قولہ: فَخَلَفَ: اِس سَے اِشارہ کیا کہ خَلْف بَعْد مِثْلِ آنے والے نَہْل و نَالَقِی لوگوں پر بولا جاتا ہے۔

قولہ: لَکِنَ: یہاں اِلَّا کو لَکِن سَے تَفْہِیْر کر کے اِشارہ کیا کہ مَسْئِلَہ مُنْقَطِع ہے۔

قولہ: بَدَلٌ: اِشارہ کیا کہ عَدَلٌ یہ جَلَّتِ کی مُفْت نہیں بَدَل ہے۔

قولہ: غَائِبِیْن: یہ بِالْغِیْبِہ کی تَفْہِیْر ہے یہ حَال ہے عِبَاد سَے۔

قولہ: اَیْتَا: اِس مِثْلِ اِشارہ ہے کہ مَآئِیْتَا ۞ یہ فَاعِل کے مَعْنی مِثْلِ ہے۔ اور مَجازِ اَن کی طَرَفِ اِیْتَان کی نِسْبَت مِثْلِ دَرِست ہے۔

قولہ: یَطَاعَتِہ: اِس سَے اِشارہ ہے کہ تَعَوُّی وہی مَعْتَبَر ہے جو اطَاعَت کے ساتھ ہو۔

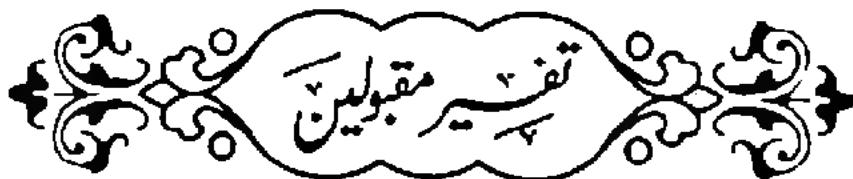
قولہ: اَمَامَتَا: اِس سَے اِشارہ کیا کہ بَیِّنَ اَیْدِیْنَا سَے اَمُورِ آخِرَتِ جو کہ آگے پِش آئیں گے وہ مَراد ہیں۔

قولہ: نَسِیْنَاکَ: اِس سَے اِشارہ ہے کہ نَسِیْنَاکَ ۞ یہ اِس فَاعِل کے مَعْنی مِثْلِ ہے اور یہاں تَرک مَراد ہے۔

قولہ: هُوَ رَبٌّ: کہہ کر بَیْلَا کیا کہ یہ مَحْذُوفِ مَبْدَءِ هُو کی خَبَر ہے۔

قولہ: اَصْطَبَرٌ: اِس کو لَام سَے مُتَعَدِی کیا کیونکہ یہ ثَبَات کے مَعْنی کو مُفْتَن ہے۔

قولہ: مُسْتَشِی: اِس سَے اِشارہ کیا کہ اِیسا اور کون ہے جس کا نَام اِس کے سِوَاللّٰہ ہو، ظاہر ہے کوئی نہیں۔



وَ اذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مُوسٰی اِنَّہٗ کَانَ مُخْلِصًا وَّ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۞

حضرت موسیٰ، ہارون، اسماعیل اور ادریس علیہم السلام کا تذکرہ:

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ مخلص تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور اپنا خاص اور خالص بندہ بنایا۔ (هذا على قراءة الكوفيين بفتح اللام وفراء آخرون بكسر ها والمعنى انه اخلص عبادة عن الشرك والرياء واسلم وجهه لله عز وجل واخلص عن سواه كما قال صاحب الروح ص ۲۳ ج ۲)

نبی اور رسول میں فرق:

اور یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول تھے اور نبی تھے۔ رسول پہنچانے والا اور نبی خبر دینے والا یہ ان دونوں کا لفظی ترجمہ ہے شریعت کی اصطلاح میں رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے لیے بولا جاتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے مشہور قول یہ ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہے اور رسول میں نبی سے ایک زائد معنی بھی ہے یعنی جسے کتاب دی گئی ہو اور نبی شریعت دے کر بھیجا گیا ہو۔ نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے جو حضرات انبیاء کرام انبیاء سابقین کی شریعت کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی تبلیغ کرتے ہیں انھیں لغوی اعتبار سے رسول کہا جاتا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے نہیں کہا جاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے انھیں طور کی داہنی جانب سے پکارا طور پہاڑ مدین اور مصر کے درمیان ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے داہنی جانب کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے داہنی جانب مراوے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے یہ پہاڑ ان کی داہنی جانب پڑ گیا تھا (اذا الجبل نفسه لا میمنه له ولا میسرة) صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمن یمن سے مشتق ہو جو مبارک ہونے کے معنی میں ہے اور اس صورت میں لفظ ایمن جانب کی بھی صفت بن سکتا ہے اور طور کی بھی یعنی موسیٰ کی مبارک جانب سے ہم نے آواز دی یا طور کی جانب سے آواز دی جو مبارک ہو۔

پھر فرمایا: وَقَوْلُهُ نَجِيًّا (یعنی ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا) عربی زبان میں نجی اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خفیہ طریقہ پر راز دارانہ باتیں کی جائیں چونکہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمکلامی اس طرح سے ہوئی کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا اس لیے وَقَوْلُهُ نَجِيًّا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس فضیلت کا ذکر سورۃ نساء میں یوں فرمایا: (وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا) (اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور سے کلام فرمایا) پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کو

عطا کیا) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ جاؤ فرعون کو تبلیغ کرو تو اس وقت جو انھوں نے دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی کہ: (وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِهَا هَازُونَ أَيْ اَشْدُ ذُبَابًا أَرَادَ بَنِي) (اور میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجیے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط فرما دیجیے) یہ سورۃ طہ میں ہے اور سورۃ قصص میں یوں ہے: (وَإِذْ هَازُونَ هُوَ أَفْضَحُ مَعْنَى لِسَانًا فَأَرْسَلَهُ مَعَهُ رَدْدًا يُصَدِّقُنِي لِي أَخَافَ أَنْ يُكَذِّبُونِ) (اور میرے بھائی ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے سو ان کو آپ میرا مددگار بنا کر بھیج دیجیے تاکہ وہ میری تصدیق کریں مجھے فرعون اور اس کے

ساتھیوں سے ڈر ہے کہ میری تکذیب کر دیں گے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا (سَلَفُكَ عَصَاكَ نَاحِيَةً) (ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط بنا دیں گے) لہذا اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا اور دونوں کو حکم فرمایا: (اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ) (تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے)۔

پھر فرمایا: (وَإِذْ كُنَّا فِي الْكُتُبِ اِسْمٰعِيْلَ) (اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے) اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے) وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے)۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف عالیہ:

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی چند صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ صَادِقُ الْوَعْدِ یعنی وعدہ کے سچے تھے یہ صفت تمام انبیاء میں ہے اور بہت سے مؤمنین میں بھی ہوتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی اس صفت کا تذکرہ فرمایا کیونکہ انھوں نے بہت بڑی سچائی کا ثبوت دیا تھا جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کرتا ہوں بولو تم اپنی رائے بتاؤ اس پر انھوں نے کہا: (يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيَّ إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ) (کہ اے ابا جان! جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے۔ مجھے آپ ان شاء اللہ صابروں میں سے پائیں گے) پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لیے لایا تو بخوشی لیٹ گئے اور ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے صبر کا جو وعدہ کیا تھا پورا کر دکھایا۔

دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا) (اور وہ رسول تھے نبی تھے) چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر کتاب نازل ہونے اور شریعت جدیدہ دیئے جانے کی کہیں کوئی تصریح نہیں ہے اور بظاہر وہ شریعت ابراہیمی کے مبلغ اور داعی تھے اس لیے یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان پر رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ گو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت شریعت ابراہیمی ہی تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ حاصل ہوا اس لیے ان کے لیے لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے معلوم ہوا کہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت میں نماز اور زکوٰۃ کا خصوصی دھیان رکھنا چاہیے نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نفس کو ان دونوں کا پابند کیا جائے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا پابند کرایا جائے تو دین کے باقی احکام پر بھی چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

چونکہ صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال و اطوار پسند تھے وہ ان بندوں میں سے تھے جن سے اللہ راضی ہوا (واضح رہے کہ کسی ایک شخصیت کے لیے کسی صفت سے متصف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ دیگر افراد اس سے متصف نہیں ہیں یا اس میں دیگر صفات نہیں ہیں خوب سمجھ لیا جائے)۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكُتُبِ اِدْرِيسَ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا

پھر فرمایا: (وَإِذْ كُنَّا فِي الْكُتُبِ اِدْرِيسَ) (اور کتاب میں ادريس کا ذکر کیجیے) اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا (بلاشبہ وہ بڑے سچے

تھے نبی تھے) وَ رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھا دیا) اس میں حضرت ادریس علیہ السلام کو صدفی اور نبی بتایا اور یہ بتایا کہ ہم نے انہیں بلند مرتبہ پر اٹھا دیا بلند مرتبہ کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد وہاں ان کی موت ہو گئی مضر ابن کثیر نے صفحہ ۱۲۶ ج ۳ پر حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ادریس رفع لم یعت کما رفع عیسیٰ اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ: رفع الی السماء السادسة فہا لیکن اس سلسلہ کی جو روایات ہیں اول تو مرفوع نہیں ہیں دوسرے ان کی اسناد ذکر نہیں کی گئیں اور رفع الی السماء کے قصے کعب الاحبار سے منقول ہیں جو سراپا اسرائیلیات میں ہیں۔ اگرچہ روح المعانی صفحہ ۱۰۶ ج ۱ میں بحوالہ ابن منذر حدیث کو مرفوعاً بھی بیان کیا لیکن حدیث کے الفاظ میں رکاکت ہے جو اصح الفصحاء رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نہیں ہو سکتے دوسرے قصہ اسی طرح نقل کیا ہے جیسے کعب وغیرہ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے معروف قصہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔

صاحب روح المعانی نے بھی قال رسول اللہ ﷺ کہنے کی بہت نہیں کی رفع الحدیث الی النبی ﷺ کہہ کر گزر گئے اور اخیر میں لکھ دیا: واللہ اعلم بصحته و کذا بصحة ما قبلہ من خبر کعب۔ متقیین کا کہنا ہے کہ وَ رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ سے حضرت ادریس علیہ السلام کا مرتبہ بلند کرنا مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا مقرب بتایا یہ سب علوم مرتبہ میں آتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال:

صاحب روح المعانی نے مستدرک حاکم سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت لوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے تھے اور ان کا نام اخنوخ بتایا، پھر چار واسطوں سے حضرت شیث بن آدم تک ان کا نسب بیان کیا ہے پھر لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نجوم یعنی ستاروں کا مطالعہ کیا اور حساب جاری کیا اور سب سے پہلے لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے سلعے ہوئے کپڑے پہنے، وہ کپڑے سینے کا شغل رکھتے تھے اور ان سے پہلے لوگ کھالوں کے کپڑے پہنتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے اور انہوں نے سب سے پہلے ناپنے اور تولنے کے پیمانے جاری کیے اور تھیار بنائے، معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے کافروں سے قتال کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں ادریس اس لیے کہا گیا کہ وہ کثرت سے کتاب اللہ کا درس دیا کرتے تھے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے عربی نہیں ہے اور درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ غیر منصرف ہے (غیر منصرف ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس میں عمر اور علم ہے) پھر لکھتے ہیں کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سریانی زبان میں بھی اس لفظ کا معنی اسی معنی کے قریب ہو جو عربی میں بولا جاتا ہے لہذا اکثر دروس کی وجہ سے انہیں ادریس کا لقب دے دیا گیا ہو۔

اُولَٰئِكَ الَّذِينَ اَلَعَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ.....

حضرات انبیاء کرام کے باہمی رشتے اور ان کے متنبین کے دو گروہ

ابتداءً سورت سے یہاں تک متعدد انبیاء کرام علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اب آیت بالا میں فرمایا کہ یہ سب وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کو نبوت سے سرفراز کیا اور یہ تمام حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے تھے اور ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو ان لوگوں کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔

عموماً حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جو بھی آبادی ہے انہیں کی نسل سے ہے۔ لہذا اس کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہ السلام انہیں کی نسل سے ہوئے البتہ اور یس علیہ السلام ان سے پہلے تھے ان کے اجداد میں سے تھے اس لیے وہ اس وصف میں شریک نہیں ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ تھے اور حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بلا واسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان کو ہدایت دی اور ان کو چن لیا ان کا یہ حال تھا کہ جب ان پر رطوبت کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے تھے۔ ان کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان کی طرف منسوب ہوتے تھے جن میں پہلے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو مخالف تھے پھر مؤمنین اور متبعین کا تذکرہ فرمایا (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ) (ان حضرات کے بعد ایسے مخالف آگئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا) نماز کو بالکل نہ پڑھنا وقت سے ٹال کر پڑھنا اور بری طرح پڑھنا یہ سب نماز کو ضائع کرنے میں شامل ہے سورۃ ماعون میں فرمایا (فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ) (سو خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں) حضرت مصعب بن سعدؓ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: (الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ) کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ساهون کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں ادھر ادھر کا خیال نہ آئے بلکہ آیت میں ساهون سے یہ مراد ہے کہ نماز کے وقت کو ضائع کر دے ادھر ادھر کے کاموں میں لگا رہے اور نماز کا دھیان نہ رہے۔

(رد الوہل - ج ۱ - ص ۱۸۷ - مسند حسن کسائی - المستدریج - ص ۲۸۷ ج ۱)

وَمَا نَنْتَظِرُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ

شان نزول: صحیح بخاری شریف میں ہے آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا آپ جتنا آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب پر یہ آیت اتری ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے آنے میں تاخیر ہو گئی جس سے حضور ﷺ غمگین ہوئے پھر آپ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ روایت ہے کہ بارہ دن یا اس سے کچھ کم تک نہیں آئے تھے جب آئے تو حضور ﷺ نے کہا اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ شرکین تو کچھ اور ہی اڑانے لگے تھے اس پر یہ آیت اتری۔ پس گو یہ یہ آیت سورۃ الضحیٰ کی آیت جیسی ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک ملاقات نہ ہوئی تھی جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا میرا شوق تو بہت ہی بے چین کئے ہوئے تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اس سے کسی قدر زیادہ شوق خود مجھے آپ کی ملاقات کا تھا لیکن میں اللہ کے حکم کا مامور اور پابند ہوں وہاں سے جب بھیجا جاؤں تب ہی آ سکتا ہوں ورنہ نہیں اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی۔ لیکن یہ روایت غریب ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنے

میں دیر لگائی پھر جب آئے تو حضور ﷺ نے رک جانے کی وجہ دریافت کی آپ نے جواب دیا کہ جب لوگ ہم پر کتر وائیں، انگلیاں اور پوریاں صاف نہ رکھیں، مونچھیں پست نہ کرائیں، مسواک نہ کریں تو ہم کیسے آسکتے ہیں؟ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ سند امام احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا مجلس درست اور ٹھیک ٹھاک کر لو آج وہ فرشتہ آ رہا ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا۔ ہمارے آگے بچھے کی تمام چیزیں اسی اللہ کی ہیں یعنی دنیا اور آخرت اور اس کے درمیان کی یعنی دونوں نفخوں کے درمیان کی چیزیں بھی اسی کی تملیک کی ہیں۔ آنے والے امور آخرت اور گزر چکے ہوئے امور دنیا اور دنیا آخرت کے درمیان کے امور سب اسی کے قبضے میں ہیں۔ تیرا رب بھولنے والا نہیں اس نے آپ کو اپنی یاد سے فراموش نہیں کیا۔ نہ اس کی یہ صفت۔ جیسے فرمان: (وَالضُّحَى) قسم ہے چاشت کے وقت کی اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے نہ تو تیرا رب تجھ سے دستبردار ہے نہ ناخوش۔ ابن ابی حاتم میں ہے آپ فرماتے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جو حرام کر دیا حرام ہے اور جس سے خاموش رہا وہ عافیت ہے تم اللہ کی عافیت کو قبول کرو، اللہ کسی چیز کا بھولنے والا نہیں پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ آسمان و زمین اور ساری مخلوق کا خالق مالک مدبر متصرف وہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے کسی حکم کو نال سکے۔ تو اسی کی عبادتیں کئے چلا جا اور اسی پر جمارہ اس کے مثل شیبہ ہم نام پلہ کوئی نہیں۔ وہ بابرکت ہے وہ بلند یوں والا ہے اس کے نام میں تمام خوبیاں ہیں جل جلالہ۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ الْمُنْكَرُ لِلْبَعْثِ أَيْ بَنُ خَلْفٍ أَوِ الْوَلِيدُ بَيْنَ الْمُعِيزَةِ النَّازِلِ فِيهِ الْآيَةُ ؕ إِذَا بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَةِ الثَّانِيَةِ وَتَسْهِيلِهَا وَادْخَالِ الْيَاءِ بَيْنَهُمَا بَوَاجِهُيْهَا وَبَيْنَ الْأُخْرَى مَا مَثَلُ كَسَوْنٍ أَخْرَجَ حَتَّى ۝ مِنَ الْقَبْرِ كَمَا يَقُولُ مُحَقِّدٌ فَإِلَّا شَتَفَهُمْ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيْ لَا أُحْيِي بَعْدَ الْمَوْتِ وَمَا زَائِدَةٌ لِلتَّاسِخِ وَكَذَلِكَ الْلامُ وَرُدَّ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَصْلَهُ بِذِكْرِ الْإِبْدَالِ التَّاءِ ذَالًا وَأُدْغِمَتْ فِي الذَّالِ وَفِي قِرَاءَةِ بَنِي كَهَّازٍ سُكُونُ الذَّالِ وَضَمُّ الْكَافِ ۝ أَكَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَيَسْتَدِلُّ بِالْإِبْتِدَاءِ عَلَى الْإِعَادَةِ كَقَوْلِكَ لَنَحْشُرَهُمْ أَيْ الْمُنْكَرِينَ لِلْبَعْثِ وَالشَّيْطَانِ ۝ أَيْ نَجْمَعُ كُلًّا مِنْهُمْ وَشَيْطَانَهُ فِي سِلْسِلَةٍ ثُمَّ لَنَحْضُرَهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ مِنْ خَارِجِهَا جَنَّتًا جَنَّتًا ۝ عَلَى الرُّكْبِ جَمْعُ جَابٍ وَأَصْلُهُ جَنُوٌّ أَوْ جَنُوٌّ مِنْ جَنَى يَجْنُوْنَ وَيَجْنِي لَعْنَانٌ ثُمَّ لَنَذِيرَنَّ مِنْ كُلِّ شَيْعَةٍ ۝ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ ۝ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ۝ جُرُوءَةٌ ثُمَّ لَنَعْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أُولَى بِهَا ۝ أَحَقَّ بِجَهَنَّمَ الْأَشَدُّ وَغَيْرُهُ مِنْهُمْ صَلَاتًا ۝ دُخُولًا وَاخْتِرَاقًا فَنَبْذُ بِهِمْ وَأَصْلُهُ صَلَوَى مِنْ صَلَى بِكَسْرِ الْلامِ وَفَتْحِهَا وَإِنْ أَيْ مَا قَنَعَكُمْ أَخَذَ إِلَّا وَلَدَهَا ۝ أَيْ دَاخِلًا ۝

نَفَقَتَا ۖ حَتْمُهُ وَقَطْعِي بِهِ لَا يَبْرُكُهُ ثُمَّ تَنَجَّى مُشَدَّدًا وَمُخَفَّفًا الَّذِينَ اتَّقُوا الشِّرْكَ وَالْكَفْرَ مِنْهَا وَنَذَرُوا
الظَّالِمِينَ بِالشِّرْكَ وَالْكَفْرِ فَمِنْهَا حَتْمًا ۖ عَلَى الرُّكْبِ وَإِذَا تَنَجَّى عَلَيْهِمْ أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ أَيْتَنَا مِنَ
 الْقُرْآنِ بَيِّنَاتٍ وَأَصْحَابِ حَالٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَتَى الْقُرَيْشِينَ نَحْرُ أَوْ أُنْتُمْ خَيْرٌ مَقَامًا مَثَرًا لَا
وَمَسْكِنًا بِالْفُتُوحِ مِنْ قَامَ وَبِالضَّمِّ مِنْ أَقَامَ وَأَحْسَنُ نِدْبًا ۖ يَعْنِي النَّادِي وَهُوَ مُجْتَمِعُ الْقَوْمِ يَتَحَدَّثُونَ فِيهِ
 يَتَفَتَحُونَ نَحْرُ فَتَكُونُ خَيْرًا مِنْكُمْ قَالَ تَعَالَى وَكَفَرُوا أَيُّ كَبِيرًا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَوْمٍ أَيْ أُمَّةٍ مِنَ الْأُمَمِ
 الْمَاضِيَةِ هُمْ أَحْسَنُ أَثَانًا مَالًا وَمَتَاعًا وَرِعْيًا ۖ مُنْظَرًا مِنَ الرُّؤْيَةِ فَلَمَّا أَهْلَكْنَا هُمْ لِكَفْرِهِمْ تَهْلِكُ هَؤُلَاءِ
قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ شَرُّ طَجَوَاتِهِ فَلْيَمْدُدْ بِمَعْنَى الْخَبَرِ أَيْ يَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا فِي الدُّنْيَا يَسْتَدْرِجُهُ حَتَّى
إِذَا رَأَوْا مَا يُوْعَدُونَ إِذَا الْعَذَابُ كَالْقُلُوبِ وَالْإِسْرِ وَإِنَّمَا السَّاعَةُ الْمُسْتَمْلَةُ عَلَى جَهَنَّمَ فَيَدْخُلُونَهَا
 فَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرُّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۖ أَعْوَانًا أَهْمُ أَمِ الْمُؤْمِنُونَ وَجُنْدُهُمُ الشَّيَاطِينُ وَجُنْدُ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا بِالْإِيمَانِ هُدًى بِمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْآيَاتِ وَ
الْبَيِّنَاتِ الصَّالِحَاتِ هِيَ الطَّاعَاتُ تَبْقَى لِصَاحِبِهَا خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ كَوَافًا وَخَيْرٌ مَرَدًا ۖ أَيُّ مَا يَرُدُّ إِلَيْهِ وَيَرْجِعُ
بِخِلَافِ أَعْمَالِ الْكُفَّارِ وَالْخَيْرِيَّةِ هُنَا فِي مَقَابِلَةِ قَوْلِهِمْ أَيْ الْقُرَيْشِيُّونَ خَيْرٌ مَقَامًا أَفْرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا
الْعَاصِ ابْنَ وَائِلٍ وَقَالَ لِحَبَّتَابِ ابْنِ الْأَرْبِ الْقَائِلِ لَهُ تَجَعْتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْمَطَالِبِ لَهُ بِمَالٍ لَا وَتَدِينُ
عَلَى تَقْدِيرِ الْبَعْثِ مَالًا وَكَذَا ۖ فَاقْضِيكَ قَالَ تَعَالَى أَطْلَعَ الْغَيْبَ أَيْ أَعْلَمَهُ وَأَنْ يُؤْتِي مَا قَالَهُ وَاسْتَعْنَى
بِهِمْزَةِ الْإِسْتِفْهَامِ عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ فَحَذَفَتْ أَوْ اتَّخَذَتْ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۖ بِأَنْ يُؤْتِي مَا قَالَهُ كَلَّا ۖ أَيُّ لَا
يُؤْتِي ذَلِكَ سَنَكْتُبُ نَامُرٌ بِكَشِبٍ مَا يَقُولُ وَتَسُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدَدًا ۖ نَزِيدُهُ بِذَلِكَ عَذَابًا فَوْقَ عَذَابِ
كَفَرِهِ وَنُورُهُ مَا يَقُولُ مِنَ الْمَالِ وَالْوَلَدِ وَآيَاتِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَرَدًا ۖ لَا مَالُ لَهُ وَلَا وَلَدٌ وَاتَّخَذُوا أَيُّ كُفَّارٍ
مَكَّةَ مِنْ دُونِ اللَّهِ الْأَوْثَانَ إِلَهَةً يَعْبُدُونَهُمْ لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۖ شَفَعَاءَ عِنْدَ اللَّهِ بِأَنْ لَا يَعْبُدُوا كَلًّا أَيْ
لَا مَانِعَ مِنْ عَذَابِهِمْ سَيَكْفُرُونَ أَيُّ الْإِلَهَةِ بِعِبَادَتِهِمْ أَيْ يَتَفَقَّهْنَهَا كَمَا فِي آيَةِ أُخْرَى مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ وَ

ع ۵
يَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضَلَالٌ اَعْوَانًا وَاَعْدَاءُ

ترجمہ: وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ: اور انسان جو آخرت یعنی حشر و نشر کا منکر ہے جیسے ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے (یوں کہتا ہے) "إِذَا"۔ ۱۔ ہمزہ ثانیہ کی تحقیق کے ساتھ۔ ۲۔ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل۔ ۳۔ اور دونوں کے درمیان یعنی ثانی میں الف داخل کر کے۔ ۴۔ وبالآخری یعنی ہمزہ اولیٰ میں الف داخل کر کے، کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر زندہ کر کے (قبر سے) نکالا جاؤں گا (جیسا کہ محمد بن یحییٰ) کہتے ہیں پس استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ مرنے کے بعد زندہ کیا جاؤں گا اور مازائدہ تاکید کے لیے ہے اور اسی طرح لَسَوْفَ کالام بھی تاکید کے لیے ہے تو منکر قیامت یعنی ابی بن خلف پر ارشاد باری تعالیٰ سے زد کیا جا رہا ہے؟ اَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ کیا یہ (منکر حشر) انسان یہ نہیں سمجھتا کہ ہم ہی نے اسکو اول پیدا کیا اور یہ (اسوقت) کچھ بھی نہ تھا پس ابتداء کے ذریعہ اعادہ پر استدلال کر سکتے ہیں۔ اَوَلَا يَذْكُرُ میں يَذْكُرُ کی اصل يَتَذَكَّرُ تھا، ت کو ذ سے بدل کر ذال کو ذال میں ادغام کر دیا گیا یہ کر ہو گیا، اور ایک قراءت میں ت کو حذف کر کے ذال کو ساکن اور کاف کو ضمہ کے ساتھ یعنی یذ کر پڑھا گیا ہے۔ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ..... سو قسم ہے آپ کے پروردگار کی ہم ان کو (یعنی منکرین حشر و نشر کو) جمع کریں گے اور (ان کے ساتھ) شیاطین کو بھی (یعنی ان منکرین حشر و نشر میں سے سب کو اور ان کے ساتھ اس کے شیطان کو ایک زنجیرہ میں جمع کریں گے) پھر ہم ان سب کو (دوزخ کرگردا کر دو) (یعنی دوزخ کے باہر سے) حاضر کریں گے درآئیں گے ان کے گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے (چِثْيَا) جمع ہے جاڑ کی اس کی اصل جثور از باب نصر جثا بجثوا سے یا جثوی ہے از ضرب جثی یجثی سے اس میں یہ دونوں لغت ہے) پھر ہم ہر گروہ میں (یعنی ان کفار کے ہر فرقہ میں سے ان لوگوں کو) جدا کریں گے جو سنا ان میں کا خدائے رحمان کا (دنیا میں) شدید سرکش تھا (باعتبار جرأت کے) ثُمَّ لَنَنْحِفَنَّ أَغْلَمُ بِأَلْذِينَ هُمْ أُولَىٰ بِهَا پھر ہم ایسے لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ (جثی اول) مستحق ہیں (یعنی جو جہنم میں داخل ہونے اور جلنے کے زیادہ شدید مستحق ہیں ان کافروں میں سے اپنے علاوہ پر پس ان ہی سے ہم دوزخ میں ڈالنا شروع کریں گے، صَلَاتًا) اصل میں صلوی تھا یہ صلی بکسر اللام اور صلی بفتح اللام سے بنا ہے۔ وَإِنْ مَا وَفَّكُمُ إِلَّا وَاكِدُمْ..... اور (اے مخاطب) نہیں ہے تم میں سے کوئی انسان مگر یہ کہ وہ دوزخ کے پاس پہنچنے والا ہے یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو ضرور پورا ہو کر رہے گا لازم ہے حق تعالیٰ اس کا فیصلہ کر چکا ہے اس کو ترک نہیں کرے گا۔ ثُمَّ لَنَنْبَحِي اثْقَوُا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثْيَا) پھر ہم نجات دیں گے ان لوگوں کو جو خدا ڈرتے تھے (کفر و شرک سے بچتے تھے نَبَحِي میں ج کو تشدید اور بغیر تسدید دونوں قراءت ہے) اور ہم چھوڑ دیں گے ظالموں کو (جو شرک و کفر کیا کرتے تھے) اس دوزخ میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا۔ إِذَا تُثْلَىٰ عَلَيْهِمْ أَيْتُنَا..... اور جب ان کے سامنے (یعنی مؤمنین اور کافرین کے سامنے) ہماری آیتیں (قرآن سے) پڑھی جاتی ہیں درآئیں گے وہ واضح اور روشن ہیں تو کافر مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم دونوں فریقوں میں (یعنی ہم میں اور تم میں) کونسا فریق مرتبہ اور مکان کے اعتبار سے بہتر ہے؟ (مَقَامًا) کے م کو فتہ کے ساتھ ہو تو قام سے ہوگا اور اگر ضمہ ہوگا تو اقام سے ہوگا) اور کونسا مجلس کے اعتبار سے عمدہ ہے (ندی بمعنی نادی ہے یعنی وہ مجلس جہاں بیٹھ کر لوگ باتیں کرتے ہیں مقصد

یہ ہے کہ ہماری مجلس تم سے زیادہ شان و شوکت والی ہوتی ہے اس لیے ہم لوگ تم سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَ كَذٰلِكَ اَخْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ** اور ہم ان کفار مکہ سے پہلے کتنے ہی (یعنی بہت گروہ ہلاک کر چکے ہیں) یعنی پچھلی امتوں میں سے مال و متاع اور نمود و منظر میں ان سے کہیں زیادہ اچھے تھے (**وَرٰغِيَا**) بمعنی منظر، دکھاوٹ رویہ سے ماخوذ ہے پس جس طرح ہم نے پچھلی امتوں کو ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا ہے انہیں بھی ہلاک کریں گے۔ **قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ** کہ اے (نبی ﷺ) آپ فرمادیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں جیسے تم لوگ ہو یہ شرط ہے اس کا جواب **فَلْيَسْتَدِذَّ** سے شروع ہو رہا ہے اور لیحد د امر کا صیغہ ہے مگر خبر کے معنی میں ہے یعنی بمعنی یبعد ہے (اللہ تعالیٰ انکو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے) (دنیا میں) ڈھیل دیتا یعنی حق تھلی ان کافروں کو آہستہ آہستہ پکڑے گا یہاں تک کہ وہ اس چیز کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ وہ عذاب ہو (یعنی دنیاوی عذاب جیسے قتل و قید) خواہ قیامت ہو (جو مشتمل ہے جہنم پر چنانچہ سارے کفار و دوزخ میں داخل ہوں گے سو) اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ برا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں (جند اای اعوان یعنی یہ کفار کمزور ہیں یا مؤمنین؟ اور ان کافروں کے مددگار شیاطین ہیں اور مسلمانوں کے حمایتی و مددگار فرشتے ہیں۔ **وَ يَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهْتَدَوْا** اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے) آیات بینات کے ذریعہ ایمان و ہدایت میں زیادتی ہوتی ہے) اور جو نیک کام ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں (یعنی وہ تمام طاعات و نیک اعمال جن کے کرنے والے کے لیے ہمیشہ باقی رہتا ہے وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر) (یعنی اہل کے اعمال مقبول ہیں وہ لوٹائے نہیں جاتے بخلاف اعمال کفار کے کہ وہ مردود ہیں رد کر دئے جاتے ہیں اور لفظ خیر کا لانا یہاں جواب ہے ان کے قول: **اَيُّ الْفَرِیْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا**۔ **اَفَرَأَيْتَ الَّذِيۡ كَفَرَ** کیا آپ نے اس شخص کو (یعنی عاص بن وائل کو) دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور (بطور استہزاء و تمسخر) کہا (حضرت خبات بن ارتؓ سے جو عاص بن وائل سے کہہ رہے تھے کہ تو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا حساب و کتاب کے لیے اور عاص بن وائل سے اپنے مال کا مطالبہ کر رہے تھے) **لَا وَتٰیۡنَ** (اگر بالفرض قیامت ہوئی) تو مجھ کو مال اولاد دی جائے گی پھر میں تیرا قرض ادا کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اَطْلَعِ الْغٰیۡبَ** کیا یہ کافر غیب پر مطلع ہو گیا ہے (یعنی کیا اس نے غیب کو معلوم کر لیا ہے اور یہ اس کو وہ سب مال و اولاد دیا جائے گا جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے اور ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت باقی نہیں رہی چنانچہ ہمزہ وصل کو حذف کر دیا گیا۔ **اَوۡرَ اَتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحْمٰنِ عَهۡدًا** یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے) (کہ اس کے قول و دعویٰ کے مطابق دیا جائے گا) ہرگز نہیں (یعنی یہ سب نہیں دیا جائے گا۔ **سَنَكْتُۡبُ مَا یَقُوۡلُ** ہم اس کا کہا ہوا بھی لکھ لیتے ہیں) (یعنی ابھی ہم اس کے قول کو لکھنے کا حکم دیدیتے ہیں) اور ہم اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے (یعنی اس گستاخی کی وجہ سے عذاب کر کے اوپر عذاب بڑھادیں گے) **وَ اَتَّخَذَ وَاۡمِنَ دُوۡنِ اللّٰهِ اِلٰهَةً** اور ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) اللہ کے سوا اور معبود (یعنی بتوں کو) تجویز کر رکھے ہیں (جن کی یہ پرستش کرتے ہیں) تاکہ ان کے لیے وہ (عند اللہ) باعث عزت ہوں (یہ بت سفارشی ہوں کہ انہیں عذاب نہ دیا جائے) کلا ہرگز نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کافروں کے عذاب کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ **سَيَكُوۡنُوۡنَ لِبَآئِهِۦٓ دٰعِبًا** وہ معبود (قیامت میں خود) ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے) جیسا کہ سورہ یونس میں گزر چکا ہے۔ **وَ**

قَالَ لَمْ يَرْكَأَوْهُمَا فَكَتَمْنَا نَا نَعْدُونَ ۝ (پ ۱۱/۸) وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدَالًا اور (الے) ان کے مخالف ہو جائیں گے (أَعُوْنَا عَلَيْهِمْ واعداء یعنی بجائے معین و مددگار ہونے کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: الْمُنْكَرُ لِلْبَغْيِ: یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ الْإِنْسَانُ یہ الف لام عہد کا ہے۔

قوله: إِذَا: یہ استفہام نفی کے لیے ہے۔

قوله: أَوْ لَا يَذْكُرْ: اس کا استفہام انکاری ہے۔ ای لا یذکر۔

قوله: وَالشَّيْطَانِ: یہ ہم کا معطوف یا مفعول معہ ہے۔

قوله: حَتَّى: جمع جاٹ: اس سے اشارہ ہے کہ یہ مصدر نہیں۔

قوله: عِثْنَا: نہایت سرکش یا جرأت مند بالترتیب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

قوله: حَوْلَ جَهَنَّمَ: اس سے اشارہ کیا کہ جہنم مؤمنوں کے گزرنے کے وقت بھی ہوگی اور کفار کے گزرنے کے وقت جوش زن ہوگی۔

قوله: حَنْمُهُ وَقَضَىٰ بِهِ: یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما کر اس کو اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے۔

قوله: الشِّرْكَ: اس سے اشارہ ہے کہ یہاں مراد تقویٰ سے شرک سے بچنا ہے۔

قوله: بَيِّنَاتٍ: یہ آیات سے حال ہے نہ کہ مفت ہے۔

قوله: النَّادِي: اس سے اشارہ کیا کہ نَدِيًّا محل کا ذکر کر حال مراد لیا گیا ہے۔

قوله: كَبِيرًا: اس سے اشارہ کیا کہ کَبَر خبر یہ ہے نہ کہ استفہام ہے۔

قوله: أَمَّةً: ہر اہل زمانہ کو قرن حقدم کے اعتبار سے کہا۔ پر یہ قرن الداب سے لیا گیا ہے جو کہ آگے ہو۔

قوله: الزُّوْیَةِ: اس سے اشارہ کی کہ یہ زُوْیَا سے نہیں بلکہ الزُّوْیَةِ سے ہے۔

قوله: فَلَمَّا أَهْلَكْنَا: کو مطابقت کلام کے لیے مقدر مانا گیا۔

قوله: شَرْطٍ: معنی یہ سن شرط یہ ہے موصول نہیں کیونکہ یہ مقولہ ہے۔

قوله: حَتَّى: ابتداء یہ ہے جارہ نہیں اور نہ عاطفہ ہے۔

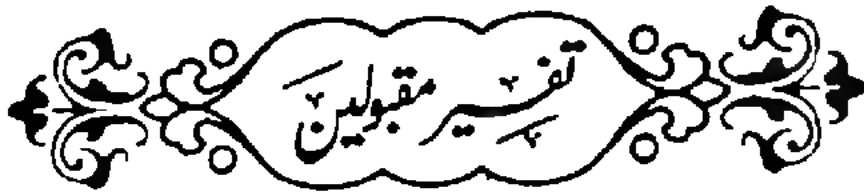
قوله: وَيَزِيدُ اللَّهُ: اس کا عطف مَنْ كَانَ فِي الصَّلَاةِ پر ہے۔

قوله: مَا يَرِدُ إِلَيْهِ: اس میں اشارہ کیا مَرْدًا ظرف ہے مصدر نہیں۔

قوله: أَعْلَمَهُ: اس سے اشارہ کیا ہے کہ اطلاع یہاں علم کے معنی میں ہے۔

قوله: لَا يُؤْتِي: کہہ کر اشارہ کیا اَتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا کا ہمزہ انکار کے لیے ہے۔

قوله: يَنْفَوْهَا: اس سے اشارہ ہے کہ سَيَكْفُرُونَ میں کفر سے مراد یہاں نفی ہے۔
قوله: إِنَّا نَا: یہاں ضَمًّا کا معنی مددگار یا ذلت کا باعث ہے۔



وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَاتَ لَسَوْفَ أَخْرَجَ حَيًّا ۝

منکرین قیامت کی سوچ:

بعض منکرین قیامت قیامت کا آنا اپنے نزدیک محال سمجھتے تھے اور موت کے بعد جینا ان کے خیال میں ناممکن تھا وہ قیامت کا اور اس کے دن کی دوسری اور نئے سرے کی زندگی کا حال سن کر سخت تعجب کرتے تھے۔ جیسے قرآن کا فرمان ہے:

وَأَن تَعْجَبَ لَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءِذَا كُنَّا تُرَابًا ءِإِنَّا لَنفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ؕ أَوَلَيْكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ الْأَعْلَىٰ قِيَامًا ؕ أَعَنَّا قَوْمَهُمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (الرعد)

یعنی اگر تجھے تعجب ہے تو ان کا یہ قول بھی تعجب سے خالی نہیں کہ یہ کیا ہم جب مر کر مٹی ہو جائیں گے پھر ہم نئی پیدائش میں پیدا کئے جائیں گے؟ سورۃ یاسین میں فرمایا کیا انسان اسے نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا، پھر ہم سے صاف صاف جھڑا کرنے لگا اور ہم پر ہی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش کو بھلا کر کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو جو گل گئی ہیں کون زندہ کر دے گا؟ تو جواب دے کہ انہیں وہ خالق حقیق زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا وہ ہر ایک اور ہر طرح کی پیدائش سے پورا باخبر ہے۔ یہاں بھی کافروں کے اسی اعتراض کا ذکر ہے کہ ہم مر کر پھر زندہ ہو کر کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں؟ جواب فرمایا جا رہا ہے کہ کیا اسے یہ بھی معلوم کہ وہ کچھ نہ تھا اور ہم نے اسے پیدا کر دیا۔ شروع پیدائش کا قائل اور دوسری پیدائش کا منکر؟ جب کچھ نہ تھا تب تو اللہ اسے کچھ کر دینے پر قادر تھا اور اب جب کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گیا کیا اللہ قادر نہیں کہ اسے پھر سے پیدا کر دے؟ پس ابتداء آفرینش دلیل ہے دوبارہ کی پیدائش پر۔ جس نے ابتدا کی ہے وہی اعادہ کرے گا اور اعادہ بہ نسبت ابتدا کے ہمیشہ آسان ہوا کرتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلا رہا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہ تھا مجھے ابن آدم ایذا دے رہا ہے اور اسے یہ بھی لائق نہیں اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے میری ابتدا کی اعادہ نہ کرے گا حالانکہ ظاہر ہے کہ ابتدا بہ نسبت اعادہ کے مشکل ہوتی ہے اور اس کا مجھے ایذا دینا یہ ہے کہ کہتا ہے میری اولاد ہے حالانکہ میں احد ہوں محمد ہوں نہ میرے ماں باپ نہ اولاد نہ میری جنس کا کوئی اور۔ مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان سب کو جمع کروں گا اور جن جن شیطانوں کی یہ لوگ میرے سوا عبادت کرتے تھے انہیں بھی میں جمع کروں گا پھر انہیں جہنم کے سامنے لاؤں گا جہاں گھٹنوں کے بل گرے پڑیں گے جیسے فرمان ہے: وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۖ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (الحجہ) ہر امت کو تو دیکھے گا کہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی

ہوگی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قیام کی حالت میں ان کا حشر ہوگا۔ جب تمام اول آ خر جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کر لیں گے اور ان کے رئیس و امیر اور بدنیوں و برائیوں کے پھیلانے والے ان کے پیٹروائیں شرک و کفر کی تعلیم دینے والے انہیں اللہ کے گناہوں کی طرف مائل کرنے والے علیحدہ کر لئے جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے: **حَتَّىٰ إِذَا دَارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أَحْضِرُهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَأَنبِتْهُمْ عَذَابًا مُّضْعَفًا مِنَ النَّارِ قَالَتْ لَيْسَ بِضِعْفٍ وَلَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ** (الاعراف) جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے تو پچھلے اگلوں کی بابت کہیں گے کہ اے اللہ انہی لوگوں نے ہمیں بیکار رکھا تھا تو انہیں دگنا عذاب کراؤ۔ پھر خبر کا خبر پر عطف ڈال کر فرماتا ہے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ عذابوں کا اور دائمی عذابوں کا اور جہنم کی آگ کا سزاوار کون کون ہے؟ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ فرمائے گا: **لَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ** (ایضا) ہر ایک لئے دو ہر عذاب ہے لیکن تم علم سے کورے ہو۔

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا

جہنم میں دخول یا ورود؟

مسند امام احمد بن حنبل کی ایک قریب حدیث میں ہے ابو سبیہ فرماتے ہیں جس ورود کا اس آیت میں ذکر ہے اس بارے میں اختلاف ہوا کوئی کہتا تھا مؤمن اس میں داخل نہ ہوں گے، کوئی کہتا تھا داخل تو ہوں گے لیکن پھر یہ سب اپنے تقویٰ کے نجات پا جائیں گے۔ میں نے حضرت جابرؓ سے مل کر اس بات کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وارد تو سب ہوں گے۔ اور روایت میں ہے کہ داخل تو سب ہوں گے ہر ایک نیک بھی اور ہر ایک بد بھی لیکن مؤمنوں پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن جائے گی جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر تھی یہاں تک کہ اس ٹھنڈک کی شکایت خود آگ کرنے لگے گی پھر ان متقی لوگوں کا وہاں سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے کہیں گے اللہ نے تو فرمایا تھا کہ ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے اور ہمارا ورود تو ہوا ہی نہیں تو ان سے فرمایا جائے گا کہ تم وہیں سے گزر کر تو آ رہے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت آگ کو ٹھنڈی کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ایک بار اپنی بیوی صاحبہ کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ رونے لگے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ بھی رونے لگیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کیوں روئیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو رونا دیکھ کر۔ آپ نے فرمایا مجھے تو: **وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا** (مریم) یاد آگئی اور رونا آ گیا۔ مجھے کیا معلوم کہ میں نجات پاؤں گا نہیں؟ اس وقت آپ بیمار تھے۔ حضرت ابو میسرہ رضی اللہ عنہ جب رات کو اپنے بستر پر سونے کیلئے جاتے تو رونے لگتے اور زبان سے بے ساختہ نکل جاتا کہ کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آخر اس رونے دھونے کی وجہ کیا ہے؟ تو فرمایا یہی آیت ہے۔ یہ تو ثابت ہے کہ وہاں جانا ہوگا اور یہ نہیں معلوم کہ نجات بھی ہوگی یا نہیں؟ ایک بزرگ شخص نے اپنے بھائی سے فرمایا کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ ہمیں جہنم پر سے گزرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں یقیناً معلوم ہے۔ پھر پوچھا کیا یہ بھی جانتے ہو کہ وہاں سے پار ہو جاؤ گے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کوئی علم نہیں پھر فرمایا اور ہمارے لئے ہنسی خوشی کیسی؟ یہ سن کر اس وقت سے لے کر موت کی گھڑی تک ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی۔ تافع بن ارزق حضرت ابن

عہاس کا اس بارے میں اختلاف تھا کہ یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے تو آپ نے دلیل میں آیت قرآن: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَرَدُوْنَ (الانبیاء) پیش کر کے فرمایا دیکھو یہاں ورود سے مراد داخل ہونا ہے یا نہیں؟ پھر آپ نے دوسری آیت تلاوت فرمائی: يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْدَدَهُمُ النَّارُ وَبَلَّسَ الْوَرْدُ الْمُوْرُوْدُ (ہود) اور فرمایا بتاؤ فرعون اپنی قوم کو جہنم میں لے جائے گا یا نہیں؟ پس اب غور کرو کہ ہم اس میں داخل تو ضرور ہوں گے اب نکلیں گے بھی یا نہیں؟ غالباً تجھے تو اللہ نہ نکالے گا اس لئے کہ تو اس کا منکر ہے یہ سن کر نافع کھسیانہ ہو کر ہنس دیا۔ یہ نافع خارجی تھا اس کی کنیت ابوراشد تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے سمجھاتے ہوئے آیت وَتُسَوِّى الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَرْدًا بھی پڑھی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ پہلے بزرگ لوگوں کی ایک دعا یہ بھی تھی کہ: اللہم اخر جنی من النار سالماً وادخلنی الجنة غانماً، اے اللہ مجھے جہنم سے صحیح سالم نکال لے اور جنت میں ہنسی خوشی پہنچا دے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابوداؤد طیالسی میں یہ بھی مروی ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ظالم لوگ ہیں اسی طرح ہم اس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نیک بد سب وارد ہوں گے۔ دیکھو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اور گنہگاروں کے لئے بھی ورود کا لفظ دخول کے معنی میں خود قرآن کریم کی دوا آیتوں میں وارد ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وارد تو سب ہوں گے پھر گزر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پل صراط سے سب کو گزرنا ہوگا یہی آگ کے پاس کھڑا ہونا ہے اب بعض تو بجلی کی طرح گزر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض پرندوں کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح، بعض تیز رفتار اونٹوں کی طرح، بعض تیز چال والے پیدل انسان کی طرح یہاں تک کہ سب سے آخر جو مسلمان اس سے پار ہوگا یہ وہ ہوگا جس کے صرف پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا گرتا پڑتا نجات پائے گا۔ پل صراط پھسلنی چیز ہے جس پر بول جیسے اور گوکھر جیسے کانٹے ہیں دونوں طرف فرشتوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں جہنم کے گرز ہوں گے جن سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو جہنم میں دھکیل دیں گے الخ۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں یہ تلواریں کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا۔ پہلا گروہ تو بجلی کی طرح آن کی آن میں پار ہو جائے گا، دوسرا گروہ ہوا کی طرح جائے گا، تیسرا تیز رفتار گھوڑوں کی طرح، چوتھا تیز رفتار جانور کی طرح۔ فرشتے ہر طرف سے دعائیں کر رہے ہوں گے کہ اے اللہ سلامت رکھا الہی بچا لے بخاری و مسلم کی بہت سی مرفوع احادیث میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت کعب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جہنم اپنی پیٹھ پر تمام لوگوں کو جمالے گی۔ جب سب نیک و بد جمع ہو جائیں گے تو حکم باری ہوگا کہ اپنے والوں کو تو پکڑ لے اور جنتیوں کو چھوڑ دے۔ اب جہنم سب برے لوگوں کا نوالہ کر جائے گی۔ وہ برے لوگوں کو اس طرح جانتی پہچانتی ہے جس طرح تم اپنی اولاد کو جبکہ اس سے بھی زیادہ۔ مؤمن صاف بچ جائیں گے۔ سنو جہنم کے داروغوں کے قد ایک سو سال کی راہ کے ہیں ان میں سے ہر ایک کے پاس گرز ہیں ایک مارتے ہیں تو سات لاکھ آدمیوں کا چورا ہو جاتا ہے۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے رب کی ذات پاک سے امید ہے کہ بدر اور حدیبیہ کے جہاد میں جو ایمان دار شریک تھے ان میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا یہ سن کر حضرت حفصہؓ نے کہا یہ کیسے؟ قرآن تو کہتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے تو آپ نے اس کے بعد کی دوسری آیت پڑھ دی کہ متقی لوگ اس سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں رو جائیں گے۔ بخاری و مسلم میں

ہے کہ جس کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں اسے آگ نہ چھوئے گی مگر صرف قسم پوری ہونے کے طور پر۔ اس سے مراد یہی آیت ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابیؓ کو بخار چڑھا ہوا تھا جس کی عیادت کے لئے رسول مقبول ﷺ ہمارے ساتھ تشریف لے چلے آپ نے فرمایا کہ جناب باری عزوجل کا فرمان ہے کہ یہ بخار بھی ایک آگ ہے میں اپنے مؤمن بندوں کو اس میں اس لئے مبتلا کرتا ہوں کہ یہ جہنم کی آگ کا بدلہ ہو جائے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا کہ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۃ قل ہو اللہ احد دس مرتبہ پڑھ لے اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا پھر تو ہم بہت سے محل بنالیں گے آپ نے جواب دیا اللہ کے پاس کوئی کمی نہیں وہ بہتر سے بہتر اور بہت سے بہت دینے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحوں میں لکھ لے گا۔ فی الواقع ان کا ساتھ بہترین ساتھیوں کا ساتھ ہے۔ اور جو شخص کسی تنخواہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی خوشی کے لئے مسلمان لشکروں کی، ان کی پشت کی طرف سے حفاظت کرنے کے لئے پہرہ دے وہ اپنی آنکھ سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری کرنے کے لئے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے تم میں سے ہر ایک اس پر وارد ہونے والا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی سات سو گنا زیادہ اجر رکھتا ہے اور روایت میں ہے سات ہزار گنا۔ ابوداؤد میں ہے کہ نماز روزہ اور ذکر اللہ، اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا درجہ رکھتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس آیت سے گزرتا ہے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں مسلمان تو پل صراط سے گزر جائیں گے اور مشرک جہنم میں جائیں گے حضور ﷺ نے فرمایا اس دن بہت سے مرد عورت اس پر سے پھسل جائیں گے۔ پل صراط پر جانے کے بعد پرہیزگار تو پار ہو جائیں گے، ہاں کافر گنہگار اپنے اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے۔ جیسے عمل ہوں گے اتنی دیر وہاں لگ جائے گی۔ پھر نجات یافتہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ شفاعت کریں گے اور انبیاء بھی۔ پھر بہت سے لوگ تو جہنم میں سے اس حالت میں سے نکلیں گے کہ آگ انہیں کھا چکی ہوگی مگر چہرے کی سجدہ کی جگہ بچی ہوئی ہوگی۔ پھر اپنے اپنے باقی ایمان کے حساب سے دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ جن کے دلوں میں بقدر دینار کے ایمان ہو گا وہ اول نکلیں گے، پھر اس سے کم والے، یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ایمان والے، پھر اس سے کم والے، پھر اس سے بھی کم والے، پھر وہ جس نے اپنی پوری عمر میں لا الہ الا اللہ کہہ دیا ہو گو کچھ بھی نیکی نہ کی ہو پھر تو جہنم میں وہی رہ جائیں گے جن پر ہمیشہ اور دوام لکھا جا چکا ہے۔ یہ تمام خلاصہ ہے ان احادیث کا جو صحت کے ساتھ آچکی ہیں۔ پس پل صراط پر جانے کے بعد نیک لوگ پار ہو جائیں گے اور بد لوگ کٹ کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔

وَإِذَا تُنْفَخَتُ الْأُفُفُ الْيَمِينِ أَمَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا فَهُمْ فِيهَا مَكِينٌ ۖ إِنَّهُمْ فِيهَا مُنْقَرِعُونَ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَهُمْ فِيهَا مُقَامُونَ ۖ أَحْسَنُ نَدِيًّا ۝

کائناتوں کا سوال کہ دونوں میں مقام اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور ان کے سوال کا جواب:

رسول اللہ ﷺ پر جب آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو اپنے معانی کے اعتبار سے واضح ہیں اور جن کے معانی ظاہر ہیں تو انہیں سن کر ایمان لانے کے بجائے معاندین مزید سرکشی پر عمل جاتے تھے اور جنہوں نے ایمان قبول کیا ان سے کہتے تھے کہ

دیکھو ایک فریق ہمارا ہے اور ایک فریق تمہارا ہے اب بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سا فریق مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اور مجلس کے اعتبار سے بہتر اور اچھا ہے؟ ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ دنیا میں اچھے حال میں ہیں اچھا کھاتے پیتے اور اچھا پہنتے ہیں ہماری مجلسیں بھی اچھی ہیں بنو کر خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہن کر مجلسوں میں جمع ہوتے ہیں اور تم لوگ ایسے ہو کہ نہ کھانے کو اور نہ پہننے کو، ان حالات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت بہتر ہے۔ ان کا کلام بظاہر ایک طرح کا سوال تھا لیکن حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان چونکہ دنیاوی اعتبار سے کمزور حالت میں ہیں اس لیے ان کے مقابلہ میں ہم اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔ یہ ان کی جاہلانہ بات تھی کیونکہ دنیا میں اچھے حال میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جو شخص صاحب مال و متاع ہو وہ اللہ کے نزدیک حق پر ہو اور اللہ کا مقبول بندہ ہو ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَكَذَٰلِكَ أَهْلُكُمْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْلٍ هُمْ أَكْثَرُا دَعِيًّا (اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی جو ساز و سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے) مطلب یہ ہے کہ تم نے ظاہری زینت اور ساز و سامان کی ظاہری خوبی اور بہتری کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل بنا لیا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس سے پہلے بہت سی امتیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک فرما دیا دنیاوی نعمتیں اگر اللہ کے ہاں مقبول اور معزز ہونے کی دلیل ہوتیں تو وہ لوگ کیوں ہلاک کیے جاتے اور ان کے برعکس اہل ایمان کیوں نجات پاتے، عاد اور ثمود اور دوسری امتیں جو گزری ہیں ان کے احوال تم سے سننے ان کے کھنڈرات پر گزرتے ہو ان کے تباہی کے واقعات جانتے ہو پھر بھی الٹی دلیلیں دیتے ہو اور غلط باتیں کرتے ہو۔ سورۃ سبأ میں فرمایا: (وَكَذَٰلِكَ أَهْلُكُمْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْلٍ هُمْ أَكْثَرُا دَعِيًّا) (اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انھوں نے تکذیب کی تھی اور یہ تو اس سامان کے اعتبار سے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے انھوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا)۔

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے:

مال و اسباب پر فخر کرنے والوں کو اول تو یہ جواب دیا کہ ان سے پہلے کتنی جماعتیں گزر چکی ہیں جو ساز و سامان اور زیب و زینت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں انھیں ہلاک کر دیا گیا پھر ارشاد فرمایا: قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدَدًا، اس میں یہ بتایا کہ گمراہی پر ہوتے ہوئے ساز و سامان نعمت نہیں ہے بلکہ یہ استدراج یعنی ڈھیل ہے اس ڈھیل کی وجہ سے اور زیادہ گمراہی میں ترقی کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب دنیوی کو یا موت کے وقت کی تکلیف کو تو اس وقت انھیں پتہ چل جائے گا کہ مؤمنین اور کافرین میں سے کون بدترین مرتبہ کو پہنچا اور جماعت کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور نکلا۔ لفظ شر مکانا، خیر مقانا کے جواب اور اَضْعَفُ جُنْدًا (۱)۔ اَحْسَنُ نَبَاتًا کے جواب میں فرمایا کہ لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی مصیبت کے وقت کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور دنیا میں جتنے اہل مجلس تھے کوئی بھی کچھ نہ مدد کرے گا نہ کر سکے گا پھر فرمایا: وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (۲) اس میں

ہدایت والوں کی فضیلت بیان فرمائی اہل کفر کفر پر جے ہوئے ہونے کی وجہ سے عذاب آنے تک ڈھیل میں ہیں اور ہدایت پانے والے یعنی اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے انعام کے مستحق ہیں، انعام تو بہت ہیں ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دے گا اور ہدایت پر استقامت نصیب فرمائے گا اور چونکہ ایمان اچھے اعمال پر ابھارتا ہے اور اہل ایمان کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اس لیے آیت کے ختم پر یوں فرمایا: **وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مِّمَّا كَسَبْتُمْ** یعنی اعمال صالحہ جو باقی رہنے والے ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی، کیونکہ ان کا انجام ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی نعمتیں ہیں اور جو دار النعیم یعنی جنت میں ملیں گی۔

أَفَرَأَيْتَ الْآلِهَیْ كَفَرُوا بِآلِهَتِنَا وَقَالَ لَا تُوتِیْنَ مَا لَآؤَ وَكَذَّابٌ

عیار مقروض اور حضرت خباب:

حضرت خباب بن ارتؓ فرماتے ہیں میں لو ہار تھا اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمے تھا میں اس سے تقاضا کرنے کو گیا تو اس نے کہا میں تو تیرا قرض اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک کہ تو حضرت محمد ﷺ کی تابعداری سے نہ نکل جائے میں نے کہا میں تو یہ کفر اس وقت تک بھی نہیں کر سکتا کہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو۔ اس کا فرنے کہا بس تو پھر یہی رہی جب میں مرنے کے بعد زندہ ہوں گا تو ضرور مجھے میرا مال اور میری اول دہی ملے گی وہیں تیرا قرض بھی ادا کر دوں گا تو آ جاتا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (بخاری سلم) دوسری روایت میں ہے کہ میں نے کئے میں اس کی تلوار بنائی تھی اس کی اجرت میری ادھار تھی۔ اللہ فرماتا ہے کہ کیا اسے غیب کی خبر مل گئی؟ یا اس نے اللہ رحمان سے کوئی قول قرار لے لیا؟ اور روایت میں ہے کہ اس پر میرے بہت سے درہم بطور قرض کے چڑھ گئے اس لئے مجھے جو جواب دیا میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا اس پر یہ آیتیں آئیں اور روایت میں ہے کہ کئی ایک مسلمانوں کا قرض اس کے ذمے تھا ان کے تقاضوں پر اس نے کہا کہ کیا تمہارے دین میں یہ نہیں کہ جنت میں سونا چاندی ریشم پھل پھول وغیرہ ہوں گے؟ ہم نے کہا ہاں ہے تو کہا بس تو یہ چیزیں مجھے ضرور ملیں گی میں وہیں تم سب کو دے دوں گا۔ پس یہ آیتیں فردا تک اتریں۔ ولذا کی دوسری قراءت واؤ کے پیش سے بھی ہے معنی دونوں کے ایک ہی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبر سے تو مفرد کے معنی میں ہے اور پیش سے جمع کے معنی میں ہے۔ قیس قبیلے کی یہی لغت ہے واللہ اعلم۔ اس مفرد کو جواب ملتا ہے کہ کیا اسے غیب پر اطلاع ہے؟ اسے آخرت کے اپنے انجام کی خبر ہے؟ جو یہ قسمیں کھا کر کہہ رہا ہے؟ یا اس نے اللہ سے کوئی قول و قرار، عہد و پیمان لیا ہے یا اس نے اللہ کی توحید مان لی ہے کہ اس کی وجہ سے اسے دخول جنت کا یقین ہو؟ چنانچہ آیت: **لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا** (مریم) میں اللہ کی وحدانیت کے کلمے کا قائل ہو جانا ہی مراد لیا گیا ہے۔ پھر اس کے کلام کی تاکید کے ساتھ نفی کی جاتی ہے۔ اور اس کے خلاف موکد بیان ہو رہا ہے کہ اس کا یہ غرور کا کلمہ بھی ہمارے ہاں لکھا جا چکا ہے اس کا کفر بھی ملنا تو کجا اس کے برعکس دنیا کا مال و متاع اور اولاد و کنبہ بھی اس سے چھین لیا جائے گا اور وہ تنہا ہمارے حضور میں پیش ہوگا ابن مسعودؓ کی قراءت میں (ونرثہ ما عندہ) ہے۔ اس کی جمع جہا اور اس کے عمل ہمارے قبضے میں ہیں۔ یہ تو خالی ہاتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ہمارے سامنے پیش ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ سُلْطٰنٰهُمْ عَلَ الْكَافِرِيْنَ تُوَزَّهُمْ ثُمَّ جُعِلْهُمْ اِلَى الْمَعَاصِي اِذَا هُمْ فَلَا تَعْمَلُ عَلَيْهِمْ
 بِطَلَبِ الْعَذَابِ اِنَّمَا تُعَذِّبُهُمْ اَلْاَيَامَ وَاللَّيَالِيَ اَوِ الْاَنْفَاسَ عَذَابًا اِلَى وَقْتِ عَذَابِهِمْ اُذْ كُرَّ يَوْمَ نَحْشُرُ
 الْمُتَّقِيْنَ بَاِيْمَانِهِمْ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفَدَا هُمْ جَمْعٌ وَاَفِدَ بِمَعْنٰى رَاكِبٍ وَنَسُوْا الْمُجْرِمِيْنَ بِكُفْرِهِمْ اِلَى جَهَنَّمَ وَرَدَا هُمْ
 جَمْعٌ وَاَرَادَ بِمَعْنٰى مَا يَشِ عَطْشَانٍ لَا يَمْلِكُوْنَ اَي النَّاسِ الشَّقَاعَةُ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اَي
 شَهَادَةً اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَقَالُوْا اَيُّ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَمَنْ رَعِمَ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ
 بَنَاتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا هُوَ قَالَ تَعَالٰى لَهُمْ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا هُوَ اَيُّ مُنْكَرًا عَظِيْمًا تَكَاذُبًا بِالنَّارِ وَالْيَا
 السَّمَوٰتِ يَتَلَفَّظْنَ بِالنُّونِ وَفِي قِرْاَةِ النَّارِ وَتَشْدِيْدِ الطَّاءِ بِالْاِنْشِقَاقِ مِنْهُ مِنْ عَظَمِ هَذَا الْقَوْلِ وَتَشْقِ
 الْاَرْضِ وَتَخْرِجُ الْجِبَالَ هَذَا اَيُّ تَنْطَبِقُ عَلَيْهِمْ مِنْ اَجَلٍ اَنْ دَعَا الرَّحْمٰنُ وَلَدًا هُوَ قَالَ تَعَالٰى وَمَا يَلْبِغُ لِلرَّحْمٰنِ
 اَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا اَيُّ مَا يَلْبِغُ بِهِ ذَلِكَ اِنْ اَيُّ مَا كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اَتَى الرَّحْمٰنَ عَبْدًا هُوَ ذَلِيْلًا
 خَاضِعًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنْهُمْ عَزِيْزٌ وَعِيسٰى لَقَدْ اَخَصَّهُمْ وَعَدَّهُمْ عَذَابًا هُوَ فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مَبْلَغُ جَمِيْعِهِمْ وَلَا
 وَاَحَدٌ مِنْهُمْ وَكُلُّهُمْ اَتِيَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قُرْدًا هُوَ بِلَا مَالٍ وَلَا نَصِيْرٍ لَا يَنْفَعُهُ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحٰتِ
 سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا هُوَ فَيَسَّرُ بَيْنَهُمْ يَتَوَادُّوْنَ وَيَتَحَابُّوْنَ وَيُحِبُّهُمْ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنَّمَا يَسْرُنُهُ اَيُّ الْقُرْآنِ
 بِلسَانِكَ الْعَرَبِيَّ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ الْجَنَّةَ بِالْاِيْمَانِ وَتُنْذِرَ تُخَوِّفُ بِهِ قَوْمًا لَّدَا هُوَ جَمْعُ اِلْدَا اَيُّ دُوْجَدِلٍ
 بِالْبَاطِلِ وَهُمْ كُفَّارٌ مَّكَّةَ وَكَمْ اَيُّ كَثِيْرًا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ اَيُّ اُمَّةٍ مِّنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِهِمْ
 الرُّسُلَ هَلْ نَحْشُرُ مِنْهُمْ قَرْنًا اَوْ كُنْشِعَ لَهُمْ رُكْنًا هُوَ صَوْتًا خَفِيًّا لَا فِكْمًا اَهْلَكْنَا اَوْ لِيْكَ نَهْلِكَ اَيُّ
 هُوَ لَا

ترجمہ: اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے (یعنی شیطانوں کو ہم نے کافروں پر مسلط کر رکھا ہے) کہ وہ ان کو ارتکاب معاصی پر ابھارتے رہتے ہیں خوب ابھارنا (یعنی معاصی پر براہیختہ کرتے رہتے ہیں۔ فَلَا تَعْمَلُ عَلَيْهِمْ سو آپ ان کے لیے جلدی (عذاب ہونے کی درخواست) نہ کیجئے بلاشبہ ہم خود ان کی مدت (یعنی انکی زندگی کے ایام وَاللَّيَالِيَ اَوِ الْاَنْفَاسَ مقررہ) کو شمار کر رہے ہیں کامل طور

پر (یعنی ان کے عذاب وہ ہلاکت کے وقت تک) **يَوْمَ نُصْخِرُ السَّقِيمِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَقَدْ آتَاهُ** یاد کیجئے اس دن کو جس روز ہم متقیوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے رحمن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور وفد جمع ہے وافد کی بمعنی راکب ہے اور مجرموں کو (ان کے کفر کی وجہ سے) دوزخ میں پیا سا ہانکیں گے (ورد جمع ہے وارد کی معنی ہیں پیا سا پیدل چلنے والا۔ **لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا**..... وہاں لوگ سفارش کے مالک و مختار نہ ہوں گے بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمان کے پاس سے اجازت لے رکھی ہے عہد و اجازت سے مراد لا الہ الا اللہ اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ کی شہادت ہے۔ **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا** اور یہ لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ اور وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر رکھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا** اس میں شک نہیں کہ تم نے ایسی بھاری بات کی ہے (یعنی جرم عظیمہ کے مرتکب ہوئے ہو) کہ اس بھاری قول کے سبب آسمان پھٹ پڑیں (یتفطرون میں ایک قراءت ان کے ساتھ یفطرون ہے اور ایک قراءت بجائے ان کے ت اور ط کی تشدید از باب تفعیل یتفطرون ہے بمعنی انشفاق یعنی پھٹنے کے) اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں (یعنی ریزہ ریزہ ہو کر ان پر منطبق ہو جائیں۔ **وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا** حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (یعنی اولاد کا اختیار کرنا اللہ کے شایان شان نہیں جتنے کچھ بھی انسان، جن، فرشتے آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہونے والے ہیں) (یعنی سب کے سب قیامت کے دن تابع دار سرنگوں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں اور انہیں میں سے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) سب کو شمار کر رکھا ہے (پس کوئی چیز ان کے اشخاص، افعال و انفس میں سے کوئی معاملہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں سب اس کے علم میں) ہے اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والے ہیں (نہ اس کے پاس مال ہوگا اور نہ کوئی مددگار کہ اس کو روک سکے) **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا**..... بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا (یعنی یہ لوگ آپ میں الفت و محبت کا معاملہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو محبوب رکھے گا) سو ہم نے اس کو آپ کی زبان میں اس لیے آسان کر دیا (یعنی قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے) تاکہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں (جنت کی) اور اس کے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں (لذا جمع ہے الذی بمعنی جھگڑا کرنے والی قوم اور وہ کفار مکہ ہیں) اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا (یعنی ہم پچھلی قوموں میں سے بہت کورسولوں کی تکذیب کی سزا میں ہلاک کر چکے ہیں) سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ (یعنی ان کا کوئی نام و نشان بھی نہیں رہا۔ اسی طرح پرہم انہیں بھی نیست و نابود کر دیں گے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: سَلَطْنَاهُمْ: اشارہ کیا ارسال سے مراد یہاں غلبہ و بدبہ ہے۔

قوله: وَفَدَّاهُ: اشارہ ہے وَفَدَّاهُ مصدر نہیں بلکہ جمع ہے۔

قوله: وَرَدَّاهُ: یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ وَرَدَّاهُ جمع ہے مصدر نہیں۔

قوله: عَهْدَاهُ: اس سے مراد شہادت اسلام ہے یا عہد مجاز اذن کے معنی میں ہو۔

قوله: يَنْظُرُونَ: بار بار پھٹ جائیں۔

قوله: فَمَّا هَذَا: تہہ ہذا: ٹکڑے ٹکڑے ہوتا۔

قوله: مِنْ أَجْلِ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنْ دَعَوَا یہ محل نصب میں ہے اسلئے کہ یہ تَكَاذُّب کی حذف لام کے ساتھ علت ہے۔

قوله: اَيُّ مَا يَلِيْقُ بِه: یہ يَتَّخِذُ وَلَدًا کا معنی ہے۔

قوله: الْمُتَّقِينَ: سے مطلق مؤمن مراد ہیں۔

قوله: جَمْعُ آلِيہ: اشارہ کیا کہ آلِیہ یہ جمع ہے نہ کہ مصدر۔ جھگڑالو کہتے ہیں۔

قوله: صَوْتًا خَفِيًّا: یعنی رگڑاؤ آہٹ کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيْطٰنَ عَلٰى الْكَافِرِيْنَ تَوَرُّهُمْ اَرْاٰ

اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منکرین حشر کا ذکر فرمایا تھا اس آیت میں ان کے انکار کا سبب فرمایا ہے کہ ان کے کفر کے سبب سے شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ ان کی عقل بالکل جاتی رہی ہے کسی ہی موٹی اور ظاہر بات کیوں نہ ہو شیطان ان کو کسی بات کے سمجھنے کا موقع نہیں دیتا دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی عقل کا آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرتا ہے تو کوئی فائدہ اس کام کا ضرور سوچ لیتا ہے مکان کوئی بناتا ہے تو رہنے کے خیال سے کنواں کوئی کھدواتا ہے تو پانی پینے کے خیال سے اتنا بڑا، جہاں اللہ تعالیٰ جیسے صاحب حکمت نے کیا بے فائدہ پیدا کیا ہے کہ عمر بھر جو اللہ کی فرمانبرداری کرے اور دنیا بھی اس کی کچھ خوشحالی سے نہ گزرتی ہو اس کی مٹی بھی یونہی اکارت جائے نہ حشر ہونہ قیامت نہ کبھی اس کی نیکی کی جزا کا موقع اس کو ملے اور جس شخص نے عمر بھر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو اور دنیا میں بھی مال سے اولاد سے وہ خوش رہا ہو اس کی مٹی بھی یونہی اکارت کبھی کوئی پرستش کا موقع ہی نہیں۔ خدا کی خدائی تو دنیا کے شروع سے اب تک قائم ہے دنیا کی چاروں کی سلطنت میں بھی کوئی اندھا دھن کرے کہ نیک و بد کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے تو چاروں بھی سلطنت نہ چل سکے غرض ایسی ایسی موٹی باتیں شیطان ان منکرین حشر کو سمجھنے نہیں دیتا لیکن اسے رسول اللہ کے ایسے لوگوں پر عذاب کی جلدی نہ کرو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حال سے غافل نہیں ہے دن دن گھڑی گھڑی

کیا اور میرا کوئی برابر نہیں۔ (رداد البخاری) اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ناگوار بات سننے پر کوئی بھی اللہ سے بڑھ کر برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۱۳، از ہداری)

پھر فرمایا: **إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنَ عَبْدًا** اَللّٰہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے سب رحمن کے حضور میں بندہ بنے ہوئے حاضر ہوں گے۔ (سب اللہ کے بندے ہیں اور بندگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونگے اس کا بندہ ہونے سے کسی کو بھی انکار اور استنکاف نہ ہوگا جو سراپا بندہ ہو وہ کیونکر خالق جل مجدہ کی اولاد ہو سکتا ہے) **لَقَدْ أَحْضَاهُ وَعَدَّاهُ عَذَابًا** ان تمام حاضر ہونے والوں کو اس نے اپنے علمی احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔ کوئی بھی بچ کر اور بھاگ کر اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتا یہ جو لوگ اس کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ قیامت کے دن بھاگ نکلیں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے ایسا ہرگز نہیں، اس کا علم اور قدرت سب کو محیط ہے اور سب اس کے شمار میں ہیں۔

وَلَهُمْ أَتَمُّ يَوْمٍ الْقِيَمَةِ قَرْدًا (اور ہر ایک اس کے پاس فرداً فرداً تجا آئے گا) وہاں اپنا اپنا حساب دینا ہوگا اور اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا سزا پائیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا

اَللّٰہ ایمان کا اکرام، ستر آں مجید کی تمسیر، ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ:

پہلی آیت میں اہل ایمان کی ایک فضیلت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا** بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا فرمادے گا یعنی تمام فرشتے جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور تمام مؤمن بندے جو زمین پر رہتے اور بستے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور یہ اللہ کی محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرمائے گا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہذا وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں پکار کر اعلان کر دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو لہذا آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ (اس سے صالحین مراد ہیں اگر کافر و فاسق صالحین سے محبت نہ کریں تو اہل ایمان ان سے بے نیاز ہیں) پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہذا تم بھی اس سے بغض رکھو لہذا جبرائیل بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں ندا دے دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص مبغوض ہے لہذا تم اس سے بغض رکھو اس پر آسمان والے اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے زمین میں بغض ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۱ ج ۱) مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ **سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا** میں یہی بات بتائی ہے کہ رحمن جل شانہ لوگوں کے دلوں میں صالحین کی محبت ڈال دیتا ہے نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کے دلوں میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور رزق عطا

فرمائے گا اور حسن اخلاق اور حسن اعمال اور اچھا تذکرہ نصیب فرمائے گا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہ سب کیا کہ میں ایسی عبادت کروں گا جس کا چرچہ ہوگا وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا تھا اور سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں نکلتا سات مہینے اسی طرح گزر گئے لیکن حال یہ تھا کہ جب کبھی لوگوں پر گزرتا تو لوگ کہتے کہ دیکھو یہ ریاکار رہا رہا ہے جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے نفس سے کہا کہ دیکھ اس طرح سے تو تیری شہرت برائی سے ہی ہو رہی ہے اب نیت کو پلٹنا چاہیے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہونی چاہیے جب اس نے نیت پلٹ دی اور عبادت میں اسی طرح لگا رہا تو بعد مہر عام لوگ کہتے تھے کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو، حضرت حسن نے یہ واقعہ نقل کر کے آیت **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** ... تلاوت فرمائی، حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ اچھا یا برا کوئی بھی عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر ضرور پہنا دیتا ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۱۰ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ اصحاب خیر کی خیر کے ساتھ شہرت ہوگی اور اصحاب شر کا شر کے ساتھ تذکرہ ہوگا۔ جن حضرات نے اللہ کے لیے عمل کیا اور اللہ ہی کے لیے محنتیں کیں سینکڑوں سال گزر جانے پر بھی آج تک مؤمنین کے دلوں میں ان کی محبت ہے اور ان کے اچھے کارناموں کا تذکرہ ہے ان کے برخلاف جو لوگ دنیا دار صاحب القدر تھے لیکن پرہیزگار نہ تھے اور جو لوگ مالدار تھے اعمال صالحہ سے خالی تھے ان لوگوں کو عموماً برائی سے یاد کیا جاتا ہے مؤمن بندوں کو چاہیے کہ صرف اللہ ہی کے لیے عمل کریں، تذکرہ خیر ہی سے ہوگا اہل ایمان اس سے محبت کریں گے جو طالب دنیا ہو اور تو خسرانِ عظیم میں چلا گیا۔

پھر فرمایا: **فَأَنصَبُوا يَسْرَتَكُمْ لِيُتَشَبَّهَ بِهِ الْمُسْلِمِينَ وَتُنَادُوا بِهِ قَوْمًا تَذَاهِبُ** (سورہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ مجرماً القوم کو ڈرائیں)۔ قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان تھی آپ نے کسی سے پڑھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کے لیے آسان فرمادیا اور آپ کی امت کے لیے بھی آسان کر دیا عربی اور عجمی چھوٹے بڑے سبھی پڑھتے ہیں اور اس کے مضامین سمجھتے ہیں رسول اللہ ﷺ اس کے ذریعہ متقین کو یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کو بشارت دیتے رہے اور مجرماً القوم کو ڈراتے رہے۔

لذا تبع ہے الد کی جس کا معنی مجرماً القوم کا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے قوم قریش مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا: معناه قوم لدالا يستقيمون یعنی وہ کبھی اختیار کرنے والے جو ٹھیک راہ پر نہیں آتے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو دلوں کے کانوں سے بہرے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۱۰ ج ۲)

هَلْ تَجِدُ مِنْهُمْ قَوْمًا أَحَدًا أَوْ كَثِيرًا يَسْمَعُ لَهُمْ رُكْزًا

مطلب یہ ہے کہ تکذیب کرنے والی بہت سی امتیں اور جماعت گزر چکی ہیں جو اپنی نافرمانی کی پاداش میں ہلاک کی گئیں آج ان کی کوئی بات سننے میں نہیں آتی وہ کہاں ہیں دنیا میں کیسی کیسی بولیاں بولا کرتے تھے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے ہر طرح کی بولتی بند ہو گئی اب نہ کہیں ان کی آواز ہے اور نہ کہیں آہٹ ہے قرآن کی تکذیب کرنے والوں کو ان ہلاک شدہ اقوام سے سبق لینا چاہیے۔

سُورَةُ طه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ طه
۲۰ مَائِيَّةٌ ۲۵

آيَاتُهَا
۱۳۵

رُكُوعَاتُهَا
۸

سورہ طہ مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس میں ایک سو پچیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں

طه ۱ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَرَادِهِ بِذَلِكَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ يَا مُحَمَّدُ لِتَشْفِيَ ۱ لِيَتَّعَبَ بِمَا فَعَلْتَ بَعْدَ نَزْوِیْهِ مِنْ
طول قیامک بصلوة اللیل ای خفیف عن نفسک الا لکن اَنْزَلْنَاهُ تَذْکِرَةً ۲ به لَعَنَ یَخْشَى ۳ یَخَافُ اللّٰهُ
تَنْزِیْلًا بَدَلَ مِنَ النَّظْرِ بِفِعْلِهِ النَّاصِبِ لَهُ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ۴ جَمْعُ عَلَیَا کَکَبْرِی وَ کَبَرُ هُوَ
الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ وَهُوَ فِی اللِّغَةِ سَرِیْرُ الْمَلِکِ اسْتَوٰی ۵ اسْتَوٰءَ یَلِیْقُ بِهِ لَهَا مَا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا
بَیْنَهُمَا مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۶ هُوَ الثَّرَابُ التَّیْدِی وَالْمَرَادُ الْاَرْضُ السَّیْعُ لَا نَهَی نَحْتَهُ وَ اِنْ
تَجَهَّرَ بِالْقَوْلِ فِی ذِکْرِ اَوْ دُعَاۃِ قَالَهُ غَنِیٌّ عَنِ الْجَهْرِ ۷ فَانَّهُ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی ۸ مِنْهُ اِی مَا حَدَّثْتُ بِهِ النَّفْسَ
وَمَا خَطَرَ وَلَمْ تُحَدِّثْ بِهِ فَلَا تَجْهَدُ نَفْسُکَ بِالْجَهْرِ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی ۹ اَلِشَّعْءُ
وَالِشَّعْءُونَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِیْثُ وَالْحُسْنٰی مُؤَنَّثُ الْاَحْسَنِ وَ هَلْ قَدْ اَتَمَّكَ حَدِیْثُ مُوسٰی ۱۰ اِذْ رَا نَارًا فَقَالَ
لَا هِلَیْ لِامْرَاَتِهِ اَمَّا کُنُوْا هُنَا وَ ذَلِکَ فِی مَسِیْرِهِ مِنْ مَدَیْنٍ طَالِبًا مِضْرَ اِیْنِ اَسْتُ اَبْصُرْتُ نَارًا لَعَلَّ اَتِیْتُکُمْ مِنْهَا
یَقْبِسُ شُعْلَةً فِی رَاسِ فِجْلَةٍ اَوْ عُوْدٍ اَوْ اَجْدُ عَلَی النَّارِ هَدٰی ۱۱ اِی مَا دِیَا بِدَلٰیْلِ عَلٰی الطَّرِیْقِ وَ کَانَ اَخْطَاۡهَا
لِظُلْمَةِ اللَّیْلِ وَقَالَ لَعَلَّ لِعَدَمِ الْجَزْمِ بِوَفَاۃِ الْوَعْدِ فَلَمَّا اَتَمَّهَا وَ هِیَ شَجَرَةٌ عَوْسَجٌ تُودٰی یُّوسٰی ۱۲ اِیْنِ
بِکْسْرِ الْهَمْزَةِ بِنَاوِیْلِ تُودٰی بِقَبْلِ وَ یَفْشَحُهَا بِتَقْدِیْرِ الْبَاءِ اَنَا تُوْکِیْدُ لِبَاءِ الْمُتْکَلِّمِ رَبِّکَ فَاَخْلَعَ نَعْلَیْکَ ۱۳ اِنَّکَ
بِالْوَدِّ الْمُقَدَّسِ الْمُطَهَّرِ اَوْ الْمُبَارَکِ طُوٰی ۱۴ بَدَلَ اَوْ عَطْفٌ بَيَانُ التَّنْوِیْنِ وَ تَرْکِیهُ مَضْرُوْفٌ بِاِعْتِبَارِ الْمَكَانِ

وَعِزُّ مَضْرُوفٍ لِلتَّائِبِ بِاعْتِبَارِ الْبُقْعَةِ مَعَ الْعِلْمِيَّةِ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ مِنْ قَوْمِكَ فَاسْتَعِمْ لِمَا يُؤْتِي ۝ إِلَيْكَ مِنْ
 إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۝ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ فِيهَا إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا عَنِ النَّاسِ وَيُظْهِرُ
 لَهُمْ قُرْبَهَا بِعَلَامَاتِهَا لِيَجْزِيَ فِيهَا كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ۝ بِهِ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلَا يَصُدُّكَ يُضِرُّكَ عَنْهَا
 أَيْ عَنِ الْإِيمَانِ بِهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فِي انْكَارِهَا فَتَوَدَّى ۝ فَتَهْلِكُ إِنْ انْصَدَدَتْ عَنْهَا وَمَا
 تِلْكَ كَائِنَةُ بَيِّنَتِكَ يَمُوسَى ۝ الْأَسْتِفْهَامُ لِلتَّفَرُّيْرِ لِيُرْتَبَ عَلَيْهِ الْمُعْجِزَةُ فِيهَا قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّلُ
 أَعْتَمِدُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْوُثُوبِ وَالْمَشْيِ وَأَفْسُ أَخْبِطُ وَرَقَّ الشَّجَرُ بِهَا لِيَسْقُطَ عَلَيَّ غَنِيٌّ تَنَاكُلُهُ وَلِي فِيهَا
 مَا رَبُّ جَمْعٍ مَارِبَةٍ مِثْلُكَ الرَّاهِ أَيْ حَوَائِجُ أُخْرَى ۝ كَحَمَلِ الرَّادِوِ السَّقَاءِ وَطَرْدِ الْهَوَامِ زَادَ فِي الْجَوَابِ
 بَيَانَ جَوَابِهِ بِهَا قَالَ أَلْقَاهَا يَمُوسَى ۝ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ كُتْبَانٌ عَظِيمٌ تَسْعَى ۝ تَمْشِي عَلَى بَطْنِهَا سَرِيعًا
 كَمُسْرَعَةِ الثُّغْبَانِ الصَّغِيرِ الْمَسْمُومِ بِالْحَبِّ الْمُعْتَرِ بِهِ عَنْهَا فِي ابْنَةِ أُخْرَى قَالَ خُذْهَا وَلَا تَحْضُفْ مِنْهَا سُلُوكًا
 سِيرَتَهَا مُنْصَوِّبٌ بِتَرْجِ الْخَافِضِ أَيْ إِلَى حَالَتِهَا الْأُولَى ۝ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي فِيهَا فَعَادَتْ عَصَا وَتَبَيَّنَ أَنَّ
 مَوْضِعَ الْإِدْخَالِ مَوْضِعَ مَسْكِنِهَا بَيْنَ شُعْبَيْهَا وَارَى ذَلِكَ السَّيِّدُ مُوسَى لَوْلَا يَجْزَعُ إِذَا انْقَلَبَتْ حَيَّةٌ
 لَدَى فِرْعَوْنَ وَأَضْمَرَ يَدَاكَ الْيَمْنَى بِمَعْنَى الْكَفِّ إِلَى جَنَاحِكَ أَيْ جَنَبِكَ الْأَيْسَرِ تَحْتَ الْعَصِيدِ إِلَى الْإِبْطِ
 وَآخِرُ جُهَا تَخْرُجُ خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْأُذْمَةِ بَيِّضَاءُ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ أَيْ بَرِّصٍ تَضِيءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ
 تَعْلَى الْبَصَرِ آيَةٌ أُخْرَى ۝ وَهِيَ وَبَيِّضَاءُ خَالَا نَ مِنْ ضَمِيرٍ تَخْرُجُ لِيُؤَيِّدَكَ بِهَا إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ لِأُظْهِرَ مَا
 مِنْ آيَتِنَا الْآيَةُ الْكُبْرَى ۝ أَيْ الْعُظْمَى عَلَى رِسَالَتِكَ وَإِذَا أَرَادَ عَوْدَهَا إِلَى حَالَتِهَا الْأُولَى ضَمِنَهَا إِلَى
 بِحِ جَنَاحِهِ كَمَا تَقَدَّمَ وَآخِرُ جُهَا إِذْ هَبَّ رَسُولًا إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَنْ مَعَهُ إِنَّهُ طَغَى ۝ جَاوَزَ الْحَدَّ فِي كُفْرِهِ إِلَى
 إِذْ عَاذَ إِلَهِيَّةِ

ترجمہ: طہ ۱۰ (اس کے معنی و مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) مَا أَتَوْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ (اے محمد) ہم نے آپ پر قرآن
 اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں (یعنی اس قرآن کے نازل ہونے کے بعد آپ رات کی نماز میں طول قیام کی وجہ
 جو آپ شقت و تکلیف اٹھاتے ہیں اپنی ذات سے تخفیف کیجئے۔ إِلَّا تَذَكَّرُ لَكِنَّ يَعْطَلُ ۝ لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس

فصل کی نصیحت کے لیے نازل کیا ہے جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتا ہے یہ قرآن اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا تَنْزِيلًا مَقْظُودًا اور نطق میں اپنے فعلِ مقدر کا عوض و بدل ہے جو اسے نصب دے رہا ہے۔ علیٰ علیا کی جمع ہے (اور علیا اعلیٰ کا مؤنث ہے) جیسے کبریٰ اکبر کا مؤنث ہے اور اسکی جمع کبر ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے (جو اس کا شان کے لائق ہے، عرش کے معنی لغت میں تخت شاہی کے ہیں) لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو چیزیں (مخلوقات میں سے) ان دونوں کے درمیان میں ہیں (یعنی آسمان سے نیچے اور زمین سے اوپر) اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے (ثری وہ ترمٹی ہے اور مراد زمین کے ساتوں طبقات ہیں کیونکہ وہ سب تحت الثریٰ ہیں۔ اگر تو کوئی بات پکار کر کہے) کسی ذکر و اذکار میں یا دعا میں تو اللہ تعالیٰ اپنے سننے میں جبر سے بے نیاز ہے وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ خفی بات کو جانتا ہے (یعنی وہ تو ایسی پوشیدہ بات کو سنتا ہے جو ابھی دل میں پیدا ہو اور خیال گزرا اور ابھی کسی سے بیان نہیں کیا اس لیے آپ جبر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالئے) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود ہونے کا مستحق نہیں اس کے ایتھے ایتھے نام ہیں (یعنی وہ ننانوے نام جو احادیث میں آئے ہیں اور حسنِ احسن کا مؤنث ہے۔ وَمَا تَلَكَ بِبَيْنِكَ يُمُوْلٰی ۝ اے موبیٰ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے) (استفہامِ تقریری ہے تاکہ اس پر معجز کا ترتب ہو۔ قَالَ هٰی عَصَايْ موبیٰ غُلَیْمٌ نے جواب دیا کہ یہ میری لانگی ہے میں) (کبھی) اس پر سہارا لگاتا ہوں (یعنی اٹھنے اور چلنے کے وقت) اور (کبھی) اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں (یعنی میں اس لانگی سے درخت کے پتوں پر مارتا ہوں تاکہ بکریوں کیلئے پتے گریں اور بکریاں اسے کھائیں) اور (اس کے علاوہ) اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں مارب، ماربۃ کی جمع ہے اور راہ پر تینوں اعراب آسکتے ہیں بمعنی حواج ضروریات (مثلاً توشہ اور پانی اٹھانا اور موزی جانوروں کو دفع کرنا، موسیٰ غُلَیْمٌ نے جواب میں لکڑی سے پوری ہونے والی ضروریات کا ذکر طویل کر دیا) قَالَ اَلَيْسَ اَلَيْسَ يُمُوْلٰی ۝ اللہ نے فرمایا اے موبیٰ اس (عصا) کو (زمین پر) ڈال دو تو انہوں نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا تو یکا یک وہ لانگی (خدا کی قدرت سے) ایک سانپ ہے (بڑا اثر دھا ہے) جو دوڑ رہا ہے (یعنی اپنے پیٹ کے بل تیز چل رہا ہے مثل تیز چلنے چموتے سانپ کے جس کا نام جان دوسری آیت میں ذکر کیا گیا ہے "کَانِهَا جَان") قَالَ خُذْهَا وَلَا تَحْفَ اَللّٰهُ نے فرمایا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈر نہیں (اس سے) ہم ابھی (پکڑتے ہی) اس کو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے (سیر تھا منصوب بنزع الخافض ہے اسی الی حالتھا جنی سیرت کے معنی حالت کے ہیں تو عبارت ہوگی الی سیر تھا، الی حرف جار کو حذف کر کے منصوب کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے حکم پر موبیٰ غُلَیْمٌ نے اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں داخل کیا تو وہ سانپ اپنی حالت میں لانگی بن گیا اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت سیدنا موبیٰ غُلَیْمٌ کو یہ اس وجہ سے دکھایا گیا تاکہ جب یہ لانگی نرغون کے پاس سانپ بنے تو گھبراہٹیں نہیں۔ وَلَضْمُ يَدَاكَ اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو یہ سے مراد اپنے ہاتھ کی ہتھیلی (یعنی اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی) اپنے بائیں بازو کے بغل میں دبا لو پھر نکالو) بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرض برص وغیرہ) (نہایت) روشن ہو کر نکلے گا (اس گندم کوئی رنگ کے خلاف جس پر حضرت موبیٰ غُلَیْمٌ تھے۔ مِنْ غُلَیْمٍ سُوْدًا اَی بڑھ چس یعنی بغیر برص کے شعاع سورج کی طرح آنکھوں کو چکا چونہ کر دینے والی روشنی ہوگی اور یہ دوسری نشانی ہوگی) (اور آیتِ آخری اور بیضا، دونوں

حال ہیں تخریج کی ضمیر سے) لِنُزِكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۱۰۸﴾ تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں (یعنی جب تم اپنی رسالت پر اظہار معجزہ کرنا چاہو تو ہم بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں گے اور جب اس ید بیضاء کو مٹی کی ہلکی حالت میں یعنی اصلی حالت پر لوٹانے کا ارادہ ہو تو اس ہاتھ کو اپنی بغل میں لے جاؤ پھر نکال لو) اب فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی کی کہ وہ اپنے کفر میں بہت حد سے نکل گیا ہے یہاں تک کہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: لِنُزِكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰی ﴿۱۰۸﴾ - مشقہ سے ہے، شقاوت سے نہیں۔

قوله: لٰكِنْ: اس سے اشارہ ہے کہ اَلَا یہاں مستثنیٰ منقطع کے لیے آیا ہے۔ بعد و الا بدل نہیں ہے۔

قوله: بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ: اس سے اشارہ کہ تذکرہ معنوی اعتبار سے اَنزَلْنَا کا منعول ہے۔ اس سے پہلے نزل فعل مقدر ہے اور مجموعہ، مجموعہ سے بدل ہے۔

قوله: جَمْعٌ عَلَيَا: اشارہ کیا کہ اَعْلٰی ﴿۱۰۹﴾ یہ جمع ہے۔

قوله: هُوَ الرَّحْمٰنُ: الرَّحْمٰنُ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے صفت نہیں کیونکہ معرف باللام بڑا معرفہ ہے۔

قوله: فَاَللّٰهُ غَفِيٌّ: اس سے اشارہ ہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہے۔ مذکور اس کی دلیل ہے جو اس کے قائم مقام ہے۔

قوله: اَلْحُسْنٰی: یہ احسن کی مونث ہے جو کہ اسم تفصیل ہے۔

قوله: قَدْ: یہاں فعل وہ قد کے معنی میں ہے استفہام کے لیے نہیں۔

قوله: اَبْصَرْتُ: اس سے اشارہ کیا اَنْسَتْ یہاں رأی کے معنی میں ہے نہ کہ ایناس کے معنی میں۔

قوله: شُعْلَةٍ: اس سے اشارہ ہے قبس کا معنی چمکدار ارشعلہ ہے نہ کہ کوئلہ۔

قوله: عَلَی النَّارِ: یہاں استعلاء معنی یہ ہے کہ آگ والے اس پر نگران تھے۔

قوله: هٰذِیْ: یہ ہادیٰ کے معنی میں ہے۔

قوله: تَوَكَّلْ: اَنَا سے تاکید کی تاکہ شیطانی وساوس کو دور کر دیا جائے۔

قوله: فَاَخْلَعْ لَعَلَّكَ: یہ حکم اس لیے دیا کیونکہ ننگے پاؤں چلنا تواضع و ادب ہے۔

قوله: بَدَلٌ اَوْ عَظْفٌ بَيِّنَانٍ: طَوٰی یہ بدل یا عطف بیان ہے صفت نہیں ہے۔

قوله: اِلٰنِّیْ: یہ مَا یُوْحٰی ﴿۱۱۰﴾ کا بدل ہے۔

قوله: اِلٰنِّیْ ﴿۱۱۰﴾: نماز کو ذکر سے تعبیر کیا کیونکہ قیام نماز کی علت مجبود کی یاد ہے۔ فیہا ساتھ لاکہ اشارہ کیا اِلٰنِّیْ ﴿۱۱۰﴾ سے اللہ کا ذکر مراد ہے۔

قوله: اَخْفِیْہَا: یعنی میں نے اس کے وقت کو مخلوق سے چھپا دیا اور وہ کر دیا۔

قوله: اس کا تعلق آیت سے ہے۔

قوله: عَنِ النَّاسِ: النَّاسُ سے متعلق ضمیر عامک محذوف ہے۔

قوله: كَمَا إِنَّ: كَمَا إِنَّ یہ جار مجرور يَتْلُكَ کے معنی سے حال ہے۔ یہ يَتْلُكَ کاملہ نہیں۔

قوله: أَخِيْطُ: لا اُمی سے درخت کے پتے کرانا، جماڑنا۔

قوله: الثُّعْبَانِ: ابتدائی حالت کے لحاظ سے اسے الْحَيَّانِ فرمایا انتہاء کے لحاظ سے الثُّعْبَانِ (اڑدھا) فرمایا اور دونوں کے لحاظ سے حَيَّةٌ فرمایا۔

قوله: يَنْزِعُ الْخَافِضِ: يَنْزِعُهَا کو نزاع خافض سے منصوب پڑھا ہنزہ بڑھ گیا تو متعدی ہو۔

قوله: حَالًا: حَمٰی اور یغنا یہ دونوں حال ہیں۔ غذا اور اضم کے مفعول نہیں۔

قوله: مِنْ اَيَّتِنَا: یہ لِكُلِّكَ کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله: الْاَيَةُ الْكُبْرٰی: آیت کو مقدر مانا تاکہ موصوف صفت برابر ہو جائیں۔

قوله: رَسُوْلًا: یہ قید بڑھائی کیونکہ مطلقاً جانے میں معجزات کی چنداں حاجت نہ تھی۔

تفسیر مقبولین

اس سورت کا دوسرا نام سورۃ کلیم بھی ہے۔ (کما ذکر السخاوی) وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مفصل مذکور ہے۔

مسند دارمی میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کرنے سے بھی دو ہزار سال پہلے سورۃ طہ و یسین پڑھی (یعنی فرشتوں کو سنائی) تو فرشتوں نے کہا کہ بڑی خوش نصیب اور مبارک ہے وہ امت جس پر یہ سورتیں نازل ہوں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جوان کو حفظ رکھیں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جوان کو پڑھیں گی، یہی وہ مبارک سورت ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا تہیہ کر کے نکلنے والے عمر بن خطاب کو ایمان قبول کرنے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں گرنے پر مجبور کر دیا جس کا واقعہ کتب سیرت میں معروف و مشہور ہے۔

مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ۝

آسمان اور زمینیں پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو

ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے:

یہاں سے سورۃ طہ کی ابتدا ہو رہی ہے لفظ طہ، الم اور دیگر حروف مقطعات کی طرح مشابہات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۱۱ نے مفسر کلی سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر

وحی نازل ہوئی تو آپ نے محنت اور مشقت کے ساتھ بہت زیادہ عبادت گزاری شروع فرمائی طویل قیام کی وجہ سے کبھی دباہٹے پاؤں پر اور کبھی بائیں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے اور ساری رات نماز پڑھتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: مَا أَرْسَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ خوب زیادہ عبادت کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ اے محمد! یہ قرآن جو تم پر نازل ہوا ہے یہ تمہیں مشقت میں ڈالنے ہی کے لیے اترا ہے اس پر آیت کریمہ: مَا أَرْسَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ نازل ہوئی یعنی ہم نے قرآن کو آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ آیت بالا کی تفسیر میں ایک دوسری وجہ بھی بعض مفسرین نے اختیار کی ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ منکرین جو سرکشی کرتے ہیں اور تکذیب میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں آپ کو اس پر قلق اور رنج نہ ہونا چاہیے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ مصیبت میں پڑیں اور تکلیف اٹھائیں آپ کے ذمہ تبلیغ ہے جب آپ نے اس فریضہ کو انجام دے دیا اور برابر انجام دے رہے ہیں تو آپ کو اس فکر میں پڑنے اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے اس تفسیر کی بناء پر آیت شریفہ کا مضمون سورۃ کہف کی آیت کریمہ: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ بِنَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنَّ لَهُمْ نُومًا بَہْذَا الْحَيَاتِ اسْفًا کے موافق ہو جائے گا۔ (ذکر صاحب الروح ج ۱۶ ص ۱۶۹)

إِلَّا تَذَكُّرُ لِمَنْ يَخْشَىٰ ۖ

استواء علی العرش کے متعلق صحیح بے غبار وہی بات ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ مشابہات میں سے ہے۔ عقیدہ اتنا رکھنا ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہوگی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔

مَا تَحْتَهُ الْكُرْسِيُّ ۖ ۱۰ ٹری، نمناک گیلی مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کھودنے کے وقت نکلتی ہے مخلوقات کا علم تو صرف ٹری تک فہم ہو جاتا ہے، آگے اس ٹری کے نیچے کیا ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس نئی تحقیق و ریسرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برا کر ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے کی کوشش سے مدتوں تک جاری رہی۔ ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات جدیدہ کام کر سکے، آگے ایک ایسا غلاف جبری ثابت ہوا جہاں کھودنے کے سارے آلات اور سائنس جدیدہ کے سب انکار عاجز ہو گئے یہ صرف چھ میل تک کا علم انسان حاصل کر سکا ہے جبکہ زمین کا قطر ہزاروں میل کا ہے اس لیے اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ ماتحت الشریٰ کا علم حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔

وَإِنْ تَجْهَرُوا بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَ وَأَخْفَىٰ ۖ

پہلے عموم قدرت و تصرف کا بیان تھا۔ اس آیت میں علم الہی کی وسعت کا تذکرہ ہے۔ یعنی جو بات زور سے پکار کر کہی جائے، وہ اس علما الغیوب سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ جس کو ہر کھلی چھپی بلکہ چھپی سے زیادہ چھپی ہوئی باتوں کی خبر ہے۔ جو بات تہائی میں آہستہ کہی جائے، اور جودل میں گزرے ابھی زبان تک نہ آئی ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہیں گزری آئندہ گزرنے والی ہو، حق تعالیٰ کا علم ان سب کو محیط ہے۔ اسی لیے بلا ضرورت بہت زور سے چلا کر ذکر کرنے کو بھی علما بہ شریعت

نے منع کیا ہے۔ جن مواقع میں ذکر با آواز بلند منقول ہے یا بعض مصلح معتبرہ کی بناء پر تجربہ کاروں کے نزدیک نافع سمجھا گیا ہے، وہ عموم نمی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۝

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

(ربط) ادھر کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا بیان تھا اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ برسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کر دے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آں حضرت ﷺ کی تسل بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ ﷺ بھی ان کی طرح صبر کیجیے بالآخر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح ان منکبیرین کی ظاہری شان و شوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور اے نبی ﷺ بھلا آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے سختیوں پر صبر کیا۔ آپ ﷺ بھی تحمل شائد میں ان کی اقتداء کیجیے۔ کیونکہ توریت میں آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کے مانند کہا گیا ہے جس کو علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ ”میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جا بجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند کہا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی، راستہ بھول گئے۔ اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفور یا یا صفورہ تھا یا گھر والوں سے کہا، شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں، شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا اتہ پتہ یعنی شاید وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتا دے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی صفورہ دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آرہے تھے۔ جاڑوں کا موسم اور رات کا وقت تھا۔ بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا

پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یا یک دور سے ایک آگ نظر آئی۔ حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الہی کی ایک تجلی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا۔ اس لیے نور الہی بصورت نار متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الہی کو دیکھ کر سمجھے اس لیے نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقتہً آگ تھی اور بارگاہ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ من جملہ حجابات خداوندی۔ اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھالے تو اس بے چون و چگون وجہ (منہ) کے سجات جلال یعنی انوار و تجلیات جہاں تک پہنچیں سب کو جلا کر بھسم کر دیں۔

(رواہ مسلم)

نکتہ: موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو بلطف اُنکٹوا بصیغہ جمع مذکر خطاب کرنا بطریق تکریم تھا۔ جیسے: رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْبَيْتِ میں بصیغہ جمع مذکر خطاب تکریم ہے اور جیسے: اِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلُ الْبَيْتِ و يَطْهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا میں ازواج مطہرات کو بصیغہ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ آواز دی گئی اے موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے: لَوْ دَرَىٰ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِیْنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يَّمُوتَنِي رَّبِّي الْعَلِیُّنِ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک وادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلاشبہ و تمثیل ایک غیبی ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے وہب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی یحییٰ موسیٰ علیہ السلام تو فوراً لپٹ کر کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لیکن لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ اے پکارنے والے میں آواز سن رہا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے۔ پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا اور یقین کر لیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔ نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمع جہات سے اور تمام اجزاء بدن نے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان بنی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہو سکتی ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیرہ صفحہ ۱۳ ج ۱۲ روح البانی ص ۱۰۳ ج ۱۱)

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے جس کا نام طوئی ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا۔ خاد کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پھینک کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا۔ اس حکم کا منشا بھی

وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ و مقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہوتا کہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے۔ جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بشیر بن خصاصیہؓ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِذَا كُنْتَ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَكَانِ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ قَالَ نَخْلَعُهَا (اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیے۔)

حضرت علیؓ اور سعید بن جبیرؓ اور حسن بصریؓ اور ابن جریجؓ سے بھی یہی مقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینا چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۱۷۲ ج ۱۱ دیکھیں۔

عطاء خلعت نبوت و رسالت:

یہ ابتدا وحی اور آغاز تکلم خداوندی کا بیان تھا۔ اب آگے خلعت نبوت و رسالت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: اِنَّا اصْطَفَيْنَاكَ عَلَى النَّاسِ يَٰمُوسَىٰ وَبَوَّأْنَا فِي سُلْطَانٍ عَلِيٍِّّ اے موسیٰ ﷺ میں نے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چھانٹ لیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اول موسیٰ ﷺ سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرما دیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ پس اے موسیٰ خوب غور ہے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جائے اس کے سننے کے لیے ہم تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم و دائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا، اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ موت ”قیامت صغریٰ“ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جدوجہد کا معادضہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزا و سزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تاکہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کر لیں مگر اس کا وقت کسی کو نہیں بتلایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہو جائے گا تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت تو بہ کر لوں گا اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ تو بہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہو جائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہو جائے گا تو تو بہ کیسے کرے گا؟

پس تم قیامت کے لیے تیار رہو۔ مبادا تم کو قیامت کی تصدیق سے یا اس کے مراقبہ یا اس کی تیاری سے یا اس کے فکر سے وہ شخص باز نہ رکھے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کا پیرو بن گیا ہے۔ جدھر اس کی نفسانی خواہش اس کو

لے جاتی ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس مبادا اس شخص کی طرح تو بھی ہلاک ہو جائے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر مقصود سنا اور دل کو ہے۔ یعنی ان کی راحت مراد ہے کہ قیامت سے غفلت اور بے فکری کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

﴿تَعْبُدُونَ﴾ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا: اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا۔ اس لیے بندوں پر اول واجب اور اول فرض اللہ کی معرفت اور اس کی توحید ہے۔ پھر اس کے بعد عبادت کا حکم دیا۔ فَاعْبُدْنِیْ فَرَمَیَا اس لیے کہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا وَاقِفِ الصَّلٰوةِ لِیَذِکِّرُنِیْ ﴿۱﴾ میں حکم دیا۔ اس کے بعد اِنَّ الشَّاعَةَ اٰتِیَةٌ مِّنْ اِیْمَانٍ بِالْآخِرَةِ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں معاد کا ذکر فرمایا۔ آخرت کی تیاری کا حکم فرمایا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی۔ فَلَا یَصُدُّکَ عَنْهَا مَنَ لَا یُؤْمِنُ بِهَا فَرَمَیَا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلادیا کہ شہوات نفسانی اور لذات دنیادی کا اتباع موجب ہلاکت ہے۔ وَ اتَّبِعْ هَوٰیہٗ فَتَرْدٰی ﴿۲﴾ اشارہ اس طرف ہے کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔ وَمَا تَلَکَ بِیْسَبِّئُکَ یٰمُوسٰی ﴿۳﴾

بارگاہ رب العالمین کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کرنا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا چیز ہے موسیٰ علیہ السلام پر لطف و کرم اور خاص مہربانی کا آغاز ہے تاکہ حیرت انگیز مناظر کے دیکھنے اور کلام ربانی کے سننے سے جو ہیبت اور دہشت ان پر طاری تھی وہ دور ہو جائے یہ ایک دوستانہ انداز کا خطاب ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے کہ آگے اس عصا کو جو ان کے ہاتھ میں تھی ایک سانپ اور اڑدھا بنانا تھا۔ اس لئے پہلے ان کو متنبہ کر دیا کہ دیکھ لو تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے جب انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ لکڑی کا عصا ہے تب ان کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ میں رات کے اندھیرے میں شاید لاشی کی جگہ سانپ ہی پکڑ لایا ہوں۔

قَالَ هٰی عَصَیّۡ اَتَوَتْکُمَا عَلَیْہُمَا وَاَهْلٰسَ بِہُمَا عَلٰی غَیْبِیْ وَ لَیْ فِیْہُمَا مَآرِبٌ اٰخَرٰی ﴿۴﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال صرف اتنا ہوا تھا کہ ہاتھ میں کیا چیز ہے اس کا اتنا جواب کافی تھا کہ لاشی ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ تین باتیں اصل سوال کے جواب سے زیادہ عرض کیں اول یہ کہ یہ عصا میری ہے، دوسرے یہ کہ میں اس سے بہت سے کام لیتا ہوں ایک یہ کہ اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں دوسرے یہ کہ اس سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے چھاڑتا ہوں تیسرے یہ کہ اس سے اور بھی میرے بہت سے کام نکلتے ہیں، اس طویل اور تفصیلی جواب میں عشق و محبت اور اس کے ساتھ رعایت ادب کی جامعیت کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر منوجہ ہے تو بات دراز کی جائے تاکہ اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے مگر ساتھ ہی ساتھ ادب کا مقتضایہ بھی ہے کہ بہت بے تکلف ہو کر کلام زیادہ طویل بھی نہ ہو۔ اس دوسرے مقتضی پر یہ عمل کرنے کے لئے اخیر میں اختصار کر دیا کہ: وَ لَیْ فِیْہُمَا مَآرِبٌ اٰخَرٰی ﴿۴﴾ یعنی میں اس سے اور بھی بہت سے کام لیتا کرتا ہوں اور ان کاموں کی تفصیل بیان نہیں کی۔ (روح و مظہری)

تفسیر قرطبی میں اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ضرورت اور مصلحت سے ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ جوابات سوال میں نہ پوچھی گئی ہوں اس کو بھی جواب میں بیان کر دیا جائے۔

مفسر: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں عصا رکھنا سنت انبیاء ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی سنت تھی اور اس میں بے شمار دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ (قرطبی)

قَالَ رَبِّ الشَّيْخُ لِي صَدْرِي ۝ وَسِعَهُ لِتَحْمِيلِ الرِّسَالَةِ وَتَبَيَّنَ سَهْلٌ لِي أَمْرِي ۝ لَا بُلْغَهَا وَأَحْلَلْتُ عُقْدَةً قَبْلَ لِسَانِي ۝ حَدَّثْتُ مِنْ اخْتِرَافِهِ بِجُمُرَةٍ وَضَعَهَا وَهُوَ صَغِيرٌ بِفِيهِ يَفْقَهُوْا قَوْلِي ۝ عِنْدَ تَجْلِيغِ الرِّسَالَةِ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مُعِينًا عَلَيْهَا مِنْ أَهْلِي ۝ هَرُونَ ۝ مَفْعُولٌ ثَانٍ أَخِي ۝ عَطَفَ بَيَانِ اشْدَادِهَا أَزْوَئِي ۝ ظَهَرِي وَأَشْرَكَهُ فِي أَمْرِي ۝ أَيِ الرِّسَالَةِ وَالْفِعْلَانِ بِصِيغَتِي الْأَمْرِ أَوِ الْمَصَارِعِ الْمُجَرَّوْمِ وَهُوَ جَوَابٌ لِلطَّلَبِ كَيُتَسَبَّحَ تَسْبِيحًا كَثِيرًا ۝ وَتَذَكَّرَكَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ عَالِمًا فَأَنْعَمْتَ بِالرِّسَالَةِ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يُمُوسَى ۝ مَنَّا عَلَيْكَ وَلَقَدْ مَنَّنَا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ۝ لِلتَّغْلِيلِ إِذَا أَوْحَيْنَا إِلَى أَمْرِكَ مَنَامًا أَوْ أَلْهَامًا لِمَا وَلَدْتُكَ وَخَافْتَ أَنْ يَقْتُلَكَ فِرْعَوْنُ فِي جُمْلَةٍ مَنْ يُؤَلِّدُ مَا يُؤْمَلُ ۝ فِي أَمْرِكَ وَيَتَدَلَّ مِنْهُ أَنْ أَقْدَفِيهِ الْقَبِيهِ فِي الثَّابُوتِ فَأَقْدَفِيهِ بِالثَّابُوتِ فِي الْيَمْرِ بِحُرِّ النَّيْلِ فَلْيَلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ أَيْ شَاطِئِهِ وَالْأَمْرُ بِمَعْنَى الْخَبَرِ يَأْخُذُهُ عَدُوُّ لِي وَعَدُوُّ لَهُ ۝ وَهُوَ فِرْعَوْنُ وَالْقِيَتْ بَعْدَ أَنْ أَخَذَكَ عَلَيْكَ مَحَبَّةً قَبْلِي ۝ لِتَحَبَّ مِنَ النَّاسِ فَاحْبَبَكَ فِرْعَوْنُ وَكُلُّ مَنْ رَاكَ وَلِصْنَعِ عَلِيٍّ ۝ تَرْبِي عَلَى رِعَايَتِي وَحِفْظِي لَكَ إِذَا لِلتَّغْلِيلِ تَشَبَّهْتَ أُمَّتَكَ مَرِيئِمَ لِتَعْرِفَ خَيْرَكَ وَقَدْ أَحْضَرُوا مَوَاضِعَ وَأَنْتَ لَا تَقْبَلُ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنْهَا فَتَقُولُ هَلْ أَذْكَكُمْ عَلَى مَنْ يَكْفُلُهُ ۝ فَأَجِيبَتْ فَجَاءَتْ بِأَمِّهِ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا فَجَعَلَكَ إِلَى أَمْرِكَ كَيُتَقَرَّ عَيْنُهَا بِلِقَائِكَ وَلَا تَحْزَنَ ۝ حِينَئِذٍ وَقَتَلَتْ نَفْسًا هُوَ الْقِبْطِيُّ بِمَضَرَ فَأَعْتَمَمَتْ لِقَائِهِ مِنْ جِهَةِ فِرْعَوْنَ فَتَجَنَّبَكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنِكَ فُتُونًا ۝ اخْتَبَرْنَاكَ بِالْإِبْقَاعِ فِي غَيْرِ ذَلِكَ وَخَلَصْنَاكَ مِنْهُ فَلَبِثْتَ سِنِينَ عَشْرًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۝ بَعْدَ مَجِيئِكَ إِلَيْهَا مِنْ مِضَرَ عِنْدَ شُعَيْبِ النَّبِيِّ وَتَزَوَّجَكَ بِابْنَتِهِ ثُمَّ جِئْتَ عَلَى قَدَمِي فِي عِلْمِي بِالرِّسَالَةِ وَهُوَ أَرْبَعُونَ سَنَةً مِنْ عُمْرِكَ يُمُوسَى ۝ وَاصْطَنَعْتَكَ اخْتَرْتُكَ لِتَفِيضَ ۝ بِالرِّسَالَةِ إِذْ هَبَّ أَنْتَ وَأَخُوكَ إِلَى النَّاسِ بِأَيْتِي التَّسْعِ وَلَا تَنْيَا تَفْتَرَا فِي ذِكْرِي ۝ بِتَسْبِيحٍ وَغَيْرِهِ إِذْ هَبَّا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ۝ بِإِدْعَاءِ الرُّبُوبِيَّةِ فَقَوْلًا لَهُ قَوْلًا لَيْسَ فِي رُجُوعِهِ عَنْ ذَلِكَ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ يَسْعُطُ أَوْ يَخْشَى ۝ اللَّهُ فَيَرْجِعَ

التَّوْحَىٰ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمَا الْعِلْمُ تَعَالَىٰ بِأَنَّهُ لَا يَزِجُ قَالَ لَا رَيْبَ إِنَّنَا نَعْلَمُ أَنَّ يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَيْ يُعْجَلُ بِالْعُقُوبَةِ
 أَوْ أَنْ يَطْلَى ۝ عَلَيْنَا أَيْ يَكْثُرُ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا بِعَزْمِي أَسْمَعُ مَا يَقُولُ وَ أَرَى ۝ مَا يَفْعَلُ فَأَتَتْهُ لَقْرًا
 إِنْكَارُ رَسُولِ رَبِّكَ فَارْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَى الشَّامِ وَلَا تَعَذِّبْهُمْ أَيْ خَلِّ عَنْهُمْ مِنْ اِشْتِعْمَالِكَ إِيَّاهُمْ فِي
 اِشْغَالِكَ الشَّامِ كَالْحَفْرِ وَ الْبِنَاءِ وَ حَمْلِ الثَّقِيلِ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ بِحُجَّةٍ مِنْ رَبِّكَ عَلَى صِدْقِنَا بِالرِّسَالَةِ
 وَ السَّلَامِ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى ۝ أَيْ السَّلَامَةُ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّا قَدْ أَوْحَى إِلَيْكَ أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ بِمَا
 جِئْنَا بِهِ وَ تَوَلَّى ۝ أَعْرَضَ عَنْهُ فَأَتَاهُ وَقَالَ لَهُ جَمِيعُ مَا ذُكِرَ قَالَ قَدْ نَزَّلْنَا مُوسَى ۝ اِنْتَصِرْ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ
 الْأَصْلُ وَ لَا دُلَالَةَ عَلَيْهِ بِالتَّوْبَةِ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْخَلْقِ خَلْقَهُ الَّذِي هُوَ عَلَيْهِ مُشْتَمِرٌّ بِهِ
 عَنْ غَيْرِهِ ثُمَّ هَدَى ۝ الْخِيَرَانِ مِنْهُ إِلَى مَطْعَمِهِ وَ مَشْرَبِهِ وَ مَكْنَعِهِ وَ غَيْرِ ذَلِكَ قَالَ فِرْعَوْنُ فَمَا بَالُ خَالِ
 الْقُرُونِ الْأَوَّلِ ۝ كَفَرُوا نَارًا وَ هُودٌ وَ لُوطٌ وَ صَالِحٌ فِي عِبَادَتِهِمْ الْأَوَّلِينَ قَالَ مُوسَى عَلَيْهَا أَيْ
 عِلْمُ خَالِهِمْ مَحْفُوظٌ عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۝ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ يُجَازِيهِمْ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يَضِلُّ
 يَغِيبُ رَبِّي عَنْ شَيْءٍ وَ لَا يَنْسَى ۝ رَبِّي شَيْئًا هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ فِي جُمْلَةِ الْخَلْقِ الْأَرْضَ مَهْدًا فَرِشًا وَ
 سَلَكَ سَبِيلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا طُرُقًا وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَطَرًا فَالْتَّعَمَّا لِمَا وَصَفَهُ بِهِ مُوسَى وَ خُطَابًا
 لِأَهْلِ مَكَّةَ مَاءً فَالْخَبْنَاءُ بِهَ أَزْوَاجًا أَصْنَافًا مِنْ كِتَابِ شَيْءٍ ۝ صِفَةُ أَرْوَاحِ أَيْ مُخْتَلِفَةِ الْأَلْوَانِ وَ الطُّعُومِ
 وَ غَيْرِ هَذَا وَ شَيْءٌ جَمْعُ شَيْءٍ كَمَرِيضٍ وَ مَرَضٍ مِنْ شَيْءٍ الْأُمُورُ تَفَرَّقَ كُلُّهَا مِنْهَا وَ ارْعُوا أَنْعَامَكُمْ فِيهَا
 جَمْعُ نَعَمٍ هِيَ الْإِبِلُ وَ الْبَقَرُ وَ الْغَنَمُ يُقَالُ رَعِيَ الْأَنْعَامَ وَ رَعَيْتُهَا وَ الْأُمُورُ لِلْأَبَاحَةِ وَ تَذَكُّيرِ النِّعْمَةِ
 وَ الْجُمْلَةِ خَالٍ مِنْ ضَمِيرٍ آخَرَ جُنَا أَيْ مُبِيعِينَ لَكُمْ الْأَكْلُ وَ رَعَى الْأَنْعَامَ إِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَذْكُورِ مَنَاسِكَ
 لَا يَتَّعِزُّ لَعِبَرِ الْأَوَّلِي الشَّيْءِ ۝ لِأَصْحَابِ الْعُقُولِ جَمْعُ نَهْيَةٍ كَعُزْفَةٍ وَ عُزْفٍ سَمِعَ بِهِ الْعَقْلُ لِأَنَّهُ يَنْهَى
 صَاحِبَهُ عَنْ ارْتِكَابِ الْقَبَائِحِ

ترجمہ: قَالَ رَحِ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میرے سینہ کو میرے لیے کھول دیجئے (یعنی میرا حوصلہ وسیع
 و فراخ کر دیجئے تاکہ بار رسالت اٹھا سکوں) اور میرا کام میرے لیے آسان (کھل) فرما دیجئے (تاکہ میں تبلیغ رسالت کر

سوں) وَاَحْلَلْ عُقْدَةَ ثَمَنِ لِسَانِي اور میری زبان سے (لکنت) کی گرہ کھول (یہ لکنت پیدا ہوئی تھی زبان کے جلنے کی وجہ سے اس چنگاری سے جس کو بچپن میں اپنے منہ میں رکھا تھا) تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں (تخلیغ رسالت کے وقت)۔ وَاَحْلَلْ عُقْدَةَ ثَمَنِ لِسَانِي اور میری زبان کی گرہ (بندش) کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں (جو کہ پیدا ہوئی تھی انکار سے زبان جل جانے سے جو آپ نے بچپن میں اپنے منہ میں ڈال لیا تھا) وَاَجْعَلْ لِّي وَزِيْرًا اور میرے کنبہ میں سے میرے واسطے ایک وزیر (معاون) مقرر کر دیجئے یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں (ہارون مفعول ثانی ہے۔ اَشْدُدْ هَبْهٖ اَذْرِي ان کے ذریعہ میری کمر (یعنی میری قوت) کو مضبوط کر دیجئے اور ان کو میرا کام (یعنی رسالت) میں شریک کر دیجئے (وَالْفِعْلَانِ بِصِيغَتَيِ الْاَمْرِ اَرُخْ۔ اور دونوں فعل یعنی اَشْدُدْ اور اَشْوِكْہٗ دونوں امر کے صیغے ہیں یا دونوں فعل مضارع مجزوم ہے کیونکہ طلب۔ كَيْ تَسْتَهْكَكَ كَيْفِيًّا تاکہ ہم دونوں (مل کر تخلیغ دعوت کے وقت) آپ کی بکثرت پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ بلاشبہ آپ ہم کو خوب دیکھنے والے ہیں (یعنی آپ ہمارے احوال سے واقف ہیں چنانچہ آپ نے رسالت عطا فرمائی، قَالَ قَدْ اَوْتِيْتُمْ سُوْلَكَ يٰمُوسٰى ؑ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور کی گئی) تجھ پر احسان کر کے) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اٰخَرٰى اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں اِذَا اَوْحَيْنَا اِلٰى اَقْنَكْ جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی تھی (خواب میں یا الہام کے ذریعہ جب کہ انہوں نے تم کو جانا اور انہیں خوف ہوا کہ کہیں فرعون تم کو بھی قتل کر دے جس طرح وہ دوسرے بچوں کو قتل کر رہا تھا مَا يُوْحٰى جو وحی کی جاتی ہے تیرے معاملے میں، اور اس سے اِنْ اَقْنِيْ فَيُوْحٰى بدل واقع ہو رہا ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری والدہ کو خواب میں یا الہام کے ذریعہ تمہارے بارے میں ایک تدبیر بتائی۔ جب انہوں نے تم کو جانا اور انہیں اس کا خوف تھا کہ کہیں فرعون تم کو بھی نہ مار ڈالے۔ جس طرح وہ دوسرے بچوں کو قتل کر رہا ہے) یہ کہ موسیٰ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو (یعنی دریائے نیل میں) پھر دریا انہیں کنارہ پر لے آئے گا تو ان کو وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے۔ (یعنی فرعون) اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا اثر ڈال دیا تھا (یعنی جب فرعون تم کو پکڑ کر لے گیا تو اس کے دل میں ہم نے تمہاری محبت پیدا کر دی اور اس شخص کے دل میں جو تمہیں دیکھتا تھا) اور تاکہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے (تاکہ تمہاری پرورش میری نگرانی میں ہو اور میں تمہاری حفاظت کے سامان بہم پہنچا دوں) جب کہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں۔ پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو پال لے (تمہاری بہن مریم تمہارے تابوت کے پیچھے چلتی ہوئی آئیں تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ تم کہاں پہنچائے جاؤ گے۔ اور جب تم فرعون کے محل میں پہنچ گئے اور تمہارے دودھ پلانے کیلئے دایہ کو بلایا گیا تو تم نے ان میں سے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تو تمہاری بہن نے حسن تدبیر سے انجان بنتے ہوئے کہا کہ میں کسی ایسی عورت کو بلا کر لاؤں جو اس کی پرورش کر سکتی ہو۔ اثبات میں جواب ملنے پر انہوں نے تمہاری والدہ کو بلایا۔ ان کی چھاتی کو تم نے فورا منہ لگالیا) تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس دوبارہ پہنچا دیا۔ تاکہ وہ تمہیں اپنے قریب دیکھ کر مطمئن رہیں اور تمہاری طرف سے فکر مند نہ ہوں اور تم نے ایک شخص کو نار ڈالا تھا (یہ مصر کا باشندہ ایک قبیلہ تھا۔ ایک خاص واقعہ پر غیر ارادی طور پر حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس سے حضرت موسیٰ کو بڑا فکر و امن گیر تھا) تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خود خوب آزمائشوں میں ڈالا (اس کے علاوہ تم پر

اور بھی آزمائشیں آئیں لیکن ہم نے اس سے تم کو نجات دلائی) پھر تم مدین والوں کے درمیان (دس) برس رہے (مصر سے مدین آنے کے بعد تمہارا قیام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہا اور پھر انہوں نے تمہاری شادی اپنی لڑکی سے کر دی) پھر تم اپنے وقت معین پر آ گئے۔ اے موسیٰ! (اب تم عمر کے مرحلہ پر پہنچ گئے تھے جو رسالت کیلئے مناسب ہے) میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا (اور تم کو منصب رسالت پر فائز کر لیا) سو اب تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، (لوگوں کے پاس جاؤ اور تبلیغ کرو) اور میری یاد میں سستی نہ کرنا (میری تسبیح و تہلیل کرتے رہنا) فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ۔ بے شک وہ حد سے تجاوز کر گیا ہے (خدا کی کا دعویٰ کر کے) اس سے گفتگو نرم کرنا۔ شاید کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر ہی جائے (تم تو تبلیغ کرتے ہوئے اس سے نرم بات کہنا۔ شاید وہ تمہاری بات بان جائے یا خدا سے ڈر کر دین حق کی طرف لوٹ آئے۔ یہاں خدا تعالیٰ نے نصیحت قبول کرنے اور خدا سے ڈرنے کی صرف توقع ظاہر کی ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ خدا کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ کبھی دین حق کی طرف نہیں لوٹ سکتا ہے) دونوں بولے اے ہمارے پروردگار! ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے (اور سزا دینے میں جلدی نہ کرے) یا یہ کہ زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے اور (منکبر نہ ہو جائے) اللہ نے کہا، تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ میں ہوں (یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) میں سنا اور دیکھتا ہوں (جو کچھ وہ کرتا ہے اسے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہے اسے سن بھی رہا ہوں) تم اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں۔ سو تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے (ملک شام) اور انہیں دکھ نہ دے (یعنی جن مشقتوں میں تم نے انہیں ڈال رکھا ہے اور ان سے جو شاق کام لے رہا ہے انہیں اس سے رہائی دے) ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشانیاں لے کر آئے ہیں (اپنی رسالت کی صداقت پر) اور سلامتی ہے اس کیلئے جو سیدھی راہ پر چلے (یعنی وہ عذاب سے محفوظ ہو جائے گا) ہمارے پاس تو وحی یہ آ چکی ہے کہ عذاب اسی کیلئے ہو جو جھٹلائے اور روگردانی کرے (پس یہ دونوں حسب حکم فرعون کے پاس پہنچے اور انہوں نے اپنے فریضہ خبیث کو پورا کیا جس پر فرعون نے) کہا کہ تو پھر اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ (یہاں فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب صرف اس وجہ سے کیا کہ اصل تو وہی تھے اور فرعون رب کا سوال کر کے حضرت موسیٰ کو یہ جتنا چاہتا تھا کہ تمہارا رب میں ہوں کیونکہ تم میری تربیت میں رہے ہو) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی (جس سے کہ وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے) اور پھر اس کی راہ نمائی کی (مثلاً حیوان وغیرہ کو کھانے پینے کی چیزوں کی تمیز عطا فرمائی، فرعون نے کہا) کہ اچھا تو پھر پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا (یعنی قوم نوح، ہود، لوط اور صالح وغیرہ جو بتوں کی پرستش کرتے تھے ان کا کیا ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ ان کا علم (یعنی ان لوگوں کے بتوں کی پرستش کا حال) میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے (یعنی لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ کر لیا گیا ہے۔ جس پر قیامت کے دن جزاء و سزا ملے گی) میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے اور نہ بھول سکتا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اور تمہارے لئے (چلنے کے واسطے) اس میں راستے بنا دیئے اور آسمانوں سے پانی اتارا (پھر خدا تعالیٰ نے خود حضرت موسیٰ کے کلام کو مکمل کرتے ہوئے اہل مکہ کو خطاب کیا کہ) پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرز طرح کے نباتات پیدا کئے (شستہ صفت ہے ازواج کی یعنی مختلف رنگ اور مختلف مزہ کی چیزیں پیدا کیں۔ شستہ جمع ہے شستہ کی جسے مریض کی جمع مرضی آتی

ہے) کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ (یعنی ان نعمتوں کو تم بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ انعام جمع ہے نعم کی جس کے معنی چوپایہ، عربی لغت میں اس کا استعمال لازم اور متعدی دونوں طرح ہوتا ہے۔ یہاں پر وار عوا انعامکم میں حکم جواز کیلئے ہے۔ جس سے مقصود اپنی نعمتوں کی یاد دہانی بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کھانا واجب نہیں۔ بلکہ جائز ہے۔ کھا سکتے ہو اور کھلا سکتے ہو۔ یہ سب کے سب حال ہیں آخر جنا کی ضمیر سے) بے شک اس سارے (نظام) میں اہل عقل کیلئے ولیمیں موجود ہیں (اہل عقل کو مخاطب کیا اس وجہ سے کہ صاحب عقل کی اچھائی اور برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ نہی جمع ہے نہیۃ کی جیسے عوفۃ کی جمع عرف ہے) اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا (یعنی اسی مٹی سے ہم نے تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا تھا) اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے (مرنے کے بعد اسی مٹی کی قبر میں جانا ہے) اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ پھر نکالیں گے۔ (یعنی بعث بعد الموت کے وقت اس مٹی سے ہم تمہیں وجود میں لے آئیں گے جس طرح کہ ابتدائے پیدائش کے وقت ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **وَزَيَّرْنَا** وزیر اس لئے کہلاتا ہے وزیر سے ہو وہ اپنے امیر کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ یا وزیر سے جو امیر رائے میں اس کا سہارا لیتا ہے۔

قولہ: **مَفْعُولٌ ثَانٍ** : **هَدَوْنِ** یہ دوسرا مفعول ہے۔ عطف بیان نہیں۔ **اَنْجٰی** یہ عطف بیان ہے مبتداء و خبر نہیں۔

قولہ: **تَسْبِيْحًا** : اس سے اشارہ کیا کہ **كَيْدًا** اس لیے منصوب ہے کہ وہ محذوف مصدر کی صفت ہے اور اسی طرح **ذِكْرًا** کے بعد **كَيْدًا** اس لیے منصوب ہے کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قولہ: **عَالِمًا** : یہ تفسیر **بَصِيرًا** کی اس لیے کی کہ تمام حالات کو شامل ہو جائے۔

قولہ: **سُؤْلَكَ** : یہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی سول بمعنی مسئلہ۔

قولہ: **لِلتَّغْلِيلِ** : اس سے اشارہ کیا کہ **اِذَا وَحْيِنَا** میں اذ تعلق کے لیے ہے ظرفیت کے لیے نہیں۔

قولہ: **اِنْ اَقْنٰی فِیْہِ** : قذف ڈالنے اور رکھنے دونوں معنوں میں آتا ہے اور **اِنْ اَقْنٰی فِیْہِ** میں ان مصدر یہ ہے اور **بِالتَّابُوتِ** میں بامع کے معنی میں ہے اور تمام ضائر موصیٰ علیہ کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: **بَعْدَ اَنْ اَخَذَكَ** : اس کو مقدر مانا کیوں؟ تاکہ بعد والا قول صحیح ہو جائے کیونکہ محبت رویت اور علم کے بعد ہوئی۔

قولہ: **لِشَحَبٍ مِّنَ الثَّائِبِ** : یعنی یہ محبت دلوں میں میری طرف سے ہوئی گئی تھی تاکہ جو دیکھے وہ محبت کرے۔

قولہ: **لِصَّنْعٍ عَلٰی عَيْنِیْ** : حفاظت و نگرانی سے مجاز ہے۔

قولہ: **اِلٰی الثَّائِبِ** : یہاں مطلق جانا مراد نہیں بلکہ رسول بن کر جانا مراد ہے۔

قولہ: **فِی رُجُوْعِہٖ** : اس بات سے محتاط رہنے کے لیے تیرے سامنے یہ مثال ہے۔ اس سے نرمی کرو کہ کہیں اس کو اس کی

حماقت حملہ آور ہونے پر نہ بھڑکائے۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا** یہاں آیت کو مفرد ذکر کیا جبکہ موسیٰ علیہ السلام تو دو نشانیاں لائے تھے کیونکہ اصل مقصد اثبات دعویٰ کی دلیل ہے خواہ دلیل ایک ہو یا دو ہوں۔

قولہ: **الْسَّلَامُ** یہ مصدر ہے اور سلامتی کے معنی میں ہے۔

قولہ: **بِمَا جِئْنَا بِهِ** یہاں مفعول کو قرینے سے حذف کر دیا گیا ہے اور وہ کلام ہے تعیم مقصود نہیں ہے۔

قولہ: **أَعْرَضَ** اس سے اشارہ کر دیا کہ تولی ولایت سے نہیں بلکہ یہ اعراض کے معنی میں ہے۔

قولہ: **فَأَتَيْنَاهُ** اس کلام میں حذف اور اختصار ہے۔

قولہ: **مِنَ الْخَلْقِ** اس سے اشارہ ملتا ہے کہ شینی بمعنی مشنی کے ہے۔ یعنی جیسے خلق بمعنی مخلوق۔

قولہ: **مُتَمَيِّزٌ بِهِ** اس سے اشارہ ملتا ہے کہ اضافت اختصار کے لیے ہے۔

قولہ: **الْحَيَوَانَ مِنْهُ** اس سے اشارہ کیا کہ ہدی کا مفعول ممدوف ہے۔ **كُلُّ شَيْءٍ** کی ضمیر نہیں۔

قولہ: **بِحَالٍ** یعنی بال کالفظ قلب کے معنی میں نہیں۔

قولہ: **هُوَ** یعنی الذی مبتدا ممدوف کی خبر ہے ربی کی صنعت نہیں۔

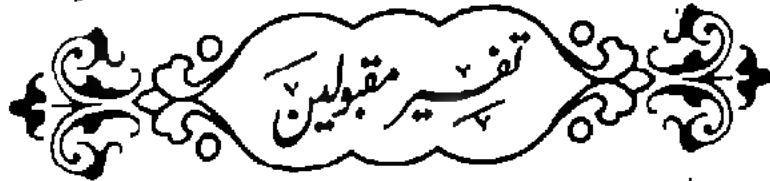
قولہ: **فِي كُتَيْبٍ** یعنی وہ غیب ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔

قولہ: **مَهْدًا** مصدر ہے اور مفعول ہے۔

قولہ: **قَالَ تَعَالَى تَتَمَيَّنَا** اس سے اشارہ کر دیا کہ **فَأَخْرَجْنَا** سے لے کر اللہ کا کلام ہے اور سابقہ بیان کا تتمہ ہے۔

قولہ: **وَالْأَبَاحِي** اس سے اشارہ کر دیا کہ **كَلُّوا** اور **وَادْعُوا** کا امر اباحت کے لیے۔

قولہ: **حَالٍ** اس سے اشارہ کیا کہ یہ **أَخْرَجْنَا** کی ضمیر سے حال ہے صفت نہیں اور وہ حال مُبَيِّنٌ جِنِّ مَقْدَر ہے۔



قَالَ رَبِّ اشْفِ بِي صَدْرِي ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کلام الہی کا شرف حاصل ہوا اور منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تو اپنی ذات اور اپنی طاقت پر بھروسہ چھوڑ کر خود حق تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں اسی کی مدد سے پوری ہو سکتی ہیں اور ان پر جو مصائب اور شدائد آنا لازمی ہیں ان کی برداشت کا حوصلہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہو سکتا ہے اس لئے اس وقت پانچ دعائیں مانگیں:

پہلی دعا

رَبِّ اشْفِ بِي صَدْرِي ۝ یعنی میرا سینہ کھول دے اس میں ایسی وسعت عطا فرما دے جو علوم نبوت کا تحمل ہو سکے اور

دعوت ایمان لوگوں تک پہنچانے میں جوان کی طرف سے سخت سست سنا پڑتا ہے اس کو برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

دوسری دعا:

وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ (یعنی میرا کام میرے لئے آسان کر دے) یہ فہم و فراست بھی نبوت ہی کا ثمرہ تھا کہ کسی کام کا مشکل یا آسان ہونا بھی ظاہری تدبیروں کے تابع نہیں یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے وہ اگر چاہتے ہیں تو کسی کے لئے مشکل سے مشکل بھاری سے بھاری کام آسان کر دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو آسان سے آسان کام مشکل ہو جاتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگا کریں: ((اللهم الطف بنا في تيسير كل عسير فان تيسير كل عسير عليك يسير)) یعنی یا اللہ ہم پر مہربانی فرما ہر مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے کیونکہ ہر مشکل کام کا آسان کر دینا آپ کے قبضہ میں ہے۔

تیسری دعا:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ (یعنی کھول دے میری زبان کی بندش تاکہ لوگ میرا کلام سمجھنے لگیں۔ اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینے کے زمانے میں تو اپنی والدہ ہی کے پاس رہے اور دریا پار فرعون سے ان کو دودھ پلانے کا وظیفہ اور صلہ ملتا رہا۔ جب دودھ چھڑایا گیا تو فرعون اور اس کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا اس لئے والدہ سے واپس لے کر اپنے یہاں پالنے لگے۔ اسی عرصہ میں ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک چھڑی ہاتھ میں تھی جس سے کھیل رہے تھے وہ فرعون کے سر پر ماری، فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بیوی آسیہ نے کہا کہ شاہا، آپ بچے کی بات پر خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل نہیں اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کر لیں کہ اس کو کسی بھٹلے برے کا امتیاز نہیں۔ فرعون کو تجربہ کرانے کے لئے ایک طشت میں آگ کے انگارے اور دوسرے میں جواہرات لا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے خیال تھا کہ بچہ ہے یہ بچوں کی عادت کے مطابق آگ کے انگارے کو روشن خوبصورت سمجھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھائے گا جواہرات کی رونق بچوں کی نظر میں ایسی نہیں ہوتی کہ اس طرف توجہ دیں، اس سے فرعون کو تجربہ ہو جائے گا کہ اس نے جو کیا کیا۔ بچوں کی بات سن کر وہ بچوں کو کوئی عام بچہ نہیں تھا، خدا تعالیٰ کا ہونے والا رسول تھا جن کی فطرت اول پیدائش سے ہی نیک و نیکو رہتی ہے۔ یہ بات ان کو بجائے جواہرات پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر جبریل امین نے ان کا ہاتھ آگ کے طشت میں ڈال دیا اور انہوں نے آگ کا انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، جس سے زبان جل گئی اور فرعون کو یقین آ گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ایک قسم کی تکلیف پیدا ہو گئی اسی کو قرآن میں عقدہ کہا گیا ہے اور اسی کو کھولنے کی دعا حضرت موسیٰ نے مانگی۔ (منظہری دقلمی)

پہلی دودعا میں تو عام تمہیں سب کاموں میں اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنے کے لئے، تیسری دعا میں اپنی ایک مخصوص کمزوری کے ازالہ کی درخواست کی گئی کہ رسالت و دعوت کیلئے زبان کی طلاقت اور فصاحت بھی ایک ضروری چیز ہے۔ آگے ایک آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ سب دعائیں قبول کر لی گئیں جس کا ظاہر یہ ہے کہ زبان کی یہ کنکٹ بھی ختم ہو گئی

ہوگی مگر خود موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنے ساتھ رسالت میں شریک کرنے کی جو دعا کی ہے اس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ
 اَلْفَصْح مَعْنٰی لِسَانًا یعنی ہارون علیہ السلام نے زبان کے اعتبار سے بہ نسبت میرے زیادہ فصیح ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 لکنت کا کچھ باقی تھا۔ نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو عیوب لگائے ان میں یہ بھی کہا کہ: وَلَا يَكْذِبُ بِلِسَانٍ یعنی یہاں
 بات کو صاف بیان نہیں کر سکتے۔ بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی دعا میں اتنی ہی بات
 مانگی تھی کہ زبان کی بندش اتنی کھل جائے کہ لوگ میری بات سمجھ لیا کریں، اتنی لکنت دور کر دی گئی کچھ معمولی اثر بھی رہا تو وہ اس
 کی قبولیت کے مستافی نہیں۔

چوتھی دعا:

وَابْعَثْ لِيْ وَزِيْرًا مِّنْ اٰهْلِيْ ۙ (یعنی بنا دو میرا ایک وزیر میرے ہی خاندان میں سے) پچھلی تین دعائیں اپنے آپ
 اور ذات سے متعلق تھیں یہ چوتھی دعا اعمال رسالت کو انجام دینے کے لئے اسباب کرنے سے متعلق ہے اور ان اسباب میں
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے اور اہم اس کو قرار دیا کہ اس کا کوئی نائب اور وزیر ہو جو ان کی مدد کر سکے۔ وزیر کے معنی
 لغت میں بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، وزیر سلطنت چونکہ اپنے امیر و بادشاہ کا بار ذمہ داری سے اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر
 کہتے ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان
 کے اعموان و انصار ہیں وہ منشاء کے مطابق مل جائیں تو آگے سب کام آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب
 سامان بھی بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب
 اصلی سبب امیر ریاست کے اعموان و انصار اور وزراء و امرا کی خرابی بے عملی یا عدم صلاحیت ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی حکومت و امارت سپرد فرما دیتے ہیں اور یہ چاہتے
 ہیں کہ یہ اچھے کام کرے حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دے دیتے ہیں جو اس کی مدد کرتا ہے اگر یہ کسی ضروری کام
 بھول جائے تو وزیر یا دولادیتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے۔ (رواہ النسائی عن القاسم بن محمد)

اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اس کے ساتھ ایک قید مِّنْ اٰهْلِيْ ۙ کی بھی لگا دی کہ یہ وزیر میرے
 خاندان و اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و
 مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کر لیا گیا ہو۔

محض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو۔ اس زمانے میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی
 ہے۔ اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کو خویش و عزیز کو وزیر یا نائب بنانے کو غموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانتداری پر بھروسہ
 پورا ہو تو کسی صالح و صالح خویش و عزیز کو کوئی عہدہ سپرد کر دینا کوئی عیب نہیں بلکہ مہمات امور کی تکمیل کیلئے زیادہ بہتر ہے۔ رسول
 اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین عموماً وہی حضرات ہونے جو بیت نبوت کے ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں پہلے تو عام بات فرمائی کہ میرے خاندان و اہل میں سے ہو، پھر متعین کر کے فرمایا کہ وہ میرا

ہائی ہارون ہے جس کو میں وزیر بنانا چاہتا ہوں تاکہ میں اس سے مہمات رسالت میں قوت حاصل کر سکوں۔
حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین یا چار سال بڑے تھے، اور تین سال پہلے ہی وفات پائی۔ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی وہ مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کو بھی نبی بنا دیا تو بذریعہ فرشتہ ان کو بھی مصر ہی میں اس کی اطلاع مل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا تو ان کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ مصر سے باہر ان کا استقبال کریں اور ایسا ہی واقع ہوا۔ (قرطبی)

یا نجوی دعا:

وَأَشْرِكُهُ فِي أُمُورِي ﷻ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنا وزیر بنانا چاہا تو یہ اختیار خود ان کو حاصل تھا تبرکات حق تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی دعا کی مگر ساتھ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کو نبوت و رسالت میں اپنا شریک قرار دیں یہ اختیار کسی رسول و نبی کو خود نہیں ہوتا اس لئے اس کی جداگانہ دعا کی کہ ان کو میرے کار رسالت میں شریک فرمادے آخر میں فرمایا:

صالح رفقاء ذکر و عبادت میں بھی مددگار ہوتے ہیں:

كَيْ لَسْتَ بِكَ كَيْفِيًّا ﷻ وَ تَذْكُرَكَ كَيْفِيًّا ﷻ یعنی حضرت ہارون کو وزیر اور شریک نبوت بنانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح و ذکر کیا کریں گے۔ یہاں سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ تسبیح و ذکر تو ایسی چیز ہے کہ ہر انسان تنہا بھی جتنا چاہے کر سکتا ہے اس کے لئے کسی ساتھی کے عمل کا کیا دخل لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر و تسبیح میں بھی سازگار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کے ساتھی اللہ والے نہ ہوں وہ اتنی عبادت نہیں کر سکتا جتنی وہ کر سکتا ہے جس کا ماحول اللہ والوں کا اور ساتھی ذکر شاغل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہے اس کو سازگار ماحول کی بھی تلاش کرنا چاہئے۔

إِذَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمَمِكَ مَا يُؤْحَىٰ ﷻ یعنی جبکہ وحی بھیجی ہم نے آپ کی والدہ کے پاس ایک ایسے معاملہ کی جو صرف وحی سے ہی معلوم ہو سکتا تھا وہ یہ کہ فرعونی سپاہی جو اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے پر مامور تھے ان سے بچانے کے لئے ان کی والدہ کو بذریعہ وحی الہی بتلایا گیا کہ ان کو ایک تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں اور ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کریں ہم ان کو حفاظت سے رکھیں گے اور پھر آپ کے پاس ہی واپس پہنچا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں عقل و قیاس کی نہیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ان کی حفاظت کا ناقابل قیاس انتظام صرف اسی کی طرف سے بتلانے پر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔

کیا وحی کسی غیر نبی و رسول کی طرف بھی آ سکتی ہے:

صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں جو صرف مخاطب کو معلوم ہو، دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں۔ نبی رسول اور عام مخلوق بلکہ جانور تک اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔
وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﷻ تعلیم کرنے کا ذکر اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور آیت میں
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمَمِكَ ﷻ بھی اس معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس سے ان کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا، جیسے حضرت مریم علیہا

السلام کو ارشادات ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور امت وہ نبی یا رسول نہیں تھیں، اس طرح کی لغوی وحی عموماً بطور الہام کے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کسی کے قلب میں ایک مضمون ڈال دیں اور اس کو اس پر مطمئن کر دیں کہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے الہام اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہے ہیں، بلکہ ابو حیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتے کے واسطے سے بھی ہو سکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرئیل امین نے بشکل انسانی متمثل ہو کر ان کو تلقین فرمائی مگر اس کا تعلق صرف اس شخص کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام ہوتی ہے۔ اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف وحی نبوت کے کہ اس کا منشاء ہی مخلوق کی اصلاح کے لئے کسی کو کھڑا کرنا اور تبلیغ دعوت کے لئے مامور کرنا ہوتا ہے اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ اپنی وحی پر خود بھی ایمان لائے اور دوسروں کو بھی اپنی نبوت کے ماننے اور اپنی وحی کے ماننے کا پابند بنائے جو اس کو نہ مانے اسے کافر قرار دے۔

یہی فرق ہے اس وحی الہام یعنی وحی لغوی میں اور وحی نبوت یعنی وحی اصطلاحی میں۔ وحی لغوی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ بعض بزرگوں کے کلام میں اسی کو وحی تشریفی کے عنوان سے تعبیر کر دیا ہے جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محی الدین ابن عربی کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربی کی تصریحات سے باطل ہے۔

ام موسیٰ علیہ السلام کا نام:

روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یوحنا ہے، اور اتقان میں ان کا نام لیانہ بنت یسعد بن لادی لکھا ہے، اور بعض لوگوں نے ان کا نام بار خابض نے بازخت بتلایا ہے۔ تفسیر معارف القرآن (منشی شنج)

قُلِّیْلُوْہِ الْیَمُّہُ بِالنَّسَاجِلِ اس جگہ یم بمعنی دریا سے بظاہر نہر نیل مراد ہے آیت میں ایک حکم تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو دیا گیا ہے کہ اس بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں، دوسرا حکم بصیغہ امر دریا کے نام ہے کہ اس تا بوت کو کنارہ پر ڈال دے قُلِّیْلُوْہِ الْیَمُّہُ بِالنَّسَاجِلِ دریا چونکہ بظاہر بے حس و بے شعور ہے اس کو حکم دینے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس لئے بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ یہاں صیغہ امر بمعنی الحکم استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے حکم نہیں بلکہ خبر دینا ہے کہ دریا اس کو کنارہ پر ڈال دے گا۔ مگر محققین علماء کے نزدیک امر اپنے ظاہر پر امر اور حکم ہی ہے اور دریا ہی اس کا مخاطب ہے کیونکہ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی مخلوق درخت اور پتھر تک بے عقل و بے شعور نہیں بلکہ سب عقل و ادراک موجود ہے اور یہی عقل و ادراک ہے جس کے سبب یہ سب چیزیں حسب تصریح قرآن اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ انسان اور جن اور فرشتہ کے علاوہ کسی مخلوق میں عقل و شعور اتنا مکمل نہیں جس پر احکام حلال و حرام عائد کر کے مکلف بنایا جائے، وائے روم نے خوب فرمایا

غاک و باد و آب و آتش بندہ اند۔ با من و تو مردہ با حق زندہ اند

يَا خُذْهُ عَدُوِّيْ وَعَدُوُّ لَكَ: یعنی اس تا بوت اور اس میں بند کئے ہوئے بچے کو معاملہ دریا سے ایسا شخص اٹھائے گا جو میرا

بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی، مراد اس سے فرعون ہے۔ فرعون کا اللہ کا دشمن ہونا اس کے کفر کی وجہ سے ظاہر مگر موسیٰ علیہ السلام کا دشمن کہنا اس لئے غلط ہے کہ اس وقت تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن نہیں تھا بلکہ ان کی پرورش پر زرخیز خرچ کر رہا تھا پھر اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن فرمایا تو انجام کار کے اعتبار سے ہے کہ بالآخر فرعون کا دشمن ہو جانا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور یہ کہا جائے تو بھی کچھ بعید نہیں کہ جہاں تک فرعون کی ذات کا تعلق ہے وہ فی نفسہ اس وقت بھی دشمن ہی تھا۔ اس نے حضرت موسیٰ کی تربیت صرف بیوی آسیہ کی خاطر گوارا کی تھی اور اس میں بھی جب اس کو شبہ ہوا تو اسی وقت قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو حضرت آسیہ کی دانش مندی کے ذریعہ ختم ہوا۔ (روح مظہری)

وَالْقَيْنْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً قَبِيَّةً. اس جگہ لفظ محبت مصدر بمعنی محبوبیت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی عنایت و رحمت سے آپ کے وجود میں ایک محبوبیت کی شان رکھ دی تھی کہ جو آپ کو دیکھے آپ سے محبت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (مظہری)

وَالْيُسُوعَ عَلَى عَيْنِي. لفظ صنعت سے اس جگہ مراد عمدہ تربیت ہے جیسے عرب میں صنعت فرسی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی اور علی عینی سے مراد علی حفظی یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہترین تربیت براہ راست حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اس لئے مصر کی سب سے بڑی ہستی یعنی فرعون کے ہاتھوں ہی اس کے گھر میں یہ کام اس طرح لیا گیا کہ وہ اس سے بے خبر تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کو پال رہا ہوں۔ (مظہری)

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ.

پورا قصہ دوسری جگہ آئے گا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ صندوق نہر میں چھوڑنے کے بعد بمقتضائے بشریت بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا، معلوم نہیں زندہ ہے یا جانوروں نے کھا لیا۔ حضرت موسیٰ کی بہن کو کہا کہ خفیہ طور پر پتہ لگا۔ ادھر مشیت ایزدی سے یہ سامان ہوا کہ حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بہت سی انائیں بلائی گئیں، کامیابی نہ ہوئی۔ موسیٰ کی بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھی بولی کہ میں ایک عورت کو لا سکتی ہوں، امید ہے کہ کسی طرح دودھ پلا کر بچہ کو پال سکے گی۔ حکم ہوا بلاؤ۔ وہ موسیٰ کی والدہ کو لے کر پہنچی۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچہ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر بڑی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی اجازت دو کہ اپنے گھر میں لے جاؤں اور پوری حفاظت و اہتمام سے بچہ کو پرورش کروں۔ آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچہ کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں اور شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ موسیٰ کی تربیت میں لگی رہیں۔

إِذْ هَبْنَا إِبْرَاهِيمَ النَّفْثَاتِ كُلَّهَا

موسیٰ اور ہارون کو فرعون کے پاس جانے اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنے کی ہدایت:-

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلانے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اپنے لیے جن لیا ہے۔ یہ دوسری مرتبہ ہے اس سے پہلے (وَإِنَّا اخْتَرْنَاكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُؤْتِي) میں یہ بات گزر چکی ہے۔ انتخاب کا تذکرہ فرمانے میں

فرمایا: اِذْ هَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی ۚ فَقُلْ هَلْ لَكَ اِلٰی اَنْ تُوَدِّعَ ۚ وَ اٰهْدِيْكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَكْفُحَ ۚ (تم فرعون سے پاس چلے جاؤ بیٹھ اس نے سرکشی کی ہے پھر اس سے کہو کیا تجھے اس کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ ہو جائے اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تاکہ تُو ڈرنے لگے۔)

ہَلْ لَّكَ اِلٰی اَنْ تُوَدِّعَ ۚ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے ہدایت دی اور خالق کائنات جل مجدہ پر ایمان لانے کے لیے فرمایا تو اس نے بے نیکی باتیں شروع کر دیں اور طرح طرح کے سوال کرتا رہا ان میں سے بعض سوال یہاں سورۃ طہ اور بعض سورۃ شعراء کے دوسرے مکالمے میں مذکور ہیں فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اس نے (اَکَاۤرُ بَکْکُمُ الْاَعْلٰی) کا اعلان کیا تھا اب جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دیتا ہوں تجھے اس کی رغبت ہے تو قبول کر لے اس پر فرعون کو ناگواری ہوئی ہی تھی پھر جمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتا دیا کہ جو تیرا رب ہے اسے مان اور اس کی ہدایت قبول کر۔ اس پر اس نے سوال کیا کہ تم دونوں (موسیٰ اور ہارون) جو میرے علاوہ کوئی دوسرا رب بتا رہے ہو وہ کون ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ حَلْقَہٗ کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی یعنی ساری مخلوق اسی کی ہے اور ہر مخلوق کو اس نے جس صورت میں اور جس حالت میں پیدا فرمایا ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے ساری تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس نے جس کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ ہر چیز کو اس کے اعضاء اور جوارح اس کے لائق عطا فرمائے اور اسی کے حال کے مطابق سمجھ بھی دی اور مخلوقات کو ان کے خوراک اور منافع بتائے۔ کسی مخلوق کو اس میں کوئی دخل نہیں ۛ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا بھی فرمایا پھر ہر چیز کو راہ بھی بتائی۔ یعنی ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق سمجھ دی، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق جیتی ہے اور اپنے منافع اور مضار کو سمجھتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر ارشاد العقل السليم سے نقل کی ہے۔ وقال ثم ھدی الی طریق الانتفاع والارتفاق بما اعطاء و عرفہ کیف یتوصل الی بقاء و کمالہ اما اختیارا کما فی الحیوانات او طبعاً کما فی الجمادات والقوی الطبیعیۃ النباتیۃ والحبوانیۃ۔ (ج ۱۶ ص ۲۰۲)

یہ مضمون بہت بڑا بھی ہے اور عجیب بھی، جتنا جتنا غور کیا جائے اور مخلوق میں نظر کی جائے اسی قدر ذہن میں اس کا پھیلاؤ بڑھتا چلا جائے گا۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو منہ میں پستان دیا جاتا ہے فوراً ہونٹ ہلاتا ہے مرغی کا بچہ پیدا ہوا داندہ ڈالا اس پر دوڑا۔ آدمی کے بچہ نے ذرا سا ہوش سنبھالا ہاتھ سے کھانا شروع کیا چوپاؤں نے بچہ جناں کی دیکھ بھال اور حفاظت میں اس کی ماں مشغول ہو گئی بچہ ماں کے تھنوں کے پاس گیا اور تھنوں کو چوسنا شروع کر دیا چونکہ جانوروں کا کھانے پینے کا سارا کام منہ سے ہی ہوتا ہے اس لیے ہاتھ کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے انہیں ایسے ہاتھ نہیں دیئے گئے جو منہ تک پہنچیں انہیں استنجے کی بھی ضرورت نہیں اس لیے بھی ہاتھ کی ضرورت نہیں انسان کو بہت سے کام ہیں بڑے بڑے کام ہیں لہذا اسے ہاتھ دے دیئے گئے

مکڑی جالابنا کر کھس کو مار کر کھاتی ہے۔ اور چھپکلی روشنی کے پاس آ کر پتنگوں کا شکار کرتی ہے اور دیوار پر بلکہ چھت میں آکر کھد کر دوڑ جاتی ہے۔ بکری کا بچہ ہوتا ہے وہ اسے چاٹ چاٹ کر اس کے بدن کی اصلاح کرتی ہے۔ مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے اور بچے نکلنے تک بیٹھی رہتی ہے، بلی چوہا کھاتی ہے بچھو پر منہ نہیں ڈالتی اور اسی طرح ہزاروں مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کھانا فرمایا اور اسے جینے کے طریقے بتائے۔ اور اس کی ذات کے متعلق نفع اور ضرر سمجھا دیا۔ ثُمَّ هَدَى ۝ کی جو تفسیر اوپر ذکر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوسری تفسیر بھی کی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا پھر انہیں ہدایت دی یعنی حضرت انبیاء کرامؑ اور فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں اور مخلوق ہی کو مخلوق کے ذریعہ خالق تعالیٰ شانہ کی معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ بنایا۔

مِنْهَا أَيْ الْأَرْضِ خَلَقَكُمْ بِخَلْقِ آبَائِكُمْ أَدَمَ مِنْهَا وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ مَقْبُورِينَ بَعْدَ الْمَوْتِ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ عِنْدَ الْبَعْثِ تَارَةً مَرَّةً أُخْرَى ۝ كَمَا أَخْرَجْنَاكُمْ عِنْدَ ابْتَدَاءِ خَلْقِكُمْ وَلَقَدْ آرَبْنَاهُ أَيْ أَبْصَرْنَا فِرْعَوْنَ أَلَيْتَنَا كُلَّهَا التَّمَسُّعُ قَدْ دَبَّ بِهَا وَزَعَمَ أَنَّهَا سِحْرٌ وَآبَى ۝ أَنْ يُوجِدَ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ أَجِئْتَنَا لِنُخْرِجَ تِلْكَ الْفِتْنَةَ مِنْ أَرْضِ مِصْرَ وَيَكُونَ لَكَ الْمُلْكُ فِيهَا بِسِحْرِكَ يُؤَسِّرُ ۝ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ يُعَارِضُهُ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لِذَلِكَ لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا مَنُصُوبٌ يَنْشُرُ الْخَافِضُ فِي سُوَى ۝ بِكَسْرِ أَوَّلِهِ وَضَمِّ آخِرِهِ وَسَطًا يَسْتَوِي إِلَيْهِ مَسَافَةُ الْجَائِي مِنَ الطَّرَفَيْنِ قَالَ مُوسَى مُوعِدُكُمْ يَوْمَ الرِّيبَةِ وَ يَوْمَ عِيدِ لَهُمْ يَنْزِلُ فِيهِ وَيَجْتَمِعُونَ أَنْ يُنْشَرَ النَّاسُ يَجْمَعُ أَهْلَ مِصْرَ صَبْحَى ۝ وَقَتَهُ لِلنَّظَرِ فِيمَا يَقَعُ فَتَوَلَّى فِرْعَوْنُ أَذَرَ فَجَمَعَ كَيْدَهُ أَيْ ذَوَى كَيْدِهِ مِنَ السِّحْرَةِ ثُمَّ آتَى ۝ بِهِمُ الْمَوْعِدَ قَالَ لَهُمْ مُوسَى وَهُمْ ائْتَانِ وَسَبْعُونَ الْقَامِعُ كُلِّ وَاحِدٍ حَبْلٌ وَعَصَا وَبَيْدُكُمْ أَيْ الزَّمَكُمُ اللَّهُ تَعَالَى الْوَيْلَ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا يَاسُرُ الْإِنْسَانَ مَعَهُ فَيُسْجَنُكُمْ بِضَمِّ الْبَاءِ وَكَسْرِ الْحَاءِ وَبِفَتْحِ هَمَا أَيْ يُهْلِكُكُمْ بِعَذَابٍ ۝ مِنْ عِنْدِهِ وَقَدْ خَابَ خَيْرٌ مَنِ افْتَرَى ۝ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ فَتَنَّا زَعَوْا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ فِي مُوسَى وَآخِيهِ وَاسْتَوُوا النَّجْوَى ۝ أَيْ الْكَلَامَ بَيْنَهُمْ فِيهِمَا قَالُوا الْإِنْفِسِهِمْ إِنْ هَذَا مِنْ لَدُنْهِ لَإِىَّ عَمْرُؤُا وَلَعَلَّيْهِ هَذَا وَهُوَ مُوَافِقٌ لِلْغَةِ مَنْ يَأْتِي فِي الْمَشَى بِالْأَلِفِ فِي أَحْوَالِهِ الثَّلَاثِ لَسَجْدٍ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِ هَمَا وَيَذْهَبَ بِطَرِيقَتِكُمْ الْمَثَلِ ۝ مَوْتٌ أَمَّا لَمْ يَمَعْنِ أَشْرَفَ أَيْ يَأْشُرُ إِيَّاكُمْ بِمِثْلِهِمُ إِلَيْهِمَا بِغَلْبَتِهِمَا فَاجْبِعُوا كَيْدَكُمْ مِنَ السِّحْرِ بِهَمَزٍ وَضَلَّ وَفَتَحَ الْمِيمُ مِنْ جَمْعٍ أَيْ لَمْ وَبِهَمْزَةٍ قَطْعٍ وَكَسْرِ الْمِيمِ مِنْ أَجْمَعٍ أَحْكَمُ ثُمَّ اتَّخَذُوا صَفَاةً خَالِئًا

مُضْطَفِّينَ وَقَدْ أَفْلَحَ ۖ فَازِ الْيَوْمِ مَنِ اسْتَعْلَى ۝ غَلَبَ قَالُوا يَمُوسَىٰ اِخْرَجْنَا اَنْ تُلْقِيَ عَصَاكَ اَيُّ اَوَّلًا وَاِمْا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقَى ۝ عَصَاهُ قَالَ بَلْ اَلْقَوُاۤهُ فَاَلْقَوْاۤ اِذَا جِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْۙ اَصْلُهُ عَصَوْوْا فَلَيْتَ الْوَاوِي يَاتِيَنِ وَكُسِرَتِ الْعَيْنُ وَالضَّادُ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهُمَا حَيَّةٌ كَسَى ۝ عَلٰى بَطُوْنَهَا فَاَوْجَسَ اَخْسَ فِيْ نَفْسِهٖ خَيْفَةً مُّوسٰى ۝ اَيُّ خَافَ مِنْ جِهَةِ اَنْ سَحَرَهُمْ مِنْ جِنْسٍ مُّعْجِزٍ اَنْ يَلْتَبَسَ اَمْرًا عَلٰى النَّاسِ فَلَا يُؤْمِنُوْا بِهِ قُلْنَا لَهُ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ عَلَيْهِمُ بِالْغَلْبَةِ وَاَلَيْ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ وَهِيَ عَصَاهُ تَلْقَفُ تَبْتَلِعُ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سِحْرٍ اَيُّ جِنْسِهٖ وَلَا يَفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ بِسِحْرِهٖ فَالْقَى مُوسٰى عَصَاهُ فَتَلَقَّفَتْ كُلُّ مَاصِنَعُوْهُ فَالْقَى السَّحَرَةُ سُبْحًا خَرُّوْا سَاجِدِيْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ وَ مُوسٰى ۝ قَالَ فِرْعَوْنُۙ اٰمَنْتُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَاِبْدَالِ الشَّائِيَةِ الْفَالَهُ قَبْلَ اَنْ اَذِنَ اَنَا لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمْ مَّعْلَمُكُمْ الَّذِى عَلَّمَكُمْ السِّحْرَۙ فَلَا قَطْعَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافِ حَالٍ بِمَعْنٰى مُّخْتَلِفَةٍ اَيُّ الْاَيْدِىِ الْيُمْنٰى وَالْاَرْجُلُ الْيُسْرٰى وَلَا صِلَبَتُكُمْ فِى جُدُوْعِ النَّخْلِ اَيُّ عَلَيْهَا وَتَعْلَمُنَّ اِنَّمَا يَعْنِى نَفْسَهُ وَرَبُّ مُوسٰى اَشَدُّ عَذَابًا وَاَبْقٰى ۝ اَذُوْمَ عَلٰى مُخَالَفَتِهٖ قَالُوْا كُنْ نُؤْتِيْرَكَ نَخْتَارُكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ الدَّالَةِ عَلٰى صِدْقِ مُوسٰى وَالَّذِى قَطَرْنَا خَلَقْنَا قَسَمًا اَوْ عَطْفًا عَلٰى مَا قَاضٍ مَا اَنْتَ قَاضٍ اَيُّ اَصْنَعُ مَا قُلْتَهُ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ التَّصَبُّ عَلَى الْاِتِّسَاعِ اَيُّ فِيْهَا وَيَجْزِىْ عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرَةِ اِنَّمَا اَمْنًا بِرَبِّنَا لِيُغْفِرَ لَنَا خَطِيْئَتَنَا مِنَ الْاَشْرَاطِ وَغَيْرِهٖ وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ تَعْلَمَآ وَعَمَلَا لِمُعَارِضَةِ مُّوسٰى وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُ ۝ مِنْكَ عَذَابًا اِذَا غَضِىَ قَالَ تَعَالٰى اِنَّهٗ مِنْ يَّاتِ رَبِّهٖ مُجْبِرًا كَافِرًا كَفِرَ عَوْنٌ ۝ فَاَنْ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَبُوْتُ فِيْهَا فَيَنْسَرِيْحُ وَلَا يَخْشٰى ۝ حَيَاةٌ تَنْفَعُهُ وَمَنْ يَّاتِيْهِ مُّؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّٰلِحٰتِ الْقَرٰىضُ وَالتَّوَافِلُ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَتُ الْعُلٰى ۝ جَمْعٌ عَلٰى مُّؤَنَّثِ اَعْلٰى جَعْتُ عَذِيْنَ اَيُّ اِقَامَةٍ بَيَانٌ لَهُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا اَلَا نَهَرُ خَلِيْدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَاُ مَنْ تَزَكٰى ۝ تَطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوْبِ

ترجمہ: وَلَقَدْ اَرٰىنٰہُ اور البتہ تحقیق ہم نے اس کو اپنی تمام نشانیاں دکھلا دیں (یعنی ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں یعنی نو محرات دکھلا دیئے پھر بھی اس نے ان نشانوں کو جھٹلایا) اور اس نے ان آیات کو سحر و جادو سمجھا) اور انکار کر دیا (یعنی اللہ

تعالیٰ کی وحدانیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا) قَالَ اٰجِزْتُمْ لِيَخْرُجْتَا مِنْ اَرْضِنَا اور کہنے لگا کہاے یہی تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ملک (یعنی مصر) سے نکال دے (اور اس میں تیری حکومت ہو جائے) سو اب ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے جو اس کا مقابلہ کرے (پس (اس مقابلہ کے لیے) ہمارے ہاں اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تو کسی ہموار میدان میں قولہ مکنا سوئی منصوبہ بترجہ الخافض یعنی مَنَّاناً منصوبہ بخذف الجار ہے ای فی مکان سوی، سوی کے سین کو کسرہ اور ضمہ دونوں طرف پڑھا گیا ہے یعنی وعدہ کی جگہ بالکل پیچ ہو اور دونوں طرف سے آنے والوں کے لیے مسافت برابر ہو کہ کسی طرف سے آنے والوں کو دشواری نہ ہو) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ - موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت زینہ و زینت کا دن ہے (یعنی لوگوں کے عید کا دن ہے جس لوگ آزمائش و زیائش کرتے ہیں اور سب جمع ہوتے ہیں) اور یہ لوگ جمع کیے جائیں (شہر والے سب جمع کیے جائیں) چاشت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میدان اس لیے مقرر کیا کہ سارے لوگ حاضر ہوں گے اور اپنی نظر سے دیکھ لیں گے)۔ فَتَوَلَّى فِرْعَوْنُ پس فرعون لوٹ گیا فرعون واپس ہوا) پھر اپنے کرامات سامان جمع کرنا شروع کیا (یعنی کمر والے جادو گروں کو جمع کیا) پھر (سب کو لے کر اس میدان میں جہاں وعدہ ٹھہرا تھا) آیا۔ قَالَ لَهُمْ مُوسٰی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادو گروں سے کہا (ان لوگوں کی تعداد بہتر ہزار تھی اور ہر ایک کے پاس ایک لٹھی اور سی ٹھی (ارے کبھی مارو!) یعنی اللہ تعالیٰ نے بلاکت تم پر لازم کر دی ہے) لَا تَقْرَءُوا عَلٰی اٰتِیَةِ کَذِبًا اللہ پر جھوٹ اترامت کرو (کسی کو اس کے ساتھ شریک کر کے) ورنہ دو تمہیں (اپنے پاس سے) کسی عذاب سے ہلاک کر ڈالے گا (لَقَدْ جَعَلْنَا فِیْهِ اٰیٰتٍ لِّمَنْ یَّرٰی قُرْءٰتِ یَا کُفْرًا اور دوسری قراءت دونوں کو فتنہ ہے بمعنی بُہلِکَ کُفْرًا ہے) وَقَدْ خَابَ مِنْ الْفُرٰی ۝ اور جو جھوٹ باندھتا ہے (اللہ تعالیٰ پر) وہ ناکام رہتا ہے (انعمان اٹھاتا ہے۔ فَتَنَّا زَعْوًا اَقْوَمَهُ پھر وہ لوگ اپنے معاملہ میں آپس میں جھگڑنے لگے (یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بارے میں اور باہم خفیہ مشورے کرنے لگے) (یعنی ان دونوں کے بارے میں خفیہ گفتگو کرنے لگے) قَالُوْا کہا کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں (ابو مراد اور اس کے علاوہ مثلاً حسن بصریؒ کی قراءت ہے یعنی اِنْ - مشددہ ہذین لِسِحْرَانِ اور یہ محو کے عام ضابطہ کے موافق ہے اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات بجائے ہذین کے ہذان پڑھتے ہیں اور یہ ان لوگوں کی لغت کے موافق ہے جو لوگ شنیہ میں ہر سہ حالت میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لَسِحْرَانِ یُؤْیِدُنِ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں اور یہ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے عہدہ (مذہبی) طریقہ کو مٹا دیں تمہارے اعلیٰ مذہب کو ختم کر دیں (مثلی مثل کی مؤنث ہے جس کے معنی اشرف عہدہ کے ہیں یعنی یہ دونوں بھائی اپنے غلبہ کی وجہ سے یعنی غالب ہو کر تمہارے اشرف و افضل کو ختم کر دیں بوجہ مائل ہونے ان دونوں کی طرف۔ فَاجِیْعُوْا لَیْدَکُمْ پس تم سب مل کر (متفق ہو کر) اپنی تدبیر (یعنی جادو) کا نظام کرو۔ بِهَمْزَةٍ وَضَلَّ ایک قراءت ہمزہ وصل اور میم کے فتح کے ساتھ جمع بمعنی لم یلم سے ہے جس کے معنی جمع کرنے اکٹھا کرنے کے ہیں اور دوسری قراءت ہمزہ قطعی کے ساتھ از باب افعال سے ہے یعنی اجماع سے مشتق ہے یعنی سب مل کر اپنی تدبیر کر لو۔ ثُمَّ اٰتَوْا صُلٰا پھر صفیں آراستہ کر کے آؤ (صُلٰا حال ہے

آئی مُضْطَبِّئِينَ) وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَى ۝ اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہو۔ قَالُوا يَمُوتُ..... جادو گروں نے کہا اے موسیٰ آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں آپ کو اختیار ہے۔ قَالَ بَلْ الْقَوَاءُ..... موسیٰ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم ہی ڈالو (چنانچہ پہلے انہوں نے ڈال دیں) پس یکا یک ان کی رسیاں اور لاشعانی ان کے جادو کے زور سے موسیٰ ﷺ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں (اپنے پیٹوں کے بل) (بِقَصْبِهِمْ جَمْعُ هَيْعَةٍ) عصا بمعنی لاشی کی، عصی اصل میں عصور و روزن قلوں عصور کے دونوں واؤ کو دو یا سے بدل دیا گیا اور پھر یا کی خاطر صاؤ کو کسرہ دینا اور صاؤ کو اتباع میں ر کو کسرہ دیا گیا عصی ہو گیا۔ فَأَوْجَسَ أَحْسَنُ فِي نَفْسِهِ خَيْفَةً مُؤَسَى ۝ تو موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا (موسیٰ ﷺ نے خوف اس وجہ سے کیا کہ ان کا جادو بھی موسیٰ کے معجزہ یعنی میرے معجزہ کے جنس سے معلوم ہوتا ہے تو لوگوں پر موسیٰ کا معاملہ یعنی معجزہ اور جادو میں التباس و اشتباہ ہو جائے گا تو وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے کہا تم کچھ بھی خوف نہ کر بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے۔ وَ أَلْقَى مَا فِي يَدَيْهِكَ..... اور جو چیز بھی تیرے داہنے ہاتھ میں ہے اسی کو ڈال دو) (یعنی عصا کو وہ نکل جائے گا جو انہوں نے بنایا) تَلَقَّفَ بِمَعْنَى تَبَتَّلَعَ ہے ان جادو گروں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادو گر کا حیلہ اور فریب ہے (یعنی جنس سحر فریب ہے) اور جادو گر جہاں کہیں بھی آئے۔ کامیاب نہیں ہوتا چنانچہ موسیٰ ﷺ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ ان کے سب دھندے کو نکل گیا۔ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا پھر تو وہ جادو گر سب سجدہ میں گر گئے (یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى ۝ اور بول اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ قَالَ آمَنْتُمْ (یہاں دو قراءت ہے ایک قراءت دونوں ہمزوں کو باقی رکھنے کی اور دوسری قراءت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھنے کی) فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ اِنَّكَ لَكَايِدٌ كَاذِبٌ..... بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے (یعنی تمہارا معلم ہے) جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ فَلَا قُطْعَانَ اِيْدِيكُمْ..... پس میں ضرور بالضرور تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں مخالف جانب سے من خلاف حال ہے بمعنی مختلفہ داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں) اور تم سب کو بھوروں کے درختوں پر ننگو اتا ہوں (یہاں فی بمعنی علی ہے) اور تم یہ بھی جان لو گے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے) (یعنی مخالفت پر کس کا عذاب دیر پا ہے) قَالُوا لَنْ نُوْثِقَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ..... ایمان لانے والے جادو گروں نے کہا اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے (پسند نہیں کریں گے) ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں (موسیٰ ﷺ کی صداقت پر) اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے (فَطَرَنَا خَلَقَنَا ہے اور وَالَّذِي فِي يَدِ يَمِينِي) میں داؤد قسم ہے یا داؤد عاطفہ ہے پس تجھ کو جو کچھ کرنا ہو کر ڈال (یعنی تو نے جو کچھ کہا ہے اسے کر گذر) تو بجز اس کے کہ اس دنیوی زندگانی میں کچھ کر لے اور کر ہی سکتا ہے اور الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۝ بر نصب نزع الحافض ہے آئیٰ فَيَنْهَآ یعنی تو آخرت میں سزا پائے گا) پس ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تاکہ وہ پروردگار ہمارے (پچھلے) تمام گناہوں کو بخش دے (یعنی ہمارے شرک و کفر کو معاف کر دے) اور اس گناہ کو بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا یعنی جادو سیکھنے پر مجبور کرنا پھر حضرت موسیٰ ﷺ کے مقابلہ پر آنا۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ وَ اَبْنٰى ۝ اور اللہ تعالیٰ (تجھ سے بدرجہا) بہت بہتر ہے اور بہت ماقاہر نے والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ ثواب بدلنے کے اعتبار سے بہت بہتر ہے جب اس کی اطاعت

کی جائے اور زیادہ بھلا والا ہے (یعنی تم سے زیادہ پائیدار اور دیر پا عذاب دینے والا ہے اگر اس کی نافرمانی کی جائے۔ انکشاف)
 نَآت رَکَّہ مُجْبِرًا بلاشبہ جو شخص (بغوات کا) مجرم ہو کر (یعنی کافر ہو کر جیسے فرعون) اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا
 اس کے لیے دوزخ (مقرر) ہے اس میں وہ نہ مرے گا (کہ راحت حاصل کرے) اور نہ زندہ رہے گا (یعنی نہ نفع بخش
 خوشگوار زندگی ملے گی اور جو شخص اس کے پاس مؤمن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کیے ہوں (یعنی ایمان کے ساتھ
 فرائض و نوافل بھی ادا کیے ہوں) تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں (علی علیا کی جمع ہے اور اعلیٰ کی مؤنث ہے) یعنی ہمیشہ
 رہنے کے باغات ہیں (یہ بیان ہے درجات علی کا) جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور جو شخص (کفر
 و معصیت سے پاک ہو اس کی بھی جزاء یعنی انعام ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: مَقْبُورِينَ: اس سے اشارہ کیا کہ اسی زندگی میں لوٹنا نہیں ہے۔
 قوله: أَبْصَرْنَا: اس سے اشارہ کیا کہ آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے دل کی بصیرت مراد نہیں۔
 قوله: بِهَا: یعنی متعلق کا حذف سابقہ قرینہ کی وجہ سے ہے تعمیم کے لیے نہیں۔
 قوله: مَضَرَّ: اس سے اشارہ کیا کہ آخر جہنم میں صفت عہد کے لیے ہے۔
 قوله: مَنصُوبٌ بِتَرْجِيعِ الْخَافِضِ: اس سے اشارہ کیا کہ مکان کا لفظ یہ حرف جر کے ہٹا لینے کی وجہ سے منصوب ہے۔
 مَوْجِدًا کی وجہ سے نہیں۔ اس لیے کہ وہ خود لَا تُخْلِفُ کا موصوف ہے اور مصدر موصوف عمل نہیں کرتا۔
 قوله: وَعَدًا: یہ مصدر ہے اور اس کی دلیل لَا تُخْلِفُ ہے کہ خلاف درزی زمانے اور مکان کے مناسب نہیں۔
 قوله: يُجْتَمَعُ: یعنی یہاں حشر سے قیامت مراد نہیں بلکہ چاشت کے وقت لوگوں کا جمع ہونا مراد ہے۔
 قوله: وَقَّتْهُ: صَحْحی کا یہ ترجمہ اس لیے کیا کیونکہ وہ روشنی کا نام ہے اس میں ظرفیت کی صلاحیت نہیں۔
 قوله: أَلَزَمَكُمُ اللَّهُ: اس سے اشارہ کیا کہ ویل کا لفظ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ أَلَزَمَكُم ہے۔
 قوله: قَالُوا إِلَّا نَفْسِهِمْ: انہوں نے آپس میں یہ بات کہی لوگوں میں یہ بات ظاہر نہیں کی تاکہ لوگ موسیٰ کی طرف رجوع نہ
 کر لیں۔

قوله: إِنَّ هَٰذِهِنَّ: حصص نے ہڈان پڑھا۔ اس لیے کہ ان مخففہ میں المشغلہ ہے۔ بعض لغات میں تینوں حالتوں میں هَٰذَانِ
 ہی پڑھا جاتا ہے۔

قوله: النَّسْلِي: یہاں نسل کی مؤنث ہے اور طریقہ کی یہ صفت ہے، یہاں نسل کے معنی میں ہے شبہ کے معنی میں نہیں۔

قوله: فَاجْتَمِعُوا: اگر ضمیر قالوا کی جادو گروں کی طرف لوٹے تو یہ ان کا باہمی قول ہے۔

قوله: مِنْ جَمْعٍ: جس کا معنی لَمْ ہے لم کا معنی ہے درست کرنا اور اتھروا کی ہمزہ اگر قطعی مانی جائے تو پھر یہ از معوا کے معنی میں

ہے یعنی اپنی بات ایک رکھو اس میں اختلاف مت کرو۔

قولہ: مضاف: یہ مُصْطَفَيْنَ کے معنی میں حال ہے۔

قولہ: اختر: ان اپنے اسم اخیر سے مل کر فعل مضاف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ فعل اختر ہے۔ یہ نہیں کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر مضاف ہے۔

قولہ: فَاذْكُوا: اس کو مقدر اس لیے مانا تاکہ فَاذْكُوا جہاں لکھا اس پر مرتب ہو۔

قولہ: خَافَ مِنْ: یعنی اپنے نفس کا خوف نہیں تھا بلکہ لوگوں کے التباس کا خطرہ تھا۔

قولہ: مَا يَنْبَغِيكَ: اللہ تعالیٰ نے تحقیر کیلئے اس کو بہم رکھا کہ ان کی لامٹیوں اور رسیوں کی پرواہ نہ کر جو ہاتھ میں ڈال دے۔

قولہ: جنبہ: یہاں ساحر کو مفرد لائے کیونکہ مطلق جنس مراد ہے۔

قولہ: لا: لام اس لیے لائی گئی تاکہ فعل میں اتباع کا معنی محسوس ہو اور ایمان کے بعد لام قرآن مجید میں غیر اللہ کی لیے استعمال ہو جیسے:

قولہ: اَنْ اَذِنَ اَنَا: انا کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مضارع حکم کا صیغہ ہے باب افعال کا ماضی نہیں ہے۔

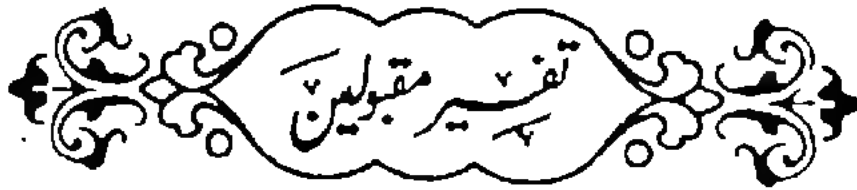
قولہ: مِنْ خِلَافٍ: من ابتدائیہ ہے گویا ابتدا کی طور پر قطع مخالف عضو سے تھا۔

قولہ: غلبها: اس میں اشارہ کیا کہ فی یہاں استعارۃ غلبی کے معنی میں آیا ہے۔

قولہ: اَلْتَقَّبَ عَلَى الزَّنْبَاعِ: یعنی اَلْحَيَوَةُ الدُّنْيَا میں نصب مجاز آویا ہے طرف کو مفعول کے مشابہ قرار دیا ہے۔

قولہ: اَلْعُلَى: یہ غلبہ کی جمع ہے جو کہ اعلیٰ کی مؤنث ہے اس لیے درجات کی مفت بنا تا درست ہے۔

قولہ: تَطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوبِ: یہ تینوں آیات ممکن ہے کہ ساحروں کا کلام ہو یا ابتدا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو۔



وَمِنْهَا خَلَقْنَاهُ وَفِيهَا نُعِيدُهُ ثُمَّ نَرْجِعُهُ تَارَةً أُخْرَى ۚ

ہر انسان کے خیر میں نطفہ کے ساتھ اس جگہ کی مٹی بھی شامل ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہوگا:

وَمِنْهَا خَلَقْنَاهُ وَفِيهَا کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا مخاطب اس کے سب انسان ہیں حالانکہ عام انسانوں کی پیدائش مٹی سے نہیں بلکہ نطفہ سے ہوئی بجز آدم علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش براہ راست مٹی سے ہوئی تو یہ خطاب یا تو اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ انسان کی اصل اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے واسطے سے سب کی تخلیق مٹی کی طرف منسوب کر دینا کچھ بعید نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر نطفہ مٹی ہی کی پیداوار ہوتا ہے اس لئے نطفہ سے تخلیق درحقیقت مٹی ہی سے تخلیق ہو گئی۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر انسان کی تخلیق میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مٹی شامل فرماتے ہیں اس لئے ہر

ایک انسان کی تخلیق کو براہ راست مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث اس پر شاہد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان پر رحم مادر میں اس جگہ کی مٹی کا کچھ جزء ڈالا جاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے۔ یہ حدیث ابو نعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا ہے: ہذا حدیث غریب من حدیث عون لم نکتبہ الا من حدیث عاصم بن نبیل و ہواحد الثقات الاعلام من اہل بصرہ، اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے اور عطا خراسانی نے فرمایا کہ جب رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے تو جو فرشتہ اس کی تخلیق پر مامور ہے وہ جا کر اس جگہ کی مٹی لاتا ہے جس جگہ اس کا دفن ہونا مقرر ہے اور یہ مٹی اس نطفہ میں شامل کر دیتا ہے اس لئے تخلیق نطفہ اور مٹی دونوں سے ہوتی ہے اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ **وَمِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ**۔ (ترجمہ)

تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کی ناف میں ایک جزء مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اس کے خیر میں شامل کی گئی تھی اور فرمایا کہ میں اور ابو بکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔ یہ روایت خطیب نے نقل کر کے فرمایا ہے کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث میرزا محمد حارثی بدخشی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید، ابو ہریرہؓ وغیرہ سے منقول ہیں۔ جن سے اس روایت کو قوت پہنچتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن (غیرہ) سے کم نہیں۔ (مظہری)

فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ لِإِسْحَاقَ مِثْلِهِ فَأَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝

فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ کو ممتا بلے کا چیلنج:

سفر فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔ ہم اس کے جواب میں ایک ایسا ہی زوردار جادو لا کر رہیں گے۔ سو تم اس کے لیے اپنے اور ہمارے درمیان ایک جگہ اور وقت مقرر کر لو جہاں ہمارا باہم مقابلہ ہو اور وہ ایسا کھلا مقام ہو جہاں سب لوگ اپنی کھلی آنکھوں اس مقابلہ کو اور اس کے نتائج کو دیکھ سکیں۔ تاکہ اس کے بعد ہماری جیت اور فتح کے ترانے گائے جائیں اور ہماری دھاک سب پر اور بھی زیادہ سختی اور پختگی کے ساتھ بیٹھ جائے۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ سب کچھ الٹا ہی کے خلاف جانے والا ہے اور ایسا کہ دھاک بیٹھنے کی بجائے اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ سو اللہ پاک کی مدد و عنایت اگر حاصل ہو تو خود دشمن کے ہاتھوں حق کے پھریرے لہرانے کا انتظام اسی طرح کرایا جاتا ہے۔ **فَكُنِ اللَّهْمَّ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا**۔ وَخُذْ جَوْفَرِيقَيْنِ کے لیے یکساں ہو اور دونوں طرف کے لوگ ایک معین وقت میں وہاں جمع ہوں۔ نہ تم اس کی خلاف ورزی کرو نہ ہم کریں۔ اور وہاں پر معاملہ سب کے سامنے اور پوری طرح واضح ہو جائے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُخْشَرَ النَّاسُ ضَحًى ۝

مقابلے کے لیے جشن کے دن کا تقرر:

سو حضرت موسیٰ نے فرعون کے اس مطالبے کے جواب میں فوراً اور بے دھڑک فرمایا کہ وعدے کا وقت جشن کا دن ہے۔ جس کو وہ لوگ جشن نوروز کے نام و عنوان سے سال کے شروع میں منایا کرتے تھے۔ (مراغی وغیرہ)۔ سو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ مقابلہ اسی دن رکھا جائے کہ اس روز لوگ خود بخود اور بڑی تعداد میں جمع ہوں گے اور نتیجہ سب کے سامنے آ جائے گا۔ اور حقیقت حال سب کے سامنے پوری طرح واضح اور آشکارا ہو جائے گی۔ سو حضرت موسیٰ کو اپنی کامیابی کا چونکہ پورا یقین تھا کہ آپ بہر حال حق پر تھے۔ اس لیے آپ نے فرعون کے اس مطالبے کے جواب میں بے دھڑک ارشاد فرمایا کہ مقابلے کا دن میلے کا دن ہوگا اور اس کے لیے وقت چاشت کا۔ کیونکہ میلے کا دن فرصت و فراغت کا دن ہوتا ہے۔ لوگ باسانی اور بڑی تعداد میں جمع ہو سکیں گے۔ اور چاشت کا وقت ایسے اجتماع کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا ہے۔ سو اس طرح حضرت موسیٰ نے بھی یہی چاہا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اکٹھے ہوں تاکہ فرعون کا ظلم سب لوگوں کے سامنے آشکارا ہو جائے۔ سو دونوں کے قول و قرار کے مطابق مقابلے کا دن طے ہو گیا۔

فَقَتُولِيْ فِرْعَوْنَ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ اَتَى ۝۱۰

جبکہ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو گئی، دن وقت اور جگہ بھی ہو گئی تو فرعون نے ادھر ادھر سے جادو گروں کو جمع کرنا شروع کیا اس زمانے میں جادو کا بہت زور تھا اور بڑے بڑے جادو گر موجود تھے۔ فرعون نے عام طور سے حکم جاری کر دیا تھا کہ تمام ہوشیار جادو گروں کو میرے پاس بھیج دو۔ مقررہ وقت تک تمام جادو گر جمع ہو گئے فرعون نے اسی میدان میں اپنا تخت نکلوایا اس پر بیٹھا تمام امراء و وزراء اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے رعایا سب جمع ہو گئی جادو گروں کی صفوں کی صفیں پر اباندھے تخت کے آگے کھڑی ہو گئیں۔ فرعون نے ان کی کمر ٹھونکنی شروع کی اور کہا دیکھو آج اپنا وہ ہنر دکھاؤ کہ دنیا میں یادگار رہ جائے۔ جادو گروں نے کہا کہ اگر ہم بازی لے جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ کہا کیوں نہیں؟ میں تو تمہیں اپنا خاص درباری بنالوں گا۔ ادھر سے کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تبلیغ شروع کی کہ دیکھو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامت اعمال برباد کر دے گی۔ لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ درحقیقت کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے بہت کچھ دکھا دو۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں جو فی الواقع کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ یاد رکھو ایسے جھوٹے بہتانی لوگ فلاح نہیں پاتے۔ یہ سن کر ان میں آپس میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ بعض تو سمجھ گئے اور کہنے لگے یہ کلام جادو گروں کا نہیں یہ تو سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے کہا نہیں بلکہ یہ جادو گر ہیں مقابلہ کرو۔ یہ باتیں بہت ہی احتیاط اور راز سے کی گئیں۔ اِنْ هٰذٰنِیْ کی دوسری قراءت (ان ہذین) بھی ہے مطلب اور معنی دونوں قراءتوں کا ایک ہی ہے۔ اب باواز بلند کہنے لگے کہ یہ دونوں بھائی سیانے اور پتچے ہوئے جادو گر ہیں۔ اس وقت تک تو تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہے بادشاہ کا قرب نصیب ہے مال و دولت قدموں تلے لوٹ رہا ہے لیکن آج اگر یہ بازی لے گئے تو ظاہر ہے کہ ریاست ان ہی کی ہو جائے گی تمہیں ملک سے نکال دیں گے عوام ان کے ماتحت ہو جائیں گے ان کا زور بند بندھ جائے گا یہ بادشاہت چھین لیں گے اور ساتھ ہی تمہارے مذہب کو ملیا میٹ کر دیں گے۔ بادشاہت عیش و آرام سب چیزیں تم سے چھین

جائیں گی۔ شرافت عظمیٰ ریاست سب ان کے قبضے میں آ جائے گی تم یونہی بھٹے بھونٹے رہ جاؤ گے۔ تمہارے اشراف ذلیل ہو جائیں گے امیر فقیر بن جائیں گے ساری رونق اور بہار جاتی رہے گی۔ بنی اسرائیل جو تمہارے لونڈی غلام بنے ہوئے تھے سب ان کے ساتھ ہو جائیں گے اور تمہاری حکومت پاش پاش ہو جائے گی۔ تم سب اتفاق کر لو۔ ان کے مقابلے میں صف بندی کر کے اپنا کوئی فن باقی نہ رکھو جی کھول کر ہوشیاری اور دانائی سے اپنے جادو کے زور سے اسے دبا لو۔ ایک ہی دفعہ ہر استاد اپنی کاری گری دکھا دے تاکہ میدان ہمارے جادو سے پر ہو جائے دیکھو اگر وہ جیت گیا تو یہ ریاست اسی کی ہو جائے گی اور اگر ہم غالب آ گئے تو تم سن چکے ہو کہ بادشاہ ہمیں اپنا مقرب اور دربار خاص کے اراکین بنا دے گا۔

قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّمَا اَنْتَ نٰثِقٌ وَاِنَّمَا اَنْتَ نٰثِقٌ ۝

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب بتاؤ تم اپنا دار پہلے کرتے ہو یا ہم پہل کریں؟ اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا تم ہی پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکال لو تاکہ دنیا دیکھ لے کہ تم نے کیا کیا اور پھر اللہ نے تمہارے کئے کو کس طرح مٹا دیا؟ اسی وقت انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں کچھ ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ کہنے لگے فرعون کے اقبال سے غالب ہم ہی رہیں گے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں خوفزدہ کر دیا اور جادو کے زبردست کرتب دکھا دیئے۔ یہ لوگ بہت زیادہ تھے۔ ان کی پھٹکنی ہوئی رسیوں اور لٹھیوں سے اب سارے کا سارا میدان سانپوں سے پر ہو گیا وہ آپس میں گڈنڈہ ہو کر اوپر تلے ہونے لگے۔ اس منظر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوفزدہ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ ان کے کرتب کے قائل ہو جائیں اور اس باطل میں پھنس جائیں۔ اسی وقت جناب باری نے وحی نازل فرمائی کہ اپنے دانے ہاتھ کی لکڑی کو میدان میں ڈال دو ہر اسان نہ ہو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ کے حکم سے یہ لکڑی ایک زبردست بے مثال اثر دھا بن گئی جس کے پیر بھی تھے اور سرب بھی تھا۔ کچلیاں اور دانت بھی تھے۔ اس نے سب کے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا۔ اس نے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا۔ اب سب پر حق واضح ہو گیا، معجزے اور جادو میں تمیز ہو گئی۔ حق و باطل میں پہچان ہو گئی۔ سب نے جان لیا کہ جادوگروں کی بناوٹ میں اصلیت کچھ بھی نہ تھی۔ فی الواقع جادوگر کوئی چال چلیں لیکن اس میں غالب نہیں آ سکتے۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے ترمذی میں بھی موقوفہ اور مرفوعاً مروی ہے کہ جادوگر کو جہاں پکڑو مار ڈالو، پھر آ پنے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ یعنی جہاں پایا جائے امن نہ دیا جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے وہ جادو کے فن میں ماہر تھے یہ یک نگاہ پہچان گئے کہ واقعی یہ اس اللہ کا کام ہے جسکے فرمان اٹل ہیں جو کچھ وہ چاہے اس کے حکم سے ہو جاتا ہے۔ اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں۔ اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے بادشاہ کی موجودگی میں وہ اللہ کے اللہ صبح کے وقت کافراور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مؤمن اور اللہ کی راہ کے شہید تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی یا ستر ہزار یا کچھ اوپر تیس ہزار یا انیس ہزار یا پندرہ ہزار یا بارہ ہزار۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ ستر تھے۔ صبح جادوگر شام کو شہید۔ مروی

ہے کہ جب یہ جہدے میں گرے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت دکھادی اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔
قَالَ امْنُتُمْ لَهُ قَبْلَ اَنْ اَذَنَ لَكُمْ

ایمان یافتہ جادوگروں پر فرعون کا عتاب:

اللہ کی شان دیکھنے چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس مقابلے کے لئے بلوایا تھا وہ عام مجمع میں ہارے۔ انہوں نے اپنی ہار مان لی اپنے کرتوت کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزہ تسلیم کر لیا۔ خود ایمان لے آئے جو مقابلے کے لئے بلوائے گئے تھے۔ مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انہوں نے دین حق قبول کر لیا۔ لیکن یہ اپنی شیطانیت میں اور بڑھ گیا اور اپنی قوت و طاقت دکھانے کا لیکن بھلا حق والے مادی طاقتوں کو سمجھتے ہی کیا ہیں؟ پہلے تو جادوگروں کے اس مسلم کردہ سے کہنے لگا کہ میری اجازت کے بغیر تم اس پر ایمان کیوں لائے؟ پھر ایسا بہتان باندھا جس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو تمہارے استاد ہیں انہی سے تم نے جادو سیکھا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی ہو مشورہ کر کے ہمیں تاراج کرنے کے لئے تم نے پہلے انہیں بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آئے ہو اور اپنے اندر دینی سمجھوتے کے مطابق سامنے ہار گئے ہو اور اسے جتا دیا اور پھر اس کا دین قبول کر لیا تاکہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی چکر میں پھنس جائے مگر تمہیں اپنی اس ساز باز کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ میں انہی سیدھی طرف سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسروں کے لئے عبرت بنو۔ اسی بادشاہ نے سب سے پہلے یہ سزا دی ہے۔ تم جو اپنے آپکو ہدایت پر اور مجھے اور میری قوم کو گمراہی پر سمجھتے ہو اس کا حال تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے اس دھمکی کا ان دلوں پر الٹا اثر ہوا۔ وہ اپنے ایمان میں کامل بن گئے اور نہایت بے پرواہی سے جواب دیا کہ اس ہدایت و یقین کے مقابلے میں جو ہمیں اب اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول کرنے کے نہیں۔ نہ تجھے ہم اپنے سچے خالق مالک کے سامنے کوئی چیز سمجھیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ قسم و یمنی اس اللہ کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا ہے ہم ان واضح دلیلوں پر تیری کمرابی کو ترجیح دے ہی نہیں سکتے خواہ تو ہمارے ساتھ کچھ ہی کر لے مستحق عبادت وہ ہے جس نے ہمیں بنایا نہ کہ تو، جو خود اسی کا بنایا ہوا ہے۔ تجھے جو کرنا ہو اس میں کمی نہ کرتو تو ہمیں اسی وقت تک سزا دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا کی حیات کی قید میں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہوگی۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے اگلے قصوروں سے درگزر فرمائے گا بالخصوص یہ قصور جو ہم سے اللہ کے سچے نبی کے مقابلے پر جادو بازی کرنے کا سرزد ہوا ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے لے کر انہیں جادوگروں کے سپرد کیا تھا کہ انہیں جادو کی پوری تعلیم دو اب یہ لڑکے یہ مقولہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے ہم سے جبراً جادوگری کی خدمت لی۔ حضرت عبدالرحمن بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا ہمارے لئے بہ نسبت تم سے اللہ بہت بہتر ہے اور دائمی ثواب دینے والا ہے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں سے ڈرنے تیرے انعام کی لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علی اس الٰہوت ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے۔ اسی کے عذاب دائمی ہیں اور سخت خطرناک ہیں اگر اس کی نافرمانی کی

جائے۔ پس فرعون نے بھی ان کے ساتھ یہ کیا سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا وہ جماعت جو سورج کے نکلنے کے وقت کافر تھی وہی جماعت سورج ڈوبنے سے پہلے مؤمن اور شہید تھی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ۝

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جادو گروں نے ایمان قبول فرما کر فرعون کو جو نصیحتیں کیں انہیں میں یہ آئیں بھی ہیں۔ اسے اللہ کے عذاب کے عذابوں سے ڈرا رہے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا لالچ دلا رہے ہیں کہ گنہگاروں کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں موت تو کبھی آنے ہی کی نہیں لیکن زندگی بھی بڑی مشقت والی موت سے بدتر ہوگی۔ جسے فرمان ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفَ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ۝ یعنی نہ موت آئے گی نہ عذاب ہلکے ہوں گے کافروں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور آیتوں میں ہے: وَ يَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝ (الاعلیٰ) یعنی اللہ کی نصیحتوں سے بے فیض وہی رہے گا جو اذلی بد بخت ہو جو آخر کار بڑی سخت آگ میں گرے گا جہاں نہ تو موت آئے نہ چین کی زندگی نصیب ہو۔ اور آیت میں ہے کہ جہنم میں جھلتے ہوئے کہیں گے کہ اے داروغہ دوزخ تم دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت ہی دے دے لیکن وہ جواب دے گا کہ نہ تم مرنے والے ہو نہ نکلنے والے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اصل جہنمی تو جہنم میں ہی پڑے رہیں گے نہ وہاں انہیں موت آئے نہ آرام کی زندگی ملے ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے جان نکل جائے گی پھر شفاعت کی اجازت کے بعد ان کا چورا نکالا جائے گا اور جنت کی نہروں کے کناروں پر بکھیر دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو تو جس طرح تم نے نہر کے کنارے کے کھیت کے دانوں کو اگتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح وہ اگیں گے۔ یہ سن کر ایک شخص کہنے لگے حضور ﷺ نے مثال تو ایسی دی ہے گویا آپ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خطبے میں اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے یہ فرمایا تھا۔ اور جو اللہ سے قیامت ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جا ملا اسے اونچے بالا خانوں والی جنت ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت کے سو درجوں میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں۔ سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اسی سے چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں اس کی چھت رحمان کا عرش ہے اللہ سے جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کرو۔ (ترمذی وغیرہ) ابن ابی حاتم میں ہے کہ کہا جاتا تھا کہ جنت کے سو درجے ہیں ہر درجے کے پھر سو درجے ہیں دو درجوں میں اتنی دوری ہے جتنی آسمان و زمین میں۔ ان میں یا قوت اور موتی ہیں اور زیور بھی۔ ہر جنت میں امیر ہے جس کی فضیلت اور سرداری کے دوسرے قائل ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اعلیٰ علیین والے ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے تم لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ لوگوں نے کہا پھر یہ بلند درجے تو نبیوں کے لئے ہی مخصوص ہونگے؟ فرمایا سنو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے نبیوں کو سچا جانا۔ سنن کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابو بکر و عمر انہی میں سے ہیں۔ اور کتنے ہی اچھے مرتبے والے ہیں۔ یہ جنتیں ہیبت کی اقامت ہیں جہاں یہ ہمیشہ ابد الاباد رہیں گے۔ جو لوگ اپنے نفس پاک رکھیں گناہوں سے۔ خباثت سے۔ گندگی سے۔ شرک و کفر سے دور رہیں۔ اللہ واحد کی عبادت کرتے رہیں۔ رسولوں کی اطاعت میں عمر گزار دیں ان کے لئے یہی قابل رشک مقامات اور قابل صد مبارکباد انعام ہیں۔ (ابن ماجہ وغیرہ)

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج، فرعون کا تعاقب اور اس کی عنفرتابی:

(ربط) گزشتہ آیات میں ساحرین کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر تھا کہ کھلے میدان میں دن دھاڑے مقابلہ ہوا اور فرعون کو شکست فاش ہوئی اور ساحرین مشرف باسلام ہو گئے تو بنی اسرائیل کا پہلا بھاری ہو گیا۔ اور فرعون ڈر گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کا سلسلہ شروع ہو گیا چند ہی سال میں موسیٰ علیہ السلام کے قبیعین کافی تعداد میں ہو گئے مگر چند روز کے بعد لوگوں نے پھر فرعون کو دعوائے الوہیت اور سابق ظلم و تشدد پر آمادہ کیا تو حسب سابق اس نے پھر وہی ظلم و ستم شروع کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے لگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پڑ جائے کہ وہ مولود جس کی نجویوں نے خبر دی تھی وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فرعون نے پھر قتل کا بازار گرم کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ان مظالم کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کا حکم دیا اور فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم سب ملک شام چلے جائیں اور فرعون کو متنبہ کرنے کے لیے طرح طرح کے نشانات رکھاتے رہے۔ جیسے طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع اور دم وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فرعون جب کوئی نشان دیکھتا تو ڈر جاتا اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کے رفع کے لیے درخواست کرتا اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کر لیتا۔ مگر جب وہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو جاتی تو پھر مکر جاتا۔ بیس سال اسی حالت میں گزر گئے نہ ایمان لایا اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر آمادہ ہوا اور اس طویل وعریض برت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی نشانیاں دکھائی گئیں سب کی تکذیب کی۔

کہا قال اللہ تعالیٰ: وَلَقَدْ آرَيْنَا آيَاتِنَا كُلَّهَا فَنَكَّبَ وَابَتَىٰ ۖ

پس جب حق جل شانہ کی طرف سے حجت پوری ہو گئی اور جرم کا پتہ نہ لبریز ہو گیا تو نت آ گیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ہنجر سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے غرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہو جانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اس خارق عادات طریقہ سے بصد ہزار ذلت و خواری غرق ہو جانا کرشمہ قدرت اور معجزہ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شام چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارے خاندانوں میں کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو جب حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہو گئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا

لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں۔ تو ان سے اپنے آدمیوں کو ان دریائی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی بولے کہ یہ سب مصر فیض منجور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے پیچ پہنچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہو گیا۔ اور وہ بد بخت مع اپنی قوم کے غرق ہو گیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق کیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا۔ اب اس رکوع میں فرعون کے مال اور انجام کو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون ہاوجودیکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تکبر اور تجبر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذا میں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور وہ چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دیا۔ جس میں نہ پانی ہو اور نہ کچھ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستہ بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

لَمَّا كَانَ كُلُّ فِرْعَوْنَ كَالظُّلُمِ الْعَظِيمِ ۝

چونکہ علم الہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم سیدھے چلے جانا نہ تو پکڑے جانے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہوگا اور نہ یہ خوف ہوگا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آ کر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہولیا۔ پس جب تمام لشکر دریا کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہو گیا تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آ ملا۔ اور سب غرق ہو گئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا: وَمَا

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ بِدُعَائِهِمْ إِلَى عِبَادَتِهِ وَمَا هَدَى ٥ بَلْ أَوْقَعَهُمْ فِي الْهَلَاكِ خِلَافَ قَوْلِهِ وَمَا أَهْدَيْكُمْ
إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ لِيُنَبِّئَ إِسْرَءِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَذَابِكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ فِرْعَوْنَ بِإِغْرَاقِهِ جَانِبَ الظُّلُمِ الْأَيْسَرِ
فَوُتِّي مُوسَى النُّورَةَ لِلْعَمَلِ بِهَا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ الْمَنَّ وَالتَّلْوِي ٥ هُمَا التَّرْتِجِيئُ وَالطَّبِيرُ السَّمَائِيُّ بِشُخْبَيْنِ
الْمِيمِ وَالْقَصْرِ وَالْمُنَادَى مَنْ وَجَدَ مِنَ الْيَهُودِ مَنْ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُوطِبُوا بِمَا أَنْفَعَهُمْ
بِهِ عَلَى أَجْدَادِهِمْ مَنْ النَّبِيِّ مُوسَى تُؤْتِيَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى لَهُمْ كُلُّوا مِنْ كَلْبَتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ أَيِ الْمُنْعَمِ بِهِ
عَلَيْكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ بَأَنْ تُكْفُرُوا الْمُنْعَمِ بِهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي بِكُسْرِ الْحَاءِ أَيْ يَجِبُ وَبِضْمِّهَا
يَنْزِلُ وَمَنْ يَحِلُّ عَلَيْهِ غَضَبِي بِكُسْرِ اللَّامِ وَضَعَهَا فَقَدْ هَوَى ٥ سَقَطَ فِي النَّارِ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ مِنْ
الشِّرْكِ وَآمَنَ وَخَدَّ اللَّهُ وَعَمِلَ صَالِحًا يُصْدِقُ بِالْفُرْصِ وَالتَّغْلِ ثُمَّ أَهْدَى ٥ بِاسْتِزَارِهِ عَلَى مَا ذَكَرَ
إِلَى مَوْتِهِ وَمَا أَغْنَاكَ عَنْ قَوْمِكَ لِمَجِيئِهِ مِيعَادِ أَخَذِ الثُّورَةَ يُوسَى ٥ قَالَ هُمْ أَوْلَاءُ أَيْ بِالْقُرْبِ مِنِّي
يَأْتُونَ عَلَى أَكْثَرِي وَعَمِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ٥ عَنِّي أَيْ زِيَادَةً عَلَى رِضَاكَ وَقَبْلَ الْجَوَابِ أَتَى بِالِإِعْتِدَارِ
بِحَسْبِ ظَنِّهِ وَتَخَلَّفَ الْمُظْطَرُونَ كَمَا قَالَ تَعَالَى فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ أَيْ بَعْدَ فِرَاقِكَ لَهُمْ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ٥ فَعَبَدُوا الْعِجْلَ فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ مِنْ جَهَنَّتِهِمْ أَسْفَاءَ شَدِيدِ الْحُزْنِ
قَالَ يَقُولُ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا ٥ أَيْ صِدْقًا أَنَّهُ يُعْطِيَكُمْ الثُّورَةَ أَقْطَالَ عَلَيْكُمْ الْعَهْدُ مَدَّةُ
مُفَارَقَتِي إِيَّاكُمْ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلَّ يَجِبُ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّكُمْ بِعِبَادَتِكُمُ الْعِجْلَ فَأَخْلَفْتُمْ
لَكِنَّا حَمَلْنَا بِفُتْحِ الْحَاءِ مُحَقِّقًا وَبِضْمِّهَا وَكُسْرِ الْمِيمِ مُشَدَّدًا أَوَّارًا أَنْقَالًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ أَيْ حُلِيِّ
قَوْمِ فِرْعَوْنَ اسْتَعَارَ هَامِئُهُمْ بَنُو إِسْرَءِيلَ بِعَلَّةٍ غَرِيسٍ فَبَيَّضَتْ عَنْدهُمْ فَقَدْ قُنْهَ طَرَحْنَاهَا فِي النَّارِ بِأَمْرِ
السَّامِرِيِّ فَكَذَلِكَ كَمَا أَقْنَا أَلَى السَّامِرِيِّ ٥ مَانَعَهُ مِنْ حُلِيِّهِمْ وَمِنْ التُّرَابِ الَّذِي أَخَذَهُ مِنْ أَمْرِ
خَافِرٍ فَرِيسٍ جَبْرِئِيلَ عَلَى الْوَجْهِ الْأَيْ فَاخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا صَاعَهُ لَهُمْ مِنَ الْحُلِيِّ جَسَدًا لِحَمَاوَدَ مَا لَهُ

أَمْ أَى صَوْتٍ يَسْمَعُ أَى انْقَلَبَ كَذَلِكَ بِسَبَبِ الشَّرَابِ الَّذِى أَثَرُهُ الْحَيَاةُ فِيمَا يُوضَعُ فِيهِ وَوَضَعُهُ
بَعْدَ صَوْعِهِ فِي قَبْرِهِ فَقَالُوا أَى الشَّامِرِىُّ وَاتَّبَاعُهُ هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى فَقَسَعُوا ۖ مُوسَى رَبُّهُ هُنَا وَذَهَبَ
بِعَلْبِهِ قَالَ تَعَالَى أَفَلَا يَرَوْنَ مُخَفَّفَةً مِنَ النَّفِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَى أَنَّهُ أَلَّا يَرْجِعَ الْعِجْلُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا
أَى لَا يَرُدُّهُمْ جَوَابًا وَلَا يَسْئَلُ لَهُمْ مَسْرًا أَى دَفْعَهُ وَلَا تَفْعَالًا ۖ أَى جَلْبَهُ أَى فَكَيْفَ يَتَّخِذُ إِلَهَا

ع ۱۳

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ (سرزمین مصر سے ان اسیر
میں ہنزہ قلعی اور ماخوذ ہے۔ یہ اسری سے یا ہنزہ وصلی ہے اور ان کے نون کو کسرہ ہے اسی صبرت میں ماخوذ ہوگا
سری پسری سے۔ بہر حال یہ دو لغت ہیں اسری و سزی۔ اسری کی صورت میں لازم ہوگا اور سری کا تعدیہ با
کے ساتھ کرنا ہوگا) پھر ان کیلئے سمندر میں خشک راستہ بنا لیا (یعنی سمندر پر اپنی لائھی مارو، ہم سمندر میں راستہ بنا
دیں گے۔ حضرت موسیٰ نے حسب حکم سمندر پر اپنی لائھی ماری۔ جس کے نتیجہ میں اس سے خشک راستہ نکل آیا اور یہ
سب کے سب بہولت اس سمندر کو عبور کر گئے۔ نہ تو تم کو تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو خوف ہوگا) (یعنی نہ تو فرعون تم
کو پکڑ سکے گا اور نہ تمہیں ڈوب جانے وغیرہ کا خوف ہوگا) پھر فرعون نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا (پیچھا کرنے
والوں میں خود فرعون بھی ساتھ تھا) تو دریا جیسا ان پر ملنا تھا آلا (یعنی جب فرعون نے تعاقب کرتے ہوئے اس
خشک راستہ سے گزرنا چاہا۔ جس سے موسیٰ علیہ السلام گزرے تھے تو وہ سمندر کا راستہ ختم ہو کر ایک جانب کا پانی
دوسری جانب سے جا ملا جس کے نتیجہ میں وہ غرق ہو گیا) اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا تھا (اپنی عبادت کرا
کے) اور سیدمی راہ پر تالا لیا (یعنی ان کو ہلاک کر دیا۔ اور اپنے اس وعدہ کے خلاف کیا کہ ہم تمہیں سیدمی راہ کی
طرف لے جا رہے ہیں) اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی فرعون سے اسے غرق کر کے
اور تم سے وعدہ کیا طور سے داہنی جانب سے متعلق (یعنی تمہارے لئے احکام نازل کرنے کا وعدہ ہے۔ سو ہم موسیٰ کو
توریت دیں گے تاکہ تم اس کے مطابق عمل کرو) اور تمہارے اوپر من و سلویٰ اتار (یعنی ترنجبین اور شیر، سمائی میں میم
مخفف ہے اور اخیر میں الف مقصورہ اور یا بنی اسرائیل میں منادی ہر وہ یہودی ہے جو آنحضور کے دور میں موجود تھا۔
ذکر ان نعمتوں کا کیا کیا جو یہود کے آباؤ اجداد پر حضرت موسیٰ کے زمانے میں کی گئی تھیں۔ گویا یہ تمہید ان مضامین
کیلئے جو آئندہ آنے والے ہیں) ان نفیس چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس باب میں حد سے مت
گزر جاؤ (کفران نعمت کر کے) ورنہ تم پر میرا غضب واقع ہو جائے گا) فیحل اگر ما کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو
بجب کے معنی میں ہوگا۔ کہ میرا غضب تمہارے لئے ضروری ہو گیا اور اگر ما کو پیش پڑھیں تو یینزل کے معنی میں ہوگا
کہ میرا غضب تم پر نازل ہوگا) اور جس پر میرا غضب واقع ہوا (یہاں بھی بحل کے جاء کو کسرہ اور ضمہ دونوں ہو سکتا

ہے اور اسی کے مطابق معنی ہوں گے) وہ یقیناً گر کر رہا (یعنی جہنم میں پہنچ گیا) اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں، اس کو توبہ کرنے (شرک سے) اور ایمان لے آئے (یعنی خدا کی وحدانیت کا اقرار کرے) اور نیک عمل کرنے لگے۔ راہ پر قائم رہے (یعنی جو فرائض و نوافل کا اہتمام رکھے اور تاحیات اس پر جما بھی رہے) اور اسے موسیٰ آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا (یعنی توریت کے ملنے کی مدت آتے ہی قوم کو پیچھے چھوڑ کر تم نے اتنی جلدی کیوں کی) عرض کی کہ وہ لوگ تو میرے پیچھے ہیں (یعنی وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں) اور میں تو آپ کے پاس پروردگار (جلدی اس وجہ سے چلا آیا تاکہ آپ خوش ہو جائیں) (یعنی میں نے آنے میں جلدی اس وجہ سے کی تاکہ آپ کی مزید خوشنودی مجھے حاصل ہو جائے اور انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ کہہ دیا کہ وہ تو میرے پیچھے آرہے ہیں۔ اسی کو خدا تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ کہ) تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے (تمہارے ان سے جدا ہونے کے بعد) انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے (اور ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے) غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے (اپنی قوم کی اس حرکت پر) بولے اے میری قوم والو! کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا (توریت کے دینے کا) سو کہا تم پر زیادہ زمانہ گزر گیا تھا (مجھ سے جدائی کا) یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے (اس وجہ سے تم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی) اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی (اور میرے پیچھے پیچھے تم نہیں آئے) وہ کہنے لگے ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں کی (ملکنا کے یم میں فتح، کسرہ، ضمہ تینوں اعراب ہیں) البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم کے زیوروں سے بوجھ لدرہانا (یعنی فرعون کی قوم کے زیورات جو اسرائیلیوں نے عرس کے موقع پر ان سے عاریہ لئے تھے وہ اب تک انہیں کے پاس تھے) سو ہم نے اسے ڈال دیا (آگ میں سامری کے حکم سے) پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا (یعنی اس نے بھی وہ زیورات جو اس کے پاس تھے آگ میں ڈال دیئے اور ساتھ ہی وہ مٹی بھی جو اس نے زمین سے جبریل کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے لی تھی) پھر اس نے ان لوگوں کیلئے ایک بچھڑا ظاہر کیا (جو زیورات سے ڈھالا گیا تھا) کہ وہ ایک قالب تھا (گوشت اور خون کا) جس میں ایک آواز تھی (اور یہ انقلاب اس مٹی کے نتیجے میں پیدا ہوا جس میں حیات کے آثار پائے جاتے تھے اور جسے ڈھانچہ تیار کر نیکی بعد اس کے منہ میں ڈال دیا گیا تھا) وہ کہنے لگے (یعنی سامری اور اس کے متبعین) کہ یہی تو ہے تمہارا اور موسیٰ کا معبود۔ سو وہ تو اسے بھول گئے (یعنی موسیٰ تو دھوکہ میں ہیں وہ اس کو یہیں بھول گئے اور نہ معلوم کہاں ڈھونڈنے کیلئے چلے گئے) کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے (ان مخففہ من المثلہ ہے۔ اور ان کا اسم مخدوف ہے اصل عبارت ہے انہ) کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا نفع پر قدرت رکھتا ہے (یعنی انہیں اتنا بھی ہوش نہیں کہ وہ بچھڑا نہ ان کی باتوں کا

جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نفع و نقصان میں شریک نہ پھر کس طرح وہ اسے معبود بنا بیٹھے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: اجْعَلْ: ضرب کا متنی جعل سے کیا۔ عرب لوگ کہتے ہیں: ضرب لہ سہماً یعنی اس کے لیے مال کا حصہ مقرر کیا۔

قوله: نِيَسَا: یہ نایسا کے معنی میں ہے اور یہ مصدر ہے بطور مبالغہ اس کو وصف کے لیے لائے ہیں۔

قوله: لَا تَخَفْ: یہ مامور سے حال ہے یعنی اس حال کے تم فرعون کے پانے سے امن میں ہو۔

قوله: وَهُمْ مَغْهُومٌ: فرعون نے لشکر کی قیادت میں ان کا پیچھا کیا۔ اس میں ب زائدہ ہے۔

قوله: جَانِبَ الظُّورِ: یہ موصوف الاعمین مفت ہے۔

قوله: تَوْطِئَةً: اس میں مجاز کو حقیقت کے مقابلے میں اختیار کرنے کی وجہ بتلائی کہ یہ تمہید ہے اور اظہار کی ضرورت نہیں۔

قوله: الشُّعْمُ: یہ اس سے اشارہ کیا کہ مامولہ ہے کیونکہ مصدر یہ یہاں ماننا درست نہیں۔

قوله: مِنَ الْبَيْتِ: یہ قید بڑھائی تاکہ عمل صالح اور اس میں تقاض نہ رہے، اور اس کے بعد ٹھہرا ہوا لاکر استمرار علی الایمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

قوله: لِمَجِيئِهِ: بیغاد: اس میں اللہ کی طرف سے غلبت کے سبب کا سوال کیا گیا تھا جس کے ضمن میں نفس کی کمی اور قوم کی غفلت اور تعظیم کا ایہام بھی تھا اس لیے موسیٰ کا جواب دونوں چیزوں کے لحاظ سے ہے۔

قوله: بِالْفُزْبِ: اس سے اشارہ کیا کہ موسیٰ نے جواب دیا کہ میں ان سے چند قدم ہی آگے بڑھا ہوں جیسے دوستوں میں ایسا ہوتا ہے کہ چلنے میں وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

قوله: لِيَتَرَفَّحَ: یعنی تیرے حکم کی طرف مسارعت تیری رضامندی کو لازم کرنے والی ہے۔

قوله: زِيَادَةً عَلَى رِضَاكَ: اس سے اس اعتراض کو دور کیا کہ نبوت تو خود رضا کو لازم ہے۔ بعض نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کمان کے مطابق بات فرمائی۔

قوله: نَتَّخِذُكَ: یہ اسی طرح ہے جیسے ثم اتخذتم العجل اس میں ہم نے لکھ دیا۔

قوله: مَذَّةٌ مُفَارِقَتِي: اس سے اشارہ کیا کہ الْعَهْدُ میں الف لام اضافت کے بدلے میں ہے۔

قوله: مَوْسَى رَبَّهُ: اس میں اشارہ کیا کہ أَفَلَا يَرَوْنَ سے آگے کلام یہ باری تعالیٰ کا ہے اور ان مُحَقِّقَةً مِنَ النَّبِيلَةِ ہے۔

تفسیر مقبولین

يُنْفِئُ إِسْرَاءَ يَلْ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَذَابِكُمْ وَأَعَدَّ لَكُمْ جَانِبَ الظُّورِ الْآيَاتِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى ٥

احسان کی یاد دہانی:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو بڑے بڑے احسان کئے تھے انہیں یاد دلایا ہے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انہیں ان کے دشمنوں سے نجات دی۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کو ان کے دیکھتے ہوئے دریا میں ڈبو دیا۔ ایک بھی ان سے بات نہ بچا جسے فرمان ہے: **وَاعْرِضْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَانْتَهُ تَنْظُرُونَ** ۵ یعنی ہم نے تمہارے دیکھتے ہوئے فرعون کو دیا۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے کے یہودیوں کو عاشورے کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس کا سبب معلوم فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر کامیاب پڑا آپ نے فرمایا پھر تو ہمیں بہ نسبت تمہارے ان سے زیادہ قرب ہے چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو کوہ طور کی دامن جانب کا وعدہ دیا۔ آپ وہاں گئے اور چچے سے بنو اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ جس کا بیان ابھی آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح ایک احسان ان پر یہ کیا کہ من و سلوی کھانے کو دیا اس کا بیان سورۃ بقرہ وغیرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے من ایک میٹھی چیز تھی جو ان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلوی ایک قسم کا پتھر تھا جو بہ حکم خداوندی ان کے سامنے آ جاتے تھے یہ ہر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے۔ ہماری یہ دی ہوئی روزانہ کھاؤ اس میں حد سے نہ گزر جاؤ حرام چیز یا حرام ذریعہ سے اسے نہ طلب کرو۔ ورنہ میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترے یقیناً مالو کہ وہ بد بخت ہو گیا۔ حضرت فضی بن مافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے جو کافر کو جہنم میں گرایا جاتا ہے تو زنجیروں کی جگہ تک چالیس سال میں پہنچتا ہے یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ وہ گڑھے میں پڑا۔ ہاں جو بھی اپنے گناہوں سے میرے سامنے توبہ کرے میں اس کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ دیکھو بنی اسرائیل میں سے جبریل نے بھڑے کی پوجا کی تھی ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ غرض جس کفر و شرک گناہ و معصیت پر کوئی ہو اور اسے بخوف الہی چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے ہاں دل میں ایمان اور اعمال صالحہ بھی کرنا ہو اور ہو بھی رادرات پر۔ شکی نہ ہو سنت رسول اور جماعت صحابہ کی روش پر ہو اس میں ثواب جانتا ہو یہاں پر ثم کا لفظ خبر کی خبر پر ترتیب کرنے کے لئے آیا ہے جیسے فرمان: **ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالْحُسْنِ وَتَوَاصَوْا بِالْمُحْسَنَاتِ** (البلد)

بنی اسرائیل کا دریا پار حبان:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا پار کر کے نکل گئے تو ایک جگہ پہنچے جہاں کے لوگ اپنے جوں کے بھادور بن کر بیٹھے ہوئے تھے بنی اسرائیل کہنے لگے موسیٰ ہمارے لئے بھی ان کی طرح کوئی معبود مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا تم بڑے جاہل لوگ ہو یہ توبہ شدہ لوگ ہیں اور ان کی عبادت بھی باطل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیس روزوں کا حکم دیا۔ پھر دس بڑا حدیث گئے پورے چالیس ہو گئے دن رات روزے سے رہتے تھے اب آپ جلدی سے طور کی طرف چلے بنی اسرائیل پر اپنے بھائی ہارون کو غلط مقرر کیا۔ وہاں جب پہنچے تو جناب باری تعالیٰ نے اس جلدی کی وجہ دریافت فرمائی۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ بھی طور کے قرب ہی ہیں آ رہے ہیں میں نے جلدی کی ہے کہ تیری رضا مندی حاصل کر لوں اور اس میں بڑھ جاؤں۔

قَالَ قَالًا قَدْ قَتَلْنَا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَخْلَاهُمُ الشَّامِيُّ ۝

موسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر شرک:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے چلے آنے کے بعد تیری قوم میں نیا فتنہ برپا ہوا اور انہوں نے گوسالہ پرستی شروع کر دی ہے اس پھڑے کو سامری نے بنایا اور انہیں اس کی عبادت میں لگا دیا ہے اسرائیلی کتابوں میں ہے کہ سامری کا نام بھی ہارون تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمانے کے لئے تورات کی تختیاں لکھ لی گئی تھیں جیسے فرمان ہے: وَكُتِبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَ تَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُوذِيَكَ دَارُ الْقَاسِيَيْنِ ۝ (الاعراف) یعنی ہم نے اس کے لئے تختیوں میں ہر شے کا تذکرہ اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی تھی اور کہہ دیا کہ اسے مضبوطی سے تمام لو اور اپنی قوم سے بھی کہو کہ اس پر عمل کیے سے عمل کریں۔ میں تمہیں عنقریب قاستوں کا انجام دکھا دوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اپنی قوم کے شرک کا نہ فعل کا علم ہوا تو سخت رنج ہوا اور غم و غصے میں بھرے ہوئے وہاں سے واپس قوم کی طرف چلے کہ دیکھو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے باوجود ایسے سخت احقانہ اور شرکانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ غم و اندوہ رنج و غصہ آپ کو بہت آیا۔ واپس آتے ہی کہنے لگے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے تمام نیک وعدے کئے تھے تمہارے ساتھ بڑے بڑے سلوک و انعام کئے لیکن ذرا سے وقفے میں تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے بلکہ تم نے وہ حرکت کی جس سے اللہ کا غضب تم پر اتر پڑا تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا مطلق لحاظ نہ رکھا۔ اب بنی اسرائیل محذرت کرنے لگے کہ ہم نے یہ کام اپنے اختیار سے نہیں کیا بات یہ ہے کہ جو زیور فرعونوں کے ہمارے پاس مستعار لئے ہوئے تھے ہم نے بہتر ہی سمجھا کہ انہیں پھینک دیں چنانچہ ہم نے سب کے سب بطور پرہیزگاری کے پھینک دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت ہارون علیہ السلام نے ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلا کر ان سے فرمایا کہ وہ زیور سب اس میں ڈال دو۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ سب زیور ایک جگہ جمع کر ایک ڈال بن جائے پھر جب موسیٰ علیہ السلام آجائیں جیسا وہ فرمائیں کیا جائے۔ سامری نے اس میں وہ مٹی ڈال دی جو اس نے اللہ کے قاصد کے نشان سے لی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا آئیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میری خواہش قبول فرمالے آپ کو کیا خبر تھی آپ نے دعا کی اس نے خواہش یہ کی کہ اس کا ایک پھڑا بن جائے جس میں سے پھڑے کی سی آواز بھی نکلے چنانچہ وہ بن گیا اور بنی اسرائیل کے فتنے کا باعث ہو گیا پس فرمان ہے کہ اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام ایک مرتبہ سامری کے پاس سے گزرے وہ اس پھڑے کو ٹھیک ٹھاک کر رہا تھا۔ آپ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا وہ چیز بنا رہا ہوں جو نقصان دے اور نفع نہ دے۔ آپ نے دعا کی اے اللہ خود اسے ایسا ہی کر دے اور آپ وہاں سے تشریف لے گئے سامری کی دعا سے یہ پھڑا بنا اور آواز نکالنے لگا۔ بنی اسرائیل بہکا دے میں آگئے اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ اس کے سامنے سجدے میں گر پڑتے اور دوسری آواز پر سجدے سے سرائٹاتے۔ یہ گروہ دوسرے مسلمانوں کو بھی بہکانے لگا کہ دراصل اللہ یہی ہے موسیٰ بھول کر اور کہیں اس کی جستجو میں چل دیئے ہیں وہ یہ کہنا بھول گئے کہ تمہارے رب یہی ہیں۔ یہ لوگ مجاور بن کر اس کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ان کے دلوں میں اس کی محبت رچ گئی۔ یہ معنی بھی ہو

کہتے ہیں کہ سامری اپنے سچے اللہ اور اپنے پاک دین اسلام کو بھول بیٹھا۔ ان کی بیوقوفی دیکھئے کہ یہ اتنا نہیں دیکھتے کہ وہ بھڑا
محض بے جان چیز ہے ان کی بات کا نہ تو جواب دے نہ سنے نہ دنیا آخرت کی کسی بات کا اسے اختیار نہ کوئی نفع نقصان اس کے
ہاتھ میں۔ آواز جو نکلتی تھی اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ پیچھے کے سوراخ میں سے ہوا گزر کر منہ کے راستے نکلتی تھی اسی کی آواز زانی
تھی۔ اس بھڑے کا نام انہوں نے بہوت رکھ چھوڑا تھا۔ ان کی دوسری حماقت دیکھئے کہ چھوٹے گناہ سے بچنے کے لئے بڑا گناہ
کر لیا۔ فرعون کی امانتوں سے آزاد ہونے کے لئے شرک شروع کر دیا۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ کسی عزائی نے عبد اللہ بن عمر
سے پوچھا کہ کپڑے پر اگر پھر کا خون لگ جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ان عراقیوں کو دیکھو بہت رسول اللہ
ﷺ کے سخت جگر کو تو قتل کر دیں اور پھر کے خون کے مسئلے پوچھتے پھریں؟

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ أَيْ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ مُوسَى يَقَوْمُ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي
فِي عِبَادَتِهِ وَاطِيعُوا أَمْرِي ۝ فِيهَا قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ نَزَّالَ عَلَيْهِ عِلَفَيْنِ عَلَى عِبَادَتِهِ مُقِيمَيْنِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا
مُوسَى ۝ قَالَ مُوسَى بَعْدَ رُجُوعِهِ يَهُودُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝ بِعِبَادَتِهِ إِلَّا تَتَّبِعُنَّ لِرَأْسِهِ
أَفَقَصَيْتَ أَمْرِي ۝ يَا نَاسِيتَ بَيْنَ مَنْ يَعْبُدُ غَيْرَ اللَّهِ قَالَ هَؤُلَاءُ يَبْنُونَ بِكُفْرِ الْمَيْمِ وَفَتَحَهَا أَرَادَ أَمْرِي
ذِكْرَهَا أَغْطَى لِقَلْبِهِ لَا تَأْخُذْ بِالْحَقِيقَةِ وَكَانَ أَخَذَهَا بِشِمَالِهِ وَلَا بِرَأْسِي ۝ وَكَانَ أَخَذَ شَعْرَةً بِمِصْبِي غَضًا
إِلَى خَشِيئَتِكَ لَوْ أَتَيْتُكَ وَلَا بَدَأَ تَتَّبِعُنِي جَمْعٌ مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدِ الْعِجْلَ أَنْ تَقُولَ فَزَوَّيْتُ بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَ
تَغَضَّبَ عَلَيَّ وَلَمْ تَرْقُبْ تَنْتَظِرْ قَوْلِي ۝ فَيَمَارِئْتَهُ فِي ذَلِكَ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ شَأْنُكَ الدَّاعِي إِلَى مَا صَنَعْتَ
يَسَامِرِي ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَنْبُصُرُوا بِالْبَاءِ وَالنَّاءِ أَيْ عَلِمْتُ مَا لَمْ يَعْلَمُوهُ بِهِ فَقَبَضْتُ قُبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ
أَكْثَرَ خَافِرِ فَرَسِ الرَّسُولِ جِبْرِيلَ فَتَبَدَّلْتُهَا أَلْقَيْتُهَا فِي صُورَةِ الْعِجْلِ الْمَصَاغِ وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ رُبَّتِي
لِي نَفْسِي ۝ وَالْقِي فِيهَا أَنْ أَخَذَ قُبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ مَا ذَكَرَ وَأَلْقَيْتُهَا عَلَى مَا لَا رُوحَ لَهُ يَصِيرُ لَهُ رُوحٌ وَرَأَيْتُ
قَوْمَكَ طَلَبُوا مِنْكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ إِلَهًا فَخَدَّيْنِي نَفْسِي أَنْ يَكُونُ ذَلِكَ الْعِجْلُ إِلَهُهُمْ قَالَ لَهُ مُوسَى
فَاذْهَبْ مِنْ بَيْنِنَا فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَحَى مَدَّةَ حَيَاتِكَ أَنْ تَقُولَ لِمَنْ رَأَيْتَهُ لَا مَسَاسَ ۝ أَيْ لَا تَقَرَّبْنِي فَكَانَ
بِهِمْ فِي الْبَرِيَّةِ وَإِذَا مَسَّ أَحَدًا أَوْ مَسَّهُ أَحَدٌ حَمًا جَمِيعًا وَإِنْ لَكَ مَوْعِدًا لِعَذَابِكَ لَنْ تُخْلَفَهُ ۝ بِكُفْرِ
الْأَمِ أَيْ لَنْ تَغِيبَ عَنْهُ وَبِفَتْحِهَا أَيْ بَلْ تَجْعَلُ إِلَهًا وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلَمْتَ أَصْلَهُ ظَلَمْتَ بِلَا مَجِينٍ أُولَاهُمَا

مَكْسُورَةً وَحَدِثْتَ تَخْفِيفًا أَيْ دُمْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا أَيْ مُقِيمًا تَعْبُدُهُ لَتَعْرِفَنَّهُ بِالنَّارِ ثُمَّ لَنَنْبِفَنَّ فِي
 الْيَوْمِ نَسْفًا لَنَذْرِ بَنَّهُ فِي هَوَاءِ الْبَحْرِ وَقَعَلَ مُوسَى بَعْدَ ذُبْحِهِ مَا ذَكَرَهُ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
 وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا تَمَيَّزَ مَحْوَلٌ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ وَسِعَ عِلْمُهُ كُلَّ شَيْءٍ كَذَلِكَ أَيْ كَمَا قَصَصْنَا
 عَلَيْكَ هَذِهِ الْقِصَّةَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ أَخْبَارٍ مَا قَدْ سَبَقَ مِنَ الْأَمَمِ وَقَدْ أَتَيْنَاكَ أَعْطَيْنَاكَ مِنْ كُنُوزِ
 مِنْ عِبْدِنَا ذِكْرًا قُرْآنًا مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمْ يَأْتِ بِهِ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا حِمْلًا ثَقِيلًا مِنَ الْأَثَمِ
 خَلِيلَيْنِ فِيهِ أَيْ فِي عَذَابِ الْوِزْرِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا تَمَيَّزَ مُفَسِّرٌ لِلصُّمَيْرِ فِي سَاءَ وَ
 الْمَخْصُوصُ بِالذِّمِّ مَحْذُوفٌ تَقْدِيرُهُ وَزُرُّهُمْ وَاللَّامُ لِلْبَيَانِ وَيَتَدَلُّ مِنْ يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ
 الْفِرُّونُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَّةُ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ الْكَافِرِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا عَيُّونَهُمْ مَعَ سَوَادٍ وَجُوهِهِمْ
 يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ يَتَسَارَتُونَ إِنْ مَا لَيْسَتْ فِي الدُّنْيَا إِلَّا عَشْرًا مِنَ اللَّيَالِي بِأَيَّامِهَا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ
 فِيهِ ذَلِكَ أَيْ لَيْسَ كَمَا قَالُوا إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ أَعْدَلُهُمْ طَرِيقَةً فِيهِ إِنْ لَيْسَتْ إِلَّا يَوْمَانِ

۱۳۹

ترجمہ: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور وہ ان کے لئے کسی ضرر اور نفع کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے ہارون نے ہی کہا تھا۔ (یعنی موسیٰ کے لوٹنے سے پہلے) کہ اے میری قوم! والو! تم اس کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو، بے شک تمہارا پروردگار خدائے رحمن ہے۔ سو تم میری پیروی کرو (خدا تعالیٰ کی عبادت میں) اور میرا حکم مانو (اس سلسلہ میں) وہ لوگ بولے ہم تو اسی پر جے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں (یعنی ہم موسیٰ کے لوٹنے تک اسی کی عبادت پر جے رہیں گے) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے لوٹنے کے بعد) کہ اے ہارون تمہیں کون سا امر مانع ہوا، اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا۔ کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا تم نے بھی میرے کہنے کے خلاف کیا (اور ان لوگوں کے درمیان پڑے رہے جو غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے۔ ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (اُمی یا ام فتنہ اور کسرہ دونوں طرح اس کا استعمال ہے۔ ماں کا تذکرہ اس لئے کیا تا کہ حضرت موسیٰ کے قلب میں جذبات شفقت و رحمت پیدا ہوں) میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑو (موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں داڑھی کے بائیں جانب کا حصہ اور سر کے بال کے داہنی جانب کا حصہ پکڑ رکھا تھا) مجھے تو یہ اندیشہ ہوا (کہ اگر میں آپ کی اتباع کروں گا تو جن لوگوں نے پھڑے کی پرستش نہیں کی تھی اب بھی میرے ساتھ ہو لیتے، جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں تفریق پڑ جاتی) کہ کہیں تم یہ کہنے لگو کہ تم نے بنی

اسرائیل کے درمیان تفریق ڈالی اور میری بات کا انتہار نہ کیا (یعنی کہیں آپ بنی اسرائیل میں تفریق ڈالنے کے جرم میں مجھ پر غصہ نہ ہو بیٹھے اور یہ نہ کہہ دیتے کہ اس سلسلہ میں تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے (تم نے یہ کیا حرکت کی) وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی (بصیر و ادبصر و ادنوں کی قراءت ہے) سو میں نے اس فرستادہ کے نقش قدم سے (یعنی جبرئیل کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے) ایک مٹھی (مٹی کی) اٹھالی تھی۔ میں نے وہ مٹی اس قالب میں ڈال دی تھی (یعنی اس بچھرے میں جو ڈالا گیا تھا) اور میرے جی کو تو یہی بھائی تھی (کہ میں مٹی کو ایک مٹھی جبرئیل کے گھوڑے کے کھر کے نیچے سے اٹھا لوں اور اسے کسی بے جان چیز میں ڈال دوں تاکہ اس کے اندر جان پیدا ہو جائے اور میں نے دیکھا کہ تمہاری قوم کا تم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم ان کیلئے کوئی معبود تیار کرو۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ یہ بچھڑا ان کیلئے بہترین معبود ہوگا) کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) تو پھر جا (ہمارے درمیان سے) تیرے لئے زندگی میں (یعنی تاحیات) یہ سزا ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے (یعنی مجھ سے کوئی قریب نہ ہو جائے۔ پس وہ چوپایوں میں پھرنے لگا اور جو کوئی اسے چھو لیتا۔ یا وہ جس کو چھو لیتا تو اسے بخار چڑھ جاتا) اور تیرے لیے ایک (اور) وعید ہے (آخرت کے عذاب کی) جو تجھ سے ملنے والا نہیں ہے اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا ہے (یعنی اس کی پرستش پر قائم ہے۔ ظلت کی اصل ظلمت ہے پہلے لام مکسور کو تخفیف کیلئے حذف کر دیا گیا) ہم اس کو ابھی جلا ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو دریا میں بہا دیتے ہیں (موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قول کے مطابق اس بچھرے کو ذبح کر کے جلا ڈالا اور دریا میں بہا دی) تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے ہر شے کو علم سے گھیر رکھا ہے (علما اصل میں تمیز ہے جسے فاعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ معنی ہوا اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے) اسی طرح (یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا) ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں بیان کرتے ہیں (پچھل قوموں کے) اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے (یعنی قرآن) جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا (اور اس پر ایمان نہیں لائے گا) وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے ہوگا (گناہوں کا) وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی ہمیشہ بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے) اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہوگا (حملہ تمیز ہے جو ساء کی ضمیر کی تفسیر ہے اور مخصوص بالغم مخدوف ہے تقدیر عبارت ہے: وزرہم لہم میں لام بیان کے لئے ہے اور یوم قیامت سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ یوم یفصح فی الصور) جس روز صور پھونکا جائے گا (یہ لفظ ثانی ہوگا) اور مجرموں کو (یعنی کافرین کو) اس روز یوں جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے (اور اسی کے ساتھ چہرے سیاہ ہوں گے) آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے۔ تم لوگ تو بس دس (دس) دن رہے ہو گے (دنیا میں) ہم ہی خوب جانتے ہیں جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں (یعنی مدت اتنی ہی نہیں تھی جتنی یہ کہہ رہے ہیں اسے تو ہم ہی اچھی طرح جانتے ہیں) جب کہ ان میں کاسب سے زیادہ صاحب الرائے یہ کہتا

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: عَلٰی عِبَادَتِهِ: اس مضاف کو مقدر مانا کیونکہ قیام علی نفسہ کا کوئی معنی نہیں۔

قولہ: اَزَادَتْنِي: بیشوم۔ سے مراد میری ماں ہے ورنہ تو تمام بنی آدم کہے جاتے ہیں اور ماں کا تذکرہ مہربانی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کیا۔

قولہ: تَغَضَّبَ عَلَيَّ: اس سے اشارہ کیا اور تر قب کا عطف محذوف پر ہے اور وہ تغضب ہے ان تقول کے قولہ میں داخل نہیں بلکہ ابتدائی جملہ ہے۔

قولہ: فَمَا خَطْبُكَ: خطب یہ طلب کے معنی میں آتا ہے آپ نے سامری کو مخاطب کر کے فرمایا تیرا کیا قصہ ہے۔

قولہ: عَلِمْتُ: یہ بِصُرْتٍ کا ترجمہ ہے اس سے بصیرت قلبی مراد ہے نہ عینی۔

قولہ: مِّنْ ثَرَابٍ اَثَرٍ: مضاف کو مقدر کیا کیونکہ لینا بعینہ نشان سے ہوتا ہے۔

قولہ: فَرَسٍ: مضاف مقدر مانا کیونکہ جبرائیل کے تونشانہائے قدم نہیں۔

قولہ: فِي الْحَيٰوةِ: یعنی تیرے فعل کی دنیا میں سزا کے طور پر۔

قولہ: مِدَّةَ حَيَاتِكَ: مضاف محذوف مانا گیا۔ الْحَيٰوةِ کی لام یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔

قولہ: لَا تَقْرَبْنِي: یہ خبرہ عدم مساس بمعنی نہیں ہے۔

قولہ: بِالنَّارِ: اس قید سے اشارہ کیا سونا معجزاتی طور پر آگ سے جل گیا اور لہسفنہ بکیمیر (اڑا)، بہادینے کو کہتے ہیں۔

قولہ: جَمَلًا تَقْبَلًا: اس سے اشارہ ہے اس کو قتل میں سزا یافتہ پر سزا کے بوجھ کی طرح قرار دیا۔

قولہ: خَلِيدَيْنِ: اور واحد معنی ولفظ دونوں کے لحاظ سے ہے۔

قولہ: وَاللَّامُ لِلْبَيَانِ: یہ قول مقدر سے متعلق ہے۔

قولہ: غِيُوْنَهُمْ مَّعَ سَوَادٍ: زرقة العین یہ آنکھ کا قبیح ترین عیب شمار ہوتا ہے۔

قولہ: يَسْأَلُونَ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ وہ ان کے سینے رعب سے پڑ ہوں گے۔

قولہ: لَيْسَ كَمَا قَالُوا: ان کا کہنا نَحْنُ اَعْلَمُ اس میں ان کے قول کی تردید ہے اس وجہ سے عطف نہیں کیا گیا۔ طریقہ یہاں

دے دیا عمل کو فرمایا گیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طوڑ پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اور ان کے ذمہ اسرائیل کی نگرانی سپرد فرما گئے تھے جب ان لوگوں نے بھڑے کی پرستش شروع کر دی تو ہارون علیہ السلام نے انہیں متنبہ فرمادیا اور فرمایا: اِنَّهَا فِتْنَةٌ بِهٖ (تم اس کی وجہ سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو) وَ اِنْ رَّبُّكُمْ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اطِيعُوْا اَمْرًا (۱) اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب رحمان ہے اسے چھوڑ کر دوسری چیز کی پرستش میں لگنا فتنہ میں پڑنا ہے میں جو بات کہہ رہا ہوں اس کا اتباع کرو اور اسے مانو۔

لیکن بنی اسرائیل تو اس بھڑے کے دل دادہ ہو چکے تھے ہارون علیہ السلام کی نصیحت کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو برابر اسی پر جمے ہوئے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ واپس آجائیں جب اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ گئی تو واپس تشریف لائے اور انہوں نے اپنی قوم سے بھی خطاب کیا اور ہارون علیہ السلام پر بھی خفگی کا اظہار کیا اور یہ اظہار بھی معمولی نہ تھا بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال کپٹنے لگے اور توریت شریف کی جو تختیاں لے کر آئے تھے ان کو بھی ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، ہارون علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو اس سے کیا چیز مانع تھی کہ تم مجھے خبر دیتے۔ تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا اور میری نافرمانی کیوں کی۔ جب شرک کا ماجرا دیکھا تو تم میرے پاس چلے آتے ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور میرے بال نہ پکڑو، مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ آپ یوں فرمائیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق کر دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔ یہاں سورۃ طہ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے انہیں روکا تو تھا اور بتا دیا تھا کہ تم قبیلہ پڑ گئے ہو لیکن سختی فرمانا مناسب نہ جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انتظار فرمایا، اور سورۃ اعراف میں یوں ہے کہ: قَالَ اِنَّ اَمْرًا اِنَّمَا يَقْعُومَ اَسْتَطْعِفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْنِیْ ۚ فَلَا تُشِیْءُ لَیَّ اَلَا عَدَاۗءٌ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ (۲) (ہارون نے کہا کہ میرے ماں جائے بات یہ ہے کہ قوم نے مجھے ضعیف سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے لہذا آپ میرے ذریعہ دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیجئے اور مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے) جب ہارون علیہ السلام نے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا اور اللہ تعالیٰ شانہ سے یوں دعا کی (قَالَ رَبِّ اَعْلِنْ لِّیْ وَ لِاٰمِیْنٍ وَ اَدْعِیْ لَنَا فِی رَحْمَتِکَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِیْنَ) (۳) میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیس الخبر کالمعاینۃ یعنی خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے پھر آپ نے بطور مثال یوں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے بھڑے کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے لیکن توریت شریف کی تختیوں کو نہیں ڈالا پھر جب اپنی آنکھوں نے ان کی حرکت

دیکھ لی تو (توریت شریف کی) تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ ٹوٹ گئیں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت شریف کی تختیاں اٹھالیں۔ کما فی سورۃ الاعراف: وَ لَقَدْ اَسْكَنْتَ عَنْ مُوسٰى الْخَضْبُ اَخَذَ الْاَلْوَاخَ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پرستش کا فتنہ ظاہر ہوا تو اس وقت ان میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ رہا ان کی اطاعت کی اور گو سالہ پرستی سے دور رہے۔ اس جماعت کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے گو سالہ پرستی کو اپنا لیا لیکن یوں بھی کہتے تھے کہ موسیٰ واپس تشریف لا کر منع فرمائیں گے تو ہم چھوڑ دیں گے، تیسرا فرقہ وہ تھا جو یوں کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی واپس آ کر اسی کو معبود بنالیں گے یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ جب ان آخری دو فرقوں کا جواب حضرت ہارون علیہ السلام نے سنا تو اپنے ساتھ بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر علیحدہ ہو گئے لیکن وہیں رہتے سہتے رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کو عتاب کیا اور گرفت فرمائی تو انہوں نے اپنا عذر بتا دیا کہ میں بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر باقی بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جاتا یا ان سے مقابلہ کرتا تو اس سے بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ میں نے جتنا مناسب جانا اسی قدر کام کر دیا ان کو بتا بھی دیا اور ان سے عقیدتا علیحدہ بھی ہو گیا اپنے موحد ساتھیوں کو الگ کر لیا اس سے آگے مقابلہ اور مقابلہ کرنا میرے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی رائے کو خطائے اجتہادی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مَوْسٰى ۝

گائے پرست سامری اور بچھڑا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ فتنہ کیوں اٹھایا؟ یہ شخص باجرو کار بننے والا تھا اس کی قوم گائے پرست تھی۔ اس کے دل میں گائے محبت گھر کئے ہوئے تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا ایک روایت میں ہے یہ کرمانی تھا۔ ایک روایت میں ہے اس کی بستی کا نام سامرا تھا اس نے جواب دیا کہ جب فرعون کی ہلاکت کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو میں نے ان کے گھوڑے کے ٹاپ تلے سے تھوڑی سی مٹی اٹھالی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات یہی ہے حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے ان کے گھوڑے کے سم تلے کی مٹی اٹھالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل علیہ السلام آسمان تک لے گئے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی تحریر کی آواز سن رہے تھے لیکن جب آپ کو آپ کی قوم کی مصیبت معلوم ہوئی تو نیچے اتر آئے اور اس بچھڑے کو جلا دیا۔ لیکن اس کی اثر کی سند غریب ہے۔ اسی خاک کی چٹکی یا مٹی کو اس نے بنی اسرائیل کے جمع کردہ زیوروں کے جلنے کے وقت ان میں ڈال دی۔ جو بصورت بچھڑا بن گئے اور چونکہ بیچ میں خلا تھا وہاں سے ہوا کھسکتی تھی اور اس سے آواز نکلتی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خیال گزرا تھا کہ میں اس کے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کی مٹی اٹھا لوں میں جو چاہوں گا وہ اس مٹی کے ڈالنے سے بن جائے گا اس کی انگلیاں اسی وقت سوکھ

گئی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے پاس فرعونوں کے زیورات رہ گئے اور فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ اب ان کو واپس نہیں ہو سکتے تو غمزدہ ہونے لگے سامری نے کہا دیکھو اس کی وجہ سے تم پر مصیبت نازل ہوئی ہے اسے جمع کر کے آگ لگا دو جب وہ جمع ہو گئے اور آگ سے پگھل گئے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ خاک اس پر ڈال دے اور اسے بھڑے کی مثل بن بنا لے چنانچہ یہی ہوا۔ اور اس نے کہہ دیا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب یہی ہے۔ یہی وہ جواب دے رہا ہے کہ میں نے اسے ڈال دیا اور میرے دل نے یہی ترکیب مجھے اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ کلیم اللہ نے فرمایا تو نے نہ لینے کی چیز کو ہاتھ لگایا تیری ہوا دنیا میں یہی ہے کہ اب نہ تو تو کسی کو ہاتھ لگا سکے نہ کوئی اور تجھے ہاتھ لگا سکے۔ باقی سزا تیری قیامت کو ہوگی جس سے ہنسا کا اہل ہے ان کے بقایا اب تک یہی کہتے ہیں کہ نہ جھوٹا اب تو اپنے خدا کا حشر بھی دیکھ لے جس کی عبادت پر اوندھا پڑا ہوا تھا کہ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے خون اور گوشت والا بچھڑا جلے۔ پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا میں دریا میں ڈرہ ڈرہ کر کے اڑا دیا۔ مروی ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے زیور جہاں تک اس کے بس میں تھے لے ان کا بچھڑا بنایا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلا دیا اور دریا میں اس کی خاک بہادی جس نے بھی اس کا پانی پیا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس سے سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے اب انہوں نے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ حکم ہوا کہ ایک دوسروں کو قتل کرو۔ اس کا پورا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا معبود یہ نہیں۔ ستمی عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے باقی تمام جہان اس کا محتاج ہے اور اس کے ماتحت ہے وہ ہر چیز کا عالم ہے، اس کے علم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے، ہر چیز کی گنتی اسے معلوم ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہر پتے کا اور ہر دانے کا اسے علم ہے بلکہ اس کے پاس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا موجود ہے زمین کے تمام جانداروں کو روزیاں وہی پہنچاتا ہے، سب کی جگہ اسے معلوم ہے سب کچھ کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ علم الہی محیط کل اور سب کو حاوی ہے، اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۝۱۱

ربط آیات: سورہ طہ میں اصل بیان توحید، رسالت اور آخرت کے اصولی مسائل کا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی سلسلہ میں بیان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بڑی تفصیل سے ذکر ہوا ہے اور اس کے ضمن میں رسالت محمدیہ کا اثبات بھی ہے اسی اثبات رسالت محمدیہ کا یہ حصہ ہے جو اگلی آیات میں بیان ہوا ہے کہ ان واقعات و قصص کا اظہار ایک نبی امی کی زبان سے خود دلیل رسالت و نبوت اور وحی الہی کی ہے اور ان سب کا سرچشمہ قرآن ہے اور حقیقت قرآن کے ذیل میں کچھ تفصیل معاد و آخرت کی بھی آگئی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح ہم نے موسیٰ اور فرعون کا واقعہ اور بنی اسرائیل کے بچھڑا پونے کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں (یہ خبریں آپ کی نبوت کی دلیل ہیں آپ انہیں نہیں جانتے تھے صرف وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں) اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو سارے عالم کے انسانوں کے لیے وعظ اور نصیحت ہے جو اس پر عمل کرے گا کامیاب ہوگا اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اپنے اوپر کفر کا بوجھ لادے ہوئے ہوگا اس طرح کے لوگ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے یعنی اس

بوجھ کے اٹھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ہمیشہ عذاب کی جگہ میں رہنا ہوگا۔ اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لیے برا بوجھ ہوگا۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں صور پھونکا جائے گا۔

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان والے اور زمین والے سب بیہوش ہو جائیں گے اور زندہ انسان سب مر جائیں گے۔ اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوں گے ان محشورین یعنی قیامت کے دن حاضرین میں جو کفار ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی ہوگی یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ یہ لوگ مجرم ہیں یہ لوگ خوف زدہ بھی ہوں گے اور خوف کی وجہ سے چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ قبروں میں کتنے دن رہے؟ ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ دس دن رہے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ہم تو حشر نشر ہی کے منکر تھے ہمارا گمان تھا کہ سر مرا گئے خاک میں مل گئے اب کیسا زندہ ہونا اور قبروں سے نکلنا؟ ہمارا خیال تو غلط نکلا یہ تو بتاؤ قبروں میں کتنے دن رہنا ہوا۔ ان میں سے بعض جواب دیں گے کہ صرف دس دن رہے ہیں۔ اس دن کی پریشانی اور سخت گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی سمجھ میں ایسا ہی آئے گا جو مدت دراز انہوں نے برزخ میں گزاری اسے دس دن کی مدت بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ بات کریں گے ہمیں اس کا خوب علم ہے کہ وہ کتنی تھی، ان میں سے ایک شخص یوں کہے گا کہ تم تو قبروں میں ایک دن رہے ہو۔ جو شخص یہ بات کہے گا اسے (امثلہم طریقۃ) فرمایا۔ یعنی اس کی رائے سب لوگوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ اس یوم کی درازی اور پریشانی کے اعتبار سے گزشتہ جو وقت گزرا اس کی مدت ایک دن بیان کرنا ہی زیادہ اقرب ہے اس شخص کو شدت کا زیادہ ادراک ہوگا اس لیے اس کی رائے بہ نسبت پہلی رائے کے اصرار و ادب ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعی قبر میں ایک ہی دن رہے۔

یہاں یوں فرمایا کہ مجرمین اس حالت میں محشور ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور سورۃ الاسراء میں فرمایا کہ: (وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِّيًّا وَبُكَمًّا وَصُغًا مَا دَاهِمُهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا) (کہ ہم انہیں قیامت کے دن اس حال میں جمع کریں گے کہ اندھے اور بہرے اور گونگے ہوں گے) یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے، عرصہ قیامت بہت طویل ہوگا اس میں مجرمین پر مختلف حالات گزریں گے، لہذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح یہاں مجرمین کی یہ بات نقل کی کہ کوئی کہے گا کہ قبروں میں دس دن رہے اور کوئی کہے گا کہ ایک دن رہے اور سورۃ روم میں ہے: (وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِثُهُمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ) (اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین اس دن قسم کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے) اور سورۃ النازعات میں فرمایا: (كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحًى) (جس روز یہ قیامت کو دیکھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں) یہ احساس اور وجدان مختلف اشخاص کو مختلف احوال میں ہوگا لہذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ كَيْفَ تَكُونُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَقُلْ لَّهُمْ يُنْفِثُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ بَانَ يَفْتَنُهَا كَالزَّمْلِ السَّائِلِ
لَمْ يَطْبَخْهَا بِالرِّيَّاحِ فَيَذَرُهَا قَاعًا ۖ مُنْبَسِطًا صَفْصَفًا ۖ مُسْتَوِيًا لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا ۖ أُنْخِفَاضًا وَلَا أَمْتًا ۖ

إِزْتِفَاعًا يَوْمَئِذٍ أَيُّ يَوْمٍ إِذَا نُسِفَتِ الْجِبَالُ يَتَّبِعُونَ أَيُّ النَّاسِ بَعْدَ الْقِيَامِ مِنَ الْقُبُورِ الدَّاعِيَ إِلَى
 الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهِ وَهُوَ إِسْرَافِيلُ يَقُولُ هَلُمُّوا إِلَى عَرْصِ الرَّحْمَنِ لَا يَسْمَعُ لَهُ أَيُّ لَا يَتَّبِعُهُمْ أَيُّ لَا
 يَقْدِرُونَ أَنْ لَا يَتَّبِعُوا وَخَشَعَتِ سَكَنَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ صَوْتُ وَطِي الْأَقْدَامِ فِي نَقْلِهَا
 إِلَى الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ أَخْفَافِ الْإِبِلِ فِي مَشْيِهَا يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ أَحَدًا إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ أَنْ
 يَشْفَعَ لَهُ وَرِضَى لَهُ قَوْلًا ۝ بَانَ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ
 أُمُورِ الدُّنْيَا وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ لَا يَعْلَمُونَ ذَلِكَ وَعَنْتِ الْوُجُوهُ خَضَعَتْ لِلْحَقِّ الْقَيُّومِ ۝ أَيُّ اللَّهُ وَقَدْ
 خَابَ خَسِرَ مَنْ حَلَّ ظُلُمًا ۝ شَرُّكََا وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ الطَّاعَاتِ بَرِيادَةً فِي سَيِّئَاتِهِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
 يَخْفُ ظُلُمًا وَلَا هَضْمًا ۝ يَنْقُصُ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَكَذَلِكَ مُعْطُوفٌ عَلَى كَذَلِكَ نَقْصِ أَيُّ مِثْلُ انْزَالٍ مَا
 ذُكِرَ أَنْزَلَهُ أَيُّ الْقُرْآنِ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَفْنَا كَثْرَتَنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ الشُّرُكَ أَوْ يُحَدِّثُ
 الْقُرْآنَ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَ مِنْهُمْ مِنَ الْأَمْسِ فَيَعْتَبِرُونَ فَتَعَلَّى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ عَمَّا يَقُولُ
 الْمُشْرِكُونَ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ أَيُّ يَقْرَأْتَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْطَعَ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۝ أَيُّ يَقْرَعُ جَبْرِئِلُ مِنْ ابْلَاغِهِ
 وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ أَيُّ بِالْقُرْآنِ فَكُلَّمَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ زَادَهُ عِلْمُهُ وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَى آدَمَ وَضَبْنَاهُ
 أَنْ لَا يَأْكُلَ مِنَ الشَّجَرَةِ مِنْ قَبْلِ أَيُّ قَبْلِ أَكْلِهِ مِنْهَا فَتَنِيَ تَرَكَ عَهْدَنَا وَكَلَّمَ تَجَدَّدَهُ عَزْمًا ۝ جَزْمًا وَضَبْرًا

عَمَّا نَهَيْتَاهُ عَنْهُ

ترجمہ: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ..... اور اے نبی یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو قیامت کے دن ان
 پہاڑوں کا کیا حال ہوگا؟ تو آپ ان سے (فرمادیجئے کہ میرا پروردگار ان کو) ریزہ ریزہ کر کے) بالکل اڑا دے گا (یعنی ان
 پہاڑوں کو ریت کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا پھر اس کو ہواؤں میں اڑا دے گا پھر زمین کو ایک چٹیل ہموار میدان کر دے گا)
 جس میں تو نہ کوئی کچی دیکھے گا اور نہ کوئی ادھیائی۔ یَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ..... اس روز (اس روز جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے
 اڑا دئے جائیں گے) تو سب کے سب داعی کے پیچھے ہوئیں گے (یہ پکارنے والے حضرت اسرائیل علیہ السلام ہوں گے ان کے صور
 پھونکتے ہی سب کے سب قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر کی طرف ہوئیں گے، فرشتہ اسرائیل کی آواز ہوگی۔ اے لوگو! اللہ کے
 سامنے آ جاؤ) لَا يَسْمَعُ لَهُ ۝ أَيُّ لَا يَتَّبِعُهُمْ یعنی ان کے سامنے کسی کا) کوئی ٹیز حارپن نہ رہے گا (یعنی کسی کو قدرت نہ ہوگی کہ

اتباع نہ کریں یعنی انحراف ممکن نہیں) اور اس دن مارے ہیبت کے تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے دب جائیں گی سو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا (مشرک کی طرف جانے میں صرف قدموں کی آہٹ سنائی دے گی جیسے چلنے میں اونٹوں کے پاؤں کی آواز) اس روز (کسی کو کسی سفارش نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے واسطے قول پسند کر لیا ہو) اور قول سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وہ (اللہ تعالیٰ) خوب جانتا ہے ان سب کے اگلے احوال کو (امور آخرت کے بارے میں) اور پچھلے احوال کو (یعنی امور دنیا کے متعلق اور لوگ یعنی تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے (یعنی لوگوں کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکتا) وَعَنَتِ الْوُجُوهُ اور تمام چہرے اس جی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے سامنے اور ایسا شخص (ہر طرح) نامراد و ناکام رہے گا جو ظلم (یعنی شرک) لے کر آیا ہو گا اور جو نیک کام (فرمانبرداری) کرے گا در آنحالیکہ مؤمن ہو تو وہ (قیامت کے دن) نہ ظلم و زیادتی سے ڈرے گا (یعنی اس کو اس کا اندیشہ نہیں ہو گا کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا) اور نہ نقصان کا اندیشہ (یعنی یہ اندیشہ نہ ہو گا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے گی) وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَكَذَلِكَ كَاعْتَفَ وَكَذَلِكَ نَقُصُّ پر ہے (یعنی مثل مضامین مذکورہ کے، اسی طرح اس کو (یعنی قرآن کو) عربی زبان میں نازل کیا ہے اور ہم نے اس قرآن میں وعید یعنی عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر کر بیان کیا ہے تاکہ لوگ ڈر جائیں (شرک سے) یا یہ قرآن ان کے لیے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کر دے (پچھلی قوموں کی ہلاکت و تباہی سے عبرت حاصل کریں) سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے عالی شان ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بلند و بالا ہے جو مشرکین کہتے ہیں۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ اور آپ قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے، یعنی تا وقتیکہ جبریل مکمل طور پر آپ تک آیت پہنچا نہ دیں) اور آپ کے کہنے اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا دیجئے قرآن کا تو آنحضرت ﷺ کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم (علیہ السلام) کو ایک حکم دے چکے تھے (یعنی اس واقعہ کے متعلق آپ سے بہت پہلے ہم نے آدم (علیہ السلام) کو تاکید کی کہ وہ حکم دیا تھا شجر ممنوعہ نہ کھانے کا سوان سے بھول (اور غفلت ہو گئی) اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی (پختگی اور ثابت قدمی نہ پائی جس چیز سے ہم نے ان کو منع کیا تھا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: مُسْتَوِيًّا: یعنی ان کے اجزاء ایک ہی صف میں ہوں گے۔

قوله: انْخِفَاضًا: جھکاؤ۔ میڑھ۔ عوج کا تعلق معانی سے اور امنکا امرئی اشیاء سے۔

قوله: يَوْمَئِذٍ: اس میں یوم کی اضافت نفس کے وقت تک کی ہے۔

قوله: لَا يُنَالُهُمْ: ضمیر کا مرجع اتباع الناس ہیں۔

قوله: لَا يُغَيِّرُونَ: یعنی انکے پیروان کے اختیار میں نہ ہوں گے بلکہ امتناع کی قدرت ہی نہ ہوگی۔ یہ حالات کی سختی ہی دلیل ہے۔

قوله: كَصُوتِ أَخْفَابِ الْإِبِلِ: یہ دراصل ہلکی آواز کی تشبیہ ہے۔ حمس سے تعبیر فرمایا۔

قوله: أَخَذَا: نکرہ سیاق نفی میں عموم کو چاہتا ہے اور استثناء بھی اسی وجہ سے ہے۔

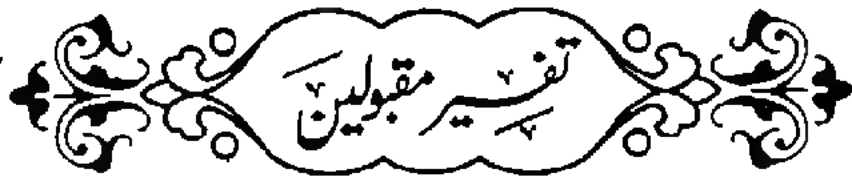
قوله: رَضِيَ لَهُ قَوْلَا: یعنی رضی قولہ لاجلہ و شانہ اور اس کے قول کو اپنی مرضی سے بذاتِ خود قبول کر لیا ہو۔

قوله: الشِّرْكَ: تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا یہ تو اصل ہو اور تقویٰ سے مراد تقویٰ پر قائم و دائم صَوَّرْنَا تو گویا تقویٰ متعلی کا لفظ بن گیا اور يُحْدِثُ لَهُمْ ذِکْرًا سے مراد پھر معاصی بچانے والی کوئی چیز۔

قوله: تَرَكْ عَنْهَذَا: اس میں نسیان کو ترک کے معنی میں قرار دیا کیونکہ وہ شرعی طور پر مرفوع ہے۔

قوله: وَكَمْ نَجِدْ لَهُ عِزًّا: اگر وہ پختہ عزم والے ہوتے تو شیطان کے پھسلانے میں نہ آتے۔

قوله: صَبَرَا: سے مراد رک جانے پر جماؤ نہ کہ قفل کرنے پر۔



وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا

مُسْكِرِينَ آخِرَت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب:

(د بطل) گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں منکرینِ آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرینِ آخرت بطورِ تمسخر آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کر کے اڑا دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یہ لوگ آپ سے قیامت کا حال سن کر بطور استہزاء دریافت کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو اس دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔

پس اے نبی آپ ﷺ بے تامل ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔ اور ان کو پراگندہ کر دے گا پوری طرح پراگندہ کرنا یہ سوال قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے کہا تھا پھر ان پہاڑوں کے نیچے کی زمین کو صاف میدان بنادے گا پس اے دیکھنے والے تو اس میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی۔ یعنی ٹیلہ اس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ جس میں اونچائی اور نیچائی کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا۔ اور وہ ایسی برابر کر دی جائے گی کہ اگر علم ریاضی و ہندسہ کے ماہرین بھی آلات ہندسہ سے اس کا جانچ پڑتال کریں تو وہ بھی برابری اور ہمواری کی شہادت دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس روز پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔ اور زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس پر نہ کوئی ٹیلہ اور پہاڑ ہوگا جس پر کوئی مجرم چڑھ کر پناہ لے سکے۔ اور نہ کوئی غار ہوگا جس میں کوئی مجرم چھپ سکے۔ اور جس روز تمام لوگ خدائی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے دوڑیں گے یہ پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ صخرہ بیت المقدس پر

کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔

”اے پرانی اور بوسیدہ ہڈیو اور اے متفرق شدہ گوشت کے ٹکڑے خدائے رحمن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حاضر ہو جاؤ تمہارے فیملوں اور حساب کا وقت آ پہنچا ہے۔“ اسرائیل علیہ السلام کی یہ آواز سن کر لوگ دوڑ پڑیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس آواز کے اتباع اور پیروی سے کسی کو کچی اور انحراف ممکن نہ ہوگا۔ اسی روز اس آواز پر سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ راکیں بائیں نہ جھکیں گے۔ اگر دنیا کا ماجرا ہوتا تو انحراف ممکن تھا۔ لیکن آج اس آواز کی پیروی سے انحراف ممکن نہیں اور اس دن ہیبت کے مارے رحمن کے لیے تمام آوازیں پست ہوں گی سوائے پیروں کی آہستہ آواز کے کچھ نہ سن سکے گا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اس روز کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کو یا جس کے لئے رحمن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پسند کیا ہو۔ شفاعت کے بارے میں اس کا بولنا اور بات کرنا تو اس روز اس کی سفارش چلے گی۔ اور نفع دے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے اور جس کے واسطے رحمن نے اذن دیا اور جس کی بات سے اللہ راضی ہوا۔ بات سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں لا الہ الا اللہ کہا یعنی ایمان لایا۔ اور اسی پر مر گیا اگرچہ اس کے گناہ ہوں تو اس کو انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت نفع دے گی۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان ہو وہ لائق شفاعت ہے اگرچہ گنہگار ہو۔ کافر کے حق میں کوئی شفاعت اور سفارش نہیں چلے گی۔ شفاعت کے لیے شافع اور مشفع لہ دونوں کا مسلمان ہونا شرط ہے اور شفاعت کے لیے اجازت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ شافع کو معصیت کا نہ مبداء معلوم ہے اور نہ معنی۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اگلے اور پچھلے احوال کو اس کا علم تمام مخلوق کو محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون لائق شفاعت ہے اور کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازت خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ ”حی“ کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور ”قیوم“ کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدائے عزوجل کے سامنے عاجز اور سرائقندہ ہوں گے۔ اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اول کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے۔ جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم (یعنی کفر اور شرک) کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدان حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا۔ اور قسم دوم مؤمنین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع

نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مؤمن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور اے نبی جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور احوال کو آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا ہے جو وعدہ اور وعید کو مطمئن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعدہ اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادت ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر بیان کیا ہے۔ تاکہ لوگ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

”ذکر“ کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور ورع اور تقویٰ اس کی خبر ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے۔ اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر نہی اور وعدہ اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا دے اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دنیا کی بہبودی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تاکہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور بحر میں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ قرآن کے نازل کرنے کی غرض و غایت یہی ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ اور اس کی معصیت سے بچیں اور ایسی کتاب ہدایت اور ایسے قانون شریعت کا نازل کرنا جو دین و دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہو وہ بادشاہ برحق ہی کا کام ہے کہ جس کی سلطنت کو فنا اور زوال نہ ہو۔ لہذا تم کو چاہئے کہ اس بادشاہ برحق کے وعدہ پر مطمئن رہو اور اس کی وعید سے ڈرتے رہو کہ اگر ہم نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو پہلی امتوں کی طرح ہم بھی تباہ ہو جائیں گے۔ خوب سمجھ لو کہ مالک حقیقی اور بادشاہ نے تم پر مہربانی کی کہ تمہاری صلاح اور فلاح کے لیے یہ قرآن نازل کیا۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس قرآن میں وعدہ اور وعید کو مکرر کر رہے ہیں تاکہ اس لیے بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم کی اصلاح اس پر موقوف ہے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں تجاواستطر ادا کلام ربانی اور پیام یزدانی کا ادب بیان فرماتے ہیں

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جب آپ پر قرآن نازل ہوا کرے تو آپ پہلے خوب اچھی طرح اخیر تک سن لیں۔ وحی پوری ہونے سے پہلے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں، جلدی نہ کریں۔ آپ حضرت جبرائیل کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور بھولنے کے اندیشہ کی وجہ سے ایسا کر لینے میں آپ کو تعب ہوتا تھا اس لیے ارشاد فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں اور بھولنے کا اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو ضرور یاد کرادیں گے۔ سورۃ قیامہ میں اسی کو فرمایا: لَا تُخَذِّلُكُمْ بِمَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝ اِنْ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَاِذَا قَرَأْتَهُ فَاسْمِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ اِنْ عَلَيْنَا مِثْلَهُ ۝ (اے پیغمبر آپ نزول قرآن

کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کیجیے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی جمع لیں ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھو دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجیے۔ پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے (مطلب یہ ہے کہ جب جبرائیل کے واسطہ سے ہماری طرف سے وحی آئے تو وہ بیان سے سنیں۔ اور دہرانے میں جلدی نہ کریں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ مشقت نہ اٹھائیں پوری وحی سن لیں۔ پھر اس کو دہرائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ بعض مرتبہ کسی کلمہ کے تلفظ کی مشغولیت میں اس کے بعد والا کلمہ سننے سے رہ جانے کا احتمال ہو سکتا ہے اس لیے آپ کو جلدی کرنے سے منع فرمایا۔ قُلْ ذِیْتَ زِدْنِی عِلْمًا ۝ (اور آپ یوں دعا کیجیے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دیجیے) اس کے عموم میں آگے مزید وحی آنے کا بھی سوال آ گیا اور قرآن مجید میں جو کچھ علوم و معارف اور اسرار و رموز ہیں ان کا اور ان کے علاوہ دیگر علوم جن سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ان کا بھی سوال ہو گیا۔ علوم الہیہ کی انتہا نہیں ہے مؤمن بندے کو چاہیے کہ برابر زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہونے کی دعا کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی خیر کے سننے سے مؤمن کا پیٹ نہیں بھر سکتا یہاں تک کہ اس کا منتہی جنت ہی ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱)

سَوَاتِنَهُمَا أَيْ ظَهَرَ لِكُلِّ مِنْهُمَا قُبْلُهُ وَقَبْلُ الْآخِرِ وَذُبُرُهُ وَسَمِيَ كُلُّ مِنْهُمَا سَوَاءً لِأَنَّ الْكِشَافَةَ يَسُوهُ
صَاحِبُهُ وَطَوَافًا يَخْصِلُنِ أَخْذًا يُلْزِقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ لِيَسْتَبَيَّاهُ وَعَلَى أَدَمَ رَبُّهُ لَقَوَى ۝ بِالْأَكْلِ
مِنَ الشَّجَرَةِ ثُمَّ اجْتَنَبَهُ رَبُّهُ قَرَبَهُ فَتَابَ عَلَيْهِ قَبْلَ تَرْبِيهِ وَهَدَى ۝ أَيْ هَدَاهُ إِلَى الْمَدَاوِمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ قَالَ
أَهْوَيًا أَيْ أَدَمَ وَحَوَاهُ بِمَا اسْتَمَلَّ مَا عَلَيْهِ مِنْ دُزِّيَتِكَمَا مِنْهَا مِنَ الْجَنَّةِ جَمِيعًا بَعْضُكُمْ بَعْضَ الدَّرَجَةِ
لِبَعْضٍ عَدُوًّا مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا فَأَمَّا فِيهِ إِذْ غَامَ نُورَانِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةُ يَأْتِيَنَّكُمْ مِمَّنْ هَدَى
فَمَنْ اتَّبَعَ هَدَايَ أَيْ الْقُرْآنَ فَلَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقَى ۝ فِي الْآخِرَةِ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي أَيْ الْقُرْآنِ
فَلَمْ يُؤْمِنْ بِهِ فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا بِالتَّوْبِ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى ضَيْقِهِ وَفُتِرَتْ فِي حَدِيثٍ بِعَذَابِ الْكَافِرِ فِي
قَبْرِهِ وَنَحْشُرُهُ أَيْ الْمُعْرِضَ عَنِ الْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْلَى ۝ أَيْ أَعْمَى الْبَصَرِ أَوِ الْقَلْبِ قَالَ رَبُّ لِمَ
حَشَرْتَنِي أَعْلَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝ فِي الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبَعْثِ قَالَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا تَرَكْتَهَا
وَلَمْ تُؤْمِنْ بِهَا وَكَذَلِكَ مِثْلَ نَسْيَانِكَ آيَتُنَا الْيَوْمَ تُنْشَى ۝ تُتْرَكُ فِي النَّارِ وَكَذَلِكَ وَمِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ
أَعْرَضَ عَنِ الْقُرْآنِ نَجِزِي مَنْ أَسْرَفَ أَشْرَكَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ۝ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ مِنْ عَذَابِ
الدُّنْيَا وَعَذَابُ الْقَبْرِ وَأَبْقَى ۝ أَذْوَمُ أَفَلَمْ يَهْدِ يَتَّبِعْنِ لَهُمْ لِكْفَارِ مَكَّةَ كَمْ خَبْرِيَّةٌ مَفْعُولٌ أَهْلَكْنَا أَيْ
كَبِيرُ الْأَهْلَاكُنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُبُورِ أَيْ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيبِ الرُّسُلِ يَمْشُونَ حَالٌ مِنْ ضَعِيفٍ لَهُمْ قِي
مَسْكِينُهُمْ ۝ فِي سَفَرِهِمْ إِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوا وَمَا ذُكِرَ مِنْ أَخْذِ أَهْلَاكِ مِنْ فِعْلِهِ الْخَالِي عَنْ
حَرْفٍ مَصْدَرِي لِرِغَايَةِ الْمَعْنَى لَا مَانِعَ مِنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِعِبَرٍ الْأُولَى الشَّهَى ۝ لِذَوِي الْعُقُولِ

ع ۱۱

ترجمہ: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اور (وہ قوت یاد کرو جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کرو پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا) ابلیس جنات کا باپ تھا جو فرشتوں کے ساتھ رہتا اور فرشتوں ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں) فَقُلْنَا يَا آدَمُ تب ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے (حواء کے ساتھ ہے) سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم مشقتوں میں پڑ جاؤ یعنی تم ہل چلانے بھیتی کرنے اور کاٹنے اور آٹا پیسنے اور روٹی پکانے وغیرہ کی مشقت۔ فَتَشْقٰی ۝ میں صرف آدم علیہ السلام کی مسقت پر اکتفا کیا گیا کیونکہ بیوی کا نفقہ اور ضروریات زندگی کے لیے مرد

ی سنی کرتا ہے۔ اِنَّ لَّكَ اَلَا تَجُوعُ فِيْهَا..... (اور) یہاں جنت میں تو تمہارے لیے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے

رہو گے اور نہ تنگے ہو گے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے (وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيْهَا) (مطلب یہ ہے کہ دھوپ میں تپنا نہ پڑے گا کیونکہ جنت میں دھوپ ہی نہیں۔ فَوَسْوَسَ الشَّيْطَانُ..... پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا کہ اے آدم کیا تم کو یہ تکلی (کی خاصیت) والا درخت، یہ تکلی عطا کرنے والا درخت بتاؤں؟ (یعنی وہ درخت کہ جو کوئی اس سے کھالے گا وہ ہمیشہ رہے

گا اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی ضعف و زوال نہیں آئے گا (وہ لازم الحلو ہے کبھی فنا نہیں ہوگا دونوں (آدم و حواء) نے اس درخت سے کھالیا تو (تو) دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے یعنی ان دونوں کے آگے اور پیچھے ستر کھل گئے شرمگاہ کو سورۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا کھل جانا صاحب شرمگاہ کو برا معلوم ہوتا ہے) اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چکانے لگے (تا کہ اپنے ستر کو چھپالیں) اور آدم سے (شجرہ ممنوعہ میں سے کھانے کی وجہ سے) اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی پڑ گئی۔ ثُمَّ اجْتَنَبَهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ۝ پھر ان کے رب نے انکو مقبول بنا لیا (مقرب بنا لیا) سوان پر توجہ فرمائی

(یعنی ان کی توبہ قبول کی) اور راہ راست پر (ہمیشہ) قائم رکھا (یعنی توبہ سے عداوت کی راہ پر لایا۔ قَالَ اَهْبَطَا مِنْهَا جُوعًا اللہ نے فرمایا تم دونوں (یعنی آدم و حواء) سب جنت سے اتر دو (مع اپنی ذریت کے جو تم دونوں پر مشتمل ہیں تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا) (یعنی تمہاری ذریت و اولاد میں سے بعض پر بعض ظلم کرے گا جس سے باہمی دشمنی ہوگی۔ فَاَقْبَا يٰۤاٰدَمُ ثُمَّ هَدٰى ۝ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرنے کا (یعنی قرآن

پر کرے گا) تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) شقی ہوگا (فَاَقْبَا اس میں مازائدہ کا ان شرطیہ میں ادغام ہے) اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا (یعنی قرآن سے اعراض کرے گا اور قرآن مجید پر ایمان نہیں لائے گا) تو اس کے لیے ننگی کا جینا ہوگا (یعنی زندگی جنگ ہوگی، ضَنْكَا تَوْنِیْنِ کے ساتھ مصدر ہے بمعنی ننگی حدیث میں اس کی تفسیر قبر میں کافر کے عذاب سے کی گئی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو (یعنی قرآن سے اعراض کرنے والے کو) اندھا اٹھائیں گے (یعنی قبر سے جب اٹھے گا تو بصارت اور بصیرت دونوں سے اندھا ہوگا) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰی..... وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے

میرے پروردگار آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو (دنیا میں اور اٹھائے جانے کے وقت) آنکھوں والا تھا۔ قَالَ لِّكَ اَتَتَكَ اٰیٰتُنَا فَتَسِيْٓتَهَا..... ارشاد ہوگا کہ (معاملہ ایسا ہی ہے تیرے پاس) انبیاء اور علماء کے واسطے سے)

ہادی آیات و احکام پہنچے تھے پس تو نے ان کو بھلا دیا (یعنی تو نے چھوڑ دیا اور ان احکام پر ایمان نہیں لایا ایسا ہی آج تیرا خیال نہیں کیا جائے گا اور دوزخ میں چھوڑ دیا جائے گا) وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسَٔءَ..... اور اس طرح (یعنی جس طرح ہم قرآن

سے اعراض کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں) ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو حد سے گزر گیا (شرک کر کے) اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیر پا (یعنی دائمی ہے) اَقْلَمُ يَهْدِيْ لِهٖمُ..... کیا ان لوگوں کو (کفار مکہ کو) اس سے بھی ہدایت نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر چکے ہیں بہت گروہوں کو بچا ہوا ہے ان میں سے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہم ہلاک کر چکے ہیں) کہ ان (میں سے بعض کے رہنے کے مقامات میں یہ

لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ (يَسْتَوْنَ) لہم کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی قریش مکہ مکہ سے ملک شام کی طرف اپنے سفر کے دوران پچھلے لوگ قوم و قوم اور قوم عاد کی بستیوں سے گذرتے ہیں اور ان کے اڑے کھنڈرات دیکھتے ہیں پس عبرت سے ہدایت حاصل نہیں کرتے کہ کفر و اعراض سے باز آویں، مفسر علام نے یٰھٰدِی کی تفسیر یٰتَبِیْن سے کر کے اشارہ کیا ہے یٰھٰدِی لازم ہے اور یٰھٰدِی فعل کا قائل وہ مصدر ہے جو اھْلًا کُنَّا فعل سے مفہوم ہو رہا ہے۔ اِی اَفْلَمَ یَتَبِیْن لَھِم اھْلًا کُنَّا اور فعل اھْلًا کُنَّا اور رہے بغیر کسی حرف مصدری کے اھْلًا کُنَّا سے مصدر مراد لیا جائز ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اذْکُرْ: یہ فعل محذوف ذکر کا ظرف ہے نہ کہ مذکور کا۔

قوله: عَنِ السُّجُودِ: یہ جملہ متانفہ جس میں سجدہ سے روکنے کی وجہ نفرت و حقارت بتلائی گئی۔

قوله: فَلَا یُخْرِجُکُمْ: یعنی وہ تمہارے نکالنے کا سبب نہ بن جائے ان کی نبی سے یہی مراد تھی۔

قوله: تَتَعَبُ بِالْحَرْثِ: شقاء سے تھکاوٹ مراد ہے

قوله: زَانَتْ عَلَى شَقَاہِ: ان کی مشقت پر اکتفاء کیا جبکہ خروج میں دونوں شریک تھے۔

قوله: فَوَسَّسَ اِلَیْہِ: یعنی شیطان نے اپنا وسوسہ کو ان تک پہنچایا۔

قوله: اَلَّذِیْ یَخْلُدُ: یہاں خلد غلود کے معنی میں ہے نہ کہ جنت۔

قوله: مَنْ یَاْمُلُ: شجرہ کی اضافت غلد کی طرف غلود کے معنی میں ہے یعنی اس لیے کہ اس کا کھانا باعث غلود ہے یعنی وہ لازم غلود ہے نہ کہ عین غلود۔

قوله: سَوَآءٌ: ایک دوسرے کے مقام ستر (شرمگاہ)۔

قوله: لَفَعَا: مطلوب بھول گئے اور غلد کو طلب کر کے رسوا ہوئے۔

قوله: بَعْضُ الذَّرِیَّةِ: بعض اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی۔

قوله: اس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف ہو یا جس پر کَفَر اھْلًا کُنَّا کا قول دلالت کرتا ہے اور اھلائی کی ضمیر یٰھٰدِی کا قائل بنے گا۔

قوله: اھْلًا کُنَّا: اس میں اشارہ ہے کہ اھْلًا کُنَّا کا جملہ مصدر کی تاویل سے اَفْلَمَ یٰھٰدِی کا قائل ہے۔ جملہ والہ کے لفظ نہیں۔

قوله: وَمَا ذِکْرُ: جس فعل سے مصدر لیا گیا اگر وہ مصدر حرف مصدری سے خالی ہو تو معنی کی رعایت سے درست ہے۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبٰلٰسَ ۖ اَبٰی ۝

اور وہ یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو ان سب نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ حکم ماننے سے انکار کر بیٹھا اور کثرت جہتی بھی کی۔ کہنے لگا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے، لہذا میں افضل ہوں اور جو افضل ہے وہ اپنے کم درجہ والے کو کیوں سجدہ کرے؟ اس نے حکم عدولی بھی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت بھی بتایا اور اپنی افضلیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ جب اس نے یہ حرکت کی تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے آدم یہ تمہارا دشمن ہے یہ تمہارے پیچھے لگے گا اور کوشش کرے گا کہ تمہیں یہاں سے نکلوا دے۔ تم ہرگز اس کے کہنے میں نہ آنا ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ (دنیا میں جانا پڑے گا اور وہاں کی مشقتوں اور محنتوں میں پڑو گے۔ مشکلات اور مصائب سہو گے) یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کھاؤ، پیو، پہنو نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ پیاسے اور نہ ننگے، یہاں تمہیں دھوپ کی حرارت بھی نہیں پہنچے گی۔ و هو من باب الاكتفاء كقولہ تعالیٰ سر ایل تقبیکم الحر (ای والبرد فلا یمسہم الحر ولا البرد) اس میں یہ بتا دیا کہ شیطان کے بہکاوے میں آنے سے یہاں سے نکلنا ہوگا اور دنیا میں جانا ہوگا اور وہاں ان مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

سجدہ نہ کرنے پر جب شیطان ملعون اور مردود ہو گیا تھا تو اس نے پہلے ٹھان لی تھی کہ ان کو جنت سے نکلوانا ہے اور ان کی ذریت کو گمراہ کرنا ہے۔ وہ تو وہاں سے نکال دیا گیا اور یہ دونوں حضرات رہتے رہے دونوں کو حکم ہوا تھا کہ جنت میں رہو سو خوب کھاؤ پیو لیکن فلاں درخت کے پاس نہ جانا اگر اس میں سے کھالیا تو یہ تمہارا اپنی جان پر ظلم کرنا ہوگا۔ اب شیطان ان کے پیچھے لگا اور اس نے کہا کہ دیکھو اس درخت کے کھانے سے جو تمہیں منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسے کھالے گا وہ یہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا۔ اور اس کے کھانے سے تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے (کافی سورۃ الاعراف) اور یہاں جو تمہیں عیش و آرام حاصل ہے اور ایک طرح کی بادشاہی حاصل ہے اس میں کبھی بھی کوئی ضعف نہ آئے گا۔ کافی سورۃ طہ (وَمُلْكٌ لَا یَبُلٰی) اب نے یہ بات قسم کھا کر کہی اور یہ بھی کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ دونوں حضرات شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور اس درخت سے کھالیا جس سے منع کیا گیا تھا اس درخت کا کھانا تھا کہ ان کے کپڑے جسموں سے علیحدہ ہو گئے۔ دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے لے لے کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ دشمن کے پھسلانے میں آ کر اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور غلطی میں پڑ گئے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہوا: (اَلَمْ یَاۤءِیْکُمْ اَنَّکُمْ اَخَذْتُمُ الشَّجَرَةَ وَاَقْلَیْتُمْ اَنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ اَعْدُوٌّ مُّبِیْنٌ) (کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ شیطان واقعی تمہارا کھلا دشمن ہے) چونکہ ان کی نافرمانی سرکش نافرمانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی بات سن کر دشمن کے بہکانے میں آ گئے تھے اس لیے فوراً اپنے قصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کی جس کو سورۃ اعراف میں یوں بیان فرمایا: (قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنٰۤا اَنْفُسَنَا سَکَنَہٗ وَاِنْ لَّہٗ تَغْفِرُ لَنَا وَاَنْتُمْ خَلَقْتُمْ مِّنْ عَلٰیۤیۡۨہِۨنَا) (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور

ہم پر رحم نہ فرمایا تو واقعی ہم خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے) شیطان نے بغاوت کی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حکم الہی کو خلاف حکمت بھی بتایا۔ یہ تو اس کا حال تھا اور ان دونوں نے جلدی سے تصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کر لی۔ جیسا کہ مخلصین اور مصلحین کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں چن لیا یعنی اور زیادہ مقبول بنا لیا اور ان کو ہدایت پر قائم رکھا۔ قال تعالیٰ: ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَاهُ ۝ چونکہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو تکوینی طور پر دنیا میں آنا ہی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہی اس لیے ہوئے تھے کہ ان کی اولاد زمین میں خلافت کی ذمہ داری اٹھائے اس لیے ان کا گناہ تو معاف فرما دیا لیکن دنیا میں ان کو بھیج دیا گیا۔ اسی کو فرمایا: قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ارشاد فرمایا (کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (تمہاری ذریت میں جو لوگ ہوں گے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) (ان دشمنیوں کو مٹانا اور فیصلے کرنا خلافت کے کام میں داخل ہے)

مزید فرمایا: فَإِنَّمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى لِّقَوْمٍ اسْبَغَ هَدَاهِ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝ (سوا اگر تم میں سے کسی کے پاس میری ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا) اس کے زمین میں آنے سے پہلے ہی اللہ جل شانہ نے بتا دیا تھا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی اس پر چلنے میں کامیابی ہے جو اسے قبول کرے گا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بد بخت ہوگا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کے ذریعہ ہدایات پہنچتی رہی ہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب نیا نبی کوئی نہیں آئے گا۔ خاتم المرسلین کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی کار نبوت یعنی دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جاری ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سب باقی ہیں جو ہدایت پر عمل کرے گا اسے وہی بلند مقام مل جائے گا جہاں سے اس کے ماں باپ آدم اور حوا علیہما السلام اس دنیا میں آئے تھے، جنت اپنے باپ کی جگہ ہے جہاں وہ تھے اور جہاں واپس گئے وہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور جنہوں نے اللہ کی ہدایت کو نہ مانا کفر پر رہے اور اسی پر مرے وہ جنت میں نہ جائیں گے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے میراث کا استحقاق نہیں رہتا، جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر رہے اس کے لیے ضمانت ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہیں اور آخرت میں بد نصیب نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اتباع کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہدایت پر رکھیں گے اور قیامت کے دن اسے برے حساب سے بچائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَوْمٍ اسْبَغَ هَدَاهِ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۝ (کذا فی در السنن، ج ۴، ص ۳۱۸)

ضروری فوائد:

فائدہ (۱): حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ بھول گئے اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: فنسى العهد ولم يهتم به ولم يشغل بحفظه حتى غفل عنه۔ (کہ حضرت آدم علیہ السلام عہد بھول گئے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں جو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت میں سے نہ کھانا) یہ ان کے ذہن سے اتر گیا اور انہوں نے اسے یاد رکھنے کا اہتمام نہ کیا جس کی وجہ سے غفلت ہو گئی، اور وَكَمْ نَجِّدْ لَهُ عَزْمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تصمیم و رאי و ثبات قدم فی الامور یعنی ہم نے ان کے لیے رائے کی مضبوطی اور پختگی نہیں پائی گویا کہ یہ نسیان کی تفسیر ہے۔ یعنی اگر وہ یاد رکھنے کا اہتمام

کرتے تو ثابت قدم اور پختہ عزم والے رہتے لیکن بے درمیانی کی وجہ سے بھول گئے جس کی وجہ سے فجر منومہ میں سے کھا بیٹھے۔ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ سے دَلَّہُمْ فَجَعَلُوْهُ عَزْمًا کایہ معنی مروی ہے کہ وہ درخت کے کھانے سے بچ نہ سکے اور اس کے ترک پر صبر نہ کر سکے۔ اور صاحب روح المعانی نے ایک جماعت سے ان کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا خلاف ورزی تو ہوئی خطا بھی ہوگئی لیکن جانتے بوجھتے جو گناہ ہوتا ہے اس کے ذیل میں نہیں آتا۔ جن ابن زید و جماعۃ ان المعنی لم نجد له عزما علی الذنب فانہ علیہما اخطا ولم يتعمد (ج ۱۶ ص ۲۷) جہاں تک نسیان کا تعلق ہے وہ تو انبیاء کرامؑ کی شان میں مستمع الوقوع یعنی محال نہیں ہے۔ سید الانبیاء علیہ السلام نے فرمایا: ((انما انا بشر مثلکم انسی کیا تنسون)) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۲) (میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں تم جیسے بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں) سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بھول تو معاف ہے جب وہ بھول گئے تھے تو اس پر مواخذہ کیوں ہوا اور اس کو معصیت کیوں قرار دیا گیا۔

اس کا ایک جواب تو مذکورہ بیان میں گزر چکا ہے کہ نسیان پر مواخذہ نہیں جن وجوہ سے نسیان ہوا ان پر مواخذہ ہوا یعنی انہوں نے یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جبکہ وہ یاد رکھ سکتے تھے۔ مثلاً ایک دوسرے کو آپس میں وصیت کرتے کہ ہم میں سے کوئی کھانے لگے تو یاد دلائے یا کوئی ایسی صورت حال اختیار کر لیتے جو یاد دلانے والی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن سفر میں رات کے آخری حصے میں سونے لگے تو حضرت بلالؓ کو جاتے رہنا کا حکم دیا، اتفاق سے حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی وہ بھی سو گئے۔ حتیٰ کہ سورج نکلنے پر سب کی آنکھ کھلی۔ صحابہ جو گھبرائے تو آپ نے فرمایا: فاذا رقد احدکم عن الصلاة اوتسبھا ثم فزع الیھا فلیصلھا کما کان یصلیھا فی وقتھا۔ (سو جب تم میں سے کوئی شخص سوتا رہ جائے جس کی وجہ سے نماز جاتی رہے یا نماز کو بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو اسی طرح پڑھ لے جیسا کہ اس کے وقت میں پڑھتا تھا)۔ (ص ۱۷، مشکوٰۃ المصابیح) آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو جگانے پر لگایا پھر آپ نے سوتا منظور فرمایا۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے یاد رکھنے کی کوتاہی ہوئی اس لیے ان کا مواخذہ ہوا۔ علامہ قرطبی نے ایک اور بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ اس وقت آدم علیہ السلام بھولنے پر بھی مامخوذ تھے اگرچہ ہم سے بھول پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ (ج ۱۱، ص ۲۵۱) اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جس عمل کا صدور ہوا، گودہ بہو اور خطا ہی تھا مگر ان کے بلند مرتبہ کے خلاف تھا جن اعمال پر عامۃ الناس سے مواخذہ نہیں ہوتا بلند مرتبہ والوں سے ان پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے۔ جملہ حسنات الابراہیمات المقربین میں اسی مضمون کو واضح کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں عصمت انبیاء کا سوال بھی اٹھایا ہے لیکن جب یہ معصیت حسنات الابراہیمات المقربین کے قبیل سے ہو خصوصاً جبکہ وہ بھول کر تھی اور اس کا صدور بھی نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے تھا اور وہ بھی عالم بالا میں دنیا کے لامحالہ میں آنے سے پہلے ہو۔ لہذا عصمت انبیاء کے عقیدہ میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ اسے سورۃ الاعراف میں زلت یعنی لغزش قرار دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ شأنہ (فَاَزَلْتُمَا الشَّيْطَانَ عَنْهَا)

اس میں اختلاف ہے کہ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے حضرات انبیاء کرامؑ سے کبیرہ کا صدور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ کفر و کذب کے علاوہ باقی معاصی کا صدور ہو سکتا ہے۔ قال صاحب الروح (ج ۱۶، ص ۲۷۴) فقد قال عضد اللہ فی المواقف ان الاکثرین جو زوا صدور الکبیرۃ یعنی ماعدا الکفر والکذب فیما دلت

المعجزة على صدقهم عليهم السلام فيه سهوا وعلى سبيل الخطا منهم اه۔ اب رہا لفظ نفوی اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو درخت کھا لیا اس میں وہ اپنے مطلوب کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے۔ ان کو جو دشمن نے یہ سمجھا کہ تم اس درخت کو کھا لو گے تو ہمیشہ یہیں رہو گے اس کی باتوں میں آ گئے۔ اس کے کہنے سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا ہے لیکن اس کی بات ماننے سے وہاں سے لکنا پڑا۔ قال صاحب الروح: ضل عن مطلوبه الذی هو الخلود او عن المطلوب منه وهو ترک الاکل من الشجرة او عن الرشید حیث اغتر بقول العدو۔ (ج ۱۶، ص ۹۷)

فائدہ (۲): یہ جو فرمایا: فَلَا يُخْرِجُكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ۝ اس میں بظاہر صیغہ تثنیہ فتشقیان ہونا چاہیے تھا مگر لاء میں ایک نکتہ تو وہ ہے جو علماء بلاغت نے لکھا ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفرد کا صیغہ لایا گیا، اور بعض علماء نے اس سے ایک فقہی نکتہ مستنبط کیا ہے اور وہ یہ کہ کمائی کرنا اور بیوی کے کھانے پینے پہننے کی ضروریات پوری کرنا شوہر ہی کے ذمہ ہے اور اس سب میں شریک نہیں، اس لیے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اور آئندہ بنی نوع انسان کو یہ سبق دے دیا گیا کہ کسب مال کی مشقت اٹھانا اور اس کے لیے محنت کرنا صرف مرد کی ذمہ داری ہے۔

فائدہ (۳): حضرت آدم اور حوا بھی جنت ہی میں تھے کہ ان سے فرما دیا تھا کہ تم اس میں رہو اس میں بھوکے نکلے نہ رہو مے اور نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ۔ جنت میں تو بہت زیادہ نعمتوں اور لذتوں کا سامان ہے پھر بھی انہیں چیزوں کا تذکرہ فرمایا اس سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ انسان کی اصل ضرورت کھانا پینا، پہننا اور رہنے کی جگہ میسر ہوتا ہی ہے۔ جس میں مردی گرمی سے بچ سکے۔ اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے التذاذ اور زیب و زینت کے لیے ہے اور جو اصل ضرورت سے زائد ہے۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے۔ ایک تو رہنے کا گھر ہو اور دوسری شرم کی جگہ چھپانے کے لیے کپڑا ہو تیسرے روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو۔ (رواہ الترمذی) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کو اس حال میں صبح ہوئی کہ وہ اپنے نزدیک امن سے ہے اور اس کے جسم میں عافیت ہے اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے تو گویا اس کو ساری دنیا مل گئی۔ (رواہ الترمذی)

نکاح بھی انسان کی ضرورت کی چیز ہے نفس و نظر پاک رکھنے اور تکثیر نسل کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ آیت کریمہ میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ وہ دونوں پہلے سے میاں بیوی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے نکاح کر لیا تو آدھا ایمان محفوظ کر لیا۔ اب باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۶۸) کچھ اشخاص حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس آئے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو فقراء سمجھتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کیا تیرے پاس بیوی ہے جس کی طرف ٹھکانہ پکڑتا ہے۔ (یعنی کام کاج کر کے اس کے پاس جا کے آرام کرتا ہے) اس نے کہا ہاں بیوی تو ہے فرمایا کیا تیرے پاس رہنے کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے۔ فرمایا بس تو مالداروں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا پھر تو بادشاہوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم)

اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہیں۔ اسی نے مرتبے دیئے ہیں اور اسی نے جسے چاہا نبوت سے سرفراز فرمایا اور جس کسی سے کوئی لغزش ہوئی اس کا مواخذہ فرمایا۔ پھر توبہ کرنے پر معاف بھی فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ ہے لیکن ہمارے

یہ جائز نہیں کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو یوں کہیں کہ وہ گنہگار تھے یا یوں کہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا یا کسی بھی نبی کی لغزش کا ہم خود سے تذکرہ کریں، ہاں آیت کا مضمون بیان کر دیں تو یہ دوسری بات ہے۔ خواہ مخواہ ان واقعات کو لے کر ان حضرات کی طرف گناہ یا عیب منسوب نہ کریں۔ خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف بھی فرمادیا۔ سورۃ طہ میں یہاں بالتصريح (لَمْ اجْتَنِبْهُ رَبُّهُ فَتَبَّاتْ عَلَيْهِ وَهَلْی) فرمایا ہے اور سورۃ نون میں یونس علیہ السلام کے بارے میں (فَاجْتَنِبْكَ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ) فرمایا ہے اب کس کا منہ ہے کہ کوئی شخص ان حضرات کی لغزشوں کو اچھالے اور ان کی غیبت کر کے لذت حاصل کرے۔ اگر کوئی شخص ہمارے قریب ترین باپ دادا کو کہہ دے کہ وہ گنہگار تھا گناہگار ہے تو کتنا برا لگے گا۔ پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو نبی تھے اور سارے انبیاء کے باپ تھے ان کے حق میں یہ کہنا اور اچھالنا کہ انہوں نے گناہ کیا کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔

وَمَنْ اَعْوَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَعْلٰی ۝

اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا، عذاب کی وعید:

جو آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلہ مقصود سمجھ بیٹھا ہے، اس کی گزران مائدہ اور تنگ کردی جاتی ہے گو دیکھنے میں اس کے پاس بہت کچھ مال و دولت اور سامان عیش و عشرت نظر آئیں۔ مگر اس کا دل قناعت و توکل سے خالی ہونے کی بناء پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشہ میں بے آرام رہتا ہے۔ کسی وقت نانوائے کے پھیر سے قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت کا یقین اور زوال دولت کے خطرات الگ سوہان روح رہتے ہیں۔ یورپ کے اکثر متنعمین کو دیکھ لیجئے کسی کورات دن میں دو گھنٹے اور کسی خوش قسمت کو تین چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا ہوگا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی دنیا کے مخمضوں سے تنگ آ کر موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ اس نوع کی خودکشی کی بہت مثالیں پائی گئی ہیں۔ نصوص اور تجربہ اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدون یاد الہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَتَذَكَّرُ الْقُلُوْبُ ۝ (الرعد: ۲۸) لیکن ذوق این بادہ ندانی بخدا تاناہشی بعض مفسرین نے مَعِيشَةً ضَنْكًا کے معنی ایسے ہیں وہ زندگی جس میں خیر داخل نہ ہو سکے۔ گویا خیر کو اپنے اندر لینے سے تنگ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ایک کافر جو دنیا کے نشہ میں بدست ہے اس کا سارا مال و دولت اور سامان عیش و تنعم آخر کار اس کے حق میں وبال بننے والا ہے۔ جس خوشحالی کا انجام چند روز کے بعد دائمی تباہی ہو۔ اسے خوشحالی کہنا کہاں زیبا ہے بعض مفسرین نے مَعِيشَةً ضَنْكًا سے قبر کی برزخی زندگی مراد لی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے اس پرخت تنگی کا ایک دور آئے گا جبکہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کردی جائے گی۔ مَعِيشَةً ضَنْكًا کی تفسیر عذاب قبر سے بعض صحابہ نے کی ہے بلکہ بزار نے باسناد جید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بہر حال مَعِيشَةً ضَنْكًا کے تحت میں یہ سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰی ۝

دیرانوں سے عبرت حاصل کرو:

جو لوگ تجھے نہیں مان رہے اور تیری شریعت کا انکار کر رہے ہیں کیا وہ اس بات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان

سے پہلے جنہوں نے یہ ڈھنگ نکالے تھے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا؟ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی اور ایک سانس چلا رہا ہے اور ایک زبان بولتی ہوئی باقی نہیں بچی، ان کے بلند و بالا پختہ اور خوبصورت کشادہ اور زینت دار محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جہاں سے ان کی آمد و رفت رہتی ہے اگر یہ عقلمند ہوتے تو یہ سامان عبرت ان کے لئے بہت کچھ تھا۔ کیا یہ زمین میں چل پھر کر قدرت کی ان نشانیوں پر دل سے غور فکر نہیں کرتے؟ کیا کانوں سے ان کے دردناک فسانے سن کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟ کیا ان اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر بھی آنکھیں نہیں کھولتے؟ یہ آنکھوں کے ہی اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں سورۃ المجدہ میں بھی مندرجہ بالا آیت جیسی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ جب تک بندوں پر اپنی حجت ختم نہ کرے انہیں عذاب نہیں کرتا۔ ان کے لئے اس نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اسی وقت ان کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ادھر گناہ کرتے ادھر پکڑ لئے جاتے۔ تو ان کی تکذیب پر صبر کر، ان کی بے ہودہ باتوں پر برداشت کر۔ تلی رکھو میرے قبضے سے باہر نہیں۔ سورج نکلنے سے پہلے سے مراد تو نماز فجر ہے اور سورج ڈوبنے سے پہلے سے مراد نماز عصر ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ ہم ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم عنقریب اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو بغیر مزاحمت اور تکلیف کے دیکھ رہے ہو پس اگر تم سے ہوئے نماز سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج غروب ہونے سے پہلی کی نماز کی پوری طرح حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ان دونوں وقتوں کی نماز پڑھنے والا آگ میں نہ جائے گا۔ مسند اور سنن میں ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہے جو ہزار برس کی راہ تک اپنی ہی اپنی ملکیت دیکھے گا سب سے دور کی چیز بھی اس کے لئے ایسی ہی ہوگی جیسے سب سے نزدیک کی اور سب سے اعلیٰ منزل والے تو دن میں دو دو دفعہ دیدار الہی کریں گے پھر فرماتا ہے رات کے وقتوں میں بھی تہجد پڑھا کر۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔ اور دن کے وقتوں میں بھی اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کر۔ تاکہ اللہ کے اجر و ثواب سے تو خوش ہو جا۔ جیسے فرمان ہے کہ عنقریب تیرا اللہ تجھے وہ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! وہ کہیں گے: لیبیک ربنا و سعدیک۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہم بہت ہی خوش ہیں تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں۔ پھر کیا وجہ کہ ہم راضی نہ ہوں۔ جناب باری ارحم الراحمین فرمائے گا لو میں تمہیں ان سب سے افضل چیز دیتا ہوں۔ پوچھیں گے اے اللہ اس سے افضل چیز کیا ہے؟ فرمائے گا میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔ اور حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ اُسے پورا کرنے والا ہے کہیں گے اللہ کے سب وعدے پورے ہوئے ہمارے چہرے روشن ہیں ہماری نیکیوں کا پلہ کراں رہا نہیں و وزخ سے ہٹا دیا گیا۔ جنت میں داخل کر دیا گیا اب کون سی چیز باقی ہے؟ اسی وقت حجاب اٹھ جائیں گے اور دیدار الہی ہو گا۔ اللہ کی قسم اس سے بہتر اور کوئی نعمت نہ ہوگی یہی زیادتی ہے۔

الدُّنْيَا وَاجَلٌ مُّسْتَقِيٌّ ۖ مَضْرُوبٌ لَّهِ مَعْطُوفٌ عَلَى الصَّغِيرِ الْمُسْتَرَفِي كَانَ وَقَامَ الْفَضْلُ بِخَيْرِهَا مَقَامَ
التَّاجِدِ فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ ۖ مَسْنُوحٌ بِآيَةِ الْقِتَالِ وَسَيُخَصَّ صَلَّ بِحَدِّ رَيْكَ خَالَ أَيْ مُتَلَبِّسًا بِهِ قَبْلَ طُلُوعِ
الشَّمْسِ صَلَوةُ الصُّبْحِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا صَلَوةُ الْعَصْرِ وَمِنْ أَنَاءِ اللَّيْلِ سَاعَاتِهِ فَسَيُخَصَّ صَلَّ الْمَغْرِبِ
وَالْعِشَاءِ وَأَطْرَافُ النَّهَارِ عَطْفٌ عَلَى مَحَلٍّ مِنْ أَنَاءِ الْمَنْصُوبِ أَيْ صَلَّ الظُّهْرِ لِأَنَّ وَقْتُهَا يَدْخُلُ بِزَوَالِ
الشَّمْسِ فَهُوَ طَرَفُ النِّصْفِ الْأَوَّلِ وَطَرَفُ النِّصْفِ الثَّانِي لَعَلَّكَ تَرْضَى ۝ بِمَا تُعْطَى مِنَ الثَّوَابِ وَلَا
تَمْدَنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا أَصْنَافًا مِنْهُمْ زُخْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا زِينَتَهَا وَبَهْجَتَهَا لِنُفِيتَهُمْ فِيهِ
بِأَنْ يَطْعَمُوا وَرِزْقُ رَيْكَ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا أُوتُوهُ فِي الدُّنْيَا وَابْقِ ۝ أَذُومُ وَأَمْرُ؟ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَأَصْطَبِرْ
إِصْبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلَكَ تُكَلِّمَكَ رِذْقًا ۖ لِنَفْسِكَ وَلَا لِغَيْرِكَ تَحْنُ كَرْزُوكَ ۖ وَالْعَاقِبَةُ الْجَنَّةُ لِلتَّقْوَى ۝
لَا هَلْهَا وَقَالُوا أَيْ الْمُشْرِ كُتُونُ كَوْلَا هَلَّا يَأْتِيْنَا مُحَمَّدٌ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ ۖ مِمَّا يَقْتَرِحُونَ أَوْ كَمْ تَأْتِيهِمْ
بِالْبَاءِ وَالْيَاءِ بَيِّنَةٌ بَيَانٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝ الْمُسْتَمِلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ مِنْ أَنْبَاءِ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَأَهْلَا كِيهِمْ
بِتَكْذِيبِ الرُّسُلِ وَكَوْلَا أَهْلَكَلَهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ قَبْلَ مُحَمَّدٍ الرَّسُولِ لَقَالُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ رَبَّنَا كَوْلَا
هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَتُنْبِئَ آيَتِكَ الْمُرْسَلِ بِهَا مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذِلَّ فِي الْقِيَمَةِ وَتُخْزَى ۝ فِي جَهَنَّمَ قُلْ
لَهُمْ كُلٌّ مِمَّا وَمِنْكُمْ مُتَرَدِّضٌ مُنْتَظَرٌ مَا يُؤَلِّ إِلَيْهِ الْأَمْرُ فَتَرْبُصُوا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ فِي الْقِيَمَةِ مَنْ أَصْحَبُ الصِّرَاطِ
الطَّرِيقِ السَّوِيِّ الْمُسْتَقِيمِ وَمِنْ اهْتَدَى ۖ مِنَ الصَّلَاةِ أَنْتُمْ أَمْ أَنْتُمْ

تَرْجُمُهُ: وَكَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ..... اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی (یعنی اسامت کے
کافروں پر قیامت تک عذاب مؤخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو عذاب دنیا ہی میں لازمی طور پر ہوتا) (اجَلٌ مُّسْتَقِيٌّ ۖ) کا
عطف اس ضمیر پر ہو رہا ہے جو کان میں مستتر ہے اور کان کی خبر یعنی لازما کے ذریعہ سے جو فصل ہے وہ قائم مقام تاکید کے ہے)
فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ سو آپ ان کی باتوں پر مبر کیجئے یہ آیت منسوخ ہے آیت قتال سے) اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا
کے ساتھ تسبیح میں لگے رہئے (یعنی نماز پڑھتے رہئے طلوع آفتاب سے پہلے (صبح کی نماز) اور غروب آفتاب سے پہلے (عصر کی
نماز اور اوقات شب میں بھی تسبیح و تحمید کیا کیجئے) (مغرب و عشاء کی نماز پڑھئے) اور دن کے دونوں طرفوں میں بھی (اطراف النہار
کا عطف من اناء سے) اور یہ منصوب ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھئے) اس لیے کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب یعنی سورج ڈھلنے

سے شروع ہو جاتا ہے تو ظہر کا وقت دن کا درمیان حصہ ہے یعنی دن کے نصف اول کا اختتام اور نصف دوم کا آغاز ہوتا ہے بلکہ وقت نصف اول کا بھی کنارہ ہے اور نصف دوم کا بھی۔ **لَعَلَّكَ تَرْضَى** ۵ امید ہے کہ آپ خوش ہوں گے (اس ثواب سے جو قیامت کے دن ملے گا۔ **وَلَا تُؤْمِنُ عَيْنُكَ** اور ہرگز آپ ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جن سے ہم سنا کافروں کے مختلف گروہوں کو آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے بایں طور کہ وہ سرکشی کریں ہم نے ان کافروں کو دنیوی زندگی کی رونق اور زیبائش کا سامان دیا ہے۔ **وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى** ۵ اور آپ کے پروردگار کا رزق (جو جنت میں ملے گا) بہر جہا بہتر ہے (اس سے جو یہ لوگ دنیا میں دیئے گئے) اور دیر پا ہے۔ **وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ** الخ اور اپنے متعلقین کو (یعنی خاندان کو) نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے، اور آپ سے معاش نہیں چاہتے ہیں (یعنی ہم آپ کو روزی کا مکلف نہیں بناتے) (یعنی آپ کی اپنی ذات کیلئے اور نہ اپنے سوا کے لیے معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے (یعنی جنت پرہیزگاری یعنی اہل تقویٰ کے لیے ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **عَلَيْهِمُ إِلَى الْآخِرَةِ**: ہم سے یہ امت مراد ہے۔

قوله: **لَا زِمَالَهُمْ**: یہ مصدر موصوف ہے۔

قوله: **مَنْعُوفٌ عَلَى الضَّمِيرِ**: یعنی جلد پکڑ اور وقت مقررہ ہر دو ان کے لیے لازم ہیں۔

قوله: **حَالٌ**: یہ حال ہے یعنی: انت حامد لربک یعنی تو اپنے رب کی تعریف کرنے والا ہے۔

قوله: **سَاعَاتِهِ**: اس میں زمانے کو مقدم کیا سورات کے اوقات فضیلت میں اور بڑھ کر ہیں اس وقت میں قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ نفس استراحت کی طرف مائل ہوتا ہے تو عبادت میں اس وقت زیادہ لطف ہے۔

قوله: **أَطْرَافَ النَّهَارِ**: دن کے دونوں نصف کے اعتبار سے جمع لائے ورنہ تو دن کی طرفین ہیں۔

قوله: **لَعَلَّكَ**: اس کا تعلق سبح سے ہے۔

قوله: **عَيْنُكَ**: یعنی تیرا دوا آنکھوں سے دیکھنا۔

قوله: **قَنُومٌ**: سے مراد کفار مکہ ہیں۔

قوله: **زَهْرَةَ الْحَيَاةِ**: یہ محذوف فعل جعلنا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: **أَصْطَبَرٌ**: یعنی مداومت اختیار کرو۔

قوله: **وَلَا يَغْيِرُكَ**: مثلاً اہل وعیال۔

قوله: **نَحْنُ نَرْزُقُكَ**: یعنی انہوں کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں پس آخرت کے لیے اپنے دل کو خالی کرو۔

قوله: **وَالْعَاقِبَةُ**: اس سے عاقبہ محمودہ مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزِمَامًا وَاجِلًا مُمْسِيًّا ۝

یعنی حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سابق ہے۔ اسی لیے مجرم کو دیر تک اصلاح کا موقع دیتے ہیں اور پوری طرح اتمام حجت کے بدون ہلاک نہیں کرتے۔ بلکہ اس امت کے متعلق تو یہ بھی فرمادیا ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (الانفال: ۳۳) اور اپنی خاص مہربانی سے عذاب عام مستاصل کو اس امت سے اٹھا لیا ہے۔ یہ بات ہے جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اگر یہ نہ ہوتی اور ہر ایک مجرم قوم کے عذاب کا ایک خاص وقت مقرر نہ ہوتا تو لازمی طور پر ان کو عذاب آگھیرتا۔ کیونکہ ان کا کفر و شرارت اسی کو مقتضی ہے کہ فوراً ہلاک کر دیے جائیں۔ صرف مصالحہ مذکورہ بالا ماننے ہیں جن سے اس قدر توقف ہو رہا ہے۔ آخر قیامت میں عذاب عظیم کا مزا چکھنا پڑے گا۔ اور جب وقت آئے گا تو دنیا میں بھی اس گھمسان کا نمونہ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ بدر میں مسلمانوں سے مڈ بھڑ ہوئی تو تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیا۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ

مکرمین کی باتوں پر صبر و برداشت کی تعلیم و تلقین: سوار شاد فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں کی ان باتوں پر جو یہ لوگ بناتے ہیں مبرحہ کام لیں۔ یعنی ان کی ان باتوں پر جو یہ بناتے ہیں حق اور اہل حق کے خلاف اور ان کا معاملہ اپنے خالق و مالک ہی کے حوالے کر دیں۔ وہ ان سب سے خود ہی نمٹ لے گا۔ اور کمال عدل و انصاف کے ساتھ نمٹے گا۔ سو یہ لوگ جو آپ کے بارے میں طرح طرح کی دل آزار اور دکھ دہ باتیں کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو سارے کہتے ہیں کبھی شاعر اور کبھی مجنوں وغیرہ۔ تو آپ اسے بغیر غصے کے ان کی ایسی تمام باتوں پر صبر ہی سے کام لیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب اللہ آپ کے ساتھ ہے تو پھر آپ کو کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ ان کی ایسی یا وہ گویوں کو کبھی خاطر میں نہ لائیں۔ اور صبر کی بنیاد درحقیقت اس عقیدے پر ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس کی مشیت و مرضی تمام تر مبنی ہوتی ہے حکمت پر اور اس عقیدے کو دل میں راسخ اور ذہن میں مستحضر رکھنے کے لیے سب سے بڑا اور موثر ذریعہ ذکر الہی اور نماز ہے۔

صبر و استقامت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ذکر و تسبیح: سوار شاد فرمایا گیا اور اپنے رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو۔ کہ یہ سب دکھوں کا علاج اور تمام غموں کا مداوا ہے۔ اور دلوں کی تقویت اور ان کے سکون کا ذریعہ و وسیلہ۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَسُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ سورب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرنا بندہ مؤمن کا اور خاص کر داعی جن کی تسبیح و تسلیہ اور نصرت و امداد خداوندی سے سرفرازی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ تسبیح کا عام مفہوم تو ذکر الہی ہی ہے اور یہ ہر وقت اور ہر حال میں مطلوب ہے کہ یہ مؤمن کی اصل قوت اور اس کی زندگی ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا ذکر اوقات کی قید کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اس قرینے کی بنا پر اس سے مراد نماز ہے جو کہ ذکر خداوندی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اور تسبیح کے ساتھ

حمد کے ذکر سے ذکر الہی کی صحیح صورت کو واضح فرمادیا گیا کہ تسبیح میں تنزیہ کا پہلو غالب ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے اور ہر ثائبہ شرک سے پاک ہے۔ جبکہ تحمید میں اثبات کا پہلو غالب ہے۔ یعنی وہ ہر خوبی و کمال سے متصف اور ہر حمد و ثناء کا حقدار ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور ہر طرح کی حمد و ثناء اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

اوقات نماز کی تعلیم: سوا اوقات ہنجگانہ میں ذکر و تسبیح کی خاص اہمیت کا ذکر و بیان ہے۔ اور اس میں دراصل پانچ فرض نمازوں اور نماز تہجد کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو کہ حمد و ثناء اور تسبیح کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو کس طرح ادا کیا جائے اس کی تفصیل پیغمبر کے قول و فعل سے ہی مل سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث رسول کے بغیر نہ قرآن سمجھنا ممکن ہے نہ دینی احکام پر عمل کرنا۔ سو یہاں پر صبر و صلوٰۃ کے ان دو ذریعوں کو اپنانے اور اختیار کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے جو کہ نصرت و اعانت خداوندی کے حصول کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (البقرہ: ۴۵) وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

استقامت وسیلہ ظفر و سعادت:

سوا اس سے واضح فرمادیا گیا کہ راہ حق پر استقامت کا ثمرہ و نتیجہ خوشی اور سعادت مندی سے سرفرازی۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ آپ راہ حق پر ڈٹ جائیں تاکہ آپ کو خوشی حاصل ہو۔ اپنے رب کی ان رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں کے باعث جو کہ آپ کو حاصل ہوں گی اپنے ان اعمال خیر کے طفیل اور ان کے نتیجے میں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ اور عنقریب ہی آپ کا رب آپ کو وہ کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ سوراہ حق و ہدایت پر استقامت اللہ پاک کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تقدیس اور اس کی رضا کے لئے ہنجگانہ نمازوں اور تہجد و نوافل کا قیام و اہتمام اور ان کی پابندی و التزام مؤمن کیلئے تائید و تقویت، عزت و عنایت خداوندی حقیقی خوشی و سعادت مندی سے سرفرازی اور اپنے خالق و مالک کی رضا سے مشرف و فیضیاب ہونے کا عظیم الشان ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ لِذٰلِکَ وَالتَّسَادَّدَ وَالثَّبَاتَ۔ بہر کیف اس عظیم الشان بشارت سے سرفرازی و بہرہ مندی کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم راہ حق و ہدایت پر ثابت قدم اور اپنے موقف پر ڈٹے رہو اور اپنے کام میں لگے رہو۔ تمہارا رب تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں ایسی عظیم الشان عنایات اور کامرانیوں سے نوازے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے اور تمہارے لیے انہی نمازوں کے التزام اور پابندی میں سب کچھ مضمر و محفوظ ہے۔ اپنے رب کے سوا تمہیں اور کسی کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔

آخر میں فرمایا: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ (آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے) وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (اور خود بھی اس پر جے رہئے) یعنی پابندی کے ساتھ ادا کیجیے، اس میں دو حکم دیئے ہیں۔ ایک اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا دوسرے خود بھی اس کا اہتمام کرنا۔ چونکہ نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے یعنی کلمہ شہادت کا یقین کرنے کے بعد دوسرا درجہ نماز ہی کا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا کہ نماز کا اہتمام فرمائیے اور گھر والوں سے

کام یہ ہے کہ نمازوں کا اہتمام کریں اور اپنے گھر والوں سے نماز پڑھوائیں۔ گھر والوں کے عموم میں بیوی بچے سب داخل ہیں۔ جب انسان خود کسی امر شرعی کا اہتمام کرے گا تو اپنے ماتحتوں سے بھی کروا سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بطور سرکاری فرمان اپنے گورنروں کو لکھ کر بھیجا تھا کہ بلاشبہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ بڑھ کر نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی وہ اپنے باقی دین کی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اس کے سوا باقی دین کو اس سے زیادہ ضائع کر لے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) وہو الحدیث الخامس من الموطا۔ عموماً لوگ سمجھتے ہیں خلافت راشدہ اور دور حاضر کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ بھی اقتدار تھا اور یہ بھی اقتدار ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ خلافت راشدہ میں اولین مقصد لوگوں کو دین پر چلانا اور دین کی حفاظت کا اہتمام تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی عوام الناس کی جائزہ حاجات پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ اب تو صرف کرسی کی حفاظت کا نام اقتدار ہے۔ نہ خود نماز پڑھیں نہ لوگوں کو نماز پڑھوائیں۔ بس عوام راضی ہیں چاہے جتنے بھی گناہ کر لیں۔ گناہوں کے کاموں کے لائسنس تک دیئے جاتے ہیں۔ یہ حکومتیں تو اپنی اور عوام الناس کی دنیا و آخرت تباہ کرنے والی ہیں۔

لَا تَسْأَلُكَ رِزْقًا یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ معاش کمانے میں لگیں۔ (یہ خطاب امت کو بھی شامل ہیں) یعنی زندگی کا مقصد رزق کمانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت مقصود حیات ہے اور گو کسب حلال کے لیے اسباب اختیار کرنا بھی مفید ہے لیکن اس درجہ میں نہیں کہ نماز اور فرائض برباد ہو جائیں اور کمانا ہی اصل رہ جائے۔ (تَحْنُ نَزُوقُكَ) (ہم آپ کو رزق دیں گے) جو رزق مقدر ہے وہ سبھی کو ملے گا۔ لہذا اسباب اختیار کرنے میں فرائض اور واجبات ترک نہ کریں اور محرمات کا ارتکاب نہ کریں۔ جو لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے رزق انہیں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت ہے کہ ساری مخلوق رزق پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتی ہے۔

قال صاحب الروح ج ۱۶، ص ۲۸۵، دفع انما عسى ان يخطر ببال احد من ان المداومة على الصلوة ربما تضرب بامر المعاش فكانه قيل داوموا على الصلاة غير مشتغلين بامر المعاش عنها اذ لا تكلفكم رزق انفسكم ابل نحن نرزقكم۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب اپنے گھر میں کوئی سختی یا تنگی پیش آتی تھی تو انہیں نماز کا حکم دیتے تھے اور آیت کریمہ: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ تَلَاوت فرماتے تھے۔ (روح المعانی عن البہیقی فی شعب الایمان بسند صحیح) اور حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ رات کو بمشیت الہی نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا تھا تو اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نماز پڑھو، نماز پڑھو اور ساتھ ہی آیت بالا تلاوت کرتے تھے۔

(رواہ مالک فی الموطا فی صلاة اللیل)

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ۝ (اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے) لہذا فرائض کا اہتمام رکھا جائے جن میں سے سب سے بڑھ کر نماز ہے اور منوعات اور محرمات سے پرہیز کیا جائے۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ ۖ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد ہلاک فرماتا ہے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ رسول آتا تو پیروی کر لیتے:

یہ سورۃ طہ کی آخری تین آیات ہیں۔ پہلی آیت میں قریش مکہ کی ایک یہودہ بات ذکر فرمائی ہے اور اس کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ یہ صاحب نبوت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہم جو ان سے کہتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کرانے کے لیے ہمارے سامنے فلاں معجزہ لاؤ تو وہ ایسا معجزہ کیوں نہیں لاتے، اگر ہمارا مطلوبہ معجزہ لے آئیں تو ہم مان لیں گے، یہ بات ان کی بطور عناد کے تھی بہت سے معجزات ان کے سامنے تھے لیکن ان کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں لاتے تھے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید تھا جواب تک دنیا کے سامنے ہے سابقہ کتب توراة انجیل وغیرہ میں جو عقائد اور اصولی احکام تھے قرآن ان کو بیان کرتا ہے اور ان کے سچا ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس قرآن کا سامنے ہونا ہی اہل عقل کے لیے کافی ہے۔ قال صاحب الروح فالمراد بالبينة القرآن الكريم والمراد بالصحف الاولی التوراة والانجیل وسائر الكتب السماویة و بما فيها العقائد الحقّة واصول الاحکام التي اجتمعت عليها كافة الرسل عليهم السلام ومعنى كونه بينة لذلك شاهد باحققته۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کو کوئی عذاب بھیج کر قرآن نازل کرنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ ہاں کہتے کہ ہمارے پاس رسول بھیجا جاتا تو ہم اس کا اتباع کرتے، ایمان لاتے، احکام مانتے اور اب عذاب میں پڑ کر ذلیل اور رسوا نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول بھیج دیا، حجت پوری کر دی اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ کوئی رسول آتا تو ہم ایمان لے آتے اور عذاب میں داخل نہ ہوتے، اللہ جل شانہ نے بغیر اتمام حجت نہ کسی قوم کو ہلاک کیا اور نہ اس کے بغیر آخرت میں کسی کو عذاب ہوگا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ (اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں عذاب دینے والے نہیں ہیں) اور سورۃ فاطر میں فرمایا: اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ (بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے ڈرانے والا نہ بھیجا ہو) تیسری آیت میں فرمایا کہ آپ ان منکرین سے فرمادیں کہ دیکھو اس دنیا میں کیا ہوتا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا سب اس کے انتظار میں ہیں تو تم بھی انتظار کر لو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستے پر چلنے والا کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے، یہاں تو حق کی تکذیب کر رہے ہو تمہیں حق سے انحراف ہے موت کے وقت اور اس کے بعد کے حالات تمہیں بتا دیں گے کہ سچ راستہ پر کون ہے تمہیں اپنی ملٹی کا اس وقت پتہ چلے گا جب اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ صحیح بات یہی ہے کہ آج ہی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آؤ۔ دلائل کو دیکھو، حق کو پہچانو، صراط مستقیم پر چلو، حق سے مزید موز کر بر مادی کے گڑھے میں نہ گرو۔

سُورَةُ الْاَنْجِيَاءِ

سُورَةُ الْاَنْجِيَاءِ
١١ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اٰیَاتُهَا
١١١اٰیَاتُهَا
١١١

سورة انبیاء کہ میں نازل ہوئی

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع

اِقْتَرَبَ قَرَبٌ لِلنَّاسِ اَهْلِيْ مَكَّةَ مُنْكَرِيْ الْبَعْثِ حِسَابُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝
عَنِ النَّهْبِ لَهُ بِالْاِيْمَانِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مَنْ رَّزَاهُمْ مَّقْدَحٌ شَيْئًا فَشَيْئًا اَيُّ لَفْظِ قُرْآنٍ اِلَّا اسْتَعْوَدُوْهُ وَهُمْ
يَلْعَبُونَ ۝ يَسْتَهْزِءُوْنَ لَا هِيَةَ غَافِلَةً قُلُوْبُهُمْ عَنْ مَّعْنَاهُ وَاَسْرُوْا التَّجْوِيْ اَيُّ الْكَلَامِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِذَلِّ
مِنْ وَاوَاَسْرُوْا التَّجْوِيْ هَلْ هَذَا اَيُّ مُحَمَّدٍ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۝ فَمَا يَأْتِيْ بِهِ سِحْرٌ اَفْتَاتُوْنَ السِّحْرَ تَتَّبِعُوْنَ
وَاَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ سِحْرٌ قُلْ لَهُمْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ كَاِنَّمَا فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ۝ وَهُوَ السَّيِّعُ لِمَا
اَسْرُوْهُ الْعَلِيْمُ ۝ بِهِ بَلَّ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرْضٍ اِلَى اٰخَرٍ فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ قَالُوْا فَيَمَّا اَتَى بِهِ مِنَ الْقُرْآنِ
هُوَ اَضْحَاكُ اَحْلَاهُمْ اَخْلَاطٌ رَاَهَا فِي النَّوْمِ بَلَّ اَفْتَرَاهُ اِخْتَلَفَهُ بَلَّ هُوَ شَاعِرٌ ۝ فَمَا اَتَى بِهِ سِحْرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاَيِّ
كَمَا اَرْسَلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْبَدِ قَالَ تَعَالٰى مَا اَمْنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَيُّ اَهْلِهَا اَهْلَكْنَاهَا
بِكُذِبِهَا مَا اَتَاهَا مِنَ الْاٰيَاتِ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ وَفِي قِرَاٰةٍ بِالتَّوْحِيْدِ
وَكُسِرِ الْحَاءِ اِلَيْهِمْ لَا مَلَائِكَةَ فَسَلُّوْا اَهْلَ الذِّكْرِ الْعُلَمَاءُ بِالتَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيلِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ذٰلِكَ
فَاِنَّهُمْ يَغْلَبُوْنَ وَاَنْتُمْ اِلَى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ اَيُّ الرُّسُلِ
جَسَدًا لِّبَعْثِ اَجْسَادٍ لَا يَافُوْنَ الطَّعَامَ بَلَّ يَأْكُلُوْنَ وَمَا كَانُوْا خُلْدِيْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ
بِاَنْجَالِهِمْ فَاَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَّشَاءُ اَيُّ الْمُصْذِقِيْنَ لَهُمْ وَاَهْلَكْنَا السُّرِفِيْنَ ۝ الْمَكْذِبِيْنَ لَهُمْ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ
بِامْتَسْرِ قُرَيْشٍ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۝ لَا تَكْفُرْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فَتُؤْمِنُوْنَ بِهِ

ترکیب چنانہ: قریب آپہنچا ہے اہل مکہ سے جو بحث کے منکر ہیں ان کے حساب کا وقت اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں
اعراض کہے ہوئے ہیں ایمان لانے سے ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے وہاں تو قائل ہیں
قرآن کی شکل میں اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں اور ان کے دل بے توجہ ہوتے ہیں اس کے مضامین
سے اور یہ لوگ یعنی عالم اپنی سرگوشی کو چھپاتے رہتے ہیں فَلَا يَكُونُ بدل واقع ہے وَأَسْرُوا النَّجْوَى کے واسطے کہ یہ یعنی جو
تو محض تم جیسے ایک آدمی ہیں پس وہ جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں وہ تو ایک جادو ہے تو کیا تم جادو سنتے جاؤ گے اور اس کی اتباع کر
کے درآئیں آئیکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو یعنی جانتے ہو کہ یہ سب صرف جادو ہے ان لوگوں کو ارشاد ہوا کہ میرا رب تو ہر چیز کو جانتا ہے
آسمان میں ہو یا زمین میں وہ خوب سنتے والا ہے جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں اور خوب جاننے والا ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ان
مضامین کے بارے میں کہ جن کا تذکرہ قرآن میں ہے بل ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لیے استعمال
ہوتا ہے بعد کی آیت میں دلیل کا استعمال اسی مقصد کے لیے ہے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جسے اس نے خواب میں دیکھا ہے
نہیں بلکہ یہ کہ انہوں نے اسے گھڑ لیا ہے بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں لہذا یہ مضامین اسی کے اشعار ہیں ورنہ انہیں لانا چاہئے ہمارے پاس
کوئی بڑا نشان جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے اور انہیں بڑی بڑی نشانیاں دی گئیں جیسے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی موسیٰ علیہ السلام کا
عصا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا روشن ہونا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: قرب: یعنی گزشتہ کی طرف نسبت کے لحاظ سے قریب ہوا۔

قولہ: قُرْبَن ذِكْرٍ: یعنی ایسی نصیحت جو ان کو غفلت سے خبردار کرے۔ من رحم یہ ذکر کی صفت ہے اسی کا انا من رحمہ۔

قولہ: الْكَلَامَ: اس سے اشارہ کیا کہ النجوى سے مطلق کلام مراد ہے مخفی معنی کا ارادہ کیے بغیر بطور تجرید۔

قولہ: فِي الْمَوَاضِعِ الْغَلَاظَةِ: قالوا کو معصمن معنی کی تاکید کے لئے مسکر رلائے۔

قولہ: اِخْتَلَفَتْ: اس کو بتایا ہے۔

قولہ: فَنَسَا نَسِيًّا بِهٖ شِعْرًا: یعنی بے حقیقت کلام ہے۔

قولہ: أَرْسِلَ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُودِي كُنَّ:

قولہ: يُؤْمِنُونَ: یعنی یہ ان کی نسبت زیادہ سرکش ہیں اس میں خبردار کیا۔ منہ مانگا معجزہ نہ دینا ان پر رحمت کی وجہ سے ہے کہ چار دن اور رہ لیں۔

قولہ: أَهْلَ الذِّكْرِ: ان پر بات کو بطور الزام ڈالا جاتا ان کو یہود پر اعتماد تھا یا جم غففت کی بات علم کو واجب کر دیتی ہے۔

قولہ: بِمَعْنَى الْحَسَادِ: ایسے جمع نہیں بنایا یہ جمع لائے تاکہ اول کے مطابق ہو جائے۔

قولہ: صَدَقْنَا هُمُ الْوَعْدَ الْوَعْدَ: یعنی ہم نے ان کے ساتھ وعدے کو سچا کر دیا۔

تفسیر مقبولین

اِفْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝

سورۃ انبیاء کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سورۃ کہف اور مریم اور طہ اور انبیاء یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں اور میری یہ قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔ (قرطبی)

منکرین کے عنساد کا تذکرہ اور ان کی معاندانہ باتوں کا جواب:

یہاں سے سورۃ الانبیاء شروع ہو رہی ہے۔ اس میں چونٹھے رکوع کے ختم تک معاندین اور منکرین توحید و رسالت اور منکرین آخرت کی تردید ہے۔ پھر پانچوں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے جو اپنی قوم سے خطاب کیا اور بتوں کو توڑنے پر جو قوم نے ان سے سوال و جواب کیے اور انہیں آگ میں ڈالا اس کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد حضرت لوط، حضرت نوح، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت ایوب اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور حضرت یزواکفل اور حضرت ذوالنون (یعنی حضرت یونس) اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت مریم کا تذکرہ ہے پھر آخر سورۃ تک مختلف مواضع میں اور انہیں کے ذیل میں یا جوج و ماجوج کے خروج اور وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا گیا کہ لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ اپنی غفلتوں میں روگردانی کیے ہوئے ہیں۔ انہیں کوئی فکر نہیں کہ قیامت ہوگی اور حساب ہوگا اور یہ ان کی غفلت اس لیے ہے کہ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہیں۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مَنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پاس آتی ہے یعنی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اور ان کے دل غافل ہوتے ہیں اور رسول اللہ کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور چپکے چپکے آپس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو یوں کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہے اور یہ جو کچھ معجزہ کے نام سے تمہیں دکھاتا ہے یہ جادو ہے۔ کیا تم جانتے ہو جیسے جادو کو مان لو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے؟ ان کی ان باتوں کا جواب رسول اللہ نے یوں دیا کہ آسمان میں اور زمین میں جو بات ہوتی ہے کیسی ہی خفیہ اور پوشیدہ ہو میرا رب اسے خوب جانتا ہے اور وہ خوب سنتے والا اور جاننے والا ہے۔ تمہاری باتوں کا اسے علم ہے وہ ان کی سزا دے گا۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کو ماننے سے بھی انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو خوابوں کی گھڑیاں ہیں۔ ان کو خواب میں کچھ باتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں انہیں کو پیش کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اس سے بڑھ کر انہوں نے یوں کہا کہ یہ باتیں خود ہی اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ شاعر ہے۔ وہ لوگ یہ سب عناد اور ضد میں کہتے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ آپ شاعر نہیں اور جو اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ شعر ہے نہ شاعری ہے۔ شاعروں کی تک بندیاں اور دنیا کے خیالات کی باتوں سے بلند اور بالا ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جیسے ان سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) نشانیاں لے کر آئے یہ بھی کوئی ایسی نشانی لے کر آئیں۔ معجزات تو بہت تھے جنہیں بارہا دیکھتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کی چھوٹی سی ایک سورۃ کے مقابلہ میں ذرا سی عبارت بنا کر لانے سے بھی عاجز تھے۔ لیکن ان معجزات موجودہ کے علاوہ اپنے فرمائی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ معاندین کی اس بات کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ لوگوں کا پابند نہیں کہ جو لوگ معجزہ چاہیں وہی بھیجے۔ اور ان سے پہلے بعض امتوں کے پاس فرمائی معجزہ آ یا وہ پھر بھی ایمان نہ لائے لہذا ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی کو فرمایا: (مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَوْمٍ أَهْلَكْنَاهَا) ان سے پہلے کسی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا (فرمائی معجزات ظاہر ہونے پر بھی) ایمان نہ لائے (أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ أَنْبَأُوهُمْ أَنَّهَا بَشَرٌ) (کیا یہ ایمان لے آئیں گے) اگر یہ ایمان نہ لائے تو پرانی امتوں کی طرح ان پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا اور چونکہ ابھی عذاب نازل فرمانا قضا و قدر میں نہیں ہے اس لیے فرمائی معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ تو تمہاری طرح کے آدمی ہیں اور ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ ان کے جواب میں اللہ جل شانہ نے فرمایا (وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ) (اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہی تھے۔ یعنی آدمی ہی تھے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے) نبی اور غیر نبی میں وحی آنے نہ آنے کا فرق ہے۔ ایسا کوئی قانون نہیں کہ جو نبی ہو وہ بشر نہ ہو۔ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (اگر تم اس بات کو نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: فسئلوا ایہا الجہلۃ اہل الکتاب الواقفین علی احوال الرسل السالفة علیہم الصلوۃ والسلام لتزول شہنتکم مطلب یہ ہے کہ اے جاہل اہل کتاب سے پوچھ لو جنہیں گزشتہ رسولوں کے حالات معلوم ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیں گے کہ انبیاء انسان تھے، بشر تھے۔ تم اہل کتاب سے یہ مشورہ تو کرتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان کرنے کے لیے آپ سے کیا پوچھیں۔ ذرا یہ بھی تو پوچھ لو کہ پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے تھے کیا وہ بشر کے علاوہ کسی دوسری جنس کے افراد تھے۔ تمہیں تو انبیاء سابقین علیہم السلام کی خاص خبر بھی نہ تھی۔ اہل کتاب ہی کے بتانے سے تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم ہوا ہے اور اہل کتاب ہی کے سمجھانے سے تم نے یہ کہا ہے: فَلْيَايُنَا يَايُنَا كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝ تم ان سے معلوم کرتے رہتے ہو تو یہ بھی معلوم کرو کہ انبیاء سابقین بشر تھے یا بشر کے علاوہ اور کسی جنس سے تھے؟ جب تم ان سے پوچھو گے اور وہ صحیح جواب دیں گے تو یہی بتائیں گے کہ انبیاء سابقین (علیہم السلام) انسان تھے بشر تھے۔ جب وہ حضرات بشر تھے تو خاتم النبیین ﷺ کے بشر ہوتے ہوئے نبی ہونے پر کیا اعتراض ہے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَآكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝

مزید فرمایا: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (کہ ہم نے رسولوں کے ایسے بدن نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں) چونکہ وہ فرشتے نہیں تھے بشر تھے اس لیے کھانا بھی کھاتے تھے اور کھانا کھانا مقام نبوت کے منافی نہیں ہے۔ سورہ فرقان میں فرمایا: (وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ) (اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر ایسے رسول جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے)۔

ان کا امتیاز دوسرے بندوں سے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی ہدایت و اصلاح کے لیے کھڑے کیے گئے تھے خدا ان کی طرف وحی بھیجتا اور باوجود بے سروسامانی کے مخالفین کے مقابلہ میں ان کی حمایت و نصرت کے وعدے کرتا تھا چنانچہ اللہ نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے۔ ان کو مع رفقاء کے محفوظ رکھا اور بڑے بڑے متکبر دشمن جو ان سے ٹکرائے تباہ و غارت کر دیئے گئے۔ بیشک محمد ﷺ بھی بشر ہیں۔ لیکن اسی نوع کے بشر ہیں جن کی اعانت و حمایت ساری دنیا کے مقابلہ میں کی جاتی ہے ان کے مخالفین کو چاہیے کہ اپنا انجام سوچ رکھیں اور پہلی قوموں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ کہیں آخرت کے حساب سے پہلے دنیا ہی میں حساب شروع نہ کر دیا جائے۔

وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝ (اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے) وہ انسان ہی تھے۔ انسانوں کی طرح انہیں بھی موت آئی اور موت کا آنا بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ آتَىٰ أَهْلَهَا كَانَتْ ظَالِمَةً ۖ كَافِرَةٌ ۖ وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۖ فَلَمَّا أَحْسَوْا بِأَسَاسِنَا ۖ آتَىٰ شُعْرَاهُمْ أَهْلَ الْقَرْيَةِ بِالْإِهْلَاكِ ۖ إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۖ يَهْرَبُونَ مُثِيرِ عَيْنٍ فَقَالَتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ اسْهَرِ أَيْ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أَتَرْتُم ۖ نَعْمَتُمْ فِيهِ وَمَسْكِينُمْ لَكُمْ تَسْلُونَ ۖ شَيْئًا مِنْ دُنْيَاكُمْ عَلَىٰ الْعَادَةِ قَالُوا لِلتَّبِيهِ يَوْمَكُنَا ۖ هَلَاكُنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ بِالْكَفْرِ ۖ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ الْكَلِمَاتُ دَعْوَاهُمْ يَدْعُونَ بِهَا وَيُرَدَّدُونَهَا حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا ۖ آتَىٰ كَالزَّرْعِ الْمُحْصُودِ بِالْمَنَاجِلِ ۖ بَانَ قُتِلُوا بِالسَّيْفِ حَصِيدِينَ ۖ مَبِينِ كَحُمُودِ النَّارِ إِذَا طَفِئَتْ ۖ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَعِينِينَ ۖ عَابِثِينَ بَلْ دَا لَيْنَ عَلَىٰ قُدْرَتِنَا وَنَافِعِينَ عِبَادَنَا لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ مَا يُلْهِي بِهِ مِنْ رَوْحَةٍ أَوْ وَلَدٍ لَّأَتَّخِذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا ۖ مِنْ عِنْدِنَا مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَالْمَلَائِكَةِ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۖ ذَلِكَ لَكِنَّا لَمْ نَفْعَلْهُ فَلَمْ نُرِدْهُ بَلْ نَقُفُ نَرْمِي بِالْحَقِّ الْإِيمَانِ عَلَى الْبَاطِلِ الْكُفْرِ فَيُدْمَعُهُ يَذْهَبُهُ فَإِذَا هُوَ دَاقُ ۖ ذَاهِبٌ وَدَمْعُهُ فِي الْأَصْلِ أَصَابَ دَمَاعَهُ بِالضَّرْبِ دَمَاعَهُ بِالضَّرْبِ وَهُوَ مُقْتَلٌ وَلَكُمْ يَا كَفَّارِ مَكَّةَ الْوَيْلُ الْعَذَابُ الشَّدِيدُ وَمَا

يَصِفُونَ ۝ اللَّهُ بِهِ مِنَ الزَّوْجَةِ أَوِ الْوَلَدِ وَلَهُ تَعَالَى مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَلَكَائِمٌ وَعِنْدَهُ أَيْ الْمَلَائِكَةُ
مُبْتَدَأٌ خَبْرُهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ لَا يُعْثِرُونَ يَسْتَحْيُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا
يَفْتُرُونَ ۝ عَنْهُ فَهُوَ مِنْهُمْ كَالنَّفْسِ مِنَّا لَا يَشْغَلُنَا عَنْهُ شَاغِلٌ أَوْ بِمَعْنَى بَلْ لِلْإِنْتِقَالِ وَهَمْزُهُ الْإِنْكَارُ
اتَّخَذُوا إِلَهًا كَائِنَةً مِنَ الْأَرْضِ كَحَجَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ هُمْ أَيْ الْأِلَٰهَةُ يَشْرُونَ ۝ أَيْ يُحْيُونَ الْمَوْتَى لَا
وَلَا يَكُونُ الْهَاءُ إِلَّا مَنْ يُحْيِي الْمَوْتَى لَوْ كَانَ فِيهِمَا أَيْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَهًا إِلَّا اللَّهُ أَيْ غَيْرُهُ
لَفَسَدَتَا ۚ خَرَجَتَا عَنْ نِظَامِهِمَا الْمَشَاهِدِ لِوُجُودِ التَّمَانِعِ بَيْنَهُمْ عَلَى وَفْقِ الْعَادَةِ عِنْدَ تَعَدُّدِ الْحَاكِمِينَ مِنَ
التَّمَانِعِ فِي الشَّيْءِ وَعَدَمِ الْإِتْفَاقِ عَلَيْهِ فُسَبِّحَنَ تَنْزِيَهُ اللَّهُ رَبِّ خَالِقِ الْعَرْشِ الْكُورْسِيِّ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ أَيْ
الْكُفَّارِ اللَّهُ بِهِ مِنَ الشَّرِّ لَكَ وَغَيْرِهِ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۝ عَنْ أَعْمَالِهِمْ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ
إِلَهًا ۚ تَعَالَى أَيْ سِوَاهُ إِلَهًا طَفِيهِ اسْتِفْهَامٌ تَوْبِيخٌ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۚ عَلَى ذَلِكَ وَلَا سَبِيلَ إِلَيْهِ هَذَا ذِكْرُ
مَنْ قَبْلِي أَيْ أُمْتِي وَهُوَ الْقُرْآنُ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي ۚ مِنَ الْأُمَمِ وَهُوَ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ وَغَيْرُهُمَا مِنْ كُتُبِ اللَّهِ
لَيْسَ فِي وَاحِدٍ مِنْهَا أَنْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا مِمَّا قَالُوا تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ أَيْ تَوْحِيدَ اللَّهِ
فَهُمْ مُضِلُّونَ ۝ وَعَنِ النَّظَرِ الْمُؤَصِّلِ إِلَيْهِ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا نُوْحِي ۚ وَفِي قِرَاءَةِ التَّنْوِينِ وَكَسْرِ
الْحَايِ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ أَيْ وَخِدُونِي وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ مِنَ الْجَلَالِ كَةِ سُبْحَنَهُ
بَلْ هُمْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ۝ عِنْدَهُ وَالْعِبَادِيَّةُ تَنَافِي الْوَلَادَةِ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ لَا يَأْتُونَ بِقَوْلِهِمْ إِلَّا بَعْدَ قَوْلِهِ ۚ
هُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ أَيْ بَعْدَهُ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ أَيْ مَا عَمِلُوا وَمَا هُمْ عَامِلُونَ وَلَا يَشْفَعُونَ
إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى تَعَالَى أَنْ يَشْفَعَ لَهُ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ تَعَالَى مُشْفِقُونَ ۝ أَيْ خَائِفُونَ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي
إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ أَيْ اللَّهُ أَيْ غَيْرِهِ وَهُوَ إِلَٰهٌ دَعَا إِلَى عِبَادَةِ نَفْسِهِ وَأَمَرَ بِطَاعَتِهَا فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ
ۚ كَذَلِكَ كَمَا نَجْزِيهِ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ أَيْ الْمُشْرِكِينَ

ترجمہ: ارشاد ہوا کہ ان سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان نہیں لائے یعنی جنہیں آیات و نشانوں کے
جھلانے کی سزا دی گئی سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا

جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے اور ایک قراءت فون اور ہام کے کسرہ کے ساتھ اور وہ لوگ فرشتے یا کوئی اور مخلوق نہیں تھی سو تم علماء اہل کتاب سے دریافت کر لو اگر تم علم نہیں رکھتے اور یہ اس وجہ سے کہ انھیں اس کا علم ہے اور تم ان کی باتوں کو جلدی قبول کر لو مے بمقابلہ مؤمنین کے اور ہم نے انکے جسم یعنی رسولوں کے ایسے نہیں بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے، جدا جساد کے معنی میں ہے یعنی یہ منفرد نہیں معنی جمع ہے اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے دنیا میں اور ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچا کیا یعنی عذاب دینا سے نجات دینے کا پھر ہم نے ان کو اور جن کو چاہا نجات دے دی یعنی ان کے ساتھ ان کو گلوں کو جنھوں نے ان کی تصدیق کی اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو یقیناً تم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں اے قبیلہ قریش والو! جس میں تمہارے لیے نصیحت موجود ہے کیونکہ وہ تمہاری بات زبان میں ہے تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے اور ایمان نہیں لاتے اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تباہ کر ڈالیں جن کے باشندے ظالم یعنی کافر تھے اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی سو انھوں نے جب ہمارا عذاب آتے ہوئے دیکھا اور اپنی ہلاکت کا احساس کر لیا تو اس بستی سے بھاگنے لگے حواس باختہ ہو کر جس پر فرشتوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ مت بھاگو اور واپس چلو اپنے سامان عیش اور اپنے مکانوں کی طرف شاید کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ کرے جیسا کہ دنیا میں تم سے لوگ مشورہ کرتے تھے یا غریب یا غرباء تم سے سوال کرتے تھے وہ لوگ کہنے لگے ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم ظالم ہی تھے اور کفر میں مبتلا رہے یا تنبیہ کے لیے ہے انکی یہی پکار جاری رہی اور مسلسل اور آہ بکا ہوتا رہا یہاں تک کہ ہم نے انھیں کٹی ہوئی کھیتی اور بھیجی ہوئی آگ بنا دیا اور ایسا نیست و نابود کر دیا جس طرح پر کہ کٹی ہوئی کھیتی ہو یا آگ جو بجھ چکی ہو اور ہم نے آسمان وزمین کو دواور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے اس طرح نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں بلکہ سوچ سمجھ کر اپنی قدرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس انداز پر بنایا جو بندوں کے لیے مفید ہو اور ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم بطور کھیل کے اس کو بنائیں جو تفریح طبع کے لیے مثلاً بیوی اور اولاد عام طور پر اختیار کیے جاتے ہیں تو ہم اپنے ہی پاس کی چیز کو کھیل بنا لیتے اور اس مقصد کے لیے ہم حور و ملائکہ وغیرہ کا انتخاب کر سکتے تھے اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا لیکن ہمارے پیش نظر اس طرح کی کوئی بات ہی نہیں تھی بلکہ ہم حق بات کو باطل پر پھینک مارتے ہیں یعنی ایمان کو کفر پر سودہ حق اس باطل کا بھیجہ نکال دیتا ہے اور اس کو مغلوب کر دیتا ہے نتیجہ وہ مٹ جاتا ہے دمع کے معنی لغت میں کسی دماغ پر اس طرح ضرب لگانے کے آتے ہیں کہ جو موجب ہلاکت ہو اور اے کفار کہ! تمہاری بڑی کج بختی آئے گی یعنی شدید ترین عذاب اس سے کہ تم گھڑتے رہتے ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف بیوی یا بچہ کی نسبت کرتے ہو اور اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین ہے اور جو کچھ اس کے نزدیک ہیں فرشتے وغیرہ یہ مبتدا ہے اور آنے والی عبارت اس کی خبر ہے وہ اس کی عبارت سے عار نہیں کرتے اور وہ دھکتے ہیں رات اور دن تسبیح کرتے ہیں موقوف نہیں کرتے تسبیح کرتے رہتے موقوف نہیں کرتے تسبیح ان کے لیے ایسی ہے جیسا کہ ہمارے لیے سانس کی آمد و رفت کوئی مشغولیت اس آمد و رفت کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی ٹھیک اسی طرح ان کے لیے تسبیح سے کوئی چیز مانع نہیں۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود رکھے ہیں (وہ ایسے ہیں جو) زمین کی چیزوں میں سے (مثلاً پتھر سونے اور چاندی کے بت) ہمزہ استفہام انکاری ہے اور ام بل کے معنی میں ہے جو انتقال کے لیے ہے) کہ وہ جلائے اٹھائیں گے (یعنی زندہ کر دیں گے) ان کو (یعنی کیا وہ مردوں کو زندہ کر دیں گے؟ نہیں!) (اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ہمزہ

استفہام انکاری ہے) اور معبود تو وہ ذات ہو سکتی ہے کہ جو مردوں کو زندہ کر دے) اگر ہوتے ان دونوں (آسمانوں اور زمینوں) میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے (کہ اس وقت جو نظام کائنات مشاہد ہے وہ برقرار نہ رہتا، ان کے درمیان تخاصم اور تحالف کے موجود ہونے کی وجہ سے چونکہ عادت یہی ہے کہ جب ایک مقام پر متعدد حاکم ہوں تو نظام ختم ہو جاتا ہے شئی میں تحالف اور اس پر عدم اتفاق ہونے کی صورت میں!) اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا ان امور سے پاک ہے جو کہ یہ (کفار) لوگ بیان کر رہے ہیں (ذات باری تعالیٰ کے حق میں شرک وغیرہ کی نسبت کر کے وہ کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز نہیں نہیں کر سکتا اور ان سے بار پرس کی جاسکتی ہے) (ان کے افعال سے متعلق) کیا خدا کو چھوڑا کر انہوں نے اور معبود بنار کے ہیں؟ اس میں استفہام تو بخوبی ہے۔ آپ ﷺ ان لوگوں سے) کہنے کہ تم اپنی دلیل اس دعوے پر پیش کرو (حالانکہ اس پر ان لوگوں کو کوئی قدرت ہی نہیں کہ دلیل پیش کر دیں) یہ میرے ساتھ والوں (یعنی میری امت) کی کتاب (اور وہ قرآن ہے) مجھ سے پہلے ان لوگوں کی کتابیں) وہ تورات انجیل وغیرہا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتب ہیں ان میں سے کسی کتاب میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی بھی معبود ہیں کہ جو یہ بات کفار کہہ رہے ہیں۔ سبحانہ و تقدس اس سے بلند و بلا شان دلی ذات ہے! موجود ہیں، بلکہ ان میں زیادہ وہی لوگ ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے (یعنی توحید الہی پر) سو وہ اعراض کر رہے ہیں ان چیزوں اور دلائل کی طرف نظر کرنے سے کہ جو اس طرف ان کی راہنمائی کرے) اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو (ایک قراءت نون اور حاء پر کسرہ کے ساتھ اور دوسری قراءت یاء کے ساتھ) کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو (یعنی مجھ کو ایک تسلیم کرو) اور یہ مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ نوح! اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے بلکہ (وہ) معزز (بندے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور عبودیت ولادت کے منافی چیز ہے) وہ اس سے) آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اپنی جانب سے کسی بات کو نہیں لاتے) اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں (یعنی اس کے حکم کے بعد ہی عمل کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال (یعنی جو انہوں نے کر لیا اور وہ جو کچھ بھی آئندہ کریں گے ان سب) کو جانتا ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو (کہ اس بندہ کی سفارش کی جائے) اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور ان (فرشتوں) میں سے جو کوئی (بالتفرض) یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں (اور ایک تفسیر یہ بھی محتمل ہو سکتی ہے کہ یہ قول ابلیس کی طرف منسوب ہو جس کو صاحب تفسیر نے اختیار فرمایا ہے کہ اپنی ذات کی عبادت کی طرف بلائے اور ان کو اپنی اطاعت کا حکم دے) سو اس کو ہم سزائے جہنم دیں گے، (اور) ہم ظالموں (یعنی مشرکین) کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (کہ جیسی ہم ان کو سزا دیں گے)۔ کیا (واؤ اور بغیر واؤ دونوں طرح کی قراءتیں ہیں) ان کافروں کو یہ معلوم ہیں ہوا کہ آسمان زمین (کے پہلے نہ) بندے تھے، پھر ہم نے ان (دونوں) کو کھول دیا (یعنی بنا دیا ہم نے آسمان کو سات اور زمین کو بھی سات، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کو کھول دیا یا بس طور پر کہ وہ بارش نہیں برساتا تھا اور برسنے لگا اور زمین کا کھلنا یہ ہے کہ وہ آگاہ نہیں سکتی تھی پھر وہ آگاہنے والی ہوگی) اور بنائی ہم نے (آسمان سے برسنے والے اور زمین سے ایلنے والے) پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے (نباتات وغیرہ جس میں حیات ہے چنانچہ ان تمام اشیاء میں حیات کی علامت نظر آتی ہیں اور علوم جدیدہ نے

بھی اس کو تسلیم کیا ہے! اور ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ اشیاء پانی اور دیگر نباتات اسباب حیات میں سے ہیں یعنی بس پانی اس حقی کی زندگی کا سبب ہے) کیا پھر بھی ایمان نہیں لاتے (ان دلائل کو سن کر بھی میری توحید پر) اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لیے بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہٹنے نہ لگے (کہ وہ زمین کو برقرار رکھنے والے ہیں) اور رکھی ہم نے ان (پہاڑوں) میں کشادہ راہیں تاکہ وہ راہ پائیں (اسفار میں اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لیے) اور بتایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ (حفظ کرنے سے) اور وہ آسمان کی نشانیوں (سورج چاند اور ستاروں) سے اعراض کیے ہوئے ہیں

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: فَلَمَّا أَحْسَبُوا: اهل کی طرف احساس میں ضمیر محذوف۔

قوله: شَفَرُ: بستی والوں نے ہلاک کو یوم محسوس کیا جیسے محسوس و مشاہد چیز کا ادراک کرتے۔

قوله: اِسْتَهْزَؤْا: یعنی ان کو بطور استہزاء کہا گیا مت بھاگو!

قوله: اِلٰی مَا اَنْتُمْ فِتْنُمْ: نعت کو ٹھکرانا۔ مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے یعنی انعام کرنے والے کی نعت سے سرکشی اختیار کرنا۔

قوله: فَيَقُولُ: یعنی تم سوال و مشورے اہم کاموں اور مصائب آفاقہ میں لیتے ہو۔

قوله: قَالُوْا: یعنی عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے۔

قوله: اِنَّا كُنَّا: اس قول سے کچھ فائدہ نہ دیا کیونکہ یہ مایوسی کی ندامت تھی۔

قوله: قَالُوْا: یعنی یہ کلمات اور ہر وہی شخص جواب ہو۔

قوله: دَعَوْنَهُمْ: یہ اسمیت و خبریت دونوں کا احتمال لفظی کی وجہ سے ہے۔

قوله: بَانَ فُتِلُوْا: یعنی ان کو بخت اُسر نے قتل کیا۔

قوله: اِن كُنَّا: یہ ان کے جواب پر دلالت کرنے والا ہے اور لو کا جواب پہلے ہے۔

قوله: بَلْ نَقْذِفُ: یعنی ہماری شان یہ ہے کہ ہم اس حق کو غلبہ دیں جس کی مقلدہ کوششوں میں سے اس باطل کے خلاف کوشش

یہ ہے کہ لہو جس کی صفات میں شمار ہوتا ہے تو وہ حق اس پر غلبہ پا کر اس کو مٹا دیتا ہے۔

قوله: نَوْمِي: سپینک کر غلبہ پانے کو رمی سے بطور استعاذہ بغیر کیا دور سے پھینکا جانے والا تیر و نشانے کی پختگی کو لازم کرنے

والا ہے، اور پھر الدمش جو سر کپلنے کی چھی تصویر ہے بلکہ اس میں مبالغہ ہے۔

قوله: زَاوِيٌّ: زاہق ہلاک ہونے والے کو کہتے ہیں اور زحوق روح کے نکلنے کو کہتے ہیں اور لی زکی طرف اشارے کے لئے

اس کو ذکر کر دیا۔

قوله: يَسْتَهْجُوْنَ: یہ جملہ مستانفہ ہے لایعتر و ن یہ حال ہے۔

قولہ: **نَجَاتٌ**: یعنی بے شک زمین کے اندر کیا اور موصیت کی صفت ہے؟
 قولہ: **لَا يَسْأَلُ عَنَّا يَفْعَلُ**: یعنی اس کی عظمت اور قوت دہدہ اور الوہیت میں منفرد ہونے کی وجہ سے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔
 قولہ: **وَهُمْ يَسْأَلُونَ**: یعنی ان سے باز پرس ہوگی کیونکہ وہ مملوک ہیں اور بندے ہیں، اس میں خمیر الہیہ کی طرف سے یا اس کی طرف۔
 قولہ: **أَوْ اتَّخَذُوا**: اس میں ان کے کفر کو بہت سخت قرار دے کر دوبارہ ذکر کیا۔
 قولہ: **هَآؤُلَآئِكَ**: برہان سے یہاں عقلی یا نقلی دلیل مراد ہے۔
 قولہ: **هَٰذَا ذِكْرٌ**: ذکر سے مراد یہاں نصیحت ہے۔
 قولہ: **إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا**: یہ تمام کتابوں کو پہلے ذکر کیا اور اس کے بعد خاص طور پر تین کتابوں کا ذکر کیا۔ ذکر میں قلمی پیام اٹلہ کی خبر ہونے کی حیثیت سے ان کے درمیان موجود کتاب کے ساتھ خاص ہے اور وہ تین کتابیں ہیں۔
 قولہ: **عِنْدَهُ**: اس میں قوم کو ذلیل کرنے والے کے متعلق تنبیہ ہے۔
 قولہ: **لَا يَأْتُونَ بِقَوْلِهِمْ**: یعنی وہ اس وقت تک کوئی بات نہیں کہتے جب تک اللہ نہیں فرماتے جیسا کہ فرمانبردار غلام کا کام ہے۔
 قولہ: **مَاعَمِلُوا**: یعنی جو عمل انہوں نے آگے بھیجا ہے۔
 قولہ: **أَنْ يَنْفَعَكَ**: یعنی اس کے رعب کی وجہ سے اس کی بارگاہ میں سفارش نہ کر سکے۔
 قولہ: **بِرَّ عَصَايَ**: یعنی اس کی عظمت سے۔
 قولہ: **بِشَفِيقٍ**: یعنی اس سے کانپنے والے ہیں۔
 قولہ: **وَهُمْ**: یعنی ملائکہ میں سے یا اور مخلوق میں سے مراد اس سے نفی الوہیت اور ملائکہ سے دعویٰ الوہیت کی نفی اور شرک کی تہدید ہے۔

تفسیر مقبولین

وَكُفْرًا قَصَصْنَا مِنْ قَبْلِهِ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۝

ہلاک ہونے والی بستیوں کی بد حالی:

ان آیات میں مکرین اور مکذبین کو عبرت دلائی ہے اور پرانی بستیوں کی ہلاکت بتا کر یاد دہانی فرمائی ہے کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظلم کرتی تھیں۔ یہ ظلم کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے تھا۔ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ عذاب آ رہا ہے تو وہاں سے دوڑ کر جانے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ مت دوڑو۔ تم جس عیش و عشرت میں لگے ہوئے تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے انہیں میں واپس آ جاؤ تاکہ تم سے پوچھا

جائے کہ تم جس ساز و سامان اور جن مکانوں پر گھمنڈ کرتے تھے اور اتراتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کہاں ہے جائے پناہ اور کہاں ہے حفاظت کی جگہ؟ جب عذاب آ ہی گیا تو کہنے لگے ہائے ہماری کبھتی! ہم ظالم تھے! کیونکہ عذاب آ جانے کے وقت توبہ کرنا اور ظلم کا اقرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ لوگ اپنی یہی بات کہتے رہے کہ ہائے ہم ظالم تھے۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کئی ہوئی کبھتی کی طرح بھیجی ہوئی حالت میں کر دیا۔

لفظ قَصَبْنَا کا اصل معنی توڑ دینے کا ہے۔ اس لیے بہت زیادہ تکلیف کو قاصم الظهر کمر توڑنے والی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ لفظ لا کر ہلاک شدہ بستیوں کی پوری طرح تباہی بیان فرمائی ہے۔ اور رکض گھوڑے سے پاؤں مارنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا شروع کرتے ہیں اور اسے ایڑی مارتے ہیں۔ اس لفظ کو بھاگ جانے کے لیے استعمال فرمایا ہے۔

لَا تَرْكُضُوا جو فرمایا اس سے پہلے قیل لہم حذف ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ عذاب دیکھ کر بھاگنے لگے تو ان سے عذاب کے فرشتوں نے یا ان اہل ایمان نے جو وہاں موجود تھے بطور استہزا اور تمسخریوں کہا کہ تمہارے دوڑتے ہو۔ تمہیں تو اپنی نعمت اور دولت عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا۔ اپنے گھروں کو مزین کر رکھا تھا اور اونچے اونچے مکان بنا کر فخر کرتے تھے۔ آؤ دیکھو تمہارے مکان کہاں ہیں؟ تم سے کوئی سوال کرنے والا سوال کرے تو اس کا جواب دو۔ اب تو ظلم اور عیش و عشرت کا نتیجہ دیکھ لیا۔ بناؤ کیا انجام ہوا؟

حَصِيدًا خِجْدِيْنًا ۝ اس میں ہلاک شدہ لوگوں کا انجام بتایا ہے۔ حصید: کٹی ہوئی کبھتی کو کہتے ہیں اور خامدین، خود سے مشتق ہے۔ جو بچنے کے معنی میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہلاک ہوئے تو ان کے اجسام کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ جیسے کبھتی کاٹ کر ڈھیر لگا دیا جاتا ہے۔ اور ان کی شوشاں اور کرد فرایسی ختم ہو گئی جیسے جلتی ہوئی شمعیں بجھادی جائیں اور آگ جل کر ٹھنڈی ہو جائے اور ذرا بھی روشن نہ رہے۔ قرآن مجید میں یہاں مطلقاً یوں فرمایا ہے کہ ”کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا“ کسی خاص بستی اور خاص علاقہ کا ذکر نہیں ہے اور عبرت دلانے کے لیے یہ اجمال کافی ہے۔ لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اہل حضرموت مراد ہے جو یمن کا ایک علاقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک نبی بھیجا تھا۔ انہوں نے اسے جھٹلایا اور قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے انہیں قتل کیا اور قید کیا۔ جب قتل کا سلسلہ جاری ہوا تو پشیمان ہوئے اور بھاگنے لگے تو ان سے کہا گیا: لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا... (معالم التنزیل ص ۲۴۰، ج ۲)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْبِنَ ۝

آسمان وزمین کوئی کھیل تماشا نہیں:

آسمان وزمین کو اللہ تعالیٰ نے عدل سے پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو سزا اور نیکوں کو جزا دے۔ اس نے انہیں بیکار اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ اور آیت میں اس مضمون کے ساتھ ہی بیان ہے کہ یہ گمان تو کفار کا ہے جن کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ دوسری آیت کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اگر ہم کھیل تماشا ہی چاہتے تو اسے بنا لیتے۔ ایک معنی یہ ہیں کہ اگر ہم عورت کرنا

چاہتے۔ لہو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں معنی ہے اگر بیوی بنانا چاہتے تو حور عین میں سے چاہتے۔ لہو کے معنی اہل یمن کے نزدیک بیوی کے بھی آتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں معنی آپس میں لازم طرہم ہیں۔ بیوی جو ہمارے پاس ہے کسی کو بنا لیتے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اگر ہم اولاد چاہتے۔ لیکن یہ دونوں معنی آپس میں لازم طرہم ہیں۔ بیوی کے ساتھ ہی اولاد ہے۔ جیسے فرمان ہے: (لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَأَصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ فَبُحْتَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الزمر: ۴) یعنی اگر اللہ کو یہی منظور ہوتا کہ اس کی اولاد ہو تو مخلوق میں کسی اعلیٰ درجے کی مخلوق کو یہ منصب عطا فرماتا لیکن وہ اس بات سے پاک اور بہت دور ہے۔ اس کی توحید اور غلبہ کے خلاف ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ پس وہ مطلق اولاد سے پاک ہے نہ عیسیٰ اس کا بیٹا ہے نہ عزیر۔ نہ فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ ان عیسائیوں یہودیوں اور کفار مکہ کی لغویات اور تہمت سے اللہ فاعل قہار پاک ہے اور بلند ہے۔ اِنْ كُنَّا فَعَالِينَ ۝ میں ان کو نافیہ کہا گیا ہے یعنی ہم یہ کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ان نفی کے لئے ہی ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝

اشبات توحید، ابطال شرک اور حق کی مستحیالی:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے جو آسمان وزمین پیدا کیے ہیں ان کا پیدا کرنا کوئی فعل عبث کے طور پر نہیں ہیں بلکہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ ان کے وجود اور ان کی بڑائی اور پھیلاؤ سے ان کے خالق کو پہچانیں۔ اگر آسمان وزمین کے بنانے سے کوئی حکومت مقصود نہ ہوتی محض ایک مشغلہ ہی کے طور پر بنانا مقصود ہوتا تو ہم اپنے پاس سے کسی چیز کو مشغلہ بنا لیتے لیکن ہمیں یہ کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات اس سے برتر اور بالا ہے کہ وہ کسی چیز کو بطور لہو و لعب پیدا فرمائیں اور کسی چیز کو بطور لہو و لعب کے اختیار فرمائیں۔

دنیا میں چونکہ حق و باطل کا معرکہ رہتا ہے اور آخر میں حق ہی غالب ہوتا ہے اس لیے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا: نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ کہ ہم حق کو باطل پر پھینک دیتے ہیں سو وہ باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے۔ یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے۔ قال صاحب معالم التنزیل اصل الدماغ شج الراس حتی یبلغ الدماغ فاذا هو ذاهق، سو باطل مغلوب ہو کر دفع ہو جاتا ہے۔ وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حق کے خلاف بولتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں جو ایسی باتیں کرتے ہو جن سے وہ پاک ہے اس حرکت کی وجہ سے تمہارے لیے خرابی ہے، یعنی ہلاکت ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الابین) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مملوک اور مخلوق ہے اور جو بندے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس میں عار نہیں سمجھتے کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ وہ برابر اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ذرا سستی نہیں کرتے۔ رات دن اس کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ تھکنے کا نام نہیں۔ ان تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنے والوں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس کی عبادت اور تسبیح اور تقدیس میں مشغول علی الدوام ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود برحق مانتے اور جانتے ہیں۔ اہل دنیا میں جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اپنی جہالت اور بے عقلی سے شرک میں مبتلا ہیں۔

توحید کے دلائل اور فرشتوں کی شان عبدیت کا تذکرہ:

ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات جلیلہ بیان کی ہیں۔ (شرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: **أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِئُونَهُمْ**) (کیا ان لوگوں نے زمین میں سے کات چھانٹ کر ایسے معبود بنالئے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں) یعنی انہوں نے اجزائے زمین سے معبود تو بنالئے جنہیں پتھروں سے تراشا اور لکڑی وغیرہ سے بنایا ہے لیکن یہ باطل معبود ہیں۔ اگر حقیقی معبود ہوتے تو مردوں کو زندہ کر دیتے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ان کو معبود بنانا سراسر حماقت ہے۔ وہ کیا زندہ کرتے وہ تو خود ہی بے جان ہیں۔ سورہ نمل میں فرمایا: **(أَمْ تَوَكَّلُ عَلَىٰ غَيْرِ اللَّهِ يُغْفِرُونَ) (وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں انہیں پتہ نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) (تَوَكَّلْ فَإِن مَّ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ فَتَلَدُّ نَجْمًا) (اگر آسمان زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ ایک کی مشیت کچھ ہوتی دوسرے کا ارادہ کچھ اور ہوتا، اس طرح سے ٹکراؤ ہو جاتا اور اس ٹکراؤ کا اثر آسمان و زمین کے نظام پر ہونا لازم تھا۔ جب آسمان زمین میں فساد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اس مضمون کو سورہ مؤمنون میں یوں فرمایا: **(مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذَا تَلَّحَّظَ كُلُّ الْإِلَٰهِ مِمَّا خَلَقَ وَلَعَلَّا يَغْطُوهَا عَلَىٰ بَعْضِ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ) (اللہ نے کوئی اولاد اپنے لیے نہیں بنائی نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ جب یہ سب باتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ معبود صرف ایک ہی ہے: **فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يُصِفُونَ**) (سوالہ جو عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔****

تَوَكَّلْ فَإِن مَّ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ فَتَلَدُّ نَجْمًا فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يُصِفُونَ ۝

تعدد آلہ کے ابطال پر ایک مضبوط دلیل:

تعدد آلہ کے ابطال پر یہ نہایت پختہ اور واضح دلیل ہے جو قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کی۔ اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذل کا۔ اور کامل تذل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو، اسی کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان و زمین میں دو خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا اس لیے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر تھا ایک سارے عالم کا کامل طور پر انجام کر سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا حالانکہ خدا کا وجود اسی لیے ماننا پڑا ہے کہ اس کے مانے بدون چارہ ہی نہیں ہو سکتا اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور

تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا۔ وہ خدا نہ رہا۔ اور یادوں بالکل مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔ ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہونا لازم آتا ہے جو خلاف مفروض ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۚ

پہلے تو حید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے۔ یعنی خدا کے سوا جو معبودوں نے تجویز کیے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کر دو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام و ظنون اور باپ دادوں کی کورائہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی ہے، نہ نقلی جسے پیش کر سکتے۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحب بتکستے ہیں کہ پہلے ان معبودوں کو فرمایا تھا کہ جن کو خدا کے برابر کوئی سمجھے کہ ایسے وہ حاکم ہوتے تو جہاں خراب ہو جاتا۔ اب ان کا ذکر فرماتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نیچے چھوٹے چھوٹے خدا بطور تائین اور ماتحت حکام کے ٹھہراتے ہیں۔ سو ان کو مالک کی بند چاہیے۔ بند بغیر نائب کیونکر بن سکتے ہیں۔ اگر سند ہے تو پیش کر دو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۱﴾

کفار مکہ کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اللہ پاک فرماتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، فرشتے اللہ تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں، بڑے بڑائیوں والے ہیں اور ذی عزت ہیں تو لا اور نطقاً ہر وقت اطاعت الہی میں مشغول ہیں۔ نہ تو کسی امر میں اس سے آگے بڑھیں، نہ کسی بات میں اس کے فرمان کا خلاف کریں بلکہ جو وہ فرمائے دوڑ کر اس کی بجا آوری کرتے ہیں۔ اللہ کے علم میں گھرے ہوئے ہیں اس پر کوئی بات پوشیدہ نہیں آ کے پیچھے دائیں بائیں کا اسے علم ہے ذرے ذرے کا وہ دانا ہے۔ یہ پاک فرشتے بھی اتنی مجال نہیں رکھتے کہ اللہ کے کسی مجرم کی سامنے اس کی مرضی کے خلاف سفارش کے لئے لب ہلا سکیں۔ جیسے فرمان ہے: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ: ۲۵۵) وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش اس کے پاس لے جا سکے؟ اور آیت میں ہے: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (ہاء: ۲۳) یعنی اس کے پاس کسی کی شفاعت اس کی اپنی اجازت کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ فرشتے اور اللہ کے مقرب بندے کل کے کل خشیت الہی سے، ہیبت رب سے لرزاں و ترساں رہا کرتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی خدائی کا دعویٰ کرے ہم اسے جہنم واصل کر دیں ظالموں سے ہم ضرور انتقام لے لیا کرتے ہیں۔ یہ بات بطور شرط ہے اور شرط کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کا وقوع بھی ہو۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ خاص بندگان اللہ میں سے کوئی ایسا ناپاک دعویٰ کرے اور ایسی سخت سزا بھگتے۔

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَلْيُكْفِرْ بِهِ ۖ فَكُفْرُهُ جَهَنَّمُ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۶﴾

یعنی جن کو تم خدا کی ادلا دیا خدا بنا رہے ہو اگر بغرض محال ان میں سے کوئی اپنی نسبت (معاذ اللہ) ایسی بات کہہ کر گزرے تو

وہی دوزخ کی سزا جو حد سے گزرنے والے ظالموں کو ملتی ہے ہم ان کو بھی دیں گے۔ ہمارے لامحدود اقتدار و جبروت سے وہ بھی باہر نہیں جاسکتے، پھر بھلا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا تَرَكَيْهَا يَدٌ يَغْلُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ السُّيُوتَ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا أَيْ سَدًا بِمَعْنَى مُسَدَّدَةً فَفَتَقْنَاهُمَا أَيْ جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَبْعًا وَالْأَرْضَ سَبْعًا أَوْ فَتَقَ السَّمَاءُ أَنْ كَانَتْ لَا تُمَطَّرُ فَامْطَرَتْ وَفَتَقَ الْأَرْضُ أَنْ كَانَتْ لَا تُنْبِتُ فَانْبَتَتْ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ وَالنَّابِعِ مِنَ الْأَرْضِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ وَنَبَاتٍ وَغَيْرِهِ فَالْمَاءُ سَبَبٌ لِحَيَاتِهِ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ بِتَوْحِيدِي وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ جِبَالًا لِتَوَاتِلَ أَنْ لَا تَيَبَّدَ تَتَحَرَّكَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا أَيْ الرِّوَاسِيَ فَجَعَلْنَا مَسَالِكَ سُبُلًا بَدَلُ أَيْ طُرُقًا فَانْفِذَةٌ وَاسِعَةٌ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ إِلَى مَقَاصِدِهِمْ فِي الْأَشْفَارِ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْعًا لِلْأَرْضِ كَالشَّقْفِ لِلْبَيْتِ مَحْفُوفًا عَنِ الْوُقُوعِ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْجُجُومِ مُعْرِضُونَ ۝ لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهَا فَيَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقَهَا لَا شَرِيكَ لَهُ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ تَرْبُوتُهُ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَتَابِعِهِ وَهُوَ الْجُجُومِ فِي قُلُوبِ أَيْ مُشْتَدِيرٍ كَالطَّاحُونَةِ فِي السَّمَاءِ يَسْهَوْنَ ۝ يَسِيرُونَ بِشُرْعَةٍ كَالسَّابِغِ فِي الْمَاءِ وَلِلشَّيْبَةِ بِهِ أَتَى بِضَمِيرٍ جَمْعٍ مَنْ يَعْقِلُ وَنَزَلَ لِمَا قَالَ الْكُفَّارُ أَنَّ مُحَمَّدًا سَيُمُوتُ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَيْ الْبَقَاءَ فِي الدُّنْيَا أَفَأَمِنْ مَتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ فِيهَا لَا قَالَ جُمْلَةُ الْآخِرَةِ مَحَلُّ الْإِسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ فِي الدُّنْيَا وَتَهْلُوكُمْ نَحْبِيرُكُمْ بِالشَّيْرِ وَالْخَيْرِ كَفَرٌ وَغَنَى وَشَقَمٌ وَصِحَّةٌ فَتَنَةٌ مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ لِنَظَرٍ تَضِيرُونَ وَتُشْكِرُونَ أَوَّلًا وَالْآيَاتِ تَرْجِعُونَ ۝ فَيَجَازِيكُمْ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا نَكَالَ الْأَعْرَافِ أَيْ مَهْرُؤًا بِهِ يَقُولُونَ أَهَذَا الَّذِي يُذَكِّرُ الْهَتَكُمُ أَيْ يَعِيبُهَا وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ لَهُمْ هُمْ تَاكِدٌ كَفَرُونَ ۝ بِهِ إِذْ قَالُوا مَا نَعْرِفُهُ وَنَزَلَ فِي إِسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ أَيْ أَنَّهُ لِكَثْرَةِ عَجَلِهِ فِي أَحْوَالِهِ كَانَتْ خُلُقٌ مِنْهُ سَاورِيكُمْ أَيْ مَوَاعِيدِي بِالْعَذَابِ فَلَا تَسْتَعْجِلُون ۝ فِيهِ فَآرَاهُمُ الْقَتْلَ يَنْدِرُ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ بِالْقِيَامَةِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِيهِ قَالَ تَعَالَى كَوَيْلُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ لَا يَكْفُرُونَ يَدْفَعُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ

ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝ يَمْنَعُونَ مِنْهَا فِي الْقِيَمَةِ وَجَوَابَ لَوْ مَا قَالُوا ذَلِكَ بَلْ تَأْتِيهِمُ الْقِيَمَةُ بَعْدَ قَتْلِهِمْ تَجِيزُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ يُمَهِّلُونَ لِتَوْبَةٍ أَوْ مَعْدِرَةٍ وَقَدْ اسْتَهْزَأَ بِرَسُولِ قَوْمِ قَبْلِكَ فِيهِ نَسِيلَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَاقَ نَزْلُ الْبَازِئِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ هُوَ الْعَذَابُ فَكَذًا يَحْيِي بَعَثَ اسْتَهْزَأَ بِكَ

ترجمہ: (کہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے تاکہ وہ لوگ اس حقیقت کو جان لیتے کہ ان تمام چیزوں کا خالق ایک ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں) اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند سب کی توین مضاف الیہ کی عوض ہے (یعنی سورج، چاند اور اس کے تابع ستارے) اپنے اپنے دائرے میں (مثل چکی کے) پھرتے ہیں (تیری کے ساتھ جس طرح پانی میں تیرنے والا تیزی کے ساتھ تیرتا ہے پھرتا ہے اور چونکہ سرعت سیر کے ساتھ اس کو تشبیہ دی گئی ہے اس سے ضمیر جمع وادار نون کے ساتھ کہ جو ذوی العقول کے لیے ہے (لائے ہیں) کفار مکہ نے جب یہ بات کہی کہ محمد بہت جلد مر جائیں گے تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لیے (دنیا میں) ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ پس حمد و خیر محل استفہام انکاری میں واقع ہے) ہر جاندار موت کا مزہ چکے گا (دنیا میں) ہم تم کو بری بھلی (فقر اور مالدار، بیماری اور صحت کی) حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں (ایک ترکیب فتنہ کی مفعول لہ ہے یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم لوگ صبر کرتے ہو اور شکر گزاری کرتے ہو یا نہیں) اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے (اور تم کو بدلہ دیا جائے گا) اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں اس میں حال کی رعایت کرتے ہوئے ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ (ہنسی کرتے ہوئے وہ یوں کہتے ہیں) کہ کیا یہی شخص ہے جو عیب لگا کر نام لیتا ہے تمہارے معبودوں کا اور وہ رحمن کے نام (اور ذکر) سے منکر ہیں (چنانچہ جس وقت رحمن کے نام سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم رحمن کو نہیں جانتے۔ شان نزول۔ جب کفار مکہ نے عذاب کے نزول میں جلدی کی تو اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔ انسان جلدی ہی کا بنا ہوا ہے (یعنی انسان اپنے اکثر احوال میں جلد بازی سے کام لیتا ہے تو جلدی سے ہی وہ پیدا ہوا ہے) اب دکھلاتا ہوں تم کو اپنی نشانیاں (عذاب کے مواعید) سو مجھ سے جلدی مت کرو (اس میں چنانچہ ان کو قتل بدر دکھلادیا اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قوع قیامت کا) کس وقت آویگا اگر تم سچے ہو (اس وعدہ قیامت میں۔؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!) کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب کہ یہ لوگ (اس) آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا) کہ روز قیامت عذاب نار سے۔ کسی صورت سے بچا لیے جائیں اور جواب لو محمد وف ہے یعنی وہ تو پھر یہ بات نہ کہتے) کچھ! بلکہ وہ (قیامت) آئے گی ان پر ناگہاں پھر ان کے ہوش کھودے گی، (حیران و پریشان ہو جائیں گے) پھر نہ اس کے بتانے کی ان کو قدرت ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (توبہ کرنے یا معذرت پیش کرنے کی) اور آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی تسخیر کیا گیا (اس آیت میں وہ استہزاء کرتے) ہوئے کہا

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **أَوَلَمْ**: کافروں کو اگرچہ نہ علم ہو لیکن نظری طور پر وہ اس بات پر پختہ ہیں۔ عارضی طور پر متفق (پھر جانا) یہ کسی ایسے مؤثر واجب کا محتاج ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

قوله: **كَانَتْ دَاقًا**: رتق ملا ہوا ہونا یعنی ایک چیز سے حقیقت ان کی متحد تھی۔

قوله: **فَفَقَّتْهُمَا**: ان کی انواع الگ الگ کر دیں یا اعراض کے اعتبار سے ان میں امتیاز کر دیا۔

قوله: **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ**: یہاں جعل خلق کے معنی میں ہے اور وہ ایک معنوں کی طرف متعدی ہے اور من ابتدائیہ ہے۔

قوله: **وَاٰخَرِهٖ**: یعنی کوئی چیز حیوان ہونے میں مراد نہیں بلکہ اس سے زیادہ عام بات یعنی ہر چیز پیدا فرمائی۔

قوله: **فَالْمَاءِ**: یعنی طور پر جو چیز پیدا کی اس کا مادہ حیات پانی ہے۔

قوله: **اَنْ لَا تَبِيدَ**: لفظ اس طرح تھا لامن ان تمید حذف لا جو ہے یہ تو التباس میں سے ہے البتہ لام کا حذف ان سے یہ بہت مشہور ہے۔

قوله: **بَدَّلَ**: پہلے فجاء فرمایا پھر اس کے بدلے سبلا فرمایا اس سے صحنایہ دلالت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور مسافروں کے لئے پھر اس کو وسیع کر دیا کیونکہ مبدل منہ بالکل ساقط نہیں ہوتا ہے اس کا کچھ لحاظ کیا جاتا ہے۔

قوله: **طُرُقًا**: یہ سبلا کی تفسیر ہے اور واسعۃ یہ فجاء کی تفسیر ہے۔

قوله: **الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ**: یعنی سورج چاند اور ستارے وہ اپنے محو میں چکر لگا رہے ہیں نہ کہ دن رات۔

قوله: **كُلٌّ فِي فَلَكٍ**: کا جملہ یہ شمس و قمر سے حال ہے کیونکہ سورج اور چاند بھی اپنے فلک میں تیرتے ہیں نہ کہ دن اور رات۔

قوله: **فِي فَلَكٍ**: اس سے جنس فلک مراد ہے یعنی اپنے اپنے ملک میں۔

قوله: **بَسْبُورُونَ**: سورج اور چاند کی طرف ضمیر جمع مطالع کے اعتبار سے ہے۔

قوله: **بِمِيقَاتِهَا**: مطلق ذکر کیا اور سوء کے ساتھ تفسیر نہیں کیا کیونکہ عدد و کا تذکرہ سوء ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔

قوله: **يَذْكُرُ الرَّحْمٰنِ**: یعنی توحید کے متعلق یا بعثت رسل کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے منکر ہیں اور کافر اس بات کے حذر ہیں کہ ان کا مذاق اڑایا جائے۔

قوله: **لِكثْرَةِ عَجَلِهِ**: کیونکہ انسان اکثر جلد بازی کرتا ہے تو گویا یہ اسی طرح ہے خلق زید من الکرمہ کہ زید بہت سخی ہے۔

قوله: **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ**: اس میں اس چیز کی ممانعت کی گئی جو ان کے نفسوں میں جمع ہوئی تھی تاکہ یہ اس کے نتیجے میں باز آجائیں۔

قوله: **بَعَثْنَا**: یہ مصدر ہے فعل کے علاوہ دوسرے لفظ سے۔

قوله: هُوَ الْعَذَابُ: یعنی استہزاء سے مراد استہزاء کی سزا ہے۔

تفسیر مقبولین

أَوَلَمْ يَذَّابِئِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۚ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۚ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۱﴾

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت:

(ربط) گزشتہ آیت میں تحلیل عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور باطل اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع اقسام کے صنائع اور بدائع سے مملو پیدا کیا تاکہ نظر کرنے والوں کے لیے تہوار اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے امور معاش اور معاد منتظم ہوں اور ان کو دیکھ کر ان کے خالق اور تدبر کو پہچانیں اور اس کے واحد قہر ہونے پر استدلال کریں۔ اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت و حکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صنائع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اس کے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مسخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے ارادے اور مشیت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہئے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ ان کی تخلیق و تدبیر میں کوئی شریک اور ساتھ نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اول:

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ چشم بصیرت و نفیر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان و زمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے یعنی ایک دوسرے سے چپے ہوئے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے ان کو کھولا اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جس سے آسمان الگ ہو گیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کر دیا۔ و ہر آسمان کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسا یا اور زمین سے بنائات اگائے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے قسم قسم کی غذائیں اور پھل اگنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہو گئے کیا کافروں نے خدا تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمہ قدرت میں کوئی اس کا شریک اور سہم نہیں پھر اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں

شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ اور حسن بصریؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۶)

ابو مسلم اصفہانیؒ سے یہ منقول ہے کہ ”رتق“ سے حالت عدم مراد ہے اور رتق سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان و زمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے ان کو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود عطاء کر دیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۶ و روح المعانی ص ۳۶ ج ۱۷)

اب اس قول کی بنا پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے ان کو وجود عطاء کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباسؓ اور سعید ابن جبیر رحمہ اللہ اور حسن بصریؓ اور قتادہؓ سے نقل کیا۔

سوال: رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان و زمین کی رتق اور رتق کو کب دیکھا جس پر ان کو ملامت کی گئی اور کہا گیا اولم یرالذین الخ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اور خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا أَشْهَدُ لَهُمُ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

جواب: یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ آسمان و زمین کے منہ پہلے بند تھے بعد میں کھولے گئے کیونکہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور مفلویہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنہ اور زمین سے دقا فوقا قسم قسم کے نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبداء اور منتہا چاہئے جس پر تمام اسباب و علل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے جو ان محدثات کا محدث اور موجد ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۶ و حاشیہ تحوی علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۷ ج ۵)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور دقا فوقا آسمان سے پانی کا برسنہ اور زمین سے دقا فوقا روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل و فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل کا منہ اب بند تھا جب منہ کھلا تو مشک میں سے یا ٹنکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا۔ جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان و زمین کے رتق اور رتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا خود بخود نہیں بلکہ در پردہ کوئی دست قدرت کا فرمان ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم سرما و گرما

میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم:

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رقیق اور رقیق کے بعد اس جہان کی ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی ہر جاندار جز بلا واسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادہ حیات پانی ہی ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے۔ واللہ خلق کل دابة من ماء۔ اور وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیاء بہ الارض بعد موتها وبث فیہا من کل دابة۔

اور مسند احمد میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((کل شیء خلق من ماء)) ہر شے پانی سے پیدا ہوتی ہے۔

اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادہ حیات سب کا پانی ہے اور کان عرشہ علی الماء۔ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان و زمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرہ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر بھرا ہوا ہے۔ عرش بھی پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

قسم سوم:

اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ بھاری بوجھ والے جو زمین پر خوب جھے ہوئے ہیں تاکہ زمین لوگوں کو ٹکرنے نہ لگے یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔ پوری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، صرف چوتھائی زمین کھلی ہوئی ہے اس ریل مسکون کے باشندے آسمان اور چاند سورج کا مشاہدہ کر سکتے ہیں

قسم چہارم:

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین میں یا پہاڑوں میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے لیے منزل مقصود تک راہ پاسکیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکیں جیسا کہ سورہ نوح میں ہے لتسکوا منها سبلا فجا۔ یا یہ معنی ہے کہ نظر و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

ضمیمہ:

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر آسمان کو اس زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے۔ کما قال تعالیٰ: وَمَسْكُ السَّمَاءِ اَنْ تَلْقَعَ عَلَى الْاَرْضِ الْاِبِلَادُ۔ وقال تعالیٰ: اِنَّ اِلٰهَهُ مَسْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْ تَزُولَا۔

خدا کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے اور پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں۔ کما قال تعالیٰ وَحَفَظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ۔ وَحَفَظْنَا عَامِنَ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ۔ اور مشرکین اس آسمانی چھت کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے شمس و قمر اور کواکب اور نجوم اور ان کی حرکات اور ان کے طلوع و غروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

ضمیمہ:

پوپ اور اسی خدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو تاکہ رات میں سکون اور راحت پائیں اور دن میں روزی کماویں اور پیدا کیا آفتاب کو جو دن کی نشانی ہے اور پیدا کیا چاند کو جو رات کی نشانی ہے ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صد ہا دلیلیں مستور ہیں۔ کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔

ایک شبہ اس زمانہ کے ملاحدہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں بلکہ یہ خلاء ہے انتہا ہے جس کی دوری کی کوئی حد نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کو دور بین سے کچھ نظر نہیں آتا۔

جواب: یہ دلیل بالکل مہمل ہے۔ کسی چیز کا دور بین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نیز از روئے فصوص شریعت آسمان و زمین سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے اور وہ دور بین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دور یافت کر سکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب ساویہ اور تمام انبیاء آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ خلاء ہے انتہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا غیر متناہی چیز کا وجود عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں اور سطح زمین سے بے انتہاء دوری موجود بھی ہے یا نہیں کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ جس بعد اور دوری کو آپ نے اپنے قصور فکر کی وجہ سے غیر محدود سمجھ رکھا ہے وہ محدود اور متناہی ہو اور اس کے بعد کوئی جسم صاف شفاف موجود ہو جو آپ کو اب تک نظر نہیں آ سکا۔ جیسا کہ دور بین کی ایجاد سے پہلے بہت سی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں جواب نظر آنے لگی ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کا کسی وقت کسی کو نظر نہ آنا یہاں چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ اَفَاَنْتُمْ قَوْمٌ الْخٰلِدُونَ ۝

سابقہ آیات میں کفار و مشرکین کے باطل دعووں اور مشرکانہ عقیدوں کی جن میں حضرت مسیح یا عزیرو وغیرہ کو خدائی کا شریک

یا فرشتوں اور مسیح کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا گیا ان گمراہ کن عقائد کی تردید و ابطال واضح دلائل کے ساتھ آیا ہے جس کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہ تھا ایسے مواقع میں جب مخالف حجت و دلیل سے مغلوب ہو جائے تو جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مکہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی جلد وفات ہو جاوے جیسا کہ بعض آیات میں ہے: **نَتَرَكُكَ يَهُزِي بِهِ زُرُوعُ الْمَثُونِ** اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان کی اس یہودہ تمنا کے دو جواب دیئے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر ہمارے رسول ﷺ کی جلد ہی وفات ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ ان کی موت ہو جائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ نبی در رسول نہیں تھے ورنہ موت نہ آتی تو اس کا یہ جواب دیا کہ جن انبیاء کی نبوت کو تم بھی مانتے ہو کیا ان کو موت نہیں آئی، جب ان کی موت سے ان کی نبوت و رسالت میں کوئی فرق نہ آیا تو آنحضرت ﷺ کی وفات سے آپ کی نبوت کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیسے کیا جاسکتا ہے اور اگر تمہارا مقصد آپ کی جلد وفات سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ یہ موت کا مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے آخر تمہیں بھی مرنا ہے۔ پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَ نَبَلَّوْكُمْ بِالْأَشْيَرِ ۖ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَلِإِيْنَا تَرْجَعُونَ ۝

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے:

پھر ارشاد فرمایا: **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ**، یعنی ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ یہاں مراد ہر نفس سے نفوس ارضیہ یعنی زمینی جاندار ہیں۔ ان سب کو موت آنا لازمی ہے نفوس ملائکہ اس میں داخل نہیں، اس میں اختلاف ہے کہ قیامت کے روز فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک لمحہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہو جاوے گی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ، بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتے اور جنت کے حور و غلمان موت سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ اعلم (روح المعانی) اور موت کی حقیقت جمہور علماء کے نزدیک روح کا جسد غضریٰ سے نکل جانا ہے اور روح خود ایک جسم نورانی لطیف ذی حیات متحرک کا نام ہے جو انسان کے پورے بدن میں ایسا سمایا ہوا رہتا ہے جیسے عرق گلاب اس کے پھول میں ابن قیم نے روح کی حقیقت بیان کر کے اس کو سودلائل سے ثابت کیا ہے۔ (روح المعانی)

لفظ **ذَائِقَةُ الْمَوْتِ** سے اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی مواقع میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ روح کا جیسا اتصال بدن کے ساتھ ہے اس کے نکلنے کے وقت تکلیف اور الم کا احساس امر طبعی ہے، رہا بعض اہل اللہ کا یہ معاملہ کہ ان کو موت سے لذت و راحت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی تنگیوں سے نجات ہوئی اور محبوب اکبر سے ملاقات کا وقت آ گیا، تو یہ ایک دوسری طرح کی لذت ہے جو مفارقت بدن کی طبیعت کی تکلیف کے منافی نہیں کیونکہ جب کوئی بڑی راحت اور بڑا فائدہ سامنے ہوتا ہے تو اس کے لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بعض اہل اللہ نے دنیا کے غم و رنج اور مصیبتوں کو بھی محبوب قرار دیا ہے کہ:

”از محبت تلخ ہا شیریں شوند“

غم چہ استادہ تو بردرما اندر آ مار مار اور ما

رج راحت شدہ جو مطلب شدہ رنگ گرد لگے تو بجائے چشم کرک

دنیا کی ہر تکلیف و راحت آزمائش ہے:

وَتَهْلِكُكُمْ بِالْحَيَاةِ وَالْمَوْتِ وَفِتْنَةٍ ۖ يَعْنِي هُمْ شَرٌّ وَأَخْيَرُ دُنُوں كَيْفَ ذَرِيْعَةُ إِنْسَانٍ كَيْفَ أَرْزَاقُ كَرْتِي هِي - شَرٌّ مَرَادُ هَرِّ
خلاف طبع چیز ہے جیسے بیماری، رنج و غم، فقر و فاقہ اور خیر سے اس کے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت و عافیت، خوشی و
راحت، غنا و اسباب عیش و غیرہ۔ یہ دونوں طرح کی چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لئے آتی ہیں کہ شر یعنی خلاف طبع
امور پر صبر کر کے اس کا حق ادا کرنا اور خیر یعنی مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کر کے اس کا حق ادا کرنا ہے آزمائش یہ ہے کہ کون اس
پر ثابت قدم رہتا ہے کون نہیں رہتا اور بزرگوں نے فرمایا کہ حقوق شکر پر ثابت قدم رہنا بہ نسبت حقوق صبر کے مشکل ہے۔ انسان
کو تکلیف پر صبر کرنا اتنا بھاری نہیں ہوتا جتنا عیش و عشرت اور آرام و راحت میں اس کے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل
ہوتی ہے اسی بناء پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا:

بَلِينَا بِالضَّرَاءِ فَصَبِرْنَا وَبَلِينَا بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَصْبِرْ (روح المعانی)

یعنی ہم تکلیفوں میں مبتلا کئے گئے اس پر تو ہم نے صبر کر لیا لیکن جب راحت و عیش میں مبتلا کئے گئے تو اس پر صبر نہ کر سکے
یعنی اس کے حقوق ادا کرنے پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝

جب شرکین کے سامنے دنیا میں عذاب آنے یا قیامت آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ یہ ڈرانا خواہ مخواہ کا ہے۔
عذاب آتا ہی ہے تو بس آجائے دیر کیوں لگ رہی ہے۔ اسی کو فرمایا: خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا
ہے) یعنی اس کے مزاج میں جلد بازی رکھ دی گئی ہے۔ اپنے اس مزاج کی وجہ سے عذاب کو بھی وقت سے پہلے بلانے کو تیار
ہے۔ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝ (سو میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا سو تم مجھ سے عذاب کی جلدی مت
بچاؤ) کیونکہ عذاب وقت مقرر سے پہلے نہیں آتا اور جب آجائے تو ٹالنا نہیں جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قہر کی نشانیاں ظاہر ہوئیں
جن میں غزوہ بدر کے مواقع پر سرداران قریش کا مارا جانا اور قید ہونا بھی تھا۔

قُلْ لَهُمْ مَن يَكْلُوهُمْ يَكْفِظُكُمْ بِالْأَيْدِي وَالْأَنْفَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ ۖ مَن عَذَابُهُ إِن تَزَلْ بِكُمْ أَيْ لَا أَخَذَ يُفْعَلْ
ذَلِكَ وَالْمَخَاطَبُونَ لَا يَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ لِأَنكَارِهِمْ لَهُ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ أَيْ الْقُرْآنِ مُعْوِطُونَ ۝
لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهِ أَمْ فِيهِمَا مَعْلَى الْهَمْزَةِ الْإِنْكَارِ أَيْ لَهُمُ إِلَهَةٌ تَسْتَعْتُهُمْ مِنَّمَا يَشْرُونَهُمْ مِنْ دُونِنَا أَيْ
لَهُمْ مَن يَنْقُلُهُمْ مِنْهُ غَيْرَنَا لَا لَا يَسْتَطِيعُونَ أَيْ الْإِلَهَةُ نَصَرَتْ أَنْفُسَهُمْ فَلَا يَنْطَرُونَ نَهْمٌ وَلَا هُمْ أَيْ
الْكُفَّارُ مِمَّا مِنْ عَذَابِنَا يَصْحَبُونَ ۝ يُجَاوِزُونَ يُقَالُ صَحَبَكَ اللَّهُ أَيْ خَفِظَكَ وَأَجَارَكَ بَلْ مَتَعْنَاهُ لَا وَو

أَبَاهُمْ بِمَا أَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۖ فَاعْتَرَوْا بِذَلِكَ أَفَلَا يَذَرُونَ أَنَا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُ
 أَرْضَهُمْ نَقْصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ أَفَهُمُ الْغُلَبُونَ ۝ لَا بَلِ النَّبِيُّ وَأَصْحَابُهُ قُلُوبُهُمْ أَلَمَّا
 أَنْذَرَكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ مِنْ اللَّهِ لَا مِنْ قِبَلِ نَفْسِي وَلَا يَسْمَعُ الصَّمَّةُ الدُّعَاءَ إِذَا بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَيْنِ وَتَسْبِيلِ
 الثَّانِيَةِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْيَائِ مَا يُنذَرُونَ ۝ أَيُّ هُمْ لِيَتْرَكِهِمُ الْعَمَلُ بِمَا سَمِعُوهُ مِنَ الْإِنذَارِ كَالصَّمِّ وَلَكِنْ
 فَسْتَهُمْ نَفَحَهُ ۖ وَقَعَهُ خَفِيفَةً مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ يَقُولُ لَنْ ۖ لِّلنَّبِيِّهِ يُؤْيِكُنَا هَلَاكُنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ بِالْإِشْرَافِ
 وَتَكْذِيبِ مُحَمَّدٍ وَنَضْعِ الْبَوَائِظِ الْقُسْطِ ذَوَاتِ الْعَدْلِ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ أَيُّ فِيهِ فَلَا تَظْلُمُ نَفْسٌ شَيْئًا مِنْ
 نَقْصِ حَسَنَةٍ أَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ وَإِنْ كَانَ الْعَمَلُ مَثْقَالَ زَرَّةٍ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۚ أَيُّ بِمَوْرُؤِنَهَا
 كَفَىٰ بِنَا حَسِبِينَ ۝ مُحْصِينَ فِي كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانِ أَيُّ التَّوْرَةِ الْفَارِغَةِ بَيْنَ الْحَقِّ
 وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَضِيَاءَ بِهَا وَذِكْرًا أَيُّ عِظَةً بِهَا لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ عَنْ
 النَّاسِ أَيُّ فِي الْخَلَاءِ عَنْهُمْ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ أَيُّ أَهْوَالِهَا مُشْفِقُونَ ۝ أَيُّ خَائِفُونَ وَهَذَا أَيُّ الْقُرْآنِ
 ۚ ذِكْرٌ مِّمَّنْ أَنْزَلْنَاهُ ۚ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝ إِلَّا سَنَفَعُهَا فِيهِ لِّلتَّوْبِيعِ

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے (کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمان (کے عذاب سے اگر عذاب لوگوں پر
 نازل ہونے لگا تو اس) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو (یعنی کوئی نہیں جو حفاظت کر سکے گا اور مخاطب یعنی یہ مشرکین، جب سے اس
 آیت میں خطاب کیا گیا ہے اور مخاطب اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہی نہیں اس وجہ سے وہ تو بالکل اس کے منکر ہیں!) بلکہ وہ
 لوگ اپنے رب (حقیقی) کے ذکر (یعنی قرآن) سے روگرداں ہیں (اس میں بالکل غور و فکر نہیں کرتے۔ ام اس جگہ ہمزہ انکاری
 کے معنی میں ہے) کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ (جو عذاب سے ان کو ہمارے علاوہ) انکی حفاظت کر لیتے
 ہوں (؟ یعنی کوئی نہیں!) وہ (ان کے معبود) خود اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے (تو پھر وہ ان کی بھی مدد نہیں کر سکیں گے)
 اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے (بجاریوں کے معنی میں مقولہ ہے صحبک اللہ یعنی اللہ تیری حفاظت
 فرمائے اور اللہ تعالیٰ تجھ کو بچائے) بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا خوب سامان دیا) (یعنی یہ دنیاوی نعمتیں جو
 ہم نے ان کو بخشی ہیں) یہاں تک کہ ان پر ایک عرصہ دراز گزر گیا (جس سے وہ مغالطہ اور دھوکہ میں پڑ گئے) کیا ان کو یہ نظر نہیں
 آتا کہ ہم (انکی) زمین کو ہر چار طرف سے برابر گھٹائے چلے جاتے ہیں (یعنی نبی اکرم ﷺ پر فتح کی صورت میں سو کیا یہ لوگ
 غالب آویں گے؟ نہیں! بلکہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ غالب ہوں گے چنانچہ یہی ہوا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے میں تو

تم کو اللہ کی جانب سے نہ کہ اپنی جانب سے وحی کے ذریعے آگاہ کرتا ہوں اور یہ بہرے نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جاتا ہے دونوں ہمزوں کو محقق کر کے اور ثانی حمزہ کی تسہیل کے ساتھ ہمزہ اوری کے درمیان یعنی بہرے کی مانند سنی ہوئی تعبیر پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گویا کہ یہ حقیقت میں بہرے ہیں اگر ان کو تیرے عذاب کا ایک جھوٹا لگ جائے تو پکارا نہیں جائے ہماری کبختی یعنی ہماری ہلاکت واقعی ہم شرک اور محمد ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے خطا دار تھے اور ہم قیامت کے دن درست میزان عدل قائم کریں تو کسی پر اصلاً ظلم نہیں کیا جائے گانگیوں کو کم کرنے یا گناہوں میں اضافہ کر کے اور عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو بھی ہم اس کو یعنی سوز دن کو حاضر کریں گے اور ہم ہر چیز کا حساب لینے والے کافی ہیں اور یہ بات بالکل سچ ہے اور ہم نے عطاء کی تھی موسیٰ اور ہارون کو ایک فیصلہ کن کتاب (جو حق و باطل، جلال و حرام کے درمیان فارق یعنی تورات) اور روشی اور متقیوں کے لیے نصیحت (تاکہ اس کے ذریعہ نصیحت حاصل ہو) جو (متقی) اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں (یعنی لوگوں سے غائب اور تجلیہ میں اللہ سے خائف رہتے ہیں) اور وہ لوگ قیامت سے (یعنی اس کی ہولناکیوں سے بھی ڈرتے ہیں اور یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الغائدہ نصیحت (کی کتاب) ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے سو کیا پھر بھی تم اس کے مکر ہو!) اس استفہام سے تو بخ مقصود ہے!۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ: یعنی اپنے پروردگار کی یاد ہی سے من موڑنے والے ہیں اس کے عذاب سے کبا ڈرتے؟
قوله: بَلْ: یہ اضراب کے لئے آیا ہے وہ اپنے الہتہ کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھتے تھے حالانکہ یہ استدراج ہے اور تقدیر کا طے شدہ فائدہ ہے تو یہ اضراب ثانی سے اضراب ہے۔

قوله: فَاَعْتَرَوْا بِذَلِكَ: یعنی ان کو گمان ہو گیا کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔
قوله: مَا يُنذِرُونَ: ڈراوے کے وقت کے ساتھ مخصوص کیا کیونکہ کلام اسی سلسلے میں کی جارہی ہے یا ان کے بہرہ پن میں مبالغہ مقصود ہے۔

قوله: لَيْتَ كُنتُمْ الْعَمَلِ: اس میں ان کے بہرہ نام رکھنے کی وجہ بتلائی ہے۔
قوله: وَفُتْنَةُ خَفِيفَةٍ: اس میں کئی مبالغے ہیں۔ نمبر الفظ مس کا تذکرہ ہے، نمبر ۲ نفیہ کے اندر قلت کے معنی ہیں کیونکہ الفظ اصل میں کسی چیز کی ہلک کا اٹھنا ہے۔

نمبر ۳ پھر اس کا کمرہ ہونا ایک بار ہونے پر دلالت کرنے والا ہے۔

قوله: السَّوَابِغِ الْقُسْطِ: قسط مصدر ہونے کی وجہ سے بطور مبالغہ جمع کی صفت لائے۔

قوله: نَبِيٍّ: یہ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں جمعت لخمس خلون من الشهر۔ یہاں لیوم القیامت میں لام فی کے معنی میں ہے۔

قوله: يَسْزُؤُنَهَا: ضمیر مشغال کی طرف لوٹ رہی ہے اور حبة کی طرف اضافت کی وجہ سے اس کو مؤنث لائے۔

قوله: يَلْتَقِينَ: یہ موصوف ہے اور الذین جملہ صفت ہے اور عن الناس سے یہ فاعل سے حال ہے۔
قوله: ذِكْرُ مَذْيَبِكَ: کثیر اس کی خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ مَنْ يَكْلُوْكَ بِالْكَيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۚ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْوَضُوْنَ ۝

خدائے رحمان کی گرفت و پکڑ سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا: سو استفہام تنبیہ و توبیخ کے طور پر فرمایا گیا۔ بھلا کون ہے جو خدائے رحمن سے تمہاری حفاظت کر سکے؟۔ اور اس کی پکڑ اور عذاب سے تمہیں بچا سکے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایسا نہیں سوائے اس کی رحمت بیکراں کے۔ تو پھر یہ کس قدر ظلم اور کتنی بڑی نا انصافی ہے کہ انسان اسی خدائے رحمن اور اس کی عبودیت اور عبادت و بندگی سے منہ موڑے جس کی رحمت و عنایت میں یہ سر تا پا ڈوبا ہوا ہے؟ سو یہ سوال تقریج و توبیخ اور ان لوگوں کے ضمیروں کو تنبیہ کرنے کے لیے ہے کہ جس خدائے رحمن کی رحمتوں میں تم لوگ سر تا پا ڈوبے ہوئے ہو اور جو محض اپنی رحمت و عنایت سے تمہیں ایسے ہیہ حوادث سے محفوظ رکھتا ہے تو اس سے منہ موڑنا اور غفلت و اعراض برتنا کتنا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے۔

(محاسن التاویل، معارف، مفہوم اور مستحق و نسب)

بَلْ مَتَّعْنَاهُمْ لَآءٍ وَّآبَآءَهُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ

ذلت و رسوائی کے مارے لوگ:

کافروں کے کینہ کی اور اپنی گمراہی پر جم جانے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہیں کھانے پینے کو ملتا رہا، لمبی لمبی عمریں ملیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے کرتوت اللہ کو پسند ہیں، اس کے بعد انہیں نصیحت کرتا ہے کہ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کو بستریوں کی بستیاں بوجہ ان کے کفر کے ملایا میٹ کر دیں؟ اس جملے کے اور بھی بہت سے معنی کئے گئے ہیں جو سورہ رعد میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ لیکن زیادہ ٹھیک معنی یہی ہیں۔ جیسے فرمایا: (وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَدَقْنَا الْأَنْبِيَآءَ لَنُكَفِّرَنَّ بَعْدَهُمُ ثُمَّ يَرْجِعُونَ (الاحقاف: ۲۷) ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں ہلاک کیں اور اپنی نشانیاں ہیر پھیر کر کے تمہیں دکھا دیں تاکہ لوگ اپنی برائیوں سے باز آ جائیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہم کفر پر اسلام کو غالب کرتے چلے ہیں کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر دیا اور کس طرح جھٹلانے والی اگلی امتوں کو اس نے ملایا میٹ کر دیا اور اپنے مومنوں کو نجات دے دی کیا اب بھی یہ لوگ اپنے آپ کو غالب ہی سمجھ رہے ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ یہ مغلوب ہیں، ذلیل ہیں، رذیل ہیں، نقصان میں ہیں، بربادی کے ماتحت ہیں۔ میں تو اللہ کی طرف سے مسلخ ہوں، جن جن عذابوں سے تمہیں خبردار کر رہا ہوں یہ اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ کا کہا ہوا ہے۔ ہاں جن کی آنکھیں اللہ نے اندھی کر دی ہیں، جن کے دل و دماغ بند کر دیئے ہیں انہیں اللہ کی یہ باتیں سوز مند نہیں پڑن گی۔ بہروں کو آگاہ کرنا بیکار ہے کیونکہ وہ تو سنتے ہی نہیں۔ ان گنہگاروں پر اک ادنیٰ سا بھی عذاب آ جائے تو ذوقیلا کرنے لگتے ہیں

اور اسی وقت بے ساختہ اپنے قصور کا اقرار کر لیتے ہیں۔ قیامت کے دن عدل کی ترازو قائم کی جائے گی۔ یہ ترازو ایک ہی ہوگی لیکن چونکہ جو اعمال اس میں تولے جائیں گے وہ بہت سے ہوں گے، اس اعتبار سے لفظ جمع لائے۔ اس دن کسی پر کسی طرح کا ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حساب لینے والا خود اللہ ہے جو اکیلا ہی تمام مخلوق کے حساب کے لئے کافی ہے ہر چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی وہاں موجود ہو جائے گا۔ اور آیت میں فرمایا تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ فرمان ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ** (النساء: ۴۰) اللہ تعالیٰ ایک رائی کے دانے برابر بھی ظلم نہیں کرتا، نیکی کو بڑھاتا ہے اور اس کا اجر اپنے پاس سے بہت بڑا عنایت فرماتا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنی وصیتوں میں اپنے بیٹے سے فرمایا تھا ایک رائی کے دانے برابر بھی جو عمل ہو خواہ وہ پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں وہ اللہ اسے لائے گا وہ بڑا ہی باریک بین اور باخبر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو کلمے ہیں زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں وزن دار ہیں اور اللہ کو بہت پیارے ہیں سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ اعظم، مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے ایک شخص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اہل محشر کے سامنے اپنے پاس بلائے گا اور اس کے گناہوں کے ایک کم ایک سو دفتر اس کے سامنے کھولے جائیں گے جہاں تک نگاہ کام کرنے وہاں تک کا ایک ایک دفتر ہوگا پھر اس سے جناب باری تعالیٰ دریافت فرمائے گا کہ کیا تجھے اپنے کئے ہوئے ان گناہوں میں سے کسی کا انکار ہے؟ میری طرف سے جو محافظ فرشتے تیرے اعمال لکھنے پر مقرر تھے انہوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ یہ جواب دے گا کہ اے اللہ نہ انکار کی گنجائش ہے نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تیرا کوئی عذر ہے یا کوئی نیکی ہے؟ وہ گھبرایا ہوا کہے گا اے اللہ کوئی نہیں۔ پروردگار عالم فرمائے گا کیوں نہیں؟ بیشک تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا اب ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا جس میں (اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ) لکھا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے پیش کرو۔ وہ کہے گا اے اللہ یہ پرچہ ان دفاتروں کے مقابلے میں کیا کرے گا؟ جناب باری فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اب تمام کے تمام دفاتر ترازو کے ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلے میں رکھا جائے گا تو اس پرچے کا وزن ان تمام دفاتروں سے بڑھ جائے گا۔ یہ جھک جائے گا اور اونچے ہو جائیں گے اور اللہ رحمان درجیم کے نام سے کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ ابن ماجہ اور ترمذی میں روایت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جب ترازویں رکھی جائیں گی پس ایک شخص کو لایا جائے گا اور ایک پلے میں رکھا جائے گا اور جو کچھ اس پر شمار کیا گیا ہے وہ بھی رکھا جائے گا تو وہ پلڑا جھک جائے گا اور اسے جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ ابھی اس نے پیٹھ پھیری ہی ہوگی کہ اللہ کی طرف سے ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا اور کہے گا جلدی نہ کرو ایک چیز اس کی ابھی باقی گئی ہے پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس میں لا الہ الا اللہ ہوگا وہ اس شخص کے ساتھ ترازو کے پلے میں رکھا جائے گا اور یہ پلڑا نیکی کا جھک جائے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ میرے غلام ہیں جو مجھے جھٹلاتے بھی ہیں، میری خیانت بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں بھی انہیں مارتا پینتا ہوں اور برا بھلا بھی کہتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیری سزا ان کی خطاؤں کے برابر ہوئی تو تو چھوٹ گیا۔ نہ عذاب نہ ثواب ہاں اگر تیری سزا کم رہی تو تجھے اللہ کا فضل و کرم ملے گا اور اگر تیری سزا ان کے کرتوتوں سے بڑھ گئی تو تجھ سے اس بڑھی ہوئی سزا کا انتقام لیا جائے گا۔ یہ سن کر وہ صحابی

رونے لگے اور چیخنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کیا ہو گیا؟ کیا اس نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا: (وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا) (الانبیاء: ۴۷) یہ سن کر اس صحابیؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ان معاملات کو سن کر تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے ان تمام غلاموں کو آزاد کر دوں۔ آپ گواہ رہے یہ سب اللہ کی راہ میں آزاد ہیں۔
وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔۔۔۔

یعنی رائی کے دانہ کے برابر کسی کا عمل ہوگا وہ بھی میزان میں تلے گا، ادھر ادھر ضائع نہ ہوگا نہ کسی پر ظلم و زیادتی کی جائے گی۔ رتی رتی کا حساب برابر کر دیا جائے گا (تنبیہ) موازن میزان کی جمع ہے شاید بہت سی ترازوئیں ہوں یا ایک ہی ہو مگر مختلف اعمال و اعمال کے اعتبار سے کئی قرار دے دی گئیں واللہ اعلم۔ وزن اعمال اور میزان کے متعلق سورہ اعراف میں کلام کیا جا چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔

یعنی ہمارا حساب آخری اور فیصلہ کن ہوگا جس کے بعد کوئی دوسرا حساب نہیں۔ نہ ہم کو ساری مخلوق کا حساب لینے میں کمی مددگار کی ضرورت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُسْدَهُ مِنْ قَبْلُ أَيُّ هَذَا قَبْلَ بَلُوغِهِ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ۝ أَيُّ بَاتَهُ أَهْلٌ لِدَلِيلِكَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ
وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الْأَصْنَامُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِبُونَ ۝ أَيُّ عَلَى عِبَادَتِهَا مُقِيمُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَالهَا
عَبِيدِينَ ۝ فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ قَالَ لَهُمْ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ لِعِبَادَتِهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ بَيْنَ قَالُوا أَجِئْتَنَا
بِالْحَقِّ فِي قَوْلِكَ هَذَا أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ۝ فِيهِ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
الَّذِي فَطَرَهُنَّ خَلَقَهُنَّ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ وَأَنَا عَلَى دَلِيلِكُمْ ۝ الَّذِي قُلْتُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ بِهِ وَتَاللَّهِ لَا كِيدَ لَكُمْ
أَصْنَامُكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولُوا مُدْبِرِينَ ۝ فَجَعَلَهُمْ بَعْدَ ذِهَابِهِمْ إِلَى مُجْتَمِعِهِمْ فِي يَوْمٍ عَرِيذٍ لَهُمْ جُذُودًا بِضَمِّ
الْجِيمِ وَكَسْرِ هَافَاتَا بَافَاسٍ إِلَّا كَثِيرًا لَهُمْ عَلَّقَ الْفَاسُ فِي عُنُقِهِ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ أَى الْكَبِيرِ يَرْجِعُونَ ۝ فَيَزُونُ
مَافِعِلَ بَغْيَرِهِ قَالُوا بَدْعُ رُجُوعِهِمْ وَرُؤُوسِهِمْ مَافِعِلَ مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتَا إِنَّهُ لَيَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ فَدَبَّ
قَالُوا أَيُّ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَعَتَانِ يَذْكُرُهُمْ أَيُّ يُعَذِّبُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمَ ۝ قَالُوا قَاتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ
لِنُظَاهِرًا لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ۝ عَلَيْهِ أَنَّهُ الْفَاعِلُ قَالُوا لَهُ بَعْدَ آتِيَانِهِ ءَأَنْتَ بَدْتَ حَقِيقَ الْهَمْزَتَيْنِ وَابْتَدَأَ
الْثَّانِيَةِ الْفَاو تَسْهِلُهَا وَادْ خَالَ الْفِ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ وَالْأُخْرَى وَتَرَكِيهِ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَا يَا إِبْرَاهِيمَ ۝ قَالَ
سَاكِتًا عَنْ فِعْلِهِ بَلْ فَعَلَهُ كَثِيرُهُمْ هَذَا فَسَلُّوهُمْ عَنْ فَاعِلِهِ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ۝ فِيهِ تَقْدِيمُ جَوَابِ

الشَّرْطَ وَفِيمَا قَبْلَهُ تَعْرِضُ لَهُمْ بِأَنَّ الصَّنَمَ الْمَعْلُومَ عِجْزُهُ عَنِ الْفِعْلِ لَا يَكُونُ إِلَهًا مُرْجِعًا إِلَى أَنْفُسِهِمْ
بِالتَّفَكُّرِ فَقَالُوا لَا تَنْفُسِهِمْ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ الظَّالِمُونَ ١٠ أَيْ بِعِبَادَتِكُمْ مَنْ لَا يَنْطِقُ ثُمَّ لَكِسُوا مِنْ اللَّهِ عَلَى
رُءُوسِهِمْ ١١ أَيْ رُدُّوا إِلَى كُفْرِهِمْ وَقَالُوا وَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَتَّبِعُونَ ١٢ أَيْ فَكَيْفَ تَأْمُرُنَا بِسُؤَالِهِمْ
قَالَ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ بِذَلِكَ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا مِنْ رِزْقٍ وَغَيْرِهِ وَلَا يَضُرُّكُمْ ١٣ شَيْئًا إِنْ لَمْ
تَعْبُدُوهُ أَلَمْ يَكْثِرِ الْفَاءُ وَفَتْحُهَا بِمَعْنَى مُضْذِرٍ أَيْ تَبَا وَفُتِحَا لَكُمْ وَلِيَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ١٤ أَيْ غَيْرِهِ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ١٥ أَيْ هَذِهِ الْأَصْنَامُ لَا تَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ وَلَا تَضْلُعُ لَهَا وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّهَا اللَّهُ تَعَالَى قَالُوا
حَقِّقُوا أَيْ إِبْرَاهِيمَ وَالصُّرُورَ الِهَتَكُمْ أَيْ بِتَحْرِيقِهِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ١٦ نَصْرَتَهَا فَجَمَعُوا إِلَهُ الْحَطَبِ
الْكَبِيرَ وَاضْرَبُوا النَّارَ فِي جَمِيعِهِ وَأَوْثَقُوا إِبْرَاهِيمَ وَجَعَلُوهُ فِي مُنْجَبِقٍ وَرَمَوْهُ فِي النَّارِ قَالَ تَعَالَى قُلْنَا
يَنَّا كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ١٧ فَلَمْ تَحْرِقْ مِنْهُ غَيْرَ وَثَاقِهِ وَذَهَبَتْ خَزَائِنُهَا وَبَقِيَتْ أَصَاتِئُهَا وَبَقُولُهُ
سَلَامًا سَلِمَ مِنَ الْمَوْتِ بِبَرْدِهَا وَآرَادُوا بِهِ كَيْدًا وَهُوَ التَّحْرِيقُ فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ١٨ فِي مُرَادِهِمْ وَ
نَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا ابْنَ أَخِيهِ هَارَانَ مِنَ الْعِرَاقِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ١٩ بِكَثْرَةِ الْأَنْهَارِ وَالْأَشْجَارِ
وَهِيَ الشَّامُ نَزَلَ إِبْرَاهِيمَ بِفِلَسْطِينَ وَلُوطَ بِالْمُؤْتَفِكَةِ وَبَيْنَهُمَا يَوْمَ وَهَبْنَا لَهُ إِبْرَاهِيمَ وَكَانَ سَأَلَ وَلَدًا
كَمَا ذُكِرَ فِي الصَّافَاتِ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ٢٠ أَيْ زِيَادَةً عَلَى الْمَسْئُولِ أَوْ هُوَ وَلَدُ الْوَلَدِ وَكُلًّا أَيْ هُوَ وَ
وَلَدَاهُ جَعَلْنَا صَالِحِينَ ٢١ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً ٢٢ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءٍ يُفْتَدَى بِهِمْ فِي الْخَيْرِ
يَهْدُونَ النَّاسَ بِأَمْرِنَا إِلَى دِينِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةَ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةَ وَآيَ أَنْ تَفْعَلَ
وَنُقَامَ وَتُؤْتَى مِنْهُمْ وَمِنْ أَتْبَاعِهِمْ وَحُذِفَ هَاءُ إِقَامَةٍ تَخْفِيفًا كَانُوا لَنَا عِبِيدِينَ ٢٣ وَلُوطًا أَنْجَيْنَاهُ حَلَبًا فَضْلًا
بَيْنَ الْخُصُومِ وَاعْلَمَّا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تُعَذِّبُ أَيْ أَهْلَهَا الْأَعْمَالُ الْخَبِيثَةُ ٢٤ مِنَ اللَّوَاظَةِ
وَالرَّمْيِ بِالْبُنْدُقَةِ وَاللَّعِبِ بِالطُّيُورِ وَغَيْرِ ذَلِكَ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سُوءٍ مُضْذِرُ سَاءَةٍ بَقِيضُ سَرَّةٍ فَسَقِينَ ٢٥ وَ
أَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ٢٦ بِأَنْ أَنْجَيْنَاهُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ٢٧

ترجمہ: اور ہم نے دی تھی ابراہیم کو نیک راہ (ان کے زمانہ بلوغ) سے پہلے اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر (کہ وہ اس سال تھے) جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی تصویریں ہیں (مورتیاں) جن پر تم مجاہد بنے بیٹھے (یعنی ان کی عبادت پر جمع ہوئے ہو) وہ لوگ جواب میں کہنے لگے کہ ہم نے پایا اپنے دادوں کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے (لہذا ہم نے تو ان کی اقتداء کی ہے) ان سے حضرت ابراہیم نے کہا کہ بیشک اور تمہارے باپ دادا (ان کی پوجا کرنے میں) مرتضیٰ غلطی میں مبتلا ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم سچی بات (جو آپ نے کہی ہے وہ) ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو (یا اس سلسلہ میں) دل لگی کر رہے ہو؟ ابراہیم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تمہارا رب حقیقی جو مستحق عبادت ہے وہ ہے جو تمام آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو (کسی سابق مثال کے بغیر) پیدا کیا اور میں اس پر (جو میں نے تم لوگوں سے کہا ہے) دلیل بھی رکھتا ہوں اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا جب تم (ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے پھر (ان لوگوں کے عید کے دن کے موقع پر برائے اجتماع چلے جانے کے بعد) انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (جیم پر ضحہ اور کسرہ دونوں زہر تیں ہیں کلباڑے سے ریزہ ریزہ کرنا) بجز ان کے ایک بڑے بت کے (اور کلباڑا اس بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا) شاید اس (بڑے) کی طرف رجوع کریں (تاکہ وہ دیکھ لیں اس صورت حال کو کہ اپنے علاوہ اس بڑے نے دوسروں کے ساتھ کیا کیا ہے!) (واپس آئے) (یعنی اپنے اجتماع اور عید سے) اور جو کچھ پیش آیا اس کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ کہنے لگے کہ کس نے کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا ہی غضب کیا (اس میں) آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس جو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے ان بتوں کا تذکرہ (ان عیوب کے ساتھ) کرتے ہوئے سنا ہے وہ لوگ بولے کہ تو اچھا اسکو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کر دتا کہ وہ لوگ گواہ ہو جائیں (اس شخص پر کہ بلاشبہ اس نے کیا ہے چنانچہ ان کو بلانے کے بعد ان لوگوں نے کہا کیا ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم انت دونوں ہمزوں کے تحقیق کے ساتھ ہے اور دوسرے کو الف بنانے کے ساتھ اور اس کی تسہیل کے ساتھ اور مسند اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف لا کر اور اسکو چھوڑ کر۔ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں (غور فکر کے ساتھ) سوچنے لگے پھر (اپنے نفوس سے) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہوا (ایسی چیز کی پوجا کرنے میں کہ جو بول بھی نہ سکے) پھر اوندھے ہو گئے یعنی اس کے بعد پھر وہ حق سے روگرداں ہو گئے (اللہ تعالیٰ ہے) (سر جھکا کر) (یعنی اپنے کفر کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے بقسم خدا) اے ابراہیم! تم کو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بولتے نہیں (تو پھر آپ ہم کو کیوں ان بتوں سے معلوم کرنے کا حکم دے رہے ہو؟ فرمایا تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے تف ہے تم پر فاء پر کسرہ اور فتح دونوں قراءتیں ہیں مصدر کے معنی یعنی تبا اور قبیحا کے معنی میں ہے) اور ان پر (بھی) جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے (کہ یہ بت نہ تو مستحق عبادت ہیں اور نہ ہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں بس اگر مستحق عبادت ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ان (ابراہیم) کو آگ میں جلا دو اور مدد کرو اپنے معبودوں کی (ابراہیم کو جلا کر) اگر کچھ کرتے ہو (ان کی مدد چنانچہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم کو جلانے کے لیے بڑی تعداد میں ٹکڑیاں جمع کیں اور ان ٹکڑیوں کے ڈھیر میں آگ بھڑکا دی اور حضرت ابراہیم کو باندھ دیا اور آپ کو بخنق میں ڈال دیا اور آگ میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا) ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور آرام دہ ابراہیمؑ پر (چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اس آگ سے نہیں جلے علاوہ ان کے بندھن کے اور آگ کی حرارت و گرمی تو ختم ہو گئی البتہ اسکی روشنی باقی رہی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان سنانا سے حضرت ابراہیمؑ آگ کی ٹھنڈک سے موت سے محفوظ رہے) اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا (یعنی جلاؤ الٹا) چاہا ہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا ان کے مقصد میں۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور (ان کے برادر ہار ان کے بیٹے) لوط کو (عراق سے) بچا نکالا اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے اہل دنیا کے لیے (کہ وہاں نہریں اور درخت بکثرت پیدا کیے ہیں اور وہ سرزمین ملک شام ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فلسطین میں نزول فرمایا اور حضرت لوط موقوفہ بستی میں اور ان دونوں بستیوں کے درمیان ایک دن کی مسافت کا فاصلہ ہے اور بخشا ہم نے ان (کی دعاء پر) ان یعنی حضرت ابراہیمؑ کو اسحق اور یعقوب ولد الولد یعنی پوتا تالیذ (یعنی زائد از سوال مسئل سے زائد) اور سب (یعنی حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کو) نیک بخت کیا (کہ نبوت سے سرفراز فرا کر انبیاء بنا دیا) اور ان کو کیا ہم نے پیشوائائے ائمہ میں دو قراءت ہیں کہ دونوں ہمزہ کو باقی رکھا جائے دوسرے ہمزہ کو یاء سے تبدیل کر کے پڑھا جائے (تاکہ خیر میں ان کی اقتدار کی جائے) راہ بتلانے تھے (لوگوں کو) ہمارے حکم سے (ہمارے دین کی طرف) اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور (خصوصاً) نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا (یعنی نیک عمل کریں اور آپ نماز قائم کریں اور آپ زکوٰۃ ادا کریں اور ان کاموں کے کرنے کا ان کو بھی حکم دیں جو آپ کی اتباع کرنے والے ہیں اقامہ کی حا کو بوجہ تخفیف حذف کر دیا گیا اور وہ ہماری خوب عبادت کیا کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکومت (بھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ اور عدل کرنا) اور علم عطاء فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے (جیسے لواطت، ڈھیلے پھینکنا، غلیلوں سے کبوتر بازی، پرندوں کے ساتھ کھیلنا وغیرہ) بلاشبہ وہ لوگ بڑے بدذات بدکار تھے سوء مصدر سے ہے ساء کا جو سرہ کی نقیض ہے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کیا (بایں طور کہ ہم نے ان کو ان کی قوم سے نجات دی) بلاشبہ وہ بڑے نیکوں میں سے تھے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: رُشِدًا: کیونکہ سید حارہ پانا بھلائی کے لازم ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کی اضافت اس لئے ہے تاکہ اس جیسے کی راہنمائی ایک کامل کی راہنمائی ہو جو کہ بڑی شن والا ہے۔

قولہ: اِذْ قَالَ: یہ انینا سے متعلق ہے۔

قولہ: عَلٰی عِبَادِنَا: یعنی لام لہا کے اندر تعدیہ کے لئے ہے اور وہ علی کے معنی میں ہے کیونکہ لفظ عکوف علی سے متعدی ہوتا ہے نہ کہ لام سے۔

قولہ: فَاَتَدِينَا بِهِمْ: تقلید اگرچہ اصول میں جائز ہے جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے اور انہوں نے فرمایا کہ قابل اعتبار ہے اور یہ اس شخص کے لئے ہے جو فی الجملہ جانتا ہو خواہ اس کا علم مقلد والا ہو یا غیر مقلد والا۔

قوله: أَجْعَلُنَا بِالْحَقِّ: یعنی تو وقار کے ساتھ بات کہتا ہے یا بطور کھیل تماشہ کے۔

قوله: بَلْ زُكِّمُ: اس میں اس کے لاعب ہونے سے اضراب ہے۔

قوله: مِنَ الشَّاهِدِينَ: یعنی ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لئے بات دلیل سے ثابت ہے، شاہد وہ ہے جو کسی چیز کے بارے میں یقین تک پہنچ جائے۔

قوله: تَاللَّهِ لَا يَكِيدَنَّ: یعنی میں ان کو توڑنے کی خوب کوشش کروں گا۔

قوله: تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ: یہ بات آپ نے شاید پوشیدہ طور پر کہی یا ان لوگوں نے سنی ان سنی ایک کر دی۔

قوله: فَتَنَّا: بمعنی کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دینا۔

قوله: يَرْجِعُونَ: یعنی توڑنے والے کے بارے میں پوچھیں کیونکہ معبود کی شان یہ ہے کہ گرہ کشائی میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہ ان کو لا جواب کرتا ہے۔

قوله: يَذْكُرُهُمْ: دوسرا یذکر مع کا مفعول ہے یافتی کی صحیح کرنے والی صفت ہے، تاکہ سمع کا اس سے تعلق ہو جائے۔ لیکر سمعت زید کے ساتھ مسوع کا ذکر بھی کرنا پڑتا ہے۔

قوله: بِعَمِيهِمْ: شاید کہ اس نے یہ کیا ہے جو کہ عیب نکالتا ہے۔

قوله: يَقَالُ لَهُ اِبْرَاهِيمُ: کہ جس کا نام ابراہیم ہے، ابراہیم کے لفظ کو فعل سے رفع دینا جائز ہے کیونکہ اسم ہے سنی نہیں۔

قوله: ظَاهِرًا: یعنی اس طرح کہ اس کی شکل آنکھوں میں جم جائے جیسے سوار کی سواری پر جمتی ہے، اور علی امین الناس میں استعلاء کا یہی معنی ہے۔

قوله: كَيْدُهُمْ هَذَا: یہاں کبیر کی طرف فعل کی نسبت بطور مجاز عقلی کے ہے کیونکہ آپ کو اس کی زیادہ تعظیم کی وجہ سے زیادہ غصہ تھا، آپ نے اس کے عجز کو خوب ظاہر کرنے کے لئے چھوڑ دیا کبیر ہم ہذا یہ مبتداء اور خبر ہیں، اس لئے اس کے فعل پر وقف ہے اور یہ جو روایت میں ثلث کذبات کا ذکر آیا ہے تو وہ درحقیقت تعریضات ہیں جن کو صورت کی مشابہت کی وجہ سے کذب کہہ دیا۔

قوله: لَا يَكُونُ الْهَى: یہ درحقیقت اپنے الہ کی نفی نہیں اور ان کے الہ کا ثبوت نہیں، یہ بطور استہزاء ہے جیسے کسی کا خط اچھا نہ ہو اور تم اپنا خط اس کو دکھا کر یوں کہو کیا تو نے یہ لکھا ہے؟ تو تم جواب میں بطور مزاح کہو نہیں تو نے لکھا ہے۔

قوله: مِنَ اللَّهِ: یعنی وہ مجادلہ پر اتر آئے۔

قوله: وَقَالُوا وَاللَّهِ: یعنی یہ بات انہوں نے ارادۂ کبی کہ تجھے معلوم تو ہے کہ یہ بولتے ہیں پھر بھی تو ہمیں سوال کا ان سے کہہ رہا ہے۔

قوله: آبٍ: یہ ان کے باطل پر اصرار سے اکتاہٹ کا اظہار ہے۔

قوله: يُخَيِّلُكُمْ: یعنی تمہارا استیساں ہو۔

قوله: قَالُوا حَيِّ قُوَّةٌ: یہ کہنے والا مرد دیا اور کوئی حکومت کا آدمی تھا۔

قوله: وَأَضْرَمُوا النَّارَ: یعنی آگ جلاؤ، اور منینق میں رکھ کر اس کو اس میں پھینک دو۔

قوله: كُونِي بَرًّا وَ سَلَمًا: یعنی ذات بردا و سلامیہ بطور مبالغہ فرمایا۔

قوله: هُمُ الْاَخْسَرُونَ: یعنی وہ سب سے بڑھ کر خسارے والے تھے کیونکہ ان کی کوشش ان کے باطل اور ابراہیم کی سچائی پر دلیل بن گئی۔

قوله: الْاَرْضِ: اس سے شام کی زمین مراد ہے جس میں بہت سے انبیاء ہوئے۔

قوله: بَيْنَهُمَا يَوْمٌ: یہاں مضاف محذوف ہے ای مسیرۃ یوم۔

قوله: جَعَلْنَا صِلَاحِينَ: یعنی بھلائی والا بنایا وہ کامل بنے،

قوله: بِاَمْرِنَا: یعنی جو ہم نے ان کو حکم دیا تھا اس سے وہ تکمیل کرنے والے بن گئے۔

قوله: اَنْ تَقْتُلَ: یہاں فعل سے تفسیر کی، جو کہ مبنی للمفعول ہے تاکہ مصدرت کی اضافت معنی کے لحاظ سے ضمیر کی طرف نہ ہو۔

قوله: تَخَفِيفًا: مضاف الیہ مضاف کی جگہ آ گیا۔

قوله: لَنَا عِبْدٌ: یعنی توحید پر قائم رہنے والے، صلہ کو مقدم کرنا قصر پر ایک ہی بات پر بند ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: عَسًا: اس سے مراد وہ علم جو انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے۔

قوله: مِنَ الْقَرْيَةِ: اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں۔

قوله: فِي رَحْمَتِنَا: یعنی فی اہل رحمتنا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَ هَارُونَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيََاءً وَ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢٠٩﴾

تہ حضرت ابراہیم علیہ السلام:

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جس علاقے میں پیدا ہوئے وہ بت پرستوں کا علاقہ تھا۔ خود ان کا باپ بھی بت پرست تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے مشرکین کے عقائد اور اعمال سے دور رکھا تھا۔ وہاں کوئی موجد نہیں تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید سکھاتا اور شرک کی گمراہی پر متنبہ کرتا۔ لیکن سب سے بڑا معلم اللہ جل شانہ ہے۔ وہ جسے صحیح راہ بتائے، حق سمجھائے، راشد و ہدایت سے نوازے اسے کوئی بھی گمراہ کرنے والا اپنے قول اور عمل سے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتا۔ اللہ تعالیٰ شانہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی بڑی بت پرست قوم کے اندر ہدایت پر رکھا اور ان میں اظہار حق اور دعوت حق کی استعداد رکھ دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم تھا۔ اسی کو فرمایا (وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰہِیْمَ زُحْدًا مِّنْ قَبْلِ وَ کُنَّا بِہِ عَلٰمِیْنَ) (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھرانے کو اور اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا یہ لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے خصوصاً اور اپنے قوم سے عموماً سوال فرمایا کہ یہ مورتیاں جن پر تم دھرنادے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان خود تراشیدہ بے جان چیزوں کی عبادت کرنا، اس کی کیا تک ہے؟ وہ لوگ کوئی معقول جواب نہ دے سکے (اور کوئی بھی مشرک

معقول جواب نہیں دے سکتا۔ یہ لوگ ماں باپ کی اندھی تہلیل کرتے رہتے ہیں (انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور یہی کرتے دیکھا ہے کہ ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔ انہی کی دیکھا دیکھی ہم بھی بت پرستی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی مضبوطی اور قوت کے ساتھ فرمایا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا یوں ہی دل لگی کے طور پر باتیں کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حق بات لے کر آیا ہوں۔ تم سے دل لگی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا فرمایا، جس نے پیدا کیا اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنا یہ سراپا گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے؟ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچی بات ہے اور میں اس کے سچا ہونے کا گواہ ہوں۔ یعنی دلیل سے بات کرتا ہوں اور یاد رکھو کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو اللہ کی قسم میں ان کے لیے کوئی تدبیر کروں گا اور ایسا داؤد استعال کروں گا کہ ان پر بہت بڑی زد پڑے گی۔ مجھے موقعہ کا انتظار ہے تم کہیں گے اور میں نے ان کا تیا پانچا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا سورہ صافات میں بھی مذکور ہے۔ وہاں یوں بیان فرمایا:

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ سورہ العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں، غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں ہو؟ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے، ابراہیم نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لیے ایک آتش خانہ تعمیر کر دو پھر ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہی سو ہم نے ان کو نیچا دکھا دیا۔ (سورہ صافات، ترجمہ آیات ۸۵ تا ۹۸)

معالم التنزیل میں مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ہر سال ایک میلہ لگتا تھا۔ اس میں جمع ہوتے تھے پھر واپس آ کر اپنے بتوں کو سجدہ کر کے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت توڑے۔ یہ ان لوگوں کے میلہ کا دن تھا۔ جب یہ لوگ میلہ جانے کے لیے بستی سے باہر جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اے ابراہیم تم بھی ہمارے ساتھ چل کر ہماری عید میں شریک ہو جاؤ تو مناسب ہوگا۔ ممکن ہے کہ تمہیں ہمارا دین پسند آ جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دور ساتھ چلے اور ستاروں پر ایک نظر ڈالی۔ پھر فرمایا کہ میں تو مریض ہونے والا ہوں۔ (چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اس لیے ستاروں میں نظر ڈالنے کو ایک بہانہ بنالیا) وہ لوگ تو میلہ میں چلے گئے اور وہاں اس خیال سے کھانا رکھ دیا کہ واپس آنے تک یہ بت انہیں متبرک کر دیں گے پھر اس میں سے ہم کھالیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھانا رکھا دیکھا تو بطور استہزاء خسخر فرمایا: (أَلَا تَأْكُلُونَ) (کیا تم کھاتے نہیں) وہ تو بت تھے ان میں نہ روح نہ جان، بولتے کہاں سے، جب جواب نہ ملا تو فرمایا کہ: (مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ) (تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں ہو) یہ بھی بطور خسخری تھا۔ اس کے بعد کلباڑا لے کر چلانا شروع کر دیا۔ خوب قوت کے ساتھ چلایا اور سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہاں ان میں جو

سب سے بڑا بت تھا اس کو نہیں توڑا اور اس کی گردن میں کلباڑا لٹکا دیا۔ (لَعَلَّهُمْ إِلَهُو یَزِجُوعُونَ) یہ انہوں نے اس امید پر کیا کہ ممکن ہے وہ لوگ اپنے معبودوں کا عاجز ہونا دیکھ لیں تو ابراہیم علیہ السلام یعنی ان کے دین کی طرف رجوع کر لیں اور بعض حضرات نے الہ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع کی ہے اور آیت شریفہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ شاید وہ بڑے بت کی طرف رجوع کر لیں اور اس سے پوچھیں کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے توڑا، اور ممکن ہے کہ اس کے گلے میں کلباڑا پڑا ہو اور کچھ کر اس سے یوں کہیں کہ ہونہ ہوتو نے ہی یہ حرکت کی ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۱۸، ج ۳)

اب قوم کے لوگ آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود کٹے پڑے ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ دیکھ کر بڑے سٹ پٹائے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ جس نے ایسا کیا ہے وہ تو کوئی ظالم ہی ہوگا۔ پھر ان میں سے بعض یوں بولے کہ ہاں یاد آ گیا ایک جوان جسے ابراہیم کہہ کر بلایا جاتا ہے، یہ ان کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے یوں کہا تھا کہ میں تمہارے پیچھے ان کی گت بنا دوں گا۔ اندازہ ہے کہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا اسے بلاؤ۔ وہ سب لوگوں کے سامنے آئے۔ اگر لوگوں کے سامنے اقرار کر لے تو گواہ بن جائیں اور اس آدمی کو بھی پہچان لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا اور ان سے قوم کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا نام کیوں لگاتے ہو۔ جو ان سب سے بڑا ہے اسی نے یہ شب کارستانی کی ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ اگر وہ بولتے ہیں تو ان ہی سے دریافت کرنا چاہیے۔

یہ سن کر اول تو وہ لوگ ٹھٹھڑے اور سوچ میں پڑ گئے اور پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم ہی ظالم ہو یعنی ابراہیم کی بات صحیح ہے۔ ان جنوں کی عبادت کرنا ظلم کی بات ہے۔ بھلا وہ کیسا معبود جو نہ بول سکے نہ بتا سکے۔ پھر شرمندگی کے مارے اپنے سروں کو جھکا لیا۔ لیکن شرک سے پھر بھی توبہ نہ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں (یہ دعوت کا ایک طریقہ کار ہے کہ مخاطب سے بات کرتے کرتے اسے ایسے موقع پر لے آئیں کہ اس کی زبان سے خود اس کے اپنے مسلک اور اپنے دعویٰ کے خلاف کوئی بات نکل جائے) جب ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ یہ بولتے نہیں ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً پکڑ لیا اور فرمایا کہ (أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْءٌ وَآ لَا يَضُرُّكُمْ شَيْءٌ) کیا اللہ کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے (مزید فرمایا: أَفَلَا تَكْفُرُونَ) (اُف! لَکُمْ وَلِیْنَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ) (تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو)

جب وہ لوگ جواب سے عاجز ہو گئے اور کوئی بات نہ بنی تو کہنے لگے کہ اس شخص کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ (یہ بات بھی عجیب ہے کہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کی مدد کا دم بھر رہے ہیں اور اپنے معبودوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ وہ کیسا معبود ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو لیکن مشرکین کی عقلوں پر پتھر پڑے رہتے ہیں۔ ایسی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی)۔

صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا (جن میں نمرود بھی

تھا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا اور آگ جلانے کے لیے ایک احاطہ بنایا۔ پھر اس میں ایک مدت تک طرح طرح کی لکڑیاں ڈالتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ جو شخص مریض ہو جائے نذر مان لیتا تھا کہ میں اچھا ہو جاؤں گا تو ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کروں گا، عورتیں اپنی محبوب چیزوں کے حصول کے لیے یوں نذر مانتی تھیں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو آتش ابراہیم میں لکڑیاں ڈالوں گی، لوگ لکڑیاں خرید خرید کر اس میں ڈالتے تھے۔ حد یہ ہے کہ جو کوئی عورت چرخہ کا تتی تھی وہ بھی اس کی آمدنی سے لکڑیاں خرید کر آتش ابراہیم میں ڈال دیتی تھی۔ یہ لوگ ایک ماہ تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ اس کے بعد ہر جانب آگ لگا دی۔ آگ جلی، خوب شعلے نکلے اور اس جگہ کی گرمی کا یہ حال تھا کہ جانور بھی وہاں سے گزرتا تھا تو اس کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مر جاتا تھا۔ ان لوگوں نے برابر ایک ہفتہ تک آگ جلائی (ایک آدمی کو جلانے کے لیے اتنی آگ کی ضرورت تو نہ تھی لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ اگر ہم نے اس کو آگ میں ڈالا اور نہ جلا تو ہماری ذلت ہوگی، لہذا اتنی آگ جلاؤ اور اتنے دن تک جلاؤ کہ اس کی سخت حرارت میں یہ شخص جل ہی جائے اور زندہ باسلامت بچنے کا احتمال نہ رہے)۔

آگ تو تیار کر لی لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالیں کیسے؟ اس کے پاس تو پھلکا بھی مشکل ہے۔ چہ جائیکہ اس میں باقاعدہ ڈالنے کے لیے ایک دو منٹ ٹھہریں۔ ابلیس چونکہ حضرات انبیاء کرام کی دشمنی میں آگے آگے رہتا تھا اور اب بھی اسلام کے دشمنوں کو سبق پڑھاتا رہتا ہے اس لیے اس موقع پر بھی حاضر ہو گیا اور اس نے سمجھایا کہ دیکھو کہ ایک منجیق بناؤ (یہ ڈھیسکی کی طرح کسی بھاری چیز کو اٹھانے اور پھینکنے کا آلہ تھا۔ آج کل عمارتیں بنانے میں جو کرین استعمال کی جاتی ہے اسے دیکھنے سے منجیق کی کچھ تقریبی صورت اور اس کا عمل سمجھ میں آ سکتا ہے) منجیق تیار ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجیق کے ذریعہ آگ میں ڈال دیا۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو پانیوں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں اور ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو آگ کو ہواؤں میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور یوں بھی کہا: (حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ) (مجھے اللہ کافی ہے وہ بہترین کارساز ہے) حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈال رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا اے ابراہیم کوئی حاجت ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو اپنے رب ہی سے سوال کر لو۔ فرمایا میرے رب کو میرا حال خوب معلوم ہے۔ اس کے علم میں ہونا ہی کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے تفویض سے کام لیا اور دعا تک نہ کی۔ (فصلی اللہ علی خلیلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہے۔ مخلوقات میں جو صفات ہیں اور جو تاثیرات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا نہیں خطاب ہوتا ہے وہ اسے سمجھتے بھی ہیں گو ہم نہیں سمجھتے۔

آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا لہذا وہ سرد پڑ گئی اور چونکہ بردا کے ساتھ سلانا بھی فرمایا تھا اس لیے اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہوئی کہ ٹھنڈک کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہلاک ہو جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سات دن آگ میں رہے۔ آگ نے

ان پر کچھ اثر نہ کیا۔ ہاں ان کے پاؤں میں جو بیڑیاں تھیں وہ جل گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے کہ سایہ ڈالنے والا فرشتہ ان کے پاس پہنچا جو انہیں کی صورت میں تھا۔ وہ انہیں مانوس کرتا رہا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام جنت سے ایک کرتہ اور ایک قالین لے کر آئے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا گیا تھا) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انہیں کرتا پہنایا اور نیچے قالین بچھایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر وہیں باتیں کرنے لگے۔

نمرود اپنے محل میں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام باغیچے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ آس پاس جو لکڑیاں ہیں انہیں آگ جلا رہی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم ہیں۔ باتوں میں مشغول ہیں۔ نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں۔ یہ فرمایا اور اپنی جگہ سے روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ آگ سے باہر نکل آئے۔ یہ دیکھ کر نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تمہارا معبود تو بڑی قدرت والا ہے۔ جس کے حکم کی آگ بھی پابند ہے۔ میں تمہارے معبود کے لیے چار ہزار گائیں نذر کے طور پر ذبح کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تو اپنے دین پر رہے گا اللہ تعالیٰ تجھ سے کچھ بھی قبول نہ فرمائے گا۔ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اور میرا دین اختیار کر لے۔ نمرود نے کہا میں اپنے دین کو اور ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں بطور نذر کے جانور ذبح کر دوں گا۔ اس کے بعد نمرود نے جانور ذبح کر دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے سے بھی باز آ گیا۔

(معالم التنزیل، ص ۲۵۰، ۲۵۱ ج ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں نے خوب آگ جلائی اور بہت زیادہ جلائی جس کے بارے میں سورہ صافات میں فرمایا: (قَالُوا اِهْبُؤْا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ) (کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک مکان بناؤ پھر اسے سخت جلنے والی آگ میں ڈال دو) اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اولاً آگ جلانے کے لیے مستقل ایک مکان بنایا پھر بہت زیادہ آگ جلائی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا۔ لفظ الجحیم کے بارے میں قاموس میں لکھا ہے: والجحیم النار الشدیدة التاجع وکل نار بعضها فوق بعض کالحجۃ ویضم وکل نار عظیمۃ فی مہوۃ والمکان الشدید الحر کالجہنم۔ پوری قوم میں نمرود اور اس کی حکومت میں شخص واحد ہے جسے سب نے مل کر بہت بڑی آگ میں ڈال کر جلانا چاہا مگر اپنے مقصد میں ناکام ہوئے اور ذلیل ہوئے اور انہیں نیچا دیکھنا پڑا۔ اسی کو سورہ الانبیاء میں (وَاَزَادُوْا بِهٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ الْاٰخِیْرَیْنِ) سے اور سورہ صافات میں (فَاَزَادُوْا بِهٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمْ الْاَسْفَلِیْنِ) سے تعبیر فرمایا۔

ہم نے جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا ہے اس میں بعض چیزیں تو وہی ہیں جو سیاق قرآن کے موافق ہیں۔ ان سے قرآن مجید کے مفہوم کی تشریح ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر اسرائیلیات سے منقول ہیں، چونکہ ان سے کسی حکم شرعی کا تعلق نہیں ہے اور کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہیں اس لیے ان کو نقل کر دیا گیا ہے۔ کتب حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ مذکورہ سے متعلق جو چند روایات ملتی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

گرگ کی खाہٹ اور اس کے قتل کرنے میں احبر:

حضرت ام شریک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم

ؑ پر پھونک رہا تھا۔ (رواہ البخاری، ص ۲۷۱، ۲۷۰)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کو جب آگ میں ڈال دیا تو گرگ نے بھی اپنی खाہٹ کا ہنر دکھایا، وہ بھی وہاں کر پھونکنے لگا، جہاں اتنی بڑی آگ جل رہی تھی وہاں اس کے پھونکنے نہ پھونکنے سے کیا ہو سکتا تھا؟ لیکن اس کی طبعی खाہٹ نہ اس پر آمادہ کیا اور شیطان نے اسے استعمال کر لیا، کیونکہ دشمن سے جتنی بھی دشمنی ہو سکے چوکتا نہیں ہے۔ وہ فریق مقابل کو قتل پہنچانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے باز نہیں رہتا، چونکہ گرگ خبیث چیز ہے نہ ہر بلا جانور ہے اس لیے آپ ﷺ نے مارنے کا حکم فرمایا بلکہ اسے مارنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے گرگ کو پہلی ہی ضرب میں مار دیا اس کے لیے سونئیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دو ضربوں میں مارا اس کے لیے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں مارا اس کے لیے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(رواہ مسلم ص ۱۳۶، ۱۳۷)

ابراہیم ؑ کو قیامت کے دن سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم لوگ اس حال میں جمع کیے جاؤ گے کہ پاؤں میں جوتے اور جسموں پر کپڑے نہ ہوں گے اور غیر مختون بھی ہو گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم ؑ کو کپڑے پہنائے جائیں گے (رواہ البخاری) حضرت ابراہیم ؑ کو یہ جزوی فضیلت اس وجہ سے دی جائے گی کہ انہیں دشمنوں نے کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا تھا۔ شرح حدیث نے یہ بات لکھی ہے۔ (قال الحافظ فی الفتح ص ۳۹ و یقال ان الحکمة فی خصوصية ابراهيم بذالك لكونه القی فی النار عریانا وقیل لانه اول من لبس السر او لبس)۔

فَلَا تُكْذِبُ اٰیٰتِہٖ اٰوْرٰنِہٖ کی تشریح اور ابراہیم ؑ کا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے عذر فرمادینا:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم ؑ نے کوئی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین باتوں کے، دو باتیں تو ان میں ایسی تھیں جو اللہ کی ذات کے بارے میں تھیں (یعنی ان میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی) ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جانے سے انکار کرنے کے لیے یوں فرمادیا کہ انی سقیم (میں بیمار ہوں) اور دوسری بات یہ کہ (توں کو توڑ کر) فرمادیا (ہَلْ فَعَلْتَ كَيْدًا مِّنْهُمْ) (بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنی بیوی سارہ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ ان کا ایک ظالم بادشاہ پر گزر رہا تھا۔ اس ظالم بادشاہ کو کسی نے بتایا کہ یہاں ایک شخص ہے اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے۔ اس ظالم نے انہیں طلب کرنے کا حیلہ اختیار کر کے آئی بھیجا۔ جو آدمی قاصد بن کر آیا اس نے کہا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم ؑ نے فرمایا کہ یہ میری نہیں ہے، اس کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام سارہ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اس ظالم بادشاہ سے خطرہ ہے۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو تجھے اپنے پاس رکھ لے گا۔ سوا کر تجھے اس کے پاس جانا پڑے اور سوال کرے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو (ممکن ہے کہ وہ یہ بات سن کر تجھے چھوڑ دے) اور بہن کہنا کوئی غلط بھی نہیں ہے کیونکہ تو میری دینی بہن ہے۔ اس سر زمین میں میرے اور تیرے علاوہ کوئی مؤمن نہیں ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً اور قہراً طلب کیا تو ناچار ہو کر پہلی بار چلی گئیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی۔ جب حضرت سارہ اس ظالم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے ہاتھ ڈالنا چاہا۔ جوں ہی ہاتھ بڑھایا اس کو دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا اور حضرت سارہ سے درخواست کی کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا۔ لیکن پھر شرارت سوچی اور دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔ اس مرتبہ پھر اسے دورہ پڑ گیا جیسے پہلی بار پڑا تھا یا اس سے سخت تھا۔ پھر کہنے لگا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کر دو۔ میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا تو میرے پاس شیطان کو لے آیا ہے۔ اس کے بعد اس نے سارہ کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا۔ سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے نماز کی حالت میں ہاتھ کے اشارہ سے سوال کیا کیا مجرا ہوا؟ سارہ نے بیان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو الٹا ہی پر ڈال دیا اور ایک ہاجرہ نامی عورت خدمت کے لیے دے دی۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۱، ج ۶) حدیث بالا میں ثلاث گنہگار (تین جھوٹ) کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اول تو یہ کہ جب قوم کے لوگوں نے اپنے ساتھ باہر جانے کو کہا تو فرما دیا کہ رانی سیئہ (بلاشبہ میں بیمار ہوں) پھر جب ان کے جوں کو توڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم نے ان کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ تو فرمایا: (قُلْ فَعَلَهُ نَبِيِّكُمْ هُمْ) (بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے) ان دونوں باتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں اللہ کے لیے تھیں کیونکہ اپنے کو بیمار بتا کر ان کے ساتھ جانے سے رو گئے اور پھر اسی پیچھے رہ جانے کو جوں کو توڑنے کا ذریعہ بنالیا، اور اس طرح جوں کی عاجزی ظاہر کر کے معبود حقیقی کی توحید کی دعوت دے دی، تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو یہ سمجھا دیا کہ میں نے ظالم بادشاہ کے قاصد کو بتا دیا ہے کہ تم میری بہن ہو تم سے بات ہو تو تم بھی یہی بتانا کہ یہ بات سن کر ظالم تمہیں چھوڑ دے، چونکہ مطلق بہن نسی بہن کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے اسے جھوٹ میں شمار فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے دینی بہن مراد لے لی تھی اور یہ بات اخی فی الاسلام کہہ کر انہیں بتا بھی دی تھی۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں تھی اور اس کے خلاف بھی نہیں فرمایا کیونکہ اس میں تھوڑا سا نفس کا حصہ بھی ہے۔ اول تو یہ واقعہ سفر ہجرت کا ہے اور ہجرت اللہ کے لیے تھی پھر کسی بھی مؤمن عورت کو کافر سے بچانا بھی اجر و ثواب کا کام ہے۔ پھر اپنی مؤمن بیوی کی حفاظت کرنا جو عصمت اور عصمت میں معاون ہے کیونکہ ثواب کا کام نہ ہوگا۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ص ۹۲، ج ۶) میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تین باتیں کہیں (جو بظاہر کذب ہے) ان کو انہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت ہی کے واسطے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اختیار کیا۔ حضرات علمائے حدیث نے فرمایا ہے کہ تین باتیں جنہیں جھوٹ سے تعبیر فرمایا ان میں بظاہر جھوٹ ہے لیکن چونکہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور تعریض کے یہ باتیں کہی تھیں۔ (جن میں ایسا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ انہیں جھوٹ نہ کہا جائے اس لیے مرتج جھوٹ بھی نہ تھیں۔ مثلاً (اٰی سَفِیْہًا) فرمایا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے ساتھ جانے کو میرا دل کو مانع کرتا۔ اس ناگواری کو بیماری سے تعبیر فرمایا۔ اگرچہ وہ لوگ جسمانی بیمار سمجھے، اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ لفظ عظیم منفی صیغہ ہے۔ اس میں کسی زمانہ پر دلالت نہیں ہے۔ لہذا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اسی طرح جب ان لوگوں نے بتوں کے بارے میں پوچھا تو یہ فرمایا ہی نہیں کہ میں نے توڑے۔ ہاں یوں فرمادیا کہ ان کے بڑے نے توڑے تھے۔ بڑے سے بڑا بت ہی مراد لیا جائے تو یہ بظاہر کذب ہے۔ لیکن مقابل سے بات کرتے ہوئے اس کے منہ سے اپنے موافق بات اگوانے کے لیے کوئی بات کہہ دی جائے جو علی سبیل الفرض و التقدير ہو تو یہ بھی تعریض کے مشابہ ایک صورت بن جاتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ بولتے ہوں تو سمجھ لو کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اس کو معلق بالشرط کر دیا اور اس طرح تعلق بالشرط جائز ہے۔ اس میں کذب نہیں ہے۔

اب رہی بیوی کو بہن کہنے والی بات تو اس کی تاویل اس وقت انہوں نے خود ہی کر دی اور دینی بہن مراد لے کر جھوٹ سے بچ گئے۔ اس سب کے باوجود جو تینوں باتوں کو کذب فرمایا یہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ہے۔ بڑوں کی بڑی باتیں ہیں۔ گناہ تو ان باتوں میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں بطور تاویل اور تعریض کی تھیں اور انہیں بھی حق پر جاننے کے لیے اور ان کے پھیلانے کے لیے لیکن پھر بھی انہوں نے جو کچھ فرمایا اسے کذب میں شمار کر لیا گیا۔ (صحیح بخاری، ص ۷، ج ۲) میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن جب سارے انسانوں کو شفاعت کی ضرورت ہوگی تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ انکار کریں گے اور فرمائیں گے کہ ابراہیم خلیل الرحمن کے پاس جاؤ۔ جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں شفاعت کرنے کے مقام پر نہیں ہوں۔ اس موقع پر وہ اپنے ان کذب بات کو یاد کر لیں گے جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے تھے۔ یا ان کی شفاعت بھی اسی لیے ہوگا کہ ان سے جو مذکورہ تینوں باتیں صادر ہوئی تھیں ان کی وجہ سے اپنے کو لائق شفاعت نہیں سمجھیں گے جن کے رتبے ہیں سو ان کو سو مشکل ہے

قال الحافظ فی الفتح (تستین منہن فی ذات اللہ) خصہما بذالک لان قصۃ سارۃ وان کانت ایضاً فی ذات اللہ لکن تضمنت حظاً لنفسہ وندلہ بخلاف اثنین الاخیرتین فانہما فی ذات اللہ محض وقدر وقوع فی روایۃ المذکورۃ ان ابراہیم لم یکذب قط الاثلث کذبت وذلك فی ذات اللہ و فی حدیث ابن عباس عن احمد و للہ ان جادل بہن لا عن دین اللہ۔

وقال ایضاً واما اطلاقہ الکذب علی الامور الثلاثة لکونہ قال قولاً لا یعتقدہ السامع کذباً لکنا حقق لم یکن کذباً لانہ من باب المعارض المحتملۃ لا مرین لیس بکذب محض۔

ملاحظی قارئی مرتبہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث شفاعت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والحق انہا معارض مضبوط لکن کانت صورتہا صورۃ الکذب سہاھا کاذیب واستنقص من نفسہ لہا فان من کان اعرف باللہ و اقرب منہ منزلة کان اعظم خطراً و اشد خشیۃ و علی هذا القیاس سائر ما اضيف الی الانبیاء علیہم السلام

من الخطایا، قال ابن الملک الکامل قد یواخذ بها هو عباده فی حق غیرہ کما قیل حسنات الابرار سیئات القریبین۔ یعنی حق بات یہ ہے کہ ان تینوں میں تعریف ہے (صریح جھوٹ نہیں ہے) لیکن چونکہ بظاہر جھوٹ کی صورت میں نہیں اس لیے جھوٹ سے تعبیر کر دیا اور اپنی ذات کو مرتبہ شفاعت سے کمتر سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی معرفت حاصل ہو گی اور جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا اسی قدر وہ اپنے بارے میں زیادہ خطرہ محسوس کرے گا اور اس میں بہت زیادہ خوف و خشیت کا ظہور ہوگا۔ دیگر انبیاء کرام کی طرف جو خطایا منسوب ہیں ان کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ ابن الملک نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہل ہو بعض مرتبہ اس بات پر اس کا مواخذہ ہو جاتا ہے جو غیر کے حق میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

خالد بن ولید: یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو بلوایا تھا اگر اسے قبضہ کرنا اور چھیننا ہی تھا تو کسی کی بیوی یا بہن ہونے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ ظالم جب ظلم پر تل جائے تو اسے مقصد برآری کے سوا کچھ نہیں سوچتا۔ لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے جو یہ فرمایا کہ تم یوں کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں اس بات کو کہنے اور سمجھانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر جب انہوں نے بتا دیا کہ میں اس کی بہن ہوں تو اس نے پھر بھی ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی (یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہاتھ پاؤں کے دورے میں جتلا کر دیا اور حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی) اس سوال کو حل کرنے کے لیے مفسرین اور شراح حدیث نے کئی باتیں لکھی ہیں جن میں ایک یہ بات ہے کہ وہ ظالم بادشاہ کو ظالم تھا لیکن اپنے طور پر جس کسی مذہب کا پابند تھا اس میں کسی کی بہن کو اس کے بھائی کی موجودگی میں چھیننے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں لگے ہوئے تھے۔ ادھر حضرت سارہ نے بھی وہاں پہنچ کر نماز شروع کر دی۔

نیز حضرت سارہ نے وہاں یہ دعا بھی کی: اللھم ان کنت تعلم انی امنٹ بک و بر سولک و احصنت فرجی الاعلیٰ زوجی فلا تسلط علی الکافر (اے اللہ آپ کے علم میں ہے کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی اور میں نے اپنی شرم کی چیز کو اپنے شوہر کے علاوہ ہر کسی سے محفوظ رکھا۔ لہذا آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ فرمائیے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور کافر کے تسلط سے نجات دی۔ (فتح الباری)

اس ظالم بادشاہ نے شیطانی حرکت کا خود ارادہ کیا لیکن اپنے بعض دربانوں سے کہا کہ تم میرے پاس شیطان کو لے آئے ہو۔ ہاتھ پاؤں کا دورہ پڑا تو اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا اور پاکباز عورت کو شیطان بنایا۔

زبانی طور پر اس نے حضرت سارہ کو شیطان بنا دیا لیکن ان کی نماز اور دعا سے متاثر ہو کر اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہ کوئی بڑی حیثیت والی خاتون ہے۔ اس کی خدمت کے لیے ایک خادمہ دینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے ایک ہاجرہ نامی عورت ان کی خدمت کے لیے دے دی۔ وہ واپس ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اور ہاجرہ نامی عورت کو بھی اپنے ساتھ لے آئیں۔ یہ ہاجرہ نامی عورت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے فلسطین سے آئے اور اپنے چھوٹے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ کی چٹیل زمین اور سنسان میدان میں چھوڑ دیا۔ انہیں دو ماں بیٹوں سے مکہ مکرمہ کی آبادی شروع ہوئی اور انہیں دونوں ماں بیٹوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ چلی جنہیں بنو اسماعیل اور عرب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوب ہی نوازا۔ انہیں مشرکین کے درمیان ہوتے ہوئے داعی توحید بنایا۔ دشمنوں نے آگ میں ڈال دیا تو اس سے صحیح سالم نکال دیا اور آتش نمرود کو گلزار ابراہیم بنا دیا اور انہیں اپنا دوست بنالیا۔ کافی سورۃ النساء (وَ اتَّخَذَ اللَّهُ ابْنَاهُمْ خُلَیْلًا) (اور ان سے) (بشمولیت اسماعیل علیہ السلام) کعبہ شریف تعبیر کرایا پھر ان سے حج کی نذر دلوائی۔ اور انہیں ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام کا باپ بنایا۔ خاتم النبیین ﷺ بھی انہیں ہی ذریت میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے اس وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ مکہ کے رہنے والوں میں سے ایک رسول بھیج دینا۔ آپ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ان دونوں کی نسل سے سیدنا محمد رسول ﷺ کو پیدا فرمایا۔ آپ کی نبوت کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لیے تاقیام قیامت ہادی اور داعی بنادیا اور آپ پر نبوت ختم فرمادی اور آپ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا۔ ملت ابراہیم کی بہت سی چیزیں خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت کا جزو ہیں اور توحید تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا سب سے پہلا اور مرکزی نقطہ ہے۔ (انوار البیان)

وَنَجِّنْهُ وَلَوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝

حضرت ابراہیم اور لوط کا مبارک سرزمین کی طرف ہجرت کرنا:

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے۔ ان آیات میں ان دونوں کی ہجرت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دونوں اپنے علاقہ کو چھوڑ کر شام کے علاقہ فلسطین میں چلے گئے تھے۔ بتوں کی سرزمین کو اور بتوں کے پوجنے والوں کو چھوڑ کر اس سرزمین کے لیے ہجرت کی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے برکات رکھی ہیں۔ اور یہ برکات دنیا جہان والوں کے لیے ہیں، ان کے ال ہجرت کرنے کو نجات سے تعبیر فرمایا کیونکہ کافروں سے چھوٹ کر بارکت سرزمین میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو اخلق نامی بیٹا عطا کیا اور پھر اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی دیا جو مزید انعام تھا۔ اسی مزید انعام کی وجہ سے پوتے کو نافذ سے تعبیر فرمایا، اور ان سب کو صالحین میں سے بنادیا۔ سب اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے تھے اور اس کے اداسر کی پابندی کرتے تھے، چونکہ نبی تھے اور پیشوا تھے۔ اس لیے دوسروں کو بھی اللہ کی توحید اور اللہ کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ نیک کام کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں۔ وہ ان کاموں میں لگے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت ان کا خصوصی امتیاز تھا جس کا انہیں اہتمام تھا۔ اسی کو فرمایا: وَكَانُوا اتَّاعًا بِدِينِهِ۔

وَ اذْكُرْ لَوْحًا وَمَا بَعْدَهُ بَدَلْ مِنْهُ اِذْ نَادَىٰ اٰمِیْ دَعَا عَلٰی قَوْمِهٖ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرُ الْاِلٰهَ مِنْ قَبْلِ اٰمِیْ قَبْلَ اِبْرٰهٖمَ وَ لُوْطٍ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَجَنَّبْنٰهُ وَاَهْلَهٗ الَّذِیْنَ فِیْ سَفِیْنَتِهٖ مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِیْمِ ۝ اِلٰی الْعَزْقِ وَ تَكْذِیْبِ قَوْمِهٖ لَهٗ نَصْرُنَا مِّنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِآیٰتِنَا ۝ اَلَّذٰلِہٖ عَلٰی رِسَالَتِهٖ اَنْ لَا یَصِلُوْا اِلَیْہِ بِشَیْءٍ اِنَّہُمْ كَانُوْا قَوْمًا سَوِیًّا فَاعْرِضْہُمْ اٰجَعِیْنَ ۝ اذْكُرْ وَدَّوْدَ وَ سُلَیْمٰنَ اٰمِیْ قَضٰتْہُمَا وَ یَبْدُلْ مِنْہُمَا اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ هُوَ زَلْزَلُ

أَوْ كَرَّمُوا إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ أَيُّ رَعْتَهُ لَيْلًا بِلَا رَاعٍ بَانَ انْقَلَبَتْ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شُهَدَاءَ ۚ فِيهِ
 اسْتِفْعَالٌ ضَمِيرُ الْجَمْعِ لِأَتَيْنِ قَالَ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِصَاحِبِ الْخَرْثِ رِقَابَ الْغَنَمِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْتَفِعُ بِدَرِّهَا وَنَسْلِهَا وَصُوفِهَا إِلَى أَنْ يَفُودَ الْخَرْثُ كَمَا كَانَ بِإِصْلَاحِ صَاحِبِهَا فَيَرُدُّهَا
 إِلَيْهِ فَقَهْلُهَا أَيُّ الْحَكُومَةِ سَلِيمٌ ۚ وَحُكْمُهُمَا بِاجْتِهَادٍ وَرَجَعَ دَاوُدُ إِلَى سُلَيْمَانَ وَقِيلَ بِوَحْيٍ
 وَالثَّانِي نَاسِخٌ لِلْأَوَّلِ وَكُلًّا مِنْهُمَا أَتَيْنَا حُكْمًا نَبْوَةً وَعِلْمًا ۚ بِأُمُورِ الدِّينِ وَسَعَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجَبَالِ يُسَيِّخُنَ وَ
 الظَّيْرُ ۚ كَذَلِكَ سَخَّرْنَا لِلنَّبِيِّينَ مَعَهُ لِأَمْرِ بِهِ إِذَا وَجَدَ قِطْرَةً لِيُشِطَّلَهُ وَكُنَّا لِعِبَادِنَا ۚ تَسْخِيرُ تَسْخِيرِهِمَا
 مَعَهُ زَانٌ كَانَ عَجَبًا عِنْدَكُمْ أَيُّ مُجَاوِبَةٍ لِلسَّيِّدِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ تَنْوِينٍ وَهِيَ الدَّرْعُ
 لِأَنَّهُ تَلْبَسُ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ صَنَعَهَا وَكَانَتْ قَبْلَهَا صَفَائِحُ كُلِّهَا فِي جُمْلَةِ النَّاسِ لِيُخَصَّنَكُمُ بِالْتَّوْنِ لِلَّهِ
 وَبِالتَّخَانِيَةِ لِدَاوُدَ وَبِالْفُوقَانِيَةِ لِلْبُؤْسِ قَبْلَ بَأْسِكُمْ ۚ خَرِبَكُمْ مَعَ أَعْدَاءِ كُمْ قَهْلَ أَنْتُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ
 شُكْرُونَ ۚ نَعَمِي بِتَصَدِيقِ الرُّسُلِ أَيُّ أَشْكُرُونِي بِذَلِكَ وَ سَعَرْنَا بِالسُّلَيْمَنِ الرِّيحَ عَاصِفَةً وَفِي آيَةِ أُخْرَى
 رِخَاءُ أَيُّ شَدِيدَةِ الْهُبُوبِ وَخَفِيفَتُهُ بِحَسَبِ إِرَادَتِهِ تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي يُرَكْنَا فِيهَا ۚ وَهِيَ الشَّامُ وَ
 كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۚ مِنْ ذَلِكَ عِلْمُهُ تَعَالَى بِأَنْ مَا يُعْطِيهِ سُلَيْمَانُ يَدْعُوهُ إِلَى الْخُضُوعِ لِرَبِّهِ فَقَعَلَهُ
 تَعَالَى عَلَى مُقْتَضَى عِلْمِهِ وَ سَخَّرْنَا مِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يَفُوضُونَ لَهُ يَدْخُلُونَ فِي الْبَحْرِ فَيُخْرِجُونَ مِنْهُ
 الْجَوَاهِرَ لِسُلَيْمَانَ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ ۚ أَيُّ سِوَى الْغَوَاصِّ مِنَ الْبِنَاءِ وَغَيْرِهِ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ۚ مِنْ
 أَنْ يُفْسِدُوا مَا عَمِلُوا لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا فَرَّغُوا مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ اللَّيْلِ أَفْسَدُوهُ إِنْ لَمْ يَسْتَغْلُوا بِغَيْرِهِ وَ أَذْكَرُ
 الْيُوبِ وَيَبْدُلُ مِنْهُ إِذَا تَأَذَّى رَبُّهُ ۚ لَمَّا ابْتَلَى بِفَقْدِ جَمِيعِ مَالِهِ وَوَلَدِهِ وَتَمَرَّقَ جَسَدِهِ وَهَجَرَ جَمِيعَ النَّاسِ
 لَمَّا لَا زَوْجَتَهُ سِتِينَ ثَلَاثًا أَوْ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِي عَشْرَةَ وَضَيَّقَ عَيْشُهُ إِلَى بَفْتَحِ الْهَمْزَةِ بِتَقْدِيرِ الْبَاءِ مَشْنَى الضَّرِّ
 أَيُّ الشَّدَةِ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۚ نِدَائِهِ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَ أَوْلَادَهُ الدُّكُورَ
 وَالْإِنَاثَ بِأَنْ أَحْيَوَالَهُ وَكُلُّ مِنَ الصِّفَتَيْنِ ثَلَاثٌ أَوْ سَبْعٌ مِثْلُهُمْ مَعَهُمْ مِنْ زَوْجَتِهِ وَزَيْدٍ فِي شَبَابِهَا وَكَانَ

لَهُ أَنْذَرُ لِلْقَمَحِ وَأَنْذَرُ لِلشَّعِيرِ فَبَعَثَ اللَّهُ سَحَابَتَيْنِ أَفْرَعَتْ إِحْدَهُمَا عَلَى أَنْذَرِ الْقَمَحِ وَالْأُخْرَى عَلَى أَنْذَرِ الشَّعِيرِ الْوَرِقِ حَتَّى قَاضَ رَحْمَةً مَفْعُولٌ لَهُ مِنْ عِنْدِنَا صِفَةً وَذُكْرَى لِلْمُعَذِّبِينَ
 لِيُضِيرُوا أَفْيَاتَهُمْ وَأَذْكَرَ إِنْجِيلًا وَإِذْ رَأَى ذَا الْكِفْلِ كُلَّ مِنَ الظَّالِمِينَ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ وَعَنْ مَقَابِرِهِ
 أَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا مِنَ التَّوْبَةِ إِنَّهُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ لَهَا وَسْعَى ذَا الْكِفْلِ لِأَنَّهُ تَكْفِيلٌ بِصِيَامٍ خَبِيرٍ
 نَهَارِهِ وَبِقِيَامٍ جَمِيعٍ لَيْلِهِ وَأَنْ يَقْضَى بَيْنَ النَّاسِ وَلَا يَغْضَبَ قَوْمِي بِذَلِكَ وَقِيلَ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا وَادْعُوا
 النَّوْنِ صَاحِبِ الْحَوْتِ وَهُوَ يُؤْتِسُّ بِنُ مَشَى وَيَتَدَلُّ مِنْهُ إِذَا ذَهَبَ مُغَاضِبًا لِقَوْمِهِ أَيْ غَضَبَانٍ عَلَيْهِ
 مِنْ قَاسِي مِنْهُمْ وَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَبِذَلِكَ فَظَنَ أَنْ لَنْ تَقْدِرَ عَلَيْهِ أَيْ يَقْضَى عَلَيْهِ مَا قَضَيْنَا مِنْ حَبِيبِي
 بَطْنِ الْحَوْتِ أَوْ نَضِيقُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَتَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ ظِلْمَةُ اللَّيْلِ وَظِلْمَةُ الْبَحْرِ وَظِلْمَةُ بَطْنِ الْحَوْتِ
 أَيْ يَأْنِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فِي ذَهَابِي مِنْ بَيْنِ قَوْمِي بِلا إِذِنْ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ
 تَجِيبُهُ مِنَ الْعَمَةِ بِتِلْكَ الْكَلِمَاتِ وَكَذَلِكَ كُنَّا أَنْجِيْنَاهُ نُجِي الْمُؤْمِنِينَ ۝ مِنْ كَرِهِهِمْ إِذَا اسْتَشَارُوا
 بِنَادَاتَيْنِ وَادْعُوا ذِكْرِيَا وَيَتَدَلُّ مِنْهُ إِذَا نَادَى رَبَّهُ رَبِّ بِقَوْلِهِ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا أَيْ بِأَوْلَادِي رَبِّي وَأَنْتَ خَلَقْتَ
 الْوَارِثِينَ ۝ الْبَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِكَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۝ نِدَائِهِ وَوَهْبَتَالَهُ يَخِي وَلَدًا وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ فَاتَّ
 بِالْوَلَدِ بَعْدَ عَقْمِهَا إِنَّهُمْ أَيْ مِنْ ذِكْرِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ كَانُوا يُسْرِعُونَ يَبَادِرُونَ فِي الْغَوَابِ الْعَلَاغَاتِ
 يَدْعُونَنَا رَغَبًا فِي رَحْمَتِنَا وَرَهْبًا مِنْ عَذَابِنَا وَكَانُوا لَنَا حُشِيِّينَ ۝ مُتَوَاضِعِينَ فِي عِبَادَتِهِمْ وَادْعُوا
 مَرِيَمَ الَّتِي أَحْصَتْ قَرَجَهَا حِفْظَتُهُ مِنْ أَنْ يَتَالَ فَنَقُضَنَا فِيهَا مِنْ زَوْجِنَا أَيْ جِبْرِيلَ حَيْثُ نَفَخَ فِي خَيْبِ
 دُرِّهَا فَحَمَلَتْ بَعِيسَى وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۝ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ
 غَيْرِ قَحْلٍ إِنَّ هَذَا أَيْ مِلَّةُ الْإِسْلَامِ أَمَّتْكُمْ دِينُكُمْ أَيُّهَا الْمُخَاطَبُونَ أَيْ يَجِبُ أَنْ تَكُونُوا عَلَيْهَا أُمَّةً
 وَاحِدَةً ۝ خَالَ لَا رِمَّةَ ۝ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝ وَخِدُّونَ وَتَقَطَّعُوا أَيْ بَعْضُ الْمُخَاطَبِينَ أَمَرَهُمْ بِتَقَاتِهِمْ
 أَيْ تَفَرَّقُوا أَمْرَ دِينِهِمْ مُتَخَالِفِينَ فِيهِ وَهُمْ طَوَائِفُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى قَالَ تَعَالَى كُلُّ الْيَتَامَى لِيُجْعَلُونَ ۝ أَيْ

تہذیب و تمدن: اور نوح کا تذکرہ کیجئے (اس کے بعد کلام اس سے بدل واقع ہو رہا ہے) جب کہ اس (زمانہ ابراہیم اور لوط) سے پہلے انہوں نے بددعا کی (اپنی قوم کی حق میں اس قول سے رَبِّ لَا تَذَرْنَا لِنُفْسٍ سَوِيَّةٍ) سو ہم نے ان کی دعاء قبول کی اور ان کو اور ان سے قبیلین (کہ کشتی میں سوار تھے) کو بڑے بھاری غم سے نجات دی (یعنی غرق ہونے اور ان کی قوم کی تکذیب سے ان کو محفوظ کر دیا) اور مدد کی ان کی (کہ بچایا ہم نے ان کو تاکہ وہ لوگ کسی برے ارادہ کے ساتھ ان تک نہ پہنچ سکیں) ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہمارے حکموں اور ان آیتوں کو جو کہ ان کی رسالت پر دلالت کرنے والی ہیں) کہ جھوٹا بتلایا تھا بلاشبہ وہ لوگ بہت برے تھے اس لیے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ (و ما بعدہ یدل علیہ) اور داؤد اور سلیمان (کے واقعات) تذکرہ کیجئے جب کہ دونوں حضرات (اور بدل ہے اس سے) کسی کھیت کے (یا انگور کے باغ) کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے جب کہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں (داخل ہو کر) رات کی وقت روند گئیں) اور اس کو بغیر چرواہے کے چر گئیں یا اس طور کے وہ بکریاں برباد کر گئیں اور ہم اس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے (یہاں مضاف الیہ میں ضمیر جمع برائے حثیہ استعمال ہوئی ہے حضرت داؤد نے یہ فیصلہ دیا کہ بکریوں کی ملکیت کھیت کے مالک کو بطور عوض دی جائے اور حضرت سلیمان نے یہ فیصلہ دیا کہ جب بکریاں تیار ہو اس وقت تک کھیت کا مالک ان بکریوں کے دودھ اور اس کی نسل اور ان کے بالوں سے نفع اٹھائے یہاں تک کہ بکریوں کا مالک اس کے کھیت کو درست کر دے اسکے بعد کھیت والا بکریوں کو واپس کر دے گا) سو ہم نے اس فیصلہ (کی آسان مورت) کی سمجھ سلیمان کو دیدی (اور دونوں حضرات کا فیصلہ اجتہادی طور پر تھا چنانچہ حضرت داؤد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی طرف رجوع کر لیا اور اپنے فیصلہ کو کالعدم کر دیا بعض حضرات کی رائے ہے کہ دونوں حضرات کے فیصلے وحی کے مطابق تھے اور دوسرا فیصلہ اول کے حق میں ناسخ ہو گیا) اور ہم نے دونوں (ہی) کو حکمت نبوت اور علم عطا فرمایا تھا (دین کے امور سے حلق) اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ (بھی) تسبیح کیا کرتے تھے (حضرت داؤد کے ساتھ) اور پرندوں کو بھی اسی طرح برائے تسبیح ہم نے ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا حضرت داؤد کی وجہ سے کہ جس وقت وہ سستی پاتے تو ان دونوں کو حکم کرتے ذکر و تسبیح کرنے کا اپنے ساتھ تاکہ ان کو ذکر و تسبیح میں نشاط ہونے لگے) اور ہم کرنے والے تھے (حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں دونوں کو مسخر اگرچہ تمہارے نزدیک قابل تعجب بات ہے یعنی کہ وہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے فرمان پر ان کی موافقت کرتے ذکر کرنے میں مشغول ہو جاتے اور ہم نے ان کو زرہ (بنانے) کی صنعت تم لوگوں کے (نفع) واسطے سکھائی تاکہ وہ (زرہ) تم کو تمہاری (دشمنوں کے ساتھ ہونے والی) لڑائی میں بچائے لے تحصنکم اگر نون کے ساتھ ہو تو ضمیر اللہ کی طرف راجع ہوگی اور یائے تختانیہ کے ساتھ ہو تو ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف راجع ہوگی اور اگر تاء کے ساتھ ہو تو ضمیر لبوس کی طرف راجع ہوگی) اور زرہ کو لبوس کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو بھی پہنا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام وہ پہلے انسان میں کہ جنہوں نے زرہ بنائی اور زرہ سے پہلے لوہے کی تختیاں تھیں) سو تم کچھ شکر کرتے ہو (یا نہیں؟ اے اہل مکہ میری نعمتوں کی تصدیق کر کے یعنی رسولوں کی تصدیق کر کے شکر گزاری کرو) اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور

سے چلنے والی وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کو جو چیز عطا فرمایا چاہتے ہوں وہ اس چیز کو اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ مانگتے اس کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مقتضی کے مطابق اسکو کر دیتے اور قبول فرماتے اور تابع کیے کتنے شیطان جو غوطہ لگاتے سلیمان کے لیے (دریاؤں میں تاکہ حضرت سلیمان کے لیے دریاؤں سے جواہرات نکالیں) اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ (کیا کرتے تھے مثلاً تعمیر وغیرہ) ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اس بات سے کہ ان جنوں نے جو چیز بنائی وہ اس کو برباد نہ کریں کیونکہ جنات جب کسی کام سے رات ہونے سے قبل فارغ ہو جاتے تو اس کو برباد کر دیتے تھے اگر وہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے! اور ایوب کے قصہ کا تذکرہ کیجئے (اور اس سے بدل واقع ہے) جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا (اس وقت کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کے تمام مال اور اولاد کو ختم کر کے آزمائش فرمائی اور آپ کا جسم پارہ پارہ ہونے لگا اور تمام لوگوں سے ان کو چھوڑ چھاڑ دیا البتہ آپ کی زوجہ نے نہیں چھوڑا تھا یہ آزمائش و امتحان تین یا سات یا اٹھارہ سال تک رہا اور ان کی زندگی بڑی دشوار ہو گئی تھی انی ہمزہ کے فتح اور باء کی تقدیر کے ساتھ ہے کہ یہ تکلیف مجھ کو پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو جو تکلیف تھی اس کو دور کر دیا اور ہم نے ان کا کتبہ (اولاد کو روانہ کر دیا) ہی کو زندگ کر دیا جن کی تعداد تین یا سات تھی یعنی کل چھ یا چودہ افراد پر مشتمل یہ کتبہ ان کو پھر سے (عطاء فرمایا اور ان کے ماؤں (ان کی اسی سابق زوجہ سے کہ ان کے شباب کو بڑھا کر گنتی میں) ان کے برابر اور بھی دیئے حضرت ایوب کے پاس گئے تھے لیے اور جو کے لیے علیحدہ علیحدہ کھلیاں تھیں پس اللہ تعالیٰ نے دو بادلوں کو بھیجا ان میں سے ایک بادل نے گھوٹ کے کھلیاں میں سونا برسایا اور دوسرے بادل نے جو کے کھلیاں پر چاندی کو برسایا یہاں تک کہ خوب سونا اور چاندی پہنے لگے اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لیے ایک یادگار رہنے کے سبب) تاکہ لوگ حالات پر صبر کریں اور ثواب پائیں! اور اسمعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا تذکرہ کیجئے یہ سب (اللہ تعالیٰ کی طاعت پر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرنے پر) ثابت قدم رہنے (صبر) والے لوگوں میں سے تھے اور ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت (خاصہ یعنی نبوت) میں داخل کر دیا تھا بیشک یہ (سب) کمال صلاحیت والوں میں تھے (نبوت کے لیے) اور ذوالکفل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انھوں نے دن بھر روزا رکھنا اور رات بھر قیام کرنا اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا اور غضبناک نہ ہونا ان سب فضائل حسنہ کی ذمہ داری جس کو بحسن و خوبی پورا فرمایا بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ وہ نبی نہ تھے! اور مچھلی والے (یعنی حضرت یونس بن متی کا تذکرہ کیجئے) اس سے بدل واقع ہے) جب وہ غصہ ہو کر چلے گئے (اپنی قوم کے لوگوں پر اس صورت حال سے کہ جو رنج ان لوگوں سے پہنچا تھا حالانکہ ان کو منجانب اللہ بستی چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی) اور انھوں نے (از روئے اجتہاد) یہ سمجھا کہ ہم ان پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے جو ہم نے ان کے حق میں فیصلہ کیا کہ ان کو مچھلی کے پیٹ میں قید کیا وہ نہیں کریں گے یا اس کی وجہ سے ہم اس پر تنگی نہ کریں گے پس انہوں نے اندھیروں میں پکارا (رات کی اندھیری سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں میں بیشک قصور دار ہوں) (بغیر اجازت کے اپنی قوم کے درمیان سے نکل جانے میں) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو (ان کلمات کے ذریعہ) اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو نجات دیا

کرتے ہیں (ان کی تکلیف اور بے چینی سے جب کہ وہ ہم کو استغاثہ کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔ اور ذکر کیا کا تذکرہ کیجئے اور اسی سے بدل ہے جب کہ انھوں نے اپنے رب کو، اس کلام کے ساتھ) پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو تہ چھوڑا کیلا (یعنی بغیر اولاد کے کہ جو میرا وارث ہو سکتا ہو) اور سب داروں سے بہتر آپ ہی ہیں (آپ کی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد آپ ہی باقی رہنے والے ہیں) سو ہم نے انکی دعا قبول کر لی اور ہم نے ان کو یحییٰ فرزند عطا فرما دیا اور ان کی خاطر سے ان کی زوجہ کو بھی اولاد کے قائل کر دیا (حالانکہ وہ بانجھ تھی اس کے بعد بچہ کی ولادت ہوئی) یہ سب (حضرات انبیاء کرام کہ جن کا تذکرہ ہو رہا ہے) نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم کے ساتھ (رحمت و عذاب کی امید اور خوف سے) ہماری عبادت (و اطاعت) کیا کرتے تھے اور تھے ہمارے سامنے عاجز (تواضع اختیار کرے والے اپنی اپنی عبادات میں) اور اس عورت (یعنی حضرت مریم کا بھی تذکرہ ہے) جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت (اور فرج کو اس بات سے کہ کوئی حرام یا حلال کی صورت میں پہنچا ہو پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح یعنی اپنے خاص حکم سے ان کو حاملہ کر دیا) (بواسطہ حضرت جبریل کہ انھوں نے حضرت مریم کے گریبان میں کو پھونک مار دی چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ حاملہ ہو گئیں) اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں (انسان اور جنات اور ملائکہ) کے لیے نشانی بنا دیا (اپنی قدرت کاملہ پر کہ حضرت مریم نے بغیر شوہر کے ہی بچہ جن دیا) لوگو! یہ (ملت اسلام) تمہارا طریقہ ہے (واجب ہے کہ تم لوگ اس پر قائم رہو) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری ہی عبادت کیا کرو (مجھ کو ایک خدا تسلیم کرو میری وحدانیت قبول کرو اور (اے بعض مخاطبین) تم لوگوں نے اپنے دین کے امر میں اختلاف کرتے ہوئے اپنی جمعیت کو (پاٹ لیا ہے یعنی یہودیوں اور نصاریٰ کے وہ مختلف فرقے ہیں جو امر دین کے نام پر منقسم ہو گئے۔ قال تعالیٰ، سب ہمارے پاس آنے والے ہیں (لہذا ہم نے انکے اعمال کا بدلہ ان کو دیں گے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ: شدید غم۔

قوله: شَتَاةً: نصرنا کا صلہ جب علیٰ آ یا من نہ آیا تو منعنا سے اس کی تفسیر کی یعنی ہم نے ان کو انتقام لینے والا بنادیا۔

قوله: أَجْعَلُنَّ: تمام کو اس وجہ سے ہلاک کیا کیونکہ ان میں تکذیب حق اور امہاک شرعیہ دو بیماریاں رچ گئی تھیں۔

قوله: كُنَّا لَكُمْ شُهَدَاءَ: ہم حاکم اور فیصلے والے لوگوں کو جاننے والے تھے۔

قوله: لَكُمْ لِمَا بَاغْتَهَادَ: ہر دو کا فیصلہ اجتہاد سے تھا۔

قوله: كَذَلِكَ: طیر کا عطف جبال پر ہے۔

قوله: سَخَّرْنَا لَكَ شَيْئًا مِّنْهُ: لسان حال سے یا لسان قال سے۔

قوله: مَصْنُوعٍ: سپاٹ، آپ نے اس کو حلقاں اور بنتی میں بدل دیا۔

قوله: لَكُمْ: یہ علم سے متعلق ہے یا لبوس کی صفت ہے اور لت حصنکم یہ لکم سے بدل الاشتمال ہے۔

قولہ: یَعْمَى: یہ شاکرون کا مفعول ہے۔

قولہ: اَشْكُرُ نَبِيَّ: یہ دراصل امر ہے جس کو صورت امر میں لایا گیا ہے۔

قولہ: شَدِيدَةُ الْهُيُوبِ: دونو آیات میں اس سے موافقت ہوگئی اور تجری یہ دوسرا حال ہے۔

قولہ: بِأَمْرٍ: یعنی ان کو مشیت۔

قولہ: بَرَكْنَا فِيهَا: اس سے سرزمین شام مراد ہے۔

قولہ: مِنَ الشَّيْطَانِ: اس میں دلالت ہے کہ کافر جنات ان کے لئے مسخر کیے۔

قولہ: مَنْ يَغْوِضُونَ: من کا عطف الرفع پر ہے۔

قولہ: عَمَلًا: اس کی تکثیر کثرت اعمال کو ظاہر کرتی ہے۔

قولہ: يَبْدُلُ مِثْلَهُ: یہ رومی تھے اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

قولہ: مَسْنَى الظُّرِّ: بیماری اور کمزوری جب الضر پڑھیں۔

قولہ: مِنْ زَوْجَتِهِ: اس بیوی سے اور اولاد دوی۔ گندم، جو کے ڈھیر دے دے ایک سونے دوسرے کو چاندی میں بدل ڈالا۔

قولہ: رَحْمَةً: ایوب علیہ السلام پر اور نصیحت دوسروں کے لئے۔

قولہ: ذَا الْكَيْفِ: کفل نصیب اور کفالہ کئی گنا یعنی نصیبہ ور تھے۔

قولہ: غَضَبَانِ عَلَيْهِمَ: مغالبہ کی بنیاد مبالغہ پر ہے۔

قولہ: نَقَضَى عَلَيْهِ: یہ قدر بمعنی قضاء و حکم ہے یا قدر بمعنی تنگی ہے قدرت کے معنی میں نہیں۔

قولہ: فِي ذَعَابٍ: جو دکھی یہ دعائے اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔

قولہ: نَجَّيْنَاهُ: سے پھل کا پیٹ سے ساحل پر ڈالنا ہے۔ یہ چار ساعات تھے۔

قولہ: وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَرِثِينَ: یعنی اگر آپ نے مجھے بیٹا نہ دیا تو کون میرا وارث ہوگا مجھے اس کی پرواہ نہیں کیونکہ آپ اس سے بہتر ہیں۔

قولہ: أَصْلَحْنَا لَهُ: یعنی بانیہ پن کے بعد ولادت کے لائق بنا دیا۔

قولہ: فِي رَحْمَتِنَا: یعنی ہمارے ثواب کے امیدوار اور عقاب سے خائف متواضعین، نیاز مندی کرنے والے۔

قولہ: فِي عِبَادَتِهِمَ: یعنی انہوں نے ان خصائل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف پایا جو پایا۔

قولہ: أَحْصَتْ: یعنی حلال و حرام دونوں سے حفاظت کی۔

قولہ: فَتَقَنَّا فِيهَا: یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اس کے پیٹ میں زندہ کر دیا۔

قولہ: مِنْ دُجَانَا: جبرائیل علیہ السلام کی جانب سے۔

قولہ: وَأَيُّهَا آيَةُ: یعنی ان دونوں کا قصہ اسی لئے آیت کو واحد لائے۔ ان دونوں کے واقعہ کو نشانی بنایا۔

قولہ: بِنُصْرِ الْمَخَاطِبِينَ: غائب سے خطاب کی طرف اسلوب سے مقصود ان کے خطاب کے لئے۔

تفسیر مقبولین

وَلَوْ تَحَذَّرُوا مِنِّي لَآتَيْنَهُم مِّن لَّدُنِّي فُتْرًا مَّا يَدْرِكُونَ ۝

نوح علیہ السلام کی دعا:

نوح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم نے ستایا تکلیفیں دیں تو آپ نے اللہ کو پکارا کہ باری تعالیٰ میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد فرما۔ زمین پر ان کافروں میں کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکائیں گے۔ اور ان کی اولادیں بھی ایسی ہی فاجر کافر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو اور مومنوں کو نجات دی اور آپ کے اہل کو بھی سوائے ان کے جن کے نام برباد ہونے والوں میں آگئے تھے۔ آپ پر ایمان لانے والوں کی بہت ہی کم مقدار تھی۔ قوم کی سختی، ایذا اور تکلیف سے اللہ عالم نے اپنے نبی کو بچالیا۔ ساڑھے نو سو سال تک آپ ان میں رہے اور انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر سوائے چند لوگوں کے اور سب اپنے شرک و کفر سے باز نہ آئے بلکہ آپ کو سخت ایذا میں دیں اور ایک دوسرے کو اذیت دینے کے لیے بھڑکاتے رہے۔ ہم نے ان کی مدد فرمائی اور عزت آبرو کے ساتھ کفار کی ایذا اور سانیوں سے چھٹکارا دیا اور ان برے لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اور نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ بچا سب ڈبدرے گئے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخْرُجُ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفِثَتْ فِيهِ جُنُودُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحَكِيمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝

حضرت داؤد اور سلیمان کا تذکرہ، ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اکرام اور انعام کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پر فرمایا تھا۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے سفر فرمادیئے جو ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر فرمادی اور جنات کو ان کا تابع کر دیا۔

کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ:

شروع میں ایک جھگڑے کا اور اس جھگڑے کے فیصلہ کا تذکرہ فرمایا جس کا واقعہ یوں ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص بکریوں والا اور دوسرا کھیتی والا تھا۔ کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے

واپس ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کیا ہوا؟ دونوں نے بیان کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمے کا فیصلہ میں کرتا تو فریقین کے لیے مفید اور نافع ہوتا۔ پھر نور الدین صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا فیصلہ ہے؟ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ بکریاں تو سب کھیت والے کو دے دیں تاکہ وہ ان کے دروازوں اور وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے سپرد کر دیں۔ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت لگائے۔ جب یہ کھیت اس حالت پر آ جائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا تو کھیت، کھیت والے کو اور بکریاں بکری والے کو واپس کر دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلہ کو پسند کیا اور فرمایا بس اب یہی فیصلہ رہنا چاہیے اور فریقین کو بلا کر یہ فیصلہ نافذ کر دیا۔ اسی کو فرمایا: **فَقَهَّمْنَهَا سُلَيْمَنُ** (سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو بجا دیا) **وَكُلًّا أَتَيْنَا حُلْمًا وَعِلْمًا** (اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم سے فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ فیصلے دونوں ہی کے درست تھے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی غلط شرع نہ تھا۔ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا، اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے بکریاں دلوائیں اور قانون کا یہی تقاضا تھا جس میں مدعی اور مدعی علیہ کی رضا شرط نہیں مگر چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل نقصان ہوتا تھا اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے دوسری صورت تجویز فرمادی جو باہم جانشین کی رضامندی پر موقوف تھی اور جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی کہ چند روز کے لیے بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں جو ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزارا کر لے اور بکری والے کو وہ کھیت سپرد کر دیا جائے جو بکریوں نے خراب کر دیا تھا۔ وہ آب پاشی وغیرہ کرے جب کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں ان کے اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں۔ **كَذَا فِي الدَّر الْمُنْشُورِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ وَمَسْرُوقٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَاهِدٍ وَقَتَادَةَ وَالزَّهْرِيَّ**۔ (مس ۳۲۱ ج ۱)

اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو متفقہ ہو۔ اسی لیے **وَكُلًّا أَتَيْنَا حُلْمًا وَعِلْمًا** بڑھا دیا۔ انتہی۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔

حضرت محمد ﷺ کا فیصلہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں کے کھیتی خراب کرنے پر جو فیصلہ دیا ان کا یہ فیصلہ اجتہاد سے تھا اور بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام کے صلح کر دینے سے حل ہو گیا۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مروی ہے۔ حضرت براء بن عازب ؓ کی ایک اونٹنی بغض لوگوں کے باغ میں داخل ہو گئی اور ان کا باغ خراب کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ اہل جانور جو زخمی کر دے اس کا کوئی ضمان نہیں۔ اہل اموال پر لازم ہے کہ دن میں اپنے اموال کی حفاظت کریں اور اہل مواشی پر لازم ہے کہ رات کو انہیں محفوظ رکھیں اور یہ کہ رات کو جو جانور کوئی نقصان کر دے جانوروں کے مالک اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ (رواہ ابو داؤد و فی آخر کتاب البیوع و ابن ماجہ فی ابواب الاحکام) اور ایک حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ: ((العجباء جرجہا جبار)) (رواہ البخاری) حضرات ائمہ کرام کے مذاہب معلوم کرنے کے لیے شرح حدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔

مج بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ دو عورتیں کسی جگہ موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا ایک بچہ بھی تھا۔ بھیڑیا جو آیا تو ایک کے لڑکے کو لے کر چلا گیا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے یوں کہنے لگی کہ بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا اور یہ جو موجود ہے یہ میرا بیٹا ہے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے (اپنے طور پر غور و خوض اور اجتہاد کر کے) بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ واپس ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر گزریں اور انہیں پورے واقعہ کی خبر دی۔ انہوں نے فرمایا چھری لے آؤ۔ میں اس لڑکے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں۔ یہ سن کر چھوٹی عورت والی کہنے لگی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجیے۔ (میں اپنا دعویٰ واپس لیتی ہوں) میں تسلیم کرتی ہوں کہ وہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دے دیا کہ وہ لڑکا چھوٹی ہی کا ہے۔ (مج بخاری ص ۱۸۷) یہ کھیتی اور بکریوں والوں کا فیصلہ اور ان دو عورتوں کا فیصلہ جو حضرت داؤد علیہ السلام نے دیا تھا، یہ دونوں وحی سے نہیں تھے، اجتہاد کے طور پر تھے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے دوسرا فیصلہ دے دیا جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی تسلیم فرمایا۔ اس آخری قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ کو چھری سے کاٹنے والی جو بات کی یہ ایک تدبیر تھی جس سے انہوں نے حقیقت حال تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا۔ جب یہ فرمایا کہ چھری لاؤ میں اسے کاٹ کر آدھا آدھا کر دیتا ہوں تو بڑی خاموش رہ گئی اور چھوٹی گھبرا گئی اور اس نے کہا کہ میں یہ مانتی ہوں کہ یہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس کے تڑپنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ اسی کا بچہ ہے۔ اگر بڑی کا بچہ ہوتا تو وہ تڑپ اٹھتی۔ لیکن وہ چپکلی کھڑی رہی جس سے معلوم ہوا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے۔ لہذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے بارے میں فیصلہ فرمادیا۔

داؤد علیہ السلام کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا:

حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور مال و دولت سے بھی۔ اور اقتدار سے بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف بھی عطا فرمائی۔ سورہ ص میں ان کے ایک فیصلہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: (يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ) (اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ اللہ کے راستہ سے بہکادے گی) (سورہ نمل میں فرمایا: (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَطَرَنَا عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَوَرِّثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ آيَاتُنَا لِلنَّاسِ غَلِيظَةٌ وَأَوْيَيْنَا مِنْ كُلِّ غَلِيظٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ) (اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں میں فضیلت دی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے)۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ پہاڑوں کو اور جانوروں کو مسخر فرمادیا تھا جو ان کے ساتھ اللہ

۲۲۹
 ان سیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام روزانہ ایک زروہ بنا لیتے تھے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے جن میں دو ہزار اپنے اور اہل و عیال کی ضرورت کے لیے خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کو خبز الحواری یعنی میدہ کی روٹی کھلانے پر خرچ فرماتے تھے۔ (مس ۵۲۷ ج ۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دو فیصلے اوپر مذکور ہوئے جن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرے فیصلے دیے۔ ان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اگر کسی قاضی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کے خلاف خود اس کے اپنے اجتہاد سے یا کسی دوسرے خاتم یا عالم کے بتانے سے معلوم ہو جائے کہ فیصلہ غلط ہوا ہے تو اپنا فیصلہ واپس لے کر دوسرا صحیح فیصلہ نافذ کر دے۔ یہ اجتہاد کی شرط اس لیے لگائی گئی کہ نصوص قطعیہ کے خلاف فیصلہ حرام ہے اور نصوص شرعیہ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا بھی حرام ہے۔ امام دارقطنی نے اپنی سنن میں حضرت عمرؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو امور قضا سے متعلق ہے۔ وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو حکام اور قضا کے لیے ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

عن سعید بن ابی بردة و آخرج الكتاب فقال هذا كتاب عمر، ثم قرى على سفيان من هاهنا الى ابى موسى الاشعري، اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة، فافهم اذا ادلى اليك، فانه لا ينفع تكلم بحق لا نفاذه آس بين الناس في مجلسك ووجهك، وعدلك حتى لا يطمع شريف في حيفك، ولا يخاف ضعيف جورك، اليئنة على من ادعى، واليمين على من انكر، الصلح جائز بين المسلمين، الا صلحا احل حراما او حرم حلالا، لا يمنعك قضاء قضيت به بالامس راجعت فيه نفسك وهديت فيه لرشدك ان تراجع الحق، فان الحق قديم، وان الحق لا يبطله شيء، ومراجعة الحق خير من التماذي في الباطل، الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك، مما لم يبلغك في القرآن والسنة، اعرف الامثال والاشباه، ثم قس الامور عند ذلك، فاعمد الى احبها الى الله، واشبهها بالحق فيما ترى، واجعل للمدعى امدا يتسنى اليه، فان احضر بينه والا وجهت عليه القضاء فان ذالك اجلى للعنى، وابلغ في العذر للمسلمون عيول بينهم بعضهم على بعض، الا مجلودا في جداو مجربا في شهادة زور، او ظنينا في ولا او قرابة، فان الله تولى منكم السرائر، ودرا عنكم بالبينات، ثم اياك والضجر والقلق والتادي بالناس، والتشكر للخصم في مواطن الحق التي يوجب الله بها الاجر ويحسن بها الذكر، فانه من يخلص بينه فيما بينه وبين الله، يكفه الله ما بينه وبين الناس، ومن تزين للناس بما يعلم الله منه غير ذلك، شانه الله۔

یہ خط امام دارقطنی نے کتاب الاقصیہ والا حکام میں نقل کیا ہے۔ افادہ اللغوام اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن البراء نے ایک خط نکالا اور بیان کیا کہ یہ خط حضرت عمرؓ کا ہے جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔

ابا بعد! جان لینا چاہیے کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسا طریقہ ہے جسے اختیار کرنا ضروری ہے۔ سو تم یہ سمجھ لو کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کوئی لے کر آئے تو جو حق فیصلہ ہو وہ نافذ کر دو۔ کیونکہ وہ حق بات فائدہ نہیں دیتی جسے نافذ نہ کیا جائے۔ اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے بٹھانے میں اور انصاف کرنے میں لوگوں کے درمیان برابری رکھنا کہ کوئی

صاحب حاجت یہ لالچ نہ کرے کہ اس کی وجہ سے دوسرے پر ظلم کر دے اور کوئی کمزور اس بات سے خائف نہ ہو کہ اس پر ظلم کر دے۔ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا جائز ہے لیکن ایسی کوئی صلح نہیں ہو سکتی جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ کل جو کوئی فیصلہ تم کر چکے ہو اور اس کے بعد صحیح بات سمجھ میں آگئی تو حق کی طرف رجوع کرنے سے تمہارے سابق مانع نہ بن جائے۔ کیونکہ حق اصل چیز ہے اور حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر چلنے سے بہتر ہے۔ جو چیز تمہارے سینہ میں کھٹکے اسے خوب سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ ان چیزوں میں سے ہو جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں سے کوئی بات نہیں پہنچی (اگر قرآن وحدیث کی بات موجود ہو پھر اسی پر عمل کرنا لازم ہو) تو امثال واثار اور پہچانو۔ پھر ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرو اور ان میں جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور مدعی کے لیے ایک مدت مقرر کر دو جس میں وہ اپنے گواہ لے آئے۔ اگر گواہ حاضر کر دے تو قانون کے مطابق فیصلہ کر دو۔ اگر وہ گواہ نہ لائے تو اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔ گواہ لانے کے لیے مدت مقرر کرنا یہ نامعلوم حقیقت کو زیادہ واضح کرنے والی چیز ہے اور اس میں صاحب عذر کو انجام تک پہنچانے کا اچھا ذریعہ ہے۔ مسلمان آپس میں عدول ہیں۔ ایک کی گواہی دوسرے کے بارے میں قبول کی جاسکتی ہے لیکن جسے حد تلافی کی وجہ سے (یعنی تہمت لگانے پر) کوڑے لگائے ہوں یا جس کے بارے میں تجربہ ہو کہ وہ جھوٹی گواہی بھی دیتا ہے یا کسی رشتہ داری کے معاملہ میں وہ متہم ہے (یعنی رشتہ داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیتا ہے) تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کی پوشیدہ باتیں اور پوشیدہ ارادے جانتا ہے۔ (وہ اس کے مطابق فیصلے کرے گا اور اس دنیا میں مخلوق کے درمیان گواہوں پر فیصلے رکھ دیے ہیں) گواہ جھگڑوں کو ختم کرنے والے ہیں اور لوگوں کے آنے سے تنگ دل مت ہوتا۔ تکلیف محسوس نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا۔ جو لوگ فیصلے کرانے کے لیے آئیں ان سے الگ ہو کر مت بیٹھ جانا۔ ان کے فیصلے حق کے موافق کرنا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے اور لوگ اچھائی سے یاد کرتے ہیں جس کی نیت اللہ کے اور اس کے اپنے درمیان خالص ہو اللہ تعالیٰ ان مشکلات کی کفایت فرماتے ہیں جو لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اور جو شخص ظاہری طور پر اچھا بنے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرمادیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کی تحنیر:

وَلِسَيْنَانَ الرِّيحِ عَاصِفَةً (الابن) ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بیان فرمایا۔ ان کی حکومت نہ صرف انسانوں پر تھی بلکہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع تھیں۔ سورہ ص میں فرمایا: (قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخِي أَنْ يَبْعِدَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَنْتَ الْوَثَّاقُ فَتَسْخَرُ نَالَ الرِّيحِ تَحْمِي بَأَمْرِ رُحَاءِ حَيْثُ أَصْلَبَ وَالشَّيْطَانُ كُلُّ بَنَاءٍ وَغَوَاصٍ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ) سلیمان نے دعا مانگی اے میرے رب میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد میرے سوا کسی کو میری نہ ہو۔ آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا۔ یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی

اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرمائیے جو میرے بعد اور کسی کو نہ دی جائے ان کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ انہیں جنات پر بھی اقتدار دے دیا اور ہوا بھی ان کے لیے مسخر فرمادی جو خوب تیزی سے چلتی تھی جو انہیں اور ان کے لشکروں کو ذرا سی دیر میں دراز مسافت پر پہنچا دیتی تھی اور ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی۔ کبھی خوب تیز جسے سورۃ الانبیاء میں عاصفۃ سے تعبیر فرمایا اور کبھی آہستہ جسے سورۃ ص میں رضاء سے تعبیر فرمایا۔ اس کی تیز رفتاری کے بارے میں سورۃ سبأ میں (عَلُوهُنَّ شَهْرٌ وَرَوَّاحُهُنَّ شَهْرٌ) فرمایا ہے۔ جب آپ کو کہیں جانا ہوتا تو ہوا آپ کو اور آپ کے لشکر کو (جو انسانوں اور جنات اور پرندوں پر مشتمل ہوتا تھا) آپ کے حکم کے مطابق اسی منزل پر پہنچا دیتی تھی جہاں جانا ہوتا تھا۔ آپ شیاطین سے بھی کام لیتے تھے۔ شیاطین کو سزا بھی دیتے تھے اور انہیں زنجیروں میں باندھ کر بھی ڈالتے تھے جس پر وہ چوں نہیں کر سکتے تھے۔ جنات سے وہ سمندروں میں غوطے لگانے کا کام بھی لیتے تھے۔ وہ ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور سمندر سے قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور ان سے مکانات بھی تعمیر کراتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ ص میں فرمایا: (وَالشَّيَاطِينُ كُلٌّ ئِثْمًا وَغَوَاصٍ) اور دیگر کاموں میں بھی استعمال کرتے تھے۔ جس کا ذکر سورۃ سبأ میں فرمایا ہے: (يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ) (وہ جنات ان کے لیے وہ وہ چیزیں بناتے تھے جو ان کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں)۔

رسول اللہ ﷺ کا شیطان کو پکڑ لینا:

ایک مرتبہ ایک سرکش جن کہیں سے چھوٹ کر آگیا۔ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جن نے کوشش کی کہ آپ کی نماز توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قابو دے دیا۔ آپ نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر صبح آپ نے صحابہ کرام کو اس کا یہ قصہ بتایا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح ہو تو تم سب اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی۔ انہوں نے دعا کی تھی (رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَبْغِي لِيَ أَحَدٌ مِنْ بَعْدِي) (لہذا میں نے اسے چھوڑ دیا) سو اللہ نے اسے ذلیل کر کے واپس لوٹا دیا۔ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ (راجع صحیح البخاری اسم) اور حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ کا دشمن ابلیس ایک شعلہ لے کر آیا تاکہ میرے چہرہ پر ڈالے۔ میں نے تمہیں مرتبہ اعوذ باللہ منک کہا تین بار العنک بلعنة الله التامة کہا۔ وہ اس پر نہ ہٹا تو میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ لیتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ صبح تک بندھا رہتا اور اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے۔ (صحیح مسلم ص ۲۰۰ ج ۱)

سانپوں کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد یاد دلانا:

سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو کہو: انا نسلک بعہد نوح وبعہد سلیمان بن داؤدان لا تو ذینا (ہم تجھے وہ عہد یاد دلواتے ہیں جو تو نے نوح اور سلیمان بن داؤد علیہ السلام سے کیا تھا

کہ تو ہمیں تکلیف نہ دے) پھر اس کے بعد بھی ظاہر ہو جائے تو اسے قتل کر دو۔ اور جب انسانوں پر اور جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے جانوروں پر بھی تھی۔ ان میں زہریلے جانور بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سانپوں کے زہر اتارنے کے الفاظ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم پر پیش کر دو۔ چنانچہ آپ پر پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس معاہدے کے الفاظ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زہریلے جانوروں سے لیا تھا۔ الفاظ یہ ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ شَجْعَةٌ قَرْنِيَّةٌ مَلْحَةٌ بَحْرٍ قَفْطَلٌ۔

(الدر المنثور ص ۲۲۷)

وَ اَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ اِنِّىْ مَسْكِيْنٌ الضَّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۝

(۶) قصہ ایوب علیہ السلام:

یہ چھٹا قصہ ایوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کے مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا۔ ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا حضرت ایوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ کر رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحال میں وہ خدا کے شکر گزار بندے تھے پھر خدا تعالیٰ نے ان کو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہو گئے اولاد مر گئی اور دوست آشنا سب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی رفیق رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی ایوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکر گزار رہے اسی طرح وہ بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزارا جب بیماری حد سے گزر گئی تب اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔ اور ان کو صحت اور عافیت عطا کی۔ اور جو اولاد واپس کر رہی تھی اس کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل سے ان کی پھر وہی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

ان اب آیات میں ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صابروں اور شاکروں کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہمارے صابر بندوں ایوب کا قصہ ذکر کرو جبکہ ان کو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں ہر طرف سے بلا پہنچی، حتیٰ کہ جسم کو کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض اٹھارہ برس اسی تکلیف میں گزارے اور حیا و شرم کے مارے حتیٰ تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دعا بھی نہ کی کہ سالہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اس کی بلاؤں پر صبر نہ کر لوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حتیٰ کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا نکلے گا تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو اچھی طرح کھا۔ یہ کمال رضاء بقضا اور صبر بہ بلا ہے کہ یہ تکلیف انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے مگر حال یہ ہے کہ ”ایلام دوست بہ از انعام دوست“ البتہ اتنی بات سمجھ لینا چاہیے کہ اسرائیلی روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے یا یہ کہ کوئی برص تھا اور کوڑی پر پڑے رہے۔ یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اس حالت میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری نہیں رہ سکتا اور عامۃ الناس قریب نہیں

آجے۔ اس لیے یہ بات لائق قبول نہیں ہے۔ پھر بیماری تو غیر اختیاری تھی۔ کوڑی پر پڑے رہنے کو اختیار فرماتا یہ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی طہارت اور نظافت طبع کے بھی خلاف ہے۔ بالآخر ایوبؑ نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تحقیق مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا اقتضاء ہو وہ کر گزار ایوبؑ نے اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔ حق تعالیٰ کی غایت رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لا چاری ظاہر کی اور خاموش ہو گئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔ عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لا چاری آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپ کی رحمت کا محتاج ہوں پس انکا یہ کہنا تھا کہ ان کی دعا قبول کی سو جو تکلیف اور بیماری ان کو لاحق تھی وہ یک لخت ہم نے دور کر دی اور ہم نے ان کو بعینہ ان کے اہل و عیال عطاء کر دیئے یعنی ان کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی اولاد اس کے بعد پیدا کر دی جو گزشتہ اولاد کے برابر تھی، ایوبؑ نے جب اپنے رب کو پکارا تو دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور آواز آئی۔ اے ایوبؑ اپنا پاؤں زمین پر مار۔ ایک چشمہ نمودار ہوا۔ اس سے ایوبؑ نے غسل کیا۔ اس سے ان کی تمام بیماری یک لخت جاتی رہی اور خوبصورت بدن نکل آیا۔ نبویؐ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایوبؑ نے کہا میں وہی ایوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ اور مجھ پر میرا مال اور اہل و عیال سب واپس کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے ایوب کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور عنایت ایسی ہوتی ہے اور تاکہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور عبرت ہو کہ صبر ایسا ہوتا ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ صبر اور شکر میں حضرت ایوبؑ کی اقتداء کریں۔

اس واقعہ میں ایوبؑ کو چار ابتلاء پیش آئے: (۱) مال جاتا رہا (۲) اولاد مر گئی (۳) بدن بیماری سے پھٹ گیا (۴) سوائے بیوی کے سب نے چھوڑ دیا اور شہادت کرنے لگے کہ ایوبؑ نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی سخت ملی ہے۔ ایوبؑ نے اس ابتلاء اور بلا پر صبر کیا۔ اول تو دعا پر بھی راضی نہ تھے حیا اور شرم کی وجہ سے صحت کی دعا بھی نہ کرتے تھے بالآخر بیوی کے اصرار سے اپنی صحت کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی بھی عطاء کی اور جو اولاد مر گئی تھی اس کو دوبارہ زندہ کر دیا چونکہ جو اولاد اسٹھی ہی دب کر مر گئی بظاہر وہ موت اجل نہ تھی۔ بلکہ موت ابتلاء و آزمائش تھی اس لیے ان بنی اسرائیل کی طرح دوبارہ زندہ کر دی گئی جن کو طاعون سے بھاگنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزرا۔ اَلَّذِينَ تَوَلَّوْا اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَّ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایوبؑ کو پہلے کی طرح مال و دولت بھی عطاء کر دیا جس قدر مال انکا جاتا رہا تھا اسی قدر اللہ نے پھر ان کو دے دیا بلکہ اس سے زائد۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایوبؑ ایک دن غسل فرما رہے تھے کہ اوپر سے سونے کی ٹڈیاں برسے لگیں۔ ایوبؑ ان کو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوبؑ کیا میں نے تجھ کو اس چیز سے غنی نہیں کیا کہ جس کو تو دیکھتا ہے۔ عرض کیا کیوں نہیں تیری برکت سے غنا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میرا سونے کی ٹڈیوں کی طرف

رغبت کرنا دنیاوی غنا حاصل کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ سونے کی ٹڈیاں تیری طرف سے بلا سبب ظاہری کے برس رہی ہیں اور یہ تیری طرف سے بلا شبہ برکت ہیں اور بندہ کتنا ہی مالدار ہو جائے مگر خدا کی برکت سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ سے طلب زیادت قناعت کے منافی نہیں البتہ غیر اللہ سے سوال قناعت کے منافی ہے۔

وَاسْتَعِذْ وَادْرِئْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلُّ مِّنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۱﴾

حضرت ذوالکفل نبی تھے یا ولی اور ان کا قصہ عجیب:

آیات مذکورہ میں تین حضرات کا ذکر ہے جن میں حضرت اسمعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا نبی و رسول ہونا قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت اور ان کا تذکرہ بھی قرآن میں جا بجا آیا ہے۔ تیسرے بزرگ ذوالکفل ہیں۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ ان کا نام ان دونوں پیغمبروں کے ساتھ شامل کر کے ذکر کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی کوئی اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے مگر بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمرہ انبیاء میں نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح اولیاء اللہ میں سے تھے۔ امام فہر ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسوع (جن کا نبی و پیغمبر ہونا قرآن میں مذکور ہے) جب بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تو ارادہ کیا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں جو ان کی زندگی میں وہ سب کام ان کی طرف سے کرے جو نبی کے فرائض میں داخل ہیں۔

اس مقصد کے لئے حضرت یسوع علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو جمع کیا کہ میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہو اس کو خلیفہ بناؤں گا۔ وہ تین شرطیں یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور ہمیشہ رات کو عبادت میں بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو۔ مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر ذلیل سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت یسوع نے دریافت کیا کہ کیا تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہمیشہ شب بیداری کرتے ہو اور کبھی غصہ نہیں کرتے۔ اس شخص نے غرض کیا کہ بیشک میں ان تین چیزوں کا عامل ہوں۔ حضرت یسوع (کو شاید کچھ اس کے قول پر اعتماد نہ ہو اس لئے) اس روز اس کو رد کر دیا پھر کسی دوسرے روز اس طرح مجمع سے خطاب فرمایا اور سب حاضرین ساکت رہے اور یہی شخص پھر کھڑا ہو گیا اس وقت حضرت یسوع نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ شیطان نے یہ دیکھا کہ ذوالکفل اس میں کامیاب ہو گئے تو اپنے اعدائے شیاطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے یہ منصب اس کا سلب ہو جائے۔ اعدائے شیطان نے عذر کر دیا۔ کہ وہ ہمارے قابو میں آنے والا نہیں شیطان ابلیس نے کہا کہ اچھا تم اس کو مجھ پر چھوڑو (میں اس سے نمٹ لوں گا) حضرت ذوالکفل اپنے اقرار کے مطابق دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے تھے صرف دوپہر کو قیلولہ کرتے تھے (قیلولہ دوپہر کے سونے کو کہتے ہیں) شیطان عین دوپہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دے کر بیدار ہو گئے اور پوچھا کون ہے کہنے لگا کہ میں بوڑھا مظلوم ہوں، انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے اندر پہنچ کر ایک انسان کہنا شروع کر دیا کہ میری برادری کا مجھ سے جھگڑا ہے انہوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا وہ ظلم کیا، ایک طویل داستان شروع کر دی یہاں تک کہ دوپہر کے سونے کا وقت ختم ہو گیا۔ حضرت ذوالکفل نے فرمایا کہ جب میں باہر آؤں تو میرے پاس آ جاؤں تمہارا حق

حضرت ذوالکفل باہر تشریف لائے اور اپنی مجلس عدالت میں اس کا انتظار کرتے رہے مگر اس کو نہیں پایا۔ اگلے روز پھر جب وہ عدالت میں فیصلہ مقدمات کے لئے بیٹھے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے اور یہ نہ آیا۔ جب دوپہر کو پھر قیلولہ کے لئے گھر میں گئے تو یہ شخص آیا اور دروازہ کوٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ ایک مظلوم بوڑھا ہے، انہوں نے پھر دروازہ کھول دیا اور فرمایا کیا میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ جب میں اپنی مجلس میں بیٹھوں تو تم آ جاؤ (تم نہ کل آئے نہ آج صبح سے آئے) اس نے کہا کہ حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ آپ اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہوں گا تو آپ ان کو میرا حق دینے پر مجبور کریں گے تو انہوں نے اس وقت اقرار کر لیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں، پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کر دیا۔ انہوں نے پھر اس کو یہی فرمایا کہ اب جاؤ جب میں مجلس میں بیٹھوں تو میرے پاس آ جاؤ۔ اسی گفت و شنید میں آج کے دوپہر کا سونا بھی رہ گیا اور وہ باہر مجلس میں تشریف لے گئے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے (اگلے روز بھی دوپہر تک انتظار کیا وہ نہیں آیا پھر جب تیسرے روز دوپہر کا وقت ہوا اور نیند کو تیسرا دن ہو گیا تھا نیند کا غلبہ تھا) تو گھر میں آ کر گھر والوں کو اس پر مقرر کیا کہ کوئی شخص دروازے پر دستک نہ دے سکے۔ یہ بوڑھا پھر تیسرے روز پہنچا اور دروازے پر دستک دینا چاہا لوگوں نے منع کیا تو ایک روشندان کے راستے سے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کر دیا یہ پھر نیند سے بیدار ہو گئے اور دیکھا کہ یہ شخص گھر کے اندر ہے اور دیکھا کہ دروازہ بدستور بند ہے اس سے پوچھا، تو کہاں سے اندر پہنچا، اس وقت حضرت ذوالکفل نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے اور فرمایا کہ کیا تو خدا کا دشمن الہیں ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں، اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے میری ہر تدبیر میں تھکا دیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ تجھے کسی طرح غصہ دلا دوں تاکہ تو اپنے اس اقرار میں جھوٹا ہو جائے جو سب نبی کے ساتھ کیا ہے، اس لئے میں نے یہ سب حرکتیں کیں۔ یہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے ان کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا، کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے، حضرت ذوالکفل اپنے اس عہد پر پورے اترے۔ (ابن کثیر)

مسند احمد میں ایک روایت اور بھی ہے مگر اس میں ذوالکفل کے بجائے الکفل کا نام آیا ہے۔ اسی لئے ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے کہا کہ یہ کوئی دوسرا شخص کفل نامی ہے وہ ذوالکفل جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہے وہ نہیں۔ روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے اور ایک دوسرے نہیں بلکہ سات مرتبہ سے زائد سنی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ کفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہ کرتا تھا، اس کے پاس ایک عورت آئی اس نے اس کو ساٹھ دینار (گنیاں) دیں اور فعل حرام پر اس کو راضی کر لیا۔ جب وہ مباشرت کے لئے بیٹھ گیا تو یہ عورت کانپنے اور رونے لگی اس نے کہا کہ رونے کی کیا بات ہے کیا میں نے تم پر کوئی جبر اور زبردستی کی ہے۔ اس نے کہا نہیں جبر تو نہیں کیا، لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی عمر بھر نہیں کیا اور اس وقت مجھے اپنی ضرورت نے مجبور کر دیا اس لئے اس پر آمادہ ہوئی یہ بن کر وہ شخص اسی حالت میں عورت سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ جاؤ یہ دینار بھی تمہارے ہیں اور اب سے کفل بھی کوئی گناہ نہیں کرے گا، اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات میں کفل کا انتقال ہو گیا اور صبح اس کے دروازے پر غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی

دیکھی مئی: غفر اللہ للکفل، یعنی اللہ نے کفل کو بخش دیا ہے۔

ابن کثیر نے یہ روایت مسند احمد کی نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کو صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور اسرار اس کی غریب ہے اور بہر حال اگر روایت ثابت بھی ہے تو اس میں ذکر کفل کا ہے ذوالکفل کا نہیں، یہ کوئی دوسرا شخص معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذوالکفل حضرت یسوع نبی کے خلیفہ اور ولی صالح تھے، ان کے خاص محبوب اعمال کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ ان کا ذکر اس آیت میں بزمہ انبیاء کر دیا گیا اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں معلوم ہوتا کہ شروع میں یہ حضرت یسوع کے خلیفہ ہی ہوں پھر حق تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت عطا فرما دیا ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَذَا النُّونِ إِذْ ذُهِبَ مُغَاصِبًا....

یونس علیہ السلام اور ان کی امت:

یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورہ صافات میں بھی ہے اور سورہ نون میں بھی ہے۔ یہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے۔ انہیں موصل کے علاقے کی بستی نینوا کی طرف نبی بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ آپ نے اللہ کی راہ کی دعوت دی لیکن قوم ایمان نہ لائی۔ آپ وہاں سے ناراض ہو کر چل دئے اور ان لوگوں سے کہنے لگے کہ تین دن میں تم پر عذاب الہی آجائے گا جب انہیں اس بات کی تحقیق ہو گئی اور انہوں نے جان لیا کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹے نہیں ہوتے تو یہ سب کے سب چھوٹے بڑے مع اپنے جانوروں اور مویشیوں کے جنگل میں نکل کھڑے ہوئے بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا اور بلک بلک کر نہایت گریہ و زاری سے جناب باری تعالیٰ میں فریاد شروع کر دی۔ ادھر ان کی آہ و بکاء ادھر جانوروں کی بھیانک صدا عرض اللہ کی رحمت متوجہ ہو گئی عذاب اٹھایا گیا۔ جیسے فرمان ہے: (فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ أَمَنَتْ فَنَنْفَعَهَا إِنَّمَا هِيَ إِلَّا قَوْمٌ يُونُسُ) یعنی عذابوں کی تحقیق کے بعد ایمان نے کسی کو نفع نہیں دیا سوائے قوم یونس کے کہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہم نے ان پر سے عذاب ہٹا لیا اور دنیا کی رسوائی سے انہیں بچا لیا اور موت تک کی مہلت دے دی۔ حضرت یونس علیہ السلام یہاں سے چل کر ایک کشتی میں سوار ہوئے آگے جا کر طوفان کے آثار نمودار ہوئے۔ قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے مشورہ یہ ہوا کہ کسی آدمی کو دریا میں ڈال دینا چاہیے کہ وزن کم ہو جائے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کا نکلا لیکن کسی نے آپ کو دریا میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ دوبارہ قرعہ اندازی ہوئی آپ ہی کا نام نکلا تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالا اب کی مرتبہ بھی آپ ہی کا نام نکلا۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے: (فَنَسَاهَهُ فِطْلًا مِّنَ الْمُدْحَضِينَ) (اصافات: ۱۳۱) اب کہ حضرت یونس علیہ السلام خود کھڑے ہو گئے کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑے۔ بحر اخضر سے بحکم الہی ایک مچھلی پانی کا مٹی ہوئی آئی اور آپ کو قلعہ کر گئی۔ لیکن بحکم اللہ آپ کی ہڈی تو زری نہ جسم کو کچھ نقصان پہنچایا۔ آپ اس کے لئے غذا نہ تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی طرف کی گئی عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ آپ کا غضب و غصہ آپ کی قوم پر تھا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ آپ کو تنگ نہ پکڑے گا پس یہاں نقد کے ہی معنی حضرت ابن عباس مجاہد خاک وغیرہ نے کئے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اس کی تائید: وَمِنْ قَبْلِ نُونٍ قَبْلَهُ

رَزَقَهُ فَلْيَنْفِقْ عَمَّا آتَاهُ اللَّهُ (الطلاق: ۷) سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عطیہ عوفی نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم اس پر مقدر نہ کریں گے قدر اور قدر دونوں لفظ ایک معنی میں بولے جاتے ہیں اس کی سند میں عربی کے شعر کے علاوہ (فَالْتَقَى الْبَاءُ عَلَى أَحْمَرَ قَدْ قَدِيدَ) (اتر: ۱۲) بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ ان اندھیروں میں پھنس کر اب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ سمندر کے نیچے کا اندھیرا پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا پھر رات کا اندھیرا یہ اندھیرے سب جمع تھے۔ آپ نے سمندر کی تہہ کی کنکریوں کی تسبیح سنی اور خود بھی تسبیح کرنی شروع کی۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں جا کر پہلے تو سمجھے کہ میں مر گیا پھر پیر کو ہلایا تو یقین ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ وہیں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے بارالہی میں نے تیرے لئے اس جگہ کو مسجد بنایا جسے اس سے پہلے کسی نے جائے سجود نہ بنایا ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ابن جریر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے قید کا ارادہ کیا تو مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو نگل لے لیکن اس طرح کے نہ ہڈی ٹوٹے نہ جسم پر خراش آئے جب آپ سمندر کی تہہ میں پہنچے تو وہاں تسبیح سن کر حیران رہ گئے وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی اللہ کی تسبیح شروع کر دی اسے سن کر فرشتوں نے کہا بارالہا! یہ آواز تو بہت زور کی اور بہت کمزور ہے کس کی ہے؟ ہم تو نہیں پہچان سکے۔ جواب ملا کہ یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے اس نے میری نافرمانی کی میں نے اسے مچھلی کے پیٹ کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا پروردگار ان کے نیک اعمال تو دن رات کے ہر وقت چڑھتے ہی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے۔

تفسیر ابن کثیر کے ایک نسخے میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کسی کو لائق نہیں کہ وہ اپنے تئیں یونس بن متی سے افضل کہے۔ اللہ کے اس بندے نے اندھیروں میں اپنے رب کی تسبیح بیان کی ہے۔ اوپر جو روایت گزری اسکی وہی ایک سند ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضور اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب حضرت یونس علیہ السلام نے یہ دعا کی تو یہ کلمات عرش کے ارد گرد گھومنے لگے فرشتے کہنے لگے بہت دور دراز کی یہ آواز ہے لیکن کان اس سے پہلے آنا ضرور ہیں آواز بہت ضعیف ہے۔ جناب باری نے فرمایا کیا تم نے پہچانا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتوں نے کہا وہی یونس جس کے پاک عمل قبول شدہ ہر روز تیری طرف چڑھتے تھے اور جن کی دعائیں تیرے پاس مقبول تھیں اے اللہ جیسے وہ آرام کے وقت نیکیاں کرتا تھا تو اس مصیبت کے وقت اس پر رحم کر۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو بغیر کسی تکلیف کے کنارے پر اگل دے۔

استغفار موجب نجات ہے:

پھر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور غم سے نجات دے دی ان اندھیروں سے نکال دیا۔ اسی طرح ہم ایمان داروں کو نجات دیا کرتے ہیں۔ وہ مصیبتوں میں گھر کر ہمیں پکارتے ہیں اور ہم ان کی دستگیری فرما کر تمام مشکلیں آسان کر دیتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ اس دعائے یونی کو پڑھیں سید الانبیاء و رسول ﷺ فرماتے ہیں مسند احمد ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت سعد بن ابوقاصؓ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا حضرت عثمانؓ وہاں تھے۔ میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا اور میرے سلام

کا جواب نہ دیا میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ سے آ کر شکایت کی آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلوایا ان سے کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا یہ نہیں کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا ہو۔ اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی پھر کچھ خیال کر کے حضرت عثمانؓ نے توبہ استغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے۔ آپ لکے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ نے سے سنی تھی۔ واللہ مجھے جب وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے حضرت سعدؓ نے فرمایا میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا جو ایک اعرابی آیا اور آپ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا، یہ وقت گزرتا گیا اب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپ کے پیچے ہو لیا جب آپ گھر کے قریب پہنچ گئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابواسحاق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! میں ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں وہ دعا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾ (الانبیاء: ۸۷) سنو جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے جو بھی حضرت یونس علیہ السلام اس دعا کے ساتھ دعا کرے اس کی دعا ضرور قبول کی جائے گی۔ ابوسعید فرماتے ہیں اسی آیت میں اس کے بعد ہی فرمان ہے ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ کا وہ نام جس سے وہ پکارا جائے تو قبول فرمائے اور جو مانگا جائے وہ عطا فرمائے وہ حضرت یونس بن مתי کی دعا میں ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ وہ حضرت یونس کے لئے ہی خاص تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے فرمایا ان کے لئے خاص اور تمام مسلمانوں کے لئے عام جو بھی یہ دعا کرے۔ کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اسے غم سے چھڑایا اور اسی طرح ہم مؤمنوں کو چھڑاتے ہیں۔ پس جو بھی اس دعا کو کرے اس سے اللہ کا قبولیت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کثیر بن سعید فرماتے ہیں میں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ابوسعید اللہ کا وہ اسم اعظم کہ جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور جب اس کے ساتھ اس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا فرمائے کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ برادر زادے کیا تم نے قرآن کریم میں اللہ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟ پھر آپ نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا بھتیجے یہی اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ اس سے مانگا جائے وہ عطا فرماتا ہے۔

وَذَكِّرْ يٰٓأَيُّهَا رَّبُّكَ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۱۰۰﴾

بڑھاپے میں ذکر یا اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگتا، اور ان کی دعا قبول ہونا:

یہ تین آیات ہیں ان میں پہلے تو حضرت ذکر یا اللہ کا تذکرہ فرمایا، ان کا کوئی لڑکا نہ تھا خود بھی بوڑھے تھے اور بیوی بھی

بانجھ تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائے جو میرا وارث ہو۔ میں اکیلا ہوں میرے بعد کوئی دینی امور کا سنبھالنے والا ہونا چاہیے۔ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائیے جو میرا خلیفہ بن جائے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں بیٹے کی بشارت دے دی۔

دعا تو اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کر کر لی پھر جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو طبعی طور پر انہیں تعجب ہوا کہ میری اولاد کیسے ہوگی میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے رب کے لیے آسان ہے اس نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تمہارا وجود ذرا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دے دیا اور ان کی نبوی کو قاتل ولادت بنا دیا اور بیٹے کا نام یحییٰ تجویز فرما دیا اور اس بیٹے کو نبوت سے سرفراز فرما دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل قصہ سورہ آل عمران رکوع نمبر ۷ میں اور سورہ مریم رکوع نمبر ایک میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرات انبیاء کرام کی تین عظیم صفات:

گزشتہ دو رکوع میں متعدد انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ان کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ: اِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (بلاشبہ وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے) دوسری صفت یہ کہ: وَيَذْعُرُونَ رَغْبًا وَرَهْبًا (اور وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے) اور تیسری صفت یہ کہ: وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ① (اور وہ ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے) یہ تین بڑی صفات ہیں۔ تمام اہل ایمان کو ان سے متصف ہونا چاہیے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کریں۔ حسب استطاعت نیک کاموں میں دیر نہ لگائیں۔ سورہ آل عمران میں فرمایا کہ: وَ سَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ② (اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جو اتنی بڑی ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ سے مانگیں خوب رغبت اور لالچ کے ساتھ مانگیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہیں۔ اپنے اعمال پیش نظر رکھیں۔ ہر دعا کرنے والا اس بات سے بھی ڈرتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال کی خرابی یا آداب دعا کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے دعا قبول نہ ہو۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ رَغْبًا وَرَهْبًا دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہوں یعنی راغبین اور راہبین اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ رغبت اور خوف کی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔ کسی حالت میں بھی دعا سے غافل نہ ہوتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ③ (اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے)۔

خشوع قلبی جھکاؤ کو کہتے ہیں۔ پھر جس کا دل جھکا ہوتا ہے اس کے اعضاء میں بھی جھکاؤ ہوتا ہے۔ یعنی ان سے فخر و تکبر کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ جس کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ گئی اس کے قلب میں اور اعضاء و جوارح میں اپنی بڑائی کا کہاں تصور ہو سکتا ہے؟ اور اس کے اعضاء و جوارح میں کیسے اکڑ مکر ہو سکتی ہیں، اس میں جو لفظ لَنَا بڑھایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ ذات خداوندی کی عظمت اور کبریائی، مومنین اور مومنین کے یقین میں گھلی ملی ہوتی ہے۔ لہذا وہ حالت خشوع ہی میں رہتے ہیں۔ نماز میں تو

خشوع ہوتا ہی ہے دیگر احوال و اوقات میں بھی ان کے قلوب میں خشوع رہتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے لیے جس کے دل جھکا ہو گا وہ مامورات پر بھی عمل کرے گا اور منہیات سے بھی بچے گا۔ جعل لنا اللہ تعالیٰ منہ حظا و افرا۔

وَ اَلَّتِي اَحْصَتْ لِرَجْهَافَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنَهَا وَاِبْنَهَا اَيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ:

اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا۔ اس سے حضرت مریم مراد ہیں۔ جیسا کہ سورۃ التحزیم کے آخر میں کی تصریح ہے۔ انہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا۔ ان کا نہ کسی مرد سے نکاح ہوا اور نہ کسی مرد سے کوئی گناہ گاری کا قصہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں یہ تھا کہ ان کو بیٹا دیا جائے۔ پھر یہ بیٹا اللہ کا رسول بنے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مہر ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرشتہ بھیجا جس نے ان کے کرتہ کے دامن میں پھونک مار دی۔ جس سے حمل قرار ہو گیا اور اس کے بعد پیدا ہو گیا۔ یہ لڑکا کون تھا؟ یہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان انجیل نازل فرمائی اور انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ کی اور شریعت کے احکام بتائے۔ بنی اسرائیل ان کے سخت مخالف ہو گئے اور ان کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا۔ قیامت سے پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ جَعَلْنَهَا وَاِبْنَهَا اَيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (اور ہم نے اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا) تاکہ دنیا جہاں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہ بغیر مرد کے کسی عورت کے رحم میں حمل پیدا فرما سکتا ہے اور بغیر باپ کے بھی عورت کی اولاد ہو سکتی ہے۔ گوام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ اپنی قدرت بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حواء کو بغیر ماں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يٰ اَرۡبَابَ کہ قرآن مجید میں حضرت مریم کے پاک دامن ہونے کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی تصریح آگئی ہے لیکن چونکہ اور کسی کے لیے اس کی تصریح نہیں ہے اس لیے کوئی عورت یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میرا یہ حمل بغیر مرد کے ہے۔ اگر کوئی بے شوہر والی عورت ایسا کہے گی اور اسے حمل ہو گا تو امیر المؤمنین اس پر حد جاری کر دے گا۔ کیونکہ بندے ظاہر کے مکلف ہیں۔ وَ تَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ اِلٰٓفٍ اِلٰٓفٌ ۝

خداوند قدوس کے دین میں تفریق کا شکوہ: سوارشاد فرمایا کیا کہ اس سب کے باوجود لوگوں نے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین کو۔ والعیاذ باللہ۔ اور اپنی اپنی اہوا و اغراض کے مطابق انہوں نے دین کے نام سے طرح طرح کے طریقے ایجاد کر لیے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اس بنیادی حقیقت کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا کہ دین سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا جو کہ توحید خداوندی کی اساس پر قائم و استوار ہے۔ اور اس بنیادی حقیقت کو بھلا کر اور اس کو پس پشت ڈال کر انہوں نے اپنی اہوا و اغراض کے مطابق دین فطرت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر گروہ اپنی مرضی کے ٹکڑے لے کر چل پڑا اور سی پرست و گنہگار کیا۔ اور اس طرح وہ دارین کی ہلاکت و تباہی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ اور وہ اپنے اختیار کردہ اور مکر، ہند و ر، کی حمایت میں

حضرات انبیائے کرام کے لائے ہوئے اس دین حق کی مخالفت کر رہا ہے جس کو اب قرآن حکیم اور خدا کے آخری رسول اپنی اصل اور کامل شکل میں دنیا کے سامنے اسلام ہی کے اس اصل نام سے پیش فرما رہے ہیں اور ایسے بگڑے ہوئے لوگ اس دین حق کے خلاف طرح طرح کے جھگڑے استعمال کر رہے ہیں۔

خدا کے دین میں تفریق کرنے والوں کے لیے عہدہ دتذکیر: کہ ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب نے بالآخر ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا تا کہ وہاں پہنچ کر ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ پاسکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ سو اہل حق اور اصحاب صدق و صفا تو خوشی خوشی آئیں گے تا کہ وہ جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہو سکیں اور اہل زلیغ و ضلال کو مجبوری اور لا چاری سے آنا پڑے گا تا کہ وہ اپنے کفر و باطل کے نتیجے میں دوزخ کے ہولناک عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔ پس ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے اور اپنا جائزہ خود لے لے کہ وہ کس راہ پر چل رہا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ کیسے انجام اور کس نتیجے کا مستحق ہے۔ اور اپنے بارے میں غور کر کے اپنی اصلاح کر لے قبل اس سے کہ فرصت حیات اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ نہیں تو وہ اپنے اس ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائے۔ بہر کیف اس ارشاد میں جہاں ایک طرف حضرت امام الانبیاء علیہ السلام اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعی حق کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ آپ ان منکرین و مخالفین کی پرواہ نہ کریں کہ انہوں نے بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے جہاں انہوں نے اپنے کیے کرائے کا پورا پورا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے وہیں اس میں دوسری طرف منکرین و مخالفین کے لیے عہدہ دتذکیر بھی ہے کہ وہ باز آ جائیں اپنی اس باغیانہ روش سے ورنہ اپنے ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ ۖ اٰی جُحُودٍ لِّسَعْيِهِ ۚ وَاِنَّآ لَکُمْ لَبِیۡوَنٌ ۝۱۰۱ بِاَنَّ نَامُرَ الْحَفَظَةَ بِکُتُبِهِ فَنُجَازِیۡهِ عَلَیْهِ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرِیۡبٍ اَهْلَکُنَّهَا اُرِیۡدُ اَهْلَهَا اَلْهَمُّ لَا زَاۡدَہٗ یُوجَعُوۡنَ ۝۱۰۱۱ اٰی مُتَمَتِّعٍ رَّجُوۡعُهُمْ اِلَی الدُّنْیَا حَتّٰی غَاۡیَۃٌ لَا مُتَمَتِّعٍ رَّجُوۡعِهِمْ اِذَا فُتِحَتْ بِالْخَفِیۡفِ وَالتَّشْدِیۡدِ یَاۡجُوۡجٌ وَ مَا جُوۡجٌ بِالْهَمَزَةِ وَتَرٰکِہٖ اِسْمَانِ اَعْجَمِیَّانِ لِقَبِیۡلَتَیۡنِ وَیَقْدِرُ قَبْلَہٗ مُضَافٌ اٰی سُدُّهُمَا وَذٰلِکَ قُرْبُ الْقِیَمَۃِ وَہُم مِّنْ کُلِّ حَلَبٍ مَّرْتَفِعٍ مِّنَ الْاَرْضِ یَنْسِلُوۡنَ ۝۱۰۱۲ یَسْرَعُوۡنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اٰی یَوْمَ الْقِیَمَۃِ فَاِذَا ہٰی اٰی الْقِصَۃِ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا فِی ذٰلِکَ الْیَوْمِ لِشِدَّتِہِ یَقُوۡلُوۡنَ لِلنَّبِیِّہِ یٰوِیۡلَنَا هَلَاکُنَا قَدْ لَکُنَا فِی الدُّنْیَا فِی عَقَلٍ مِّنْ ہٰذَا الْیَوْمِ بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ۝۱۰۱۳ اَنۡفُسَنَا بِتَکْذِیۡبِنَا الرَّسُلُ اَنۡکَرۡہُمْ یَا اَهْلَ مَکَۃَ وَ مَا عَبَدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰی غَیۡرِہٖ مِنَ الْاَوۡثَانِ حَصَبٌ جَبَلٌہُمۡ ۝۱۰۱۴ وَفُوۡدُہَا اَنْتُمْ لَهَا وِرْدُوۡنَ ۝۱۰۱۵ دَاخِلُوۡنَ فِیہَا لَوْ کَانَ

هَؤُلَاءِ الْأَوْتَانُ إِلَهَةٌ كَمَا زَعَمْتُمْ مَا وَرَدُوهَا دَخَلُوهَا وَكُلُّ مِنَ الْعَابِدِينَ وَالْمُتَعَبِّدِينَ فِيهَا
 خَلِدُونَ ٥ لَهُمْ لِلْعَابِدِينَ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْعَوْنَ ٥ شَيْئًا لِشِدَّةِ غَلِيَانِهَا وَنَزَلَ لَهَا قَالَ ابْنُ
 الزَّبَرِيِّ عَبْدُ عَزِيزٍ وَالْمَسِيحُ وَالْمَلَائِكَةُ فَهُمْ فِي النَّارِ عَلَى مُقْتَضَى مَا تَقَدَّمَ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ فِيهَا
 الصَّلَى وَمِنْهُمْ مَنْ ذَكَرَ أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ٥ لَا يَسْعَوْنَ حَيْسِبَهَا صَوْتُهَا وَهُمْ فِي مَا أَشْتَهَتْ الْقُفُورُ
 مِنَ النَّعِيمِ خَلِدُونَ ٥ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَرْعُ الْأَكْبَرُ وَهُوَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْعَبْدِ إِلَى النَّارِ وَتَلْقَاهُمْ تَسْتَبِيلُهُمُ
 الْمَلَكُوتُ ٥ عِنْدَ خُرُوجِهِمْ مِنَ الْقُبُورِ يَقُولُونَ لَهُمْ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ٥ فِي الدُّنْيَا يَوْمٌ
 مَنصُوبٌ بِأَذْكَرٍ مُقَدَّرًا قَبْلَهُ لَطَوِي السَّمَاءِ كَطَيِّ السَّجْلِ اسْمُ مَلَكٍ لِلْكَتِبِ صَحِيفَةُ ابْنِ آدَمَ عِنْدَ مَوْنِهِ
 وَاللَّامُ زَائِدَةٌ أَوْ السَّجْلِ الصَّحِيفَةُ وَالْكِتَابُ بِمَعْنَى الْمَكْتُوبِ بِهِ وَاللَّامُ بِمَعْنَى عَلَى وَفِي قِرَاءَةِ لِلْكَتِبِ
 جَمْعًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ عَنْ عَدَمٍ لِعِيدُهُ ٥ بَعْدَ إِعْدَامِهِ فَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِتَعْيِيدِهِ وَضَمِيرُهُ عَائِدٌ إِلَى أَوَّلِ
 وَمَا مُصْدَرِيَّةٌ وَعَدَا عَلَيْنَا ٥ مَنصُوبٌ بِوَعْدِنَا مُقَدَّرًا قَبْلَهُ وَهُوَ مُؤَكَّدٌ لِمَضْمُونِ مَا قَبْلَهُ إِنَّا كُنَّا فاعِلِينَ ٥
 مَا وَعَدْنَا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ بِمَعْنَى الْكِتَابِ أَيْ كُتِبَ اللَّهُ الْمُنَزَّلَةُ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ بِمَعْنَى أَمْ الْكِتَابِ
 الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ أَنَّ الْأَرْضَ أَرْضَ الْجَنَّةِ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ٥ عَامٌ فِي كُلِّ صَالِحٍ إِنَّ فِي هَذَا الْقُرْآنِ
 لَكِبْلًا كِفَايَةً فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ٥ عَامِلِينَ بِهِ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ إِلَّا رَحْمَةً أَيْ
 لِلرَّحْمَةِ لِلْعَالَمِينَ ٥ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ بِكَ قُلْ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ أَيْ مَا يُؤْمِنُ إِلَى فَيُؤْمِنُ
 أَمْرُ الْإِلَهِ إِلَّا وَحْدَانِيَّتُهُ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ٥ مُتَقَادُونَ لِمَا يُؤْمِنُ إِلَى مِنْ وَحْدَانِيَّتِهِ الْإِسْتِغْنَاءُ بِمَعْنَى
 الْأَمْرِ فَإِنْ تَوَلَّوْا عَنْ ذَلِكَ فَقُلْ أَدْنَاكُمْ أَعْلَمُكُمْ بِالْحَرْبِ عَلَى سَوَاءٍ ٥ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ أَيْ
 مَسْتَوِينَ فِي عِلْمِهِ لَا اسْتِبْدَاءَ بِهِ دُونَكُمْ لِتَأْتَهُمْ وَإِنْ أَدْرَى أَكْرَبُ أَمْرٌ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ ٥ مِنَ الْعَذَابِ أَوْ
 الْقِيَمَةِ الْمُشْتَعِلَةِ عَلَيْهِ وَإِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللَّهُ إِنَّهُ تَعَالَى يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ مِنْكُمْ وَمِنْ غَيْرِكُمْ وَ
 يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ٥ أَنْتُمْ وَغَيْرُكُمْ مِنَ السِّرِّ وَإِنْ مَا أَدْرَى لَعَلَّهُ أَيْ مَا أَعْلَمُكُمْ بِهِ وَلَمْ يَعْلَمْ وَقَدْ فَتَنَّا

اِخْتَارَ لَكَ لِيُزِي كَيْفَ طَعْنُكُمْ وَمَتَاعٌ تَمْتَعُ إِلَى حِينٍ ۝ اِنِّىْ اَنْقَضَا اَجَالَكُمْ وَهَذَا مُقَابِلُ الْاَوَّلِ
الْمُتَرَجِّى بِالْعَلِّ وَلَيْسَ الثَّانِىَ مَحِلًّا لِلتَّرَجُّى قُلْ وَفِىْ فِرَاقِهِ قُلْ رَبِّ اَحْلَمْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ مَكْذِبِىْ بِالْحَقِّ
بِالْعَذَابِ لَهُمْ اَوْ النَّصْرِ عَلَيْهِمْ فَغَذِبُوا بِبَدْرِ وَالْحَدِّ وَالْاَحْزَابِ وَالْحَيْنِ وَالْمَخْدَقِ وَنَصَرَ عَلَيْهِمْ وَرَبُّكَ
الَّذِى السَّمْعَانِ عَلَى مَا كُفِّتُوْنَ ۝ مِنْ كَذِبِكُمْ عَلَى اللّٰهِ فِىْ قَوْلِكُمْ اَتَّخَذُوْا لَكَ اَوْ عَلَى فِىْ قَوْلِكُمْ مَسَاجِدَ ۝ وَفِىْ
عَلَى الْفُرَانِ فِىْ قَوْلِكُمْ شِعْرُوْ

ترجمہ: تو جو شخص نیک کام کرتا ہوگا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا تو اس کی محنت بے کار جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں
(اسی طور کہ ہم محافظ کا تین کو حکم دیتے ہیں ان اعمال کے لکھنے کے لیے پھر ہم اس پر ان کو بدلہ دیں گے) ہم جب بستیوں کو تار کر
چکے ہیں ان کے لیے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ لوٹ کر آویں (یعنی دنیا میں ان کی واپسی ممنوع ہے حتیٰ غایت ہے امتناع رجوع کے
لیے) یہاں تک کہ جب یا جوج ماجوج (یہ دو قبیلوں کی بھی نام ہیں اور ان سے قبل مضاف مخدوف ہے یعنی سدھما اور یہ قرب
قیامت پر ہوگا کہ ان کی دیوار کھل جائے گی اور وہ) کھول دیئے جاویں گے اور وہ ہر بلندی پر سے اترتے ہوئے ہوں
گے (دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے یعنی ان کو بلند یاں روک نہ سکیں گی) اور نزدیک آپہنچا ہوگا سچا وعدہ (یعنی قیامت کا دن) تو
بس پھر یکا یک یہ حالت ہو جائے گی کہ منکروں کی لگا ہیں پھٹی رہ جائیں گی (اس دن قیامت کی شدت کی وجہ سے اور وہ کہتے
ہوں گے) ہائے کم بختی (ہماری بربادی) ہم اس سے غفلت میں تھے (دنوی زندگی میں) بلکہ ہم ہی قصودار تھے (کہ ہم نے
اپنے نفوس پر ظلم کیے رسولوں کی تکذیب کر کے) بلاشبہ تم (اے اللہ مکہ) اور جن جنوں کو خدا کے سوا پوج رہے ہو وہ ایسے ہیں
دور کا (اور) تم سب اس میں داخل ہوں گے اگر (یہ تمہارے بت معبود) واقعی ہوتے (جیسا کہ تم نے گمان کیا ہوا ہے) تو
اس (جہنم میں کیوں جاتے؟ اور سب (ہی عابدین اور معبودین) اس میں ہمیشہ کور ہیں گے (اور) ان کا اس میں شور و غل ہوگا
اور وہاں کسی کی کوئی بات کسی کو سنائی نہ دے گی (چونکہ جہنم بہت زیادہ جوش مارتی ہوگی۔ اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں (یعنی
آسمانی کتابوں میں زبور بمعنی الکتاب یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابیں ہیں) لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد (اور اس کو ام
الکتاب کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے) کہ میرے نیک بندے اس زمین (جنت) کے مالک ہوں گے (یہ حکم عام
ہے تمام صالح بندوں کے لیے) بلاشبہ اس (قرآن) میں کافی مضمون ہے عبادت کرنے والوں کے لیے (کہ جو اس قرآن پر
عمل کرتے ہیں) اور ہم نے اے محمد! آپ کو کسی اور شئی کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر (آپ کے ذریعہ) دنیا کے تمام عالم
پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لیے (جس میں انسان اور جنات سب داخل ہیں) آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ میرے پاس تو
صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (یعنی میرے پاس متعدد معبودوں کے حق میں کوئی وحی نہیں آئی صرف اللہ
تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلہ میں وحی آئی ہے تو اب بھی تم لوگ مانتے ہو) جو مجھ پر وحی نازل کی مئی اس کو تسلیم کرتے یعنی اللہ تعالیٰ
کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہو؟ استفہام بمعنی امر ہے پھر بھی اگر یہ لوگ (اس کو قبول کرنے سے) منہ موڑیں تو آپ فرما دیجئے

کہ میں تم کو نہایت واضح اطلاع کر چکا ہوں (جنگ کی یعنی عذاب الہی کی علی سوا فاعل اور منفعول دونوں سی حال ہے یعنی دونوں طرف برابر اس کے متعلق خبر دینے میں ایسا نہیں کہ بعض لوگوں کو اس سے باخبر نہ کیا گیا ہو اور یہ خبر اس وجہ سے ہے تاکہ تم لوگ تیاری کرو) اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا کہ دور ہے جو تم سے وعدہ ہوا ہے (یعنی عذاب یا قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے بلکہ اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خبر ہے پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی اور جو تم دل میں چھپائے رکھتے ہو اس کی بھی اور اس طرح تم سب کے افعال اور اسرار کی بھی خبر اس کو ہے اور میں نہیں جانتا شاید (کہ جس چیز کی میں نے تم کو خبر دی ہے اور اسکے وقوع کے وقت کی خبر نہیں دے گی تو) تمہارے لیے امتحان ہو (تاکہ یہ دیکھا جاوے کہ تم کیا صورت اختیار کرتے ہو) اور فائدہ پہنچانا ہو ایک وقت تک (یعنی تمہاری مدت حیات کے پورا ہونے تک) یہ کلام بالمقابل ہے اس کلام اول کے جو محل کے رہو مترجمی اور ثانی کلام محل ترجی میں نہیں ہے! (رسولؐ نے باذن الہی کہا کہ اے میرے رب (اور ایک قراءت میں ہے) فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق (میرے اور مجھ کو جھٹلانے والے کو درمیان) ان کے حق عذاب یا ان کے مقابلہ میں میری نصرت اور امداد۔ چنانچہ وہ مکذبین غزوہ احد اور بدر احزاب حنین کے غزوات میں عذاب اور سزادئے گئے اور آپ کی انکے مقابلہ میں نصرت ہوئی) اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتلاتے ہو (مثلاً تمہارا حق تعالیٰ پر جھوٹ الزام لگانا کہ تم نے یہ بات کہی "اللہ تعالیٰ نے اولاد تجویز کر لی ہے" اور تم لوگوں کو مجھ کو ساحر کہنا اور قرآن کو شعر کہنا!

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: فَلَا كُفْرَانَ: یعنی ہم اس کی کوشش رائیگاں نہ جانے دیں گے۔

قوله: حَرَمٌ: یہ ممتنع کے معنی میں۔

قوله: أَهْلَكْنَاهُمْ: یعنی ہم نے جن کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا انہم مبتداء اور حرام اس کی خبر ہے۔

قوله: غَايَةُ لِمَنْتَنَاعِ: یہ لایر جعون سے متعلق ہے، یعنی قیامت اور اس کی علاقات کے ظہور تک یہ عدم رجوع مستمع رہے گا

حتیٰ یہ بعد وکلام کی حکایت کرتا ہے اور محکی جملہ شرطیہ ہے۔

قوله: کطی: طلی پسینے کو کہتے ہیں یہ نشر کی ضد ہے۔

قوله: الکتاب: لفظ کتاب اپنے معنی میں ہے۔

قوله: نُعِيدُهُ: کاف اس سے متعلق ہے تشبیہ عدم سے ایجاد میں ہے۔

قوله: اِلٰی اَوَّلِ: کلام میں مضاف مقصود ہے نہ کہ مضاف الیہ۔

قوله: اور ما مصدریہ ہے کا نہ نہیں۔

قوله: وَعَدَّا عَلَيْنَا: یعنی وعدے کو پورا کرنا یہ وعدہ نامقدر کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ نعیده سے۔

قوله: بِمَعْنٰی الْكِتَابِ: یعنی یہاں کتاب زبور مراد نہیں مراد جنس کتاب ہے۔

قوله: يَنْتَعِلُ اِمَّ الْكِتَابِ: ذکر سے قرآن مجید مراد نہیں لوح محفوظ مراد ہے۔

قوله: عَامٍ فِي كُلِّ صَالِحٍ: یعنی ہر مومن مراد ہے۔

قوله: بِالْزُحْمَةِ: اس سے اشارہ ہے کہ رحمت یہ مفعول لہ ہے۔ جو تم پر جن وانس لائے کیونکہ ناکدہ انہی کو پہنچا۔

قوله: اَعْلَمْتُكُمْ بِالْخِزْبِ: اس سے اشارہ کیا کہ مفعول ثانی اذ بحکم کا الحزب ہے نہ کہ ما امرت بہ اور سواء یہ فاعل و مفعول

دونوں سے حال ہے۔ مستویں نکال کر بتلایا کہ سواء مصدر کہ اسم فاعل کا معنی دے رہا ہے۔ فی علیہ اس سے اشارہ ہے کہ مستویں کا متعلق علم ہے نہ معادلات۔

قوله: اِنَّمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ: یعنی اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں مگر وہ لامحالہ واقع ہوگا۔

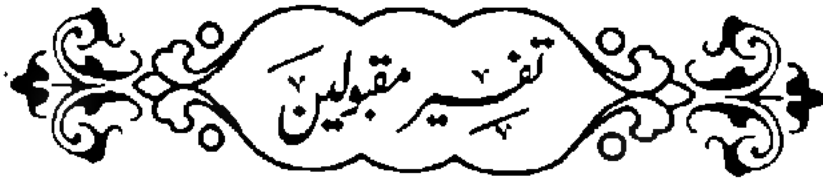
قوله: يَعْلَمُ الْجَهَنَّمَ: سے وہ طعنہ زنی جو وہ اسلام پر کرتے تھے۔

قوله: وَالْفِعْلِ: یعنی قول کہنے کا مطلب فعل سے احتراز نہیں۔

قوله: الْقَوْلِ: میں لام جنس یا استغراق کا ہے۔

قوله: مَا تَكْتُمُونَ: اس سے مسلمانوں کے خلاف کفار کا کینہ مراد ہے۔

قوله: فِي قِرَاةٍ: یعنی یہ قول رسول اللہ ﷺ کی حکایت و شکایت ہے۔



نَنْ يَّعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيهِ ؕ وَإِنَّا لَهُ كَنُتُبُونَ ۝

مؤمن کے اعمال صالحہ کی نافرمانی نہیں ہے:

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص مؤمن ہوتے ہوئے کوئی بھی نیک کام کرے گا۔ وہ اس کا بھرپور اجر پائے گا۔ کسی کے کسی بھی نیک عمل کی نافرمانی نہ ہوگی۔ جس کا جو عمل ہوگا چند در چند بڑھا دیا جائے گا اور کسی نیکی کا ثواب دس نیکی سے کم تو ملنا ہی نہیں ہے۔ دس گنا تو کم سے کم ہے اور اس سے زیادہ بھی بہت بڑھا چڑھا کر ثواب ملے گا۔

وَإِنَّا لَهُ كَنُتُبُونَ ۝ (اور ہم ہر شخص کا عمل لکھ لیتے ہیں) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں تمام اعمال لکھتے ہیں قیامت کے دن یہ اعمال نائے پیش ہوں گے۔ جو اعمال کیے تھے سب سامنے آجائیں گے۔ سورۃ الکہف میں فرمایا: (وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا خَافًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ) (اور جو کچھ عمل کیے تھے ان سب کو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ ۝

جہنم کی ہولناکیاں:

بت پرستوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کی آگ کی ٹکڑیاں بنو گے جیسے فرمان ہے: وَقُودُهَا

النَّاسُ وَالْجَوَارِحُ ۖ أُولَٰئِكَ يُكْفَرُونَ ۖ اس کا ایدہ من انسان ہیں اور پھر حبشی زبان میں حطب کو حصب کہتے ہیں حبشی لوگوں بلکہ ایک قراءت میں بجائے حصب کے حطب ہے۔ تم سب عابد و معبود چہنئی ہو اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ اگر یہ سب معبود ہوں کیوں آگ میں جلتے؟ یہاں تو پرستار اور پرستش کئے جانے والے سب ابدی طور پر دوزخی ہو گئے وہ الٹی سانس میں چھٹکے جیسے فرمان ہے: فَاتَّكَمُ الَّذِينَ يَسْتَعْبِقُونَ النَّارَ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿۱۰۶﴾ وہ سیدھی الٹی سانس لے چھٹکے اور چیخوں کے سوا ان کے کان میں اور کوئی آواز نہ پڑے گی حضرت ابن مسعودؓ سے مراد یہ ہے کہ جب صرف مشرک جنم لیں جائیں گے انہیں آگ کے صندوقوں میں قید کر دیا جائے گا جن میں آگ کے سریے ہوں گے ان میں سے ہر ایک کو ایک کمان دیا ہوگا کہ جنم میں اس کے سوا اور کوئی نہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن جریر) حسنی سے مراد رحمت و سخاوت الہیہ۔ دوزخیوں کا اور ان کے عذابوں کا ذکر کر کے اب نیک لوگوں اور ان کی جزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے یہ لوگ بالایمان تھے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے سعادت ان کے استقبال کو تیار تھی جیسے فرمان ہے: لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْخُسْفَىٰ وَ زِيَادَةٌ وَلَا يَرْجَعُ وُجُوهُهُمْ قِيًّا لَّا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ (یونس) نیکوں کے لئے نیک اجر ہے اور زیادتی پر بھی۔ فرمان ہے: هَٰذَا جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿۱۰۸﴾ (الزمن) نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔ ان کے دنیا کے اعمال نیک تھے آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملا، عذاب سے بچے اور رحمت رب سے سرفراز ہوئے۔ یہ جنم سے دور کر دیئے گئے کہ اس کی آہٹ تک نہیں سنتے نہ دوزخیوں کا جلنا نہ سنتے ہیں۔ پل صراط پر دوزخیوں کو زہریلے ناگ ڈستے ہیں اور یہ وہاں ہائے ہائے کرتے ہیں جتنی لوگوں کے کان بھی اس دردناک آواز سے ناآشعار ہیں گے۔ اتنا ہی نہیں کہ خوفِ ذر سے یہ الگ ہو گئے بلکہ ساتھ ہی راحت و آرام بھی حاصل کر لیا۔ من مانی چیزیں موجود۔ دوائی کی راحت بھی حاضر۔ حضرت علیؓ نے ایک رات اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا میں اور عمر عثمانؓ اور زبیرؓ اور طلحہؓ اور عبدالرحمنؓ انہی لوگوں میں سے ہیں یا حضرت سعدؓ کا نام لیا رضی اللہ عنہم۔ اتنے میں نماز کی تکبیر ہوئی تو آپ چادر کھینچے: لَا يَسْتَعْبِقُونَ حَبْسِيَّهَا پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی ایسے ہی ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہی لوگ اولیاء اللہ ہیں بجلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ پل صراط سے پار ہو جائیں گے اور کافروں ہیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد بزرگانِ دین ہیں جو اللہ والے تھے مشرک سے بیزار تھے لیکن ان کے بعد لوگوں نے ان کی مرضی کے خلاف ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی تھی، حضرت عزیرؓ، حضرت مسیحؓ، فرشتے، سورج، چاند، حضرت مریمؓ، وغیرہ۔ عبد اللہ بن زبیریؓ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا تیرا خیال ہے کہ اللہ نے: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۚ أَنْتُمْ لَهَا وَرِدُونَ ﴿۱۰۹﴾ (الانبیاء) اتاری ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو کیا سورج چاند، فرشتے، عزیرؓ، عیسیٰؑ، سب کہ سب ہمارے بتوں کے ساتھ جنم میں جائیں گے؟ اس کے جواب میں: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۱۱۰﴾ (الزخرف: ۵۷) اور: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۱۱﴾ (الانبیاء: ۱۰۱) نازل ہوئی۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے حضور ﷺ ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نصر بن حارث آیا اس وقت مسجد میں اور قریشی بھی بہت سارے تھے نصر بن حارث رسول اللہ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا لیکن وہ لا جواب ہو گیا آپ نے: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ

بَہَمَ ۚ اَنْتُمْ لَهَا وِدُوْنَ ۝ (الانبیاء) تلاوت فرمائی۔ جب آپ اس مجلس سے چلے گئے تو عبداللہ بن زبیری آیا لوگوں نے اس سے کہا آج نضر بن حارث نے باتیں کیں لیکن بری طرح چت ہوئے اور حضرت یہ فرماتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو انہیں جواب دیتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں یہود و عزیر کو نصرانی مسیح کو تو کیا یہ سب بھی جہنم میں چلیں گے؟ سب کو یہ جواب بہت پسند آیا جب حضور ﷺ سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا جس نے اپنی عبادت کرائی وہ عابدوں کے ساتھ جہنم میں ہے یہ بزرگ اپنی عبادتیں نہیں کراتے تھے بلکہ یہ لوگ تو انہیں نہیں شیطان کو پوج رہے ہیں اسی نے انہیں ان کی عبادت کی راہ بتائی ہے۔ آپ کے جواب کے ساتھ ہی قرآنی جواب اس کے بعد ہی: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ مِنْ اَتْرَافِہِمْ نِیْکَ لَوْگوں کی جاہلوں نے پرستش کی تھی وہ اس سے مستثنی ہو گئے۔

چنانچہ قرآن میں ہے: وَمَنْ یَقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْہُ جَہَنَّمَ ۚ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ یعنی ان میں سے جو اپنی معبودیت اوروں سے منوانی چاہے اس کا بدلہ جہنم ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور: وَلَقَدْ عَلِمْنَا مَرِیْضَہٗمْ مَقَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْہٗ یَصْدُوْنَ (الزمر: ۵۷) اتری کہ اس بات کہ سنتے ہی وہ لوگ متعجب ہو گئے اور کہنے لگے ہمارے معبود اچھے یا وہ یہ تو صرف دھینکا مشتی ہے اور یہ لوگ جھگڑا لیتی ہیں وہ ہمارا انعام یافتہ بندہ تھا اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین فرشتوں کو کر دیتے حضرت عیسیٰ نشان قیامت ہیں ان کے ہاتھ سے جو معجزات صادر ہوئے وہ شبہ والی چیزیں نہیں وہ قیامت کی دلیل ہیں تجھے اس میں کچھ شک نہ کرنا چاہیے۔ میری مانتا چلا جا یہی صراط مستقیم ہے ابن زبیری کی جرات دیکھئے خطاب الہی مکہ سے ہے اور ان کی ان تصویروں اور پتھروں کے لئے کہا گیا ہے جنہیں وہ ہوائے اللہ کے پوجا کرتے تھے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پاک نفس کے لئے جو غیر اللہ کی عبادت سے روکتے تھے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لفظ ماجو یہاں ہے وہ عرب میں ان کے لئے آتا ہے جو بے جان اور بے عقل ہوں۔ یہ ابن زبیری اس کے بعد مسلمان ہو گئے تھے یہ بڑے مشہور شاعر تھے۔ پہلے انہوں نے مسلمانوں کی دل کھول کر دھول اڑائی تھی لیکن مسلمان ہونے کے بعد معذرت کی۔ موت کی گھبراہٹ، اس گھڑی کی گھبراہٹ جبکہ جہنم پر ڈھکس ڈھکس دیا جائے گا جب کہ موت کو دوزخ جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ غرض کسی اندیشے کا نزول ان پر نہ ہوگا وہ ہر غم و ہراس سے دور ہوں گے، پورے سرور ہوں گے، خوش ہوں گے اور ناخوشی سے کوسوں الگ ہوں گے۔ فرشتوں کے پرے کے پرے ان سے ملاقاتیں کر رہے ہوں گے اور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ اسی دن کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا، اس وقت تم قبروں سے اٹھنے کے دن کے منتظر ہو۔

لَا یَحْزَنُہُمْ الْفَرْعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقَّہُمْ الْمَلَائِکَۃُ ۚ هٰذَا یَوْمُکُمْ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ۝

لَا یَحْزَنُہُمْ الْفَرْعُ الْاَکْبَرُ ان کو بڑی گھبراہٹ غمگین نہ بنائے گی:

بنوئی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ الْفَرْعُ الْاَکْبَرُ سے مراد صور کا اخیر نغز (دوبارہ صور پھونکنا) ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: وَنُفِخَ فِی الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کی نکتہ اخیرہ سے مراد وہ نکتہ ہے جو دنیا کے اختتام پر ہوگا یعنی نکتہ اولیٰ (جس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مترجم) بعض نے کہا نکتہ بے ہوشی مراد ہے مگر میرے قول میں اور اس قول میں تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے مصرع کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے (بے ہوش ہو جائیں گے۔ مترجم) مر جائیں گے۔ قرطبی نے اسی کو صحیح کہا ہے اس کا وجہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں صرف دو مرتبہ صور پھونکے جانے کا ذکر ہے ایک نکتہ صعق (یعنی نکتہ موت) دوسرا نکتہ بعث (جس کی وجہ سے سب زندہ ہو کر اٹھ جائیں گے) ابن عربی نے کہا نجات تین ہوں گے۔ (۱) نکتہ فزع۔ (۲) نکتہ صعق۔ (۳) نکتہ بعث۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔

ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے مطولات میں ابو یعلیٰ نے مسند میں بیہقی نے البعث میں ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معید نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ صورتیں بار پھونکا جائے گا (۱) نکتہ فزع (۲) نکتہ صعق (۳) نکتہ قیام۔ حدیث میں فزع کی جو تشریح آئی ہے ہم سورۃ النمل میں اس کو بیان کریں گے۔

حسن نے کہا فزع اکبر اس وقت ہوگا جب لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریج نے کہا فزع اکبر اس وقت ہوگا جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور اند آئے گی اے دوزخ والو دوزخ میں (ہمیشہ رہنا ہے اور موت) (بجی) نہیں آئے گی۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا یہ وہ وقت ہوگا جب دوزخ کو اوپر سے سر بند کر دیا جائے گا اور دوزخ کا سر پٹل اس وقت بند کیا جائے گا جب اس کے اندر سے ان لوگوں کو نکالا جا چکا ہوگا جن کو اللہ نکالنا چاہے گا۔

وَتَتَلَقَّهُمْ الْمَلَائِكَةُ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یعنی وہ جب قبروں سے نکل کر (جنت کی طرف) جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور مبارکباد دیتے ہوئے کہیں گے۔

هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی یہ اسی ثواب کا دن ہے جس کا آسمانی کتابوں میں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ

قیامت کے دن آسمان کا لپیٹا جانا، جس طرح ابتدائے آفرینش ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کیے جائیں گے:

گزشتہ آیات میں مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے دوزخ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا اور ان حضرات کے اہل جنت ہونے کا ذکر تھا جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔ ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ کہ انہیں بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور یوں کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ چونکہ ان چیزوں کا تعلق وقوع قیامت سے ہے اس لیے اس کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کا واقع کرنا ہمارے لیے معمولی سی بات ہے۔ تمہاری نظروں کے

سامنے سب سے بڑی چیز آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اسی کو فرمایا کہ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے مضمون لکھی ہوئی کتاب کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ جس طرح لکھنے والے کاغذ کو لپیٹ دیتے ہیں ہم اسی طرح آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جب آسمان کا یہ حال ہوگا تو دوسری مخلوق کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

هذا على احد الاقوال فى معنى السجل و الكتاب، وفى الدر المنثور، ص ۳۴۷، ج ۴، عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما كطى الصحيفة "على الكتاب" اللہ الہی المکتوب۔

دوسری آیات میں آسمان کے پھٹنے کا اور رنگی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہو جانے کا ذکر ہے۔ یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے۔ پہلے لپیٹ دیا جائے پھر وہ پھٹ جائے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والے جو یہ سوال اٹھاتے تھے کہ دوبارہ کیسے زندہ کیے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا: کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (جس طرح ہم نے مخلوق کی پہلی بار ابتدا کی تھی ہم اس طرح لوٹا دیں گے) یہ بات عجیب ہے کہ پہلی بار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا مکرین بعث اس کو مانتے ہیں اور دوبارہ پیدا کیے جانے کے مکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جیسے پہلے پیدا فرمایا پھر اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ سمجھ کی بات تو یہ ہے کہ جس نے بے مثال تخلیق کر دی اسے دوبارہ پیدا کرنے میں اور زیادہ آسانی ہونی چاہیے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لیے ابتدا اور اعادہ دونوں برابر ہیں۔ پھر دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیوں ہے؟

وَعَدَّا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں) کوئی ماننے یا نہ ماننے قیامت آئے گی، فیصلے ہوں گے۔ جنتی جنت میں، دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ذکر یعنی لوح محفوظ کے بعد آسانی کتابوں میں ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات لوح محفوظ میں اور آسانی کتابوں میں لکھ دی اور بتا دی ہے کہ زمین کے وارث صالحین ہوں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۵۱﴾

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہی ہیں:

آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورہ توبہ میں آپ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انما انا رحمت مہداة)) (یعنی میں اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدایہ بھیجا گیا ہوں اور سہرا پا رحمت ہوں۔) ایک حدیث میں ارشاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ((ان الله تعالى بعثني رحمة للعالمين وهدى للعالمين وامرني ربي بمحق المعازف والمزامير والاوثان والصليب وامر الجاهلية)) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹا دوں اور بتوں کو اور صلیب کو) (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا، حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنات ہدایت پا چکے ہیں۔ ساری دنیا کفر و شرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی، توحید کی روشنی پھیلی جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۸۴، ج ۱)

یہ اللہ کی یاد آپ ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عالم کے لیے آسمانوں کے اور زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

اس کی بھی وجہ ہے کہ جب تک علوم نبوت کے مطابق دنیا میں اعمال موجود ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ اگر یہ نہ ہوں تو قیامت آ جائے۔ اس لیے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کیا آج تیرے اوپر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو۔ اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گزرا تھا تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔ (ذکر ابن الجوزی فی المحسن الصغیر) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مؤمن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔ مجموعہ عالم میں آسمان، زمین، چاند، پرنس، چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سبھی ہیں۔ قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمۃ للعالمین ﷺ سے ملی ہے۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لیے رحمت ہوگی جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آ جاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کر دی جاتی تھیں۔ آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافریں ہلاک ہو جائیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا۔ وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جاننے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ مشرکین کے لیے بددعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ((انی لم ابعث لعانا و انما ابعثت رحمة)) (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹)

آپ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی۔ وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کے ساتھ بد خلقی کا بہت برا برتاؤ کیا۔ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے آکر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کھل دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۳)

سورہ توبہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: (عَزِيزٌ عَلٰی مَا عَنِتُّمْ) یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ (حَرِيصٌ عَلٰیكُمْ) آپ ﷺ امت کے نفع کے لیے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ (بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوفٌ رَّحِيْمٌ) آپ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رافت اور رحمت کا تعلق ہے۔ آپ ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کہہ کر بے تحقق ہو جاتے۔ آپ ﷺ کو اپنی امت سے قلبی تعلق تھا۔ ظاہر بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطن بھی۔ امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک دتے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لیے فکر مند ہوتے تھے۔ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے، روایت کرتے تھے، مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لیے ان امور کی تعلیم دیتے تھے، جن سے تکلیف پہنچے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہیے لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۴) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۶) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔ کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ ابوداؤد و مسلم) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو۔ کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو۔ جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کپڑے مکڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۹)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے کسی کا چنبل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چنبل میں نہ چلے۔ یہاں تک کہ اس سے چنبل کو درست نہ کر لے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)

آپ ﷺ امت کو اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے

فرمایا میں تمہارے لیے باپ ہی کی طرح ہوں۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قریب کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا کر دو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (خلا کی جگہ نہ ہو، جہاں سے چھینٹے اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ۔) (مشکوۃ ص ۱۲) نیز آپ ﷺ نے سوربخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوۃ المصابیح) کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔ اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈال جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں۔ اس شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گناہ نہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اللہ تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی۔ جب چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پر دانے اس آگ میں آکر گرے لگے۔ وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری و مسلم) سورۃ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ؕ وَ كُنتَ فَطًّا غَلِيظًا اَلْقَلْبَ لَا تَخْشَا مِنْ حَوْلِكَ ؕ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ وَ شَاوِزْهُمْ فِي الْاَمْرِ ؕ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ؕ (سوال اللہ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ﷺ ان کو معاف فرما دیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجیے۔ پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو آپ اللہ پر توکل کیجیے۔ بے شک توکل کرنے والے اللہ کا محبوب ہیں۔)

آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہ جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں، جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے ہیں، حضرت سعدی نے کیا اچھا فرمایا۔

کس نہ بیند کہ کاروان محباز
بر لب آب شور گرد آسند
ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آسند

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتداء نہ کرتا اور جس

سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہو۔ حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہو گیا تو مجھے بھی ملامت نہیں فرمائی۔ اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو۔ اگر کوئی چیز اللہ کے قضا و قدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی۔ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (رداء البخاری و مسلم) آپ نے فرمایا کہ مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہیے جیسے ایک ہی جسم ہو۔ جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بد بخت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقتہ و الرحمة علی الخلق)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۳)

امت محمدیہ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت و شفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں رحمت و شفقت کا مظاہرہ کریں۔

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ (پیغمبر ﷺ نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجیے اور ہمارا رب رحمن ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہنی جاتی ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو) یہ سب باتیں بیان کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے۔ دشمنان اسلام کے سامنے کوئی ایسی صورت پیش آ جائے جس سے اپنے بارے میں یہ سمجھ لیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ حق اور باطل فیما بین العباد فیصلہ سامنے لانے کے لیے غزوہ بدر پیش آیا جس میں بڑے بڑے کفر کے سرغنے مارے گئے جو خود یہ دعا کر کے چلے تھے کہ اے اللہ ہمارا اور محمد (رسول اللہ ﷺ) کا مقابلہ ہے جو حق پر ہوا سے غالب کر۔ کما مر فی تفسیر قولہ تعالیٰ : اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ﴿۱۹﴾ (الانفال: ۱۹) اسی لیے غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ داعی اسلام ﷺ اور ان کے ساتھی نیست و نابود ہو جائیں جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ دین اسلام ختم ہو جائے۔ اس کی دعوت دینے والا، اس کا نام لینے والا کوئی نہ رہے۔ ان کی اس خواہش کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جو باتیں کہتے ہو اور ہمارے خلاف جو ارادے رکھتے ہو اس کے مقابلہ میں ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ رحمن ہے ہم پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا اور کافروں کے ارادے نیست و نابود ہو گئے۔

سُورَةُ الْحَجِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحج

سورة الحج ٢٦ آيات

سورة حج مدنية من نازل هو

نفيها

اور اس کی آخر آیت عید

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ أَتَقْوَارِبُكُمْ أَيُّ عِقَابِهِ بِأَنْ تُطِيعُوهُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ أَرْبَابُ
 الشَّدِيدَةِ لِلْأَرْضِ الَّتِي يَكُونُ بَعْدَهَا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا الَّذِي هُوَ قُرْبُ السَّاعَةِ فَتُفْجَرُ
 فِي إِزْعَاجِ النَّاسِ هُوَ تَوَعُّدٌ مِنَ الْعِقَابِ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ بِسَبَبِهَا كُلُّ مُرْضِعَةٍ بِالْفِعْلِ عَنَّا أَنْتُمْ
 تَنْسَاهُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَيٍّ أَيْ حُبْلَى حَبْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَى مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ وَمَا يَفْقَهُ
 مِنَ الشَّرَابِ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ٥ فَهُمْ يَخَافُونَهُ وَتَنْزَلَ فِي التَّصْرِ ابْنِ الْخَارِثِ وَجَنَاحِ
 النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ قَالُوا الْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللَّهِ وَالْقُرْآنُ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ وَانْكِرَاهُ
 وَاحْتِئَاءُ مَنْ صَارَ ثَرَابًا وَيَكْفُحُ فِي جَدَالِهِ كُلُّ شَيْطَانٍ مُرِيدٍ ٦ أَيْ مُتَمَرِّدٍ كُتِبَ عَلَيْهِ قَضَى عَلَى
 أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ أَيْ اتَّبَعَهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ يَدْعُوهُ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ٧ أَيِ النَّارِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ
 مَكَّةَ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ شَكٍّ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ أَيْ أَصْلَكُمُ أَدَمَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ خَلَقْنَاكُمْ
 لُطْفًا مَبْنِيٌّ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ وَهِيَ الدَّمُ الْجَامِدُ ثُمَّ مِنْ مَضْغَةٍ وَهِيَ لَحْمَةٌ قَلْبَرٌ مَا يَمْضَغُ
 مَضْرُوءَةٌ تَامَةُ الْخَلْقِ وَغَيْرُ مَخْلُوقٍ أَيْ غَيْرِ تَامَةِ الْخَلْقِ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ كَمَالَ قُلُوبِنَا لِنَسْتَبْلِلَ
 ابْتِدَاءَ الْخَلْقِ عَلَى أَعَادَتِهِ وَلَقَدْ مُسْتَانِفٌ فِي الْأَحْكَامِ مَا أَنْشَأَ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى وَقَدْ خَرُوجُهُ لَكُمْ
 مِنْ بَطْنِ أُمِّهِكُمْ طِفْلًا بِمَعْنَى أَطْفَالًا ثُمَّ نَعْبِرُكُمْ لِنَبْلُغُوا أَشْدَّكُمْ ٨ أَيِ الْكَمَالِ وَالْقُوَّةِ
 بَيْنَ الْفَلَاحِ إِلَى الْأَرْبَعِينَ سَنَةً وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَلَّى يَمُوتُ قَبْلَ بُلُوغِ الْأَشَدِّ وَمِنْكُمْ مَنْ يُزَادُ

لَعْنَةُ احْسَبِهِ مِنَ الْهَرَمِ وَالْخَرْفِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ قَالَ عِزُّرْمَةُ مِنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَصِرْ
 بِهِ سَحَالَةً وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً يَابَسَ فَإِذَا أُنْزِلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءُ اهْتَزَّتْ وَخَبَرَتْ وَرَبَّتْ ۚ اِرْتَفَعَتْ
 رِادَتُهَا وَانْبَثَّتْ مِنْ زَائِدَةٍ كُلِّ دَوْجٍ صُفْبٍ بَهِيْجٍ ۝ حَسَنَ ذَلِكَ الْمَذْكُورِ مِنْ بَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ إِلَى
 جَرِّ الْحَيَاءِ الْأَرْضِ بِأَنَّ بِسَبَبِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ الدَّائِمُ وَأَنَّهُ يُغْنِي الْمَوْتُ وَأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ ۚ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهَا ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ وَنَزَلَ فِي أَبِي جَهْلٍ وَمِنْ
 بَنِيهِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَمَعَهُ لَا كِتَابٌ مُزِيدٌ ۚ لَهُ نُورٌ مَعَهُ ثَابِتٌ عَظِيمٌ خَالَ أَيْ لَا وَجْهَ
 عُنُقُهُ تَكْبَرُ عَنْ الْإِيمَانِ وَالْعِطْفُ الْجَانِبُ عَنْ يَمِينٍ أَوْ شِمَالٍ لِيُضِلَّ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَعَهَا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
 دِينِهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ عَذَابٌ فَقِيلَ يَوْمَ بَدْرٍ وَلَنُيَقِّئَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ أَيْ الْإِحْزَاقِ بِالنَّارِ وَ
 يُقَالُ لَهُ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمَ يَدَكَ أَيْ قَدَّمَ عَنْهُ غَيْرَ عَمِلَ بِهِمَا دُونَ غَيْرِ هِمَا لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَأَنَّ
 اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ أَيْ بِذِي ظُلْمٍ لِلْعَبِيدِ ۚ فَيَعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ

ج ۸

ترجمہ: اے لوگو! اے اہل مکہ! اور دوسرے لوگو! اپنے رب (کے عذاب) سے ڈرو (بایں طور کہ اس کی اطاعت اختیار کرو)
 بیشک قیامت کا زلزلہ (زمین کی سخت ترین حرکت اور یہ زلزلہ سورج کی جانب مغرب کے طلوع کے بعد ہوگا اور یہ طلوع قرب
 قیامت کی علامت ہے) بڑی بھاری چیز ہوگی (لوگوں کو اپنی جگہ سے نکال باہر کرنے میں) اور وہ بھی ایک قسم کا عذاب ہے جس
 روز تم لوگ اس زلزلہ کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں (اس کی وجہ سے) اپنے دودھ پیئے (بچہ) شدت خوف سے
 بھول جاویں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور تجھ کو (اے مخاطب) لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں
 گے (شدت خوف کی وجہ سے) حالانکہ وہ (پیشاب کے) نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی سخت چیز ہے (جس وجہ سے
 لوگ اس سے ڈریں گے) آئندہ آیات کا نزول نصر بن حارث اور ایک جماعت کے حق میں ہوا ہے (اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ
 جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے) ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کریم کو پہلے لوگوں کے افسانے اور قیامت کے
 دن دوبارہ اٹھنے اور مٹی ہو جانے پر زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہوئے! اور وہ ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس کے حق
 میں کھدیا گیا (شیطان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکائے اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ
 دکھلادے گا! اے لوگو! اے اہل مکہ! اگر تم دوبارہ زندہ ہوئے سے شک میں ہو تو ہم نے تم کو (یعنی تمہاری اصل حضرت آدم) مٹی
 سے بنایا پھر (حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو مٹی کے) نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے (اور یہ جامد خون ہوتا ہے) پھر بوٹی
 سے (وہ گوشت کا ٹکڑا جس کو چایا جاسکتا ہے) (کہ جس کی تصویر خلقي) پوری ہوتی ہے اور (بعض کی تصویر خُقی) ادھوری بھی (ہوتی

ہے کہ اعضاء ناقص ہوتے ہیں) تاکہ ہم تمہارے سامنے ظاہر کر دیں (اپنی کمال قدرت کو جس سے تم اس کے ذریعہ اس کے لئے کر لو اپنے اعادہ پر) اور ہم رحم (مادر) میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین خروج کے وقت ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم اس کے لئے کر (تمہاری ماؤں کے پیٹ سے) باہر لاتے ہیں پھر (ہم تم کو عمر دیتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچو اور یہ وہ عمر ہے کہ تیس سے چالیس سال کی درمیانی مدت ہے) اور بعضے تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں (جوانی کا عرصہ پہنچنے سے قبل) اور بعضے میں تم میں وہ ہیں جو کئی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں (زیادہ عمر ہو جانے اور فساد عقل کی وجہ سے) اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں (حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن پڑھا ہے اس کی حالت نہ ہوگی ببرکت قرآن کریم!) اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے (یہ مذکورہ امور انسانی پیدائش کے ابتدائی حالات سے مطابقت رکھتا ہے) اس سبب ہی (اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل (ثابت و دائم) ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے) ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا یا انہیں ابوجہل کے متعلق نازل ہوئیں اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدون واقفیت اور بدون دلیل بدون کسی روشن کتاب کے (کہ جو ان کے پاس موجود ہو) جھگڑا کرتے ہیں اپنی کروٹ موڑ کر (متکبرانہ انداز کے ساتھ) اس سے اعراض کرتے ہوئے عطف کے معنی دہانی یا بائیں کروٹ اور یہ اس لیے کرتے ہیں) تاکہ اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں اور پرتو اور ضمد دونوں ہیں) ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے (عذاب دنیوی چنانچہ غزوہ بدر میں قتل کیا گیا) اور قیامت دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھادیں گے (اور ان کو کہا جائے گا) کہ یہ تیرے ہاتھ کے کیسے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اللہ بات ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (کہ ان کو بغیر گناہ کے عذاب دیں! چونکہ اکثر افعال کا کتاب بند اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی کرتا ہے اس لیے اسی کے ساتھ کیا جانا فرمایا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **الَّذِي يَكُونُ بَعْدَهَا**: اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو مغرب سے سورج کے طلوع ہونے سے ذرا پہلے آئے گا۔ قیامت کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ یہ اس کی شرائط سے ہے۔ **عَظِيمٌ** یعنی خوفناک۔
 قولہ: **بَسِيبًا**: یہ اس کے خوف کی تصویر ہے نہ کہ تحقیق۔ **مُرْضَعًا** جو فی الحال دودھ پلا رہی ہو۔ مرضع جو دودھ پلا سکتی ہو۔
 قولہ: **عَنَّا**: کا موصولہ ہے۔ **حَمَلًا** سے پیٹ کا بچہ مراد ہے۔
 قولہ: **سُكْرًا**: حقیقت نہیں گویا کہ وہ نشے میں ہوں یہ مفعول کا حال ہے۔ اس سے تشبیہ کا اعتبار بھی ضروری ہے۔
 قولہ: **مَرِيدًا**: خالص فساد۔
 قولہ: **كَمَالٍ قُدْرَتَنَا**: بین کا مفعول اس طرف اشارہ کیلئے حذف کیا کہ ان افعال میں اس کی قدرت و حکمت غیر محسوس ہے۔

قوله: مُسْتَنْبِفٌ: نقریہ جملہ مستانفہ ہے۔ نبین پر عاطفہ نہیں۔

قوله: أَطْفَالًا: اشارہ کیا کہ طفلان جمع کے معنی میں ہے تاکہ ذوالحال سے مطابقت ہو جائے۔

قوله: الْأَشِدَّةُ: جمع شدہ جیسے انعم جمع نعمۃ گویا وہ امور میں سخت ہے۔

قوله: مِنَ الْهَرَمِ: یہ انتہائی بڑھاپے کو کہتے ہیں اور خرف جس کی عقل بگڑ جائے۔

قوله: نَحَرَ كَتٍّ: یعنی بانباتات کے ذریعہ حرکت میں آتی ہے زادت، پھولنا۔

قوله: ذَلِكَ: المذکور یہ مبتداء ہے اور بان خبرہ۔ الثابت جس کے ذریعہ اشیاء ثابت ہوں۔

قوله: يُخَيُّ الْوَقَى: ورنہ نطفہ اور مردہ زمین زندہ نہ ہوتی۔

قوله: عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ: اس کی قدرت ذاتی ہے، بقیہ مخلوق کی طرف اس کی نسبت برابر ہے۔

قوله: شَكَبَ: یہ تعیرات منقطع ہونے کے مقدمات سے ہے۔

قوله: مَنْ فِي الْقُبُورِ: اس وعدہ کے مطابق جس میں مخلف نہیں۔

قوله: اس میں تاکید کی تکریر ہے۔

قوله: بِغَيْرِ عِلْمٍ: علم سے یہاں فطرتی علم مراد ہے۔

قوله: لِيُضِلَّ: ہدایت سے ایسا اعراض کہ جس میں باطل جدال کی طرف اس کی توجہ کامل ہے، تو یہی ہدایت سے گمراہی کی طرف لگانا ہے۔

قوله: الْحَرِيقُ: یہ احراق مصدر کے معنی میں ہے۔

قوله: ظَلَمَ: یعنی ظلم والا مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝

قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت ہوگا:

یہاں سے سورۃ الحج شروع ہو رہی ہے۔ اس کے چوتھے پانچویں رکوع میں حج اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان ہے۔ اس لیے سورۃ الحج کے نام سے موسوم ہے۔ پہلے رکوع میں قیامت کا بیان ہے اور جو لوگ قیامت کے وقوع کو مستبعد یا ناممکن سمجھتے تھے یا اب سمجھنے والے ہیں ان کے جاہلانہ استبعاد کا جواب دیا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو، ڈرنے کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرو۔ ان تقاضوں میں سے اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لانا بھی ہے اور فرائض کی ادائیگی بھی ہے اور منوعات سے بچنا بھی ہے۔ اور قیامت کے آنے کا بھی یقین کرو۔ اس کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جب اس کا زلزلہ آئے گا اس وقت کی پریشانی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ دودھ پلانے والی اس کی سختی کی وجہ سے دودھ پلاتے بچہ کو بھول جائے

گی اور حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ اس حالت میں ہوں گے کہ گویا نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ اللہ کے عذاب کی سختی کی وجہ سے جو بیت سوار ہوگی اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے ان پر نشہ سوار ہے۔ آیت بالامس جو قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے، یہ زلزلہ کب ہوگا۔ اس کے بارے میں حضرت علقمہ اور حضرت شعبی وغیرہما سے منقول ہے کہ اس سے وہ زلزلہ مراد ہے جو ایسے وقت میں آئے گا جب قیامت بہت ہی زیادہ قریب ہو چکی ہوگی اور یہ زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہوگا۔ ان حضرات نے یہ اس لیے فرمایا کہ عین وقوع قیامت کے وقت جو عورتیں قبروں سے نکلیں گی ان کے ساتھ دودھ پیتے بچے ہوں یا پیٹوں میں حمل ہوں۔ یہ بات کسی واضح دلیل سے ثابت نہیں اور چونکہ قیامت سے پہلے زلزلہ آنے کا روایت حدیث میں ذکر ہے اس لیے آیت بامام میں وہی زلزلہ مراد لینا چاہیے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے۔ کیونکہ جب قیامت ہوگی اس وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ جیسا کہ سورۃ زلزال کی پہلی آیت میں فرمایا اور جیسا سورۃ النازعات میں فرمایا: **يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الزَّادِفَةُ ۝** حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ المرء الخف سے نفع اولی مراد ہے۔ جس سے چھوٹے بڑے اجسام حرکت میں آجائیں گے اور المرء اذفہ سے دوسرا نفع مراد ہے۔ (ذکر البخاری فی ترجمہ باب ج ۲ ص ۹۶۵) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا: **(اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًا وَبُنِسَتِ الْجِبَالُ بَسًا فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا)** (جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے) اس سے بھی واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ وقوع قیامت کے وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ اس قول کے اختیار کرنے میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی کہاں ہوں گی اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ یہ علی سبیل الفرض والتمہیر ہے۔ یعنی قیامت کے واقع ہونے سے دلوں پر ایسی سخت دہشت اور ہیبت سوار ہوگی کہ اگر عورتوں کے پیٹوں میں بچے ہوں گے تو ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور اگر عورتوں کی گودوں میں ایسے بچے ہوں جنہیں دودھ پلاتی ہوں تو وہ انہیں بھول جائیں اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے جو عورت حالت حمل میں مری ہو اسی حالت میں حشر ہو اور جس عورت کو دودھ پلانے کے زمانہ میں موت آئی ہو وہ اپنے دودھ پیتے بچے کے ساتھ محشر ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ زلزلہ بمعنی حرکت ارضی مراد نہیں ہے بلکہ اس وقت کی بد حالی اور گھبراہٹ کو زلزلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بات بھی بعید نہیں کیونکہ قرآن مجید میں لفظ زلزال سخت مصیبت کی گھڑی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۃ احزاب میں اہل ایمان کا ابتلا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: **(هَذَا لِكِ اَنْتَ لِي الْيَوْمِ الْمُؤْمِنُونَ وَ زُلْزِلُوا زُلْزَالًا)** اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری ص ۹۶۶ میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ اے آدم! وہ عرض کریں گے (لیبیک و سعیدیک و الخیر فی یدیک) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ اپنی ذریت سے دوزخ کا حصہ نکال لو۔ وہ عرض کریں گے کہ کتنا حصہ ہے۔ ارشاد ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے نکالو۔ یہ بات سن کر بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اپنے حمل کو ڈال دے گی اور اے مخاطب تو لوگوں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ بات سن کر حضرات صحابہ کو بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر ہزار میں سے جنت کے لیے ایک شخص لینے سے ہمارا کیا حال بنے گا۔ ہم میں سے وہ کون کون شخص ہوگا جو جنتی ہو جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پورے بنی

آدم کا حساب ہے۔ تم لوگ خوش ہو جاؤ کیونکہ یا جوج ماجوج کی تعداد زیادہ ہے کہ ان میں سے ایک ہزار کے مقابلہ میں تم میں سے ایک شخص آتا ہے (اور وہ بھی بنی آدم میں سے ہیں) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم پوری جنت کے آباد کرنے والوں میں تمہائی افراد ہو گے۔ اس پر ہم نے اللہ کی حمد بیان کی اور اللہ کی بڑائی بیان کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی آدمی تعداد ہوگی۔ پھر فرمایا کہ ساری امتیں ملا کر تعداد کے اعتبار سے تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید بال کا لے نیل کی کمال میں یا جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں ذرا سا گول دائرہ ہو۔

اس میں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتیں ہوں گی اس کے وہی دو جواب ہیں جو اوپر مقرر چکے ہیں۔ (مذاکرہ ماثران الحدیث)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّهِينٍ ﴿٦٠﴾

مفسر ابن کثیر نے سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں بتائیے کہ آپ کا رب سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا۔ اس پر آسمان میں ایک گرج پیدا ہوئی اور اس شخص کی کھوپڑی گر کر مٹنے لگی۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اس طرح کا سوال کیا جس پر بجلی آئی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اس قسم کے سوال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو بے علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں۔ شیطان جو کچھ انہیں سمجھا دیتا ہے اسے مان لیتے ہیں اور شیطان جو سوالات سمجھاتا ہے ان سوالات کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔ سوال کرنے والوں نے باطل معبودوں یعنی جوں کو دیکھا تھا جو مختلف چیزوں سے بنائے جاتے ہیں۔ انہیں پر قیاس کر کے یہ سوال کر بیٹھے کہ تمہارا رب کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ جہالت کے ماروں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ باطل معبود جو خود تراشے ہیں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ان پر خالق کائنات جل مجدہ کو کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ شیطان نے جب انہیں ایسا سمجھایا تو رسول اللہ ﷺ سے بے جا سوال کر بیٹھے۔ یہ لوگ شیطان سے دوستی کرتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں اور شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ جو بھی کوئی اس سے دوستی کرے گا اس کی بات مانے گا، وہ اس دنیا میں اسے گمراہ کر دے گا اور آخرت میں اسے دہشت ہوئی آگ کے عذاب میں داخل کرانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ شیطان خود بھی گمراہ ہے اسے خود بھی درزخ میں جانا ہے اور جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا۔ گمراہ کی دوستی سے گمراہی اور گناہ کے سوا کچھ اور نہیں ملتا۔ جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا اور اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ ...

اُدھر قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا تذکرہ:

جو لوگ بھٹ کا یعنی مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے دھوکے میں انہیں شک تھا

(اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں) ان کے شبہات میں سے ایک یہ شبہ تھا کہ جب مرکب گئے جسم ریزہ ریزہ ہو گیا تو اب زندہ ہونا، جسموں میں جان پڑنا، پورا آدمی بن کر کھڑا ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اسے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمہارا شک اور استبعاد غلط ہے اور بیجا ہے۔ تم دوبارہ اٹھائے جانے کو پہلی خلقت پر قیاس کر لو۔ دیکھو پہلے تمہارا وجود ہی نہیں تھا۔ اول تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ان کا مٹی کا مجسمہ بنایا۔ پھر اس مجسمہ میں روح پھونک دی۔ اس کے بعد ہم نے اولاد آدم کی پیدائش میں ایک ترتیب قائم کی اور اسی ترتیب سے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں کہ اول مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے پھر یہ نطفہ جسے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اس میں تھوڑی سی قوت آتی ہے تو وہ بولی بن جاتا ہے یعنی جواس لائی ہو جاتا ہے کہ اسے چبایا جاسکے۔ اور اس بولی کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلے تو صرف ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کوئی عضو بنا ہوا نہیں ہوتا۔ (اس کو غیر مخلقہ سے تعبیر فرمایا) پھر اس میں اعضاء بن جاتے ہیں اور انسانی شکل و صورت ظاہر ہوتی ہے (اس کو مخلقہ سے تعبیر فرمایا) اور اعضاء بننے کے ساتھ ہی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ رحم میں پرورش ہوتی رہتی ہے اور جسم بڑھتا رہتا ہے۔ رحم میں رہنے کی بھی مدت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو جتنے دن چاہتا ہے ماں کے رحم میں رکھتا ہے۔ اسی کو فرمایا: (وَنُقْذِيْهِ اِلَآءِ خَلْقِنَا نَشَاءُ اِنِیْ اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا) (اپنی مشیت کے موافق ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں) پھر رحم میں رہنے کی مقرر مدت پوری کرنے کے بعد ہم تمہیں زندہ بچہ کی صورت میں نکال دیتے ہیں۔

رحم سے باہر آنے کے بعد آگے مزید احوال سے گزرتا ہوتا ہے بچپن کا زمانہ گزرتا ہے حتیٰ کہ جوانی آ جاتی ہے اس کو فرمایا: ثُمَّ لَتَبْلُوْغًا اَشَدَّكُمْ (پھر تاکہ تم اپنی قوت کو پہنچ جاؤ) جسمانی طاقت عقل و فہم کی قوت اور سوچ سمجھ کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ اٹھارہ سال سے لے کر تیس سال تک کا ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے تیس سال سے لے کر چالیس سال کی درمیانی عمر مراد ہے۔ (واختاره فی الجلالین) سورہ غافر میں (ثُمَّ لَتَكُوْنُوْا اَشْيُوْخًا) بھی فرمایا ہے (پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو) باپ کے نطفے سے لے کر بوڑھا ہونے تک ان کے احوال سے تدریجاً گزرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب پر یہ پورے احوال گزریں۔

جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے مطابق ہوتا ہے۔ لوگ بعض پہلے ہی اٹھالیے جاتے ہیں اور جوانی کا زمانہ آنے سے پہلے ہی انہیں موت آ جاتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بڑھا پا آنے کے بعد بھی عمر بڑھتی جاتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ کئی عمر کا زمانہ آ جاتا ہے۔ یہ کئی عمر ایسی ہوتی ہے جس میں انسان کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے سے جو چیزیں اس کے علم میں تھیں وہ بھی ذہن سے غائب ہو جاتی ہیں۔ بس یوں ہی بھوک پیاس کی تھوڑی سی شدہ بدھ رہ جاتی ہے۔ یہ سب اطوار اور احوال سب کے سامنے ہیں۔ جس ذات پاک نے مٹی سے تخلیق فرمائی پھر مختلف احوال سے گزرا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت دے کر ہڈیوں کو ریزہ ریزہ بنا کر دوبارہ جسم مرکب فرمادے اور اس میں جان ڈال کر قبروں سے اٹھائے اور پھر میدان قیامت میں جمع فرما کر محاسبہ اور مواخذہ فرمائے۔ مخلقہ اور غیر مخلقہ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔ اور بعض مفسرین نے مخلقہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ بچہ پورا ہو کر زندہ پیدا ہو جائے اور غیر مخلقہ کا یہ مطلب لیا ہے کہ بچہ پورا ہونے سے پہلے ضائع

ہو جائے جسے حمل گرنا کہتے ہیں اور غیر مخلوق کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بچہ ناقص الاطراف زندہ پیدا ہو جائے لفاظ سے یہ معنی بھی قریب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد چالیس دن علقہ یعنی جما ہوا خون رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک مفضہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے عمل اور اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ شقی ہے یا سعید ہے۔ (رواہ البخاری)

قرآن مجید میں جو انسانی تخلیق کے ادوار اور اطوار بتائے ہیں ان کے بارے میں حدیث شریف میں بتا دیا کہ چالیس چالیس دن تک ایک ایک حالت رہتی ہے۔

قبروں سے زندہ اٹھائے جانے کے استبعاد کو تخلیق اول کی یاد دہانی کی تذکیر فرمانے کے بعد (کہ جس طرح پہلے پیدا فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا فرمادے گا) دوسری نظیر بیان فرمائی کہ دیکھو زمین خشک ہو جاتی ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی سبزی نظر نہیں آتی۔ نہ گھاس نہ دانہ۔ بالکل مردہ پڑی رہتی ہے۔ پھر ہم اس پر بارش نازل فرمادیتے ہیں تو اس میں ہری بھری گھاس نکل آتی ہے۔ نمل بوٹے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو زمین صرف مٹی تھی اب وہ بڑھ رہی ہے۔ اوپر کو اٹھ رہی ہے اور اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے نکل رہے ہیں۔ جس طرح سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح سے ہم انسانوں کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔ سورہ حم سجدہ میں فرمایا: (وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْكُتْرِي الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَيَذَرُهَا آزْهًا غُلْظًا غُلْظًا وَرَبُّكَ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ سوکھی ہوئی پڑی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور اوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

یہاں سورۃ الحج میں بھی آیت کے ختم پر یہی فرمایا: ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنْتَ يُحْيِي الْمَوْتَى وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یہ انسان کی ابتدائی تخلیق اور اس کے تدریجی ادوار اور زمین کا سوکھنا پھر اللہ کے حکم سے ہرا بھرا ہو جانا یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ ۖ أَيْ شَكٍّ فِي عِبَادَتِهِ شَبَّهَ بِالْحَالِ عَلَى حَرْفٍ جَبَلٍ فِي عَدَمِ ثَبَاتِهِ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ صَحَّحَتْ وَسَلَامَتْ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ إِطْمَآنَ بِهِ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ مَنَحَتْهُ وَسَقَمَتْ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ ۖ فَالْقَلْبُ عَلَى وَجْهِهِ ۖ أَيْ رَجَعَ إِلَى الْكُفْرِ خَيْرَ الدُّنْيَا بِفَوَاتٍ مَا أَمَلَ مِنْهَا وَالْآخِرَةُ ۖ بِالْكَفْرِ ذَلِكَ هُوَ الْحُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ الْبَيْنُ يَدْعُوْنَ يَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنَ الصَّنَمِ مَا لَا يَضُرُّهُ إِنْ لَمْ يَعْبُدْهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ إِنْ

عَبْدَهُ ذَلِكَ الدُّعَاءُ هُوَ الضَّلَالُ الْبُحْدُ ۖ عَنِ الْحَقِّ يَدْعُوا لَكِنَّ الْكَلَامَ زَائِدَةٌ ضَرْفٌ لِعِبَادَتِهِ أَقْرَبُ مِنَ الْكَلَامِ
 إِنْ نَفَعَ بِتَحْتِيلِهِ وَلَيْسَ الْهَوَىٰ هُوَ أَيُّ النَّاصِرِ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ۖ أَيُّ الصَّاحِبِ هُوَ وَعَقِبَ ذِكْرُ الْمُسْلِمِ
 بِالْحُسْرَانِ بِذِكْرِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْقَوَابِ فِي إِنْ اللَّهُ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الْقُرْصِ وَالْقَوَابِ
 جَلَّتْ تَحْوِي مِنْ تَحْوِي الْأَنْهَارِ ۖ إِنْ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۖ مِنْ أَكْرَامٍ مَنْ يُطِيعُهُ وَاهَانَةٍ مَنْ يُعَصِّيه مِنْ كَلَمٍ
 يَكُنْ أَنْ لَنْ يُنْصِرَهُ اللَّهُ أَيُّ مُحَمَّدًا نَبِيَّهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَبْدُدْ بِسَبَبٍ بِحَبْلِ إِلَى السَّيِّئَةِ أَيُّ سَقَطِي
 بِشَدِّهِ وَفِي عُنُقِهِ لَمْ يَلْقُطْ أَيُّ لِيَحْتَقِقْ بِهِ بَأَنَّ يَقْطَعُ نَفْسَهُ مِنَ الْأَرْضِ كَمَا فِي الصَّحَاحِ فَلْيَنْظُرْ كَلَمًا
 يُدْهِمُ كَيْدَهُ فِي عَدَمِ نُصْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَغِيظُ ۖ مِنْهَا الْمَعْنَى فَلْيَحْتَقِقْ غِيظَاتِهَا
 فَلَا يَلْمِئْهَا وَكَذَلِكَ أَيُّ مِثْلِ انْزِلِ الْآيَاتِ السَّابِقَةَ أَنْزَلْنَاهُ أَيُّ الْقُرْآنِ الْبَاقِي لِيُخَيَّرَ بَيْنَ ظَاهِرَاتِهَا
 وَ أَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَرِيدُ ۖ هَذِهِ مَطْعُوفٌ عَلَى هَاهُ انْزِلْنَاهُ إِنْ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَهُمْ الْيَهُودُ
 الظَّاهِرِينَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ وَالنَّصْرَى وَالْمَجُوسُ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنْ اللَّهُ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِالْأَخَالِ
 الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ وَغَيْرَهُمُ النَّارَ إِنْ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مِنْ عَمَلِهِمْ شَهِيدٌ ۖ عَالِمٌ بِهِ عِلْمٌ مُشَاهِدَةٌ لَهُ تَرَى
 نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالْجُودُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْأَنْدَادُ
 أَيُّ يَخْضَعُ لَهُ بِمَا يَرَادُ مِنْهُ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ بِزِيَادَةٍ عَلَى الْخُضُوعِ فِي سُجُودِ
 الصَّلَاةِ وَكَثِيرٌ عَلَى الْعَذَابِ ۖ وَهُمْ الْكَافِرُونَ لَا تَهْمُ أَبْوَالُ السُّجُودِ الْمُتَوَقَّفُ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ لَيْسَ
 اللَّهُ يَشْفِقُ قَبْلَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۖ مُسْبِحٌ إِنْ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۖ مِنَ الْإِهَانَةِ وَالْأَكْرَامِ هَذِهِ خُصْمٌ أَيُّ
 الْمُؤْمِنُونَ خُصْمُ الْكُفَّارِ الْخُمُسَةُ خُصْمٌ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْجَمَاعَةِ اخْتَصَّوْا فِي دِيْنِهِمْ
 فِي دِيْنِهِ قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَطَعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ قَالٍ ۖ يَلْبِسُونَهَا يَعْنِي أَحْبَطَتْ بِهِمُ النَّارُ يَصَبُّ مِنْ لَوْنِ
 رُؤُوسِهِمُ الْحَرِيمُ ۖ الْمَاءُ الْبَالِغُ نَهَائِهِ الْحَرَارَةُ يُصْهَرُ بِهِ يَذَابُ مَا فِي بَطُونِهِمْ مِنْ سُخُومٍ وَغَيْرِهَا
 وَيُشْوَى بِهِ وَالْجُلُودُ ۖ وَكُلُّهُمْ مُقَامِعٌ مِنْ حَوْلِهِمْ ۖ لِيَضْرِبَ رُؤُوسَهُمْ كُلًّا إِرَادًا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أَيُّ الْقَارِ

يُنْفِخُهُمْ بِهَا أَعْيُنًا وَفِيهَا رَدُّوا إِلَيْهَا بِالْمَقَامِعِ وَ قِيلَ لَهُمْ ذُقُوا عَذَابَ الْعَوَلِقِ ۖ أَيُّ الْبَالِغِ ۚ

بِهَا تَابَةُ الْإِخْرَاقِ وَقَالَ فِي الْمُؤْمِنِينَ

میں جلا رہے ہوئے اس نوعیت کو تشبیہ دی ہے حرف جبل سے عدم ثبات فی الدین کو) پھر اگر اس کو کوئی دینی نفع پہنچ گیا (مثلاً جسمانی صحت و سلامتی اور مال و دولت) تو اسکی وجہ سے قرار پایا اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہو گئی (کہ کوئی مشقت بیماری اس کی ذات میں یا کوئی مالی مصیبت آ پڑی) تو منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چل دیا جس سے دنیا و آخرت دونوں کو کھو بیٹھا (کہ اس عبادت سے جس چیز کی آرزو کی تھی وہ بھی فوت ہو گئی اور کفر کی وجہ سے آخرت بھی) یہی ہے کھلا نقصان خدا کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرنے کا جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے (اگر اس بت کی عبادت نہ کی جائے) نہ نفع پہنچا سکتی ہے (اگر اس کی پوجا کی جائے) یہ (بتوں کو پکارنا) انتہائی درجہ کی گمراہی ہے (حق سے ہٹ کر) پکارے جاتا ہے اس کو جس کا ضرر (اس کی عبادت کرنے پکارنے کی وجہ سے) پہلے پہنچے اس کے نفع سے۔ (اگر وہ اس عابد کے تخیل کی وجہ سے بفرض محال نفع بھی دے بیشک برا دوست ہے اور برار فتن (ہے)۔ شک میں جتلاء لوگوں کے ذکر کے بعد اہل ایمان جو ثواب حاصل کریں گے ان کا تذکرہ فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے (فرائض نوافل پڑھے) ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے (مثلاً جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کرے گا اس کا اکرام اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اس کی ابانت تو وہ) کر گزرتا ہے جس شخص کو یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اللہ تعالیٰ رسول کی دنیا اور آخرت میں تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے (یعنی اپنے گھر کی چھت میں رسی کو باندھ دے اور اپنی گردن میں پھندہ ڈال دے) پھر کاٹ ڈالے (یعنی اس سے اپنے نفس کو کاٹ دے گلا دبا کر جیسا کہ کتاب لغت صحاح میں مذکور ہے) اب دیکھ کچھ باتا رہا اسی کی تدبیر سے اس کا غصہ (نبی اکرم ﷺ کی نصرت نہ ہونے کا) یعنی اس بنا پر غضبناک ہو کر رسی کے اس پھندہ سے ہلاک کر ڈال اللہ تعالیٰ تو اپنے رسول کی نصرت ضرور کرنے کا اور ہم نے اس (قرآن) کو اسی طرح اتارا ہے (کہ جس طرح پہلی آیات کو نازل کیا تھا) جس میں واضح دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور ان للہ یدہی کا عطف انزلناہ کی ضمیر ہاء پر ہو رہا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صائبین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز (فعل) فیصلہ کر دے گا (اہل ایمان کو جنت میں داخل فرما کر اور دوسروں کو جہنم میں) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے (ان کے اعمال سے علم مشاہدہ کے اعتبار سے بھی) اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سب عاجزی (سجدہ) کرتے ہیں جو کوئی (چیز بھی) آسمان میں ہے اور جو کوئی (چیز بھی) زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے (یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں یہ سب ہی اسی چیز میں جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے ارادہ کرتا ہے) اور بہت سے (تو) آدمی بھی (اور وہ اہل ایمان ہیں کہ جو اطاعت کرتے ہیں مزید سجدہ نماز بھی کرتے ہیں) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ثابت ہو گیا ہے (اور وہ کفار ہیں کیونکہ انھوں نے سجدہ

کرنے سے انکار کر دیا کہ جو قبول ایمان پر موقوف تھا) اور جس کو خدا ذلیل کرے (بد بخت کر) اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں اور) اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے (خواہ اہانت کرے نافرمانوں کی اور یا اکرام کرے اہل ایمان کا۔ یہ دو فریق ہیں (اہل ایمان) ایک فریق اور کفار کی مذکورہ پانچ اقسام ایک فریق اور لفظ خصم کا اطلاق واحد اور جماعت ہر ایک پر ہوتا ہے) جنہوں اپنے رب (یعنی دین الہی) کے بارے میں باہم اختلاف کیا جو لوگ کافر تھے ان کے آگ کے کپڑے قطع کیے جاو گے (جن کو وہ پہنیں گے یعنی اس لباس کے ذریعہ ان کو آگ چاروں طرف سے گھیر لے گی) اور ان کے سر کے اوپر سے تیرا پانی چھوڑا جاوے گا (انتہائی تیز گرم پانی) جس سے ان کی پیٹ کی چیزیں (چربی وغیرہ) اور کھالیں سب (اس کے ذریعہ) جاویں گی اور ان کے سروں پر مارنے کے لیے (لوہے کے گرز ہوں گے وہ لوگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں (دوزخ سے گئے مارے) کہ جو ان کو وہاں کھن لائق ہوگی) پھر ڈال دئے جائیں گے اس کے اندر (یعنی ان گرزوں سے ان کو پھر مارا کر مار کر دیا جائے گا اور کہا جاوے گا جلنے کا عذاب چکھتے رہو) الحریق: انتہائی درجہ کا جلا ڈالنے والا۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: عَلَى حَرْفٍ: یعنی دین سے ایک طرف یعنی اس میں پختہ نہیں کہ یہ دین حق ہے۔

قوله: هُوَ الْخُسْرَانُ: اس سے بڑا کوئی خسارہ نہیں۔

قوله: بِعِبَادَتِهِ: باسیبہ ہے۔

قوله: يَتَخَيَّلُ: یہاں ثابت کیا جانے والا نفع تخیلاتی ہے، نہ کہ حقیقی۔

قوله: يَتَخَيَّنُ بِهِ: اس اسی کو کاٹ کر وہ اپنا گلا کھونٹ لے جب گھونٹنے کے رگوں کو بند کر کے سانس کو منقطع کر لے۔

قوله: فَلْيَنْظُرْ: پس وہ دل میں تصور کر لے۔

قوله: مِنْهَا: ماموصولہ اور حاضمیہ عامہ محذوف ہے۔ حل یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: غَا: ان اللہ ہمدی کا عطف ہا پر ہے حذف لام سے نہیں کہ انزلہ مقدر سے متعلق ہو۔

قوله: اِنَّ اللَّهَ: جملہ کے اطراف میں ان لا کر مزید تاکید کر دی۔

قوله: كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ: اس کا عطف یا تو ماسبق ان پر ہے یا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر اس جیسی حق لہ الثواب، محذوف ہے۔

قوله: بِزِيَادَةِ عَلَى الْخُضُوعِ: یہ نماز میں کامل ثواب کا ذریعہ ہے۔

قوله: لَانَّهُمْ اَبَوُ الشُّجُودِ: اس سے سجود خضوع مراد نہیں بلکہ جس پر نماز ظاہر میں موقوف ہے۔

قوله: اَخْتَصَمُوا: میں جمع کی ضمیر گر وہ کے اعتبار سے ہے۔

قوله: فَالَّذِينَ: اس میں جملہ کے فیملہ مذکور ہے۔

قوله: لِهَم: یہ ضمیر ذوالحال اور یصیب حال ہے اور یصہر بہ جملہ حمیم سے حال ہے۔

قولہ: وَتَشْرِي بِهِ: الجلود یہ فعل محذوف کا نائب فاعل ہے یہ مافی بطونہم پر معطوف نہیں۔
قولہ: مُقَابِلِ: کوڑے یا ہتھوڑے۔

قولہ: مِنْ غَيْدٍ: یہ اعادہ جار کے ساتھ حاسے بدل ہے۔

قولہ: رَدُّوا إِلَيْهَا: وہ باہر کی طرف لکنا چاہیں گے تو ان کو لوٹا دیا جائے۔

تفسیر مقبولین

طلب دنیا کے لیے اسلام قبول کرنے والوں کی تباہی:

صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۹ میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص مدینہ منورہ آیا اس کی بیوی کو حمل تھا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا اور اس کے گھوڑوں کے بھی بچے پیدا ہو گئے تو اس پر وہ کہتا تھا کہ واقعی یہ دین (یعنی اسلام) اچھا دین ہے اور اگر بیوی کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا اور گھوڑی نے بچے نہ دیئے تو کہتا تھا کہ یہ اچھا دین نہیں ہے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت بالانازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابوسعیدؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کر لیا اس کے بعد اس کی بیٹائی جاتی رہی اور مال بھی چلا گیا۔ نیز اولاد بھی ختم ہو گئی۔ اس نے اسے اسلام کی فحوت سمجھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیعت توڑ دیجیے آپ نے فرمایا بیعت اسلام نہیں توڑی جاتی وہ کہنے لگا کہ اس دین میں مجھے خیر نہیں ملی میں اندھا ہو گیا میرا مال چلا گیا اور اولاد بھی مر گئی آپ نے فرمایا کہ اے یہودی! لوگوں کو اسلام (بطور امتحان) پگھلا دیتا ہے جیسا کہ لوہے اور سونے اور چاندی کو آگ پگھلا کر کھوٹ اور میل دور کر دیتی ہے اس پر آیت بالانازل ہوئی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کے بارے میں آیت کریمہ کا نزول ہوا سب نزول جو بھی کچھ ہو آیت کا مضمون عام ہے جو لوگ اسلام کو ظاہری طور پر دنیا کے منافع کے لیے قبول کر لیتے ہیں اور جن منافع کی امید تھی وہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو اسلام سے پھر جاتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور حق کے طالب بھی نہیں ہوتے، آخرت کی نجات کے لیے اسلام قبول نہیں کرتے، دنیاوی منافع کے لیے ظاہری طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا، ایسے لوگوں کی دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی اور یہ کھلی ہوئی تباہی ہے جسے (الْخُسْرَانِ الْمُبِينِ) سے تعبیر فرمایا ہے۔

جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مصیبتوں کے لیے غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے ہی سے مشرک ہیں ان لوگوں کو تعبیر فرمائی کہ ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور اللہ کے لیے پکارتا ان کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پکارتے ہیں جسے ضرر یا نفع پہنچانے کی ذرا بھی قدرت نہیں اور اسے اس بارے میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ذَلِكْ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ (یہ طریقہ دور کی گمراہی ہے) يَذْعُوْنَ لَهَا عِزًّا مِنْ قُرْبِهِ (یہ مشرک ان کو پکارتا ہے جن کا ضرر نفع کی بنسبت زیادہ قریب ہے) کیونکہ یہ باطل معبود دنیا اور

آخرت میں مدد تو کچھ کر ہی نہیں سکتے البتہ ان کی عبادت کا ضرر انہیں ضرور پہنچے گا دنیا میں گمراہ رہیں گے اور آخرت میں عذاب دوزخ میں داخل ہوں گے، ان کی عبادت کا یہ پھل ملے گا کہ جلنے کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے لیکن الکھول و الکھول العظیمہ یعنی یہ معبودان باطل برے دوست ہیں اور برے رفیق ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب قیامت کے دن کافر دیکھیں گے کہ کسی بھی معبود باطل سے نفع نہ پہنچا اور اس کی عبادت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا تو بلند آواز سے پکار کہیں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم نے جس کی عبادت کی وہ تو برا دوست اور برا رفیق نکلا۔

مَنْ كَانَ يَنْظُرُ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ...

حاصل یہ ہے کہ اسلام کا راستہ روکنے والے معاند جو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ تو جہمی ہو سکتا ہے جبکہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ سے منصب نبوت سلب ہو جائے اور آپ پر وحی آنا منقطع ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو نبوت و رسالت سپرد فرماتا ہے اور اس کو وحی الہی سے نوازتا ہے اس کی مدد و دنیا و آخرت میں کرنے کا اس کی طرف سے پختہ عہد ہے اور عقلاً بھی اس کے خلاف نہ ہونا چاہئے تو جو شخص آپ کی اور آپ کے دین کی ترقی کو روکنا چاہتا ہے اس کو اگر اس کے قبضہ میں ہو تو ایسی تدبیر کرنا چاہئے کہ یہ منصب نبوت سلب ہو جائے اور وحی الہی منقطع ہو جائے اس مضمون کو ایک فرض محال کے عنوان سے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وحی کو منقطع کرنے کا کام کرنا چاہتا ہے کسی طرح آسمان پر پہنچے وہاں جا کر اس سلسلہ وحی کو ختم کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ نہ کسی کا اس طرح آسمان پر جانا ممکن نہ اللہ تعالیٰ سے قطع وحی کو کہنا ممکن تو پھر جب تدبیر کوئی کارگر نہیں تو اسلام و ایمان کے خلاف غیظ و غضب کا کیا نتیجہ؟ یہ تفسیر بعینہ درمختار ابن زید سے روایت کی ہے اور میرے نزدیک یہ سب سے بہتر اور صاف تفسیر ہے۔ (بیان القرآن مع سہیل)

قرطبی نے اسی تفسیر کو ابن جعفر نحاس سے نقل کر کے فرمایا کہ یہ سب سے احسن تفسیر ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ سماء سے مراد اپنے مکان کی چھت ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ اگر کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے اور وہ اسلام کے خلاف غیظ و غضب لئے ہوئے ہے تو سمجھ لے کہ اس کی یہ مراد تو کبھی پوری نہ ہوگی اس احقانہ غیظ و غضب کا تو علاج یہی ہے کہ چھت میں دھن ڈال کر پھانسی لے لے اور مر جائے۔ (منظری وغیرہ)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ...

چاند سورج ستارے سب سجدہ ریز:

مستحق عبادت صرف وحدہ لا شریک اللہ ہے اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے خواہ بخوشی خواہ بے خوشی۔ ہر چیز کا سجدہ اپنی وضع میں ہے۔ چنانچہ قرآن نے سائے کا داغیں بائیں اللہ کے سامنے سر بسجود ہونا بھی اولئہ یزنا اِلٰی مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَّقِيْهِ اِظْلَالُهُ عَنِ الْيَهُودِ وَالنَّسَارِئِلِ سَجْدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذٰخِرُونَ مِنْهُ (نمل: ۲۸) بیان فرمایا ہے۔ آسمانوں کے فرشتے، زمین کے حیوان، انسان، جنات، پرند، چرند، سب اس کے سامنے سر بسجود ہیں اور اس کی تسبیح اور

کر رہے۔ سورج چاند ستارے بھی اس کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کو الگ اس لئے بیان کیا گیا کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اسے لئے فرمایا سورج چاند کو سجدے نہ کرو اسے سجدے کرو جو ان کا خالق ہے بخاری و مسلم میں ہے رسول ﷺ نے حضرت ابو ذرؓ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کو عزم ہے اور اس کے نبی ﷺ کو۔ آپ نے فرمایا یہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے وقت آ رہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔ سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور مسند احمد میں گریہ کی حدیث میں ہے کہ سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے وہ کسی کی موت پیدائش سے رہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی میں سے جس کسی پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج چاند اور کل ستارے غروب ہو کر سجدے میں جاتے ہیں اور اللہ سے اجازت مانگ کر دہنی طرف سے لوٹ کر پھر اپنے مطلع میں پہنچتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدے میں ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑتا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں جب سجدے میں گیا تو وہ درخت بھی سجدے میں گیا اور میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے میں یہ پڑھ رہا تھا۔ دعا: (اللہم اکتب لی بہا عندک اجر او وضع عنی بہا و ذرا واجعلہا لی عندک ذخرا و تقبلہا منی کما تقبلتہا من عبدک داؤد) یعنی اے اللہ اس سجدے کی وجہ سے میرے لئے اپنے پاس اجر و ثواب لکھ اور میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اسے ذخیرہ آخرت کر اور اسے قبول فرما جسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول ﷺ نے سجدے کی آیت پڑھی۔ سجدہ کیا اور اپنی دعا آپ نے اپنے اس سجدے میں پڑھی جسے میں سن رہا تھا (ترمذی وغیرہ) تمام حیوانات بھی اسے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اپنے جانور کی پیٹھ کو اپنا منبر نہ بنالیا کرو بہت سی سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں اور زیادہ ذکر اللہ کرنے والی ہوتی ہیں اور اکثر انسان بھی اپنی خوشی سے عبادت الہی بجالاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں ہاں وہ بھی ہیں جو اس سے محروم ہیں تکبر کرتے ہیں۔ سرکشی کرتے ہیں اللہ جسے ذلیل کرے اسے عزیز کون کر سکتا ہے؟ رب فاعل خود مختار ہے۔ ابن ابی ماتم میں ہے کہ حضرت علیؓ سے کسی نے کہا یہاں ایک شخص ہے جو اللہ کے ارادوں اور اس کی مشیت کو نہیں مانتا۔ آپ نے اسے فرمایا اے شخص بتا تیری پیدائش اللہ تعالیٰ نے تیری چاہت کے مطابق کی یا اپنی؟ اس نے کہا اپنی چاہت کے مطابق۔ فرمایا یہ بھی بتا کہ جب تو چاہتا ہے مریض ہو جاتا ہے یا جب اللہ چاہتا ہے؟ اس نے کہا جب وہ چاہتا ہے۔ پوچھا پھر تجھے شفا تیری چاہت سے ہوتی ہے یا اللہ کے ارادے سے؟ جواب دیا اللہ کے ارادے سے۔ فرمایا اچھا یہ بھی بتا کہ اب وہ جہاں چاہے گا تجھے لے جائے گا یا جہاں تو چاہے گا؟ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا پھر کیا بات باقی رہ گئی؟ سن اگر تو اس کے خلاف جواب دیتا تو اللہ میں تیرا ارادہ تھا۔ مسلم شریف میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اس نے سجدہ کر لیا جنتی ہو گیا میں نے انکار کر دیا جہنمی بن گیا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول ﷺ سورۃ حج کو اور تمام سورتوں پر یہ فضیلت ملی کہ اس

میں دو آیتیں سجدے کی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور جو ان دونوں پر سجدہ نہ کرے اسے چاہے کہ اسے بڑھے علیٰ نفسہ (خود پر) وغیرہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث قوی نہیں لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول قابل غور ہے کیونکہ اس کی راوی ابن ابیہرحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سماعت کی اس میں تصریح کر دی ہے اور ان پر بڑی جرح و تدلیس کی ہے جو اس سے امر جاتی ہے۔ ابوداؤد میں فرمان رسالت مآب ﷺ ہے کہ سورہ حج کو قرآن کی اور سورتوں پر یہ فضیلت دی گئی ہے اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سند سے تو یہ حدیث مستند نہیں لیکن اس سند سے یہ مستند بھی بیان کی گئی ہے مگر صحیح نہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث میں اس سورت کی تلاوت کی اور دو بار سجدہ کیا اور فرمایا اسے ان سجدوں سے فضیلت دی گئی۔ (ابوبکر بن عدی) حضرت عمرو بن عاصؓ کو رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے، یہی مفصل میں دوسورہ حج میں۔ (ابن ماجہ وغیرہ) یہ سب روایتیں اس بات کو پوری طرح مضبوط کر دیتی ہیں۔

هٰذِهِنَّ خَصَّصُوا فِي رَجْعِهِمْ

دو فریق یعنی مؤمنین اور کافرین نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا یعنی ایک جماعت وہ ہے جو اہل ایمان کا ہے اور ایک جماعت اہل کفر کی ہے دونوں جماعتوں میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہے جھگڑے بھی ہیں اور قتل و قتال بھی۔ دونوں جماعتوں کی باہمی دشمنی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مؤمنین تو اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتے ہیں مشرکین اور کافرین جو کسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور مالکیت کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی اپنے خیال میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے لڑتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو جہالت اور سفاہت کی وجہ سے اللہ کا مقبول دین سمجھتے ہیں اس لیے دونوں جماعتوں کے لیے اختصصوا فی رَجْعِهِمْ فرمایا، اہل مکہ جب جنگ بدر کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو حق پر ہو اس کو فتح نصیب فرما، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ غزوہ بدر کے موقع پر ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کے لیے جو حضرات انصار آگے بڑھے تو قریشیوں نے کہا کہ ہم تم سے مقابلہ نہیں چاہتے ہم تو اپنے پیارے لڑکوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ میدان میں نکلے اور مشرکین مکہ کی طرف سے شیبہ بن ربیعہؓ اور عتبہ بن ربیعہؓ اور ولید بن عتبہؓ سامنے آئے حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا حضرت عبیدہ کا عتبہ سے مقابلہ ہوا اور ہر ایک دوسرے کی تلوار سے نیم جان ہو گیا پھر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اسے بالکل ہی جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر جب مدینہ کو واپس آئے تھے تو مقام صفراء میں حضرت عبیدہ کی وفات ہو گئی، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت ہماری ان دونوں جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲/۵۶۰) الہدایہ والتعلیہ والتفصیل فی التسلطی سبب نزول خواہ انہیں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہو جن کا ذکر آ رہا ہے مگر رامیسا کہ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا لیکن آیت کا عموم یہ بتا رہا ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کی دونوں جماعتیں آپس میں اپنے اپنے دین و ملت کے لیے لڑ رہی ہیں، بدر کا مذکورہ واقعہ بھی اسی دینی دشمنی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتائی، اہل کفر کے بارے میں فرمایا: قَالِ الْفِتَنَ كَذِبًا قُلْ طَعَتْ لَهُمْ فِتْنًا قَيْنَ كَلْبًا کہ ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے یعنی جس طرح کپڑے کا تھان پھٹ کر

کاٹا جاتا ہے تاکہ پہنے کے لیے سیا جائے اسی طرح کافروں کے لیے آگ کے پڑے کاٹ کر تیار کیے جائیں گے، یہ تو ان کا بس ہوگا اس کے ساتھ دوسری سزائیں بھی دی جائیں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا۔ اسی کو فرمایا: يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿۱۰﴾ مزید فرمایا: يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿۱۱﴾ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک کھول ہوا پانی ضرور روزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں پہنچ کر ان تمام چیزوں کو کاٹ دے گا جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں اور آخر میں قدموں سے نکل جائے گا اس کے بعد پھر روزخیوں کو دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ آیت میں جو لفظ: يُصْهَرُ ہے اس کا یہی مطلب ہے (رواہ الترمذی) پھر روزخیوں کے ایک اور عذاب کا تذکرہ فرمایا: وَلَهُمْ مَقَامٌ مِنْ حَرِّهَا ﴿۱۲﴾ (اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے) مَلَكًا أَرَادُوا أَنْ يَخْرِجُوا مِنْهَا مِنْ خَلْقٍ أُعِيدُوا فِيهَا ﴿۱۳﴾ (جب کبھی بھی وہ کھٹن کی وجہ سے اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں لوٹا دیے جائیں گے) یعنی لوہے کے گرز مار کر انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا وَذُوقُوا عَذَابَ الْعَذِيقِ ﴿۱۴﴾ (اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو)۔

جن گرزوں سے مارنے کا ذکر ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کا لوہے والا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور اگر اس کو تمام جنات اور انسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے والا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو کر رکھ ہو جائے۔ (راجح الترفیب والترہیب ص ۲۷۴ ج ۱)

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُعَلَّونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا
بَالِحِرٍ أَمْحَى مِنْهُمَا بَآءٌ يُرْصَعُ اللَّؤْلُؤُ بِالذَّهَبِ وَبِالنَّصَبِ عِطْفٌ عَلَى مَحَلٍّ مِنْ أَسَاوِرَ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا
حَرِيرٌ ﴿۱۵﴾ هُوَ الْمَجْرَمُ لُبْسُهُ عَلَى الرِّجَالِ فِي الدُّنْيَا وَهُدُوءًا فِي الدُّنْيَا إِلَى الْعَقِيبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُوَ إِلَهٌ إِلَّا
اللَّهُ وَهُدُوءًا إِلَى صِرَاطِ الْحَيِّدِ ﴿۱۶﴾ أَيْ طَرِيقِ اللَّهِ الْمَحْمُودِ وَدِينِهِ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصْنَدُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
طَاعَتِهِ وَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ مُسَبِّحًا وَنُتَعَبَّدًا لِلنَّاسِ سَوَاءٌ الْعَاكِفُ الْمُقِيمُ فِيهِ وَالْبَاكِي
الطَّارِي وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَاقِمِ الْبَاءُ زَايِدَةٌ يُظْلَمُ أَيْ بِسَبَبِهِ بَآءٌ أَرْتَكِبُ مِنْهُمَا وَلَوْ شِئْنَا لَخَرَجْنَاهُ مِنْ
عَذَابِ النَّارِ ﴿۱۷﴾ مَوْلِمٌ أَيْ بَعْضُهُ وَمِنْ هَذَا يُؤْخَذُ خَبْرٌ أَنَّ أَيْ تُدْفِعُهُمْ مِنْ عَذَابِ النَّارِ

ترجمہ: اہل ایمان کے متعلق ارشاد ہے! بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو داخل کرے گا جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے (بہشت کے) ایسے باغوں میں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان کو وہاں سونے کے نگین اور موتی پہنائے جاویں گے (یعنی سونے اور موتی دونوں میں تیار کیے ہوئے ہاں طور موتی سونے کے نگین پر جڑے ہوئے ہوں گے یہ بحالت جبر کی صورت ہے اور اگر نصب کے ساتھ ہو تو اساور کے محل پر عطف ہے) اور پوشاک ان کی وہاں ریشم ہوگی (اور وہ دنیا میں مردوں پر حرام

ہے) اور راہ پائی انھوں نے (دنیا میں) کلمہ طیب کی (اور وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے) اور ان کو اس (خدا) کے راستہ کی ہدایت ہوگی
تھی جو لائق حمد ہے! (یعنی اللہ کے پسندیدہ راستہ اور اللہ کے دین کی!) بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے (اللہ کی
طاعت) اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جو ہم نے بنائی عبادت کی جگہ سب لوگوں کے واسطے برابر ہے، اس میں رہنے والا بھی اور
باہر سے (مسافر) آنے والا بھی اور جو کوئی اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کام کرنے کا ارادہ کریگا (مثلاً یہاں کوئی منوع کام
کریگا اگرچہ حرم کے خادم کو گالی ہی دے گا تو) ہم اس شخص کو عذاب دردناک چکھا دیں گے (یعنی عذاب کا بعض حصہ اور اس کا
قول نَذِقْہ سے ان کی خبر معلوم ہوگئی یعنی نَذِقْہ مِنْ عَذَابِ الْیَمِّ ۝ خبر ہے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: الْقَلِیْب: طیب ہر پاکیزہ نافع چیز کو کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس جگہ مراد کلمہ طیبہ ہے اور بعض نے قرآن مراد لیا ہے۔
قولہ: وَیَصْدُوْنَ: میں تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا عطف ماقبل پر ہے۔ عطف کرنے کی صورت
میں تین تاویلات کی گئی ہیں۔ کیونکہ معطوف علیہ ماضی ہے اور یہ مضارع ہے تو ایک تاویل تو یہ ہے کہ یہ صوۃ تو مضارع
ہے لیکن اس میں حال یا استقبال کا معنی نہیں ہے بلکہ استمرار کے معنی میں ہے۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ ماضی کے
معنی میں ہے۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ یہ مضارع کا صیغہ ہی ہے اور اس سے پہلے جو ماضی ہے وہ مستقبل کے معنی میں
ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ کفر داکے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے لیکن بظاہر یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ مضارع
ثبت پروا داخل نہیں ہوتا ہے۔ درآنحالیکہ یہاں واو داخل ہو رہا ہے۔ اور ان دو صورتوں میں خبر محذوف ہے۔
تیسری ترکیب کے مطابق واو یصدون میں زائد ہے۔ کوفیین کے خیال کے مطابق تقدیر عبارت یوں ہے۔ ان
الذین کفروا یصدون۔

قولہ: السَّجِدَ الْحَرَامَ: مسجد حرام سے مراد پورا رقبہ حرم ہے۔ ابوحنیفہ، امام مالک اور ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اور امام شافعی و
احمد اور ابو یوسف کے نزدیک صرف حصہ مسجد مراد ہے۔
قولہ: یَظْلِمُ: ظلم سے مراد شرک بھی لیا گیا ہے اور بِالْحَکَامِ میں بازائد ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کا انعام، جنت کا داخلہ ان کے کسنگنوں اور لباس کا تذکرہ:
یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل

کہے، یہ حضرات جنت کے باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کا لباس سونے کا ہوگا اور ان کو کنگنوں کا زیور بھی پہنایا جائے گا۔

ان کنگنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ سونے کے کنگن ہوں گے جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے، دنیا میں تو عورتیں ریشم پہنتی ہیں اور زیور پہنتی ہیں اور شرعاً مردوں کو ان کا پہننا ممنوع ہے لیکن جنت میں مرد بھی ریشم کے کپڑے پہنیں گے اور زیور می پہنیں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے اور ریشم کو میری امت ما عورتوں کے لیے حلال کیا گیا اور مردوں پر حرام قرار دیا گیا (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح) اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا (رواہ البخاری) یعنی وہاں اس نعمت سے محروم رہے گا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم چاہتے ہو تو ان کو دنیا میں مت پہننا۔ (رواہ النسائی کمالی مشکوٰۃ ص ۲۷۹)

اہل جنت کو کنگن پہننے کی حکمت:

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ کنگن ہاتھوں میں پہننا عورتوں کا کام اور انہیں کا زیور ہے۔ مردوں کے لئے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی یہ امتیازی شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن استعمال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور سفر ہجرت میں آپ کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب میں لکے تھے، جب ان کا گھوڑا باذن خداوندی زمین میں دھنس گیا اور اس نے توبہ کی تو آنحضرت ﷺ کی دعا سے گھوڑا نکل گیا اس وقت سراقہ بن مالک سے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن مال غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے وہ تمہیں دینے جائیں گے اور جب فاروق اعظم کے زمانے میں فارس کا ملک فتح ہوا اور ایران کے یہ کنگن دوسرے اموال غنیمت کے ساتھ آئے تو سراقہ بن مالک نے مطالبہ کیا اور ان کو دے دیے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے سر پر تاج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں، شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں اس لئے اہل جنت کو کنگن پہنائے جائیں گے۔ کنگن کے متعلق اس آیت میں اور سورہ فاطر میں تو یہ ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے اور سورہ دھر میں یہ کنگن چاندی کے بتلائے گئے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں تین طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک سونے کا، دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں کا جیسا کہ اس آیت میں موتیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ (قرطبی)

آیت مذکورہ میں ہے کہ اہل جنت کا لباس ریشم کا ہوگا مراد یہ ہے کہ ان کے تمام ملبوسات اور فرش اور پردے وغیرہ ریشم کے ہوں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ بہتر لباس سمجھا جاتا ہے اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا ہے ورنہ اس کی عمدگی اور بہتری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔

امام نسائی اور بزار اور بیہقی نے بسند جید حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کا ریشمی لباس جنت کے پھلوں میں سے لکے گا اور حضرت جابرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ایک درخت

ایسا ہوگا جس سے ریشم پیدا ہوگا اہل جنت کا لباس اسی سے تیار ہوگا۔ (معمری)
حدیث میں امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرة و من شرب الخمر فی الدنیا لم یشر بہا فی الآخرة و من شرب فی انیۃ الذهب و الفضة لم یشر بہا فی الآخرة ثم قال رسول اللہ ﷺ لباس اهل الجنة و شراب اهل الجنة و انیۃ اهل الجنة (از فرطی بحوالہ نسائی)

جو شخص ریشمی کپڑا دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا اور جو دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں (کھائے) پئے گا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لئے مخصوص ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں یہ کام کئے اور توبہ نہیں کی وہ جنت کی ان تین چیزوں سے محروم رہے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پیا، پھر اس سے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا (رواہ الائمہ قرطبی) نیز ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرة و ان دخل الجنة لبسہ اهل الجنة و لم یلبسہ ہو رواہ ابو داؤد الطیالسی فی مسنده و قال القرطبی اسنادہ صحیح۔

جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پہنے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے دوسرے اہل جنت ریشم پہنیں گے یہ نہیں پہن سکے گا۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص جنت میں داخل کر لیا گیا پھر اگر وہ کسی چیز سے محروم کیا گیا تو اس کو حسرت و افسوس رہے گا اور جنت اس کی جگہ نہیں۔ وہاں کسی شخص کو کسی کا غم و افسوس نہ ہونا چاہئے اور اگر یہ حسرت و افسوس نہ ہو تو پھر اس محرومی کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ اس کا جواب قرطبی نے اچھا دیا ہے کہ اہل جنت کے جس طرح مقامات اور درجات مختلف اور متفاوت اعلیٰ و ادنیٰ ہوں گے۔ ان کے تفاوت کا احساس بھی سب کو ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ شانہ اہل جنت کے قلوب ایسے بنا دے گا کہ ان میں حسرت و افسوس کسی چیز کا نہ رہے گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَهُدُوا إِلَى الْكَلْبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَ هُذً ۙ وَ إِلَى صِرَاطٍ الْحَيِّ ۖ ۝

یعنی جن کو دنیا میں اچھی بات یعنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی طرف رہبری کی گئی اس کو انہوں نے قبول کیا اللہ کی توحید کے قائل ہوئے اور اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے جن کے ذریعہ انہیں ہدایت ہوئی، اب انہیں اس کا یہ پھل ملے گا کہ جنت میں آرام سے نعمتوں میں رہیں گے وَ هُذً ۙ وَ إِلَى صِرَاطٍ الْحَيِّ ۖ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو تعریف کے لائق ہے اور سب تعریفیں اسی کو زیبا ہیں، دنیا میں جب اس کی راہ پر چلے آخرت میں اس کی طرف سے انعام پائیں گے وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کو محروم نہ فرمائے گا۔

مسجد حرام حاضر اور مسافر سب کیلئے برابر ہے، اس میں الحاد کرنا عذاب الیم کا سبب ہے:

(ابط) اوپر کی آیتوں میں فریق کفار کی خصوصیت اور جدال اور اضلال کا ذکر تھا کہ کفار مکہ اہل اسلام کی عداوت اور خصوصیت پر تلے ہوئے ہیں اب ان آیات میں ان کی دوسری قسم کی خصوصیت اور جدال کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں اور ان کو حج اور عمرہ کے ارکان ادا کرنے نہیں دیتے، حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اس بیت حرام یعنی خانہ کعبہ کے اولیاء یعنی متولی ہم ہیں۔ کما قال تعالیٰ: **إِنْ أُولَئِیَاؤُاْ إِلَّا الْمُتَّفِقُونَ**۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور مشرک تو کبھی بھی اس کے متولی نہ تھے اس کے اولیاء یعنی متولی تو فقط متقی لوگ ہیں پس اس مناسبت سے آئندہ آیات میں مسجد حرام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مقدس مقام کی فضیلت اور ان ایام کی برکت اور حج اور عمرہ اور قربانی کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں کہ یہ مقدس عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آ رہی ہے مگر کفار قریش اس عبادت میں مانع اور مزاحم ہیں اور اپنے افعال شرکیہ سے باز نہیں آتے حالانکہ خانہ کعبہ کی بنیاد ہی خالص توحید پر رکھی گئی ہے کہ اس گھر میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے اور رسوم شرکیہ سے اس گھر کو پاک رکھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور اسلام اور اہل اسلام کی عداوت اور خصوصیت پر اس درجے تلے ہوئے ہیں کہ وہ فقط اپنے کفر اور شرک اور اپنی گمراہی پر قانع نہیں بلکہ شدت اختصام اور جذبہ انتقام کی بناء پر اہل اسلام کی ہدایت میں مزاحم بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے یعنی دین اسلام اور طریق حق سے اور مسجد حرام کی زیادت اور حاضری سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں جا کر کوئی خالص اللہ کی عبادت نہ کر سکے اور اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ ہم نے سب لوگوں کے لیے اس کو قبلہ اور معبد بنایا ہے کہ اس میں مقیم یعنی مکہ کا متوطن اور باشندہ اور باہر سے آنے والا برابر ہے مقیم اور مسافر اور شہری اور پردیسی سب کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں ہر ایک وہاں جا کر عبادت کر سکتا ہے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں اس میں سب کا حق مساوی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسجد حرام کے بارے میں شہری اور بیرونی کو برابر قرار دیا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مساوات اور برابری مراد ہے۔

سواء العاکف میں اقوال:

قول اول: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں آ کر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم: اور ابن عباسؓ اور صحابہؓ و تابعینؓ کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سرزمین حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور سواء العاکف فیہ والباد۔ میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارے میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی

زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایا لینا جائز نہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک دلیل تو یہ آیت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الاآثار میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے عبد اللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اس کا ثمن کھانا حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علاقہ تابعی رحمہ اللہ سے مرسل مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابو بکرؓ نے وفات پائی اور عمرؓ نے وفات پائی اور نہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر ”سوانب“ جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور سوانب کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنیؓ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوانب کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔

(دیکھو تفسیر طبری ص ۳۲ ج ۱۲ تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۴ ج ۲)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع و شراء کا اور اپنے مکانات کا کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند جہتیں قائم فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَمِنُوا بِكُمْ** (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت ان کی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھرانے کے مملوک تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

(۳) صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ ہے کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو عقل اس وقت کفر پر تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اسلام پر تھے تو ابوطالب کی میراث عقل کو پہنچی کیونکہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ میراث اسی چیز میں جاری ہوتی ہے جس کا میت مالک ہو

(۴) حضرت عمرؓ نے مکہ میں قید خانہ کے لیے ایک مکان خرید فرمایا اور صحابہؓ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ غیر مالک ہی مالک سے خرید کر کرتا ہے تاکہ مالک بن جائے۔

لیکن ان دلائل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیار کی نسبت سے یہ لازم نہیں کہ یہ اضافت ملک ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اضافت باعتبار سکونت اور عمارت کے ہو کہ وہ عمارت تو بہر حال ان ہی کی ملک تھی۔ علاوہ ازیں زمانہ اسلام سے پہلے ان مکانات کو اپنی املاک جانتے تھے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانات کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ بیوت مکہ کی عمارت فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن زمین سمیت عمارت کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زمین کے فروخت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ مکہ کی زمینوں کی

بیچ اور مکانات کا کرایہ جائز ہے اور کتب قنادی میں یہ بھی آیا ہے کہ اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔ دیکھو روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۱۷ اور جہیل کے لیے ہدایہ کی کتاب انکرہیہ دیکھیں اور مزید تفصیل کے لیے شرح ہدایہ اور شروح بخاری دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ مسجد حرام کی یہ شان ہے اور اس درجہ اس کا احترام واجب ہے اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے تو جو شخص مسجد حرام میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کج روی اور راہ حق سے عدول اور انحراف کا ارادہ بھی کرے تو ایسے ظالم کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ ”الحاد“ سے دین سے عدول اور انحراف اور مسجد حرام کی بے حرمتی مراد ہے اور ظلم کے معنی زیادتی اور سنگاری کے ہیں یہاں بظلم سے عہد اور قصد اور دیدہ دانستہ حرم میں الحاد کا ارادہ کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حرم محترم میں الحاد اور بے دینی کا ارادہ سخت ترین اور شدید ترین جرم ہے جو اس پاک مقام میں الحاد کا ارادہ کرے اگرچہ اس کو نہ کرے تو اس پر دردناک عذاب ہوگا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حرم محترم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور حد و حرم سے باہر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک محض ارادہ اور خیال پر وہ عذاب کا مستحق نہیں ہوتا

ان آیات میں مسجد حرام سے روکنے کو ظلم قرار دیا اور حرام میں الحاد اور بے دینی کے ارادہ پر وعید فرمائی۔

اب آئندہ آیات میں اس مقام محترم میں ظلم عظیم یعنی شرک کرنے پر وعید اور تہدید فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس محترم مقام کی ابتداء اور بنیادی توحید اور خالص اللہ کی عبادت سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کی جگہ ابراہیم کے لئے اس جگہ کعبہ بناؤ اور یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے اس گھر کو کفر اور شرک کی نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے اور نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ اللہ کا گھر تیار ہو گیا اور اس کا حج فرض ہے ابراہیم علیہا السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز لوگوں کو کیسے پہنچے گی۔ حکم ہوا کہ تمہارے ذمہ صرف پکار دینا ہے۔ پہنچانا ہمارا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام جبل البقیس پر کھڑے ہوئے اور پکارا اے لوگو! تمہارے پروردگار نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر اس کی زیارت فرض کی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ آواز تمام اقطار زمین تک پہنچ گئی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں نے اس آواز کو سنا جس کے مقدر میں اللہ نے حج لکھ دیا تھا اس نے لبیک کہا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے لوگو! تم پر اللہ نے اپنی گھر کا حج فرض کیا ہے پس تمہارے اس اعلان کے بعد لوگ آئیں گے تیرے پاس یا پیادہ اور بعض سوار ہو کر دبلے دبلے اور کمزور اونٹوں پر۔ چلی آئیں گی یہ سوار یاں ہر دور دراز راہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے مکہ جانا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا ہے اور ان کی زیارت کرنا ہے اور وہ لوگ اس لیے آئیں گے تاکہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدوں پر حاضر ہوں اور وہاں پہنچ کر دنیا و آخرت کے منافع حاصل کریں، دنیا کی تجارت بھی کریں اور آخرت کی بھی تجارت کریں اور منافع حاصل کریں اور اس لیے آویں تاکہ مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان میں یعنی اونٹ اور گائے اور بکری اور بھیڑ پر ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں ”ایام معلومات“ سے بعض مفسرین علیہ السلام کے نزدیک عشرہ ذی الحج مراد ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایام غری یعنی ایام قربانی مراد ہیں۔ دسویں اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحج مراد ہے۔ کفار

بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اللہ نے حکم دیا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لو پھر اس قربانی کے گوشت سے تم خود بھی کھاؤ اور عاجز اور در ماندہ فقیر کو بھی اس میں سے کھلاؤ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا اور کھانا مستحب ہے واجب نہیں اور اعلیٰ ہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ اس میں سے فقیر ہی کو کھلائے بلکہ ٹی کو بھی کھانا جائز ہے پھر قربانی کے بعد اپنے بدن کا میل کچیل دور کریں یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر کے بال منڈوائیں اور ناخن ترشوائیں اور بغلوں کے بال صاف کرائیں اور مونچھیں کرائیں اس کے لئے دسویں ذی الحج مقرر ہے۔ ہدی ذبح کرنے کے بعد ان میلوں کو دور کریں اور احرام سے باہر ہو جائیں اور اپنی نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو نیتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذر سے مناسک حج اور نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو نیتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذر سے مناسک حج اور واجبات حج مراد ہے جب سے احرام شروع ہوا تھا اور لیک الہم لیک کہا تھا اس وقت سے بالوں کا کتوانا اور ناخنوں کا ترشوانا ممنوع ہو گیا تھا۔ اس مدت میں بدن پر میل کچیل چڑھ گیا تھا۔ جب دسویں تاریخ ذی الحج قربانی کر کے احرام ختم ہوا تو حکم ہوا کہ اب حجامت بنواؤ اور بدن کا میل کچیل دور کرو۔ اور غسل کرو اور خوشبو لگاؤ اور اپنی نیتیں پوری کرو اور پھر قربانی کے بعد انہی ایام معلومات میں اس قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ اس طواف کو طواف زیارت اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں جو فرض ہے اور رمی جمار اور قربانی اور حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

(تفسیر معارف القرآن، اور یس کا مدلولی)

وَ اذْكُرْ اِذْ بَوَّأْنَا لِبَنِي اِسْرٰٓءٰلَآءَ اِلٰٓءَٰهِيْهِمْ مَّكَانَ الْبَيْتِ لِيُخْبِرُوْكَ بِهِ وَ كَانَ قَدْ رَفَعَ رَمَضُ الطُّوْفَانِ وَ اَمْرًا نَّاهُ اَنْ لَا تُشْرِكَ
بِىْ شَيْئًا وَ طَهَّرُ بَيْتِىْ مِنَ الْاَوْثَانِ لِلظَّالِمِيْنَ وَ الْقَٰلِبِيْنَ الْمُقِيْمِيْنَ بِهٖ وَ الْوُكُوعِ السُّجُوْدِ ۝ جَمْعُ رَاكِعٍ
وَ سَاجِدٍ اِىُّ الْمُصَلِّيْنَ وَ اَذُنٌ نَادٍ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ فَنَادٰى عَلٰى جَبَلٍ اَيْنِىْ قُبَيْسٍ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ
بَنٰى بَيْتًا وَ اَوْجَبَ عَلَيْكُمْ الْحَجَّ اِلَيْهِ فَاَجِيبُوْا رَبَّكُمْ وَ التَّفَتْ بِوَجْهِهِ بَيْمِنًا وَ شِمَالًا وَ شَرْقًا وَ غَرْبًا فَاجَابَهُ
كُلُّ مَنْ كُتِبَ لَهُ اَنْ يَّحُجَّ مِنْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَ اَرْحَامِ الْاُمَمَاتِ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَ جَوَابُ الْاَمْرِ يٰٓاَتُوْكَ
رِجَالًا مَّشَاةً جَمْعُ رَاجِلٍ كَقَائِمٍ وَ قِيَامٍ وَ رُكْبَانًا عَلٰى كُلِّ صَامِرٍ اِىُّ بَعِيْرٍ مَّهْزُوْلٍ وَ هُوَ يَطْلُقُ عَلٰى الذَّكَرِ
وَ الْاُنْثٰى يٰٓاَتِيْنَ اِىُّ الصَّوَامِرِ حَمَلًا عَلٰى الْمَعْنٰى مِنْ كُلِّ قَبِيْلٍ عَمِيْقٍ ۝ طَرِيْقٍ بَعِيْدٍ لِّيَشْهَدُوْا اِىُّ
يَحْضُرُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا بِالتِّجَارَةِ اَوْ فِى الْاٰخِرَةِ اَوْ فِيْهِمَا اَقْوَالٌ وَ يَذْكُرُوْا اَسْمَ اللّٰهِ فِى اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَةٍ
اِىُّ عَشْرِ ذِى الْحِجَّةِ اَوْ يَوْمِ عَرَفَةَ اَوْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلٰى اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ اَقْوَالٌ عَلٰى مَا رَدَّ قَهُمْ مِنْ بَهِيْسَةِ
الْاَنْعَامِ ۝ الْاِبِلَ وَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ الَّتِى تُشْحَرُ فِى يَوْمِ الْعِيْدِ وَ مَا بَعْدَهُ مِنَ الْهَدَايَا وَ الصَّحَابِيَا لِكُلِّ وَاٰمِنَهَا اِذَا كَانَتْ

مُسْتَحِنَةً وَأَطْعَمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ آيَ الشَّدِيدِ الْقُفْرِ ثُمَّ لِيُقْضَىٰ لَهُمْ أَتَىٰ يُزِيلُوا أَوْ سَاخَهُمْ وَشَعْنَهُمْ
 كَطُلُّ الظُّفْرِ وَلَيُوقُوا بِالْتَّخْفِيفِ وَالشَّدِيدِ نَذْرَهُمْ مِنَ الْهَذَا يَا وَالصَّحَايَا وَلَيَطْلُوْنَ طَوَافَ الْإِفَاضَةِ
 بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ آيَ الْقَدِيمِ لِأَنَّهُ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ ذَلِكَ خَيْرٌ مُّبْتَدَأٍ مُّقَدَّرِ آيَ الْأَمْرِ أَوِ الشَّانِ ذَلِكَ
 الْمَذْكُورُ وَمَنْ يُعْظَمَ حُرْمَتُ اللَّهِ هِيَ مَا لَا يَحِلُّ انْتِهَاكَ لَهُوَ آيَ تَعْظِيمِهَا خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ فِي
 الْآخِرَةِ وَأَجَلَتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ أَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ إِلَّا مَا يَمِثُّ عَلَيْكُمْ تَحْرِيمُهُ فِي حُرْمَتِ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةِ الْأَيَّةُ
 فَلَا شَيْئَاءَ مُنْقَطِعٍ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهِ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ
 الْأَوْتَانِ مِنْ لِبْيَانِ آيَ الَّذِينَ هُوَ الْأَوْتَانُ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ آيَ الشِّرْكِ فِي تَلْبِيسِهِمْ أَوْ شَهَادَةِ الزُّورِ
 حَقَّاقًا لِلَّهِ مُسْلِمِينَ عَادِلِينَ عَنْ كُلِّ سَوَىٰ دِينِهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ تَاكِدًا لِمَا قَبْلَهُ وَهُمَا خَالَانِ مِنَ الْوَاوِ
 وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ سَقَطَ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخَفَفَ الظُّفِيرُ آيَ تَاخُذُهُ بِسُرْعَةٍ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ آيَ
 تَسْقُطُهُ فِي مَكَانٍ سَجِيحٍ ۝ بَعِيدِ آيَ فَهُوَ لَا يَزِجُ خِلَاصُهُ ذَلِكَ يَقْدَرُ قَبْلَهُ الْأَمْرُ مُبْتَدَأٌ وَمَنْ يُعْظَمَ شَعَائِرُ
 اللَّهِ فَإِنَّهَا آيَ فَإِنَّ تَعْظِيمَهَا وَهِيَ الْبَدَنُ النَّبِيُّ تَهْدَىٰ لِلْحَرَمِ بَانَ تُشْتَحَسَنُ تُشْتَسَمَنُ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝
 بِنُفُوسِهِمْ وَشَعَائِرُ لَا شُعَارِهَا بِمَا يُعْرَفُ بِهِ إِنَّهَا هَدَىٰ كَطَعْنِ حَدِيدَةٍ بِسِنَامِهَا لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ
 كَرُكُوبِهَا وَالْحُمْلُ عَلَيْهَا مَا لَا يَصُرُّهَا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَقَتَّ نَحْرَهَا ثُمَّ مَحَلُّهَا آيَ مَكَانٍ خَلَّ نَحْرَهَا
 إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ آيَ عِنْدَهُ وَالْمَرَادُ الْحَرَمُ جَمِيعُهُ

ترجمہ: اور (اس قصہ کا تذکرہ کیجئے) جب کہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی (تاکہ اس کی تعمیر کریں؟ جو طوفانِ نوح
 کی وقت وہ اٹھالیا گیا تھا اور ہم نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے
 والوں کے اور (نماز میں) قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے (بتوں سے) پاک رکھنا رکھے جمعِ رجب کی اور بوجد جمع ہے
 ساجد کی اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو (چنانچہ حضرت ابراہیم نے جبلِ ابی قیس پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا اے لوگوں! بیشک
 تمہارے رب نے ایک مکان تعمیر کیا ہے اور تم لوگوں پر اس کی جانب حج کا وجوب فرمایا لہذا تم لوگ اپنے رب کے حکم کو قبول کرو
 اور حضرت ابراہیم نے داہنی اور بائیں اور مشرق و مغرب ہر چہار جانب متوجہ ہو کر یہ اعلان فرمایا تو جس شخص کے حق میں حج کرنا
 مقدور فرمایا اور لکھ دیا گیا تھا اس نے باپ کی صلب اور ماؤں کے رحم سے جواب دیا اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ جواب یہ کلام ہے) لوگ

تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی (رجالا اجل کی جمع پیدل چلنا جیسے قائم اور قیام) اور اونٹنیوں پر بھی (سوار ہو کر ضامر سبے اونٹ اور اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر آتا ہے) جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ضامر کی صفت یا تین باجمع لائے حالانکہ وہ مفرد ہے لہذا معنی میں الضوامیر کے ہے کیونکہ وہ بکثرت ہوں گی) تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر (دنیا میں تجارت اور یا آخرت میں ثواب کا یا دنیا اور آخرت دونوں کا منافع مراد ہے کہ اس میں یہ اقوال ہیں) اور تاکہ ایام مقررہ (عشرہ ذی الحجہ یا یوم عرفہ یا یوم نحر ایام تشریق کے اختتام تک یہ اقوال مختلف ہیں) میں ان مخصوص چوپاؤں (اونٹ گائیں، بھینس، بکرا کہ جو عید قربان میں ذبح ہوتے ہیں اور اس کے بعد یعنی ہدی اور قربانی کے جانور) پر اللہ کا نام لیں جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کئے ہیں ان (قربانی کے مستحبہ جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو بھی)۔ پھر (قربانی کے بعد) لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (جیسے بالوں کی پراگندگی اور ناخونوں کا بڑھنا وغیرہ اور پوری کر دیں اپنی متیں یوفو تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ (ہدی اور قربانی وغیرہ) اور طواف کریں اس قدیم گھر کا) (کیونکہ یہ سب سے پہلے گھر ہے جو بنایا گیا یہ بات ہو چکی) (ذکر خبر اور مبتداء محذوف الامر یا الشان ہے یہ مذکورہ بات اور بیان تو سن چکے ہو) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا (وہ امور کے جن کی بے حرمتی کرنا حلال نہیں) سو یہ (ان تعظیم کرنا) اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے (آخرت میں) اور ان مخصوص چوپاؤں کو باستثنائی ان بعض احکام کے جو تم (اس آیت اور حرمت علیکم الخ میں) پڑھ سنا دیئے گئے ہیں ان کے سوا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے (پس یہ استثناء منقطع ہے اور متصل ہونا بھی ممکن ہے اور حرمت موت کی وجہ سے ہوئی یا کسی اور سبب سے تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو (من برائے بیان ہے یعنی وہ گندگی بت ہیں) اور جھوٹی بات (یعنی اپنے تلبیہ کے شرک سے یا جھوٹی گواہی) سے بچتے ہو۔ اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو (اطاعت شعائر بکر اللہ کے دین کے علاوہ ہر چیز سے عدول کرتے بے رخی کرتے ہوئے) اسکے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ (ما قبل کے مضمون کی تاکید ہے اور یہ دونوں داؤسے حال میں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں (یعنی تیزی کے ساتھ اس کو دبوچ لیا) یا اسکو ہوانے کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹک دیا (یعنی اب اس کو نجات کی کوئی امید نہ ہوگی) یہ بات بھی ہو چکی) (ذلک سے قبل الامر مبتداء محذوف ہے) اور جو شخص دین خداوندی کے ان مذکورہ یا دگروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اس کا یہ لحاظ یہ رکھنا دل کے ساتھ خدا سے ڈرنے سے حاصل ہوتا ہے (اس مقام پر شعائر الہی سے مخصوص طور پر وہ اونٹ کے ہدایا مراد ہیں جو حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ان کی تعظیم یہ ہے کہ وہ جانور بہت عمدہ اور فریبہ ہوں اور ان کو شعائر کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کوئی علامت اس طرح کی جاتی ہے مثلاً اونٹ کی کوہان میں نیزہ ماروینا کہ اس سے یہ شناخت ہو جاتی ہے کہ یہ ہدی کے جانور ہیں) تم کو ان سے ایک معین وقت (وقت ذبح) تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے (جیسے ان پر سوار ہونا اور ان پر وہ بوجھ لادنا کہ ان کو اس سے ضرر نہ پہنچے) پھر ان (ہدی کے جانوروں کے) ذبح حلال ہونے کا مقام بیت عتیق کے قریب ہے (اور مراد اس سے تمام حرم ہے) (۱)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: وَأَمْرًا: ان مفسرہ ہے اِذْ بَوَّأْنَا یہ امرنا کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: الْمُصَلِّينَ: ارکان سے نماز کی تعبیر فرمائی۔

قوله: الضَّوَامِرُ: ضامر کل کے داخل ہونے کی وجہ سے معنی کے لحاظ سے جمع بن گیا۔

قوله: طَرِيقٍ بَعِيدٍ: اور گہری وادیاں فج کی یہ تفسیر عمدہ ہے۔

قوله: عَشْرَ ذِي الْحِجَّةِ: یہ اس صورت میں ہے جبکہ الذکر کی تفسیر ہدایا کو اشعار کرنے سے کی جائے۔

قوله: أَوْ يَوْمِ عَرَفَةَ: یہ اس وقت الذکر سے مراد قربانی کے جانور تیار کرنے کا وقت لیا جائے۔

قوله: إِخْرَ آيَاتِ التَّشْرِيقِ: جبکہ ذکر سے ذبح کی تکمیل مراد لی جائے۔

قوله: الْإِبِلَ وَالْبَقَرِ: فعل ذکر کو مرزوق سے معلق کر کے پھر بہیمہ سے اس کی وضاحت کی تاکہ مقتضی ذکر پر خبردار کر دیا جائے کہ وہ تقرب الی اللہ ہے۔

قوله: أَطْعَمُوا: یہ امر عند الشافی وجوب کے لئے باقی کے ہاں واجب سے سوائے جمع و قرآن کے کھانا درست نہیں۔

قوله: يَزِيلُوا أَوْ سَاخَهُمْ: وسخ عموماً میل کو کہا گیا ہے۔

قوله: الْهَذَابَا: مذور کی قربانیاں مراد ہیں۔

قوله: ذَلِكَ: یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے الامر ذلک۔

قوله: حُرْمَتِ: اس مراد وہ سب ہیں جو حلال نہیں فقط حج وغیرہ سے متعلق مراد نہیں۔

قوله: خَيْرٌ لَهُ: یعنی باعث ثواب۔

قوله: أَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ: مضاف کو حذف کیا کیونکہ حلت و حرمت افعال میں ذبح کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

قوله: إِلَّا مَا يُثْلَى: یہ استثناء منقطع ہے متصل بھی ہو سکتا ہے۔

قوله: مِنَ الْأَوْثَانِ: بتوں کو جس قرار دے کر ان کی تعظیم سے مبالغہ مبانت کر دی۔

قوله: فَكَانَ أَحْزَرَ: کیونکہ وہ ایمان کی بلندی سے گرا ہے۔

قوله: الظَّيْرُ: اس کی سوچ ختم ہو گئی اور یہ اونچیر کے لئے ہے جیسے او کصیب۔

قوله: فِي مَكَانٍ سَجِيْقٍ: شیطان نے اس کو گمراہی میں پھینک دیا۔

قوله: فَإِنَّ تَقْوَى الْقُلُوبِ: اس میں مضاف محذوف ہے۔

قوله: مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ: اس میں کئی مضاف محذوف ہیں ای من افعال ذوی تقوی القلوب۔ یہ متقی دل والوں کے افعال سے ہے۔

قوله: وَشَقِيقَتُ شَعَائِرَ: یہ شعیرہ کی جمع ہے۔ وہ شعور بمعنی علم ہے۔

قوله: مَكَانٍ: الجمل یہ ظرف مکان ہے مصدر نہیں۔

قوله: إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ: الی یہ عند کے معنی میں ہے اور البیت سے مراد تمام حرم ہے۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ

مسجد حرام کی اولین بنیاد توحید:

یہاں شرکین کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ گھر جس کی بنیاد اول دن سے اللہ کی توحید پر رکھی گئی ہے تم نے اس میں شرک جاری کر دیا۔ اس گھر کے بانی خلیل اللہ علیہ السلام ہیں سب سے پہلے آپ نے ہی اسے بنایا۔ آنحضور ﷺ سے ابوذرؓ نے سوال کیا کہ حضور ﷺ سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے کہا پھر؟ فرمایا بیت المقدس۔ میں نے کہا ان دونوں کے درمیان کس قدر مدت کا فاصلہ ہے؟ فرمایا چالیس سال کا۔ اللہ کا فرمان ہے: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۵﴾ (آل عمران) دو آیتوں تک۔ اور آیت میں ہے ہم نے ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ کر لیا کہ میرے گھر کو پاک رکھنا الخ بیت اللہ شریف کی بنا کا کل ذکر ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں فرمایا اسے صرف میرے نام پر بنا اور اسے پاک رکھ یعنی شرک وغیرہ سے اور اسے خاص کر دے ان کے لئے جو موحد ہیں۔ طواف وہ عبادت ہے جو ساری زمین پر بجز بیت اللہ کے میسر ہی نہیں ناجائز ہے۔ پھر طواف کے ساتھ نماز کو ملایا قیام، رکوع، سجدے، کا ذکر فرمایا اس لئے کہ جس طرح طواف اس کے ساتھ مخصوص ہے نماز کا قبلہ بھی یہی ہے ہاں اس کی حالت میں کہ انسان کو معلوم نہ ہو یا جہاد میں ہو یا سفر میں ہو نفل نماز پڑھ رہا ہو تو بیشک قبلہ کی طرف منہ نہ ہونے کی حالت میں بھی نماز ہو جائے گی واللہ اعلم۔ اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔ مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمہ صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے۔ آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر ابوقیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔ پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔ یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ ہر پتھر درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا با آواز لیک پکارا۔ بہت سے سلف سے یہ منقول ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سوار یوں پر سوار بھی آئیں گے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا۔ تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدر دانی کی گئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں میری یہ تمنا رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔ اس لئے کہ فرمان الہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔ لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ

رسول اللہ ﷺ نے باوجود کمال قدرت و قوت کے پایادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور ﷺ کی پوری اقتدا ہے پھر فرمایا دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے خلیل اللہ ﷺ کی دعا بھی یہی تھی کہ (فاجعل افئدة من الناس نحوى البہم) لوگوں کے دلوں کو اے اللہ تو ان کی طرف متوجہ کر دے۔ آج دیکھ لو وہ کونسا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا شائق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنا نہیں تڑپ نہ رہی ہوں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے، آمین ثم آمین)

وَ اَذِّنْ لِلنَّاسِ بِالْحَجِّ يَا تُؤْكِرُ رِجَالًا وَّ عَلَىٰ كُلِّ مَضَامِيرٍ يَأْتِيْنِ مِنْ كُلِّ قَبِيْعٍ حَمِيْمِي ۝

پھر فرمایا: وَ اَذِّنْ لِلنَّاسِ بِالْحَجِّ يَا تُؤْكِرُ رِجَالًا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ ملا کر کعبہ شریف کی تعمیر پوری کر لی تو اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو یعنی پکارو کہ حج کے لیے چلے آؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں لوگوں میں اس بات کا کیسے اعلان کروں حالانکہ میری آواز نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تم پکارو آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ مفاہر اور ایک قول کے مطابق جبل ابوقیس پر کھڑے ہو کر انہوں نے یوں آواز دے دی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّنَا قَدْ اخْتَارَ بَيْنَنَا كَهْنُؤُهُ (اے لوگو! تعین ہاتھ ہمارے رب نے ایک گھر بنایا ہے لہذا تم اس کا حج کرو) ان کے اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام گوشوں میں پہنچا دیا اور ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج کرنا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنوادی حتیٰ کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جو ماؤں کے رحموں میں تھے اور باپوں کی پشتوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت ابراہیم کی آواز پہنچا دی۔ اور جس جس کے لیے قیامت تک حج کرنا مقرر اور مقدر تھا ان سب نے اسی وقت لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ پڑھ لیا، حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح منقول ہے۔ گزشتہ زمانہ میں تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص کی آواز بیک وقت پورے عالم میں کیسے پہنچی ہوگی؟ لیکن اب تو جدید آلات نے سب پر واضح کر دیا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، ایک شخص ایشیا میں بولتا ہے تو اسی وقت اس کی آواز امریکہ میں سنی جاتی ہے اور امریکہ میں بولتا ہے تو ایشیا والے گھروں میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم حج کی دعوت دے دو گے تو تمہاری اس دعوت پر آواز سننے والے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سفر کر کے دور دراز راستوں سے حج کے لیے چلے آئیں گے اس مضمون کو يَا تُؤْكِرُ رِجَالًا وَّ عَلَىٰ كُلِّ مَضَامِيرٍ میں بیان فرمایا ہے، مَضَامِير سے دہلی اونٹنیاں مراد ہیں کیونکہ اس کی صفت میں يَأْتِيْنِ جَمْعِ مَوْتِ غَائِبِ لایا گیا ہے، عرب کے لوگ تیز رفتاری کی ضرورت سے گھوڑوں کو اور اونٹوں کو کم کھلاتے تھے کیونکہ موٹے ہوں گے تو بوجھل ہونے کی وجہ سے چل نہ سکیں گے، ایسے جانوروں کو ضامر کہا جاتا ہے۔

لَبَّيْكُمْ هَذَا وَمَتَاعٌ لِّكُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ

حج کی دنیوی برکات و منافع کا ذکر: سو حج کی دنیاوی برکات و منافع کے ذکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ یہ سب جاضر اللہ اپنے طرح طرح کے فائدوں کیلئے جو کہ دنیوی بھی ہیں اور اخروی بھی۔ دنیوی یہ کہ اس میں طرح طرح کی تجارت کے بڑے مواقع ہوتے ہیں جو کہ بالا جماع جائز ہے۔ جبکہ تجارت کو مقصود اصلی نہ بنایا جائے۔ بلکہ یہ اس لحاظ سے مستحسن بھی ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اس میں مسلمانوں کی اقتصادی قوت کے حصول کے

مواقع بھی ہیں۔ نیز اس میں دنیا بھر سے آئے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے ان سے متعارف ہونے اور ان کے کلمہ ورد سننے اور احوال جاننے کا موقع ملتا ہے۔ نیز قربانیوں کے گوشت کھانے کھلانے اور اس طرح ثواب کمائے کا موقع بھی ملتا ہے۔ اور حج کی اس عظیم الشان عبادت سے بہرہ ور ہونے کی سعادت نصیب ہوتی ہے جو کہ بدنی اور مالی دونوں عبادتوں اور انسان کی برکات کی جامع عبادت ہے اور اخروی فوائد یہ کہ اپنے گناہوں کی بخشش اور رب کی رضا مندی نصیب ہوتی ہے جو کہ سب سے بڑا حقیقی اور اصلی مقصد ہے کہ انسان گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُؤْتُوا أُذُنَهُمْ وَلِيَتَكَلَّمُوا بِالبَيِّنَاتِ الْعَلِيَّةِ ۝

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ، تفت کے لغوی معنی میل کچیل کے ہیں جو انسان کے بدن پر جمع ہو جاتا ہے حالت احرام میں چونکہ بالوں کا مونڈنا، کاٹنا، نوچنا اسی طرح ناخن تراشنا، خوشبو لگانا یہ سب چیزیں حرام ہوتی ہیں تو ان کے نیچے میل کچیل جمع ہونا طبعی امر ہے اس آیت میں یہ فرمایا کہ جب حج میں قربانی سے فارغ ہو جاؤ تو اس میل کچیل کو دور کرو مطلب یہ ہے کہ اب احرام کھول ڈالو اور سر منڈالو ناخن تراشو۔ زیر ناف کے بال صاف کرلو۔ آیت مذکورہ میں پہلے قربانی کرنے کا ذکر آیا اس کے بعد احرام کھانے کا اس سے استفادہ ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے کام کرنا چاہئے قربانی سے پہلے حلق کرنا یا ناخن کاٹنا وغیرہ ممنوع ہے اور جو ایسا کرے گا اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

افعال حج میں ترتیب کا درجہ:

جو ترتیب افعال حج کی قرآن و حدیث میں آئی اور فقہاء نے اس کو منضبط کیا اسی ترتیب سے افعال حج ادا کرنا باتفاق امت کم از کم سنت ضرور ہے واجب ہونے میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے ایک دم جنایت لازم ہوتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سنت ہے اس لئے اس کے خلاف کرنے سے ثواب میں کمی آتی ہے مگر دم لازم نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے: ((من قدم بشيئاً من نسكه او اخره فليهرق دمًا رواه ابن ابی شیبہ موفوفا و هو في حكم المرفوع)) (منظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی کو مقدم یا موخر کر دیا اس پر لازم ہے کہ ایک دم دے۔ یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل کی ہے اور حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، غنی، حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ خلاف ترتیب کرنے والے پر دم لازم کرتے ہیں۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ اس مسئلہ کی پوری تفصیل و تحقیق مذکور ہے۔ نیز دوسرے مسائل حج بھی مفصل لکھے ہیں۔

وَلِيُؤْتُوا أُذُنَهُمْ، نذور، نذر کی جمع ہے جس کو اردو میں منت کہا جاتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام شرعاً کسی شخص پر لازم، واجب نہیں تھا اگر وہ زبان سے یہ نذر کر لے اور منت مان لے کہ میں یہ کام کروں گا یا اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ فلاں کام کروں تو یہ نذر ہو جاتی ہے۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اصل سے واجب نہیں تھا مگر اس کے واجب ہو جانے کے لئے یہ شرط تو باتفاق امت ہے کہ وہ کام شرعاً گناہ اور ناجائز نہ ہو۔ اگر کسی شخص نے گناہ کے کام کی نذر مان لی تو اس پر وہ گناہ کرنا اس سے لازم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ اس کے خلاف کرنا واجب ہے البتہ اس پر کفارہ قسم لازم ہو جائے

کا۔ اور ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ فقہاء کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ وہ کام ایسا ہو جس کی جنس میں کوئی عبادت مقصودہ شرعیہ پائی جاتی ہو جیسے نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ کہ ان کی جنس میں کچھ شرعی واجبات اور عبادات مقصودہ ہیں۔ تو اگر کوئی شخص نفل نماز روزے صدقہ وغیرہ کی نذر مان لے تو وہ نفل اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم و واجب ہے۔ آیت مذکورہ سے یہی حکم ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں نذر کے ایفاء یعنی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسئلہ: یہ یاد رہے کہ صرف دل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرنے سے نذر نہیں ہوتی جب تک زبان سے الفاظ نذر ادا نہ کرے۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ نذر اور منت کے احکام و مسائل بڑی تفصیل سے جمع کر دیئے ہیں جو اپنی جگہ بہت اہم ہیں مگر یہاں ان کی گنجائش نہیں۔

ایک سوال اور جواب:

اس آیت سے پہلے بھی اعمال حج قربانی اور احرام کھولنے وغیرہ کا ذکر ہوا ہے اور آگے بھی طواف زیارت کا بیان ہے درمیان میں ایفاء نذر کا ذکر کس مناسبت سے ہوا جبکہ ایفاء نذر ایک مستقل حکم ہے حج میں ہو یا حج کے بغیر اور حرم شریف میں ہو یا باہر کسی ملک میں۔

جواب یہ ہے کہ اگرچہ ایفاء نذر ایک مستقل حکم شرعی ہے ایام حج اور افعال حج یا حرم کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن اس کا ذکر یہاں افعال حج کے ضمن میں شاید اس وجہ سے ہے کہ انسان جب حج کے لئے نکلتا ہے تو دل کا داعیہ ہوتا ہے کہ اس سفر میں زیادہ سے زیادہ نیک کام اور عبادات ادا کرے اس میں بہت سی چیزوں کی نذر بھی کر لیتا ہے خصوصاً جانوروں کی قربانی کی نذر کرنے کا تو عام رواج ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہاں نذر سے مراد قربانی ہی کی نذر قرار دی ہے۔ اور ایک مناسبت نذر کی احکام حج سے یہ بھی ہے کہ جس طرح نذر اور قسم سے انسان پر بہت سی چیزیں جو اصل شرع کی رو سے واجب نہیں تھیں واجب ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں جو اصل احکام کی رو سے حرام ناجائز نہیں تھیں وہ اس شخص پر ناجائز و حرام ہو جاتی ہیں۔ احرام کے تمام احکام تقریباً ایسے ہی ہیں کہ سلعے ہوئے کپڑے، خوشبو کا استعمال بال موٹنا، ناخن تراشنا وغیرہ فی نفسہ کوئی ناجائز کام نہ تھے مگر اس نے احرام باندھ کر یہ سب کام اپنے اوپر حرام کر لئے۔ اسی طرح حج کے دوسرے اعمال و افعال جو فرض تو عمر میں ایک ہی مرتبہ ہوتے لیکن مگر بعد میں حج و عمرہ کے لئے احرام باندھ کر یہ سب کام اس کے لئے فرض ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس جگہ نذر کی تفسیر میں یہی فرمایا کہ اس سے مواجب حج مراد ہیں جو حج کی وجہ سے اس پر لازم ہو گئے ہیں۔

وَلْيَكُونُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ⑤، یہاں طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحجہ کو ری جمرہ اور قربانی کے بعد کیا جاتا ہے یہ طواف حج کا دوسرا رکن اور فرض ہے پہلا رکن وقوف عرفات ہے جو اس سے پہلے ادا ہو جاتا ہے۔ طواف زیارت پر احرام کے سب احکام مکمل ہو کر پورا احرام کھل جاتا ہے۔ (روی ذلك عن ابن عباس و مجاہد و الضحاك و جماعة بل قال الطبري و ان لم يسلم له لا خلاف بين المتاولين في انه طواف الافاضه و يكون ذلك يوم النحر از روح المعاني)

بیت عتیق، بیت اللہ کا نام بیت عتیق اس لئے ہے کہ عتیق کے معنی آزاد کے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے گھر کا نام بیت عتیق اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفار و جبارہ کے غلبہ اور قبضہ سے آزاد کر دیا ہے (رداء النرمذی وحسنہ و الحاکم و صححہ و ابن جریر و الطبرانی و غیر ہم از روح المعانی) کسی کافر کی مجال نہیں کہ اس پر قبضہ یا غلبہ کر سکے۔ اصحاب قبل کا واقعہ اس پر شاہد ہے واللہ اعلم۔ تفسیر مظہری میں اس موقع پر طواف کے مفصل احکام و مسائل جمع کر دیے ہیں جو بہت اہم قابل دید ہیں۔ واللہ اعلم

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَىْ جَمَاعَةٍ مُؤْمِنَةٍ سَلَفَتْ قَبْلَكُمْ جَعَلْنَا مَنَسَكًا بِفَتْحِ السِّينِ مَصْدَرٌ وَبِكُسْرِهَا اسْمٌ مَّكَانٍ أَىْ ذِبْحَانٍ بَانَا أَوْ مَكَانَةٍ تَبْدَأُ بِذِكْرِ اسْمِ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ عِنْدَ ذَبْحِهَا فَإِنَّهُمْ لِلَّهِ وَاحِدٌ قَلَّةٌ أَسْلِمُوا ۖ أَنْقَادُ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝ الْمُطِيعِينَ الْمُتَوَاضِعِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ خَائَتُ قُلُوبِهِمْ وَالضَّيِّقِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ مِنَ الْبَلَاءِ وَالْمُقِيبِي الصَّلَاةِ ۖ فِي أَوْقَاتِهَا وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنفِقُونَ ۝ يَتَصَدَّقُونَ وَالْبُدْنَ جَمْعٌ بَدَنَةٍ وَهِيَ الْإِبِلُ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ إِعْلَامٌ دِينِهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ نَفْعٌ فِي الدُّنْيَا كَمَا تَقَدَّمُ وَأَجْرٌ فِي الْعَقَبِ فَأَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا ۖ عِنْدَ نَحْرِهَا صَوَافٍ ۖ قَائِمَةٌ عَلَى ثَلَاثِ مَعْقُولَةٍ الْبَيْدِ الْيُسْرَى فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا سَقَطَتْ إِلَى الْأَرْضِ بَعْدَ النَّحْرِ وَهُوَ وَقْتُ الْأَكْلِ مِنْهَا لَكُلًّا مِنْهَا إِنْ شِئْتُمْ وَاطْعَمُوا الْقَائِلَ الَّذِي يَقْنَعُ بِمَا يُعْطَى وَلَا يَسْأَلُ وَلَا يَتَعَرَّضُ وَالْمُعْتَرِضُ السَّائِلُ أَوِ الْمُتَعَرِّضُ كَذَلِكَ أَىْ مِثْلُ ذَلِكَ التَّشْخِيرِ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ بِأَنْ تَنْحَرُوا وَتَرْكَبُوا وَالْأَلَمُ يُطْلَقُ لِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ إِنْعَامِي عَلَيْكُمْ كُنْ يَنْأَلُ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَآؤَهَا أَىْ لَا يَزِفَعَانِ إِلَيْهِ وَلَكِنْ يَنْأَلُهُ الثَّقَلَانِ مِنْكُمْ ۖ أَىْ يَرْفَعُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ الْعَمَلُ الصَّالِحُ الْخَالِصُ لَهُ مَعَ الْإِيمَانِ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكْبِرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ ۖ أَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِينِهِ وَمَنَاسِكَ حُجَّهِ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝ أَىِ الْمُؤَحِّدِينَ إِنْ اللَّهُ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا غَوَائِلُ الْمُشْرِكِينَ إِنْ اللَّهُ لَا يُجِبُ كُلَّ خَوَافٍ ۖ فِي أَمَانَتِهِ كَقَوْلِهِ ۖ لِنُعَمِّتَهُ وَهُمْ الْمُشْرِكُونَ الْمَعْنَى إِنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ

ترجمہ: اور (جس قدر تم سے قبل اہل ایمان کی ملتیں گزر چکیں ان میں سے) ہر امت کے لیے قربانی کرنا (سین پر فتح مصدر اور سین پر کسرہ تو اسم مکان اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں (ان کو ذبح کرنے کے وقت) جو

اس نے ان کو عطا فرمایا تھا سو تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے تو تم ہمت نہ اسی کے ہو کر رہو (فرمانبرداری قبول کرو) اور آپ گردن جھکا دے (اطاعت شعار اور تواضع کرنے) والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ جو ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ (صدقہ وغیرہ) کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹ بدن کی بدنہ کی جمع ہے (اور گائے بکری بھیل) ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے تمہارے واسطے اس میں فائدے ہیں دنیوی منافع جن تذکرہ گذر چکا اور آخرت میں اجر و ثواب (سو تم ان پر (بوقت خروذج) قطار باندھ کر) تین ہاتھ پاؤں پر کھڑے کر کے کہ بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو اللہ کا نام لیا کرو پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں (ذبح خر کے بعد زمین پر اور وہ کھانے کا وقت ہے ان میں سے) تو کھاؤ اس میں سے اور کھاد مبر سے بیٹھے (ہوئے کو کہ جو کچھ دیا جائے اس پر قناعت کر لے اور وہ سوال نہ کرے اور نہ تعرض کرتا ہے تو ایسے شخص) کو اور سوالی کو بھی کھانے کو دو۔ ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا (کہ تم خر اور ذبح کرتے اور سوار ہوتے ہو) اس پر قادر نہ ہوتے) اب اس کا حق یہ ہے کہ اس پر شکر گزاری کیا کرو، تاکہ تم شکر کرو (میرے انعام کا جو تم پر ہوئے) اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے (یعنی تمہاری جانب سے اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا عمل صالح پہنچتا ہے جو ایمان کے ساتھ خالص اس کے لیے کیا ہو) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا زیر حکم کر دیا کہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی (بیان) کرو کہ اس نے تم کو راہ سمجھائی (اپنے دین کی نشانی اور اپنے لیے حج کے ارکان و احکام کی توفیق دی) اور اے محمد ﷺ اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے (مشرکوں کی بلاؤں کو) ہٹا دیگا، بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والوں کو نہیں چاہتا (کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہو اور یہ مشرک لوگ ہیں مطلب یہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا!

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: جَمَاعَةً: امة سے یہاں جماعت مؤمنہ مراد ہے افعال حج مؤمن کے لئے ہیں۔
قوله: مَسْكَاً: یہ نسک کے معنی میں ہے وہ خون بہانے کو کہتے ہیں۔
قوله: اسْمَ اللّٰهِ: فقط اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کے وقت ذبح قرار پائے گا۔
قوله: الْبَدَنَ: اس سے مراد اونٹ ہے یہ بدنہ کی جمع ہے گائے وغیرہ بھی اسی حکم میں ہے۔ یہ جعلنا ہا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: سَقَطَ: یہ گرنا موت سے کنایہ ہے۔
قوله: وقت الاكل: کہہ کر بتلایا کیونکہ جانور اضطراب سے قرار میں آ گیا اب کاٹ کر کھانے کے لئے استعمال میں لاؤ۔
قوله: بَانِ شَيْئًا: اس سے اباحت کی طرف اشارہ کیا۔

مقبولین شرح طالعہ
 قولہ: تَشْكُرُونَ: تقرب و اخلاص کے ذریعہ میرے انعام کا شکر بجالاؤ۔ اس کا مفعول انعامی محذوف ہے۔
 قولہ: كَذَلِكَ: اس کو تذکیر نعمت اور تکبر کی تعلیل کے طور پر دوبارہ لائے۔ لشکر و ایمنی تاکہ اس کے اقتدار کی وجہ سے اس کی عظمت کو پہچانوں۔

قولہ: الْمَوَدِّينَ: مراد مطلق مؤمن ہیں محسن سے مراد موحّد ہیں۔

قولہ: يَدْفَعُ: یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دفاع میں مبالغہ فرمائے گا۔

قولہ: غَوَائِلَ الْمَشْرِ بَيْنَ: یہ مفعول کا بیان ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لَّذِكْرُوا اللَّهَ ۖ

ترجمہ ہر امت پر فرض قرار دی گئی:

فرمان ہے کہ کل امتوں میں ہر مذہب میں ہر گروہ کو ہم نے قربانی کا حکم دیا تھا۔ ان کے لئے ایک دن عید کا مقرر قلمدہ اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ سب کے سب کے شریف میں اپنی قربانیاں بھیجتے تھے۔ تاکہ قربانی کے چوپائے جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام ذکر کریں۔ حضور ﷺ کے پاس دو مینڈھے چکبرے بڑے بڑے سینکوں والے لائے گئے آپ نے انہیں لٹا کر ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر ذبح کیا۔ مسند احمد میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا ہمیں اس میں کیا ملتا ہے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ دریافت کیا اور ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ان کے رویوں کے بدلے ایک نیکی۔ اسے امام احمد جریر رحمۃ اللہ بھی لائے ہیں۔ تم سب کا اللہ ایک ہے گو شریعت کے بعض احکام اول بدل ہوتے رہے لیکن توحید میں اللہ کی یگانگت میں، کسی رسول کو کسی نیک امت کو اختلاف نہیں ہوا۔ سب اللہ کی توحید، اسی کی عبادت کی طرف تمام جہان کو بلاتے رہے۔ سب پر اول وحی یہی نازل ہوتی رہی۔ پس تم سب اس کی طرف جھک جاؤ، اس کے ہو کر رہو، اس کے احکام کی پابندی کرو، اس کی اطاعت میں استحکام کرو۔ جو لوگ مطمئن ہیں، جو متواضع ہیں، جو تقویٰ والے ہیں، جو ظلم سے بیزار ہیں مظلومی کا حالت میں بدلہ لینے کے خوگر نہیں، مرضی مولا، رضائے رب پر راضی ہیں انہیں خوشخبریاں ستادیں، وہ مبارکباد کے قابل ہیں۔ ذکر الہی سنتے ہیں دل نرم، اور خوف الہی سے پر کر کے رب کی طرف جھک جاتے ہیں، کشن کاموں پر صبر کرتے ہیں مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واللہ اگر تم نے صبر و برداشت کی عادت نہ ڈالی تو تم برباد کر دئے جاؤ گے

وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۖ یعنی فریضہ الہی کے پابند ہیں اور اللہ کا حق ادا کرنے والے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا دینے رہے ہیں، اپنے گھرانے کے لوگوں کو، فقیر دل محتاجوں کو اور تمام مخلوق کو جو بھلائی دے رہے ہیں، ان کے ساتھ سلوک و احسان سے

وَالْبَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ
 ذیل آتے ہیں۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں منافقوں کی طرح نہیں کہ ایک کام کریں تو ایک کو چھوڑیں۔

ذبح اور نحر کے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی تعلیم و تلقین:

الْبَدَنُ۔ بَدَنَہ کی جمع ہے جیسے حُشْب خشبہ کی۔ جزری نے نہایہ میں لکھا ہے بدنہ کا اطلاق اونٹ، اونٹنی اور گائے بیل، بھینس پر ہوتا ہے اور اس کا زیادہ استعمال اونٹوں، اونٹنیوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی وجہ سے ان کو بدنہ کہا جاتا ہے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے بدنہ (بحرکت ثلاثہ) اونٹ اونٹنی اور گائے بھینس۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء اور سدی نے کہا اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بدن کا لفظ اونٹنی اور اونٹ کے لئے مخصوص ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کلانی جسم کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ بدن، بدانتہ وہ کلاں جسم ہو گیا۔ بنوی نے لکھا ہے بڑی جسامت اور ضخامت کی وجہ سے بدنہ کہا جاتا ہے یعنی بدن سے مراد ہے بڑی جسامت والے اونٹ۔ جب آدمی خوب جسم و ضخیم ہو جائے تو بدن الرجل بدانتہ کہا جاتا ہے۔ جو زیادہ عمر رسیدہ ہو جائے گوشت ڈھیلا پڑ جائے تو باب تفصیل سے ”بدن الرجل تبدینا“ کہا جاتا ہے۔

سوار شاد فرمایا کہ تم۔ انہیں ذبح کرتے وقت۔ ان پر اللہ کا نام لو۔ کھڑا کر کے قطار میں یا اگلی طرف کا بایاں پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کر کے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اونٹوں کے نحر یعنی ذبح کرنے میں سنت طریقہ یہی ہے کہ ان کو کھڑا کر کے نحر یعنی ذبح کیا جائے۔ اور آنحضرت ﷺ نے نحر کی اس سنت کی اپنے قول سے بھی توضیح فرمائی اور اپنے فعل سے بھی۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو آپ نے اس کو فرمایا کہ اس کو سنت ابوالقاسم کے مطابق کھڑا کر کے اور باندھ کر نحر کر۔ (بخاری کتاب الحج، باب غرلاہل متیدۃ، مسلم کتاب الحج حدیث نمبر 358)۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے تربیٹھ اونٹوں کو کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے نحر فرمایا۔ (مسلم کتاب الحج حدیث 147) یعنی اپنی عمر مبارک کے سالوں کے اعتبار سے۔ ہر سال کی طرف سے ایک اونٹ۔ سبحان اللہ۔ پیغمبر کا ہر کام اعلیٰ نمونے کا اور بے مثال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اول المسلمین کے تاج امتیاز کے مالک تھے اور آپ ﷺ کو اپنے خالق و مالک کی طرف سے اسی کا حکم بھی ہوا تھا۔ وَأَمَرْتُ لِأَنَّ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (الزمر: 12) صَلَّوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ وَاوَاهُ وَدَعَا بِدَعْوَتِهِ وَبِهَٰذَا اهْتَدَىٰ إِلَىٰ يَوْمِ الْقَرَارِ عَلَى اللَّهِ وَاللَّقَاءِ۔ بہر کیف اونٹوں کے نحر کے بارے میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ ان کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا کیا جائے اور پھر دعا پڑھ کر ان کو نحر کیا جائے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دیگا، اے مومن اور کفور پسند نہیں ہیں۔
 چند صفحات پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کے لیے تشریف

لے گئے تھے تو مشرکین کہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک دیا تھا ان لوگوں نے بڑی ضد کی اور صلح بھی کر لی لیکن اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ آپ اسی سال عمرہ کریں آپ نے احصار ہو جانے کی وجہ سے وہیں جانور ذبح کر دیئے اور احرام سے نکل کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر آئندہ سال ۷ھ میں آپ نے اس عمرہ کی قضا کی، آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اس کا فرمایا ہے کہ مشرکین جو مؤمنین کو تکلیف دیتے ہیں اور انہیں حرم شریف کے دخل سے روکتے ہیں یہ کچھ دن کی بات ہے اللہ تعالیٰ کا فرد کو بٹا دے گا اور مؤمنین امن و امان کے ساتھ چلے پھریں گے اور حج و عمرہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَثَلًا خَوَّانٍ كَقَوْمِ ۖ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خیانت کرنے والے یا شکرے کو پسند نہیں فرماتا) اور مشرک خیانت کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہے کہ اپنے خالق و مالک وحدہ لا شریک کی عبادت کرے اور اس کے پیچھے دین کو مانے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا لہذا وہ بہت بڑا خائن ہے۔ اسی لیے لفظ خوان مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور کفار کفر یعنی ناشکر ابھی ہے پیدا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی اور ان دینوں کو اختیار کرتا ہے جنہیں لوگوں نے خود تراشا ہے یہ خالق جل مجدہ کی بہت بڑی ناشکری ہے کہ نعمتیں اس کی کھائیں اور اسی کے دین سے منحرف رہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں فرماتا مشرک اور کافر سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں آخر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور اللہ کے مومن بندے ہی کامیاب ہوں۔

إِذْ لِلَّذِينَ يُقْتُلُونَ آيَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَقَاتِلُوا فِي هَذِهِ آيَةُ نَزَلَتْ فِي الْجِهَادِ بِأَنَّهُمْ آيَ بِسَبَبِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ بَطَلُ الْكَافِرِينَ إِنَّا هُمْ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ تَصْوِيرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۖ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ فِي الْأَخْرَاجِ مَا أُخْرِجُوا إِلَّا أَنْ يَقُولُوا آيَ بِقَوْلِهِمْ رَبَّنَا اللَّهُ ۖ وَحَدَهُ هَذَا الْقَوْلُ حَقٌّ وَالْإِخْرَاجُ بِغَيْرِ حَقٍّ وَكَوْنُ لَا دَفْعَ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَدَلٍ بَعْضٍ مِنَ النَّاسِ بِبَعْضٍ لَهْدًا مَتَّ بِالتَّشْدِيدِ لِلتَّكْبِيرِ وَبِالتَّخْفِيفِ صَوَامِعَ لِلرُّهْبَانِ وَبَيْعَ كَنَائِسَ لِلنَّصَارَىٰ وَصَلَوَاتٍ كَنَائِسَ لِلْيَهُودِ بِالْعِزَّةِ وَمَسَاجِدَ لِلْمُسْلِمِينَ يُذَكِّرُ فِيهَا آيَ الْمَوَاضِعِ الْمَذْكُورَةِ اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَتَقْطَعُ الْعِبَادَاتُ بِخُرَابِهَا لِيَنْصُرَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ آيَ يَنْصُرُ دِينَهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَلَىٰ خَلْقِهِ عَزِيزٌ ۖ مُبِيعٌ فِي سُلْطَانِهِ وَقُدْرَتِهِ الَّذِينَ إِنْ مَكَتَهُمْ فِي الْأَرْضِ يَنْصُرِهِمْ عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۖ جَوَابُ الشَّرْطِ وَهُوَ جَوَابُهُ صَلَوةُ الْمُؤْمِنِينَ وَيُقَدَّرُ قَبْلَهُ هُمْ مُبْتَدَأُ ۖ وَبِهِ غَايَةُ الْأُمُورِ ۖ آيَ إِلَيْهِ مَرْجِعُهَا فِي الْآخِرَةِ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ تَسْلِيَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نَجَّ

ثَابِتٌ قَدْ رِمَ بِاعْتِبَارِ الْمَعْنَى وَ عَادَ قَوْمٌ مُرَوِّدٌ وَ كَمُودٌ قَوْمٌ صَالِحٌ وَ قَوْمٌ ابْرَهِيْمَ وَ قَوْمٌ لُوطٍ وَ اصْحَابُ
 مَدْيَنَ قَوْمٌ شُعَيْبٍ وَ كَذَبَ مُوسَى كَذْبَهُ الْقَبْطُ اِلَّا قَوْمَهُ بَنُو إِسْرَآئِيلَ اَي كَذَبَ هَؤُلَاءِ رُسُلَهُمْ فَلَمَّا
 اَسْوَدَ بِهِمْ فَاَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِيْنَ اَمَهَلْتُهُمْ بِتَاخِيْرِ الْعِقَابِ لَهُمْ ثُمَّ اخَذْتُهُمْ بِالْعَذَابِ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ اَي
 اِنْكَارِ عَلَيْهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ بِاهْلَاكِهَمْ وَاِلَّا سَتَفُهُمُ لِلتَّفَرُّيْرِ اَي هُوَ وَاَقَعَ مَوْقَعَهُ فَكَأَيِّنْ اَي كَمْ مِنْ قَرْيَةٍ
 اَهْلَكْنَاهَا وَفِي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِّهِيَ خَاوِيَةٌ اَي اَهْلُهَا بِكَفْرِهِمْ سَاقِطَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا سَقُوفُهَا
 وَ كَمْ مِنْ يَلَدٍ مُّعْطَلَةٍ مَّتَرَوْكَةٍ بِمَوْتِ اَهْلِهَا وَ قَصِيرٍ مُّشِيدٍ رَفِيعٍ خَالٍ بِمَوْتِ اَهْلِهِ اَلَمْ يَسِيرُوا اَي
 كُنْزًا مَّكَّةَ فِي الْاَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا مَا نَزَلَ بِالْمُكْذِبِيْنَ قَبْلَهُمْ اَوْ اَذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا
 اَخْبَارُهُمْ بِالْاِهْلَاكِ وَ خَرَابِ الدِّيَارِ فَيَعْتَبِرُوا فَاِنَّهَا اَي الْفِصَّةُ لَا تَعْنِي الْاَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْنِي الْقُلُوبُ الَّتِي فِي
 الصُّدُورِ تَاكِيدٌ وَ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللهُ وَعْدَهُ بِانْزَالِ الْعَذَابِ فَاَنْجِزْهُ يَوْمَ بَدْرِ وَ اِنْ
 يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ مِنْ اَيَّامِ الْاٰخِرَةِ بِالْعَذَابِ كَالْفِ سَنَةِ مِمَّا تَعْدُونَ بِالنَّارِ وَ النَّبَاِ فِي الدُّنْيَا وَ كَأَيِّنْ مِنْ
 قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اخَذْتُهَا اَلْمُرَادُ اَهْلُهَا وَ اِلَى الْمَصِيْرِ اَلْمَرْجِعُ

ع
۱۳

ترجمہ: لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے کافر لڑتے ہیں اہل ایمان (کہ وہ ان کفار سے قتال کریں اور یہ
 جہاد کے سلسلہ میں پہلی آیت ہے) اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے (کفار کی جانب سے ان اہل ایمان پر) بلاشبہ اللہ
 تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے (نہیں نکالے گئے اگر نکالے گئے
 ہیں تو) محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ایک) اللہ ہے (اور یہ بات حق ہے اور اس وجہ سے نکالنا ناحق نکالنا
 ہے) اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو ہد مت تخفیف
 اور تشدید دونوں طرح ہے نصاری کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں
 جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے (اور ان عبادت خانوں کے منہدم اور ویران ہو جانے کی وجہ سے
 عبادت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے) اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کریگا جو کہ اللہ (کے دین) کی مدد کریگا بیشک اللہ تعالیٰ توت والا
 ہے (اور) غلبہ والا ہے (اپنی سلطنت اور قدرت میں بڑا غالب ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں ان
 کو ان کے دشمنوں پر غلبہ دے کر تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے
 کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں (یہ کلام جواب شرط ہے اور شرط ہے اور جواب شرط موصول کا صہ ہے اور اس سے قبل

مبتداء ہم مقدر ہے) اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے (اس کی جانب آخرت میں لوٹا ہے۔ نما کریم ص ۱۲) کو تسلی کے طور پر اشارہ ہوا اور یہ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل لوط اور اہل مدین (قوم شعیب) بھی تکذیب کر چکے ہیں اور موسیٰ کو بھی کاذب قرار دیا گیا ہے (کہ حضرت موسیٰ کو قوم عیسا نے جھٹلایا نہ کہ ان کی قوم بنی اسرائیل نے یعنی ان تمام قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا لہذا آپ کے لیے ان کا سوا ہے) پھر میں نے ان کافروں کو مہلت دی (ان پر عذاب میں تاخیر کرنے کے ساتھ) جیسے آج کے منکروں کو مہلت دے رکھی ہے پھر میں نے ان کو پکڑ لیا (عذاب کے ساتھ) تو کیسا ہوا میرا انکار (یعنی ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر میرا انکار کرنا ان کو ہلاک کرنے کی صورت میں۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی وہ واقع ہونے والا ہے غرض کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے غلبہ سے) ہلاک کیا (اور ایک قرات میں اہل کتبہا ہے) جن کی حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں (یعنی اس بستی کے رہنے والے اپنے کفر میں مبتلا رہتے ہوئے) تو وہ اپنی جھٹوتوں پر گر پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں (کہ جو پڑے ہوئے ہیں ان کے مالک مرجانے کی وجہ سے) بہت سے پختہ چوئے کے محل اس زمانے میں پختہ مکانات اور (قصور) شاہی ان اشیاء سے بنائے جاتے تھے (انچے اونچے کہ جو خالی پڑے ہوئے ہیں ان کے مالک مرجانے کی وجہ سے) تو کیا یہ (مکہ میں رہنے والے) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہو جائیں کہ ان سے سمجھنے لگیں (ان سے قبل تکذیب کرنے والے لوگوں سے متعلق کیا نازل ہوا ہے) یا ان کے کان ایسے ہو جائیں کہ ان سے سننے لگیں (اہلاک کی خبریں اور بستیوں کے اجڑنے کے حالات تاکہ پھر وہ ان سے عبرت لیں) بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں (یہ تاکید ہے) اور آپ سے یہ لوگ عذاب جلدی طلب کر رہے ہیں درآنحالیکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا عذاب نازل کرنے میں (اور پھر وہ بدر کی صورت میں پورا ہو کر رہا) اور آپ کے پروردگار کے پاس ایک دن مل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق (یعنی آخرت کے عذاب کا ایک دن دنیا کے دنوں کے ایک ہزار سال کے برابر ہے تعدون، یعدون دنوں قرات ہیں) اور کتنی ہی بستیاں ہیں (جن کے باشندوں کو) میں نے مہلت دی تھی اور نافرمان تھیں پھر میں نے انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کی واپسی ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: اَنْ يَّمَاتُوا: یہ مفعول محذوف کا بیان ہے، ان کا حذف یقاتلون کی دلالت کی وجہ سے ہے۔
 قوله: بِنِي الْاُخْرَاج: باخراج سے متعلق ہے۔ یہ نہیں کہ دیار کی اضافت اس کی طرف ہے۔
 قوله: بِقَوْلِهِمْ: بالصاق کے لئے ہے یا استثناء متصل درست ہو سکے۔
 قوله: اَلْمَوَاضِعُ الْمَذْكُورَةُ: یہ اربع کی صفت ہے۔
 قوله: يَنْشُرُ: اللہ تعالیٰ نے دعویٰ نصرت پورا کیا کہ مہاجرین و انصار کو صنادید قریش پر مسلط کر دیا۔

قولہ: نصرت: سے نصرت دین ہے اللہ تعالیٰ کسی کی نصرت کا محتاج نہیں۔

قولہ: ينصرونهم: یہاں تمکین سے نصرت کے طریقہ سے۔

قولہ: قَوْمٌ: یہ معنی کے لحاظ سے مونث ہے۔ فعل بھی اس کے لئے مونث لاتے ہیں معنی سے مراد یہ جماعت کے معنی میں ہے۔

قولہ: تَذْبُذُ الْقَبْطِ: بناءً فعل مفعول کے لئے ہے۔

قولہ: اِنْكَارِي عَلَيْهِمْ: تکبیر بمعنی انکار ہے نکارت کے معنی میں نہیں۔

قولہ: اَهْلَكْنَهَا: کا مطلب وہاں کے رہنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

قولہ: لَهِيَ خَاوِيَةٌ: اس کا عطف اھلکنا پر ہے نہ کہ حال ہے۔

قولہ: وَكَمْ مِنْ لَفْظٍ كَمٍ وَمِنْ مَقْدَرٍ هُوَ اس سے اشارہ ہے وبشر معطلۃ کا عطف ومن قریہ پر ہے۔

قولہ: اَقْلَمَ يَسِيرُوا: اس میں ان کو ہلاک ہونے والے کے مقامات دیکھنے پر ابھارا تا کہ عبرت حاصل کریں۔

قولہ: مَا تَزَلَّ: یہ یعقلون کا مفعول ہے۔ اَخْبَارُ هُمْ یہ یسمعون کا مفعول ہے لیکن عبرت سے ان کے دل اندھے ہیں۔

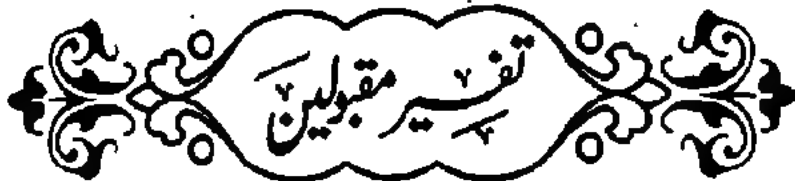
قولہ: تَانِجِيذٌ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ آنکھوں کا اندھا پن مراد نہیں۔

قولہ: بِالْعَذَابِ: اس سے مراد وہ عذاب جس سے ڈرایا گیا یہ باسیہ ہے۔

قولہ: كَالْفَسْفَسَةِ: اس سے عذاب کی طوالت مراد ہے۔

قولہ: اَلْزُّرَّ اِذَا اَهْلَنَّا: مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنا دیا۔

قولہ: اِلَى الْوَعْدِ: اس سے حکم کی طرف لوٹنا مراد ہے۔



اَوْنِ لِلَّذِينَ يُفْسِدُونَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَاِنَّ اللَّهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝

جہاد کی احبازت اور اس کے فوائد، اصحاب اقتدار کی ذمہ داریاں:

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا آپ کی دعوت پر شروع میں ان لوگوں نے لبیک کہی جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف تھے۔ ان حضرات کے پاس مال بھی نہ تھا اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو شرکین کے غلام تھے اور بعض پر دہی تھے شرکین کہ ان حضرات کو بہت بہت تکلیف دیتے اور بری طرح مارتے پیٹتے تھے حتیٰ کہ ان میں بہت سے حضرات حبشہ کو ہجرت کر گئے اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے جب تک یہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے ان کو مبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی جب مدینہ منورہ میں مسلمان جمع ہو گئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہو گئی جس میں اپنا اقتدار بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیدی، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو

کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت واقعہ اردے دیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کریں گے کہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔ برے کاموں سے روکیں۔ اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیات ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اس وقت نازل ہوئی ہیں جبکہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت واقعہ حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں پہلے ہی یہ خبر دے دی کہ جب ان کو اقتدار حکومت ملے گا تو یہ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے اسی لئے حضرت عثمان غنی نے فرمایا ثناء قبل بلاء یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اس کے عمل کرنے والوں کی مدح و ثناء ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین الذین اخرجوا کے مصداق صحیح تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کو سب سے پہلے زمین کی مکت و قدرت یعنی حکومت و سلطنت عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق ان کے اعمال و کردار اور کارناموں نے دنیا کو دکھلادیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا برے کاموں کا راستہ بند کیا۔

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت ان کے زمانے میں قائم ہوا وہ حق و صحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے۔

(روح المعانی)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ اَهْلُ مَكَّةَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَمَلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۝۱۱۲ مِنَ الذُّنُوْبِ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۱۱۳ هُوَ الْجَنَّةُ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِىْ اٰيٰتِنَا الْقُرْاٰنِ بِاِبْطَالِهَا مُعْجِزِيْنَ ۝۱۱۴ مَنْ اَتَّبَعَ النَّبِيَّ اٰى يَسْبِقُوْهُمْ اِلَى الْعِزِّ وَ يُبْطِلُوْهُمْ عَنْ الْاِيْمَانِ اَوْ مُقَدِّرِيْنَ عِجْزَنَا عَنْهُمْ وَ فِىْ فِرَاقِهِ مُعَاجِزِيْنَ مُسَابِقِيْنَ لَنَا يَطْنُوْنَ اَنْ يَفُوْثُوْنَ بِاِنْكَارِهِمْ الْبُعْثَ وَالْعِقَابَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۱۵ اَلَا رَاَوْا مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ ۝۱۱۶ هُوَ نَبِيَّا مَّرِّ بِالتَّبْلِيْغِ وَلَا يَنْبِىْ اٰى لَمْ يُؤْمَرْ بِالتَّبْلِيْغِ اِلَّا اِذَا كُنْتُ قِرَاۤءَتِ الْقُرْاٰنِ فِىْ اَمْنِيَّتِهِ ۝۱۱۷ قَرَأَتْهُ مَا لَيْسَ مِنَ الْقُرْاٰنِ مِمَّا يَدَّ ضَاهُ الْمُرْسَلِ اِلَيْهِمْ وَقَدْ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سُوْرَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَيْشٍ بَعْدَ اَفْرِ اَيْتُمُ اللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَ مَثْوًى الثَّالِثَةِ الْاُخْرٰى بِالْقَاءِ الشَّيْطَانِ عَلَى لِسَانِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَجَرٍ بِهِ تِلْكَ الْغَرَابِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَشَرَّ نَجْوٰى فَقَرِحُوْا بِذٰلِكَ ثُمَّ اَخْبِرْهُ جِبْرِئِلُ بِمَا اَلْقَاهُ الشَّيْطَانُ عَلَى لِسَانِهِ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَنَ فَسَلَّى بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ لِيَطْمَئِنَّ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ لِيُطِلَّ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللّٰهُ اِيْتِهِ ۝۱۱۸ يُسَبِّحُهَا وَاللّٰهُ

عَلَيْهِم بِالْقَاءِ الشَّيْطَانِ مَا دُكِرَ حَكِيمٌ ۝ فِي تَمْكِينِهِ مِنْهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً
مِحنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ شَكٌّ وَنِفَاقٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۝ آيَةُ الْمُسْرِ كَيْنَ عَنْ قُبُولِ الْحَقِّ وَإِنَّ
الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ خِلَافِ طَرِيقٍ مَعَ النَّبِيِّ وَالْمُؤْمِنِينَ حَيْثُ جَرَى عَلَى لِسَانِهِ ذِكْرُ
الْهَيْبَةِ بِمَا يُرْضِيهِمْ ثُمَّ أَبْطَلَ ذَلِكَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ التَّوْحِيدَ وَالْقُرْآنَ أَنَّهُ آيَةُ الْقُرْآنِ الْحَقِّ مِنَ
رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۝ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ آيَةُ
دِينِ الْإِسْلَامِ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي شَكٍّ مَرِيَّةٍ مِنْهُ آيَةُ الْقُرْآنِ بِمَا الْقَاءَ الشَّيْطَانُ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَبْطَلَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً آتَى سَاعَةُ مَوْتِهِمْ أَوِ الْيَمِينَةُ فَجَاءَهُ أَوْ تَأْتِيَهُمْ
عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ ۝ هُوَ يَوْمٌ بَدْرٌ لَا خَيْرَ فِيهِ لِلْكَافِرِ كَالزَّيْحِ الْعَقِيمِ الَّتِي لَا تَأْتِي بِخَيْرٍ أَوْ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ لَا
يَبْلُغُ لَهُ أَلْبَتَّكَ يَوْمَئِذٍ آيَةُ يَوْمِ الْقِيَمَةِ لِلَّهِ ۝ وَخُذْهُ وَمَا تَضَمَّنَتْهُ مِنَ الْإِسْتِقْرَارِ نَاصِبٌ لِلظُّلُوفِ يَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ ۝ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ بِمَا بَيَّنَّ بَعْدَهُ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ فَضْلًا مِنْ
بِخِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآوَيْنَا لَهُمْ عَذَابَ مُهِينٍ ۝ شَدِيدٌ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ

ترجمہ: آپ ان اہل مکہ سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو تمہارے لیے صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اہل
ایمان کو خوشخبری سنانے والا سو جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی یعنی جنت
ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے رہتے ہیں انھوں نے مؤمن کو عاجز سمجھ رکھا ہے اور انھیں ایمان سے
روکنے کی سعی کرتے ہیں یا یہ کہ انھوں نے خدا تعالیٰ کو عاجز سمجھ لیا ہے اور ایک قرأت میں معجزین کے بجائے معجزین ہے
مساکین کے معنی میں گویا ان منکرین نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے حشر و نشر کے انکار کے باوجود خدا تعالیٰ ان پر عذاب لانے
پر قادر نہیں ہیں وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا، رسول اسے کہتے ہیں جنھیں تلخ
پر مامور کیا گیا ہو اور نبی اسے کہتے ہیں جنھیں تلخ پر مامور نہ کیا گیا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو تو شیطان نے اس کے
پڑھنے میں شبہ ڈالا اور قرآن میں غیر قرآن کو شامل کر دیا جس سے مشرکین خوش ہوتے ایک مرتبہ جب آنحضور ﷺ قریش
کی مجلس میں سورہ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے افریتہم الات والعزی ومنات الثلثة الاخری کے بعد غیر شعوری طور پر
تلك الغرائق العلی وان شفاعتھن لترنجی بھی تلاوت کر دی جو شیطان کی طرف سے اضافہ تھا تو کفار بہت خوش
ہوئے جس پر جبریل علیہ السلام نے آپ کو اطلاع دی کہ یہ قرآن کی آیت نہیں ہے بلکہ شیطان کی طرف سے اضافہ ہے یہ معلوم ہو کر

آنحضرت ﷺ نہایت غمزدہ ہوئے تو آپ کو آنے والی آیت کے ذریعہ تسلی دی گئی اور مطمئن کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب علم والا ہے جانتا ہے اس اضافہ کو جو شیطان کی طرف سے کیا گیا خوب حکمت والا ہے لہذا شیطان کو جو کچھ انھوں نے اختیار دے رکھا ہے اس میں بھی کوئی حکمت ہونگی اور یہ سب اس لیے ہے تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دل میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل سخت ہیں حق بات کے قبول کرنے کے سلسلہ میں اور واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں آنحضرت ﷺ اور مؤمنین کی اس وجہ سے کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک پر ان کے معبودوں کا تذکرہ آیا لیکن خدا تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا اور یہ سب اس لیے بھی کہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے توحید و قرآن کا وہ یقین کر لیں کہ یہ قرآن آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے سو اس کے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں اور مکمل پر مطمئن ہو جائیں بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے ٹک ہی میں پڑے رہتے ہیں یعنی قرآن کے بارے میں اور اس چیز کے بارے میں جس کا شیطان نے قرآن میں اضافہ کر دیا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا (یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آپہنچے) یعنی مرنے کے وقت یا اچانک قیامت یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آپہنچے اور وہ یوم بدر ہے جس دن کہ کفار کے لیے کوئی خیر نہیں تھی جیسا کہ رب عظیم کوئی خیر نہیں لاتی یا وہ قیامت کا دن ہے حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی اور جو لفظ استقر کے معنی کو مستفسن ہے وہی طرف (یومئذ) کا نائب ہوگا وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا یعنی مؤمنین و کافرین کے درمیان اور وہ فیصلہ کیا ہوگا اس کی تفصیلی آگے آرہی ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ کے باغوں میں ہوں گا اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لیے عذاب ذلت والا ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **اَنَّا بَشِّرُوكُم بِالنَّارِ** : ایمان والوں اور ان کی بشارت کا تذکرہ کفار کو مزید غصہ دلانے کے لئے ہے۔
- قوله: **تَعِيزُ** سے مراد نسبت الی التعجیز ہے۔
- قوله: **مُقَدِّرَيْنِ** : یہ حال مقدر ہے تعجیز سبق کے معنی میں ہے مگر ان کو اس کی قدرت ہے۔
- قوله: **مُسَابِقَتَيْنِ** : عاجز کرنے والے ہر ایک دوسرے کو درمندی کرنا چاہتا ہے۔
- قوله: **مُسَابَقَتَيْنِ** : یہاں ان کے ظن کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔
- قوله: **رَسُولٍ** : وہ نبی جس کو احکام و تبلیغ کا حکم ہو یا کتاب ملے، مگر ایک دوسرے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔
- قوله: **اِذَا كُنْتُمْ** : قراءت کرنا دل میں بات لانا۔
- قوله: **اُمْنِيَّتِهِ** : جو دنیا میں اس کی مشغولیت کے لائق ہو۔

قوله: قَدْ قَرَأَ: یہ محققین کے ہاں مردود قصہ ہے۔

قوله: الظَّالِمِينَ: سے مراد منافق اور مشرک دونوں فریق۔

قوله: لَيْفَى شِقَاقٍ: یہ اختلاف اصلاح نہیں بلکہ اختلاف بعد و دوری والا۔

قوله: لِهَادِي: یعنی اشکال والی بات میں راہنمائی کرنے والے ہیں۔

قوله: يَوْمَ عَقِيبِهِ: یعنی جنگ کا دن وہ بدر کا دن تھا یا پھر ساعت سے قیامت کا دن مراد ہے۔

قوله: يَوْمَ يَزُولُ: جس دن ان کی ٹھاٹھ ختم ہو جائے۔

قوله: فَضْلًا مِنَ اللَّهِ: فا کا اس کی خبر میں نہ آنا اس پر خبردار کرنے کے لئے کہ ایمان والوں کا ثواب محض فضل الہی ہے اور کافروں کا عذاب تو اس کا سبب کفار کی بد اعمالیاں۔

قوله: يَسْتَبْ كُفْرَهُمْ: خبر میں فا کے داخل کرنے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا کہ ان کا کفر عذاب کا سبب ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

مشرکین ہی عذاب آنے کی جلدی مچاتے تھے اور خطاب کا رخ بھی انہی کی طرف تھا اہل ایمان کے ثواب کا ذکر تو کافروں کے غصہ اور بھڑکانے والا تھا اس لئے صرف نذیر کا ذکر کیا نذیر کے ساتھ بشیر نہیں فرمایا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بشارت سے تخویف مقدم ہوتی ہے بشارت تو صرف فرماں برداروں کے لئے ہوتی ہے اور تخویف دونوں فریقوں کے لئے عام ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جو (پیام) مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی اور میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنی قوم کو آ کر (متنبہ کیا اور) کہا میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کے) لشکر کو (پہاڑ کے اس طرف) دیکھا ہے اور میں تمہارے لئے نذیر عریاں ہوں پس جلدی کرو۔ جلدی کرو (اور بھگو بھاگو) کچھ لوگوں نے اطلاع دینے والے کی بات مان لی اور رات سے ہی چل دیئے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر روانہ ہو گئے اور بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس کے کہے کو سچا نہ جانا اور صبح تک وہ اپنی جگہ پر رہے نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو (دشمن کے) لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو غارت کر دیا اور ان کی جڑ اکھاڑ کر رکھ دی۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میرا کہا مانا اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر چلے اور ان لوگوں کی جنہوں نے میرا کہا نہ مانا اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اس کی انہوں نے تکذیب کی۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ

ذکر فتنہ شیطان برائے امتحان مخلصین و منافقین:

(رابطہ) مژشتہ آیات: وَ الَّذِينَ سَعَوْا فِي آلِهَتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ میں اس بات کا بیان تھا کہ مجاہدین اور معاندین ہمیشہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور درجہ ۱۱ کا تجربہ کیا کشش، مہر، لگا، سترہوں۔ اب

آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جدوجہد ان مجاہدین اور معاندین کی قدیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبے ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے، جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو شیطان نے آیات الہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہذا اے نبی آپ ﷺ اس قسم کے فتنہ کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورہ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ ﷺ اس آیت یعنی: افرأیتم اللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى پر پہنچے تو شیطان نے اس کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔

تلك الغرائق العلى وان شفاعتهن لترتجى۔ یہ شہباز (بت) بڑے بلند پرواز اور معظم و محترم ہیں اور ان کی سفارش قبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

شیطان نے یہ عبارت آپ ﷺ کے لہجے میں آپ ﷺ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ﷺ ہی کی زبان سے نکلے ہیں، کافران الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد ﷺ ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھر لی اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمد ﷺ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اثناء تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور خوف زدہ اور پریشان ہو گئے۔ اس پر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

اس قصہ کے بارے میں علماء کے دو گروہ:

چونکہ یہ قصہ بظاہر منصب نبوت اور شان عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ نبی کی

اثناء تلاوت میں اپنی طرف سے کوئی آمیزش کر سکے اس لیے اس قصہ کی روایت کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل اور بے اصل اور موضوع ہے اور علماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو روایت کی تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ تفسیر درمنثور کو دیکھے۔ بہر حال اس قصہ کی روایت کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہو گئے اور ہر گروہ نے اپنے اپنے مسلک کی بناء پر آیت کی اس طرح تفسیر کی کہ جو منصب نبوت اور عصمت کے خلاف نہ ہو کیونکہ عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے اصول مسلمہ میں سے ہے جس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے۔ علماء کا جو گروہ کسی درجہ میں فی الجملہ اس قصہ کے ثبوت کا قائل ہے عصمت انبیاء کے اجماعی مسئلہ سے وہ بھی غافل نہیں یہ گروہ کثرت طرق اور تعدد اسانید سے مجبور ہو کر اس قصہ کو فی الجملہ ثابت ماننے کے بعد آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے کہ جو عصمت نبوت کے منافی نہ رہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

گروہ اول: امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ اور قاضی عیاض اور امام رازی اور امام بزار اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ و غیرہ رحمہم اللہ اور دیگر حضرات محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل ہے اور ملاحظہ اور زنادقہ (بے دین لوگوں) کا بنایا ہوا گھڑا ہوا ہے۔ امام رازی قدس اللہ سرہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ سے ثابت ہے۔

(۱) قال الله تعالى ولو تقول علينا بعض الاقاويل لاخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بالفرض پیغمبر ہماری نسبت کوئی غلط بات کہتے تو یقیناً ہم ان کو پکڑتے اور ہلاک کر ڈالتے۔

معلوم ہوا کہ نبی کی زبان سے خدا کی نسبت غلط بات کا نکلنا محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقول (افتراء) کو بصیغہ توجیز فرمایا ہے جو محالات اور ناممکنات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) قل ما يكون لى ان ابدله من تلقاى نفسى ان اتبع الا ما يوحى الى۔

اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قرآن میں اپنی طرف سے ذرہ برابر تغیر و تبدل کر سکوں میں تو صرف اللہ کی وحی کا تابع ہوں۔

یعنی میں خدا کے کلام میں ایک شوشہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

(۳) وما ينطق عن الهوى، ان هو الا وحي يوحى۔

خدا کی قسم آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے آپ جو کہتے ہیں وہ محض خالص اللہ کی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے۔

یعنی آپ کی زبان مبارک سے جو نکلتا ہے وہ سرتاپا وحی ہوتا ہے اور نفسانی اور شیطانی آمیزش سے بالکل پاک ہوتا ہے یہ سورہ نجم کی آیت ہے جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ستارہ کی کہ تمہارا پیغمبر کبھی گمراہ اور بے راہ نہیں ہوا کوئی بات اس کی زبان سے ہوائے نفسانی سے نہیں نکلتی وہ جو بولتا ہے وہ وحی الہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

پس جب اسی صورت میں خدا تعالیٰ نے قسم کھا کر آپ ﷺ کی نزاہت اور عصمت کو بیان فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ

اس سورت کے اثناء تلاوت میں شیطان لعین آپ ﷺ کو کچھ القاء کرے اور بتوں کی مدح کے الفاظ اس میں ملا دے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلوا دے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔

ایک صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ میرا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو کلمہ وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں۔ سو تم آپ ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ عصر کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذات مبارک کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے بتوں کی تعریف میں کوئی لفظ نکل سکے۔

(۴) نیز اسی سورت میں شرک اور مشرکین کی مذمت ہی مذکور ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سورت کی اثناء تلاوت میں بتوں کی مدح کے متعلق آپ ﷺ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلے۔

(۵) نیز نبی تو توحید کی دعوت اور کفر و شرک سے زجر اور ممانعت کے لیے مبعوث ہوتا ہے اس کی زبان سے بتوں کی مدح میں کسی لفظ کا نکلنا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکلنا جن میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو بلاشبہ محال اور ناممکن ہے۔ ایسا کلمہ تو نبی کی زبان سے نہ قصداً نکل سکتا ہے۔ اور نہ سہواً اور نہ نسیاناً نکل سکتا ہے اور نہ جبراً تو ہر نکل سکتا ہے کہ نفس اور شیطان آپ کو اس کلمہ کے تلفظ پر مجبور کر دے جس میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو۔ (۱) قصداً اور عداً تو ایسا کلمہ نبی کی زبان سے اس لیے نہیں نکل سکتا کہ قصداً بتوں کی تعظیم اور اس کی مدح کفر اور شرک ہے اور نبی کی زبان سے قصداً تو کیا سہواً بھی کفر و شرک کا کلمہ نکلنا قطعاً محال ہے اور جو شخص نبی کی زبان پر بتوں کی تعظیم اور مدح کو جائز قرار دے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ نبی کی تمام تر سعی اور جدوجہد شرک اور بت پرستی کے مٹانے کے لیے ہے نہ کہ ان کی مدح اور تعظیم کے لیے۔ (۲) اور سہواً اس وجہ سے محال ہے کہ تلاوت وحی اور امور تبلیغیہ میں نبی سے سہواً اور نسیاناً اور غفلت کا صدور ناممکن اور محال ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَكُنْ لَیًّا ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ۝

ہم آپ کو یہ قرآن پڑھائیں گے پس آپ اس میں سے کوئی حرف نہیں بھولیں گے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ ہی کسی حکمت اور مصلحت سے اس لفظ کو باقی نہ رکھنا چاہے۔

حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین علیہ السلام وحی لیکر آتے تو حضور پر نور ﷺ بھی جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے کہ کہیں کوئی حرف بھول نہ جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَحْزَنْ بِمَا لِسَانُكَ يَتَعَجَّلُ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ یعنی جب جبریل علیہ السلام وحی قرآنی آپ ﷺ کے سامنے پڑھا کریں تو آپ ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ قرآن کا آپ ﷺ کے سینہ میں تمام دکان جمع کر دینا اور اس کا

محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے آپ ﷺ بے فکر رہے قرآن کا کوئی لفظ آپ ﷺ بھول نہیں سکتے۔

غرض یہ کہ تلاوت وحی اور دعوت و تبلیغ میں نبی کو سہو و نسیان کا پیش آ جانا بالاجماع ناممکن اور محال ہے البتہ نبی کو اپنے ذاتی افعال میں جیسے نماز وغیرہ میں سہو و نسیان کا لاحق ہونا ممکن ہے جیسا کہ نماز ظہر یا عصر میں آپ ﷺ نے بھولے سے اور کثرت تین پر سلام پھیر دیا اور بعد یاد آنے کے سجدہ سہو کیا تو یہ سہو و نسیان بھی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا جس سے سجدہ سہو کی تشریح مقصود تھی کہ اگر نماز میں سہو پیش آ جائے تو امت کو کیا کرنا چاہئے۔ اور لیلۃ التعریس میں جو حضور پر نور ﷺ کی نماز فوت ہوئی تو اس سے قضاء فائزہ کی تشریح مقصود تھی کہ اگر بھولے سے نماز قضا ہو جائے تو کس طرح اس کی قضا کی جائے یہ سہو و نسیان جو آپ ﷺ کو پیش آیا اس کا وحی رسالت اور تبلیغ شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۳) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ شیطان جبراً و قہراً کسی بہانہ یا دھوکہ سے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ نکلوا دے اس لیے کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے: ان عبادی لیس لك علیہم سلطان۔ اے شیطان میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ اور زور نہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے: انه لیس له سلطان علی الذین امنوا و علی ربہم یتوکلون انما سلطانہ علی الذین یتولونہ و الذین ہم بہ مشرکون اور شیطان کا خود اقرار ہے: الا عبادک منهم المخلصین۔ اے پروردگار میرا اغواء تیرے عباد مخلصین پر نہیں چل سکے گا اور آنحضرت ﷺ تو سید المخلصین تھے۔ آپ ﷺ پر شیطان کے کسی زور اور زور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ جبراً اختیار آپ کی زبان مبارک پر ایسے کفر و شرک کے الفاظ جاری کر سکے اگر خدا نخواستہ شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو کوئی کلمہ حق آپ ﷺ کی زبان سے جاری نہ ہونے دیتا پھر یہ کہ جب شیطان کو آپ ﷺ پر یہ قدرت حاصل ہو گئی تو خدا کے خاص اور مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان کو قدرت اور غلبہ نہیں۔ معاذ اللہ عاذا اللہ۔ اگر نبی اور رسول پر بھی شیطان کا زور چل سکے تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہا۔ نیز نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اس وقت کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں کوئی پر مار سکے یا اس کے قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورہ جن میں ہے: الا من ارتضى من رسول فانه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصدا ليعلم ان قد ابلاغوا رسالت ربهم واحاط بما لديهم۔ یعنی جب وحی الہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القاء نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغام کو بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دے پس اگر نبی القاء شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۱۷ ص ۱۶۰ ج ۱۷)

نیز قرآن میں ہے: وانه لكتب عزيز لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد۔ یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ خود ذمہ دار ہے کسی باطل کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آئے بہر حال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت ﷺ شیطان کے القاء سے کسی چیز کا تلفظ کر دیں اور آپ کو القاء شیطانی اور وحی جبریل علیہ السلام میں اور قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی زبان سے قرآن میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ ہو جائے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور آپ ﷺ کو اس

پر شبیہ نہ ہو اور آپ ﷺ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ مزید القاء شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ امر ناممکن ہے کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے قلت بصیرت کی اور اللہ کا نبی اس سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ قرآن کریم اور وحی الہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائیگا اور امان اور اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری جگہ بھی القاء شیطانی سے وحی الہی اور پیغام خداوندی میں کمی اور زیادتیاں کا جواز اور امکان نکل جائیگا کہ ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی القاء شیطانی سے احکام الہیہ اور پیغامات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتیاں اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے گا کہ حسب حکم خداوندی یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ احکام خداوندی کی پوری پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں وحی الہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہ وہی پوری وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القاء شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہو گئی ہو غرض یہ کہ ایسی صورت میں وحی الہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۷ ج ۶ روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۱۷)

(۷) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ نظم قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ افرء یتیم اللات والعزیٰ الخ سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تلک الغرائق العلیٰ سے بتوں کی مدح مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی اکرم ﷺ پر کیسے مخفی رہا یہ ناممکن ہے کہ صاحب نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

(۸) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تلک الغرائق العلیٰ ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیا حاضرین مجلس پر ان دو مختلف النوع کلاموں کا تفاوت مخفی رہا اور وہ اس فرق پر متنبہ نہ ہوئے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ پر وحی الہی مشتبہ ہو گئی اور آپ ﷺ کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں فرق نہ معلوم ہوا اور قرآن اور غیر قرآن اور منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ میں آپ ﷺ کو فرق نہ معلوم ہوا اور فرشتہ اور شیطان آپ پر کیسے ملتبس اور مشتبہ ہو گئے اور ملک معصوم اور شیطان خبیث میں آپ ﷺ کو فرق نہ کیا اور توحید اور شرک اور فرشتہ اور شیطان کا فرق آپ ﷺ پر ملتبس ہو گیا۔ (روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۱۷)

(۹) نیز اس آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت حضور پر نور ﷺ کی تسلی کے لیے نازل ہوئی نہ کہ عتاب اور تنبیہ کے لیے مقصود آیت آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ ﷺ ان معجزین اور معاندین کی سعی فی ابطال الآیات سے رنجیدہ نہ ہوں پس اگر واقعہ مذکورہ صحیح ہوتا تو آپ ﷺ پر عتاب نازل ہوتا۔

نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((من رانی فی المنام فقد رانی حقاً فان الشیطان لا یتمثل بی)) یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے۔ پس جب شیطان عام مؤمنین کے لیے شکل نبی متکملی اور متشکل نہیں ہو سکتا تا کہ اہل ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت

یہ مسئلہ کے لیے مشکل جبرئیل متعل اور متفائل ہونا بدرجہ اولیٰ محال اور ناممکن ہوگا۔ دیکھو تفسیر روض العانی ص ۱۷۱ تا ۱۷۲ عشرہ کاملہ) پس یہ دس دلیلیں جو زیادہ تر امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی تفسیر روض العانی سے ہیں اور کچھ حصہ شروع بیضاوی سے بھی مانوذا ہے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ہاتھ دہ یہ اہم ترین کردار کیا ہے۔ دوسرا یہ تفاسیر مذکورہ بالا کی مراجعت فرمائیں۔ دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی دلائل ملیں گے جن کو ہم نے اختصار کی بنا پر چھوڑ دیا۔ بہر حال اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور صحیح روایات میں صرف اس قدر مذکور کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا سب نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ایک شیخ نے منی بھر کنکریاں لیں اور ان کو اپنی پیشانی پر اٹھایا اور ان پر سجدہ کیا۔ صرف اتنی روایت صحیح ہے اور باقی منہ بھرا اور باطل ہے۔ تمام روایات صحیحہ میں واقعہ غرانیق العلوی کا کہیں ذکر نہیں۔

آمدیم بر سر مطلب

اب ہم آیت ہذا کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن تفسیر آیت سے پہلے یہ بتلادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں دو لفظ مذکور ہیں ایک ”شَمَلْتِی“ دوسرا ”أَلَقْتِی“ آیت تفسیر سے پہلے ان دونوں لفظوں کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ لفظ ”شَمَلْتِی“ سو جاننا چاہئے کہ لفظ ”شَمَلْتِی“ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک بمعنی قراءت و تلاوت جس سے سب پڑھنے کے ہیں اور دوسرے معنی دلی آرزو اور تمنا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ کلام عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے جو ہم نے اس میں ہے۔ اہل لسان مائمنی یہاں ”شَمَلْتِی“ سے دلی خواہش اور آرزو کے معنی مراد ہیں اور سورۃ بقرہ میں ومن بعد امیون لا یعلمون الکتب الا امالی۔ یہاں امینہ سے صرف زبان سے الفاظ توریت پڑھنے کے معنی مراد ہیں۔ لفظ ”أَلَقْتِی“ لفظ ”أَلَقْتُ“ کے اصل معنی ڈالنے کے ہیں اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ آیت میں ”أَلَقْتُ“ سے لفظ کے اعتبار سے ”أَلَقْتُ“ مراد ہے یعنی شیطان ایسے الفاظ القاء کرتا ہے جن کو سن کر لوگ فتنہ میں پڑ جائیں یا معنی کے اعتبار سے ”أَلَقْتُ“ مراد ہے۔ شیطان کفار کے دلوں میں کوئی ایسی چیز القاء کرے جو ان کے فتنہ کا سبب بن جائے تو آیت میں ”شَمَلْتِی“ اور ”أَلَقْتُ“ کے دونوں معنوں میں جو نئے معنی بھی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔

تفسیر اول:

اکثر مفسرین کے نزدیک غمنی کے معنی قراءت کے ہیں اور القاء سے القاء معنوی مراد ہے یعنی جب کبھی کسی نے نیانے کی وحی کی قراءت کی تو شیطان نے ان کی قراءت اور تلفظ میں کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے پس اگر اس آیت میں غمنی سے تلاوت اور قراءت کے معنی مراد لیے جائیں اور امینہ کو بمعنی مسکوا اور مقروہ لیا جائے یعنی وہ الفاظ مراد لیے جائیں جن کو نبی نے پڑھا ہے اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد لیا جائے یعنی شیطان نے انبیاء کی قراءت کے بعد لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہ اور وسوسہ ڈال دیا جس سے وہ وحی مسکوا اور مقروہ، لوگوں پر مشتبہ ہو گئی تو اس صورت میں آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہوگی اور اسے نبی آپ ﷺ نے ان کفار معاذین یعنی معاندین کے محالہ سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ

لوگ جو ابطال آیات کی سعی اور جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اس کی فکر میں نہ پڑے یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب بھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا یا اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو اس وقت شیطان نے اس کی تلاوت کردہ چیز کے بارے میں لوگوں کے دل میں بذریعہ دوسرے کچھ شکوک اور شبہات ڈال دیئے جس سے لوگ نبی کی تلاوت کردہ یعنی اس کی پڑھی ہوئی اور سنائی ہوئی چیز کے بارے میں شک اور شبہ میں پڑ گئے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی اللہ کے کسی رسول اور نبی نے کوئی آیت تلاوت کی یا اللہ کا کوئی حکم پڑھ کر سنایا یا کوئی بات بیان کی تو شیطان نے اللہ کے حکم اور اللہ کی بات اور نبی کی بیان کردہ چیز کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بذریعہ دوسرے شکوک اور شبہات ڈال دیئے بعد ازاں کفار شیاطین کے انہی القاء کردہ شبہات اور اعتراضات کی بناء پر انبیاء و رسل سے مجادلہ کرتے تھے اور اپنے اس مجادلہ باطلہ سے انبیاء و رسل کی بیان کردہ چیزوں کے ابطال اور محکوم و مذکور و ذکر و ذکر و ذکر کرتے تھے مگر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی سعی اور جدوجہد ناکام ہوتی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وان الشیاطین لیوحن الی اولیاء ہم لیجادلوکم وقال اللہ تعالیٰ وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض ذخرف القول غرورا۔

پس اسی قسم کے شبہات سے کفار مکہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں لگے ہوئے ہیں جیسا کہ: والذین سعوا فی ابتغاء معاجزین میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

(۱) مثلاً جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت: انما حرم علیکم البیتۃ پڑھ کر سنائی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ دیکھو مسلمان اپنی ماری (یعنی ذبیحہ) کو تو حلال بتاتے ہیں اور خدا کی ماری (یعنی میہ) اور مردہ (کو حرام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل کر کے اس کو منسوخ یعنی زائل اور باطل کر دیا یعنی: ولا تأکلوا مما یذکر اسم اللہ علیہ وانه لفسق اور فکلو اما ذکر اسم اللہ علیہ نازل کر کے ان کے شبہ کو زائل کر دیا اور بتا دیا کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے۔ باقی مارنے والا اور جان نکالنے والا ہر حال میں اللہ ہی ہے۔ جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے بندہ کا کام ذبح کرنا یعنی چھری چلانا ہے اس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چھری چلاؤ تو جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

(۲) اور مثلاً جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: انکم وما تعبدون من دون اللہ حسب جہنم۔ تو شیطان نے اس میں یہ شبہ القاء کیا کہ: وما تعبدون من دون اللہ۔ میں تو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ملائکہ کرامؑ کو داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شیطانی شبہ کے ازالہ کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین سبقتمہم منہم منا الحسنی اولئک عنہا مبعدون۔ مطلب یہ تھا کہ: انکم و ما تعبدون میں کلمہ ”با“ سے ان کے اصنام اور بت مراد ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندے سے مراد نہیں۔ (دیکھو ماحشیہ فتح زادہ بر تفسیر بیضاوی ص ۳۹۰ ج ۳)

لیکن اس طرح اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو مٹا دیتا ہے یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات اور اعتراضات کو محکم اور قطعی دلائل سے اور کافی دشمنی جو اہل ایمان سے دور کر دیتا ہے اور ان کو بالکل نیست و نابود کر دیتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قطعی دلیل اور محکم

جواب کے بعد شبہ اور اعتراض کی تلخ و بن بھی باقی نہیں رہتی پس حق جل شانہ کے اس قول فیصلح اللہ میں نسخ سے نفویٰ معنی مراد نہیں۔ نسخ کے انویٰ معنی نحو اور ازالہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کی تائید کو باطل اور زائل کرتا ہے اور شیطانی خلاف و ملامت کو مناد دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے نسخ کی حقیقت رفع اور ازالہ ہے سو آیت میں نسخ سے نفویٰ معنی مراد نہیں اور ازالہ طلاق معنی مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے جو قیٰ نازل کرتا ہے اس کی مخالفت اور منافیہ کرنا ہے اور اگر کوئی دوسری چیز اس میں خلاف و ملامت ہو جائے تو اس کو زائل کر دیتا ہے اور مناد دیتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۷ ج ۶)

پھر شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ازالہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ان آیات حینات کے مضامین کو جن کو نیا نسخہ نے پڑھ کر سنایا تھا پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیتا ہے وہ آیتیں اگرچہ پہلے سے محکم اور مضبوط تھیں مگر قلعہ اور شانی بنانے کے بعد انکا استحکام اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے جس سے القاء شیطانی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور شیطان کے القاء کردہ فتنوں کی شبہات یکلفت کا نور ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے جواب کے بعد کسی شک و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہتی اور اللہ جل جلالہ والا اور حکمت والا ہے یعنی شیطان نے جو القاء کیا۔ اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور شیطان کو جو اس القاء پر قدرت دیا اس میں اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اس کا ہر حکم اور ہر کام حق ہوتا ہے اور حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ شیطان کو اس القاء کی اس لیے قدرت دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القاء کردہ چیز کو ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بنائے جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور تردد اور تذبذب کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور نیز ان لوگوں کے لیے بھی آزمائش بنائے جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں۔ یعنی کھلم کھلا کافر ہیں اور اپنے کفر پر پختگی سے قائم ہیں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو دار ابتلاء اور دار امتحان بنایا ہے۔ شیطان کے ذریعہ لوگوں کا امتحان کرتا ہے اللہ نے شیطان کو پیدا ہی بندوں کے ابتلاء اور آزمائش کے لیے کیا ہے۔ اَلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ سَاءٌ اور وَ الْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ سے وہ سخت دل اور سنگ دل لوگ مراد ہیں جو باطل پر جئے ہوئے ہیں اور ان کے دل بالکل سیاہ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ سو القاء شیطانی کا یہ فتنہ ان دونوں گروہوں کی آزمائش کے لیے ہے تاکہ خبیث اور طیب ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو جائیں اور حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں مذکورہ گروہ (۱) منافقین جو دل کے بیمار ہیں اور (۲) کفار مجاہرین جو سنگ دل ہیں۔ واقعی یہ دونوں ظالم گروہ حد درجہ کی مخالفت میں ہیں جو حق سے بہت دور و دراز نکل گئے ہیں ظاہر اسباب میں حق کی طرف ان کی واپسی بہت بعید ہے اور اسی طرح القاء شیطانی میں ایک حکمت یہ ہے کہ تاکہ وہ لوگ جن کو من جانب اللہ صحیح علم اور صحیح فہم عطا کیا گیا ہے اس بات کو جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہی حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ جتنی مقدار میں انہوں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے اور سمجھا ہے صرف اتنا ہی حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب غلط ہے پس جو نبی سے سنیں اور سمجھیں اس پر ایمان لائیں اور اسی کو حق جانیں۔ ایمان تو پہلے ہی سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو جائے پھر نبی نے جو ان کو پڑھ کر دیا ہے اس کے سامنے اس کے دل جھک جائیں اور دل و جان سے اس کے حکم کی تعمیل کریں پس اس القاء شیطانی اور اس کے

ازدہ کا ایک قلم یہ ہوا کہ اہل ایمان کا ایمان اور ایمان پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط ہو گیا اور یہی صراط مستقیم ہے جو نہایت ہر ایک ہے اور اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سیدمی راہ پر انہیں بندوں کو چلاتا ہے جو انکی باتوں کو ماننے لیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں، اس آیت میں اہل ایمان کی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے سے ان کی استقامت اور حفاظت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کو ہدایت پر محفوظ اور مستقیم رکھتا ہے اور معاندین اور مجادلین اور معاجزین کو اپنی توفیق سے رزوا نہیں کرتا۔

یہاں تک آیت کی پہلی تفسیر ختم ہوئی اور یہ تمام تفسیر اس صورت میں تھی کہ آیت میں تمنی سے قرأت اور تلاوت یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے از روئے معنی القاء مراد لیا جائے یعنی دوسوہ شیطانی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا ظاہر مطلب یہ نکلا کہ شیطان کی قدیم عادت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر کوئی چیز لوگوں کو پڑھ کر سنا تا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں اپنی تلاویات فاسدہ اور شبہات داہیہ کا القاء کرتا جس سے نبی کی تلاوت کردہ چیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی اور لوگ شبہ میں پڑ جاتے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ تاویلات باطلہ، تسویلات مہملہ کو منسوخ یعنی نیست اور نابود کر دیتا ہے جس سے وہ تمام القاء شیطانی باطل اور زائل ہو جاتا ہے اور حق پہلے سے زیادہ واضح اور محکم ہو جاتا ہے۔ علامہ آلوسی علیہ السلام نے روح المعانی میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر:

اور اگر آیت میں تمنی کے معنی بجائے پڑھنے کے دل سے تمنا اور آرزو کرنے کے لیے جائیں اور القاء سے معنی القاء مراد لیا جائے تو پھر آیت کی صحیح تفسیر دوسری ہوگی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہما نے اختیار فرمایا ہے جس کو اب ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر علیہ السلام موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں جس کو ہم ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اللہ کی بات ہوتی ہے اور ایک نبی کی طرف سے اس کے دل کا طبعی میلان اور خیال ہوتا ہے۔ اور اس کی دلی آرزو ہوتی ہے وہ کبھی غلبہ پڑتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ وہ نبی کی طبعی اور ذاتی آرزو ہوتی ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس میں فرق ہو سکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

خلا آنحضرت علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خواب تو صرف ان قدر تھا جس میں کسی وقت کا ذکر نہ تھا مگر دلی آرزو اور شوق کی بناء پر یہ خیال آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہو جائے۔ اسی آرزو اور خیال کی بناء پر عمرہ کی نیت سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا مگر اس سال آپ ﷺ عمرہ نہ کر سکے۔ اور واپس آگئے اور اگلے سال خواب کو انجام پوری ہوئی۔

یا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو کافروں پر غلبہ دے گا آپ کو خیال آیا کہ شاید اسی لڑائی میں فتح

ہوگی مگر اس لڑائی میں آپ ﷺ کو غلبہ نہ ہوا بعد میں ہوا۔

غرض یہ کہ اس طرح گاہ بگاہ اصل وعدہ الہی کے ساتھ نبی کے خیال اور آرزو کی آمیزش ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ نبی نے جو کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا حالانکہ وہ نبی کی آرزو تھی وہ اگر پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تو جب لوگ نبی کی آرزو پوری نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شبہ میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ اس آمیزش کو دور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اللہ کا حکم اور اللہ کا وعدہ صرف اس قدر تھا وہ سرتا چلتی ہے اس میں سر مو فرق اور تفاوت نہیں اور اس قدر اس میں نبی کا ذاتی خیال اور دلی آرزو تھی۔ نبی نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تھی اور نبی کی آرزو اور اس کے طبعی خیال میں فرق نکل سکتا ہے کہ پورا نہ ہو۔ غرض یہ کہ جب اس قسم کا کوئی شبہ پیش آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اصل حکم الہی اور اصل وعدہ خداوندی صرف اس قدر تھا اور اس کے علاوہ نبی کی دلی تمنا اور آرزو تھی جو اس کے ساتھ مل گئی تھی کوئی خبر اور پیش گوئی نہ تھی، اللہ تعالیٰ وحی نازل کر کے اصل وعدہ اور اصل حکم کو نبی کی طبعی آرزو سے جدا اور الگ کر دیتا ہے تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں اس سے اللہ کی بات کی مضبوطی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ہو بہو پوری ہوا اور بلاشبہ اللہ کی بات ضروری پوری ہو کر رہتی ہے البتہ نبی کی تمنا اور دلی آرزو کبھی کبھی پوری نہیں ہوتی اور اس سے پیغمبر میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اللہ نے پیغمبروں کو علم غیب عطا نہیں کیا۔ پیغمبر باقتضاء بشریت اپنے دل سے کچھ خیال باندھ لیتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کے ہر خیال اور آرزو کا پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ناممکن اور محال ہے کہ نبی کسی چیز کی خبر دے اور وہ غلط نکلے۔ خبر اور چیز ہے اور خیال اور آرزو اور چیز ہے آنحضرت ﷺ کی آرزو تو یہ تھی کہ سب ایمان لے آئیں مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی و ما اکثر الناس ولو حرمتم بمؤمنین آپ کی دلی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں مگر پوری نہیں ہوئی اور یہ آیت نازل ہو گئی۔ انک لا تہدی من احببت ولكن الله یهدی من یشاء یہ رہا یہ امر کہ اس صورت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی۔ سو جانا چاہئے کہ اس آیت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف دیکھی ہے جیسے کہ وما السانیہ الا الشیطان میں انشاء (بھلا دینے) کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور سہو وشیان نہ عصمت کے منافی ہے نہ نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء سے بمقتضائے بشریت کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو ادب خداوندی کی بناء پر اس کو شیطان کی طرف نسبت کر دیتے ہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ یہ تمام کلام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس اللہ سرہ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔ جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حقیقت رقم سے موضح القرآن میں نکلا ہے اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمن میں لکھتے ہیں۔

مترجم: گو یہ مثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ ہجرت کردہ اندر زمینے کہ نخل بیار دارد پس وہم بجانب یمامہ و ہجر رفت در نفس الامر مدینہ بود۔ و مثلاً آنحضرت ﷺ بخواب دیدند کہ بمکہ درآمد اند و طوق و قصری کنند پس وہم آمد کہ در ہماں سال اسی معنی واقع شود در نفس الامر بعد از سال ہائے چند متحقق شد در امثال ایں صورت امتحان مخلصان و منافقان در میان می آید۔ واللہ اعلم۔ (فتح الرحمن)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں آپ کو خیال آیا کہ عجب نہیں کہ وہ سرزمین ہجر یا یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بستی مدینہ ہے جس قدر وحی آسمانی تھی وہ حق تھی اس میں سرمو تفاوت نہیں ہوا۔ البتہ آپ ﷺ کے خیال اور وہم و گمان میں فرق نکلا اور پورا نہ ہوا اور آپ ﷺ نے ہجر اور یمامہ کی بابت جو خیال فرمایا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ جو خواب آپ ﷺ کو دکھلایا گیا تھا اس میں کسی بستی کی تعیین نہ تھی۔ صرف اس قدر تھا کہ آپ ﷺ نے ایسی بستی کی طرف ہجرت کی جہاں کھجور کے درخت کثرت ہیں چونکہ ہجر اور یمامہ میں بھی بکثرت کھجور کے درخت تھے اس لیے آپ کا خیال اس طرح گیا کہ شاید وہ بستی ہجر یا یمامہ ہو بعد میں یہ نکلا کہ وہ بستی مدینہ منورہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کبھی فرق نہیں نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے۔ البتہ نبی کے طبعی خیال اور دلی آرزو میں بایں معنی فرق نکل سکتا ہے کہ پوری نہ ہو اور اگر نبی کی کوئی آرزو پوری نہ ہوتا اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نبی بمقتضائے بشریت کبھی کوئی آرزو کرتا ہے مگر کسی حکمت غیبی سے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ نبوت کے منافی نہیں۔ ابتداء میں اللہ کی طرف سے جو وعدہ ہوا وہ مجمل تھا اور اجمالی کی وجہ سے متعدد معانی کا اس میں احتمال تھا اللہ کی طرف سے کوئی تعیین نہ تھی۔ ایسے مجمل اور محتمل وعدہ میں نبی کا خیال اور اس کی آرزو کسی ایک معنی کی طرف چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اس مجمل اور محتمل سے ہماری مراد فلاں معنی ہیں۔ سو یہ نہ کوئی خطا ہے اور نہ کوئی غلطی ہے اور نہ نبوت اور عصمت کے منافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تمنا سے پہلے معنی یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد ہو تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جس کو سب سے پہلے ہم نے جمہور مفسرین سے نقل کیا اور اگر تمنا سے آرزو اور دلی خواہش کے معنی مراد ہوں تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جو ہم نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ سے نقل کی اور یہ دوسری تفسیر تھی اور یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے وہ یہ ہے۔

تیسری تفسیر:

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں تَمَنَّی سے اپنی قوم کے ایمان کی حرص اور تمنا مراد ہے یعنی ہر نبی اپنی قوم کے ایمان اور ہدایت کی تمنا کرتا ہے مگر شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہ ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان شبہات کا ازالہ فرمادیتے ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ:

ابتداء کلام میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ قصہ غرانیق علی کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس قصہ کو بالکل باطل اور موضوع قرار دیتا ہے جمہور کا یہی مسلک ہے اور گزشتہ تین تفسیریں اسی قول پر مبنی تھیں جو گزر گئیں۔ دوسرا گروہ علماء کا وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ پورا صحیح نہیں مگر بالکل باطل اور بے اصل بھی نہیں بلکہ فی الجملہ ثبوت رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانی رحمہ اللہ اور جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا میلان اسی طرف ہے اس لیے کہ یہ قصہ متعدد اسانید سے منقول ہے اگرچہ ان میں سے

بعض روایتیں مرسل ہیں اور بعض منقطع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اس گروہ کے نزدیک اس آیت ہذا کی تفسیر میں مختلف اقوال ہو گئے ہیں جن کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں اگر کسی درجہ میں اس قصہ کو ثابت مانا جائے تو بر تقدیر ثبوت آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ کہنا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ مجلس میں سورۃ نجم پڑھی تو وہاں بشکل انسان شیطان بھی حاضر تھا جب آپ ﷺ پڑھتے پڑھتے دُفَعَا الْكَافَّةَ الْأُخْرَى ۵ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے حسب عادت سکوت فرمایا اس لیے کہ آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ ظہر فرم کر پڑھتے تھے شیطان نے آپ کے اس وقفہ کو غنیمت اور فرصت جانا اور آپ ﷺ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ﷺ کی قراءت کے متصل ان الفاظ کو یعنی تِلْكَ الْغُرَانِيقُ الْعَلَىٰ کو پڑھ دیا۔ نیز قریش کا یہ طریقہ تھا جب آپ ﷺ قرآن پڑھتے تو بہت شور و غل مچاتے تاکہ آپ ﷺ کی قراءت کسی کو سنائی نہ دے۔ پس ایسی حالت میں شیطان نے آپ کی آواز بنا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے جو کفار اور مشرکین شیطان کے قریب تھے انہوں نے ان الفاظ کو سنا اور گمان کیا کہ یہ الفاظ خیر پر نور ﷺ نے اسی طرح پڑھے ہیں مشرکین ان الفاظ کو سن کر خوش ہو گئے کہ آج تو ہمارے بتوں کی تعریف کی گئی اور تمام میں اس کو مشہور کر دیا اور شیطان کی یہ آواز صرف ان چند کفار نے سنی جو شیطان کے قریب تھے باقی مسلمانوں نے صرف ان قدر سنا جو آپ ﷺ نے ان کو پڑھ کر سنایا اس کے سوا کچھ نہیں سنا۔ مشرکین کی مشہور کردہ خبر کو جب مسلمانوں نے سنا تو تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ ہم نے تو یہ الفاظ حضور ﷺ کی زبان سے نہیں سنے اور آنحضرت ﷺ کو جب اس شہرت کا علم ہو کہ مکہ میں آپ ﷺ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آج آپ ﷺ نے اس طرح پڑھا ہے تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل کیں کہ اے نبی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ جب اللہ کے پیغمبر نے خدا کی طرف سے کئی بات بیان کی تو شیطان نے موقع پا کر وحی الہی کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی بات ملا دی اور اپنی جانب سے اس میں کچھ الفاظ اضافہ کر دیا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر دے مگر شیطان کا یہ فتنہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کبھی ایسا فتنہ پیش آتا ہے تو نہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کی نیست و نابود کر دیتا ہے یعنی اپنے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اتنا حصہ القاء شیطانی ہے اور اتنا حصہ زبانی اور القاء آسمانی ہے پس اس طرح وحی ربانی۔ اقاء شیطانی سے جدا اور ممتاز ہو جاتی ہے اور دونوں کا فرق لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے اور اس وقتی خلط ملط اور عارضی آمیزش سے جو اشتباہ ہوا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر مظہری ص ۲۳۹ ج ۶)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جب مجلس میں سورۃ نجم پڑھی تو شیطان نے موقع پا کر آپ کی آواز میں آواز ملا کر اس قسم کا کلام ان مشرکین کے کانوں میں ڈالا جو اسکے قریب تھے جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ کلام بھی آنحضرت ﷺ کی زبان سے نکلا ہے حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہ تھا بلکہ وہ شیطان کی کاریگری تھی۔ اور شیطان کی عادت ہے کہ وہ اس قسم کے جھوٹ کے لئے موقع کا متلاشی رہتا ہے اور انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر کفار کی مجالس میں حاضر ہوتا ہے۔ اور ان کو مشورہ دیتا ہے۔ مثلاً مشرکین دارالندوہ میں حضور پر نور ﷺ کے قتل کے مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو شیطان شیخ مجدی کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو مشورہ دیا۔

اور اسی طرح جب قریش جنگ بدر میں جانے کے ارادہ کر رہے تھے تو اس موقع پر شیطان سراقتہ بن مالک کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کو غلبہ اور کامیابی کا اطمینان دلایا کہ قال اللہ تعالیٰ: وَإِذْ زَيْنَ كَهْمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَاهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَوَارَّتِ الْعِشَاءُ نَكَصَ عَلَى عَقَبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بِبَرِّيٍّ مِّنْكُمْ أَوْ أَمَّا لَا تَدْرُونَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں آپ کی تراوت کے وقت شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۹۰ ج ۳۔

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پر نور ﷺ نے ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حضور ﷺ کو تو اس کا علم بلکہ تصور بھی نہ تھا شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جن کو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلادیا کہ یہ سب القاء شیطانی تھا وحی ربانی نہ تھی اور بتلادیا کہ ہماری یہ قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اسی قسم کے القاء پر اول قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتا ہے جس سے سچے اور سچے ایمان والوں اور مذہب اور کچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے لہذا اے نبی آپ ﷺ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ حضرات اہل علم تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲۔ اور احکام القرآن لابن العربی ص ۲۹۱ ج ۳۔ اور احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۷ ج ۳ اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۸۹ ج ۳ ضرور دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علماء کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصہ مذکورہ بالکل باطل ہے، اول کی تین تفسیریں اس مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ اصلیت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بناء پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں اس تفسیر سے اگرچہ پورے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر ان شاء اللہ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبی رحمہ اللہ اور قاضی ابوبکر رحمہ اللہ بن عربی نے یہی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی اس طرح تفسیر کی جائے تاکہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

دوسری اور تیسری تفسیر:

جن لوگوں نے اس قصہ کو بدرجہ مجبوری کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرائق علی سے ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرائق جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے ہرگز نہیں، مگر یہ دونوں قول سراسر

تمہ بیان سابق:

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تمہ ہیں جن میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار مجادلین اور معاذ جزین ہمیشہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ سے مجادلہ کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے یا ان کو موت آجائے اس لیے فرماتے ہیں اور ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا القاء شیطانی کی وجہ سے شک اور شبہ ہی میں یا ہمیشہ جدال و خصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ پہنچ ان پر ناگہانی قیامت کبریٰ یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آپہنچ ان پر ایک منحوس دن کی آفت ”منحوس دن“ سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قحط کا زمانہ مراد ہے۔ ”عقیم“ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بائجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاذ جزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال و خصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدہ عذاب کے کفر اور عناد سے باز آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام و نشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلت و خواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیاء کا مقابلہ کیا سو ان کے استکبار کے مقابلہ میں ان کو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذلیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہونگے۔ (روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۷)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَى طَاعَتِهِ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ أَفْضَلُ الْمُعْطِينَ لِيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا أَى إِذْ خَلَا أَوْ مَوْضِعًا يَرْضَوْنَهُ ۚ وَهُوَ الْجَنَّةُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ ۝ بَيِّنَاتِهِمْ حَلِيمٌ ۝ عَنْ عِقَابِهِمُ الْأَمْرُ ذَلِكَ ۚ الَّذِي قَضَيْنَا عَلَيْكَ وَمَنْ عَاقَبَ جَازَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِبَيْتِل مَا عَوْقَبَ بِهِ ظُلْمًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ أَى قَاتَلَهُمْ كَمَا قَاتَلُوهُ فِي الشَّهْرِ الْمُحَرَّمِ ثُمَّ لَبِغِي عَلَيْهِ مِنْهُمْ أَى ظَلَمَ بِاخْرَاجِهِ مِنْ مَنَزِلِهِ لِيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ ۝ عَنْ الْمُؤْمِنِينَ عَفْوٌ ۝ لَهُمْ عَنْ قِتَالِهِمْ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ ذَلِكَ النَّصْرُ بِأَنَّ اللَّهَ يُؤَلِّجُ الْبَلْغَ فِي

النَّهَارَ وَيُؤَيِّجُ النَّهَارَ فِي النَّيْلِ أَيُّ يَدْخُلُ كُلًّا مِنْهُمَا فِي الْأَخْرِ بَأَنْ يَرِيدَ بِهِ وَذَلِكَ مِنْ أَثَرِ قُدْرَتِهِ الَّتِي بِهَا
النَّظَرُ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ دُعَاءَ الْمُؤْمِنِينَ بِصِدْقِهِ ۝ بِهِمْ حَيْثُ جَعَلَ فِيهِمْ الْإِيمَانَ فَاجَابَ دُعَاؤُهُمْ ذَلِكَ
النَّظَرُ أَيْضًا بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ بِالنَّيِّ وَالنَّهَارِ يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ وَهُوَ الْأَصْنَامُ هُوَ
الْبَاطِلُ الزَّائِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ أَيُّ الْعَالِي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ بِقُدْرَتِهِ الْكَمِيرَةِ ۝ الَّذِي يَصْطُرُّ كُلَّ شَيْءٍ
بِقُوَّتِهِ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۝ مَطَرًا فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۝ بِالنَّبَاتِ وَهَذَا مِنْ أَثَرِ
قُدْرَتِهِ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ فِي اخْتِرَاجِ النَّبَاتِ بِالْمَاءِ حَيْثُ ۝ بِمَعْنَى قُلُوبِهِمْ عِنْدَ تَأْخِيرِ الْمَطَرِ لَهُمَا
فِي الشُّجَرِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۝ عَلَى جِهَةِ الْمَلِكِ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ عَنْ عِبَادِهِ الْحَيْدُ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا

ع ۱۵

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر گئے پھر وہ مارے گئے یا مر گئے اللہ تعالیٰ
یقیناً انہیں بہترین رزق دے کر رہے گا اور وہ جنت کی نعمت ہوگی اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے اور وہ
انہیں جگہ داخل کرے گا جسے وہ بہت پسند کریں گے یعنی جنت میں مدد خلاصیم کے ضمہ اور فتح دونوں طرح ہے اور بیشک اللہ بڑا
عم والا ہے لوگوں کی نیتوں سے واقف ہے بڑا علم والا ہے ان کو سزا دینے میں یہ بات سن چکے ہو تمہارے سامنے ہم نے بیان کی
اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی تکلیف اسے پہنچائی گی یعنی مؤمنین کو جتنی تکلیف پہنچی تھی اس کے برابر انہوں نے بدلہ لے
لیا اور معاملہ برابر ہو گیا لیکن اگر پھر اس پر زیادتی کی جائے اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے
گا بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے یہ مؤمنین کی نصرت اور غلبہ اسی سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو داخل
کرتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں اور اس طرح پر کبھی دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور کبھی رات چھوٹی ہو جاتی ہے تو
جو کسی اس پر قادر ہے ہو سکتی ہے وہ مؤمنین کی مدد پر کیوں قادر نہیں ہو سکتی ہے؟ اور اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے اہل
ایمان کی دعا کو بڑا دیکھنے والا ہے اہل ایمان کی ضرورتوں کو اس وجہ سے ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان
نفا یہ نصرت اس لیے بھی ہوگی کہ اللہ ہی تو بس حق ہے اور اس کے سوا جس کو یہ پکار رہے ہیں) بتوں میں (وہ بالکل باطل ہے اور
اللہ تعالیٰ تو عالم الیضان ہے) سب سے بڑا ہے اس کے سوا جو چیز بھی ہے سب اس سے کمتر ہے کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی آسمان سے
پانی برساتا ہے سوز مین سرسبز ہو جاتی ہے یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرت میں ہے بیشک اللہ بڑا مہربان ہے اپنے بندوں پر کہ پانی
برسا کر سبز و گلدیتا ہے بڑا خبر رکھنے والا ہے ان چیزوں کی جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں بارش میں تاخیر ہو جانے کی وجہ
سے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے اپنے بندوں سے اور ہر تعریف کا
مزاوار ہے اپنے دوستوں کی۔

کلمہ ہے تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْفُسًا زَاكِيَاتٍ** : یہاں نفل و موت میں برابری ذکر کی گئی کیونکہ دونوں قصد و نیت میں برابر ہیں۔ نیت المؤمنین شہیدوں کی ہے۔
 قولہ: **مَنْ حَلَّاهُ** : میم کے ضمہ سے مصدر ہے اور فتح کے ساتھ ظرف ہے۔

قولہ: **مَدَّحَلَا**: میم کے ضمہ سے مصدر ہے اور فتح کے ساتھ نکرل ہے۔

قولہ: **هُوَ الْجَنَّةُ**: اس میں وہ کچھ ہے جس کو وہ پسند کرے گا۔

قوله: الْأَمْرُ ذَٰلِكَ: یہ مبتداء خبریں۔

قولہ: مِنَ التَّوْبَتَيْنِ: اس میں موصول کا بیان ہے۔

قوله: ظلمات العشرین: ابتداء ظلم کو عقاب سے تعبیر کیا کیونکہ وہ فعل کے بعد ہے۔ جزاء کو بھی عقاب کہتے ہیں اس لئے۔ بدلہ لیتا ہے۔

قوله: الْحَقُّ: -عني ثابت لعني واجب الوجود-

قوله: الَّذِي يَضَعُ: اس کے سوا ہر چیز چھوٹی اور حقیر ہے۔

قوله: اَلَمْ تَرَ: یہ استفہام تقریری ہے۔ صبح الارض اس کا عطف انزل پر اور عائد مقدر ہے۔

قولہ: عَلَى جَهَةِ الْمَلِكِ: یعنی بطریق انتفاع نہیں بلکہ حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ مِنَ الْبَهَائِمِ وَالْفُلُكَ الشُّفُنُ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ لِلرُّكُوبِ وَالْخَمَلِ

بِأَمْرِهِ يُادُّنُهُ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ مِنْ أَنْ أَوْقَلَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَتَهْلِكُونَ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ

تَعِيمٌ ⑩ فِي التَّخْيِيرِ وَالْإِمْسَاكِ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ بِالْإِنْسَاءِ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ عِنْدَ انْتِهَائِ اجَالِكُمْ ثُمَّ

يُحْيِيكُمْ ۖ عِنْدَ الْبَعْثِ إِنَّ الْإِنْسَانَ أَى الْمُشْرِكِ لَكُفُورٌ ۖ ۝ لَنِعْمَ اللَّهُ بِتَرَكِهِ تَوْحِيدَهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَلَكَ

بِفَتْحِ التَّيْنِ وَ كَسْرِهَا شَرِيعَةً هُمْ نَاسِكُوهُ عَامِلُونَ بِهِ فَلَا يُنَازِعُكَ مِرَادُ بِهِ لَا تُنَازِعُهُمْ فِي الْأُمُورِ

الذَّبِيحَةِ إِذْ قَالُوا مَا قَتَلَ اللَّهُ أَحَدًا أَنْ تَأْكُلُوهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ وَأَدْعُ إِلَى رَبِّكَ أَيُّ إِلَهِ دِينِهِ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى بَلِيٍّ

مُسْتَقِيمٌ ۝ وَإِنْ جَدَلْتُمْ فِيهِ أَمْرَ الدِّينِ فَقَدْ أَطْلَمُ بِهِمَا تَعْمَلُونَ ۝ فَيَجَازِيكُمْ عَلَيْهِ وَهَذَا قَبْلُ الْأَمْرِ

بِالْقِتَالِ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَافِرُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ٥٥ بَلْ يَقُولُ

كُلِّ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ خِلَافٌ قَوْلِ الْآخِرِ أَلَمْ تَعْلَمْ إِلَّا سِتْفَهُمْ فِيهِ لِلتَّقْرِيرِ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اِنَّ ذٰلِكَ اَيُّ مَا ذُكِّرَ فِي كِتٰبٍ هُوَ اللّٰوْحُ الْمَحْفُوْظُ اِنَّ ذٰلِكَ اَيُّ عِلْمٍ مَا ذُكِّرَ عَلٰى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ سَهْلٌ وَ
 يَسُوْرٌ اَيُّ الْمُسْرِ كُوْنٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا كَفَرِيْكَوْنُ بِهِ هُوَ الْاِضْطَامُ سُلْطٰنًا حُجَّةً وَ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ
 اِنَّهَا اِلٰهَةٌ وَ مَا لِلظَّالِمِيْنَ بِالْاِشْرَاكِ مِنْ اُصُوْرٍ ۝ اِيْمَنُغْ عَنْهُمْ عَذَابُ اللّٰهِ وَاِذَا تُنْشِلُ عَلَيْهِمْ اَيُّكُنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ
 يَنْتَبِهُتْ ظَاهِرَاتِ خَالٍ تُعْرِفُ فِي وُجُوْهِ النَّبِيْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرُ اَيُّ الْاِنْكَارِ لَهَا اَيُّ اَثَرُهُ مِنَ الْبُكَرَاهَةِ وَالْعَبُوْسِ
 يَكَاوُنُ يَسْطُوْنُ بِالَّذِيْنَ يَنْتَلُوْنَ عَلَيْهِمْ اَيُّكُنَا اَيُّ يَقَعُوْنَ فِيْهِمْ بِالْبَطْشِ قُلْ اَقَاتِيْكُمْ بِشَرِّ قِيَمِ ذٰلِكُمْ اَيُّ
 بِاَثَرِهِ اَلَيْكُمْ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمَثْلُوْ عَلَيْهِكُمْ هُوَ النَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّ مَصِيْرُهُمْ اِلَيْهَا وَ يَلْسَ
 اَلْوَلِيْرُ ۝ هِيَ

۱۱

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے کام میں لکھا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ زمین میں ہے چوپائے وغیرہ
 اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے سواری اور سامان کو لانے لے جانے کی غرض سے اور وہی آسمانوں کو زمین
 پر کرنے سے روکے ہوئے ہے مگر ہاں کہ اسی کا حکم ہو جائے تو وہ آسمان گر پڑے اور ہلاک ہو جائیں بیشک اللہ انسانوں پر بڑا
 شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے کہ چیزوں کو انسان کے قبضہ میں دے رکھا ہے اور آسمان کو روک رکھا ہے اور وہی ہے جس نے
 تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا جب تمہاری عمر پوری ہو جائے گی پھر تم کو جلانے کا حشر و شر کے وقت بیشک انسان یعنی
 مشرک بڑا ناشکر ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے باوجود ایمان نہیں لاتا ہم نے ہر امت کے واسطے ایک طریقہ ذبح کا مقرر رکھا
 ہے مَسْکَا میں سین کا کسرہ اور فتح دونوں ہیں بمعنی طریقہ وہ اس پر چلنے والے ہیں سوائے نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں
 اس امر ذبح میں اور یہ کہیں کہ خدا کا مارا ہوا زیادہ مستحق ہے کھائے جانے کے بمقابلہ ان جانوروں یا پرندوں کے کہ جس کو انسان
 نے مارا ہے اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہتے بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں اور اگر یہ لوگ آپ سے
 جھگڑا کالتے رہے امور دین میں تو کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو وہی تم کو اس کا بدلہ دے گا یہ حکم احکامات
 جنگ سے پہلے کا ہے اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن اے مومنین و مشرکین جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے
 رہتے ہو اور ایک دوسرے کے قول کی مخالفت کرتے رہتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے استغفار تقریری ہے جو
 کچھ آسمان اور زمین میں ہے یہ سب قول و فعل کتاب نامہ اعمال میں بھی درج ہیں بیشک یہ یعنی فیصلہ اللہ کے نزدیک بہت آسان
 ہے یہ لوگ مشرکین اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبارت کرتے ہیں جن کے جواز عبارت پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے اور وہ
 بت لیا اور نہ ان کے پاس اس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ان ظالموں مشرکوں کا کوئی مددگار ہوگا جو اللہ کے عذاب کو
 ان سے روک سکے اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن کے مضامین خوب واضح ہیں حال واقع تو
 آپ کافروں کے چہروں پر بوجہ ناگواری کے برے اثرات دیکھتے ہیں ان آیتوں کے انکار میں یعنی ناگواری اور شدت ناراضگی

کے اثرات گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں شدت ناراضگی کی وجہ سے آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس قرآن سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں وہ دوزخ ہے اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے بطور نذرانہ کے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **الْفَلَکَ**: یہ ذوالحال اور نحری حال ہے۔

قوله: **إِلَّا بِإِذْنِهِ**: اللہ تعالیٰ آسمان کو تھامنے والے ہیں نہ خود یہ تھما ہوا ہے۔

قوله: **عَامِلُونَ بِهِ**: بطور وسعت یہاں جار کو حذف کیا گیا ہے۔

قوله: **يُؤَادُّهُ**: اس سے مراد بطریق کنایہ کفار کی منازعت سے ممانعت فرمائی ہے یہ مہربانی کے لئے مناسب ہے۔

قوله: **لَا تَنَازِعُ عَنْهُمْ**: اس میں دونوں کرنے والوں کو دوسرے جیسے فعل سے کنایہ روکا گیا ہے اور افعال مغالبہ میں ایسا ہوتا ہے۔

قوله: **إِنْ جَدُّوْكَ**: اس میں اشارہ ہے کہ حق ظاہر ہو چکا اگر وہ مجادلہ کریں تو تم کہو اللہ تعالیٰ تم سے خود جان لے گا۔

قوله: **بِمَا تَعْمَلُونَ**: اس سے مراد باطل مجادلہ وغیرہ ہے۔

قوله: **يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ**: یعنی ثواب و عقاب سے وہ تمہارے مابین فیصلہ کر لے گا جس کے تم حقدار ہو گے۔

قوله: **مَادُكِرَ**: جو کچھ کہ آسمان و زمین میں ہے۔

قوله: **هُوَ اللَّوْحُ**: یہ لوح محفوظ ہے جس میں وجود سے پہلے سب کچھ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق لکھ دیا۔ ان کا معاملہ آپ کو ہمارے علم کے ہوتے ہوئے پریشان نہ کر لے۔

قوله: **عِلْمُ مَادُكِرَ**: وہ علم مراد نہیں جو اس کی ذات کا مقتضی ہے اور تمام سے برابر متعلق ہے۔

قوله: **حُجَّةٌ**: ایسی دلیل جو اس کی عبادت کے جواز کو ثابت کرتی ہے۔

قوله: **لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ**: یعنی وہ علم جس کی ہدایت عقل اور اس کے استدلال سے حاصل ہوا۔

قوله: **بِإِلْهَامِكِ**: ورنہ تو ہر گناہ گناہ کرنے والے کا اپنے نفس پر ظلم ہے شرک کے علاوہ کبیرہ کی معافی اعلان فرمایا بغیر ماذون ذلک لمن یشاء۔

قوله: **ظَاهِرَاتٍ**: اس سے مراد دلائل ہیں الانکار۔ اس سے اشارہ ہے کہ المنکر مصدر میمی رہے یہ اسم مفعول نہیں نہ جو منکر معروف کے ضد آتا ہے اس سے مراد شر سے جو ان کا مقصد تھا وہ ہے کیونکہ تو چہرے پر نظر نہیں آتا۔

قوله: **بِالْبَطْشِ**: سختی سے پکڑنا۔

قوله: **هُوَ النَّارُ**: گویا یہ سائل کی بات کا ترکی بترکی جواب ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ ضَرْبٍ مَثَلٌ قَاتِمٌ عَوَالَهُ ۖ وَهُوَ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَىٰ غَيْرُهُ
 رَهُمُ الْأَصْنَامُ كُنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا إِسْمُ جُنْسٍ وَاحِدَةٍ ذُبَابَةٌ يَقَعُ عَلَى الْمَذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ وَكُوِ اجْتِمَعُوا لَهُ
 أَى لِيَخْلُقَهُ وَإِنْ يَسْلُبُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا مِمَّا عَلَيْهِمْ مِنَ الطَّيِّبِ وَالزَّعْفَرَانِ الْمُلْطَحُونَ بِهِ لَا يَسْتَفِيدُونَ
 بِمَسَرُّوهُ مِنْهُ ۖ لِعَجْرِهِمْ فَكَيْفَ يُعْبَدُونَ شُرَكَاءَ اللَّهِ تَعَالَى هَذَا أَمْرٌ مُسْتَعْرِثٌ عَبَّرَ عَنْهُ بِضَرْبٍ مَثَلٍ
 ضَعُفَ الطَّلِبُ الْعَابِدُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ الْمَعْبُودُ مَا قَدَّرُوا اللَّهُ عَظَمُوهُ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ عَظُمَتِ إِذَا اشْرَ كُتَابُهُ مَا لَمْ
 يَنْتَفِعْ مِنَ الذُّبَابِ وَلَا يَنْتَصِفُ مِنْهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ غَالِبُ اللَّهِ يُصْطَفَى مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۖ
 رُسُلًا تَزَلُ لِمَا قَالِ الْمُشْرِكُونَ أَنَزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ ۖ لِمَقَالَتِهِمْ بِصِدْقِهِ ۖ بِمَنْ يَتَّخِذُهُ
 رُسُلًا كَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدٍ وَغَيْرِهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
 خَلْفَهُمْ ۖ أَى مَا قَدَّمُوا وَمَا خَلَّفُوا أَوْ مَا عَمِلُوا وَمَا هُمْ عَامِلُونَ بَعْدَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا ۖ أَى صَلُّوا وَاعْبُدُوا وَارْكَعُوا وَخُذُوهُ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ كَصِلَةِ الرَّحْمِ وَمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ
 لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ۝ تَفُوزُونَ بِالْبَقَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ لِإِقَامَةِ دِينِهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۖ بِاسْتِيفَارِغِ الطَّاقَةِ ۖ
 فِيهِ وَنَصَبِ حَقٍّ عَلَى الْمُضْدِرِّ هُوَ اجْتَنِبَكُمْ أَخْتَارَ كُمْ لِدِينِهِ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۖ أَى
 ضَيْقٍ بَأَن سَهْلَهُ عِنْدَ الصَّرُورَاتِ كَالْقَصْرِ وَالتَّيْمُمِ وَالْكُلِّ الْمَيْتَةِ وَالْفِطْرِ لِلْمَرَضِ وَالسَّفَرِ مِلَّةً أَيْبَكُمْ
 مُنْطَوِّبٍ بِشَرِّ الْخَافِضِ الْكَافِ إِبْرَاهِيمَ ۖ عَطْفُ بَيَانٍ هُوَ أَى اللَّهُ سَمَّكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلِ أَى قَبْلِ
 هَذَا الْكِتَابِ وَفِي هَذَا أَى الْقُرْآنِ لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنَّهُ بَلَّغَكُمْ وَتَكُونُوا أَنْتُمْ شُهَدَاءَ
 عَلَى النَّاسِ ۖ أَنْ رُسُلَهُمْ بَلَّغْتَهُمْ فَاقْبَلُوا الصَّلَاةَ ۖ دَاوِمُوا عَلَيْهَا وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۖ يُقْوَاهُ هُوَ
 مُوَلِّكُمْ ۖ نَاصِرُكُمْ وَمُنْزِلُ أُمُورِكُمْ فَيَعْمَلُ الْمَوْلَى هُوَ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ أَى النَّاصِرُ هُوَ لَكُمْ

ترجمہ: اے لوگو! اہل مکہ! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے سو غور سے سنو! وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوپا کرتے ہو
 اور ان کی پرستش کرتے ہو یعنی یہ بت وغیرہ وہ ایک کبھی تک کو پیدا نہیں کر سکتے ذبا یا اسم جنس ہے واحد ذبا یا بزرگ و مؤنث دونوں
 کے لیے ہے بمعنی کبھی چاہے سب کے سب اس غرض کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر کبھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے

ان چیزوں میں سے جن پر چڑھا دیا جاتا ہے خوشبو اور زعفران جو اس سے ان پر پٹی ہوئی ہوتی ہے تو وہ اسے چھڑا کر نکال سکتے ان کے عجز کا تو یہ عالم ہے کہ کبھی کو بھی نہ بھگا سکیں حیرت ہے کہ پھر بھی یہ اس کی پوجا پاٹ میں ہیں یہ ایسا عجیب و غریب معاملہ ہے کہ جس کو ضرب المثل سے تعبیر کیا ہے طالب ایسا لچر یعنی پوجا کرنے والا اور مطلوب بھی ویسا ہی یعنی جس کی پوجا اور عبادت ہے ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے ان جوں کو خدا کا شریک ٹھہرا کر جو کبھی کو بھی نہ بھگا سکیں بیشک اللہ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والا اور آدمیوں میں سے بھی جسے چاہتا ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کیا یہی رہ گئے تھے ہم میں سے جن کے اوپر قرآن نازل ہو بیشک اللہ خوب سننے والا ہے ان کی باتوں کو اور خوب جاننے والا ہے اس کو جس کو رسول بناتا ہے جیسا کہ (فرشتوں میں سے) جبریل اور میکائیل اور (انسانوں میں سے) حضرت ابراہیمؑ اور محمد ﷺ وغیرہ کو جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور یہ کہ یہ اب تک کیا کر چکے ہیں اور آئندہ کیا کرنے والے ہیں اور اللہ ہی پر تمام کاموں کا مدار ہے۔ سے ایمان والوں! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو یعنی نمازیں پڑھا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور نیکی کرتے رہو مثلاً دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی اور اپنے عمدہ اخلاق کا مظاہر کیا کرو تا کہ کچھ فلاح پا جاؤ اور دائمی جنت مل جائے اور اللہ کے کام میں کوشش کرتے رہو جو اس کی کوشش کا حق ہے اور دین قائم کرنے کی جدوجہد میں مکمل طور پر لگ جاؤ حق مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس نے تمہیں برگزیدہ کیا اپنے دین کے لیے اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی یعنی شدت نہیں برتی بلکہ سہولت سے کام لیا اور وقت ضرورت نمازوں میں قصر اور وضوء کے بجائے تیمم کی اجازت دی اور اسی طرح بیماری یا سفر کی حالت میں روزہ کے افطار کی بھی اجازت دیدی اور ضرورت پڑنے پر مردار کو بھی جائز قرار دیا۔ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی سنت پر قائم رہو لفظ ملہ منصوب ہے کاف حرف جر ہٹا دینے کی وجہ سے اور ابراہیم عطف بیان ہے اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا نزول قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں قیامت کے دن کے انھوں نے تم کو پیغام پہنچا دیا تھا اور تم سب لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرا اس بات پر کہ ان کے پیغمبروں نے ان کے پاس تبلیغ پہنچا دی تھی۔ تم لوگ نماز کی پابندی کرنے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑو یعنی اس پر بھروسہ کرو وہ تمہارا مولیٰ یعنی تمہارا مددگار اور تمہارا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے اور وہ تمہارے لیے کیسا اچھا ناصر ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: ضَرَبَ: یعنی تمہیں عجیب حالت یا شاندار قصہ سنایا۔ اسی وجہ سے اس کو مثال کہا۔
 قوله: فَاسْتَمِعُوا لَهُ: اس سننے سے تدبر و فکر کا سننا ہے۔
 قوله: كُنْ يَخْلُقُوا: یعنی اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود اس کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے نفی تاکید بلن یا اور منفی عنہ کے مابین خوب منافات ثابت کرتا ہے۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

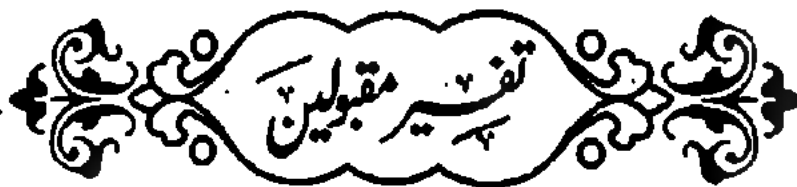
قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔

قولہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی اس کو مبالغہ کے طور پر لائے جبکہ اجتماعی طور پر ان کو قدرت نہیں تو انفرادی طور پر کیسے قدرت ہوگی۔



وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، ہجرت کرنے والوں کے لیے رزق حسن ہے:

اسلام کے عہد اول میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکلیفیں دی جاتی تھیں جن کی وجہ سے بہت سے صحابہ نے حبشہ کو ہجرت کی اور بہت سے حضرات نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا وطن ماکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، جب مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا تو مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کے لوگ بھی مدینہ منورہ آ گئے محض اللہ کے لیے وطن کو چھوڑنا وطن میں جو کچھ اموال و املاک گھر جائیداد ساز و سامان ہوا سب کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر بس جانا اس میں بڑا استحسان ہے، بعد میں جو لوگ مختلف علاقوں میں مسلمان ہوئے ان میں

سے بھی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، ہجرت کا ثواب بہت زیادہ ہے۔
 اگر ہجرت کرنے والا مقتول ہو جائے تو اس کا مزید ثواب ہوگا، اگر مقتول نہ ہو اپنی طبعی موت مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی
 بھی بہت قیمت ہے اس کو فرمایا: **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا** (اور جس
 لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مقتول ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا)
 اور اس سے جنت کے ماکولات اور مشروبات اور دیگر نعمتیں مراد ہیں **وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ** (اور اللہ تعالیٰ سب سے
 والوں سے بہتر دینے والا ہے)

کار فرمائی اور توجہ و عنایت اس کائنات میں ہر لمحہ جاری اور برابر جاری رہتی ہے۔ ورنہ یہ سارا کارخانہ ہست و بود مٹ کر رہ جائے، پس بندے کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ رجوع رہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝

یعنی اللہ کے سوا ایسے عظیم الشان انقلابات اور کس سے ہو سکتے ہیں۔ واقع میں صبح اور سچا خدا تو وہ ہی ایک ہے باقی اس کو چھوڑ کر خدائی کے جو دوسرے پانکھنڈ پھیلانے گئے ہیں سب غلط جھوٹ اور باطل ہیں۔ اسی کو خدا کہنا اور معبود بنانا چاہیے جو سب سے اوپر اور سب سے بڑا ہے اور یہ شان بالاتفاق اسی ایک اللہ کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللَّهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَخْضِبُ الْاَرْضَ مُخْضَرًا ۚ اِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝

مظاہر قدرت میں غور و فکر کی دعوت و ترغیب:

سوار شاد فرمایا گیا کہ کیا تم دیکھتے نہیں قدرت کے ان عظیم الشان مظاہر میں۔ یعنی ان میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے، تاکہ تم اس وحدہ لا شریک کی عظمت، قدرت اور بے پایاں رحمت کے جا بجا بکھرے اور نکھرے آثار و نشانات دیکھ سکو اور اس کی معرفت سے سرشار ہو کر داریں کی سعادت اور حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز ہو سکو سوا اگر تم کائنات کی اس عظیم الشان اور کھلی کتاب کے انہی چند مظاہر کو دیکھو، اور ان میں غور و فکر سے کام لو جو ہر وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں، یعنی آسمان سے پانی اتارنے کے اور اس کے ذریعے مردہ پڑی زمین کو زندگی بخشنے، اور اس سے طرح طرح کی پیداواریں نکالنے اور خوشنما فصلوں، کھیتوں اور باغوں کے لہلہا اٹھنے ہی کو دیکھ لو، اور ان میں صبح طریقے سے غور و فکر سے کام لو تو تمہیں نظر آئے گا کہ تمہارا وہ خالق و مالک جسکی قدرت اور رحمت و عنایت کے یہ عظیم الشان مظاہر تمہارے سامنے رہتے ہیں، کیسی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا مالک ہے، تو تم اس کی وحدانیت کیلئے دل سے پکار اٹھو اور دل سے اس کے حضور جھک جاؤ، - مردہ زمین کا جی اٹھنا قدرت کا ایک اور عظیم الشان مظہر: سو مردہ پڑی زمین کا جی اٹھنا قادر مطلق کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا ایک عظیم الشان نمونہ و مظہر ہے۔ سو تم دیکھتے ہو کہ وہ زمین جو بالکل مردہ پڑی ہوئی تھی بارش کے حیات آفریں قطرات کے پڑتے ہی زندہ ہو جاتی ہے۔ اور اس میں قسم قسم کی وہ انگوریاں نکل آتی ہیں جن سے تم طرح طرح کے فائدے اٹھاتے اور منافع کھاتے ہو مگر اس کے باوجود تم لوگ اسے غافل و اسواہب مطلق کو بھولے ہوئے ہو والعیاذ باللہ سو یہ کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر ناشکری ہے والعیاذ باللہ، مگر اس کے باوجود اس کے طرف سے یہ ڈھیل؟ اسی وحدہ لا شریک کی شان ہو سکتی ہے سبحانہ و تعالیٰ، نیز اس آفاقی دلیل کی شہادت سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی گھنا کسی بھی وقت اور کسی بھی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ لہذا اندو کوئی اس کو بعید سمجھے اور نہ اس سے مایوس ہو بلکہ ہمیشہ اس کی امید بھی رکھے اور اسواہب مطلق۔ جل جلالہ۔ کی طرف دل و جان سے توجہ بھی دے۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی مہربان نہایت ہی باخبر ہے: جو اپنے بندوں کو ایسی عظیم الشان اور بے شمار نعمتوں سے نوازا تا ہے اور اس قدر پر حکمت نظام کے تحت نوازا تا ہے سبحانہ و تعالیٰ اور ایسا کہ اس کی ان عنایات اور نوازشات کا یہ سلسلہ برابر اور لگاتار جاری ہے، اور یہ سب کچھ اس قدر لطافت اور باریک بینی سے انجام پاتا ہے کہ انسان اس کے ادراک و احاطہ سے عاجز

ہے، سو ایسے لطیف و خیر خداوند قدوس سے منہ موڑنا اور اس کے حق اطاعت و بندگی سے غفلت برتنا اور اس سے بڑھ کر کسی دوسری بے بنیاد اور بے حقیقت چیزوں کو اس کا شریک قرار دیا جائے، جن کا ان نعمتوں کو عطا کرنے میں سرے سے کوئی حصہ نہیں ہے، نہ ہو کس قدر ظلم ہے، والعیاذ باللہ العظیم۔ نیز وہ اپنے بندوں کے تمام احوال و کوائف اور ظواہر و باطن سے پوری طرح باخبر ہے اور ایسا کہ جو کچھ ماضی کے پردوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے پوری طرح باخبر و آگاہ ہے اور جو کچھ مستقبل کی اوجھل میں ہے وہ اس سے بھی پوری طرح واقف و آگاہ اور باخبر ہے: **أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ**۔ پس بندے کا کام ہے کہ ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے اور اس سے ہر خیر کی توقع اور امید رکھے۔

اللَّهُ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ سَعَىٰ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ

یعنی اس کو تمہاری یا کسی کی کیا پروا تھی۔ محض شفقت و مہربانی دیکھو کہ کس طرح خشکی اور تری کی چیزوں کو تمہارے پاس پہنچا کر دیا۔ پھر اسی نے اپنے دست قدرت سے آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو اس فضا میں ہوائی میں بدون کسی طاہری کی ستون کے قائم رکھا ہے جو اپنی جگہ سے نیچے نہیں سرکتے۔ ورنہ گر کر اور ٹکرا کر تمہاری زمین کو پاش پاش کر دیتے۔ جب تک اس حکم نہ ہو یہ کرات یونہی اپنی جگہ قائم رہیں گے بحال نہیں کہ ایک انچ سرک جائیں۔ **إِلَّا بِإِذْنِهِ** کا استثناء محض اثبات قدرت کی بات کے لیے ہے۔ یا شاید قیامت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم۔

لِحُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ

ہر امت کے لیے عبادت کے طریقے مقرر کیے گئے ہیں:

(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں ہر امت کو ایک شریعت عطاء کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپ کو یہ شریعت عطاء کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اس کا اتباع واجب ہے، کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں، ہر امت کے لئے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ قرار دی جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح ہم نے آپ کو ایک شریعت عطاء کی پس لوگوں کو چاہئے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے ٹکرائیں اور طمع میں نہ پڑیں کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ ﷺ کو پھسلا دیں بلکہ چاہے کتاب کی شریعت کی پیروی کریں اور آپ ﷺ ان کی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ ﷺ حق پر ہیں اور آپ ﷺ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپ ﷺ اپنے حق پر قائم رہیں اور اسی پر جمے رہیں اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاحظت اور نرمی کی کجی نہیں تو حید اور اصول دین میں تمام انبیاء متفق رہے، البتہ ہر امت کے لیے عبادت و بندگی کے طریقے بدلتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص شریعت عطاء کی ہے جس کی پیروی قیامت تک لازم ہے لیکن اصول دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ ﷺ سے کیوں جھگڑا کرتے ہیں۔ توحید تو ایک مسلمہ

ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اس کا حق ہونا روز روشن کی طرف واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ﷺ ان کے جواب میں فقط اتنا کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دے گا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "منسک" سے شریعت اور منہاج یعنی طریقہ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسک منسک سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبايح بھی داخل ہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۰۳ ج ۱۶ اور روح المعانی ص ۱۷۸ ج ۱۷)

اب آئندہ آیات میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا جانا اور از روئے علم انکا احاطہ کرنا اور لوح محفوظ میں انکا ثبت کرنا اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا علم اور اس کی قدرت غیر محدود و متناہی بالفعل ہے وہاں کسی وقت اور مشقت کا کوئی امکان ہی نہیں اب آگے مشرکین کی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی۔ بے دلیل ان کو پوجتے ہیں اور اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی بابت ان کو کوئی علم نہیں۔ یعنی محض جہالت کی بناء پر ان کی عبادت کرتے ہیں کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بناء پر نہیں کرتے غرض یہ کہ جن بتوں کو انہوں نے معبود بنایا ہوا ہے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب سے بچائے یا چھڑائے اور ان ظالموں کے ظلم اور مصلو کا حال یہ ہے کہ جب ان پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو اس کی الوہیت اور وحدانیت کی روشن دلیلیں ہوتی ہیں تو اسے دیکھنے والے تو اس وقت ان کافروں میں ناگواری کو اچھی طرح پہچان لے گا کہ اس قسم کی آیات حینات کو سننے سے ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور ناگواری اور ترشردی سے بڑبڑانے لگتے ہیں اور کمال نفرت سے حال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہوتا ہے ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں یعنی غیظ و غضب میں آ کر اس کے قریب ہو جاتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اصحاب پر حملہ کر دیں اور یہی حالت ان کی حالت کی واضح دلیل ہے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو اس سے بری اور ناگوار چیز کی خبر نہ دوں۔ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے تو اس قرآن سے کیا ناخوش ہوتے ہو۔ ناگواری اور ناخوشی کی چیز تو وہ آگ ہے جو تمہارے لیے مہیا ہے اس ناگواری کی کچھ فکر کرو اور سوچو کہ یہ قرآن تمہارے حق میں زیادہ برا ہے یا وہ آگ زیادہ بری ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ صُورٌ مِثْلُ مَا سَتَجْعَلُونَ

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال:

غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کے بارے میں عجیب بات بیان فرمائی ہے اور اس کو مثل سے تعبیر فرمایا مثل کہادت کو کہتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جسے مشرکوں کے سامنے بار بار ذکر کرنا چاہیے۔ مشرکوں کو سنا نہیں اور ان سے کہیں کہ خوب دھیان سے سنو تا کہ تمہیں اپنی حماقت اور گمراہی کا خوب پتہ چل جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو اور جنہیں مدد کے لیے پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اتنی بڑی کائنات کا خالق ہے اس کی عبادت چھوڑ کر عاجز مخلوق کی عبادت کرنا اور عاجز مخلوق سے مرادیں مانگنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنائے ہیں یہ مکھی پیدا تو کیا کرتے اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے بڑا نہیں سکتے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مشرکین جنوں کے جسموں پر زعفران لگا دیتے تھے اور ان کے سروں پر شہرل دیتے تھے پھر دروازہ بند کر کے یہ چلے جاتے تھے۔ اور ادھر روشن دانوں سے مکھی آ جاتی تھی جو شہد کو کھا جاتی تھی (ہندوستان کے مشرکوں کا اب بھی یہ طریقہ ہے کہ جنوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ان کے سامنے مٹھائیاں رکھتے ہیں مکھیوں کے مزے آ جاتے ہیں اور یہ باطل معبود بے جان عاجز مکھی تک کے سامنے کچھ بھی نہیں) اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی حالت خود آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی پوجا پاٹ اور ان کے سامنے ڈنڈوٹ کرنے سے باز نہیں آتے۔

جو شخص حضرات انبیاء کرام کی دعوت توحید سے منہ موڑے گا وہ اسی طرح عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوگا، جو لوگ خالق مالک کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کی ذات پاک کو سجدہ نہیں کرتے وہ یوں ہی مارے پھرتے ہیں اور اپنے سے بھی زیادہ عاجز مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

ضَعُفَ الظَّالِمُ وَالْمُظْلُومُ ① (ظالم بھی کمزور اور مظلوم بھی کمزور) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ظالم سے مشرک یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والا اور مظلوم سے معبود باطل مراد ہیں اور مطلب یہ ہے جیسا عابد ویسا ہی معبود دونوں ہی ضعیف ہیں، معبود تو ضعیف اس لیے ہیں کہ وہ مکھی تک سے مٹائی بھی نہیں چھڑا سکتے اور اس کی عبادت کرنے والا اس لیے کمزور ہے اس کی کمزوری عقل کے اعتبار سے ہے وہ ایسی چیز سے نفع کا امیدوار ہے جو اپنے چڑھاوے کی چیز کو مکھی تک سے نہیں چھڑا سکتا۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۖ

لفظ جہاد جہد سے مشتق ہے عربی زبان میں محنت و مشقت اور کوشش کو جہد کہا جاتا ہے یہ لفظ اپنے عام معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہو، جہاد جو قتال یعنی جنگ کرنے کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی اس محنت اور کوشش کا ایک شعبہ ہے مسلمان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے یعنی نفس کی ناگوار یوں کے باوجود نیک کاموں میں لگتا ہے گناہوں کو چھوڑتا ہے نفس روڑے اٹکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو بھی عمل ہو دنیا داری کے لیے ہو ذاتی شہرت اور حصول

مقبول شرح جلالین ۳۲۳
 جہاد اور لوگوں سے تعریف کرانے کے لیے ہوا اس موقع پر نفس سے جہاد کرنا ہوتا ہے، پوری طرح اس کے تقاضوں کو دبا کر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے جو کام کیا یہ سب جہاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ))
 اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے مشرکین سے جہاد کرو اس سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کو زک دینے کے لیے ان کا زور توڑنے کے لیے مالوں کو خرچ کرنا اپنی جانوں کو اس کام میں لگانا اور اپنی زبانوں سے مقابلہ کرنا بحث اور مناظرہ میں ہر ادیان دشمن کے اشعار کا اشعار سے جواب دینا یہ سب جہاد ہے، دشمنان دین کے مقابلہ میں کتابیں لکھنا ان کو شائع کرنا ان کو حبیہ کرنا اسلام کی دعوت پہنچانا اس سب کو جہاد دانی اللہ کا عمومی حکم شامل ہے، اخلاص کے ساتھ جو شخص جہاد اپنی طاقت کے بقدر کرے گا اس کا جہاد حق جہاد کا مصداق ہو جائے گا بعض مرتبہ بات کہہ دینا یہ بڑے مرتبہ کا عمل ہو جاتا ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ((افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر)) (سب جہادوں سے افضل اس شخص کا جہاد ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دے خلاصہ یہ کہ جو بھی کوئی مؤمن اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جس طرح کی بھی محنت کرے گا وہ جہاد ہوگا پھر مختلف احوال کے اعتبار سے درجات بھی مختلف ہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر اخلاص کے ساتھ اعمال و اشغال میں لگے۔

هُوَ اجْتِهَادُكَ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن لیا) سابقہ تمام امتوں پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو فضیلت دی تمہیں سید الانبیاء ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہوا ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا جسے با آسانی حفظ کر لیتے ہیں دنیا میں آخر میں آئے اور جنت میں پہلے داخل ہو گئے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سترویں امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے زیادہ مکرم ہو۔ (قال الترمذی حدیث حسن) جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی فضیلت دی اب اس انعام و اکرام اور اجتناب اور اصطفاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خوب بڑھ کر خدمت کریں۔

دین میں تسکین نہیں ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے تم پر تمہارے دین میں تسکین نہیں فرمائی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو جو احکام عطا فرمائے ہیں ان میں تسکین رکھی جسے جو بھی حکم دیا ہے وہ اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز احکام کی بجا آوری میں سہولت ہے اور احوال کی رعایت رکھی گئی ہے بنی اسرائیل پر جو سختیاں تھیں جن کا ذکر سورہ بقرہ کی آخری آیت: (وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ إِسْحَاقَ وَيُحْيَىٰ كُلًّا مَّا نَحْنُ عَلَيْهِمْ ذَوَاتُ الْيَمِينِ) میں گزر چکا ہے وہ اس امت پر نہیں ہیں، بنی اسرائیل پر بہت سی پاکیزہ چیزیں حرام تھیں مال غنیمت میں سے کچھ بھی ان کے لیے حلال نہیں تھا زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لیے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے۔ امت

یہ متعلقہ چیزیں حلال ہیں۔ محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے مال غنیمت بھی حلال ہے زکوٰۃ بھی تھوڑی سی مقدار میں فرض ہے، یعنی چاند کے اعتبار سے نصاب پر ایک سال گزر جائے تو کھانے پینے اور خرچ کرنے سے جو بچا اس کا ۱/۵ فرض ہے وہ بھی ہر مال پر فرض نہیں ہے مرض سونا چاندی نقد کیش اور مال تجارت پر فرض ہے، زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دینا فرض ہے رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ لیکن شرعی مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں قضاء کو لیں اور شیخ فانی کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیدے۔ اور ایسے شخص کو بعد میں قضاء رکھنے کا بھی حکم نہیں ہے، حج اس شخص پر فرض ہے جو سواری پر مکہ مکرمہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو وہ بھی زندگی میں ایک بار اگرچہ بہت بڑا مالدار ہو۔

رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں ان میں یہ آسانی رکھی گئی کہ فجر سے ظہر تک کوئی فرض نہیں اور ظہر سے عصر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ پورا وقت حلال کمائی کے لیے اور تعلیم و تعلم کے لیے فارغ ہے پھر عشاء سے فجر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ وقت آرام و راحت اور سونے کے لیے ہے اور جو فرض نمازیں ہیں ان کی تمام رکعتیں بشمول فرض اور واجب اور سنن مؤکدہ صرف بتیس رکعتیں ہیں سفر میں فرض نماز چار رکعتوں کے بدلے دو رکعتیں کر دی گئی ہیں اور مریض کو حسب طاقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لے وضو اور غسل کوئی مشکل کام نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کا ثواب مزید ہے اگر پانی نہ ہو یا پانی تو ہو لیکن مرض کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو تو غسل و وضو دونوں کی جگہ تیمم کر لینا ہی کافی ہے حلال جانوروں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی اجازت دی گئی ہے خبیث اور نجس چیزیں اور ان جانوروں کے کھانے کی اجازت نہیں دی جن کے کھانے سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے جن افعال اور اعمال سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا ہے ان میں بنی آدم کا بھلا ہے۔

جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور اگر دشمن چڑھ آئیں تو فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت اپنی جان اور دوسرے مسلمان مردوں عورتوں بچوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے پھر اگر جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ ہزاروں سال دنیا کی زندگی کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دین کے آسان ہونے اور دین میں سستی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی عمل کے کرنے میں کچھ بھی تکلیف نہ ہو اور ساری چیزیں حلال ہوں اور جو جی چاہے کر لیا کریں، اگر ایسا ہوتا تو نہ فجر کی نماز فرض ہوتی جس میں اٹھنا دشواری ہے نہ عصر کی نماز فرض ہوتی جو کاروبار کا خاص وقت ہوتا ہے اور نہ حرام و حلال کی تفصیلات ہوتیں بلکہ احکام ہی نازل نہ کیے جاتے آسان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، آج کل ایسے بے پڑھے مجتہدین نکل آئے ہیں جو ہر قمار حرام گوشت کھانے اور صریح گناہوں کے ارتکاب کو جائز کہہ رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں آسانی ہے، یہ لوگ اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، جو لوگ قرآن کے حامل ہیں اور اسلام کے عالم ہیں ان کے پاس یہ جہالت کے مارے نہ خود جاتے ہیں نہ عامۃ المسلمین کو جانے دیتے ہیں، عوام کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ان کے ہمدرد نہیں ہے ان کی آخرت تباہ کرنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ قال البغوی فی معالم التزیل ج ۳ ص ۳۰۰ معناه ان المؤمن لا یبتلی بشیء من الذنوب الا جعل الله له منه مخرجا بعضہا بالتوبۃ و بعضہا برد المظالم و القصاص و بعضہا بانواع

الکفارات فليس في دين الاسلام ما لا يجد العبد سبيلا الى الخلاص من العقاب فيه وقيل من ضيق في اوقات فروضكم مثل هلال شهر رمضان و الفطر و وقت الحج اذا التلبس ذالك عليكم وسبح الله عليكم حتى تتيقنوا وقال: مقاتل يعني الرخص عند الضرورات كقصر الصلوة في السفر والتيمم عند فقد الماء و اكل الميتة عند الضرورة و الافطار في السفر و المرض و الصلوة قاعدا عند العجز عن القيام و هو قول الكلبي و روى عن ابن عباس انه قال الحرج ما كان على بنى اسرائيل من الاعمال التي كانت عليهم وضعها الله عن هذه الامة (وَلَمَّا أَتَيْنَاكَ ابْرَهِيمَ) (تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعد جننے بھی نبی اور رسول آئے وہ ان سب کے باپ ہیں یعنی ان کی نسل اور ذریت سے ہیں عرب کے لوگ انہیں کی ذریت سے ہیں انہیں میں سے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ تھے چونکہ قرآن کے اولین مخاطبین اہل عرب ہی تھے اس لیے ہوں فرمایا کہ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو دوسری آیت میں جو ملت ابراہیم کے اتباع کا حکم آیا ہے اس میں لفظ ابراہیم نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا سب سے بڑا رکن توحید ہی ہے جس کی تمام انبیاء کرام نے دعوت دی ہے اس کے لیے انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہے۔

هُوَ سَمُّكَ الْمُسْلِمِينَ قَبْلُ (اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے) یعنی قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے جو کتابیں نازل فرمائیں، ان میں اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے (وَفِي هَذَا) (اور اس قرآن میں بھی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا) کما قال تعالى: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ) اس نام اور لقب پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور اس لقب کی لاج بھی رکھیں یعنی سچے بچے فرماں بردار بن کر رہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے مانیں اور خوشی و بشاشت کے ساتھ احکام کی پیروی کرتے رہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ سَمُّكَ الْمُسْلِمِينَ میں ضمیر مرفوع مستتر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارے وجود آنے سے پہلے ہی تمہارا نام ”مسلمین“ رکھ دیا تھا جیسا کہ سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام دونوں کی دعا نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ) اور چونکہ ان کی یہ دعا قرآن مجید میں منقول ہے لہذا اس اعتبار سے انہوں نے اس قرآن میں بھی تمہیں مسلمین کا لقب دیا لیکن اس میں تکلیف ہے تھوڑی سی تاویل کرنی پڑتی ہے۔ (لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) (تاکہ رسول تمہارے لیے گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو) اس کا تعلق (وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ) سے بھی ہو سکتا ہے اور (هُوَ سَمُّكَ الْمُسْلِمِينَ) سے بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے تمہارا یہ عمل تمہیں اس مرتبہ پر پہنچادے گا کہ اللہ کے رسول سید الاولین والآخرین تمہارے لیے گواہ بنیں گے۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین یعنی فرمانبردار رکھا پرانی کتابوں میں بھی اور قرآن کریم میں بھی، جب اس نام کی قدر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن کر رہو گے تو اس قابل ہو گے رسول اللہ ﷺ تمہارے حق میں گواہ دیں گے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے: (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ تَكُونُوا

الرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ) اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام قیامت کے دن جب یہ فرمائیں گے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے اس پر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے اس کے بعد اس امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی امت کو تبلیغ کی۔

(فَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ) سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہارا اتنا بڑا مرتبہ کر دیا کہ میدان قیامت میں حضرات انبیاء کرام کے گواہ بنو گے اور تمہاری گواہی سے سابقہ امتوں پر حجت قائم کی جائے گی تو اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ خاص بندے بنو اس کے دین پر پوری طرح عمل کرو خاص کر اس دین کے جو ارکان ہیں ان میں سے دو بڑے رکن یہی ہیں۔ (وَاعْتَصِمُوا بِاللهِ) (اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کو پکڑے رہو) یعنی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھو۔ اس سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو دنیا و آخرت کی خیر اسی سے طلب کرو (هُوَ مَوْلٰىكُمْ) فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْبُ) (وہ تمہارا مولیٰ ہے سو خوب مولیٰ ہے اور خوب مدد کرنے والا ہے) مولیٰ کا معنی ہے کام بنانے والا، اہل ایمان کا کام بنانے والا ہی کام بناتا ہے اہل ایمان کے لیے اسی کی مدد کافی ہے، وہ مؤمنین کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں، کما قال تعالیٰ: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ مَوْلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۗ

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ ۲۳ آیتیں ۷۷
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
آیتاں ۱۱۸ رُکوعاں ۶

سورہ مؤمنون مکہ میں اتاری شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

قَدْ لَبَّيْتُكَ أَفْلَحَ ۚ فَازَ الْمُؤْمِنُونَ ۚ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي صَلَاتِهِمْ كُسْفَانٌ ۚ وَتَوَاضَعُ رُءُوسُهُمْ عَنِ الرَّفْعِ ۚ وَغَيْرِ الْمَعْرُوفِينَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۚ وَمُؤَدُّونَ الَّذِي هُمْ لِعُرُسِهِمْ حَقُّونَ ۚ عَنِ الْخَرَامِ ۚ أَلَّا تَعْلَمَ أَزْوَاجَهُمْ أَيُّ مِنْ زُجَّاتِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ أَيُّ السَّرَارِيِّ ۚ فَالَّذِينَ هُمْ عَنْ أَثْبَانِهِمْ ۚ ذُنُوبُهُمْ وَأَنَّ ذَلِكَ ۚ أَيُّ مِنْ الزَّوْجَاتِ وَالسَّرَارِيِّ ۚ كَأَلَّا سَتَمْنَاهُ بِيَدِهِ ۚ فَالَّذِينَ هُمْ الْعُدُودَ ۚ أَلَمْ تَجَازِرُونِ ۚ إِلَى مَا لَا يَجِلُّ لَهُمْ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ ۚ جَمْعًا وَمُفْرَدًا ۚ وَعَهْدِهِمْ ۚ فِيمَا بَيْنَهُمْ ۚ وَبَيْنَ اللَّهِ مِنْ صَلَوةٍ ۚ وَغَيْرِ مَا رَعَوْنَ ۚ حَافِظُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ ۚ جَمْعًا وَمُفْرَدًا ۚ يَحَافِظُونَ ۚ يُقِيمُونَهَا فِي أَوْقَاتِهَا ۚ لَيْلًا نَوْمًا ۚ غَيْرِ هُمْ الَّذِينَ يَرْتَوُونَ الْفُرُودَ ۚ هُوَ جَنَّةٌ أَعْلَى الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۚ فِي ذَلِكَ ۚ إِشَارَةٌ إِلَى الْمَعَادِ ۚ وَثَبَاتٌ سَبْطُهُ ذِكْرُ الْمَجْدِ ۚ بَعْدَهُ ۚ وَاللَّهُ لَقَدْ خَلَقَنَا الْإِنْسَانَ ۚ آدَمَ مِنْ سُلَلَةٍ ۚ هِيَ مِنْ سُلَلِ الشَّيْءِ ۚ مِنَ الشَّيْءِ ۚ أَيُّ اسْتَخْرَجْتَهُ مِنْهُ ۚ وَهُوَ خُلَاصَتُهُ ۚ مِنْ طِينٍ ۚ مُتَعَلِّقٌ بِسَلَالَةٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ ۚ أَيُّ الْإِنْسَانِ ۚ نَسْلَ آدَمَ نَظْفَةً ۚ مَتِينًا ۚ فِي قَرَارٍ ۚ مَكِينٍ ۚ هُوَ الرَّحْمُ ۚ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّظْفَةَ عِلْقَةً ۚ دَمًا حَامِدًا ۚ فَخَلَقْنَا الْعِلْقَةَ ۚ مُضْغَةً ۚ لَحْمَةً ۚ قَلْبًا ۚ مَا يَمْضُغُ ۚ فَخَلَقْنَا الْبُضْغَةَ ۚ عِظًا ۚ لَكَسْنَا الْعِظَ لَحْمًا ۚ وَفِي قِرَاءَةِ عِظْمَانِي الْمَوْضِعَيْنِ ۚ وَخَلَقْنَا فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ بِمَعْنَى صَبْرِنَا ۚ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ بِتَفْخِ الرُّوحِ فِيهِ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۚ أَيُّ الْمُقَدِّرِينَ ۚ وَمُمَيِّزُ أَحْسَنَ مَخْدُوفٍ لِلْعِلْمِ ۚ بِهَ ۚ أَيُّ خَلْقًا ثُمَّ إِنَّكُمْ ۚ بَعْدَ ذَلِكَ ۚ لَنَبْتُونَ ۚ ثُمَّ إِنَّكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ لَنُبْعَثُونَ ۚ لِلْحِسَابِ ۚ وَالْجَزَاءِ ۚ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرِيقٍ ۚ ۚ أَيُّ سَمَوَاتٍ جَمْعُ طَرِيقَةٍ ۚ لَا تَنْهَا

طَرَفِ الْمَلَائِكَةِ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ نَحْيُهَا غَفْلِينَ ۝ اَنْ تَسْقُطَ عَلَيْهِمْ فَتُهْلِكَهُمْ بَلْ تُنْسِكُهَا كَانُوا
يُنْسِكُ السَّمَاءُ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ مِنْ كِفَايَتِهِمْ فَاسْكَنَهُ فِي الْاَرْضِ وَ لَوَّلَا اَنْ
ذُكِّرَ بِهِ لَقَبِدْرُوكَ ۝ فَيَمُوتُونَ مَعَ ذَوَابِهِمْ عَطَشًا فَانْشَانَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّ اَعْنَابٍ مُّهِمَّا اَكْثَرُ فَوَاقِدِ
الْعَرَبِ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُونَ ۝ صَيِّفًا وَّ شِتَاءً وَ اَنْشَانَا شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ جَبَلِ
بَكْسِرِ السِّينِ وَ فَتَحَهَا وَ مَنَعَ الصَّرْفِ لِلْعَلَمِيَّةِ وَ التَّائِيثِ لِلْبَقْعَةِ تَنَكَّبَتْ مِنْ التَّرْبَاعِي وَ التَّلَاثِي بِاللَّحْمِ
الْبَاهِ زَائِدَةً عَلَى الْاَوَّلِ وَ مُعَدِّيَةً عَلَى الثَّانِي وَ هِيَ شَجَرَةُ الزَّيْتُونِ وَ صَيِّغٌ لِلْاَكْلَيْنِ ۝ عَطَفَ عَلَى النَّعْمِ
اِيْذَا دَامَ يَضْبَعُ اللُّقْمَةِ بِغَمْسِهَا فِيْهِ هُوَ الزَّيْتُ وَ اِنْ لَّكُمْ فِي الْاَنْعَامِ الْاِبِلِ وَ الْبَقَرِ وَ النَّمَرِ لَعَبِيرَةٌ عَظِيمَةٌ
تَغْيِرُونَ بِهَا لَسْقِيَكُمْ يَفْتَحُ التَّنُّونِ وَ ضَمَّهَا قِمًا فِي بَطُونِهَا اَيِ اللَّبَنِ وَ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ مِنْ
الْاَصْوَافِ وَ الْاَوْبَارِ وَ الْاَشْعَارِ وَ غَيْرِ ذَلِكَ وَ مِنْهَا تَاْكُلُونَ ۝ وَ عَلَيْهَا اَيِ الْاِبِلِ وَ عَلَى الْغُلَّابِ اَيِ الشُّغْبِ
تَصْلُونَ ۝ عِقَابُهُ فَتُؤْمِنُونَ

ترجمہ: بالتحقیق ان مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع (تواضع) کرنے والے ہیں اور جو ہم
باتوں (وغیرہ) سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی (فعل حرام سے) سے حفاظت
رکھنے والے ہیں۔ اپنی بیبیوں سے یا اپنی شرعی ہاتھ کے مال باندیوں سے (کہ جو قیدی ہو کر ملی ہوئی ہوں) کیونکہ ان پر (ان
سے جماع کرنے میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (یعنی بیبیوں اور باندیوں کے علاوہ جیسے ہاتھ کے ذریعہ اثر فرما
میں) طلبکار ہوا ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں (ایسی چیز کی طرف جو ان کے لیے حلال نہیں) اور جو اپنی امانتوں اور
اپنے عہد کا (کہ جو ان کے مابین ہوا ہو یا بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ہوا ہو جیسے نماز وغیرہ ان کا) خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی
فرض نمازوں (بسیغہ جمع اور مفرد دونوں طرح کی قراءتوں کے ساتھ ثابت ہے) کی پابندی (کے ساتھ ان کے اوقات میں ادا)
کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں (نہ کہ ان کے علاوہ) جو فردوس کے وارث ہوں گے (جو تمام جنتوں میں اعلیٰ
ترین جنت ہے) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اس آیت میں تو اشارۃ معاد کا بیان ہے اور اس کے بعد بیان مبادیٰ کا
مناسبت) (ان آیات میں آخرت کا ذکر ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ابتدائے آفرینش کا بھی تذکرہ کر دیا جائے۔ تو ارشاد
ہوا کہ) بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا (من طین متعلق ہے سلالۃ کے اور سلالۃ کے معنی کسی چیز
کے خلاصہ کے ہیں) پھر ہم نے اس (نسل آدم) کو نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں (اور وہ رحم مادر ہے) پھر ہم نے نطفہ کو خون کا
لوہڑا بنادیا۔ پھر ہم نے خون کے لوہڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنادیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت

ہمارا (عظماً) ایک قرأت میں عظماً ہے اور خلقنا تینوں جگہ پر میرنا کے معنی میں ہے) پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی شان والا ہے اللہ تمام مانعوں سے بڑھ کر۔ پھر تم اس (تمام قصہ) کے بعد ضرور ہی مر کر دو گے۔ پھر تم قیامت کے دن اسر نو اٹھائے جاؤ گے۔ (جزا و سزا کیلئے) اور ہم نے تمہارے اوپر سات بنائے (طریقہ کی) جو چونکہ ملائکہ کی آمد و رفت کے لیے راہیں ہیں اس وجہ سے ان کو اس سے موسوم کیا (اور ہم نہیں ہیں) (ان کے تحت میں) خلق ہے بے خبر (کہ آسمان نیچے کی مخلوق پر گر پڑیں جس سے کہ وہ ہلاک ہو جائیں بلکہ ہم ان کو روکے ہوئے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے) (بسمک اسماء الخ) اور ہم نے آسمان سے (انسانوں کی کفایت و ضرورت کی) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس (پانی) کے معدوم کر دینے پر قادر ہیں (سو وہ مع اپنے چوپاؤں کے مرجائیں گے پیاس کی وجہ سے) پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے بارخ پیدا کیے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے (یہ دونوں پھل عرب میں بکثرت ہوتے ہیں) ان میں بکثرت میوے بھی ہیں اور ان میں سے (گرمی و سردی میں) کھاتے بھی ہو اور (پیدا کیا ہم نے اس پانی سے) ایک درخت بھی جو کہ سینا میں بکثرت پیدا ہوتا ہے (ایک پہاڑ ہے سین پر فتح اور کسرہ دونوں قراءتیں ثابت ہیں اور غیر منصرف ہے تائیت اور علیت کی وجہ سے کہ ایک بقعہ کا نام ہے) (تنبت رباعی اور ثلاثی دونوں سے آتا ہے) تیل لیے ہوئے (رباعی کی صوت میں باء زائد ہے اور ثلاثی ہوتے ہوئے برائے متعدی ہے اور یہ زیتون کا درخت ہے) اور کھانے والوں کے لیے سالن لیے ہوئے (الدھن پر عطف ہوا ہے یعنی سالن کہ اس میں لقمہ تر کرک چبایا اور بسہولت کھایا جاتا ہے روٹی ڈھولی جاتی ہے وہ زیتون کا تیل ہے) اور تمہارے لیے مواشی اونٹ بکری گائے میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے (کہ جن سے تم عبرت لے سکتے اور نصیحت پکڑ سکتے ہو) پلاتے ہیں ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیز (دودھ) سے اور تمہارے لیے ان میں بہت فائدہ ہیں (جیسے اون اونٹ کے بال اور بکری کے بال وغیر ذلک سے فوائد حاصل ہوتے ہیں) اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر (جیسے اونٹ پر) اور کشتیوں پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: اَفْلَحَ اِی فاعل یعنی وہ لوگ اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہو گئے۔ قد نے ماضی کو حال کے قریب کر دیا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے فلاح کی توقع لیے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت سے نوازا۔
قوله: فَوَدُّنَّ اِس سے اشارہ کر دیا کہ فاعلون خود اپنے معنی میں نہیں بلکہ موقع محل پر ادائیگی مراد ہے فاعل تو محل و بے محل کام کرنے والے پر بولا جاتا ہے۔
قوله: اَلَا عَمَلٌ اَزْدَا جِهْمٌ: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یا یہ اس قبیل سے ہے: لَا عِيبَ فِيْهِمْ غَيْرَ اِنْ سِئُوْا فِیْهِمْ بِهَا فُلُوْا مِنْ قِرَاعِ الْكِتٰبِ، گویا ان کی پاکیزگی کو اجاگر کیا۔
قوله: مِنْ رُّزْقِهِمْ: یہاں علی عن کے معنی میں ہے کیونکہ حافظ کا صلہ علی نہیں آتا۔

جناح ۱۲

قوله: **فِيهِ اِيْمَانُهُنَّ**: یعنی تمام افعال نہیں بلکہ صرف جماع مقام جماع میں۔

قوله: **اَللّٰهُ جَاوِزٌ**: یعنی وہ دشمنی میں انتہاء کو پہنچنے والے ہیں۔ یہ مقدر اس لئے مانا گیا تاکہ مبتغین میں دشمنی کو محسوس نہ ہو۔

پڑے کیونکہ دیگر گناہ گاروں میں بھی عدوان تو پایا جاتا ہے۔

قوله: **هُمْ فِيْهَا**: ضمیر لائے کیونکہ یہ جنت کا نام ہے۔

قوله: **سُلٰلَةٍ**: یہ مسلولہ کے معنی میں ہے پس یہ مشتق ہے جار کا تعلق اس سے درست ہوا۔ محذوف سے متعلق نہیں۔

قوله: **اِلَّا نَّسَانٌ**: ضمیر کا مرجع انسان ہے نہ کہ سلالہ اس لئے کہ ضمیر مذکر اور وہ مؤنث ہے۔

قوله: **نَسْلِ اٰدَمَ**: مضاف محذوف مانا کیونکہ آدم علیہ السلام نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے۔

قوله: **هُوَ الرَّحْمٰ**: بکین و راصل مستقر کی صفت ہے لیکن ممکن کے معنی میں ہے اس لیے۔

قوله: **عَظَمًا**: اس طرح کہ اس کو سخت کر دیا۔

قوله: **خَلَقْنَا**: تینوں مقام پر صبرنا کے معنی میں ہونے کی وجہ سے دو مفعول کا محتاج ہوا۔

قوله: **اَلْمُقَدِّرِيْنَ**: کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے فرض کرنے والے مراد ہیں وہ تو کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

قوله: **اَحْسَنَ**: کامیز خالقین کی دلالت سے حذف کر دیا وہ خلقاً ہے۔

قوله: **تَحْتِهَا**: اس سے اشارہ کہ مخلوقات یہاں وہ مراد ہے جو آسمانوں کے نیچے ہے، نفس سموات نہیں۔

قوله: **عَلٰی ذٰلِكَ**: یعنی جس طرح اتارنے کی ہم قدرت رکھتے ہیں اس طرح اس کے لئے جانے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔

قوله: **وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ**: حاکم کا مرجع جنات یعنی باغات کے پھلوں اور کھیتوں سے تم کھاتے ہو۔ یہ ضمیر جنات کی طرف راجع ہے۔

قوله: **وَالطُّورِ**: طور پہاڑ کا نام اور سیناء وادی کا نام ہے یہ مرکب علم ہے۔

قوله: **لِلْبَقْعَةِ**: اس کی ثانییت بقعہ کی تاویل سے ہے نہ کہ وزن کے لحاظ سے۔

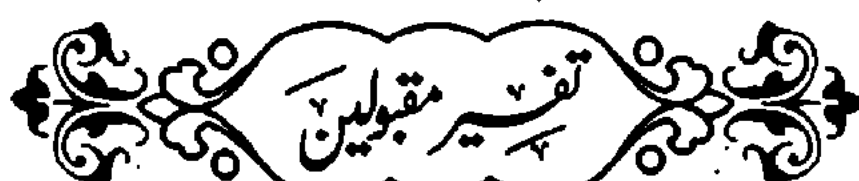
قوله: **تَنْبِت**: یہ رباعی بفسہ متعدی ہے اور ثلاثی سے باز اندہ کی وجہ سے متعدی ہے۔

قوله: **وَصَبِغَ**: وہن پر اس کا عطف جس کی وجہ سے مجرور ہے یہ ایک چیز کے دو وصف ایک دوسرے پر عطف کے لئے۔

صَبِغَ: ڈبوتا۔

قوله: **عِظَةً**: یعنی تم اس کی حالت سے عبرت حاصل کرتے ہو۔

قوله: **اِلَّا بِلِ**: حاکم یہاں اس لحاظ سے ہے کہ عام کا ذکر کر کے خاص مراد لیا جیسے لعولتھن احق میں ہے۔



قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

اہل ایمان کی صفات اور ان کی کامیابی کا اعلان:

ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی کا اعلان فرمایا ہے اور اہل ایمان کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جن کا اہل ایمان

کامیاب بنانے میں زیادہ داخل ہے۔ فرمایا: **قَدْ أَلْفَحَ الْمُؤْمِنُونَ** (تحقیق اہل ایمان کامیاب ہو گئے) اس میں ان لوگوں کی زیادہ ہے جو دنیاوی چیزوں کو دیکھ کر کامیابی کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کامیاب ہے کوئی سمجھتا ہے مالدار کامیاب ہیں اور کوئی گمان کرتا ہے کہ بہت بڑی جائیداد والا کامیاب ہے کسی کے نزدیک وزیر کامیاب ہے کسی کے نزدیک فیہر کامیاب ہیں۔ اللہ جل شانہ کو کامیابی کا سبب سمجھتا ہے اور کسی کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص دنیاوی ہنر اور کمال میں ماہر ہو وہ کامیاب ہے۔ اللہ جل شانہ کوئی جمال کو کامیابی کا سبب سمجھتا ہے۔ کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے وہاں کی لئے فرمایا کہ اہل ایمان کامیاب ہیں۔ کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے وہاں کی کامیابی کے بارے میں فرمایا: **(فَتَنَ زُحْرَحَ عَنِ النَّارِ وَأَدْخِلَ الْجَنَّةَ فَلَاحَ)** (جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا)۔ اس کے بعد اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے۔

پہلا وصف:

ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا: **الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ** (جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں) خشوع کا اصل معنی ہے قلب کا جھکاؤ، جب مؤمن بندے نماز پڑھیں، ان کا پورا دھیان ظاہر اور باطن نماز کی طرف رہتا ہے۔ نماز پڑھتے ہوئے نماز سے غافل نہ ہوں اور یہ ذہن میں رہے کہ میری نماز قبولیت کے لائق ہو جائے غفلت کی نماز شروع کی نماز نہیں ہے جس میں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا پڑھا رکوع سجدہ ”تو چل میں آیا“ کے طریقے پر جلدی جلدی کر لیا، سجدہ میں سرخ کی طرح ٹھوکیں مار لیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھ لی، بار بار کپڑوں کو سنبھالا۔ مٹی سے بچا یا داڑھی کو کھجایا۔ یہ سب چیزیں خشوع کے خلاف ہیں۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور داڑھی سے کھیل رہا تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **((لو خشع قلبه لخشعت جوارحه))** (اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا یعنی اس کے اعضاء شریعت کے قواعد کے مطابق نماز میں اپنی اپنی جگہ ہوتے) نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لیے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے، کھانے کا اور شراب پانے کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، چونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں۔ ان کی وجہ سے خشوع و خضوع باقی نہیں رہتا جو دربار عالی کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو برابر اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے، جب بندہ توجہ ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۹۱)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ ہونے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

دوسرا وصف:

اہل ایمان کا دوسرا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ** (اور جو لوگ لغو باتوں سے

اعراض کرنے والے ہیں) لغو ہر اس بات اور ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہیں، مؤمن بندے نہ لغو بات کرتے ہیں نہ لغو کام کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان سے لغو باتیں کرنے لگے یا کچھ لوگ لغو کاموں میں لگے ہوں تو یہ حضرات اعراض کر کے کنارہ ہو کر گزر جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ قصص میں فرمایا ہے: (وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ) (اور جب لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ ہو جاتے ہیں)

اور سورہ فرقان میں فرمایا: (وَالَّذِينَ لَا يَشْقَهُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِيَوَامًا) (اور جو معمولی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو بات پر گزرتے ہیں تو کریموں کے طریقہ پر گزر جاتے ہیں)۔

غور کر لیا جائے کہ جب لغو بات اور لغو کام (جس میں نہ گناہ ہے نہ ثواب ہے) سے بچنے کی اتنی اہمیت ہے تو گناہوں سے بچنے کی کتنی اہمیت ہوگی؟ لغو بات لغو کام میں اگرچہ گناہ نہ ہو لیکن اس سے دل کی نورانیت جاتی رہتی ہے اعمال صالحہ کا ذوق نہیں رہتا زبان کو لغو باتوں کی عادت ہوتی ہے پھر یہ لغو باتیں مٹنا ہوں میں مشغولیت کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں اور لغو بات اور لغو کام کا یہ نقصان کم ہے کہ جتنے وقت لغو بات یا کوئی لغو کام کیا اتنی دیر میں قرآن مجید کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو بہت بڑی دولت سے مالا مال ہو جاتے، لغو باتوں سے بہت بڑی دولت کو گنوا دیا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات پر مئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اس کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے جنت کی خوشخبری دے رہے ہو ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی لائینی بات کی ہو یا کسی ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کیا جو خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۱۳)

(جیسے علم سکھانا، تھوڑا سا نمک دیدینا، کھانا پکانے کے لیے کسی کو آگ یا ماچس کی تیلی دیدینا وغیرہ وغیرہ) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَغْنِيهِ)) (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے ایک یہ بات ہے کہ جو چیز اس کے کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے) حضرت لقمان سے کسی نے کہا کہ آپ کو جو یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کیسے حاصل ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچی بات کہنے سے امانت ادا کرنے سے اور لائینی کے چھوڑنے سے مجھے یہ رتبہ ملا ہے۔ (مواعظ مالک)

تیسرا وصف:

اہل ایمان کا تیسرا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ) (اور جو لوگ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں) لفظ زکوٰۃ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے پاک صاف ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے (اور اسی لیے مال کا ایک حصہ بطور فرض فقراء اور مساکین کو دینے کا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ اس سے نفس بھی بخل سے پاک ہوتا ہے اور مال میں بھی پاکیزگی آ جاتی ہے) لغوی معنی کے اعتبار سے بعض مفسرین کرام نے آیت کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک رکھنے والے ہیں، انسان کے اندر سے بخل، حسد، حب جاہ، حب مال، ریا کے جذبات امنڈ کر آتے ہیں ان رذائل سے پاک ہونا اور نفس کو دباننا، نفس کی اصلاح کرنا یہ بھی لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ کا مصداق ہے اسی کو سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا (قَدْ أَفْلَحَ مَن)

چھٹا وصف:

اہل ایمان کا چوتھا وصف یوں بیان فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْتَابِهِمْ حَقٌّ نَّهْنُونَ ﴿۱۸﴾ (الایات الثلاث) اور جو لوگ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرتے ہیں یہ لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے تو شرعی اصول کے مطابق شہوت پوری کر لیتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال نہیں کرتے، بیویوں اور لونڈیوں سے شہوت پوری کرنا چونکہ حلال ہے اس لیے اس پر انہیں کوئی ملامت نہیں ان کے علاوہ اور کسی جگہ کو استعمال کیا تو یہ حد شرعی سے آگے بڑھ جانے والی بات ہوگی جس کی سزا دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

آیت کی تصریح سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا بھی حرام ہے (جس کا رد انفس میں رواج ہے) کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ بیوی نہیں ہوتی اسی طرح جانوروں سے شہوت پوری کرنا یا کسی بھی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج کرنا یہ سب ممنوع ہے کیونکہ ان سب صورتوں میں شرم کی جگہ کا استعمال نہ بیوی سے ہے نہ باندی سے، باندیوں سے قضائے شہوت کرنے کے کچھ احکام ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، یاد رہے کہ گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں اگر ان سے کوئی شخص شہوت پوری کرے گا تو صریح زنا ہوگا کسی بھی آزاد عورت کو اگر کوئی شخص بیچ دے تو اس کا بیچنا اور خریدنا دونوں حرام ہیں اور اس کی قیمت بھی حرام ہے اگر کوئی شخص خرید لے گا اور اس خریدی ہوئی عورت سے شہوت والا کام کرے گا تو زنا ہوگا۔

مسئلہ: جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اگر ان سے نکاح کر بھی لے تب بھی ان سے شہوت پورا کرنا حرام ہی رہے گا۔
مسئلہ: حیض و نفاس کی حالت میں اپنی بیوی اور شرعی لونڈی سے بھی شہوت والا کام کرنا حرام ہے اور یہ بھی قَوْلُكَ هُمْ الْعَدُوْنَ ﴿۱۹﴾ میں شامل ہے۔

پانچواں اور چھٹا وصف:

اہل ایمان کا پانچواں اور چھٹا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ زَعُونَ ﴿۲۰﴾ (اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں) اس میں امانتوں کی حفاظت کا اور جو کوئی عہد کر لیا جائے اس کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان دونوں کی رعایت اور حفاظت کو مؤمنین کی صفات خاصہ میں شمار فرمایا ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یوں نہ فرمایا ہو کہ: (أَلَا إِيمَانٌ لَّيْنٍ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا ذِمَّةٌ لَّيْنٍ لَا عَهْدَ لَهُ) (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتہ نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔
(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ شانہ کے جو ادا امر و نواہی ہیں ان کے متعلق جو شرعی ذمہ داریاں ہیں ان کا پورا کرنا فرائض و واجبات کا احترام کرنا اور محرمات و مکروہات سے بچنا یہ سب امانتوں کی حفاظت میں داخل ہے۔
اسی طرح بندوں کی جو امانتیں ہیں خواہ مالی امانت ہو یا کسی بات کی امانت ہو کسی بھی راز کی امانت ہو ان سب کی رعایت

کرنا لازم ہے مالوں کی ادائیگی کو کچھ لوگ امانت داری سمجھتے ہیں لیکن عام طور سے دوسری چیزوں میں امانت داری نہیں سمجھتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجلس امانت کے ساتھ ہیں۔ (یعنی مجلسوں کی بات آگے نہ بڑھائی جائے) ہاں اگر کسی مجلس میں حرام طریقے پر کسی کا خون کرنے یا زنا کرنے یا ناحق کسی کا مال لے لینے کا مشورہ کیا تو ان چیزوں کو آگے بڑھادیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص بات کہہ دے پھر ادھر ادھر متوجہ ہو (کہ کسی نے سنا تو نہیں) تو یہ بات امانت ہے۔ (ابو الترذی (ابوداؤد) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے جس میں وہ تجھے سچا سمجھ رہا ہو اور تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: ((ان المستشار مومن)) (بلاشبہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے) یعنی مشورہ لینے والے کو وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ (رواہ الترذی)

امانت داری بہت بڑی صفت ہے خیانت منافقوں کا کام ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔

(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۲) جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔

(۳) اور اگر اس کے پاس امانت رکھ دی جائے تو خیانت کرے۔ (رواہ مسلم)

امانتوں کی حفاظت کے ساتھ عہد کی حفاظت کو بھی مؤمنین کی صفات خاص میں شمار فرمایا ہے مؤمن بندوں کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ اس کے فرمان کے مطابق چلیں گے تمام اعمال و احوال میں اس کا خیال رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان برادر ہو کر رہیں اور نافرمانی نہ کریں اور بندوں سے جو کوئی معاہدہ ہو جائے کسی بات کا وعدہ کر لیں تو اس کو پورا کریں بشرطیکہ گناہ کا معاہدہ نہ ہو۔ بہت سے لوگ قرض لے لیتے ہیں اور ادائیگی کی تاریخ مقرر کر دیتے ہیں پھر تاریخ آ جانے پر ادائیگی کا انتظام نہیں کرتے بلکہ انتظام ہوتے ہوئے بھی ٹالتے ہیں یہ سب بد عہدی میں آتا ہے، اور اس کے علاوہ بہت سی صورتیں ہیں جو روزمرہ پیش آنی رہتی ہیں، جن لوگوں کا دینی مزاج نہیں ہوتا وہ عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی اس کے اندر منافقت کی ایک خصلت شمار ہوگی وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔ (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۱) جب بات کر تو سچ بولو۔ (۲) وعدہ کر تو پورا کرو۔ (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرو۔ (۴)

اپنی شرم کی جگہوں کو محفوظ رکھو۔ (۵) اپنی آنکھوں کو نیچے رکھو۔ (یعنی کسی جگہ نا جائز نظر نہ ڈالے۔) (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (بچا

استمال کرنے سے) اردو کے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵)

اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۱۸﴾ (اور وہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں) اس میں تمام نمازیں پابندی سے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ جو لوگ ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ بھی پڑھی کبھی نہ پڑھی وہ لوگ اس فضیلت کے مستحق نہیں جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور انہیں بروقت ادا کیا اور ان کا رکوع اور سجود پورا کیا اس کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ اس کی مغفرت فرمادے گا، اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے اس کی مغفرت فرمادے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (رواہ ابو داؤد)۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی قیامت کے دن اس کے لیے نماز نور ہوگی اور (ایمان کی) دلیل ہوگی اور جو بے نمازی ہے وہ قیامت کے دن قارون فرعون ہاں اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الدارمی جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ والبیہقی فی شعب الایمان کتاب المسکوٰۃ)

مؤمنین کے خاص سات اوصاف بیان فرمانے کے بعد (جن میں اول نمبر خشوع کے ساتھ نماز پڑھنا اور آخر میں نماز کی پابندی کرنا ہے) ان مؤمنین کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَوْلَيْكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ يَرْتُفِعُونَ الْفُرُدَّ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰﴾ (یہ وہ لوگ ہیں جو فردوس کے وارث ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے بلند مقام ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں۔ (رواہ البخاری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ﴿۲۱﴾

انسان کی پیدائش مرحلہ وار:

اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی ابتدا بیان کرتا ہے کہ اصل آدم مٹی سے ہیں، جو کچھڑ کی اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پانی سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے پھر انسان بنا کر زمین پر پیدا دیا ہے۔ مسند میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کی ایک مٹھی سے پیدا کیا، جسے تمام زمین پر سے لیا تھا۔ پس اسی اعتبار سے اولاد آدم کے رنگ روپ مختلف ہوئے، کوئی سرخ ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی اور رنگ کا ہے۔ ان میں نیک ہیں اور بد بھی ہیں۔ آیت: ثُمَّ جَعَلْنَاهُ فِيْ ضَمِيرِ كَامِرِجِ جَنَّاتِ النَّارِ ﴿۲۲﴾ انسان کی طرف ہے جیسے ارشاد ہے: ثُمَّ جَعَلْنَا نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿۲۳﴾ (اسجدہ: ۸) اور آیت میں ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿۲۴﴾ (المرسلات: ۲۰) پس انسان کے لئے ایک مدت معین تک اس کی ماں کا رحم ہی ٹھکانہ ہوتا ہے جہاں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نطفے کی جو ایک اچھلنے والا پانی ہے جو مرد کی پیٹ سے عورت کے سینے سے نکلتا ہے شکل بدل کر سرخ رنگ کی بوٹی کی شکل میں بدل جاتا ہے پھر اسے گوشت کے ایک ٹکڑے کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے جس میں کوئی

شکل اور کوئی خط نہیں ہوتا۔ پھر ان میں ہڈیاں بنا دیں سر ہاتھ پاؤں ہڈی رگ پٹھے وغیرہ بنائے اور پیٹھ کی ہڈی بنائی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انسان کا تمام جسم سڑگل جاتا ہے سوائے ریزھ کی ہڈی کے۔ اسی سے پیدا کیا جاتا ہے اور اسی سے ترکیب دی جاتی ہے۔ پھر ان ہڈیوں کو وہ گوشت پہنا تا ہے تاکہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے جس سے وہ شے چلنے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے اور ایک جاندار انسان بن جائے۔ دیکھنے کی سننے کی سمجھنے کی اور حرکت و سکون کی قدرت عطا فرما ہے۔ وہ بابرکت اللہ سب سے اچھی پیدائش کا پیدا کرنے والا ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب نطفہ پر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو تین تین اندھیریوں میں اس میں روح پھونکتا ہے یہی معنی ہے کہ ہم بکرا سے دوسری ہی پیدائش میں پیدا کرتے ہیں یعنی دوسری قسم کی اس پیدائش سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے پس ایک حالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف ماں کے پیٹ میں ہی ہیر پھیر ہونے کے بعد بالکل ناسمجھ بچہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ بڑھتا جا رہا ہے یہاں تک کہ جوان بن جاتا ہے پھر ادھیر پن آتا ہے پھر بوڑھا ہو جاتا ہے پھر بالکل ہی بڑھا ہو جاتا ہے الغرض روح کا پھر جانا پھر ان کے انتہابات کا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ صادق و مصدق آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی ہے پھر چالیس دن تک خون بست کی صورت میں رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور بحکم الہی چار باتیں لکھ لی جاتی ہیں روزی، اجل، عمل، اور نیک یا بد، بر یا بھلا ہونا پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ ایک شخص جتنی عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا وہ لکھا غالب آ جاتا ہے اور خاتمے کے وقت دوزخی کام کرنے لگتا ہے اور اسی پر مرتا ہے اور جہنم رسید ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان برے کام کرنے کرنے دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا آگے بڑھ جاتا ہے اور جنت کے اعمال پر خاتمہ ہو کر داخل فردوس بریں ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں نطفہ جب رحم میں پڑتا ہے تو وہ مرد و عورت اور ناخن کی جگہ پہنچ جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اس کی شکل جیسے ہوئے خون جیسی ہو جاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے اصحاب سے باتیں بیان کر رہے تھے کہ ایک یہودی آ گیا تو کفار قریش نے اس سے کہا یہ نبوت کے دعویدار ہیں انہوں نے کہا اچھا میں ان سے ایک سوال کرتا ہوں جسے نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھ کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا مرد و عورت کے نطفے سے۔ مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ اس نے کہا۔ آپ سچے تھے اگلے نبیوں کا بھی یہی قول ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب نطفہ کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے کہ اے اللہ یہ نیک ہوگا یا بد؟ مرد ہوگا یا عورت؟ جو جواب ملتا ہے وہ لکھ لیتا ہے اور عمل، عمر، اور نرمی گرمی سب کچھ لکھ لیتا ہے پھر دفتر لپیٹ لیا جاتا ہے اس میں پھر کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی بزار کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے اے اللہ اب نطفہ ہے، اے اللہ اب لوتھڑا ہے، اے اللہ اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب جناب باری تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوچھتا ہے اے اللہ مرد ہو یا عورت؟ شقی ہو یا

سعید؟ رزق کیا ہے؟ اجل کیا ہے؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں لکھ لی جاتی ہیں ان سب باتوں اور اتنی کامل قدرتوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ سب سے اچھی پیدائش کرنے والا اللہ برکتوں والا ہے حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے جب یہ آیت اتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا ہے تو بے ساختہ میری زبان سے قَتَبَرَك اللهُ أَحْسَنُ الْخَلْقَيْنِ ۝ نکلا اور وہی پھر اتر ا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ ۖ أَطِيعُوهُ وَوَحِّدُوهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرُهُ ۖ وَهُوَ اسْمُ مَا وَمَا قَبْلَهُ الْخَبِيرُ ۚ وَمِنْ زَايِدَةٍ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ تَخَافُونَ عُثُوبَتَهُ بَعْدَ أَنْ تَكْفُرُوا بِغَيْرِهِ ۖ فَقَالَ الْمَلَكُ الْإِنَّمَا كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَا تَبَايِعِهِمْ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ يَشْرَفَ عَلَيْكُمْ ۖ بَانَ يَكُونُ مَشْبُوعًا وَأَنْتُمْ أَتْبَاعُهُ وَكَوَفَّلَهُ اللَّهُ أَنْ لَا يُعْبَدَ غَيْرُهُ لَا تَزُولَ مَلِكُهُ ۖ بِذَلِكَ لَا بَشَرًا مِثْلَهُ هَذَا الَّذِي دَعَا إِلَيْهِ نُوحٌ مِنَ التَّوْحِيدِ ۖ أَهْلًا الْأَوَّلِينَ ۝ أَيُّ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ إِنْ هُوَ نُوحٌ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ ۖ حَالَةُ جُنُونٍ فَتَرَبَّصُوا بِهِ أَنْتَظِرُوهُ حَتَّىٰ جِيءَ ۝ أَلَىٰ مَنْ مَوْتِهِ قَالَ نُوحٌ رَبِّ انصُرْنِي عَلَيْهِمْ بِمَا كَذَّبُونِ ۝ أَيْ بِسَبَبِ تَكْذِيبِهِمْ آيَاتِي بَانَ تُهْلِكُهُمْ قَالَ تَعَالَىٰ مُجِيبًا دُعَاءَهُ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْفُلَ الْسَفِينَةَ بِأَعْيُنِنَا ۖ بَمَرَأَىٰ مِنَّا وَحِفْظِنَا وَوَحَيْنَا ۖ أَمْرًا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا بِأَهْلَا كِهِمْ وَفَارَ التَّكْوُرُ ۖ لِلْخُبَارِ بِالمَاءِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَامَةً لِّلنُّوحِ فَاسْلُكْ فِيهَا أَيْ ادْخُلْ فِي السَّفِينَةِ مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ ذَكَرًا وَأُنْثَىٰ مِنْ كُلِّ أَنْوَاعِهِمَا اثْنَيْنِ ذَكَرًا وَأُنْثَىٰ وَهُوَ مَفْعُولٌ وَمِنْ تَعْلُقٍ بِاسْلُكْ وَفِي الْقِصَّةِ أَنَّ اللَّهَ حَشَرَ لِّلنُّوحِ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا فَجَعَلَ يَضْرِبُ يَدَيْهِ فِي كُلِّ نَوْعٍ فَيَقْعُ يَدُهُ الْيُمْنَىٰ عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرَىٰ عَلَى الْأُنْثَىٰ فَيَحْمِلُهُمَا فِي السَّفِينَةِ وَفِي قِرَاءَةِ كُلِّ بِالشَّوْبِ نَزَّوَجَيْنِ مَفْعُولٌ وَاثْنَيْنِ تَاكِدٌ وَأَهْلَكَ أَيْ زَوْجَتَهُ وَأَوْلَادَهُ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ بِالْأَهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتَهُ وَوَلَدَهُ كِتْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَاقُوبَ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتُهُمْ ثَلَاثَةٌ وَفِي سُورَةِ هُودٍ وَمَنْ أَمِنْ وَمَا أَمِنْ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ قِيلَ كَانُوا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاؤُهُمْ وَقِيلَ جَمِيعٌ مَنْ كَانَ فِي السَّفِينَةِ ثَمَانِيَةٌ وَسَبْعُونَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَاءٌ وَلَا تُخَاطَبُ فِي الَّذِينَ كَذَّبُوا كَفَرُوا بِتَرْكِ أَهْلَا كِهِمْ إِنَّهُمْ مُفْرَقُونَ ۝ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ اِغْتَدَلَتْ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِ فَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

الْكَافِرِينَ وَآهْلًا كَيْهَمٍ وَقُلْ عِنْدَ تَرْوِيلِكَ مِنَ الْفُلْكَ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا بِضَمِّ الْعَيْنِمْ وَفَتْحِ الزَّايِ مُنْزَلُ
أَوَاسِمِ مَكَانٍ وَبِفَتْحِ الْعَيْنِمْ وَكَسْرِ الزَّايِ مَكَانُ التَّرْوِيلِ مُنْزَلًا ذَلِكَ الْإِنْزَالُ أَوِ الْمَكَانُ وَأَنْتَ خَدِ
الْمُنْزِلِينَ ۝ مَا ذُكِرَ إِلَّا فِي ذَلِكَ الْمَذْكُورِ مِنْ أَمْرِ نُوحٍ وَالسَّفِينَةِ وَآهْلِكَ الْكُفَّارِ لَا يَتَذَلَّلُونَ عَلَى
قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِنْ مُحَقَّقَةٌ مِنَ النَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيرُ الشَّانِ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۝ مُحْشَرِينَ قَوْمِ نُوحٍ
بِأَرْسَالِهِ إِلَيْهِمْ وَوَعْظِهِ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمًا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ هُمْ عَادَ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ قَوْمًا

بِأَرْسَالِهِ إِلَيْهِمْ وَوَعْظِهِ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمًا قَوْمًا آخَرِينَ ۝ هُمْ عَادَ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ قَوْمًا

تَرْجُمَتُہا: اور ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کے پاس سوانھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت
کیا کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لیے معبود بنانے کے لائق نہیں (لفظ الہ ما کا اسم اور اس کا ماقبل خبر ہے اور من زائد ہے)
پھر کیا ڈرتے نہیں ہو (کسی دوسری چیز کی عبادت کر کے اس کے عذاب سے؟) پس ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے
(اپنے اتباع کرنے والوں سے) کہ یہ شخص بجز اس کے کہ تمہاری طرح کا ایک معمولی آدمی ہے اور کچھ نہیں ہے ان کا مطلب یہ
ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (بایں طور کہ وہ تو متبوع ہو جائے اور تم سب اس کی اتباع کرو) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا (کہ اس کے
علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے) تو فرشتوں کو بھیجتا (اس کام کے لیے نہ کہ کسی انسان کو) ہم نے یہ بات (کہ جس طرف
حضرت نوح بلا رہے ہیں یعنی توحید) اپنے بڑوں میں (جو قومیں گزر گئی ہیں، بھی) نہیں سنی بس یہ (نوح) ایک آدمی ہے جس کو
جنون ہو گیا ہے سوا ایک وقت خاص تک اس (کی حالت جنون) کا اور انتظار کر لو (یعنی زہ نہ تک یہ سن کر حضرت نوح نے جناب
باری تعالیٰ میں) عرض کیا اے میرے رب (ان کو گوں سے) میرا بدلہ لے لو بوجہ اس کے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا ہے (بال
طور کہ ان کو ہلاک کر دے۔ حق تعالیٰ نے حضرت نوح کی دعاء قبول فرمائی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا!) پس ہم نے ان کے
پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کر لو ہماری نگرانی میں (اور ہماری حفاظت میں) اور ہمارے حکم سے پھر جس وقت ہمارا حکم (ان کی
ہلاکت) آپہنچے اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے (اور یہ حضرت نوح کے لیے علامت تھی) تو ہر قسم میں سے ایک ایک
اور ایک ایک مادہ یعنی دو دود عدد (مذکر اور مؤنث کی ہر دو انواع میں سے وہ مفعول ہے اور من اسلک کے متعلق ہے اور حضرت
نوح کے اس واقعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے لیے ان کے پاس درندوں پرندوں اور ان دونوں کے علاوہ اور
دوسرے حیوانات کو جمع کر دیا پس حضرت نوح ہر نوح پر اپنے دونوں ہاتھوں کو مارتے تو داہنا ہاتھ تو نر پر اور بائیں ہاتھ مادہ پر کرتا
تھا اور ان کو کشتی میں سوار کر لیتے تھے (اور ایک قراءت میں کل تنوین کے ساتھ بیسے اور ز وجین مفعول اور انہیں اس کی تاکید
ہے) اس میں داخل کر لو اور اپنے گھر والوں (یعنی اپنی زوجہ اور اپنی اولاد) کو بھی (اور وہ حضرت نوح کی زوجہ کافرہ اور آپ کا
لڑکا کنعان برخلاف سام حام یافت کے کہ ان کو سوار کر لیا اور ان ہر سہ کی بیبیوں کو بھی اور سورہ ہود میں ہے ومن امن الخ بعض

فرماتے ہیں چھ مرد اور ان چھ ازواج اور بعض نے فرمایا کہ تمام جو کشتی میں موجود تھے وہ ۷۸ تھے ان میں نصف مرد اور نصف عورتیں (اور مجھ سے کافروں (کے ترک اہلاک) کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا کیونکہ وہ سب غرق کیے جاویں گے۔ پھر جس وقت تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافروں سے اور ان کو ہلاک کرنے سے نجات دی اور (اور کشتی سے باہر نکلتے وقت) یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو زمین پر برکت کا اتارنا اتارنا (کہ اتارنا یا برکت ہو جائے نزول یا برکت منزل لا میں میم پر ضمیمہ اور زاء پر فتح مصدر یا اسم مکان ہے اور دوسری قراءت میم پر فتح اور زاء پر کسرہ تو مکان نزول کے معنی ہوں گے!) اور آپ سب اتارنے والوں سے اچھے ہیں (جس قدر بھی مذکور ہے!) اس (واقعہ مذکور حضرت نوح اور ان کی کشتی اور کفار کی ہلاکت اور غرقاب کیے جانے) میں بہت سی نشانیاں (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی موجود) ہیں اور ہم (قوم نوح کو ان کے پاس رسول کو بھیج کر اور حضرت نوح کا نصیحت کرنے کے ساتھ) جانچنے والے ہیں ان مخففہ من المثلثہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ پھر ہم نے (قوم نوح) کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا (وہ قوم عاد ہے) پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں سے تھے (یعنی حضرت ہود (انھوں نے کہا!) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ: یہ امر کی علت کو بیان کرنے کے لئے جملہ متانہ لایا گیا ہے۔
- قوله: مِنَ التَّوْحِيدِ: هذا كما مشار اليه دعوى توحيد نه كعبوت۔
- قوله: خَالَهُ جُنُونٍ: جنة برون فعله یہ نوع کے لئے آیا ہے۔
- قوله: أَلَى زَمَنِ مَوْتِهِ: شاید کہ کسی وقت افاقہ ہو جائے اس لئے انتظار کرو۔
- قوله: يَا عَيْنِينَ: یعنی ہماری حفاظت میں کہ کشتی بنانے میں کوئی غلطی ہو یا کوئی مفسد تمہارے خلاف بگاڑ کی کوشش کرے۔
- قوله: امرنا: یعنی ہماری تعلیم سے کہ تم نے کس طرح بنانا ہے۔
- قوله: عَلَامَةُ الْنُوحِ: یعنی طوفان نوح علیہ السلام کی علامت تھی۔
- قوله: دَكَّرُوا أَنْفُسَهُمْ: یعنی دونوں قسموں میں ایک جوڑا۔
- قوله: كَلَّمَهُمُ الْبَلَاءُ: تنوین یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔ مراد ہر نوع کا جوڑا ہے۔
- قوله: رَبُّهُمْ مُعَذِّبُونَ: اس سے بتلایا کہ ان کو شرک و کفر کی وجہ سے ڈبڈبایا جائے گا اور شرک اس قابل نہیں کہ اس کے متعلق سزاؤں کی جائے۔ غرق سے محفوظ رہنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔
- قوله: مُنْزَلًا: یہ باب افعال سے ظرف مکان ہے، مجرد سے مقام نزول۔
- قوله: فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ: قرن کو موضع ارسال بنایا اس سے اشارہ کیا کہ وہ انہی میں موجود تھے کہ ان کی طرف وحی کی۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَتُوبُ إِلَهُكُمْ إِلَهُ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا، اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا عسرق آب ہونا:

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید اور ان کی قوم کی تکذیب کی وجہ سے طوفان میں غرق کیے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی ان کے بتوں کے نام سورہ نوح کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرو تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اللہ کی طرف سے تمہاری گرفت ہو جائے اور تم پر عذاب آ جائے۔ ہر قوم کے سردار اور چودھری حق قبول کرنے سے بچتے ہیں نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے عوام کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ عوام میں جو نیادی اعتبار سے نیچے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں وہ آگے بڑھنے اور حق قبول کرنے کی ہمت کر لیتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے چودھری اور سرداروں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص جو اپنے بارے میں کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اس میں ہمیں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی جیسے تم آدمی ہو ایسا ہی یہ آدمی ہے، مقصد اس کا یہ ہے کہ تمہارا بڑا بن کر رہے اور تم اس کے ماتحت رہو اگر اللہ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو اس کے لیے فرشتوں کو نازل فرمادیتا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا یہ جو کہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور صرف ایک معبود کی عبادت کرو اور اسی ایک معبود کو تمہارا وحدہ لا شریک بتاتا ہے یہ بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی جو ہم سے پہلے گزر گئے، ان چودھریوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ ان شخص پر دیوانگی سوار ہے دیکھو اس کا معاملہ کس کل بیٹھتا ہے تم انتظار کر لو۔

ممکن ہے کہ اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور بہر حال اس کو موت تو آ ہی جائے گی موت پر اس کے سارے دعوے رکے رہ جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے میری مدد فرمائیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور عظیم طوفان آیا جس میں سب کا فر غرق ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انہیں کشتی بنانے کا حکم فرمایا پھر جب کشتی بنائی تو حکم فرمایا کہ اس میں اپنے اہل و عیال کو اور تمام مؤمنین کو (جو تھوڑے سے تھے) ساتھ لے کر سوار ہو جاؤ۔ ہاں تمہارے اہل و عیال میں سے جو شخص ایمان نہیں لایا اسے اپنے ساتھ نہ کرنا اور ان کے بارے میں مجھ سے خطاب بھی نہ کرنا یعنی ان کی نجات کے بارے میں درخواست نہ کرنا کیونکہ یہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں، (حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور ایک بیٹا ایمان نہیں لایا تھا) جو جانور چمندے پرندے اور دوسری چیزیں زمین پر بسنے والی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک ایک جوڑا لے کر کشتی میں سوار کر لو، کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ طوفان کے بعد ان کے بھی نسلین چلیں، چنانچہ حضرت نوح

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی اچھی طرح کشتی میں سوار ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہنا: (الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوَاهِ الْظَالِمِينَ) (سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں عالم قوت سے نجات دی) اور مزید یہ دعا بھی تلقین فرمائی (رَبِّ اَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ) (اے میرے رب مجھے ایسی جگہ میں اتار دے جو مبارک ہو اور آپ سب بہتر اتارنے والوں میں سے ہیں)

جب کشتی میں سوار ہوئے تو (بِسْمِ اللّٰهِ فَجَرَّهَا وُفْرًا سَاهَا) (اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا) اور سوار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھی جو ابھی اوپر مذکور ہوئی، طوفان کی ابتداء کس طرح ہوگی یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ پہلے تنور سے پانی ابلنا شروع ہوگا تنور سے پانی کی ابتداء ہوئی اور زمین کے دوسرے حصوں سے بھی خوب پانی نکلا اور آسمان سے بھی خوب پانی برسنا۔ کافر سارے ڈوب گئے کشتی والوں کو نجات ہوئی اور کشتی جو دی پہاڑ پر ٹھہر گئی پھر اہل ایمان زمین پر آئے دوبارہ آبادی شروع ہوئی جس کی تفصیل سورہ ہود کے چوتھے رکوع کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّبَلٰشِبِ اس میں نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں (وَ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلٰیْنَ) (اور بلاشبہ ہم ضرور آزمائے والے ہیں) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو آزمایا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے انہیں نصیحت فرمائی اور توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلایں ان کا امتحان تھا انہوں نے ظاہری دنیا ہی کو دیکھا اپنے سرداروں کی بات مانی حق کو قبول نہ کیا ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ سلسلہ آزمائش اب بھی جاری ہے۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَّسُوْلًا مِنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُۥ ۚ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۙ

حضرت نوح کے بعد رسول کی آمد کا ذکر:

سوارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان میں ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو کہ اللہ پاک کی قدیمی سنت اور ہمیشہ کا دستور رہا کہ ہر قوم کا پیغمبر انہی میں سے ہوا ہے۔ سو اسی بناء پر قوم عاد اور قوم ثمود کی طرف حضرت ہود اور حضرت صالح کو رسول بنا کر بھیجا گیا جن کی سرگزشتیں پہلے گزر چکی ہیں۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرت نوح کے بعد جن قوموں کو اٹھایا گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بھی اپنے رسول بھیجے تاکہ وہ ان کو حق و ہدایت کی تعلیمات مقدسہ سے آگاہ کر سکیں۔ کیونکہ حق و ہدایت کی ضرورت انسان کے لیے اس کی دوسری تمام جسمانی اور مادی ضرورتوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مادی اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان تو کرے لیکن ان کی روحانی اور معنوی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی سامان نہ کرے۔ جبکہ اس کا اپنا ارشاد ہے اور صریح ارشاد ہے کہ ہدایت ہمارے ذمے ہیں۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰی۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

حضرات انبیائے کرام کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی: کہ ان سب نے اپنی قوموں کو توحید ہی کی دعوت دی اور ان سے کہا

کہ تم سب ایک اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ اپنے اس کفر و شرک کا انہماک اور اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے - والعیا ذی اللہ - یعنی ان انبیائے کرام نے بھی اپنی اپنی قوموں کو وہی پیغام دیے جو ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو دیئے کہ ان سب حضرات کی دعوت ہمیشہ ایک ہی رہی۔ یعنی توحید خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی دعوت۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں اور قاعدہ کلیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنْكُرْ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۝ (الانبیاء: ۲۱) یعنی ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے اس کی طرف ہم ہی وحی کرتے رہے کہ کوئی بھی معبود نہیں سوائے میرے۔ پس تم سب لوگ میری ہی بندگی کرو۔ سو عقیدہ توحید پر دینِ سماوی کی اصل اور اساس رہی ہے۔ اور ہر پیغمبر نے اپنی امت کو اسی کی دعوت دی ہے۔ نیز یہ کہ معبود برحق صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے اور ہر قسم کی عبادت و بندگی صرف اسی وحدہ لا شریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْأَخِرَ ۖ أَيْ بِالْمَصِيْرِ إِلَيْهَا اتَّفَقْتُمْ أَنْعَمْنَا لَهُمْ فِي الْخَيْرِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۖ اللَّهُ وَلَهُنَّ أَطْعَمُهُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ فِي قَسَمٍ وَشَرْطٍ وَالْجَوَابُ لِأَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُعْنٍ عَنْ جَوَابِ الثَّانِي إِنْكُمْ إِذَا أَيْ إِنْ أَطْعَمْتُمُوهُ لَمْ تَسِرُوا بِهِ أَيْ مَغْبُوتُونَ أَيْ عَدَلْتُمْ إِذْ أَمَرْتُمْ وَكُنْتُمْ تَوَابًا وَعِظَامًا أَلَكُمْ مُخْرَجُونَ ۖ هُوَ خَيْرٌ أَنْتُمْ الْأُولَى وَأَنْتُمْ الثَّانِيَةُ تَأْكِلُ لَهَا لِمَا طَالَ الْفَضْلُ هِيَ هَاتِي هَاتِي اسْمُ فِعْلٍ مَاضٍ بِمَعْنَى مُصْدِرٍ أَيْ بَعْدَ بَعْدٍ لِمَا تَوَعَّدُونَ ۖ مِنَ الْإِخْرَاجِ مِنَ الْقُبُورِ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْبَيَانِ إِنْ هِيَ أَيْ مَا الْحَيَوَةُ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا بِخَيْرَةِ أَنْبَاءِنَا مَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۖ إِنْ هُوَ أَيْ مَا الرَّسُولُ إِلَّا رَجُلٌ يُفْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۖ أَيْ مُصَدِّقِينَ فِي الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ ۖ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ مِنَ الزَّمَانِ وَمَا زَالَتْ لِيَصْحَبَنَّ يَصِيرُونَ لِيَأْمِنَنَّ ۖ عَلَى كُفْرِهِمْ وَتَكْذِبِهِمْ فَآخَذَهُمُ الصَّيْحَةُ صَيْحَةُ الْعَذَابِ وَالْهَلَاكِ كَانَتْ بِالْحَقِّ فَمَا تَوَا فَبَعَلْنَاهُمْ عُثَاءً ۖ وَهُوَ نَبْتُ يَسْ أَيْ صَبَّرْنَا هُمْ مِثْلُهُ فِي الْيُسْرِ فَبَعَدَ مِنَ الرَّحْمَةِ لِقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۖ الْمَكْذِبِينَ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا أَيْ أَقْوَامًا آخَرِينَ ۖ مَا سَأَلْنَا مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا بَلَاءٌ تَمُوتُ قَبْلَهُ وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۖ عَنْهُ دُسْرُ الصَّيْرِ بَعْدَ تَأْتِيهِ رِعَابٌ لِلْمَعْنَى ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ۖ أَلَّا يَكْفُرُوا بِالْأَوَّلِينَ ۖ وَعَدَمِهِ أَيْ مُتَتَابِعِينَ بَيْنَ كُلِّ اثْنَيْنِ زَمَانٌ طَوِيلٌ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ تَيْنٍ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ لَهَا

وَبَيْنَ الْوَاوِ رُسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتَبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا فِي الْهَلَاكِ وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ قَبْعًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَآخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ حُجَّةً بَيِّنَةً وَهِيَ الْيَدُ وَالْعَصَا وَغَيْرُهُمَا مِنَ الْآيَاتِ إِلَى فِرْعَوْنَ وَكُلِّهِ فَاسْتَكْبَرُوا عَنِ الْإِيمَانِ بِهَا وَبِاللَّهِ وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَاهْرَبْنِ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِالظُّلْمِ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِمْدُونَ ۝ مُطِيعُونَ خَاضِعُونَ لَكُذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ لَعَلَّهُمْ أَى قَوْمِهِ بَنِي إِسْرَءِيلَ يَهْتَدُونَ ۝ بِهِ مِنَ الضَّلَالَةِ وَأَوْتَيْنَاهَا بَعْدَ هَلَاكِ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ جُحْلَةً وَاحِدَةً وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ عِيسَى وَآمَةً آيَةً لَمْ يَقُلْ آيَتِي لِأَنِّي لَأَيُّهُمَا وَاحِدَةٌ وَلَا دَرْتُهُ مِنْ غَيْرِ فَحُلِي وَأَوْتَيْنَاهُمَا إِلَى رَبِّهِمَا مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ وَهُوَ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ أَوْ ذِمَّتِي أَوْ فَلَسْطِي أَقْوَالُ ذَاتِ قَرَارٍ أَى مُسْتَوِيَةٍ لَيْسَتْ تَقَرَّرَ عَلَيْهَا سَاكِنُوهَا وَمَعِينٍ ۝ أَى مَاءٍ جَارٍ ظَاهِرٍ تَرَاهُ الْعَيْنُ ۝

ترجمہ: اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا یعنی اس کی طرف رجوع کرنے کو اور ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں خوشحالی عطا کی تھی یعنی انعامات سے نوازا تھا، کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری ایک معمولی آدمی ہیں یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور (قسم اللہ تعالیٰ کی) اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلے لگو اس میں قسم اور شرط ہے اور ان میں سے پہلی کا جواب ہے جو کہ دوسری کے جواب سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ تو بیشک تم (نے اگر اطاعت قبول کر لی تو) بے شک کھانے میں ہو کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو دوبارہ زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے (وہ ان اول کی خبر ہے اور ثانی ان اول کی تاکید کے لیے ہے چونکہ ان اور اس کی خبر میں فصل زائد ہو گیا ہے) بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے (اسم فعل ماضی مصدر کے معنی میں ای بعد بعد) جو تم سے وعدہ ہوتا ہے (کہ قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے نکالے جاؤ گے لام زائد بیان کے لیے آیا ہے) بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کیے جاویں گے، بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور اس کو ہم نہیں (سچا) ماننے والے (اس قول میں کر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے) پیغمبر نے دعاء کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا ارشاد ہوا کہ یہ لوگ غنقریب ہشیمان ہوں گے (اپنے کفر پر اور اپنے فعل تکذیب پر) چنانچہ ان کو ایک سخت آواز (عذاب اور ہلاکت) نے موافق وعدہ برحق (ہونے والا تھا) آ پکڑا (جس سے کہ وہ مر گئے) پھر ہم نے ان کو کوڑا کر دیا (غشاء وہ خشک اور سوکھا ہوا گھانس یعنی ان کو ہلاک کر کے مثل خس و خاشاک بنادیا ہم نے) سودور ہو جائیں (رحمت خداوندی سے) کافر (رسول کو جھٹلانے والے) لوگ پھر ان عادیات خود کے بعد ہم نے اور (دوسری) امتوں کو پیدا کیا کوئی امت اپنی مدت معینہ سے نہ پیش دستی کر سکتی تھی (کہ وقت سے

پہلے مر جائے) اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے (وقت سے) ضمیر مذکر لائی گئی تانیث کے بعد معنی کی رعایت کی وجہ سے ہمارے
نے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے تتر اتون کے ساتھ اور تنون کے بغیر ہے جب کسی امت کے پاس اس امت کا خاص رسول
آیا دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ ہے ہمزہ اور واؤ کے درمیان انھوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے (اسی
ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا تار باندھ دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بنا دیں سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہ لائے
تھے! پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنے احکام اور کھلی دلیل (اور وہ ید بیضاء اور عصا دیگر معجزات دیکر) فرعون اور
اس کے درباہوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے (اللہ تعالیٰ اور ان رسولوں پر ایمان لانے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی
متکبر (بنی اسرائیل پر ظلم کرنے میں قاہر و جابر) چنانچہ وہ باہم کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں
ایمان لے آویں حالانکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے تابعدار (زیر حکم) ہیں غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے
پس اس تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیے گئے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراة) عطا فرمائی تاکہ وہ لوگ (یعنی ان کی قوم بنی
اسرائیل) ہدایت پائیں (اس کتاب کے ذریعہ گمراہی سے فرعون اور اسکی قوم کی ہلاکت کے بعد تمام کی تمام کتاب تورات عطا
کی گئی ایک ہی مرتبہ میں) اور ہم نے مریم کے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو ان کی ماں کو بڑی نشانی بنایا ہے (اپنی قدرت کی آئینہ
یعنی دو نشانیاں نہیں فرمایا کیونکہ ان دونوں میں ایک ہی نشانی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے جنا) اور ہم نے ان دونوں کو ایک
ایسی بلند زمین (اور وہ بیت المقدس یا فلسطین شہر ہے جیسا کہ اس میں اقوال مفسرین ہیں) پر لے جا کر پناہ دی (جو رہا
تھی تاکہ اس پر اطمینان قرار پائیں) جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی (جہاں جاری نہر جس سے فرحت و سرور ہوتا ہے اور
وہ پانی صاف و شفاف اور نظر آنے والا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **وَقَالَ الْمَلَأُ**: سورہ ہود میں بغیر واؤ کے لائے کیونکہ وہاں سرداروں کا کلام ان کی بات سے متصل تھا اور متصل نہ تھا
لئے واؤ کے ساتھ لائے۔ واللہ اعلم
قوله: **مِمَّا شَرَرُوا**: اس میں ضمیر عائد محمد و فاطمہ ہو۔
قوله: **هِيَئَاتَ**: یعنی اس کی تصدیق یا نبوت کا درست ہونا بعید تر ہے۔
قوله: **هِيَئَاتَ**: یہ معنی بعد مصدر ہے وہ مبتداء ہے اور لاتو عدو ن اس کی خبر ہے۔
قوله: **نُبُوتٌ وَنَحْيَا**: یعنی بعض ہمارے مرتے اور بعض پیدا ہوتے ہیں۔
قوله: **بِمَا كَذَّبُوا**: میری ان کے تکذیب کرنے کے باعث۔
قوله: **وَمَازِئِدَةٌ**: جو کہ قلت کے معنی کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ عن اس کا متعلق لیصبحن ہے۔
قوله: **نَارِمْزِينَ**: یعنی جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کفر و تکذیب پر شرمندہ ہوں گے۔

قولہ: **بِالْحَقِّ**: یعنی اس ثابت شدہ وجہ کے سبب جس کو کوئی دور کرنے والا نہ تھا یا حق عدل کے معنی میں ہے۔
 قولہ: **صَبْرًا**: یہ تشبیہ پر محمول ہے یعنی خشک گھاس کی طرح کر دیا۔
 قولہ: **فَبَعْدًا**: یہ خبر ہے اور بددعا ہے ہلاکت کے معنی میں یہ مصدر ہے۔
 قولہ: **فَرَوْنًا**: اس سے قوم صالح، لوط، شعیب مراد ہیں۔
 قولہ: **مِنْ أُمَّةٍ**: اس میں من زائدہ ہے بمعنی قوم ہے۔
 قولہ: **تَتَرَا**: تنوین کے ساتھ یہ مصدر ہے اس کا معنی متواترات ہے بلاتوین متواترین: یکے بعد دیگرے۔
 قولہ: **رَسُولَهَا**: رسول کی نسبت ارسال کے اعتبار سے مرسل کی طرف اور آنے کے اعتبار سے لوگوں کی طرف ہوتی ہے۔
 قولہ: **أَحَادِيثًا**: کہانیاں یعنی ان کے صرف واقعات رہ گئے۔
 قولہ: **سُلَاطِينَ مُبِينٍ**: سے معجزہ عصاء مراد ہے۔
 قولہ: **عِبْدُونِ**: یعنی غلاموں کی طرح مطیع ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنَ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہلاکت و محرومی کے تین بڑے سبب: سواس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کی ظلمت و نحوست، آخرت کی تکذیب اور دنیاوی عیش پرستی، تباہی و بربادی کے تین بنیادی اسباب ہیں۔ کیونکہ جب انسان دنیاوی عیش و عشرت میں کھو جاتا ہے تو وہ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں۔ ورنہ مجھے یہ دنیا کیوں ملتی اور آخرت کچھ نہیں اور اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں بھی مجھے اچھائی اور کامیابی ملے گی۔ اور اس طرح وہ ہمیشہ کی ہلاکت میں پڑ کر رہتا ہے۔ اور وہ انگبار کے اس ہولناک مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے بعد کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ اور نتیجہ ایسا شخص ہلاکت و تباہی کے اس ہولناک گڑھے میں گر کر رہتا ہے جس جیسا ہولناک گڑھا دوسرا کوئی ہو سکتا ہی نہیں۔ اور اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ وہ بیماری کو بھی صحت اور ہلاکت کو بھی نجات سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح وہ **خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ** کا مصداق بن جاتا ہے۔ اللہ فساد و بگاڑ کے ہر سبب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

منکرین کا انکار پیغمبر کی بشریت ظاہرہ کی بنا پر: سوارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ یہ شخص تو تم ہی جیسا ایک بشر ہے۔ تو پھر یہ نبی اور رسول کس طرح ہو سکتا ہے۔ یعنی وہی غلط فہمی جو ان سے پہلے کے کافروں کو رہی اور جو ان کے بعد کے ہر دور میں بھی رہی کہ جو ہم ہی جیسا انسان اور کھانے پینے والا شخص ہو وہ نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نبی و رسول کوئی ایسی نوری ہستی ہی ہو سکتی ہے جو کھانے پینے اور شادی بیاہ وغیرہ کے جملہ انسانی عوارض اور بشری تقاضوں سے پاک اور مبرا ہو۔ اور اسی قدیم غلط فہمی کے جرائم آج تک موجود ہیں۔ (تفسیر مدنی کبیر)

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا.....

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمانے کے بعد ایک اور رسول کی تشریف آوری کا اور ان کی امت کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے ان کے بعد اور بہت سی جماعتیں پیدا کیں، ان سے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں اور ان کے علاوہ جو قومیں تھیں حضرات انبیاء کرام کی تکذیب کے باعث ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر میں جس امت کے ہلاک ہونے کا جو وقت مقرر تھا ہر امت ٹھیک اسی وقت میں ہلاک کی گئی۔ نہ وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوئی اور نہ اس وقت سے موخر ہوئی۔

قوله تعالى: "تَتْرًا" من المتواترة وهو التابع مع فصل و مهلة و الناء الاولى بدل من الواو كما في تراث و جمهور القراء و العرب على عدم تنوينه فالفه للتانيث كالف دعوى و ذكرى و معناه ثم ارسلنا رسلنا متواترين و قرأ ابن كثير و ابو عمر و تترابا بالتنوين و هو لغة كنانة۔ (راجع روح المعاني ج ۱۸ صفحہ ۲۴)

(فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا) (سو ہم بعض کو بعض کے بعد و جودلاتے رہے) یعنی ایک قوم گئی اور اس کے بعد دوسری قوم آگئی برابر ایسا ہی ہوتا رہا جیسے وجود میں آنا آگے پیچھے تھا اسی طرح ہلاک ہونے میں بھی آگے پیچھے تھے، ایک قوم آئی رسول کو جھٹلایا وہ ہلاک ہوئی دوسری قوم آئی اس نے بھی اپنے رسول کو جھٹلایا وہ بھی ہلاک ہو گئی اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔

جَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۙ : (اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا) یعنی وہ لوگ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ایسے برباد ہوئے اور ایسے گئے کہ بعد کے آنے والے صرف کہانیوں کے طور پر ان کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نام کی بھی کوئی قوم تھی اور فلاں علاقے میں بھی کبھی لوگ آباد تھے، کیا تو ان کے بڑے بڑے دعوے تھے اور کیا ان کا انجام ہوا کہ بس کہانیوں کی طرح لوگ ان کا تذکرہ کرتے ہیں: فَبَعْدَ أَلْقَوْا لَأَيُّ مُنْشَوْنَ ۝ (سو دوری ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں لاتے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں کیونکہ غیر مؤمن کو اللہ کی رحمت شامل نہ ہوگی وہ ہمیشہ لعنت میں رہیں گے۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَ أَخَاهُ هَارُونَ ۙ.....

یعنی مذکورہ اقوام کے بعد ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی آیات اور سلطان مبین دے کر بھیجا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو سورۃ انفال کی آیت: (وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ) اور اس کی بعد آیت میں مذکور ہیں اور سلطان مبین (حجت واضحہ) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مراد ہے۔ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا ان لوگوں نے تکبر اختیار کیا انہیں دنیا میں جو برتری حاصل تھی اس کی وجہ سے اپنے کو بڑا سمجھتے تھے اور تکبر انہیں لے ڈوبا کہنے لگے یہ دونوں آدمی جو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کیا ہم ان پر ایمان لے آئیں حالانکہ دونوں جس قوم کے فرد ہیں یعنی بنی اسرائیل وہ تو ہمارے فرماں بردار ہیں، یہ ان کی پوری قوم جن میں یہ بھی شامل ہیں ہم سے بہت زیادہ کمتر ہیں ہم مخدوم ہیں یہ خادم ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس قوم کے دو آدمیوں کو پیغمبر مان لیں جو ہمارے ماتحت ہیں جو لوگ ہم سے دب کے رہتے ہیں ان کو اپنے بے برتری کیسے سمجھ لیں؟ وہ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے رہے، اللہ تعالیٰ کے دونوں پیغمبروں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے یعنی ہند

میں ڈوبے گئے۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ

حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ:

آخر میں فرمایا: (وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَآقَةَ آيَةً) (اور ہم نے ابن مریم اور ان کی والدہ کو نشانی بنا دیا) ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہونا جبکہ کسی بشر نے ان کی والدہ کو چھوا تک نہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے (جو سورہ آل عمران اور سورہ مائدہ میں بیان ہو چکے ہیں) ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں یاد رہے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کا ابن فلاں کہہ کر تذکرہ نہیں فرمایا اور یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جگہ جگہ ابن مریم فرمایا ہے اور سورہ مریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن اب بعض طہد اور زندگی یوں کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف تھا اس طرح سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام پر بھی بدکرداری کی تہمت دھرتے ہیں۔ لعنہم اللہ تعالیٰ۔

مزید فرمایا: (وَأَوَيْنَهُمَا إِلَىٰ دُبُورِ آدَمَ فَكُرَا) (اور ہم نے ان دونوں کو آدمی جگہ پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کی جگہ تھی اور جس میں پانی جاری تھا) مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں رہنے کے لیے بلند جگہ عطا کی (جہاں اچھی طرح رہ سکتے تھے وہاں کمیٹیاں تھیں پھل پھول تھے) نیز پانی بھی جاری تھا پانی جو کھیتوں کو اور باغات کو سیراب کرتا تھا اور اس کے دیکھنے سے دل خوش ہوتا۔ اس بلند جگہ سے کون سی جگہ مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن سلام صحابی (جو پہلے یہود میں سے تھے) انہوں نے فرمایا کہ اس سے دمشق مراد ہے، حضرت سعید بن المسیب تابعی کا بھی یہ قول ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اس سے رملہ مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے بیت المقدس مراد ہے۔

(مسالم الترمذی ج ۲ ص ۲۱)

یہ تو اکابر کے اقوال ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی ہیں، اب دور حاضر کے بعض زندگیوں کی بات سنو وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی قبر کشمیر میں ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل نہیں اور سورہ نساء میں جو (وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ) فرمایا ہے اس کے منکر ہیں۔ فلعنة الله على الكاذبين۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ایک عالم بادشاہ بیردوس تھا جو نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کی سردازی ہوگی مفرغ بنی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا الہام ربانی سے حضرت مریم علیہا السلام ان کو لے کر مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں چلی آئیں (کذا فی الروح وفتح اللتان عن انجیل متی وروی فی الدر المنثور تفسیر الربوۃ عن ابن عباس ورواہ ابن ذید بمصر وعن زید بن اسلم بالاسکندریہ ایضا بمصر) اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ماء معین رود نیل ہے۔ واللہ اعلم انھیں۔

لَا كُفَّهَا الرُّسُلُ كُلُّوَا مِنَ الظَّالِمَاتِ وَالْحَلَالَاتِ مِنْ فَرَضٍ وَنَقْلٍ إِلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ عَلَيْهِ ۝

أَفَأَجَارِبُكُمْ عَلَيْهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ هَذِهِ أُمَّةٌ مِنْ أُمَّةِ الْإِسْلَامِ آمَنَتْكُمْ دِينُكُمْ أَيْهَا الْمَخَاطِبُونَ أَيْ يَحِبُّ أَنْ
 تَكُونُوا عَلَيْهَا أُمَّةً وَاحِدَةً خَالَ لَا زِمَةَ وَفِي قِرَاءَةِ بِتَخْفِيفِ التَّنُونِ وَفِي أُخْرَى بِكُسْرٍ هَا مُشَدَّدَةٌ أَيْ سَيَأْتِي
 وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ فَاحْذَرُونَ فَتَقَطَّعُوا أَيْ الْإِتْبَاعُ أَمْرُهُمْ دِينُهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا خَالَ مِنْ فَاعِلٍ تَقَطَّعُوا
 أَيْ أَحْزَابًا مُتَخَالِفِينَ كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَغَيْرِهِمَا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ أَيْ عِنْدَهُمْ مِنَ الدِّينِ
 فَرِحُونَ ۝ مَسْرُورُونَ فَذَرَهُمْ أَتْرَكَ كُفَّارَ مَكَّةَ فِي عَمْرَتِهِمْ ضَلَّالَتِهِمْ حَتَّى جِئَ ۝ أَيْ جِئَ مِنْهُمْ
 أَيْحِبُّونَ أَمَّا لِيُدْهِمُ بِهِ نُعْطِيهِمْ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ۝ فِي الدُّنْيَا نَسَايَ نُعْجِلْ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ لَا يَلَّا
 يَشْعُرُونَ ۝ أَنَّ ذَلِكَ اسْتِذْرَاجٌ لَهُمْ إِنَّ الدِّينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ خَوْفِهِمْ مِنْهُ فَشَفَقُونَ ۝ خَائِفُونَ مِنْ
 عَذَابِهِ وَالدِّينَ هُمْ بِأَيْتِ رَبِّهِمْ الْقُرْآنِ يُؤْمِنُونَ ۝ يُصَدِّقُونَ ۝ وَالدِّينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يَشْرِكُونَ ۝ مَعَهُ غَيْرُهُ وَ
 الَّذِينَ يُؤْتُونَ يُعْطُونَ مَا آتَوْا أَعْطُوا مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَّةٌ خَائِفَةٌ أَنْ لَا تُقْبَلَ
 مِنْهُمْ أَنَّهُمْ يُقَدِّرُ قَبْلَهُ لَا مَ الْجَزَّ إِلَى رَبِّهِمْ رُجْعُونَ ۝ أُولَئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝ فِي عِلْمِ
 اللَّهِ وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أَيْ طَاقَتَهَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ
 أَنْ يَصُومَ فَلْيَأْكُلْ وَلَدَيْنَا عِنْدَنَا كِتَابٌ يُنْطَلَقُ بِالْحَقِّ بِمَا عَمِلْتُهُ وَهُوَ اللُّوحُ الْمَحْفُوظُ تُسْطَرِّقُ
 الْأَعْمَالُ وَهُمْ أَيْ النَّفُوسُ الْعَامِلَةُ لَا يَظْلَمُونَ ۝ شَيْئًا مِنْهَا فَلَا يُنْقَضُ مِنْ ثَوَابِ أَعْمَالِ الْخَيْرِ وَلَا يَزَادُ
 فِي السَّيِّئَاتِ بَلْ قُلُوبُهُمْ أَيْ الْكُفَّارِ فِي عَمْرٍ ۝ جِهَالَةٍ مِنْ هَذَا الْقُرْآنِ وَهُمْ أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَلِكَ
 الْمَذْكُورِ لِلْمُؤْمِنِينَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ ۝ فَيَعَذَّبُونَ عَلَيْهَا حَتَّى ابْتَدَأَتْ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ أَغْنِيَائَهُمْ
 وَرُؤُسَائِهِمْ بِالْعَذَابِ أَيْ السَّيْفِ يَوْمَ بُدْرًا إِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ ۝ يَصْجُرُونَ يُقَالُ لَهُمْ لَا تَجْعَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ
 مِنَّا لَا تَنْصَرُونَ ۝ لَا تَمْنَعُونَ قَدْ كَانَتْ آيَتِي مِنَ الْقُرْآنِ تُشَلِّي عَلَيْكُمْ فَلَنْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ تَكْفُرُونَ ۝
 تَرَجَعُونَ فَهَقَرَى مُسْتَكْبِرِينَ ۝ عَنِ الْإِيمَانِ بِهِ أَيْ بِالْبَيْتِ أَوِ الْحَرَمِ بَأَنَّهُمْ أَهْلُهُ فِي أَمْنٍ بِخِلَافِ سَائِرِ
 النَّاسِ فِي مَوَاطِنِهِمْ سِوَا خَالَ أَيْ جَمَاعَةً يَتَحَدَّثُونَ بِاللَّيْلِ حَوْلَ الْبَيْتِ تَهْجُرُونَ ۝ مِنَ الثَّلَاثِ

تَرْكُونَ الْقُرْآنَ وَمِنْ أَلْفِ رُجُوعٍ أَى تَقُولُونَ غَيْرَ الْحَقِّ فِى النَّبِىِّ وَالْقُرْآنِ قَالَ تَعَالَى أَفَلَمْ يَذْكُرُوا أَصْلَهُ
 بِتَذَكُّرٍ وَأَفَادَعِىتِ النَّاسُ فِى الدَّالِ الْقَوْلِ أَى الْقُرْآنِ الدَّالِ عَلَى صِدْقِ النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ
 جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۖ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۖ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ
 الْإِسْتِغْنَاءُ فِيهِ لِلتَّعْرِيزِ بِالْحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِىِّ وَمَجِئِىءِ الرُّسُلِ لِلْأَمَمِ الْمَاضِيَةِ وَمَعْرِفَةِ رُسُلِهِمْ
 بِالصِّدْقِ وَالْأَمَانَةِ وَأَنْ لَا جُنُونٌ بِهِ بَلْ لِلْإِتِّقَالِ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ أَى الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّوْحِيدِ
 وَشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ وَكَثَرَهُمُ لِلْحَقِّ كَاهُونَ ۖ وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَى الْقُرْآنُ أَهْوَاءَهُمْ بِأَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوَوْنَ مِنْ
 الشَّرْبِ وَالزُّبْدِ وَالْوَلَدِ لِلَّهِ تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ أَى خَرَجَتْ عَنْ نِظَامِهَا
 الْمَشَاهِدِ لِوُجُودِ التَّمَانِعِ فِى الشَّيْءِ عَادَةً عِنْدَ تَعَدُّرِ الْحَاكِمِ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ أَى بِالْقُرْآنِ الَّذِى فِيهِ
 ذِكْرُهُمْ وَشَرَّفَهُمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۖ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَبْرًا أَخْرَجْنَا عَلَى مَا جِئْتُهُمْ بِهِ مِنَ الْإِيمَانِ فَخَرَجَ
 بِكَ أَجْرُهُ وَتَوَاتَبَهُ وَرَزَقَهُ خَيْرٌ ۚ وَفِى قِرَاءَةِ خَرَجَ جَافِى الْمَوْضِعَيْنِ وَفِى قِرَاءَةِ أُخْرَى خَرَجَ جَافِيهُمَا وَهُوَ
 خَيْرُ التَّوْقِينِ ۖ أَفْضَلُ مَنْ أُعْطِيَ وَأَجَرَ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ أَى دِينِ الْإِسْلَامِ وَكَأَنَّ
 إِنْ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ بِالْبَعْثِ وَالنَّوَابِ وَالْعِقَابِ عَنِ الصِّرَاطِ أَى الطَّرِيقِ لِلْيُكُونِ ۖ عَادِلُونَ وَكَوْ
 رَهُمْ وَكُفُّنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ ۚ أَى جُوعٍ أَصَابَهُمْ بِمَكَّةَ سَبْعَ سِنِينَ لَلْجُوعِ تَعَادُوا فِى طُعْمَتِهِمْ
 ضَالَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۖ يَتَزَدَّدُونَ وَ لَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ الْجُوعِ فَمَا اسْتَكَانُوا تَوَاضَعُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا
 يَخْفَعُونَ ۖ يَرْغَبُونَ إِلَى اللَّهِ فِى الدُّعَا حَتَّىٰ إِتَّخَذَتْهُمْ آيَاتُهُ بَابًا ذَا صَاحِبٍ عَذَابٍ شَدِيدٍ هُوَ
 يَوْمُ يُبْعَثُ بِالْقَتْلِ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْسُوتُونَ ۖ ائْتَسُونَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ

ترجمہ: اے پیغمبر تم نفیس (حلال) چیزیں کھاؤ اور نیک کام (فرائض و نوافل کو اختیار) کرو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں (لہذا
 میں تم کو اس پر بدلہ دوں گا) اور (جان دوں گا) اور (جان لو!) تمہارا طریقہ (تمہارا دین) اے مخاطبین! کہ اس پر تم لوگوں کو چلنا
 واجب ہے (کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے) (یہ حال لازمہ ہے اور ایک قراءت میں ان تخفیف فون کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت
 میں ان فون کو مستحکم کے ساتھ جملہ استغناء ہے) میں تمہارا رب ہوں تم مجھ سے ڈرتے رہو سو ان لوگوں نے اپنے دین
 اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا (زیر فضل تقطعوا کے فاعل کا حال ہے یعنی ایک دوسرے کے بالمقابل جدا جدا

جماعتیں جیسے جماعت یہود اور جماعت نصاری وغیرہ وغیرہ) ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی پر گمن اور خوش ہے تو آپ ان (کفار مکہ) کو ان کی جہالت میں ایک خاص وقت تک (یعنی ان کی موت کے وقت تک) رہنے دیجئے کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال داد و دے رہے ہیں (دنیا میں) تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے نہیں پہنچا رہے ہیں؟ یہ بات نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے (کہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں (عذاب الہی سے) اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں قرآن پر یقین کرتے (اور تصدیق کرتے) ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی شریک نہیں مانتے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں صدقہ اور اعمال صالحہ کرتے) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈول رہے ہیں انہم سے پہلے لام جار مقدّر ہے اسلئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اور اندیشہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ قبول نہ کیا جائے) یہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں (اللہ تعالیٰ کے علم مطابق!) اور ہم کسی بوجھ نہیں ڈالنے مگر اسکی گنجائش (وطاقت) کے موافق (چنانچہ جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور جو شخص روزہ نہیں رکھ سکتا بوجہ بیماری وغیرہ کے تو وہ کھائے!) اور ہمارے پاس ایک دفتر ہے جس میں سب کچھ لکھا ہوا ہے جو یہاں ہے ٹھیک ٹھیک (جو بھی عمل کیا ہوگا اور لوح محفوظ ہے جس میں اعمال لکھے جاتے ہیں) اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا (کہ اعمال خیر میں سے ثواب کم نہ ہوگا اور برائیوں میں اضافہ نہ ہوگا یہ نہیں بلکہ ان کفار کلوب اس (قرآن اور) دین کی طرف سے جہان میں ہیں اور اس کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی عمل ہیں (کہ جو اہل ایمان کے اعمال ذکر کیے گئے) جن کو یہ کرنے رہے ہیں (لہذا ان کی وجہ سے وہ عذاب دیئے جائیں گے) یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو (مالداروں اور سرداروں) کو عذاب میں دھر پکڑیں گے (عذاب دنیوی بالسيف غزوہ بدر میں) تو فوراً چلا انھیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی (اور عذاب سے بچائے نہ جاؤ گے) میری (قرآنی) آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جایا کرتی تھیں تو تم اٹھے پاؤں پشت کی طرف لوٹا اعراض کرنا) بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے (ایمان سے) قرآن کا مشط بناتے ہوئے (بیت اللہ کے ارد گرد رات میں ایک جماعت باہم گفتگو کرتے اور اس قرآن کی شان میں) یہود کہتے ہوئے (نبی اکرم ﷺ اور قرآن کریم کی شان میں ناحق اور فحش گوئی کرتے ہوئے) یہ بقراءت رہائی ہے اور بقراءت مٹاؤ قرآن کریم کو چھوڑتے ہوئے قصہ گوئی میں مصروف ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ! سو کیا انھوں نے کلام الہی قرآن میں غور نہیں کیا (کہ جو نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصل میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ہے دال میں تاء کا ادغام کر دیا گیا) یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے اس وجہ سے ان کے فکر ہیں لوگ نعوذ باللہ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (اس میں استفہام برائے تقریر بالحق ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور گزشتہ امتوں کے لیے رسول کا آنا اور ان کا اپنے رسولوں کی صداقت و امانت کا پہچانا اور جنون کا نہ ہونا) بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں (یعنی قرآن کریم جو کہ توحید اور احکام اسلام پر مشتمل ہے)۔ اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں اور (بفرض محال) اگر دین حق (اور قرآن) ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا (بایں طور کہ قرآن کا نزول ان کی تمنا اور خواہش کے موافق ہوتا ہے جیسے شرک اور اللہ کے لیے اولاد لِلّٰہِ تَعَالٰی عَنْ ذٰلِکَ) تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں

آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے (تمام عالم کا نظام مشاہد ختم ہو جاتا کہ عادیہ عقلا یہ مسلم ہے کہ کسی بھی شئی میں تمناع کی صورت متعدد ماکم پائے جانے کی صورت میں نظام فاسد ہو جاتا ہے!) بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی (قرآن کے ساتھ جس میں انکا ذکر اور ان کا شرف) سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ یا آپ ان سے کچھ آمدنی مانگتے ہیں (بطور اجرت اس پر جو ان کے پاس لے کر تشریف لائے ہیں یعنی ایمان وغیرہ) تو آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے (یعنی اجر و ثواب اور اس کا عطاء کردہ رزق) اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے اور آپ تو ان کو سیدھے راستہ (دین اسلام) کی طرف بلارہے ہیں اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت (اور آخرت کے ساتھ متعلق اور مثلاً ثواب و عذاب) پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس راستہ سے ہٹ جاتے ہیں اگر ہم ان پر مہربانی فرما دیں اور ان پر جو تکلیف ہے اس کو ہم دور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں ہم نے ان کو گرفتار عذاب (کہ جو قحط سے بھوک مری جو ان کو سات سال تک کہ نہیں پہنچی اس سے) بھی کیا ہے اور ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی (کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع اور رغبت کرتے) یہاں تک کہ جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے (اور ہر نوع کی خیر سے ناامید ہو جائیں گے چنانچہ وہ دن بدر میں قتل کی صورت میں ہوا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ: یہ خطاب تمام انبیاء علیہم السلام سے ان کے اپنے اپنے زمانہ میں کیا گیا پس عیسیٰ علیہ السلام اور محمد علیہ السلام اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔

قوله: اَعْمَلُوا: اس کو مقدر مانا تا کہ کلو اعملوا پر درست ہو سکے۔

قوله: اَمْتِكُمْ: یہاں یہ ملت کے معنی میں ہے۔

قوله: وَاحِدًا: یہ حال لازم لا کر انکا عقائد و اصول میں ایک ہونا واضح کر دیا۔

قوله: الْغَيْرَاتِ: وہ چیز جس میں ان کے لئے خیرات دنیوی جس کا نیک اعمال پر وعدہ ہوا اور اکرام دنیا میں مراد ہے یہ مؤمنون کے لئے ہے۔

قوله: سَيَقُولُ: یعنی بھلا یہاں حاصل کرنے کی خاطر وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں۔

قوله: يَنْطَلِقُ بِالْحَقِّ: سچی بات بتاتی ہے اس میں کوئی چیز خلاف واقعہ نہیں۔

قوله: وَلَهُمْ اَعْمَالٌ: اس سے کفار کے اعمال خبیثہ مراد ہیں۔

قوله: لَهَا عَمَلُونَ: یعنی ان کے عادی ہیں حتیٰ ابتدائیہ ہے جارہ اور عاطفہ نہیں۔

قوله: يَقَالُ لَهُمْ: یہ اس لئے مقدر مانا تا کہ لاجبر و اجواب شرط بن سکے۔

قوله: لَا تَتَصَدَّقُونَ: کا مجازاً معنی یہاں نہ معنی کرنا اور روکنا ہے۔

قوله: تَتَكَبَّرُونَ: اٹکے پاؤں سے پلٹنا۔

قوله: يَمْهَكُ: یہ باسیبہ ہے وہ مسجد حرام کے باسی ہونے پر تکبر کرتے تھے۔

قوله: سَيُؤْتِيهِمُ: یہ مصدر ہے عافیہ کی طرح اور حال واقع ہے۔

قوله: تَهْجُرُونَ: یعنی تتکبرون۔ یہ الہجر قطع کرنا یا ہڈیاں بکنا۔

قوله: اِمْحِرْهُمُ: سے لیں توش کوئی کرنا۔

قوله: مَا كُنَّا بِأَعْيُنِنَا: نہیں آیا رسول اور کتاب ان کے آباء کے پاس کہ انہوں نے اسے انوکھا قرار دیا۔

قوله: أَمْ كُنْتُمْ بَعْدَ ذَلِكَ عَمَلُونَ: کیا یہ ان کی امانت سچائی، حسن خلق، کمال علم و عقل باوجود اسی ہونے کے نہیں جانتے۔

قوله: فَهُمْ لَهُ: ضمیر آپ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے لام تقویت عمل کے لئے ہے اور انکار سے آپ کے دعویٰ نبوت کا انکار مراد

اور فاسیہ ہے استفہام تقریری ہے کہ حق کا اقرار کر لو۔

قوله: كِبْرَهُنَّ: کیونکہ وہ ان کی شہوات و خواہشات کے خلاف ہے اکثر کی قید بڑھا کر اشارہ کیا کہ بعض چھ لوگوں نے قوم کی

توبہ کی وجہ سے اسلام سے نفرت کی۔

قوله: اَنْجَرًا: خرچ یہ دخل کا مقابل ہے خرچ و آمدنی۔

قوله: طَرَبًا: سیدھا راستہ۔

قوله: عَادِلُونَ: منہ موڑنے والے حالانکہ خوف آخرت تو طلب حق کا بڑا باعث ہے۔

قوله: يَعْصُونَ: متردد و حیران ہونا۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْبُدُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کھا کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب ظن جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال، صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی امتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامہ مؤمنین کو دیا گیا ہے۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا حرام کا ہو، اسے اپنی دعاء کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہیے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے آگاہ ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے۔ العیاذ باللہ۔

وَإِنْ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝

نام انبیائے کرام کی دعوت ایک ہی رہی:

سوارشاد فرمایا گیا اور بلاشبہ تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں۔ پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو۔ امت کا **اللہ** ایسی جماعت اور گروہ کے لئے آتا ہے جو ایک خاص عقیدہ و مسلک کے رشتے میں منسلک ہوں۔ اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ چونکہ سب کے سب ایک ہی دین پر تھے جو کہ اسلام ہے، جو کہ عبارت ہے اسلام لوجہ اللہ سے۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ پاک کے حوالے اور سپرد کر دینا۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا: **إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ**۔ سو تمام انبیائے کرام کا دین یہی ایک دین تھا جس کی اصل اور اساس تین توحید رب العظیمین ہے۔ سجانہ و تعالیٰ۔ ب نے اسی کی دعوت دی۔ اور جو کچھ اختلاف اس ضمن میں تھا وہ صرف فروع میں تھا۔ اس لئے ان تمام حضرات کو ایک ہی امت قرار دیا گیا۔ (ابن جریر، روح المعانی، محاسن اور مراغی وغیرہ) اس کے علاوہ امت کے اور بھی کئی معنی آتے ہیں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ بہر کیف حضرات انبیائے کرام کا دین ایک ہی دین رہا۔ اور ان سب کی ملت ایک ہی ملت کہ معبود برحق اللہ وحدہ لا شریک ہی ہے۔ پس سب بندگی بھی اسی کی کرو اور ہمیشہ ڈرتے بھی اسی سے رہا کرو کہ وہی ہے جو ڈرنے کے لائق ہے۔ اور وہی ہے جو بخشنے کے لائق ہے۔

فَتَتَقَرَّبُوا إِلَهُهُمْ يُبْتَلَوْنَ، زبر، زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے اس معنی کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب انبیاء اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا اور آپس میں ٹکڑے مختلف ہو گئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی۔ اور زبر بھی زبور کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنی قطعہ اور فرقہ کے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ زیادہ واضح ہیں اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فردی اختلاف ائمہ مجتہدین کا اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ ان اختلافات سے دین و ملت الگ نہیں ہو جاتا اور ایسا اختلاف رکھنے والے الگ الگ فرقے نہیں کہلاتے۔ اور اس اجتہادی اور فردی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ أَلَيْسَ إِلَهُكُمُ اللَّهُ

لَفُتَاتُوتُونَ، ایفاء سے مشتق ہے جس کے معنی دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اس لئے اس کی تفسیر صدقات کے ساتھ کی گئی ہے اور حضرت صدیقہ عائشہ سے ایک قرأت اس کی یا تون ما اتو بھی منقول ہے یعنی عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اس میں صدقات نماز، روزہ اور تمام نیک کام شامل ہو جاتے ہیں اور مشہور قرأت پر اگرچہ ذکر یہاں صدقات ہی کا ہو گا مگر مراد بہر حال عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی

لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ مظہری) اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ (ترمذی)

لَوْلَئِكَ يُسْرِحُونَ فِي الْخَبَرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَبْعُونَ ۝

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مصیبت کو کوئی چیز رو نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر خیرات، حسن سلوک) اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا جیسا آیت: فَاتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الذُّلِّيَّاتِ وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

مُسْتَكْبِرِينَ ۝ بِمِ سُبْحًا تَهْجُرُونَ ۝ اس میں لفظ بہ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کی طرف راجع قرار دی جو اگر چاہے کہیں مذکور نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور ان پر ان کا ناز اتنا معروف و مشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں اور اس کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا اللہ کی آیتیں سن کر بچھلے پاؤں بھاگنے اور نہ ماننے کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اس کی خدمت پر ان کا کبر اور ناز تھا۔ اور سُبْحًا، سمر سے مشتق ہے جس کے اصل معنی چاندنی رات کے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانیاں کہا کرتے تھے اس لئے لفظ سمر قصہ کہانی کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنی سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے مشرکین کا ایک حال جو آیات الہیہ سے انکار کا سبب بنا ہوا تھا حرم مکہ کی نسبت و خدمت پر ان کا ناز تھا۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ بے اصل اور بے بنیاد قصے کہانیوں میں مشغول رہنے کے عادی ہیں ان کو اللہ کی آیات سے دلچسپی نہیں۔

تَهْجُرُونَ ۝ یہ لفظ جہر بغض الہاء سے مشتق ہے جس کے معنی فضول بکواس اور گالی گلوچ کے ہیں یہ تیسرا حال ان مشرکین کا بیان کیا گیا کہ یہ لوگ فضول بکواس اور گالی گلوچ کے عادی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بعض ایسے ہی گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں۔

عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت اور حناص ہدایات:

رات کو انسانہ گوئی کا مشغلہ عرب و عجم میں قدیم سے چلا آتا ہے اور اس میں بہت سے مفاسد اور وقت کی ضاعت تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اس رسم کو مٹانے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا۔ حکمت یہ تھی کہ عشاء کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں جو دن بھر کے گناہوں کا بھی کفارہ ہو سکتا ہے۔ یہی اس کا آخری عمل الٰہی دن کا ہو تو بہتر ہے اگر بعد عشاء فضول قصہ گوئی میں لگ گیا تو اولاً یہ خود فعل عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایک برا انجام اس کا یہ ہے کہ رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح کو

سورے میں اس آیت کے گامی لئے حضرت فاروق اعظم جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصوں میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے۔ (قرطبی)

اَللّٰهُ يَذَّبُ عَنْ الْقَوْمِ اَمَّا جَاءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ اَبَاءَهُمْ اَلْاَوَّلِينَ

بیان اسباب جہالت و ضلالت مستکبرین و معرضین:

(دبط) گزشتہ آیات میں مستکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجود اور اسباب کی بنا پر کفر اور انکار پر آمادہ ہوئے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کیا جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور ہر شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی بعثت کو بدعت اور امر غریب جانا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے حال سے اور آپ ﷺ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں کہ انی ہیں۔ پڑھا لکھا کچھ نہیں مگر علم اور حکمت کے چشمے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

(۴) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ محاذ اللہ حضور پر نور ﷺ مجنوں اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پر نور ﷺ تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلادیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں یا آپ کی صداقت اور امانت سے یا آپ کی فہم و فراست سے واقف نہیں یا آپ کو پہچانتے نہیں یا آپ ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار ہیں ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے یہ ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے، بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلاء آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔

(دیکھو حاشیہ فتح زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۰۷ ج ۳ حاشیہ صاوی علی تفسیر طالین)

چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر تلے ہوئے ہیں آخر اس کا کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ (۱) یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا تاکہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سر تا پا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ (۲) یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تاکہ یہ عذر کریں کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آچکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

ہو چکی ہیں۔
یا تکذیب کہ وجہ (۲) یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست کو نہیں جاننا پس اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ ﷺ کو اور آپ کے حسب و نسب کو اور صدق و راستی اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ۔ سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں یعرفونہ کہ یا یعرفونہ ابناہم اور ہر قل شاہ روم کا آپ ﷺ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابوسفیانؑ کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

[illegible]

یا تکذیب کی وجہ (۵) یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ان سے اجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ ﷺ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں پس ان لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کی اجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے، آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے آپ ﷺ ان سے کیا اجرت مانگتے، آپ ﷺ تو علی الاعلان فرماتے تھے: قل لا اسالکم علیہ اجر۔ قل ما اسالکم علیہ من اجر وما انا من

اور تحقیق آپ ﷺ تو ان کو سیدھے راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ ﷺ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ ﷺ کا مقصود نہیں اور آپ ﷺ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقول سلیمہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ راہ راست ہے، اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور آخرت کے راستہ سے بھاگ رہے ہیں اور آنکھ بند کر کے دنیا کے راستہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کی آسمانی آفتیں اور مصیبتیں سامنے آرہی ہیں مگر ہوش میں نہیں آتے۔

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور قحط کی تکلیف اور سختی جو ان پر پہنچ رہی ہے اس کو دور کر دیں تو تب بھی احسان نہ مانیں اور برابر اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں اور مصیبت کے وقت جو خدا سے وعدے کیے تھے وہ سب طاق نسیان میں رکھ دیئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: **وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا**۔ وقال اللہ تعالیٰ: **إِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكَ دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ**۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَخَضَعُونَ

الْعَذَابَ یعنی بدر کی لڑائی میں مارا احبانا یا قحط پڑنا:

فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ: یعنی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ اپنے رب کی طرف رجوع نہیں ہوئے بلکہ اپنی سرکشی پر قائم رہے۔ اسْتَكَانُوا یا باب استفعال سے ہے اس کا مادہ کون ہے محتاج بھی ایک کون سے دوسرے کون کی طرف اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نقل ہوتا رہتا ہے۔ (ہر دم ایک نئے تغیر کا طلبگار ہوتا ہے) یا استکانوا باب افتعال سے ہے اس کا مادہ سکن ہے کاف کے بعد الف اشباہی ہے۔

وَمَا يَخَضَعُونَ: یعنی وہ زاری کرنے اور خشوع کرنے سے مانوس ہی نہیں ہیں۔ (خشوع و خضوع کا مادہ ہی ان کے اندر نہیں ہے)۔

بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ نے اس سے وعدہ لے کر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر آ بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آ یا کرتی تھی اس کو روک دیا قریش بھوکے مرنے لگے یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباؤ اجداد کو تو تلواریں سے قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔

ایک شبہ تفسیر مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے خوشحال کافروں کو جس عذاب میں گرفتار کیا تھا وہ عذاب دور نہیں کیا حالانکہ بغوی نے صراحت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کیلئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ! دور یوسفی کی طرح ان کو

بھی قحط سالیوں میں مبتلا کر دے اور قریش قحط زدہ ہو گئے۔ پھر ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ سے اللہ اور قربت داری کے حوالے سے پوچھتا ہوں کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو آپ نے باپوں کو تلوار سے قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو قحط سے۔ اب اللہ سے دعا کیجئے کہ خدا اس قحط کو دفع کر دے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ نے قحط کو دور کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بد دعا کی وجہ سے جو قحط قریش پر پڑا تھا وہ حضور ﷺ کی دعا سے اللہ نے دور کر دیا (اور آپ کا بیان کردہ تفسیری مطلب بتا رہا ہے کہ قحط سالی دور نہیں کی گئی)۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ان پر رحم نہیں کیا گیا اور عذاب دور نہیں کیا گیا کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ عذاب دور ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کفر پر اڑے رہیں گے لیکن عذاب (کبھی) دفع نہ ہوا آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے چنانچہ پہلے ان سے عذاب دور نہیں کیا گیا پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے دور کر دیا گیا لیکن انہوں نے پھر بھی توبہ نہیں کی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے اور گمراہی میں ہی سرگرداں گھومتے رہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ خَلْقَ لَكُمُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَأْكُرُ لِلَّذِينَ تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ تَبْعَثُونَ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي بِنَفْخِ الزُّوْفِ فِي الْمُضْغَةِ وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ بِالسَّوَادِ وَالْبَيَاضِ ۚ وَالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصَانِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ ضَبُّهُ تَعَالَى فَتَعْتَبِرُونَ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ۝ قَالُوا أَيِ الْأَوَّلُونَ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَأَنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ لَا وَفِي الْهَمَزَيْنِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ التَّحْقِيقُ وَتَسْهِيلُ الثَّانِيَةِ وَإِذْ خَالَ الْإِفِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا لَقْدَ أَيِ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ قَبْلِ إِنْ مَا هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ كَاذِبِينَ ۝ كَالْأَصَاحِيكِ وَالْأَعَاجِبِ جَمْعُ أُسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ قُلْ لَهُمْ لَعْنُ الْأَرْضِ مَنْ فِيهَا مِنَ الْخَلْقِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ خَالِقَهَا وَمَالِكَهَا سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ لَهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ بِإِذْ غَامَ النَّاءُ الثَّانِيَةِ فِي الدَّالِ تَتَعَطُّونَ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْخَلْقِ ابْتِدَاءً قَادِرٌ عَلَى الْإِحْيَاءِ بَعْدَ الْمَوْتِ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ الْكُزْسِي سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ تَحْذَرُونَ عِبَادَةَ غَيْرِهِ قُلْ مَنْ يَمْلِكُ مَلَكُوتُ مُلْكِ كُلِّ شَيْءٍ وَالنَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ يَحْمِي وَلَا يُحْمَى عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ وَفِي قِرَاءَةِ اللَّهِ بِلَامٍ الْجَزْرِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ نَظَرُوا إِلَى أَنَّ الْمَعْنَى مَنْ لَهُ

مَآذِكُمْ قُلْ فَأَنذَرُكُمْ ۖ تُخَذَعُونَ وَتُضَرَفُونَ عَنِ الْحَقِّ عِبَادَةُ اللَّهِ وَحْدَهُ أَيْ كَيْفَ يُخَيَّلُ لَكُمْ أَنَّهُ
بَاطِلٌ بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۖ فَبِئْسَ نَفِيرُهُ وَهُوَ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ
إِذَا أُنْزِلَ لَوْ كَانَ مَعَهُ إِلَهٌ لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ أَيْ انْفَرَدَ بِهِ وَمَنْعَ الْآخَرِينَ الْإِسْتِثْلَاءَ عَلَيْهِ وَلَعَلَّا بَعْضَهُمْ
عَلَى بَعْضٍ مُّغَالِبَةٌ كَفَعَلَ مُلُوكُ الدُّنْيَا سَبَّحَنَ اللَّهُ تَنْزِيهَا لَهُ عَمَّا يُصِفُونَ ۖ بِهِ مِمَّا ذُكِرَ عَلَيْهِ الْغَيْبُ وَالْغَيْبُ
الْمُهَادَاةُ مَا غَابَ وَمَا شُوهِدَ بِالْحَجَرِ صِفَةً وَالزَّفِيعُ خَبَرٌ هُوَ مُقَدَّرٌ أَفَعَلْتَ تَعْظُمَ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۖ مَعَهُ

۵
۵

تو کچھ بتاؤ: وروہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (مَا قُلْتَ
کی تاکید کے لیے) اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب (موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے اور)
اس کے پاس لائے جاؤ گے اور وہ ایسا ہے جو جلاتا ہے (گوشت کے ٹکڑے میں روح ڈال کر) اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار
میں ہے رات اور دن کا گھنٹا بڑھنا (بدلنا کہ بوقت لیل سیاہی اور دن میں سفیدی (سو کیا تم نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ کی صنعت گری کو
کہ غور فکر کر کے عبرت پکڑتے) پھر بھی مانتے نہیں بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے لوگ کہتے چلے آئے ہیں (یعنی)
یوں کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجاویں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جاویں گے یہ نہیں ہوگا نعوذ
باللہ اور ہمزہ میں دونوں جگہوں پر تحقیق ہے اور معانی ہمزہ کی تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں الف داخل کرنا اس کا تو ہم سے
اور ہم سے پہلے ہمارے باپ داداؤں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ (حیات بعد الموت) کچھ بھی نہیں محض بے سند (جھوٹ) باتیں
ہیں جو انگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں (کہ جس طرح فنی کی باتیں اور تعجب خیز افسانے ہوتے ہیں اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِ
بِالْفُطْمِ کی جمع ہے ان لوگوں سے آپؐ یہ کہہ دیجیے کہ یہ زمین اور جو (خلوق) اس میں ہے کس کی ملک ہیں اگر تم کو کچھ خبر
ہے (اس کے خالق اور مالک ہونے کی تو بتلاؤ؟) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ سب کچھ اللہ کا ہے (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں غور
نہیں کرتے (تاکہ تم لوگ اس حقیقت کو جان لو کہ جو ذات ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ موت کے بعد بھی زندہ کر دینے پر قادر
ہے اور) آپؐ یہ بھی کہئے کہ ان سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے (اس کا بھی جواب دو! تو اس کا بھی)
وہ بھی ضرور جواب دیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے (تو اس وقت) آپؐ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے غیر اللہ کی عبادت سے احتراز
کیوں نہیں کرتے؟) آپؐ یہ بھی کہئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے (تا برائے مبالغہ ہے ملک کے
معنی میں ہی ہے) اور پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ
یہ سب مفتیس بھی اللہ ہی کی ہیں (ایک قراءت میں ہر ایک وہ جگہ لام جر کے ساتھ لکھا ہے نظر کرتے ہوئے اس بات کی جانب
کہ معنی من لہ ما ذکر کے ہے! آپؐ کہئے کہ پھر تم کو کیا ضبط ہو رہا ہے (کہ امیر حق ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھرے
جاتے ہو اور تم کو کس طرح یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ یہ باطل ہے؟) بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے (اور یقیناً یہ) (اس امیر
حق کی لٹی کرنے میں) جھوٹے ہیں (اور وہ بات یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا

ہے اگر ایسا ہوتا ہے (کہ اس کے ساتھ اور کوئی خدا ہوتا) تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا (دوسرے سے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے سے روکتا) اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا (جس طرح دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان مکروہ باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا (اگر جر کے ساتھ پڑھا جائے تو مفت اور اگر بار نفع ہو تو محذوف مبتداء کی خبر ہے) وہ بالاتر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں (اس کے ساتھ اور اس سے منزہ ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: السَّمْعُ: یہاں سَمْعُ بمعنی اسماع ہے البصار واقعہ بھی اس پر دلالت کر رہے ہیں تاکہ کانوں سے سنو اور دلوں سے سمجھو بپا کر رہے۔

قوله: تَشْكُرُونَ: کسی چیز کے شکر میں سب سے اعلیٰ چیز یہ ہے کہ جس کے لئے وہ بنی اسی کے لئے استعمال ہو۔

قوله: إِذَا مَتْنَا: کفار نے یہ بطور تعجب کہا۔

قوله: وَهُوَ يُحْيِي: جس کی چاہتا ہے فریادری کرتا ہے اور اس کے خلاف فریاد نہیں کی جاسکتی۔ مضرت کے معنی کو مطمئن ہونے کی وجہ سے علی سے متعدی ہوا۔

قوله: مَا اتَّخَذَ اللَّهُ: کیونکہ وہ مماثلت سے پاک ہے۔

قوله: يَتَوَكَّنَ: یہ کفار کی حجت بازی کا جواب ہے اور ما قبل کی دلالت سے جراء شرط محذوف ہے۔ اذایہ شرط و جزاء پر داخل ہوتا ہے قوله: عَلَيْهِ الْغَيْبُ: یہ نفی شرک کی دوسری دلیل ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا منفرد ہونا وہ بھی مانتے تھے۔

تفسیر مقبولین

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝

اللہ کی تخلیق کے مظاہرے، منکرین بعث کی تردید:

گزشتہ آیات میں منکرین کے کفر اور عناد کا ذکر تھا ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور امکان بعث پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات جلیلہ کا اقرار کرایا ہے اور انہیں بار بار متوجہ فرمایا ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے اللہ کی توحید کے منکر ہو رہے ہیں۔

اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سننے کی قوت دی ہے آنکھیں عطا فرمائی ہیں تمہارے اندر دل پیدا فرمائے ہیں دیکھو یہ کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کی وجہ سے تم پر شکر واجب ہوتا ہے لیکن کم شکر ادا کرتے ہو یوں ہی چلتی ہوئی بات کا طرح کہہ دیتے ہو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن اللہ کے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان نہیں لاتے، اس کی عبادت میں نہیں لگتے اس کے

ساتھ شریک کرتے ہو، پھر فرمایا کہ ان سے فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے یعنی زمین میں رہتے رہتے ہو اس میں تمہاری نسلیں چل رہی ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہو جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا وہی موت دیتا ہے اور رات دن کا غلط ہونا یعنی ایک دوسرے کے بعد آنا جانا یہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے تم اس بات کو سمجھو اگر سمجھتے ہو تو اس کی توحید اور عبادت سے کیوں دور بھاگتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مردہ ہو کر دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں منکرین بعثت وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی ان کا کہنا ہے کہ مرجانے کے بعد جب مٹی ہو جائیں گے اور گوشت پوست ختم ہو کر ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا ہم پھر زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے یہ بات کہہ کر ان کا مقصد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا ہے انہوں نے اپنی اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ یوں بھی کہا کہ اس طرح کی باتیں پہلے بھی کہی گئی ہیں ہمارے باپ داداؤں سے بھی اس طرح کا وعدہ کیا گیا ہے سینکڑوں سال گزر گئے آج تک تو قیامت آئی نہیں آئی ہوتی تو اب تک آ جاتی یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آرہی ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق جو قیامت کا وقت مقرر ہے اس وقت قیامت آ جائے گی اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے پورا ہو کر رہے گا لوگوں کے کہنے سے وقت سے پہلے قیامت نہیں آئے گی ویر میں آنا دلیل اس بات کی نہیں کہ آئی ہی نہیں ہے منکرین کا یہ کہنا ہے چونکہ اب تک نہیں آئی اس لیے آئی ہی نہیں محض جہالت کی بات ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے اس کے جواب میں وہ یوں ہی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لیے ہے، ان کی طرف سے یہ جواب مل جانے پر سوال فرمایا پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے پھر فرمایا آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ اس کا جواب بھی یہی دیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ان کے اس جواب پر ان سے سوال فرمائیے کہ تم اس سب کا اقرار کرتے ہو پھر اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے، جاننے اور ماننے کے باوجود اس کی قدرت کا اور وقوع قیامت کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہی پناہ دیتا ہے۔ (جس کو چاہتا ہے) اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اس کے جواب میں بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، ان کے اس جواب پر سوال فرمائیے کہ پھر تم کیوں منکر ہو رہے ہو یعنی تمہارا ایسا ڈھنگ ہے جیسے تم پر جادو کر دیا گیا ہو حق اور حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود کیوں مجبوظ الحواس بنے ہوئے ہو۔

حق اور حقیقت واضح ہوتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی حق کے منکر ہیں اس لیے آخر میں فرمایا: **بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَانَّهُمْ لَكَاذِبُونَ** (بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں)۔
مَا تَتَّخِذُ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے، وہ مشرکوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے: مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بھی مانتے تھے آج بھی دنیا میں

لاکھوں ایسے افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص کر نصاریٰ تو اس میں بہت آگے ہیں، یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سب لوگوں کی تردید فرمادی جو قرآن کریم میں کئی جگہ مذکور ہے، یہاں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور یہ بھی فرمایا کہ صرف وہی معبود حقیقی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، جو لوگ اس کے علاوہ معبود مانتے ہیں ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور اس لائق ہوتا کہ اس کی عبادت کی جائے تو خالق بھی ہوتا خود کسی کی مخلوق نہ ہوتا کیونکہ جس میں خالق ہونے کی اہلیت نہیں وہ معبود ہونے کا اہل نہیں ہو بالفرض اگر کوئی دوسرا معبود ہوتا تو اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو اپنے قبضہ میں رکھتا۔ اور اپنی مخلوق کو دوسرے خالق سے علیحدہ رکھتا اور اپنی مخلوق پر کسی کا اختیار نہ چلنے دیتا اور مزید براں یہ ہوتا کہ ہر معبود دوسرے معبود پر چڑھائی کرتا اور دوسرے کی مخلوق پر بھی قبضہ کرنے کا نظام بناتا، لیکن سب جانتے ہیں جو کچھ وجود میں ہے ساری اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے جس کا سب کو اقرار بھی ہے اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ پورے عالم کا نظام یکسانیت کے ساتھ چل رہا ہے اس میں نہ کوئی کھینچ کھا کھینچ ہے نہ کوئی معارضہ ہے نہ مقابلہ، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادہ کے موافق ساری مخلوق کا نظام چل رہا ہے جس کو اس نے جس طرح مسخر فرمایا ہر ایک اپنے اپنے کام میں اسی طرح لگا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے موافق ہے، اس کو دیکھتے ہیں پھر بھی شرک کرتے ہیں، یہ سراپا گمراہی ہے (سُبْحَنَ اللّٰهُ عَمَّا يُصِفُونَ ۱) (اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں) یعنی نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے (عَلَيْهِ الْغَمِيمُ وَالشَّهَادَةُ) (ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کو جانتا ہے) اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے (فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۲) (سو اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں) یعنی لوگوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

قُلْ رَبِّ اِمَّا فِيهِ اِذْ غَامَ نُؤِنُ اِنْ الشَّرِّ طَيِّبَةٌ فِي مَا الزَّائِدَةُ تُرِيَّتِي مَا يُوْعَدُونَ ۱ مِّنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَوْلِ
يَبْدُرُ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۲ اَهْلِكَ بِهَلَاكِهِمْ وَانْعَافِي اَنْ تُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدْ رَوْنُ ۳ لَوْعَةً يَّاتِي
هِيَ اَحْسَنُ اَيِ الْخُلَّةِ مِنَ الصَّفْحِ وَالْإِعْزَاضِ عَنْهُمْ السَّيِّئَةُ ۴ اِذَا هُمْ اِيَّاكَ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ نَحْنُ
أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۵ اَيُّ يَكْذِبُونَ وَيَقُولُونَ فَجَارِئِهِمْ عَلَيْهِ وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ اَعْتَصِمُ بِكَ مِنْ هَرَبِ
الشَّيْطَانِ ۶ نَزَّاعَتِهِمْ بِمَا يُوسُوسُونَ بِهِ وَاعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَحْضُرُونَ ۷ فِيْ اُمُورِي لَا تَنْهَمُ اَنْمَا يَحْضُرُونَ
بِسُوِّهِ حَتَّىٰ اِبْتِدَآئِيَّةٌ اِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ وَرَأَى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اَمِنَ قَالَ رَبِّ
ارْجِعُونِ ۸ اَلْجَمْعُ لِلتَّعْظِيمِ لَعَنَىٰ اَعْمَلُ صَالِحًا بِأَنْ اَشْهَدَ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ يَكُونُ فِيمَا تَرَكْتُ ضَيْعَةً مِنْ
عُمْرِي اَيُّ فِيْ مُقَابَلَتِهِ قَالَ تَعَالَىٰ كَلَّا ۹ اَيُّ لَا رَجُوعَ اِنَّهَا اَيُّ رَبِّ اَرْجِعُونَ كَلِمَةً هُوَ قَائِلُهَا ۱۰ وَلَا فَائِدَةَ

لَهَا فِيهَا دَرِينٌ وَرَأْسُهُمْ بَرْزَخٌ حَاجِزٌ يَصُدُّهُمْ عَنِ الرَّجُوعِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ وَلَا رَجُوعَ بَعْدَهُ
 فَإِذَا لَمِغَ فِي الصُّورِ الْقَبْرُ النَّفْخَةُ الْأُولَى أَوِ الثَّانِيَةُ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَتَفَخَّرُونَ بِهَا وَ
 لَا يَنْسَبُ لَوْنٌ ۝ عَنْهَا خِلَافٌ خَالِيهِمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغُلُهُمْ مِنْ عَظَمِ الْأَمْرِ عَنْ ذَلِكَ فِي بَعْضِ مَوَاضِعِ
 الْقَبِيَّةِ وَفِي بَعْضِهَا يُفَيِّقُونَ وَفِي آيَةٍ أُخْرَى رَأَيْتُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ كَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ
 بِالْحَسَنَاتِ قَالَتِ هُمُ الْمَفْلُحُونَ ۝ الْفَائِزُونَ وَمَنْ حَقَّتْ مَوَازِينُهُ بِالسَّيِّئَاتِ قَالَتِ الَّذِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ
 فِي جَهَنَّمَ خِلْدُونَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوهُهُمُ النَّارَ تَحْرِقُهَا وَهُمْ فِيهَا كِلِحُونَ ۝ شَبَّهَتْ شِفَاهُهُمُ الْعُلْبَاءُ وَالسُّفْلَى
 عَنْ أَسْنَانِهِمْ وَيَقَالُ لَهُمْ أَلَمْ تَكُنْ آيَتِي مِنَ الْقُرْآنِ تُثَلِّ عَلَيْكُمْ تَخُوفُونَ بِهَا فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ قَالُوا
 رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَفِي قِرَاءَةِ شِفَاؤُنَا يَفْشَحُ أَوَّلُهُ وَالْفِ وَهُمَا مُضْذَرَانِ بِمَعْنَى وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝
 عَنْ الْهِدَايَةِ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا إِلَى الْمُخَالَفَةِ فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝ قَالَ لَهُمْ بِلِسَانٍ مَالِكٍ بَعْدَ قَدْرِ
 الدُّنْيَا مَرَّتَيْنِ احْسَبُوا فِيهَا أَقْعُدُوا فِي النَّارِ أَذِلَّةً وَلَا تُكَلِّمُونِ ۝ فِي رَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَيَقْطَعُ رِجَاءَهُمْ
 إِنَّهُ كَانَ قَرِيبٌ مِّنْ عِبَادِي هُمُ الْمُهَاجِرُونَ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ أَنْتَ خَيْرُ
 الرَّاحِمِينَ ۝ فَاتَّخَذَتْهُمْ سَخِرَاتًا بِضَمِّ السَّيْنِ وَكَسَّرَ هَامِضُ ذَرْبِ مَعْنَى الْهَزْءِ مِنْهُمْ بِلَالٍ وَطَهَيْبٍ وَعَتَّارٍ
 وَسُلَمَانَ حَتَّى اسْتَوْكَمَ ذِكْرِي فَتَرَكْتُمُوهُ لَا شَيْعَالِكُمْ بِالْإِسْتِهْزَاءِ بِهِمْ فَهُمْ سَبَبُ الْإِنْسَاءِ فَسَبَبَ إِلَيْهِمْ وَ
 كُنْتُمْ قَبْلَهُمْ تَضْحَكُونَ ۝ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ النَّعِيمَ الْمُقِيمَ بِمَا صَبَرُوا عَلَى اسْتِهْزَائِكُمْ بِهِمْ وَأَذْبَكُمْ
 إِنَاهُمْ أَنَّهُمْ بِكَسْرِ الْهَمْزَةِ هُمُ الْقَائِدُونَ ۝ بِمَطْلُوبِهِمْ اسْتِيفَافٌ وَبِفَتْحِهَا مَفْعُولٌ ثَانٍ لِّجَزَائِهِمْ قَالَ
 تَعَالَى لَهُمْ بِلِسَانٍ مَالِكٍ وَفِي قِرَاءَةِ قُلْ كَمْ لَيْسَتْ فِي الْأَرْضِ فِي الدُّنْيَا وَفِي قُبُورِ كُمْ عَدَدَ سِنِينَ ۝ تَعِيزُ
 قَالُوا لَكِنَّا يَوْمًا شَكُّوا فِي ذَلِكَ وَاسْتَقْصَرُوا لِعَظَمِ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ فَسَعَلَ الْعَالَمِينَ ۝
 أَيْ الْمَلَائِكَةُ الْمُحْصِينَ أَعْمَالَ الْخَلْقِ قُلْ تَعَالَى بِلِسَانٍ مَالِكٍ وَفِي قِرَاءَةِ قُلْ إِنْ أَى مَا لَيْسَتْ إِلَّا قَلِيلًا
 لَوْ أَنَّهُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ مِقْدَارَ لَيْسَتْكُمْ مِنَ الطُّولِ كَانَ قَلِيلًا بِالنِّسْبَةِ إِلَى لَيْسَتْكُمْ فِي النَّارِ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَا

خَلَقْنَاهُمْ عِبَادًا لَّاحِكْمَةٍ وَآتَيْنَاهُمُ الْإِنشَاءَ لَا تُرْجَعُونَ ۝ بِالْبَنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ لَا بَلَّ لِسَعْبِدُكُمْ بِالْأَمْرِ
وَالنَّهْيِ وَتُرْجَعُوا إِلَيْنَا وَنُجَازِي عَلَى ذَلِكَ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ فَتَعَلَّى اللَّهُ عَنْ
الْعَبَثِ وَغَيْرِهِ مِمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝ الْكُفْرُ سَبِي هُوَ الشَّرُّ وَالْحُسْنُ
وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ صِفَةٌ كَاشِفَةٌ لَمْفَهُومٍ لَهَا فَاثِمًا حِسَابُهُ جَزَاؤُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ
لَا يُغْلِقُ الْكُفْرُونَ ۝ لَا يُسْعِدُونَ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ الْمُؤْمِنِينَ فِي الرَّحْمَةِ زِيَادَةً عَلَى الْمَغْفِرَةِ وَأَنَّكَ
عَزِيزٌ ذُو جُنْدٍ ۝ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ۝ أَفْضَلُ رَحْمَةٍ

ترجمہ: آپ (حق تعالیٰ سے یہ) دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر آپ مجھ
کو دکھادیں (کہ وہ سچا ہے) تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے (کہ ایسا نہ ہو جائے کہ میں بھی ان کے
ساتھ ہلاک ہو جاؤں) اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں گے قادر ہیں، آپ ان کی بدی
کا دفعہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا (اور درگزر و اعراض پرستی) (اذیت وغیرہ جو آپ کو ان سے پہنچی ہیں ان) پر
ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں (و تکذیب کرتے ہیں لہذا ہم ان کو اس پر بدلہ دیں گے) اور آپ یوں دعا کیا کیجئے
کہ اے میرے رب آپ کی پناہ مانگتا (حفاظت چاہتا) ہوں شیطانوں کے دوسوں سے (کہ جن دوسوں کے ذریعہ وہ
ابھارتے ہیں) اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں (میرے کاموں
میں کیوں کہ وہ برائی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آنکھڑی ہوتی ہے (اور وہ اپنا مقام
نار دیکھتا ہے اور اگر ایمان لے آئے ہوتے تو جنت کا مقام دیکھتا) اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو پھر ایسی بھیج
دیجئے تاکہ جس (دنیا کی زندگی میں نے اپنی عمر ضائع کی ہے یعنی اس کے بالمقابل برائی کی اور جس) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس
میں نیک کام کروں) بایں طور کہ کلمہ شہادت قبول کروں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہرگز نہیں (ہوگا کہ دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے رب
ارجعون کی) یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے (اور اس کو اس سے کوئی فائدہ ہوگا نہیں) اور ان لوگوں کے
پیچھے پردہ (آڑ جیسے ایک چیز جو ان کو دنیا کی طرف واپس لوٹنے سے روکنے والی) ہے قیامت کے دن تک (اور قیامت کے بعد
تو واپس ہے ہی نہیں! پھر جب صور میں پھونک ماریں گے (یہ نفع اول ہے یا ثانی) تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں
گے (جن پر فخر کرتے تھے) اور نہ کوئی کسی کو پیچھے گا (ان رشتوں اور نسبوں کو کہ دنیا میں جو صورت حال تھی اس کے برعکس کے ال
وجہ سے کہ قیامت کے بعض مواقع میں اس سے بڑے امور میں انسان گھرا ہوا ہوگا البتہ بعض مواقع میں صورت حال سکون پر ہو
گی اور دوسری آیت میں ہے و اقبل بعضهم الخ) سو جس شخص کا پلہ (حسنات کے ساتھ) بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں
گے اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا (برائیوں کی وجہ سے نیکیوں سے) سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور ختم

میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ جھلکتی ہوگی اور اس نار جہنم میں ان کے منہ بکڑے ہوں گے) کہ اوپر کے اونٹ تو اوپر کے جانب ہو جائیں گے اور نیچے کے ہونٹ اور دانتوں سے نیچے گر جائیں گے اور ان سے یوں کہا جائے گا) کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری آیتیں قرآن کی پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری بدعتی نے ہم کو ہارے ہاتھوں گھیر لیا تھا اور ایک قراءت میں شقاوتنا ہے پہلے کے زبر اور الف کے ساتھ وہ دونوں ہم معنی مصدر ہیں اور بیک ہم گمراہ لوگ تھے (راہ ہدایت سے!) اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے اب نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ (مخالفت کی طرف عوف) کریں تو ہم بیشک پورے قصور وار ہیں (تو ان سے بذریعہ فرشتہ دنیا کی روگنی مقدار کی برابر جواب میں یہ) ارشاد ہوگا کہ اسی جہنم میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو (عذاب کے اٹھائے جانے پر تم لوگوں سے، لہذا ان کی امیدیں جو وابستہ تھیں وہ منقطع ہو جائیں گی! میرے بندوں میں ایک گروہ (مہاجرین کا) تھا جو عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم بخشد بچتے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے ان کا مذاق مقرر کیا تھا (مثلاً حضرت بلال، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، اور حضرت سلمانؓ) سخنر یا سین پر ضمد اور دوسری قراءت بالکسر جو کہ مصدر ہے معنی میں الہز منہم کے اور) یہاں تک کہ ان کے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی (لہذا ان کے ساتھ استہزاء اور مذاق کے اشتعال و انہماک کی وجہ سے تم نے اللہ تعالیٰ کی یاد کو چھوڑ دیا سو وہ سب ہیں ان شاء کے لہذا اس وجہ سے ان کی طرف نسبت ہوئی ہے) اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے میں نے آج ان کو تمہارے استہزاء اور ایذا پر صبر کا یہ (نعیم مقیم یعنی دائمی نعمت) بدلہ دیدیا کہ وہی کامیاب ہوئے (اپنے مطلوب کو حاصل کر کے ان بالکسر ہونے کی صورت میں جملہ مستانفہ ہے اور بالفتح ہونے کی صورت میں جریتہم کا مفعول ثانی ہے بذریعہ فرشتہ ان کو) ارشاد باری تعالیٰ ہوگا اور ایک قراءت میں قل ہے) کہ تم برسوں کے شمار سے کس قدرت مدت زمین میں رہے ہوں گے؟ (یعنی دنیا میں یا اپنی قبروں! میں سنیں تمیز ہے) وہ جواب دیں گے کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ہم رہے ہوں گے (انہوں نے جو یہ ٹک اس مقدار میں کیا ہے اور اس وجہ سے کہ وہ جس عذاب میں گرفتار ہیں وہ عظیم منظر ہے) سو گنتے والوں سے پوچھ لیجئے (یعنی فرشتوں سے جو مخلوق کے اعمال کی حفاظت کرنے والے ہیں! ایک قراءت میں قل ہے بواسطہ مالک نامی فرشتہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم دنیا میں بہت نہیں تھوڑی ہی مدت رہے) کہ نار جہنم کی طویل زمانہ قیام کے بالمقابل قلیل زمانہ رہنا ہو) سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو (نہ کہ کسی خاص حکمت کے لیے؟) اور تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے (مبنی للقاء اور مبنی للمفعول دونوں قراءتیں اس میں ثابت ہیں یہ خیال کرنا درست نہیں بلکہ پیدا کیا ہم نے تاکہ تم اوامر اور نواہی کے امتثال کے ساتھ بندگی کرو اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری طرف تم لائے جاؤ گے اور اس پر ہم بدلہ دیں گے قال تعالیٰ: فی آیۃ وما خلقت الجن ارح) سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے (عبث وغیرہ نامناسب امور سے جو کہ اس کی شایان شان نہیں وہ اس سے صادر ہوں) جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اسکی سو کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے (وہ تخت حسن کی صفت سے متصف ہے عرش اور کرسی ایک ہی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں، (لا۔ ہاذا، صفت کا صفہ یعنی بیان واقعہ ہے جس کا کوئی جداگانہ مفہوم نہیں) سو اس کا حساب (اس کا

بدلہ) اس کے رب کے یہاں ہوگا یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی اور آپؐ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (اے ایمان کی خطائیں) معاف کر اور رحم کر (مغفرت پر رحمت میں زیادتی ہے) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا! (آپؐ افضل الرحمت ہیں!)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: اَفْلَيْكَ: یہ فلا تجعلی یا تو نفس کو مٹانے کے لئے ہے، یا ظلمت کی نحوست کبھی کبھی اطراف میں بھی پھیل جاتی ہے۔

قوله: لَقَدْ دُونَ: مگر جانتے ہوئے مؤخر کرتے ہیں ان کے بعض ایمان لائیں گے۔

قوله: يَكْذِبُونَ: یہاں وہ باتیں مراد ہیں جو آپؐ کی حالت کے خلاف کفار جکتے تھے۔

قوله: لَا رَجُوعَ لَهَا: یعنی یہ مکمل مایوسی ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یوم بعث کے بعد دنیا کی طرف رجوع نہیں۔

قوله: تَنْتَلِي عَلَيْكُمْ: یہ اس پر سرزنش ہے کہ اس عذاب کے مقدر کیونکہ بنے۔

قوله: يَشْقَوْنَنَا: ہماری ہلاکت اس حد تک پہنچی کہ ہمارے حالات برے انجام تک پہنچانے والے ہیں۔

قوله: يَا أَيُّهَا الظَّالِمُونَ: یعنی پھر ہم اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے۔

قوله: اخْسَؤْا فِيهَا: خاموش ہو جاؤ۔ یہ سوال کا موقع ہی نہیں خساعات الکلب سے ہے۔

قوله: إِنَّهُ كَانَ: ضمیر شان ہے۔

قوله: صَخْرًا: یہ مصدر ہے جس میں یا نسبت مبالغہ کے لئے بڑھائی ہے۔

قوله: تَضْحَكُونَ: یعنی استہزاء ہنستے تھے۔

قوله: أَفَحَسِبْتُمْ: یہ دلیل بعث اور تغافل پر توجیح ہے، عبتاً یہ حال ہے۔

قوله: وَ أَنْكُمْ: اس کا عطف خلقنا کم پر ہے۔

قوله: الْمَلِكُ الْحَقُّ: ایسا بادشاہ ہر اعتبار سے جس کو بادشاہی لائق ہے وہ مالک بقیہ سب مملوک ہیں۔

قوله: رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ: الکریم سے عرش کی صفت لائے کیونکہ اس سے محکم فیصلے اور احکام اترتے ہیں جن میں مخلوقات

مصالح و رمتیں ہیں۔

قوله: لَا يَرْهَأَنَّ: یہ صفت کاشفہ ہے لازمہ ہے مگر مقیدہ نہیں کیونکہ باطل کی کوئی دلیل نہیں دوسرا مقدمہ بھی باطل ہے۔

قوله: عِنْدَ رَبِّهِ: یہ مجاز ہے اور اس کی ایک مقدار ہے جو بندے کو قرب کا حقدار بناتی ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ رَبِّ اِنِّى اَعُوْذُ بِكَ

برائی کے بدلے اچھائی:

خفیوں کے اترنے کے وقت کی دعا تعلیم ہو رہی ہے کہ اگر تو ان بدکاروں پر عذاب لائے اور میں ان میں موجود ہوں۔ تو مجھے ان عذابوں سے بچالینا۔ مسند احمد اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ اے اللہ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے، تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھالے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ ہم ان عذابوں کو تجھے دکھا دینے پر قادر ہیں۔ جو ان کفار پر ہماری جانب سے اترنے والے ہیں۔ پھر وہ بات سکھائی جاتی ہے جو تمام مشکلوں کی دوا، اور رفع کرنے والی ہے اور وہ یہ کہ برائی کرنے والے سے بھلائی کی جائے۔ تاکہ اس کی عداوت محبت سے اور نفرت الفت سے بدل جائے۔ جیسے ایک اور آیت میں بھی ہے کہ بھلائی سے دفع کر تو جانی دشمن، دلی دوست بن جائے گا۔ لیکن یہ کام انہیں سے ہو سکتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔ یعنی اس کے حکم کی تعمیل اور اس کی صفت کی تحصیل صرف ان لوگوں سے ہو سکتی ہے جو لوگوں کی تکلیف کو برداشت کر لینے کے عادی ہو جائیں۔ اور گو وہ برائی کریں لیکن یہ بھلائی کرتے جائیں۔ یہ وصف انہی لوگوں کا ہے جو بڑے نصیب دار ہوں۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی جن کی قسمت میں ہو۔

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَٰذِهِ الشَّيْطٰنِ

شیطان سے بچنے کی دعائیں:

انسان کی برائی سے بچنے کی بہترین ترکیب بتا کر پھر شیطان کی برائی سے بچنے کی ترکیب بتائی جاتی ہے کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں شیطان سے بچالے۔ اس لئے کہ اس کے فن فریب سے بچنے کا ہتھیار تمہارے پاس سوائے اس کے اور نہیں۔ وہ سلوک واحسان سے بس میں نہیں آنے کا استعاذہ کے بیان میں ہم لکھ آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ دعا (اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم) من ہمزہ و نفخہ و نفثہ پڑھا کرتے تھے۔ اور ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے۔ کھانا پینا جماع زنج وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی۔ (اللهم انی اعوذ بک من الهمم و اعوذ من الهم و من الغرق و اعوذ بک ان یتخبطنی الشیطان عند الموت)۔ اے اللہ میں تجھ سے بڑے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکا دے۔ مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کے مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت چڑھا کریں۔ دعا (بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه و عقابه و من شر عبادہ و من ہمزات الشیاطین و ان یحضر و ن)۔ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے انہیں یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے نا سمجھ ہوتے یا زبردستی ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتاتے ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۱﴾

بیان ہو رہا ہے کہ موت کے وقت کفار اور بدترین گناہگار سخت نادام ہوتے ہیں اور حسرت و افسوس کے ساتھ آرزو کرتے ہیں کہ کاش کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں۔ تاکہ ہم نیک اعمال کر لیں۔ لیکن اس وقت وہ امید فضول یہ آرزو حاصل ہے چنانچہ سورہ منافقون میں فرمایا جو ہم نے دیا ہے ہماری راہ میں دیتے رہو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اس وقت وہ کہے کہ اے اللہ ذرا سی مہلت دے دے تو میں صدقہ خیرات کر لوں اور نیک بندہ بن جاؤں لیکن اجل آجائے اس کو مہلت نہیں ملتی تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ مثلاً: وَقَالُوا الْآتِئَاتُ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ لَّيْسَ لَكَ دَعْوَتُكَ وَنَتَّبِعُ الرُّسُلَ (ابراہیم: ۴۴) اور: يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوا مَا مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَظَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الاعراف: ۵۳) اور (السجدہ: ۱۲)، (الانعام: ۳۰)، (الشوریٰ: ۴۴)، (غافر: ۱۱) اور اس کے بعد کی آیت (فاطر: ۳۷) وغیرہ ان آیتوں میں بیان ہوا ہے کہ ایسے بدکار لوگ موت کو دیکھ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے کی پیشی کے وقت جہنم کے سامنے کھڑے ہو کر دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے اور نیک اعمال کرنے کا وعدہ کریں گے۔ لیکن ان وقتوں میں ان کی طلب پوری نہ ہوگی۔ یہ تو وہ کلمہ ہے جو یہ مجبوری ایسے آڑے وقتوں میں ان کی زبان سے نکل ہی جاتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کہتے ہیں مگر کرنے کے نہیں۔ اگر دنیا میں واپس لوٹائے بھی جائیں تو عمل صالح کر کے نہیں دینے کے بلکہ ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہے تھے یہ تو جھوٹے اور لپاڑیے ہیں کتنا مبارک وہ شخص ہے جو اس زندگی میں نیک عمل کر لے اور کیسے بد نصیب یہ لوگ ہیں کہ آج نہ انہیں مال و اولاد کی تمنا ہے۔ نہ دنیا اور زینت دنیا کی خواہش ہے صرف یہ چاہتے ہیں کہ دو روز کی زندگی اور ہو جائے تو کچھ نیک اعمال کر لیں لیکن تمنا بیکار، آرزو بے سود، خواہش بے جا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کی تمنا پر انہیں اللہ ڈانٹ دے گا اور فرمائے گا کہ یہ بھی تمہاری بات ہے عمل اب بھی نہیں کرو گے۔ حضرت علا بن زیادؓ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں، تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آچکی تھی، لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دے دی جائے تاکہ میں نیکیاں کر لوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعت اللہ میں بسر کرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹا دے میں تو بہ کر لوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھوٹ جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گناہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہیں ہوتی ہیں ان

کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سر ہانے ہوتا ہے ایک اتنا ہی بڑا پاؤں کی طرف ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے اور یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے من و رانہم کے معنی کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان وہ نہ تو صحیح طور دنیا میں ہیں کہ کھائیں میں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے بدلے میں آجائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالم برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے جیسے فرمان ہے: **مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اقْتَدُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ** (الباقیہ: ۱۰) ان کے آگے جہنم ہے اور آیت میں ہے: **مِنْ وَّرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ** (ابراہیم: ۱۷) ان کے آگے سخت عذاب ہے برزخ کا۔ قبر کا یہ عذاب ان پر قیامت کے قائم ہونے تک برابر جاری رہے گا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ وہ اس میں برابر عذاب میں رہے گا یعنی زمین میں۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلایق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے سروکار نہ رکھے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ **(يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۚ وَأَصِحُّهُ وَصَاحِبَتِهِ وَبَيْنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ)** (ہمس: ۳۷-۳۸) اس کے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قراتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ: **(وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ فَمِنْ شَأْنٍ)** (الطور: ۲۱) (تسبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) **(إِلَّا نَسَبِي وَصَهْبِي)** (بجز میرے نسب اور صہبر کے) معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمرؓ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کو شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝

تہدید اہل غفلت از حساب آخرت:

(لہذا) اب سورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزاء اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور انہ لا یفلح الکافرون سے بتلادیا کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ اس روز فلاح ان اہل ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع و خضوع

کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت کی ابتداء قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱ سے فرمائی اور إِنَّكَ لَا تُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۲ پر اس سورت کو ختم فرمایا۔ سورت میں اہل ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی۔ اور قُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دار و مدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے۔ لہذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ استغفار کی راہ اختیار کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی۔ تمہارے دونوں خیال غلط ہیں۔ تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ اہل عقل کہتے ہیں: ربنا ما خلقت هذا باطلا۔

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزا و سزا کچھ نہیں۔ دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر و نشر کا امکان ہے اور کل انبیاء مرسلین نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے اور بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ سلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازم سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرش عظیم کا جو تمام آسمانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے۔ جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے یہاں ضرور حساب و کتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کہ جس خدا کی وحدانیت کے لئے شمار دلائل تھے اس کے ساتھ بے دلیل کسی کو شریک ٹھہرا لیا۔ ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔ بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ ابد الابد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیرا رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی

ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاسْتَغْفِرْ لَذَنْبِكَ. وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔

فائدہ جلیلہ: اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے لیے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا

کتاب الترمذی ج ۱۸ - المؤمنون ۲۳

کتاب الترمذی ج ۱۸ - المؤمنون ۲۳
 کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے آخر جہ ابن
 السنی وابن مندہ و ابو نعیم بسند حسن۔ (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸)
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعودؓ نے
 آیتیں پڑھ کر آخرورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔
 آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر
 نہیں والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ آخر جہ الحکیم۔ الترمذی وابن المنذر و ابو نعیم
 فی الحلیۃ و اخرون عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما۔ (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸) و تفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۲

سُورَةُ النُّورِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ النُّورِ
۲۴ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲آیتاں
۶۳ذکواعتہ
۹

سورہ نور مدینہ میں نازل ہوئی شرح اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی پوسٹ آیتیں اور نور کو ساتیں

هَذِهِ سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا مُخَفَّفًا وَمُسَدَّدًا لِّكَثْرَةِ الْمُعْرِضِ فِيهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَضْحَيْنَا
 الدَّلَالَةَ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ يَادْغَامِ اللَّيْلِ الثَّانِيَةِ فِي الدَّالِ تَعْظُونَ الزَّانِيَةَ وَالزَّانِيَ أَيُّ غَيْرِ الْمُحْضِينَ
 لِرَحْبِهَا بِالنُّسْخَةِ وَالْأَلِ فِيهَا ذِكْرٌ مَوْضُوعَةٌ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ وَلِشَبِّهِهِ بِالشَّرْطِ دَخَلَتْ الْفَاءُ فِي خَبَرِهِ وَهُوَ
 فَاجِلِدُ وَكُلِّ وَاحِدٍ قِنْهَمَا مِائَةٌ جَلْدَةٍ ۝ أَيُّ ضَرْبَةٍ يُقَالُ جَلْدَةٌ ضَرْبٌ جَلْدَةٌ وَيُرَادُّ عَلَى ذَلِكَ بِالنُّسْخَةِ
 تَعْرِيبُ عَامٍ وَالزَّانِيَةُ عَلَى التَّصْفِ مِمَّا ذُكِرَ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ أَيُّ حُكْمِهِ بِأَنْ تَرُكُوهُ
 شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِمَا إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۝ أَيُّ يَوْمِ الْبَعْثِ فِي هَذَا تَحْرِيطُ عَلَى مَا قِيلَ
 الشَّرْطُ وَهُوَ جَوَابُهُ أَوْ ذَالٌ عَلَى جَوَابِهِ وَلِشَهْدِ عَذَابِهِمَا أَيُّ الْجَلْدِ طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قِيلَ ثَلَاثَةٌ
 وَقِيلَ أَرْبَعَةٌ عَدَدَ شُهُودِ الزَّانِي لَا يَكْفِي بَيِّنَةٌ إِلَّا زَانِيَةٌ أَوْ مُشْرِكَةٌ ۝ وَالزَّانِيَةُ لَا يَكْفِيهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ
 مُشْرِكٌ ۝ أَيُّ الْمُنَاسِبِ لِكُلِّ مِنْهُمَا مَا ذُكِرَ وَحُومَ ذَلِكَ أَيُّ نِكَاحِ الزَّوَانِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ الْأَخْبَارُ
 نَزَلَ ذَلِكَ لَمَّا هَمَّ قُرَاءَةُ الْمُهَاجِرِينَ أَنْ يَتَزَوَّجُوا بَغَايَا الْمُشْرِكِينَ وَهُنَّ مُوسِرَاتٌ لِيُنْفِقْنَ عَلَيْهِمْ فَقِيلَ
 التَّحْرِيمُ خَاصٌّ بِهِمْ وَقِيلَ عَامٌّ وَنُسِخَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ الْمُحْصَنَاتِ
 الْعَقِيبَاتِ بِالزَّانِيَةِ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ عَلَى زَانِهٍ بِرُؤْيَيْهِمْ فَاجِلِدُوهُمْ أَيُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ثَمَانِينَ
 جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً فِي شَيْءٍ أَبَدًا ۝ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لِأَيُّانِهِمْ كَبِيرَةٌ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ
 ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۝ عَمَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ بِهِمْ بِالْهَامِ هُمُ التَّوْبَةُ فِيهَا يَتَّبِعُونَ فَسَقَهُمْ وَ

تَقْبَلُ شَهَادَتَهُمْ وَقِيلَ لَا تَقْبَلُ رُجُوعًا بِإِلَّا مُسْتَشَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ الْآخِرَةِ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ بِالزِّنَا وَ
 لَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ وَقَعَ ذَلِكَ لِمَجْمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فَشَهِدَ أَحَدُهُمْ مُبْتَدِئًا أَرْبَعَ
 شَهَدَاتٍ نَصَبَ عَلَى الْمُضْذَرِ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَكَا لِيَمِينُ ① فِيمَا رَمَى بِهِ زَوْجَتَهُ مِنَ الزِّنَا وَالْخَاوِصَةِ أَنَّ لَعْنَتَ
 اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَذِبِينَ ② فِي ذَلِكَ وَخَبِرَ الْمُبْتَدِئُ يَدْفَعُ عَنْهُ حَدَّ الْقَذْفِ وَيَذَرُوهَا الْعَذَابَ أَيْ
 حَدَّ الزِّنَا الَّذِي ثَبَتَ بِشَهَادَتِهِ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَكَا لِيَمِينُ ③ فِيمَا رَمَاهُ مِنَ الزِّنَا وَ
 الْخَاوِصَةِ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ④ فِي ذَلِكَ وَلَوْ لَا فَضَّلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ بِالشَّرِّ فِي
 ذَلِكَ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ بِقَبُولِهِ التَّوْبَةَ فِي ذَلِكَ وَغَيْرِهِ حَكِيمٌ ⑤ فِيمَا حَكَمَ بِهِ فِي ذَلِكَ وَغَيْرِهِ لَيِّنَ الْحَقَّ فِيهِ
 ذَلِكَ وَغَاوَجَلَ بِالْعُقُوبَةِ مَنْ يَسْتَحِقُّهَا

ترجمہ: یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کو ہم نے مقرر کیا ہے (تخفیف اور تشدید والی دونوں قراءتیں ہیں
 اس سورت میں کثیر مفروض مذکور ہیں) اور ہم نے اس سورت میں صاف آیتیں نازل کی ہیں (کہ جو واضح الدلالات ہیں) تاکہ تم
 سمجھو (نصیحت پکڑو)۔ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (کہ جو غیر محض ہوں سنت سے ثابت ہے زانی مرد اور زانی
 عورت دونوں کو رحم کرنا اور الف لام آیت میں موصولہ بمعنی الذی ہے اور وہ مبتداء ہے اور چونکہ مشابہ شرط کے ہے اس وجہ سے ا
 سکا خبر میں فاء داخل ہوئی ہے اور وہ خبر فاعلہ وَاوَلَّخِ) سوان میں سے ہر ایک کے سوردے مارو (کہا جاتا ہے جلد ضرب اور اس
 حد پر ایک سال تک جلا وطن کرنا حدیث سے ثابت ہے کہ وہ مزید ہے! عند الشاقی) اور غلام پر مذکورہ حد سے نصف یعنی پچاس
 کوڑے (اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے) (کہ حکم الہی میں تم کچھ ان کی حد میں سے
 چھوڑ دو اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو) (اس جملہ میں تحریر اور ابھارنا ہے اس کو اختیار کرنے پر جو شرط سے
 قبل مذکور ہے اور وہ ماقبل شرط یا تو جواب شرط ہے اور یا اس کے جواب پر دلالت کرنے والا ہے) اور دونوں کی سزا کے وقت
 مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے بعض حضرات نے فرمایا کہ تین اور یا چار گواہ جو کہ زنا کے ثبوت کے ہیں وہ کم از کم
 حاضر ہوں۔ زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہیں اختیار اور صالح) مسلمانوں پر
 حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ فقراء مہاجرین نے مشرکین کی زانیہ عورتوں سے نکاح
 کرنے کا قصد کیا اور یہ وہ عورتیں تھیں جو قیدی تھیں تاکہ ان فقراء مہاجرین پر وہ مصارف کریں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے
 کہ یہ تحریم انھیں کے ساتھ مخصوص تھی اور بعض حضرات نے فرمایا تحریم تو عام تھی البتہ یہ منسوخ ہے اس آیت: نَوَانِكُحُوا الْاِيَامِي
 مِنْكُمْ سے اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو (زنا) تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لاسکیں (ان عورتوں پر زنا کے الزام کی

اپنے دیکھنے پر) تو مارو (ان میں سے ہر ایک) کو اسی دڑے لگا دو اور ان کی کوئی گواہی (کسی بھی چیز میں) کبھی قبول مت کرو اور وہی لوگ (گناہ کبیرہ اختیار کرنے کی وجہ سے) نافرمان ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی (عملی حالت کی) اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ ضرور (ان کی الزام تراشی کے گناہ کی ان کے حق میں) مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔ (ان پر ان کی توبہ کی توفیق اور توبہ کا الہام فرما کر۔ پس توبہ سے اس کے فسق کی انتہاء ہو جاتی ہے اور توبہ کے بعد ان کی شہادت قبول کر لی جائے گی اور بعض حضرات جو اپنی بیویوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس (اس تہمت پر) بجز اپنے اور کوئی گواہ نہ ہوں (چنانچہ اس قسم کا واقعہ حضرات صحابہؓ کی جماعت کو پیش آیا) تو ان کی شہادت (یہ تو مبتداء ہے) یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں (اس زنا کے الزام میں کہ جو میں نے اپنی زوجہ کو لگایا ہے) اور پانچویں مرتبہ یہ کہہ کر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں (اس تہمت میں) اور مبتداء کی خبر اس شخص سے حد تہمت کو دفع کرتی ہے (اور اس عورت سے سزا یعنی حد زنا جو کہ اس شوہر کی شہادتوں سے ثابت ہوتی ہے) اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ سچا جھوٹا ہے (اس تہمت میں کہ اس نے مجھ کو زنا کا الزام دیا ہے) اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد سچا ہو (اس الزام میں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے اس میں پردہ پوشی کے ساتھ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے اس سلسلہ میں جو اس نے حکم فرمایا اور اس کے علاوہ دوسرے امور میں تاکہ اس سلسلہ میں حق کو واضح کر دے اور جو بھی مستحق سزا ہو اس کو جلد دنیا میں سزا دے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **قَوْضَاهَا**: یعنی اس میں جو احکامات ہیں وہ فرض کیے۔

قوله: **تَذَكُّرُونَ**: یعنی تاکہ محارم سے پوچھو۔

قوله: **فِي خَبْرِهِ**: ظلیل کے ہاں مبتداء و مضاف، مضاف الیہ محذوف ہے اور خبر بھی محذوف ہے تقدیر یہ ہے: ان حکم

الزانیۃ و ازانی فیما فرضنا۔

قوله: **رَأْفَةً**: رحمت و مہربانی۔

قوله: **إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ**: ایمان کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی خاطر حد مارنا اور جہاد میں کافر کو قتل کرنا۔

قوله: **الْجُلْدُ**: یہ تکلیف میں اضافہ ہے۔ رسوائی کبھی عبرت بنتی ہے اور کبھی نہیں۔

قوله: **إِلَّا زَانِيَةً**: غالب حالات میں زانیہ عورت سے نکاح کی طرف مائل نہیں ہوتا یا مشاکلت، تقابل کے طور پر کہا گیا۔

قوله: **الْأَخْيَارُ**: سے اشارہ کیا کہ اس سے غیر زانی مؤمن مراد ہیں۔

قوله: **بِالزَّوْنِ**: یعنی جو اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں نہ کہ کوئی اور اس سے لعان نہیں۔

قوله: **وَإِنَّ اللَّهَ**: یہ استثناء کی علت ہے۔

قوله: انفسهم: یہ شہدائے بدل۔
قوله: ليجتماعه: بياربع پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔
قوله: لتبين الحق: یہ ترک تعظیم کا جواب ہے۔

تفسیر مقبولین

سورہ نور کی بعض خصوصیات

اس سورت میں زیادہ تر احکام عفت کی حفاظت اور ستر و حجاب کے متعلق ہیں اور اسی کی تکمیل کے لئے حد زنا کا بیان آیا۔
پہلی سورت یعنی مؤمنوں میں مسلمانوں کی فلاح دنیا و آخرت کو جن اوصاف پر موقوف رکھا گیا ہے ان میں ایک اہم وصف
شرمگاہوں کی حفاظت تھی جو خلاصہ ہے ابواب عفت کا۔ اس سورت میں عفت کے اہتمام کے لئے متعلقہ احکام ذکر کئے گئے
ہیں، اسی لئے عورتوں کو اس سورت کی تعلیم کی خصوصی ہدایات آئی ہیں۔

حضرت فاروق اعظم نے اہل کوفہ کے نام اپنے ایک فرمان میں تحریر فرمایا: علموا نساء کم سورة النور، یعنی اپنی
عورتوں کو سورہ نور کی تعلیم دو۔

خود اس سورت کی تمہید جن الفاظ سے کی گئی ہے کہ: سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا، یہ بھی اس سورت کے خاص اہتمام کی طرف
اشارہ ہے۔

سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا

یہ سورت بعض نہایت ضروری احکام و حدود، امثال و مواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات و اصلاحات پر مشتمل
ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ انک سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر
منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہو گئی
تھی۔ جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہؓ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ
مجدد شرف تک پہنچتا تھا، اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی
اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لیے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی
ٹھوکر نہ کھائیں۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ رفیع یا امہات المؤمنین کی پاک و محترم حیثیت ایسی نہیں جس کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی
مسلمان کسی وقت بھی ذرا سنا تامل روار کھے۔ شاید اسی لیے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا: سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا
تاکہ قاطعین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔

اور جو صاف صاف نصبتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرا جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لیے اس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین و دنیا کی تباہی ہے۔ (تیسری جلد)

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ.....

زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی سزا:

ان آیات میں زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی سزا بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو کوڑے مارو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سزا جاری کرنے میں تمہیں ان پر رحم نہ آئے۔

اللہ کے قانون کے سامنے کسی کی رو رعایت اور کسی پر کوئی رحم کرنا ترس کھانا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے جب اس نے سزا کا حکم دیدیا گو وہ سزا تمہاری نظروں میں سخت ہے تو اسے نافذ ہی کرنا ہے، اس نے انسان کو پیدا کیا وہ انسان کے مزاج عادت و خصلت کو پوری طرح جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ انسان اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے کون سی سزا سے زنا کاری کے جرم سے رک سکتا ہے چونکہ اس میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا کے ساتھ دوسروں کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے اس لیے یہ بھی حکم دیا کہ جب ان کو زنا کی سزا دی جائے تو اس وقت مؤمنین کی ایک جماعت حاضر رہے، بہت لوگ حاضر ہوں گے تو انہیں بھی عبرت حاصل ہوگی اور سزا کا واقعہ اپنی مجلسوں اور قبیلوں میں باہر سے آنے جانے والے مسافر کی ملاقاتوں میں ذکر کریں گے تو سب میں عبرت ناک سزا کا چرچا ہوگا جس سے عمومی طور پر پورے ملک میں عفت و عصمت کی فضا بنے گی ورنہ زنا کاری سے باز رہیں گے۔ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دور اور نزدیک اللہ کی حدود قائم کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اللہ کے حکم کے بارے میں تمہیں نہ پکڑے۔ (رواہ ابن ماجہ) تمہیں کسی کی ملامت نہ پکڑے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کیا کرو، دشمن اعتراض کریں گے اس کو نہ دیکھو۔

آج کل حکومتیں مخلوق کے طعن و تشنیع سے ڈرتی ہیں اور دشمنوں کے اعتراضات کا خیال کر کے شرعی حدود قائم نہیں کرتیں۔ شرعی حدود قائم کرنے میں بہت بڑی خیر ہے حدود قائم ہوں گی تو گناہ ختم ہوں گے یا کم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین میں ایک حد قائم کی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چالیس دن بارش برسی رہے۔ (رواہ ابن ماجہ) یعنی چالیس دن بارش ہونے کا جو نفع ہے اس سے کہیں زیادہ خیرات و برکات کا نزول ہوگا جبکہ اللہ کی ایک حد قائم کر دی جائے گی۔

موجودہ حکومتوں نے رضامندی سے زنا کرنے کو تو قانونی طور پر جائز ہی کر رکھا ہے اور فاحشہ عورتوں کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر لائسنس دیتی ہیں اور تھوڑی بہت جو قانونی گرفت ہے وہ زنا بالجبر پر ہے۔ لیکن بالجبر زنا کرنے والا بھی پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑا گیا تو مختصر سی جیل میں رہنے کی سزا دی جاتی ہے اس سزا سے بھلا زنا کار اپنی عادت بد کہاں چھوڑ سکتے ہیں۔ جو حکومتیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجرمین پر شرعی سزائیں نافذ کرو، ڈاکوؤں کو قتل کرو، چوروں کا ہاتھ کاٹو، زنا کار مرد اور عورت کو زنا کاری کی سزا دو، (غیر محصن ہیں تو سو کوڑے لگاؤ اگر محصن ہیں تو سٹکار

(د) تو اس پر ان لوگوں کو چوروں اور ڈاکوؤں اور زنا کاروں پر رحم آ جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا ہے: **وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا دَأْفُؤُا فِي دِينِ اللَّهِ** (اور تمہیں اللہ کے دین کے بارے میں ان دونوں کے ساتھ رحم کے برتاؤ کا جذبہ نہ پکڑے) اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ جو سراپا کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جاری فرمودہ حدود کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہہ دیتے ہیں اور عجب بات یہ ہے کہ پھر بھی مسلمانوں کے دعویدار ہیں، مجرمین کو شرعی سزائیں نہیں دی جاتی ہیں اس کی وجہ سے ڈاکہ اور زنا کی کثرت ہے چوریاں بھی بہت ہو رہی ہیں زنا کاری کے اڈے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان اڈوں کے علاوہ جگہ جگہ زنا کاری ہوتی رہتی ہے۔ اور اپنے عوام کو اور دشمنان اسلام کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ اور حکومت باقی رکھنے کے جذبات لیے پھرتے ہیں جب یہ صورت حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے: **فَتَذَكَّرُوا يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ**۔

چند مسائل متعلقہ حد زنا:

مَسْئَلَةٌ: جو مرد و عورت آزاد ہو یعنی کسی کا مملوک نہیں عاقل ہو بالغ ہو مسلمان ہو اس کا نکاح شرعی ہوا ہو پھر آپس میں میاں بہن والا کام بھی کیا ہو تو ایسے مرد و عورت کو محض کہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی زنا کرے تو اس کی سزا جہم یعنی سنگسار کرنا (یعنی پتھر مار کر) ہلاک کر دینا ہے اور جو مرد و عورت محض نہ ہو اگر وہ زنا کرے تو ان کی سزا سو کوڑے ہیں۔

مَسْئَلَةٌ: کوڑے لگاتے وقت یہ خیال کر لیا جائے کہ اگر مرد کوڑے لگائے جا رہے ہیں تو ستر عورت کے لیے جتنے کپڑے کی ضرورت ہے وہ اس پر باقی رہے باقی کپڑے اتار دیئے جائیں، اور اگر عورت کو کوڑے لگاتے جائیں تو اس کے عام کپڑے نہ اتارے جائیں ہاں اگر اس نے لحاف اوڑھ رکھا ہے یا کوئی اور ایسی چیز پہن رکھی ہے جو مارنے کی تکلیف سے بچا سکتی ہے تو اس کے بدن سے نکال لی جائے گی۔

مَسْئَلَةٌ: مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں۔

مَسْئَلَةٌ: ایسے کوڑے سے مارا جائے گا جس کے آخر میں گرہ لگی ہوئی نہ ہو اور یہ مارنا درمیانی درجہ کا ہو اور ایک ہی جگہ کوڑے نہ مارے جائیں بلکہ متفرق طور پر اعضائے جسم پر مارے جائیں البتہ سر چہرہ اور شرم گاہ پر کوئی کوڑا نہ مارا جائے۔

مَسْئَلَةٌ: جس زنا کار مرد یا عورت کو جہم یعنی سنگسار کرنا ہے اسے باہر میدان میں لے جائیں جن لوگوں نے زنا کی گواہی دی تھی پہلے وہ پتھر ماریں پھر امیر المؤمنین پتھر مارے اور اس کے بعد دوسرے لوگ ماریں اگر گواہ ابتداء کرنے سے انکاری ہو جائیں تو جہم ساقط ہو جائے گا اگر زانی کے اقرار کی وجہ سے سنگسار کیا جانے لگے تو پہلے امیر المؤمنین پتھر مارے اس کے بعد دوسرے لوگ اور عورت کو جہم کرنے لگیں تو اس کے لیے گڑھا کھود کر اس میں کھڑی کر کے جہم کریں تو یہ بہتر ہوگا۔

مَسْئَلَةٌ: جب کسی مرد یا عورت کے بارے میں چار شخص گواہی دیدیں کہ اس نے زنا کیا ہے اور یوں کہیں کہ ہم نے ان کو یہ عمل کرتے ہوئے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں مسلائی ہو تو امیر المؤمنین یا قاضی ان چاروں گواہوں کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کرے گا اگر ان کا سر اور علانیہ عادل اور صالح سچا ہونا ثابت ہو جائے تو امیر المؤمنین یا قاضی زنا کرنے والے پر حد شرعی حسب قانون (کوڑے یا سنگسار) نافذ کر دے اگر چار گواہ نہ ہوں یا چار تو ہوں لیکن ان کا فاسق ہونا ثابت ہو جائے تو اس

پر حد جاری نہ ہوگی جس کے بارے میں ان لوگوں نے زنا کی گواہی دی۔ بلکہ ان لوگوں کو حد قذف لگائی جائے گی جنہوں نے گواہی دی۔ (حد قذف سے مراد تہمت لگانے کی سزا ہے جو اس (۸۰) کوڑے ہیں) چند اوراق کے بعد اسی رکوع میں اللہ تعالیٰ اس کا ذکر آئے گا۔

مَنْ يَنْكِحَ زَانِيَةً: زانی کے اپنے اقرار سے بھی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے (مرد ہو یا عورت) جب اقرار کرنے والا قتل بالغ اور چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرے تو قاضی اس سے دریافت کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور تو نے کس سے زنا کیا اور کہاں زنا کیا اقرار کرنے والا جب یہ باتیں بتا دے تو قاضی اس پر بھی حسب قواعد شرعیہ حد نافذ کر دے گا۔

دور حاضر کے مدعیان علم کی جاہلانہ باتیں:

آج کل بہت سے مدعیان علم ایسے نکلے ہیں جو اپنی جہالت کے زور پر شریعت اسلامیہ میں تحریف کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ دشمنان اسلام اور بہت سے اصحاب اقتدار ان کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کو رشوت دے کر ان سے الٹی باتیں لکھواتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوتی ہیں۔ چودہ سو سال سے تمام عوام اور خواص یہی جانتے اور سمجھتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں زانی غیر محسن کی سزا سو کوڑے اور زانی محسن کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ اپنے علم کو جاہلانہ دعاوی میں استعمال کرنے والے اب یوں کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے ان لوگوں سے سوال ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ قرآن میں نہ ہو وہ دین اسلام نہیں ہے قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ: (وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا) (جو کچھ رسول اللہ ﷺ دین اسے پکڑ لو اور جس سے روکیں رک جاؤ)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے بعض زانیوں کو ثبوت زنا اور محسن ثابت ہونے پر سنگسار فرما دیا تو اب کس کا مقام ہے جو اس کی تردید کرے اور اسے اللہ کے دین سے نکال دے۔ حضرت عمر کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی تھی کہ بعد میں آنے والے رجم کی سزا کے منکر ہوں گے اس لیے انہوں نے ایک دن منبر پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی کتاب اللہ میں جو کچھ نازل ہوا اس میں رجم یعنی سنگسار کرنے کی آیت بھی غم نے اس آیت کو پڑھا اور سمجھا اور یاد کیا رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانہ دراز گزرنے پر کوئی کہنے والا یوں نہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ہم رجم کی آیت کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے (یہ کہہ کر وہ دین اسلام میں رجم کی مشروعیت کا منکر ہوگا) جس کی وجہ سے لوگ ایک ایسے فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ نے مشروع فرمایا، رجم اللہ کی کتاب میں ہے (یعنی اس کی مشروعیت منسوخ نہیں ہوئی) حق ہے اس کو مرد عورت پر جاری کیا جائے گا جو محسن ہو جبکہ گواہ قائم ہو جائیں یا اقرار ہو یا کسی عورت کو حمل ہو جائے (جس حمل کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہو) اور بخاری (۱۰۹) حضرت عمرؓ نے یہ جو فرمایا رجم، اللہ کی کتاب میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آیت میں یہ مضمون تھا اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہے اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا جن حضرات نے علم اصول فقہ پڑھا ہے وہ اس کا مطلب سمجھتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے سورہ نساء کی آیت (أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا) کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرا مطلب

یہ ہے کہ اگر اللہ کی کتاب میں واضح طور پر موجود نہیں ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دین اسلام میں رجم نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو مشروع فرمایا تو اللہ کی کتاب میں ہو گیا کیونکہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اللہ کے رسول کی اطاعت کتاب اللہ کے مضمون میں شامل ہے۔

یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ رجم قرآن کریم میں نہیں ہے اول تو ان سے یہ سوال ہے کہ ظہر عصر اور عشاء کی چار رکعتیں مغرب کی تین اور فجر کی دو رکعتیں ہیں اسی کو کسی آیت میں دکھا دیں۔ زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے اس کو کسی آیت سے ثابت کریں۔ کیا وجہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جو اسلام میں سے ہیں قرآن مجید کی آیت تلاش نہیں کی جاتی ان پر عمل کرنے کے لیے تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہی کافی ہے اور رجم کو دین میں مشروع سمجھنے کے لیے آیات قرآنیہ کی تلاش ہے۔ لہذا اور زندگی کا کوئی دین نہیں ہوتا اسی لیے یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں یہ بھی قائل ذکر ہے کہ رجم اگر قرآن مجید میں نہیں ہے تو سو سو کوڑے لگانا تو ہے ارے زندیقو! تم جن حکومتوں کے نمائندے ہو ان سے سو سو کوڑے لگواؤ اپنے ذرا سے علم کو مکرین اسلام کی تائید کے لیے فرج کرنا اسی کو تو قرآن مجید نے (أَضَلُّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ) فرمایا ہے حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے بارے میں من العلم جہلا وارد ہوا ہے۔

زنا کاری کی مضرتیں اور عفت و عصمت کے فوائد، نکاح کی فضیلت:

کافروں اور مجنوں، زندیقیوں کو اسی پر تعجب ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کو کیوں حرام قرار دیا گیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مرد و عورت کا اپنا ذاتی معاملہ ہے جس کا جس سے چاہے لذت حاصل کر لے ان لوگوں کی یہ بات جہالت ضلالت اور غیبت پر مبنی ہے یہ کہنا کہ بندوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں یہ بہت بڑی گمراہی ہے جب خالق کائنات جل مجدہ نے پیدا فرمایا اور سب اس کی مخلوق اور مملوک ہیں تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ خالق اور مالک کے بتائے ہوئے قانون کے خلاف زندگی گزارے کوئی انسان خود اپنا نہیں ہے نہ اس کے اعضاء اپنے ہیں وہ تو خالق جل مجدہ کی ملکیت ہے ان اعضاء کو قانون الہی کے خلاف استعمال کرنا بغاوت ہے۔

اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی طبعی موانست کے لیے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا پھر ان سے انسانوں کی نسل کو جاری فرمایا، مرد و عورت میں جو ایک دوسرے کی طرف فطری اور طبعی میلان ہے اس کے لیے نکاح کو مشروع فرمایا اور نکاح کے اصول و قوانین مقرر فرمائے جب مرد و عورت کا نکاح ہو جائے تو آپس میں ایک دوسرے سے قانون شریعت کے مطابق استمتاع اور استلذاز جائز ہے۔ اس میں جہاں نفسیاتی ابھار کا انتظام ہے وہاں بنی آدم کی نسل چلنے اور نسل و نسب کے پاک رکھنے اور آپس میں رحمت اور شفقت باقی رکھنے کا اور عورت کے گھر میں عزت و آبرو کے ساتھ رہنے اور گھر بیٹھے اہل ضروریات زندگی پوری ہونے اور عفت و عصمت سے رہنے کا انتظام ہے، مرد کا کر لائے عورت گھر میں بیٹھے اور کھائے لباس بھی شوہر کے ذمہ اور رہنے کا گھر بھی، اولاد پیدا ہو تو ماں باپ کی شفقت میں بچے بڑھے۔ کوئی چچا ہو کوئی ماموں ہو کوئی دادا ہو کوئی دادی ہو کوئی خالہ ہو کوئی پھوپھی ہو ہر ایک بچے کو پیار کرے گود میں لے اور ہر ایک اس کو اپنا سمجھے صلہ رحمی کے اصول پر

سب رشتہ دار دور کے ہوں یا قریب کے آپس میں ایک دوسرے سے محبت بھی کریں مالی امداد بھی کریں نکاحوں کی مجلسوں میں جمع ہوں ولیمہ کی دعوتیں کھائیں عقیقے ہوں جب کوئی مر جائے کفن و دفن میں شریک ہوں یہ سب امور نکاح سے متعلق ہیں اگر نکاح نہ ہو اور عورت مرد یوں ہی آپس میں اپنی نفسیاتی خواہشات پوری کرتے رہیں تو جو اولاد ہوگی وہ کسی باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور جب عورت زنا کا رہے تو یہ بچہ بھی نہ چلے گا کہ کس مرد کے نطفہ سے حمل قرار پایا جب باپ ہی نہیں تو بچہ کی پرورش کون کرے بچہ کو کچھ معلوم نہیں میں کس سے پیدا ہوا۔ میرے ماں باپ کون ہیں چونکہ باپ ہی نہیں اس لیے انگلیٹنڈ وغیرہ میں بچوں کی ولدیت ماں کے نام سے لکھ دی جاتی ہے رشتہ داروں کی جو شفقتیں تھیں باپ کی جانب سے ہوں ماں کی جانب سے بچوں سب سے محروم رہتا ہے زنا کار عورتوں کے بھائی بہن بھی اپنی بہن کی اولاد کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جو شفقت بھری نگاہوں کی اولاد پر نانا نانی اور خالہ ماموں کی ہوتی ہے، ہر سمجھ دار آدمی غور کر سکتا ہے کہ نکاح کی صورت میں جو اولاد ہو اس کی مشفقانہ تربیت اور ماں باپ کی آغوش میں پرورش پانا انسانیت کے اکرام کا سبب ہے یا زنا کاروں کی اولاد کی حکومتوں والی پرورش اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے؟

پھر جب نکاح کا سلسلہ ہوتا ہے تو ماں باپ لڑکا لڑکی کے لیے جوڑا ڈھونڈتے ہیں اور آزاد لڑکے اور لڑکیاں نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لیے دوست (فرینڈ) تلاش کرتے پھرتے ہیں یہ عورت کی کتنی بڑی ذلت اور حقارت ہے کہ وہ لڑکی کو چوں میں کپڑے اتارے کھڑی رہے اور مردوں کو اپنی طرف لہجائے اور جو شخص اس کی طرف جھکے اس کو کچھ دن کے لیے دوست بنا لے پھر جب چاہے یہ چھوڑ دے اور جب چاہے وہ چھوڑ دے، اب پھر دونوں تلاش یار میں نکلے ہیں کیا اس میں انسانیت کی مٹی پلید نہیں ہوتی پھر چونکہ عورت کا کوئی شوہر نہیں ہوتا اور جن کو دوست بنایا جاتا ہے وہ قانوناً اس کے خرچ کے ذمہ دار نہیں ہوتے اس لیے عورتیں خود کمانے پر مجبور ہو جاتی ہیں شور و مسموں پر کھڑی ہوئی مال سپلائی کرتی ہیں روڈ پر بیٹھ کر آنے جانے والے لوگوں کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ عورتوں کو یہ ذلت اور رسوائی منظور ہے اور نکاح کر کے گھر میں ملکہ بن کر بچوں کی ماں ہو کر عفت و عصمت کے ساتھ زندگی گزارنے کو ناپسند کرتی ہیں۔

اسلام نے عورت کو بڑا مقام دیا ہے وہ نکاح کر کے عفت و عصمت کی حفاظت کے ساتھ گھر کی چار دیواری میں رہے اس کا نکاح بھی اس کی مرضی سے ہو جس میں مہر بھی اس کی مرضی سے مقرر ہو پھر اسے ماں باپ اور اولاد اور بہن بھائی سے میراث بھی ملے۔ یہ زندگی اچھی ہے یا در بدر یا رڈھونڈتی پھریں اور زنا کرتی پھریں یہ بہتر ہے؟ کچھ تو سوچنا چاہیے، فَاغْتَبِرُوا يَا اُولِيَ الْاَبْصَارِ۔

اس تمہید کے بعد اب ایک سمجھ دار آدمی کے ذہن میں زنا کی شاعت اور قباحت پوری طرح آ جاتی ہے اسلام کو یہ گوارا میں ہے کہ نسب کا اختلاط ہو پیدا ہونے والے بچوں کے باپ کا پتہ نہ چلے یا کئی شخص دعویدار ہو جائیں کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے۔

جو مرد عورت زنا کاری کی زندگی گزارتے ہیں ان سے حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں انسانیت کی اس سے زیادہ کیا مٹی پلید ہو گا کہ بچہ ہو اور اس کا باپ کوئی نہ ہو اہل نظر اسے حرامی کہتے ہوں یا کم از کم یوں سمجھتے ہوں کہ دیکھو وہ حرامی آ رہا ہے، یہ بات

شریفوں کے لیے موت سے بہتر ہے لیکن اگر طبعی شرافت باقی نہ رہے دلوں میں انسانیت کا احترام نہ ہو تو معاشرہ میں حرامی حلالی ہونے کی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ جن ملکوں میں زنا کاری عام ہے ان کے یہاں حرامی ہونا کوئی عیب اور حلالی ہونا کوئی ہنر نہیں۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی ہماری ہاں میں ہاں ملا دیں اور قرآن سے باغی ہو کر ہماری طرح زنا کار ہو جائیں اور زنا کاری کی سزا مسنوخ کر دیں بھلا مسلمان یہ کیسے کر سکتا ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

اسلام جو عفت و عصمت کا دین ہے اس کے ماننے والے شہوت پرستوں کا ساتھ کہاں دے سکتے ہیں زنا کاری میں چونکہ مزاج شہوت پرستی ہے اس لیے شہوت پرست اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں، معاشرہ اسلامیہ نے زنا کی سزا سخت رکھی ہے پھر اس میں فرق رکھا گیا ہے غیر شادی شدہ مرد و عورت زنا کر لے تو سو کوڑے لگانے پر اکتفا کیا گیا اور شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کی سزا رجم مقرر کی گئی ہے مرد ہو یا عورت، جو لوگ شہوت پرست ہیں ان کے تقاضوں پر کافر ملکوں کی پارلیمنٹوں نے نہ صرف یہ کہ مرد و عورت کے لیے باہمی رضامندی سے زنا کو قانوناً جائز قرار دیدیا ہے بلکہ عورت کو بھی اجازت دیدی ہے کہ وہ کسی مرد کی بیوی بن کر رہے، ان لوگوں کو نہ انسانیت کی ضرورت ہے نہ شرافت کی نہ نسب محفوظ رکھنے کی نہ عفت و عصمت کے ساتھ جینے کی نہ عورتوں کو اچھا مقام دینے کی، شہوت پرست ہیں شہوت کے بندے ہیں اس شہوت پرستی کے نتیجے میں جو ایڈز وغیرہ کی نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے سارا معاشرہ متاثر ہوتا جا رہا ہے اور جس کی روک تھام سے حکومتیں عاجز ہیں ان پر نظر نہیں، بس شہوت پوری ہونی چاہئے یہ ان لوگوں کا مزاج بن گیا ہے۔

یہ زنا کی کثرت، کثرت اموات کا بھی سبب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جس کسی قوم میں زنا پھیل جائے اس میں موت کی کثرت ہوگی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا یعنی رزق کم ملے گا اور اس کی برکت ختم کر دی جائے گی اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو قوم بد عہدی کرے گی ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی آبادی میں زنا اور سود خوری کا رواج ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ کا عذاب نازل کر لیا۔ (الترغیب والترہیب ۲/۲۷۸ ج ۲)

حضرت میمونہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کی کثرت نہ ہو جائے سو جب ان میں اولاد الزنا کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر عقیقہ عام عذاب بھیج دے گا۔ (رواہ احمد اسناد حسن کافی الترغیب ۲/۲۸۸ ج ۲)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا کہ اس میں بہت سی چیزیں دیکھیں ان میں ایک یہ بھی دیکھا کہ خور کی طرح ایک سوراخ ہے اس کا اوپر کا حصہ تنگ اور نیچے کا حصہ وسیع ہے اس کے نیچے آگ جل رہی ہے جو لوگ اس خور میں ہیں وہ آگ کی تیزی کے ساتھ اوپر کو آ جاتے ہیں جب آگ دھیمی پڑتی ہے تو نیچے کو واپس چلے جاتے ہیں یہ لوگ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ہیں ان کی چیخ پکار کی آوازیں بھی آرہی ہیں آپ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں میں نے اپنے ساتھیوں (حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں انہوں نے بتایا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔

زنا امراض عامہ کا سبب ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اسے پہچان لیا
پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے کہ تم مبتلا ہو تو پانچ چیزیں بطور نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی (پھر ان کی تفصیل
فرمائی) (۱) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کا کام ہونے لگے تو اس میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی کہ
ان کے باپ دادوں میں کبھی نہیں ہوئیں (۲) اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے
ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی (۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی (حسرت کی)
اگر چو پائے (گائے بیل گدھا گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ (۴) اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے
گی اللہ ان پر غیروں میں سے دشمن مسلط فرمادے گا جو ان کی بعض مملوک چیزوں پر قبضہ کر لے گا (۵) اور جس قوم کے بالقرار
لوگ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلے دیں گے (اور احکام خداوندی میں اپنا اختیار و انتخاب جاری کریں گے) تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا
ہوں گے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں جن گناہوں اور مصیبتوں پر ان کے مخصوص نتائج کا تذکرہ فرمایا ہے اپنے نتائج کے ساتھ اس زمین
پر بسنے والے انسانوں میں موجود ہیں۔ سب سے پہلی بات جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی یہ ہے کہ جس قوم میں کھلم کھلا
بے حیائی کے کام ہونے لگیں گے ان میں ضرور طاعون پھیلے گا اور ایسی ایسی بیماریاں بکثرت ظاہر ہوں گی جو ان کے باپ دادوں
میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔

آج بے حیائی کس قدر عام ہے سڑکوں پارکوں کلبوں اور نام نہاد قومی اور ثقافتی پروگراموں میں، عرسوں اور میلوں میں
ہوٹلوں اور دعوتی پارٹیوں میں کس قدر بے حیائی کے کام ہوتے ہیں اس کے ظاہر کرنے اور بتانے کی چنداں ضرورت ہے جانے
والے اور اخبارات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں، پھر اس بے حیائی اور فحش کاری کے نتیجے میں وبائی امراض طاعون
ہیضہ انفلوئنزا ایڈز پھیلتے رہتے ہیں اور ایسے ایسے امراض سامنے آ رہے ہیں جن کے طبعی اسباب اور معالجہ کے سمجھنے سے ڈاکٹر قاصر
ہیں، ڈاکٹری ترقی پذیر ہے اسی قدر نئے امراض ظاہر ہوتے جاتے ہیں ان امراض کے موجود ہونے کا سبب جو خالق مالم عل
مجدہ کے سچے پیغمبر ﷺ نے بتایا ہے یعنی بے حیائیوں کا پھیلنا جب تک وہ ختم نہ ہوگا نئے نئے امراض کا آنا بھی ختم نہیں ہوگا
دور حاضر کے لوگوں کا اب یہ طریقہ ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک شہوت پرستی ہی سب کچھ ہے زندگی کا خلاصہ شہوت پرستوں کے
نزدیک صرف یہی رہ گیا ہے کہ مرد اور عورت بغیر کسی پابندی کے آپس میں ایک دوسرے سے شہوت پوری کیا کریں پہلے تو بعض
یورپین ممالک نے اس قسم کے قوانین بنا دیئے تھے لیکن اب وہ بین الاقوامی کانفرنسیں بلا بلا کر سارے عالم کے انسانوں کو اس
بیہودگی میں لپیٹنا چاہتے ہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ اس قسم کی کانفرنس منعقد کرنے والے انسانیت کے دائرہ ہی سے باہر
چکے ہیں اور انہیں اس پر ذرا بھی رنج نہیں ہے کہ ہم انسانیت کھو بیٹھے ہیں۔

یہ لوگ اس مقام پر آئے ہیں کہ ہم انسان نہ رہے تو کیا حرج ہے مرہ تو ملے گا۔ انسان بنے اور انسانی تقاضے پورے کرنے میں نفس کی آزادی میں فرق آتا ہے لہذا انسانیت کی ضرورت کیا ہے؟ جانور بھی تو دنیا میں رہتے ہیں اور جیتے ہیں، ہم بھی جانور ہو گئے تو کیا ہوا؟ یہ بات یہ لوگ زبان سے کہیں یا نہ کہیں ان کا طریقہ کار اور رنگ و ہنگ ایسا ہی ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا: (وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَيَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ) (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایسے متمتع ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جسے جانور کھاتے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے)۔

انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم سے نوازا اور اسے جو شرف بخشا اس شرف کی وجہ سے اسے اونچا رکھنے کے لیے احکام عطا فرمائے۔ اس کے لیے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا اور کچھ چیزوں کو حلال قرار دیا۔ مرد اور عورت کا آپس میں استمتاع بھی حلال ہے لیکن نکاح کرنے کے بعد، پھر اس نکاح اور انعقاد نکاح کے بھی قوانین ہیں تمام انبیاء کرامؑ نکاح کرتے تھے۔ سوائے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ علیہ السلام کے کہ ان دونوں حضرات نے نہ نکاح کیا نہ عورتوں سے استمتاع کیا۔ افسوس ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اتباع کی جو قومیں دعویٰ کرنے والی ہیں وہ ان کی طرف بغیر نکاح کے عورتوں سے استمتاع کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہاں حضرت عیسیٰؑ آخری زمانے میں جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو دجال کو قتل کریں گے اور نکاح بھی فرمائیں گے آپ کی اولاد بھی ہوگی (کما ذکرہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء) جب وہ تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور اس طرح اپنے عمل سے دین نصرانیت کو باطل قرار دیں گے۔ (رواہ مسلم)

فائدہ: قرآن مجید میں عموماً عورتوں کو مردوں ہی کے صفیے میں شریک کر کے احکام شرعیہ بتائے گئے ہیں مثلاً جہاں جہاں (وَالَّذِينَ آمَنُوا) ہے اس میں گواہ موصول مذکر ہے لیکن عورتوں کو بھی ان کا مضمون شامل ہے اور جہاں کہیں صیغہ تانیث لایا گیا ہاں مردوں کا ذکر مقدم ہے جیسا کہ (إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) اور جیسے (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا) لیکن زنا کی حد بیان کرتے ہوئے دو باتیں زیادہ قابل توجہ ہیں اول تو یہ کہ صرف مذکر کا صیغہ لانے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ الزانیہ مستقل ذکر کیا گیا دوسرا الزانیہ کو الزانی پر مقدم فرمایا ہے۔

اب کسی بھی مرد یا عورت کو یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہی کہ شاید زنا کی حد جاری کرنا مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ نیز قرآن مجید کے انداز بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عورتوں میں زنا کی رغبت نسبت مردوں کے زیادہ ہے ان کی حفاظت کا زیادہ اہتمام کیا جائے چوری میں مرد پیش پیش ہوتے ہیں اس لیے سورہ مائدہ کی آیت میں لفظ السارق کو مقدم فرمایا اور زنا کی طرف ناکل ہونے میں عورتوں کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اس لیے حد زنا بیان فرماتے ہوئے پہلے لفظ الزانیہ کو مقدم فرمایا۔

فائدہ: شریعت اسلامیہ نے جو زنا کی حد مقرر فرمائی ہے بظاہر یہ سخت ہے اور سختی اس لیے ہے کہ لوگوں کی عفت و عصمت محفوظ رہے اور اس جرم کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو، اگر کسی غیر محصن کو لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے کوڑے لگائے جائیں اور کسی محصن کو سنگسار کر دیا جائے اور اس کی شہرت ہو جائے تو برس برس کے لیے درد راز علاقوں کے رہنے والوں کے لیے ایک

ہی سزا عبرت کا سامان بن جائے گی۔

اسلام نے اول تو ایسے احکام وضع کیے ہیں جن پر عمل کرنے سے زنا کا صدور ہی آسان نہیں نظروں پر پابندی ہے عورتوں کی بے حجابی پر پابندی ہے نامحرموں سے پردہ ہے محرم بد نفس سے بھی پردہ کا حکم ہے ان سب امور کے باوجود زنا صادر ہو جائے تو اس کی سزا کے لیے ویسی شرطیں لگائی ہیں جن کا وجود میں آنا ہی مشکل ہے اگر چار گواہ گواہی دیں کہ ہم نے فلاں مرد عورت کو اس طرح زنا کرتے ہوئے دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تب زنا کا ثبوت ہوگا، ظاہر ہے ایسے چار گواہ ملنا عادیانہ ممکن ہے ہاں اگر کوئی مرد عورت زنا کا اقرار کر لے تو اس پر سزا جاری ہوگی لیکن اس میں بھی امیر المؤمنین اور قاضی کو حکم دیا گیا کہ معمولی شہادت پر حد کو ساقط کر دیں مقصود لوگوں کی پٹائی کرنا اور سنگسار کرنا نہیں بلکہ زنا سے بچانا مقصود ہے اس سب کے باوجود پھر بھی کوئی شخص زنا کے جرم میں پکڑا جائے تو اصول شریعت کے مطابق اس کا زنا ثابت ہو جائے تو امیر المؤمنین اور قاضی لایعالمہ اس پر حد جاری کر دے گا۔ کیونکہ یہ شخص مسلمانوں کے معاشرے کا ایک ایسا عضو ہے جو بالکل ہی سڑ چکا ہے جسے کانٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔ لوگ زنا کی سختی کو تو دیکھتے ہیں اس سزا کی حکمتوں کو نہیں دیکھتے۔ (تفسیر ابو الہیاء)

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۖ

اس آیت میں زانی اور زانیہ کے ساتھ نکاح کرنے سے متعلق حکم ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ مشرک مرد یا مشرک عورت سے نکاح کا بھی حکم ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے اقوال بہت مختلف ہیں ان سب میں اہل اور اہل تفسیر وہی معلوم ہوتی ہے جس کو خلاصہ تفسیر میں بین القوسین کی وضاحتوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آیت کا شروع حصہ کوئی حکم شرعی نہیں بلکہ ایک عام مشاہدہ اور تجربہ کا بیان ہے جس میں زنا کا فعل غبیث ہونا اور اس کے اثرات کی دور رس مضرتوں کا ذکر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اس کے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے اسے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ برائی اور خباثت ہی مرغوب ہو جاتی ہے حلال حرام کی بحث نہیں رہتی اور جو عورت اس کو پسند آتی ہے اس کا اصلی مقصود اس سے زنا کرنا اور اس کو زنا کاری پر راضی کرنا ہوتا ہے اگر زنا کے ارادے میں ناکام ہو جاوے تو مجبوری سے نکاح پر راضی ہوتا ہے مگر نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتا کیونکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں کہ آداب عقیق ہو کر رہے اور اولاد صالح پیدا کرے اور اس کے لئے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ کا ہمیشہ کے لئے پابند ہو جاوے یا بے شخص کو وبال معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ ایسے شخص کو دراصل نکاح سے کوئی غرض ہی نہیں اس لئے اس کی رغبت صرف مسلمان عورتوں ہی کی طرف نہیں بلکہ مشرک عورتوں کی طرف بھی ہوتی ہے اور مشرک عورت اگر اپنے مذہب کی وجہ سے یا کسی برادری کا رسم کی وجہ سے نکاح کی شرط لگالے تو مجبوراً وہ اس سے نکاح پر بھی تیار ہو جاتا ہے اس کی اس کو کچھ بحث ہی نہیں کہ یہ نکاح حلال اور صحیح ہوگا یا شرعاً باطل ٹھہرے گا۔ اس لئے اس پر یہ بات صادق آگئی کہ اس کی جس عورت کی طرف اصلی رغبت ہوگی اگر مسلمان ہے تو زانیہ کی طرف رغبت ہوگی خواہ پہلے سے زنا کی عادی ہو یا اسی کے ساتھ زنا کر کے زانیہ کہلائے یا پھر کسی مشرک عورت کی طرف رغبت ہوگی جس کے ساتھ نکاح بھی زنا ہی کے حکم میں ہے یہ معنی ہوئے آیت کے پہلے جملہ کے یعنی: الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۖ

اسی طرح جو عورت زنا کی خوگر ہو اور اس سے توبہ نہیں کرتی تو سچے مؤمن مسلمان جن کا مقصد اصلی نکاح اور نکاح کے شرعی فوائد و مقاصد ہیں وہ ایسی عورت سے متوقع نہیں اس لئے ان کو ایسی عورت کی طرف اصلی رغبت نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عورت نکاح کے بعد بھی اپنی بری عادت زنا نہ چھوڑے گی۔ ہاں ایسی عورت کی طرف رغبت یا تو زانی کو ہوگی جس کا اصلی مقصد اپنی خواہش پوری کرنا ہے نکاح مقصود نہیں۔ اس میں اگر وہ زانیہ کسی اپنی دنیوی مصلحت سے اس کے ساتھ ملنے کے لئے نکاح کی شرط لگا دے تو بادل نا خواستہ نکاح کو بھی گوارا کر لیتا ہے یا پھر ایسی عورت کے نکاح پر وہ شخص راضی ہوتا ہے جو شرک ہو۔ اور چونکہ مشرک سے نکاح بھی شرعاً زنا ہی ہے اس لئے اس میں دو چیزیں جمع ہو گئیں کہ مشرک بھی ہے اور زانی بھی۔

یعنی آیت کے دوسرے جملے کے یعنی **وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ**۔

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کر لے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کر لے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔

جمہور فقہاء امت امام اعظم ابو حنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے اب رہا آیت کا آخری جملہ **حُتِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ** اس میں بعض حضرات مفسرین نے تو ذالک کا اشارہ زنا کی طرف قرار دیا ہے تو معنی جملے کے یہ ہو گئے کہ جب زنا یا سبائیت فعل ہے تو زنا مؤمنین پر حرام کر دیا گیا۔ اس تفسیر پر معنی میں تو کوئی اشکال نہیں رہتا لیکن ذلک سے زنا مراد لینا باقی آیت سے کسی قدر بعید ضرور ہے اس لئے دوسرے مفسرین نے ذلک کا اشارہ نکاح زانی و زانیہ اور مشرک و مشرک کی طرف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مشرک سے مسلمان مرد کا نکاح اور مشرک سے مسلمان عورت کا نکاح حرام ہوتا تو دوسری نصوص قرآن سے بھی ثابت ہے اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے اور زانی مرد سے پاکدامن عورت کا نکاح یا زانیہ عورت سے عقیف مرد کا نکاح حرام ہونا جو اس جملے سے مستفاد ہو گا وہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ عقیف مرد زانیہ عورت سے نکاح کر کے اس کو زنا سے نہ روکے بلکہ نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے کیونکہ اس صورت میں یہ دیوبخت ہوگی جو شرعاً حرام ہے۔ اسی طرح کوئی شریف پاکدامن عورت زنا کے خوگر شخص سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد بھی اس کی زنا کاری پر راضی رہے یہ بھی حرام ہے یعنی ان لوگوں کا یہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا باہمی نکاح صحیح نہ ہو، باطل ہو جائے۔ لفظ حرام شریعت کی اصطلاح میں دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ گناہ ہے اس کا کرنے والا آخرت میں مستحق سزا ہے اور دنیا میں بھی یہ عمل بالکل باطل کا لعدم ہے اس پر کوئی شرعی ثمرہ احکام دنیا کا بھی مرتب نہیں ہوگا جیسے کہ مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کا لعدم ہے زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہوگی۔ اسی طرح

زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ ان کا مقصود اصلی زنا ہی ہو، نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کا عدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ، نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب چاروں میں گئے۔ اس طرح لفظ حرام اس آیت میں مشرکہ کے حق میں پہلے معنی کے اعتبار سے اور زانیہ اور زانی کے حق میں دوسرے معنی کے اعتبار سے صحیح اور درست ہو گیا۔ اس تفسیر پر آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہ رہی جیسا کہ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ

یا کـ دامن عورتوں کو تہمت لگانے والوں کی سزا:

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ یہ لوگ فاسق ہیں اب اخیر میں الا الذین تا بوا کا استثناء مذکور ہے تو امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہے توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی اور قاضی شریعہ اور ابراہیم غنی اور سعید بن جبیر اور کچول اور ابن زید رحمہم بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آ رہا ہے یا تو تینوں سے متعلق کرو۔ یا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کرو۔ اور اس آیت میں یہ استثناء بالا جماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کر لینے سے بالا جماع حد ماقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۝ محتمل رہا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثناء اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ ذکر ہے اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ نہ کہ دنیوی احکام سے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثناء ظاہر و اولئیک ہُمُ الْفَاسِقُونَ سے متعلق اور مربوط ہے کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے اور درمیانی جملہ لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً ۝ کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم ثنائین جلد۱ احکام دنیا سے متعلق ہے، پس بہتر یہ معلوم ہوا ہے کہ: لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۝ کو فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً ۝ کا تہمتہ قرار دیا جائے اور ثنائین کے ساتھ کو ظاہر اخیر جملہ و اولئیک ہُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ سے متعلق رکھا جائے۔ نیز وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ کی عجزاء تو فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً ۝ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۝ پر پوری ہوئی اور وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ جملہ مستانفہ ہے جو قذف کے جزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے اس لیے کہ فَاجْلِدُوهُمْ اور لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً ۝ دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور دونوں جملے، جملہ انشائیہ میں ایک امر ہے اور ایک نہی ہے اور جملہ وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ مستقل جملہ ہے سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ فعلیہ نہیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ کا عطف شروع جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ

پر کیا جائے اور لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا جو کہ جملہ انشائیہ فعلیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
الَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ

جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں ان کے لیے لعان کا حکم:

کوئی مرد عورت کو زنا کی تہمت لگا دے اور اپنی بات کے سچ ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری ہوگی یعنی اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے (جس کی تفصیل اوپر گزری) لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہے کہ اس نے زنا کیا ہے اور عورت اس کو جھٹلائے اور شوہر کے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی بلکہ امیر المؤمنین یا قاضی شوہر سے کہے گا کہ تو لعان کر یا یہ اقرار کر کہ تو نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر وہ دونوں میں سے کسی بات پر راضی نہ ہو تو قاضی اسے بند کر دے گا۔ یہاں تک کہ لعان کرنے پر راضی ہو جائے یا یوں کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر اس دوسری بات کا اقرار کرے تو پھر اسے حد قذف لگائی جائے گی، اگر وہ اپنے نفس کو نہیں جھٹلاتا اور اسے برابر اس بات پر اصرار ہے کہ میری بیوی نے زنا کیا ہے تو قاضی دونوں کے درمیان لعان کرنے کا حکم دے گا۔

لعان کا طریقہ:

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ مرد کھڑا ہو گا اور چار مرتبہ یوں کہے گا: اشهد بالله انی لمن الصادقین فی مارمیت هذه من الزنا (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتا ہوں کہ میں اس عورت کے بارے میں جو کہہ رہا ہوں کہ اس نے زنا کیا ہے میں اس بات میں سچا ہوں) یا پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے: لعنت الله علی ان کان من الکذبین فیما رمیت هذه من الزنا (اس عورت کے بارے میں جو میں نے کہا ہے کہ اس نے زنا کیا اس بارے میں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو) پانچویں مرتبہ جب بھی لفظ هذه (اس عورت) کے الفاظ ادا کرے تو ہر مرتبہ عورت کی طرف اشارہ کرے جب مرد پانچویں مرتبہ مذکورہ الفاظ کہہ چکے تو اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے: اشهد بالله انه لمن الکاذبین فیما رمی به من الزنا (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے اس بارے میں یہ جھوٹا ہے) پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے: ان غضب الله علی ان کان من الصادقین فیما رمی به من الزنا (مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہوا اگر یہ اپنی اس بات میں سچا ہو جو اس نے میری طرف زنا کی نسبت کی ہے)۔

جب دونوں لعان کر لیں تو اب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ اور یہ تفریق کرنا طلاق بائن کے حکم میں ہو گا۔ اور اگر لعان اس لیے تھا کہ نومولودہ بچہ کے بارے میں شوہر نے یوں کہا تھا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو لعان کے بعد تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی اس بچہ کا نسب اس مرد سے ختم کر دے گا اور یہ حکم نافذ کر دے گا کہ یہ بچہ اپنی ماں کا ہے اس عورت کے شوہر کا نہیں ہے۔ لعان کرنے کے بعد اگر شوہر اپنی تکذیب کر دے یعنی یوں کہہ دے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی تو پھر

قاضی اسے حد قذف یعنی اتنی کوڑے لگا دے گا۔

حدیث کی کتابوں میں عویمر عجلانی اور حلال بن امیہ کے اپنی اپنی بیوی سے لعان کرنے کا تذکرہ ملتا ہے صحیح بخاری ص ۷۹۹ و ص ۱۸۰۰ صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۹۵ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حلال بن امیہ نے جو اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے فلاں شخص سے زنا کیا ہے تو آیات لعان وَاَذِیْنِ یُؤْمِنُوْنَ اَذُوْا جَهَنَّمَ (الایات) نازل ہوئیں۔
لعان کی کچھ شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی نابالغ نہ ہو اور یوانی نہ ہو اور شوہر نابالغ اور دیوانہ نہ ہو اور اگر گونا گونا گواں شوہر اشاروں سے اپنی بیوی کو تہمت لگا دے تو اس کی وجہ سے قاضی لعان کا حکم نہیں دے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ اَسْوَاءُ الْکَذِبِ عَلٰی عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا بِقَذْفِهَا عَصْبَةَ
مَنْكُمۡ ۚ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَتْ حَسَنًا بِّنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ اَبْنُ اَبِیۡ وَ مِسْطَخٌ وَ حَمْنَةُ بِنْتُ حَجَبَرٍ
لَّا تَحْسَبُوْهُ اِنَّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ غَیْرُ الْعَصْبَةِ شَرُّ لَّکُمْ ۚ بَلْ هُوَ خَبَرٌ لَّکُمْ ۚ یَاۡجِزُ کُمْ اللّٰهُ بِهٖ وَ یُظْهِرُ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ
وَمَنْ جَاءَ مَعَهَا مِنْهُ وَهُوَ صَفْوَانٌ فَانْهَآ قَالَتْ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی غَزْوَةٍ بَعْدَ مَا اُنْزِلَ
الْحِجَابُ فَقَرَعَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَادْنٰ بِالرَّجُلِ لَیْلَةً فَمَشِیْتُ وَقَضِیْتُ شَانِئِیْ وَوَقَفْتُ
اِلَى الرَّحْلِ فَاِذَا عِقْدِیْ اِنْقَطَعَ هُوَ بِکَسْرِ الْمُهِمْلَةِ الْقَلَادَةُ فَرَجَعْتُ اَلْتِمِسُهُ وَحَمَلُوْا هُوَ دَجِیۡ هُوَ مَا
یَرْکَبُ فِیْهِ عَلٰی بَعِیْرِیۡ یَحْسَبُوْنِیۡ فِیْهِ وَكَانَتْ النِّسَاءُ خِفَافًا اِنْمَآیَا کُلْنَ الْعُلُقَةَ هُوَ بِضَمِّ الْمُهِمْلَةِ
وَسُكُوْنِ اللَّامِ مِنَ الطَّعَامِ اِی الْقَلِیْلِ وَوَجَدْتُ عِقْدِیۡ وَجِئْتُ بَعْدَ مَا سَارُوا فَجَلَسْتُ فِی الْمَنْزِلِ الَّذِیۡ
کُنْتُ فِیْهِ وَظَنَنْتُ اَنَّ الْقَوْمَ سَیَفْقِدُوْنِیۡ فَبَرَّ جَعُوْنَ اِلَیَّ فَعَلَبَسْنِیۡ عِیْنَاۤیَ فَنَمْتُ وَكَانَ صَفْوَانٌ قَدْ عَزَّرَ
مِنْ وَّرَآءِ الْجِیۡشِ فَاَدْلَجَ هُمَا بِتَشْدِیْدِ الرَّآءِ وَالدَّالِ اِیۡ نَزَلَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ لِلْاِسْتِرَاحَةِ فَسَارَ مِنْهُ فَاَصْبَحَ فِی
مَنْزِلِیۡ فَرَاۤی سَوَادِ اِنْسَانٍ نَّائِمٍ اِیۡ شَخْصَهُ فَعَرَفَنِیۡ حِیۡنَ رَاۤیۡیَ وَكَانَ یَرَانِیۡ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَبَقْتُ
بِاسْتِرَاحَةِ حِیۡنَ عَرَفَنِیۡ اِیۡ قَوْلَهُ اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا اِلَٰهٌ رَاجِعُوْنَ فَحَمَرْتُ وَجْهَیۡ بِجِلْبَابِیۡ اِیۡ غَطَّیْتُهٖ بِالْمَلَأِ
اَوَّاللّٰهُ مَا کَلَمَنِیۡ بِکَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ کَلِمَةً غَیْرَ اِسْتِرَاحَةِ حِیۡنَ اَنَا خَ رَاجِلَتُهُ وَوَطِیۡ عَلٰی یَدَیۡ
رَکِبَتُهَا فَانْطَلَقَ یَقُوْدُ بَیۡ الرَّاحِلَةِ حَتّٰی اَتَيْنَا الْجِیۡشَ بَعْدَ مَا نَزَلُوْا مُوْغِرِیۡنَ فِی نَحْرِ الظَّهِیْرِ اِیۡ مِنْ اَوَّلِ
نَزَآیۡ وَاقِفِیۡنَ فِیۡ مَکَانَ وَغُرَفِیۡ شِدَّةَ الْحَرِّ فَهَلَّکَ مَنْ هَلَّکَ فِیۡیَ وَكَانَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبَرَهُ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ

بِنِ ابْنِ بْنِ سَلُولٍ اَنْتَهَى تَوَلَّاهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ قَالَ تَعَالَى لِكُلِّ امْرٍ قِنْهُمْ اَى عَلَيْهِ مَا اَلْتَسَبَّ مِنَ الْاِثْمِ
 فِى ذَلِكَ وَالَّذِى تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ اَى تَحْمِلُ مُعْظَمَهُ فَبَدَأَ بِالْخَوْضِ فِيهِ وَاشَاعِهِ وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ اَبِي لَه
 عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ هُوَ النَّارُ فِى الْاٰخِرَةِ لَوْ لَا هَلَا اِذَا حِثِّنَ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ
 اَنَّهُمَا الْعُصْبَةُ وَقُلْتُمْ لَوْ لَا هَلَا جَاءُوا اَى الْعُصْبَةُ عَلَيْهِ بِارْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۝ شَاهِدُوهُ فَاَذْكُرُوا بِالشَّهَادَةِ
 فَاُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ اَى فِى حُكْمِهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ۝ فِيهِ وَكَوَلَا فَضَّلُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَنَسْكُم
 فِى مَا اَفَضْتُمْ فِيهِ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ اَى خُصُّكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فِى الْاٰخِرَةِ اِذْ تَلْقَوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ اَى يَرْوِيهِ
 بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ وَحَذَفَ مِنَ الْفِعْلِ اِخْدَى التَّائِيْنِ وَاِذْ مُنْصُوْبٌ بِمَسْكُمُ اَوْ بِاَفَضْتُمْ وَتَقُولُونَ
 بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسِبُونَهُ هَيِّنًا وَّوَلَا اِثْمَ فِيهِ هُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ فِى الْاِثْمِ وَكَوَلَا هَلَا اِذَا
 حِثِّنَ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ مَا يَنْبَغِي لَنَا اَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَنَكَ هُوَ لَتَعَجِبَ هُنَا هَذَا اِبْهَتَانِ كَذَبْتَ
 عَظِيمٌ ۝ يَعُظُّكُمْ اللَّهُ يَنْهَاهُمْ اَنْ تَعُوْذُوا بِالشَّيْءِ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۝ تَعِظُوْا بِذَلِكَ وَيَهَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ
 الْاٰيَاتِ فِى الْاَمْرِ وَالتَّنْهِي بِمَا يَأْمُرُ بِهِ وَيَنْهَى عَنْهُ حَكِيمٌ ۝ فِيهِ اِنْ اَلَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تُشِيعَ الْفَاحِشَةُ
 بِاللِّسَانِ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِنِسْبَتِهَا اَلَيْهِمْ وَهُمْ الْعُصْبَةُ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ فِى الدُّنْيَا بِالْحَدِّ لِلْقَذْفِ وَالْاٰخِرَةِ
 بِالنَّارِ لِحَقِّ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ اِتِّفَاءً هَاعَنْهُمْ وَاَنْتُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَخُودَهَا فِيْهِمْ وَكَوَلَا فَضَّلُ
 اللَّهُ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا الْعُصْبَةُ وَرَحْمَتُهُ وَاَنَّ اللَّهَ رَعُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ بِكُمْ لَعَا جَلَّكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ

ع ۸

ترجمہ: جو لوگ لائے ہیں یہ بہتان حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنینؓ پر کہ بدترین جھوٹ اختیار کیا ان پر تہمت لگا کر وہ
 تمہیں میں ایک جماعت ہیں (یعنی جماعت مومنین) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وہ حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن ابی سردار
 منافق اور مسطحؓ اور حنہ بنت جحشؓ یہ مومن مخلص تھے (تم اہل ایمان بہتان لگانے والوں کے علاوہ اس بہتان بندی کو اپنے حق
 میں برائے سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتری بہتر ہے) کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کے ذریعہ اجر عطا فرمائیں گے اور حضرت عائشہؓ کی
 براءت ظاہر کی جائے گی اور ان صاحبؓ کی بھی جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ آئے تھے اور وہ حضرت صفوانؓ ہیں واقعہ کی تفصیل
 حضرت عائشہؓ نے اس طرح بیان فرمائی! پردہ کے حکم نازل ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھی پس جب

آپ غزوہ سے فارغ ہو گئے اور واپس آئے اور مدینہ منورہ کے قریب ہوئے ایک رات میں آپ نے کوچ کرنے کا قصد فرمایا
میں تمہا قضاء حاجت کے لیے گئی اور قضاء حاجت کی اور میں جائے قیام کی طرف واپس آئی تو میرا ہارٹوٹا ہوا تھا۔ بکسر العین تو
میں اس کو تلاش کرنے کے لیے واپس گئی ادھر خدام نے میرے ہودج کو اٹھالیا کہ ان کا خیال تھا کہ میں ہودج میں موجود ہوں
ہودج وہ جس میں سوار ہوا جاتا ہے میرے اونٹ پر اور عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں کیونکہ بہت قلیل مقدار کھانا کھاتی تھیں
میں نے اپنا ہار تلاش کر لیا قافلہ کے چلے جانے کے بعد وہاں پہنچی لہذا میں جس مقام پر پڑاؤ تھا وہاں مقیم ہو گئی اور میں نے خیال
کر لیا کہ جب لوگ مجھ کو نہ پائیں گے تو وہ میری طرف لوٹیں گے پس مجھ پر میری آنکھوں نے غلبہ پایا اور میں سو گئی اور حضرت
صفوانؓ نے لشکر السلام کے پیچھے شب میں قیام کیا اور آخری حصہ شب روانہ ہوئے اور وہاں سے چلے گئے میری منزل تک صبح کے
وقت آپہنچے عرس اور ادلیج را اور دال کی تشدید کے ساتھ ہے عرس کے معنی آخر شب میں استراحت کے لیے قیام کرنا اور
ادلیج بمعنی روانہ ہونا۔ تو انھوں نے ایک انسانی جسم کو سوتا ہوا پایا اور جس وقت انھوں نے مجھ کو دیکھا تو پہچان لیا اور وہ پردہ کے
حکم سے قبل مجھ کو دیکھتے تھے پس میں ان کے اٹالند پڑھنے کی وجہ سے بیدار ہو گئی یعنی انھوں نے جس وقت مجھ کو شناخت کر لیا تو
اٹالند وانا الیہ راجعون پڑھی میں نے فو اپنے چہرہ کو چادر سے چھپا لیا۔ قسم بخدا انہوں نے مجھ سے ایک کلمہ کے برابر بھی بات نہیں
کی اور میں نے ان سے بجز استرجاع کوئی اور کلمہ نہیں سنا۔ جس وقت حضرت صفوانؓ نے اپنی سواری کو بٹھایا اور وہ سواری اپنے
ہاتھوں پر جھک کر بیٹھ گئی تو میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ مجھ کو بٹھ کر سواری کے آگے چلنے لگے یہاں تک کہ ہم لشکر تک پہنچ گئے
دو پہر کی شدید تر گرمی مو غرین او غر سے مشتق ہے سخت گرمی کے وقت گرم جگہ میں فروکش ہونے والے تھے کے وقت تک
پہنچنے کے بعد جہاں انھوں نے قیام کیا ہوا تھا پھر میرے سلسلہ میں جو ہلاک و برباد ہوا پس وہ ہلاک ہوا اور وہ شخص جس نے اس
معاملے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا عبد اللہ بن اب ابن سلول تھا حضرت عائشہؓ کا کلام پورا روایت کیا ہے اس کو شیخین نے۔ (بخاری
و مسلم) ارشاد باری تعالیٰ! ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا (اس سلسلہ میں اس پر) گناہ ہوا اور ان میں جس نے اس
بہتان میں سب سے بڑا حصہ لیا (اور اس میں مشغول ہوا اور اس کچھ بھیلایا اور وہ عبد اللہ بن ابی ہے) اس کو سخت سزا ہوگی (اور وہ
نار جہنم ہے آخرت میں) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے
ساتھ (یعنی اپنے لوگوں پر آپس میں) گمان نیک کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ مرتح جھوٹ ہے (اس میں صیغہ خطاب سے
التفات فرمایا یعنی یہ گمان تم نے کیوں نہ کیا اور تم نے یہ جواب کیوں نہ دیا اے جماعت اہل ایمان بہتان لگانے والے) یہ لوگ
اس پر چارہ گواہ کیوں نہ لائے کہ جو اس کی شہادت دیتے) پھر جب نہ لائے شاہد تو بس وہ لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے
ہیں (اس بہتان والے قصہ میں) اور اگر تم پر (اے جماعت اہل ایمان!) اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا میں اور آخرت میں تو
جس شغل میں تم پڑے تھے (یعنی مصروف کار ہوئے تھے) اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا (آخرت میں) جب کہ تم اس
جھوٹ بات کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے (کہ ایک دوسرے سے اس جھوٹ کو نقل کر رہا تھا فعل سے ایک تاء حذف
کر دی گئی اور مسکھ کی وجہ سے یا افضم کی وجہ سے منصوب ہے) اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو
مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات (کہ اس میں کوئی گناہ نہیں) سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: بِالْإِفْكِ: بدترین جھوٹ۔

قوله: عُصْبَةً: یہ ان کی خبر ہے اور لا تحسبوا یہ جملہ مستانفہ۔

قوله: اشاعة: یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں اس کو نشر کیا۔

قوله: بنی الاخرۃ: دنیا میں عبد اللہ بن ابی کی بخشہ نہ جانے اور آخرت میں عذابِ عظیم کے مستحق ہونے کا اعلان ہوا۔ حسانؓ آخر عمر میں اندھے ہو گئے اور دو ہاتھ شل ہو گئے اور سطحؓ کی آنکھیں بند ہو گئیں باوجودیکہ انہوں نے توبہ کر لی تھی۔

قوله: الْبَغَاثُ عَنِ الْخَطَابِ: یہ کلام میں اس لئے لائے تاکہ تو بیخ میں مبالغہ ہو۔

قوله: فَلْتُمْ: اس میں اشارہ کیا کہ لو لا جاؤ۔ یہ من جملہ مقولہ سے ہے اور اس کے کذب ہونے کو پختہ کر رہا ہے۔

قوله: بنی حنظلہ: مراد یہ ہے کہ اس پر شرعی حکم لگائیں گے کہ اس کی خبر واقعہ کے مطابق نہیں حکم کا مدار ظاہری شہادت پر ہے۔

قوله: بنی الاخرۃ: یعنی عفو و مغفرت دونوں مقدر کیے گئے ہیں۔

قوله: بِأَلْسِنَتِكُمْ: زبان سے بیان کرنا۔

قوله: مَا تَكُنْ لَكُمْ: تم منہ سے ایک خاص بات دہراتے تھے جس میں دلوں کی مساعدت نہ تھی کیونکہ اس کے جاننے سے تمہارے دلوں میں کوئی تغیر نہ تھا۔

قوله: هُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ: یہ تین گناہ ہیں جن سے عذاب سے معلق کیا۔ (۱) زبان سے الگ کا دہرانا (۲) بلا تحقیق اس کی بات کرنا (۳) اس کو معمولی قرار دینا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے گناہ ہیں۔

قوله: بِهَذَا: اس سے قذف کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: سَبَّحَكَ: یہ تعجب کے لئے ہے۔ ان لوگ کے متعلق جو یہ بات کر رہے تھے۔

قوله: كَذَّبَ عَظِيمًا: اس سے اشارہ کیا کہ گناہ کی حقارت اور بڑھائی یہ تعلقات کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

قوله: وَلَا تَقْضُ: اس کا جواب لعاجلکم بالعقوبہ حذف کر دیا۔ یہ ارشاد جلد کی سزا کے ترک کرنے کو احسان کے طور پر ذکر کیا۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِآلِكَ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ بنتی النبیؐ کی پاکیزگی کی شہادت:

اس آیت سے لے کر سویں آیت تک ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا جس پر اللہ کو بہ سبب قربت داری رسول اللہ ﷺ غیرت آئی اور یہ آیت نازل فرمائی تاکہ رسول اللہ ﷺ کی آبرو پر حرف نہ آئے۔ ان بہتان بازوں کی ایک رٹی تھی۔ اس لعنتی کام میں سب سے پیش پیش عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا جو تمام منافقوں کا گرو گھٹال تھا۔ اس بے ایمان نے ایک ایک کان میں بتایا کہ اور معاول چڑھا چڑھا کر یہ باتیں خوب گھڑ گھڑ کر پہنچائی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کی زبان بھی کھلنے لگی تھی اور یہ چہ میگوئیاں قریب قریب مہینے بھر تک چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس واقعے کا پورا بیان صحیح احادیث میں موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ سفر میں جانے کے وقت آپ ﷺ اپنی بیویوں کے نام کا قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ایک غزوے کے موقع پر میرا نام نکلا۔ میں آپ کے ساتھ چلی، یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے۔ میں اپنے ہودج میں بیٹھی رہتی اور جب قافلہ کہیں اترتا تو میرا ہودج اتار لیا جاتا۔ میں اسی میں بیٹھی رہتی جب قافلہ چلتا تو نبی ہودج رکھ دیا جاتا۔ آنحضرت ﷺ غزوے سے فارغ ہوئے، واپس لوٹے، مدینے کے قریب آگئے رات کو چلنے کی آواز لگائی گئی میں قضاء حاجت کیلئے نکل اور لشکر کے ہذا سے دور جا کر میں نے قضاء حاجت کی۔ پھر واپس لوٹی، لشکر گاہ کے قریب آ کر میں نے اپنے گلے کو ٹٹولا تو ہار نہ پایا۔ میں ابلیس اس کے ڈھونڈنے کیلئے چلی اور تلاش کرتی رہی۔ یہاں یہ ہوا کہ لشکر نے کوچ کر دیا جو لوگ میرا ہودج اٹھاتے تھے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں حسب عادت اندر ہی ہوں۔ ہودج اٹھا کر اوپر رکھ دیا اور چل پڑے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت تک عورتیں نہ کچھ ایسا کھاتی پیتی تھیں نہ وہ بھاری بدن کی بو جھل تھیں۔ تو میرے ہودج کے اٹھانے والوں کو میرے ہونے نہ ہونے کا مطلق پتہ نہ چلا۔ اور میں اس وقت اوائل عمر کی تو تھی ہی۔ الغرض بہت دیر کے بعد مجھے میرا ہار ملا جب میں یہاں پہنچی تو کسی آدمی کا نام دیکھا بھی نہ تھا نہ کوئی پکارنے والا، نہ جواب دینے والا، میں اپنے نشان کے مطابق وہیں پہنچی، جہاں ہمارا اونٹ بٹھایا گیا تھا اور وہاں انتظار میں بیٹھ گئی تاکہ آپ ﷺ جب آگے چل کر میرے نہ ہونے کی خبر پائیں گے تو مجھے تلاش کرنے کیلئے یہیں آئیں گے۔

مجھے پیٹھے پیٹھے نیند آگئی۔ اتفاق سے حضرت صفوان بن معطل سلمیٰ ذکوانیؓ جو لشکر کے پیچھے رہے تھے اور پچھلی رات کو چلے تھے، صبح کی روشنی میں یہاں پہنچ گئے۔ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھ کر خیال آنا ہی تھا۔ غور سے دیکھا تو چونکہ پردے کے حکم سے پہلے مجھے انہوں نے دیکھا ہوا تھا۔ دیکھتے ہی پہچان گئے اور با آواز بلند ان کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلان کی آواز سننے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں اپنی چادر سے اپنا منہ ڈھانپ کر سنبھل بیٹھی۔ انہوں نے جھٹ اپنے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا میں انھی اور اونٹ پر سوار ہو گئی۔ انہوں نے اونٹ کو کھڑا کر دیا اور بھاگتے ہوئے لے چلے۔ قسم اللہ کی نہ وہ مجھ سے کچھ بولے، نہ میں نے ان سے کوئی کلام کیا نہ سوائے انا للہ کے میں نے ان کے منہ سے کوئی کلمہ سنا۔ دوپہر کے قریب ہم اپنے قافلے سے مل گئے۔ پس اتنی سی بات کا ہلاک ہونے والوں نے بتگلو بنالیا۔ ان کا سب سے بڑا اور بڑھ کر باتیں بنانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ مدینے آتے ہی میں بیمار پڑ گئی اور مہینے بھر تک بیماری میں گھر ہی میں رہی، نہ میں نے کچھ سنا، نہ کسی نے مجھ سے کہا جو کچھ غل غپاڑہ لوگوں میں ہو رہا تھا، میں اس سے محض بے خبر تھی۔ البتہ میرے جی میں یہ خیال بسا اوقات گزرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر و محبت میں کمی کی کیا وجہ ہے؟ بیماری میں عام طور پر جو شفقت حضور ﷺ کو میرے ساتھ ہوتی تھی اس بیماری میں وہ بات نہ پاتی تھی۔ مجھے رنج تو بہت تھا مگر کوئی وجہ معلوم نہ تھی۔ پس آنحضرت ﷺ تشریف لاتے سلام کرتے اور در یافت فرماتے طبیعت کیسی ہے! اور کوئی بات نہ کرتے اس سے مجھے بڑا صدمہ ہوتا مگر بہتان بازوں کی نہت سے میں بالکل غافل تھی۔ اب سنئے اس وقت تک گھروں میں پاخانے نہیں ہوتے تھے اور عرب کی قدیم عادت کے مطابق ہم لوگ میدان میں قضاء حاجت کیلئے جایا کرتے تھے۔ عورتیں عموماً رات کو جایا کرتی تھیں۔ گھروں میں پاخانے بنانے سے عام طور پر نفرت تھی۔ حسب عادت میں، ام مسطح بنت ابی رہم بن عبدالمطلب بن عبدالمناف کے ساتھ قضائے حاجت کیلئے چلی۔ اس وقت میں بہت ہی کمزور ہو رہی تھی یہ ام مسطح میرے والد صاحبؓ کی خالہ تھیں ان کی والدہ سحر بن عامر کی لڑکی تھیں، ان کے لڑکے کا نام مسطح بن اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب تھا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو حضرت ام مسطح کا پاؤں چادر کے دامن میں الجھا اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ مسطح غارت ہو۔ مجھے بہت برا لگا اور میں نے کہا کہ تم نے بہت برا کلمہ بولا، تو یہ کرو تم اسے گالی دیتی ہو، جس نے جنگ بدر میں شرکت کی۔ اس وقت ام مسطحؓ نے کہا بھولی بیوی آپ کو کیا معلوم؟ میں نے کہا کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے جو آپ کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی میں ان کے سر ہو گئی کہ کم از کم مجھ سے سارا واقعہ تو کہو۔ اب انہوں نے بہتان باز لوگوں کی تمام کارستانیاں مجھے سنائیں۔ میرے تو ہاتھوں کے ٹوٹے اڑ گئے، رنج و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا، مارے صدمے کے میں تو اور بیمار ہو گئی۔ بیمار تو پہلے سے ہی تھی، اس خبر نے تو نڈھال کر دیا، جوں توں کر کے گھر پہنچی۔ اب صرف یہ خیال تھا میں اپنے میکے جا کر اور اچھی طرح معلوم تو کر لوں کہ کیا واقعی میری نسبت ایسی افواہ پھیلانی گئی ہے؟ اور کیا کیا مشہور کیا جا رہا ہے؟ اتنے میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے، سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو اپنے والد صاحب کے ہاں ہو آؤں۔ آپ ﷺ نے اجازت دیدی، میں یہاں آئی، اپنی والدہ سے پوچھا کہ اماں جان لوگوں میں کیا باتیں پھیل رہی ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی یہ تو لہایت معمولی بات ہے تم اتنا اپنا دل بھاری نہ کرو، کسی شخص کی اچھی بیوی جو اسے محبوب ہو اور اس کی سونکھیں بھی ہوں وہاں ایسی

باتوں کا کھڑا ہونا تو لازمی امر ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا واقعی لوگ میری نسبت ایسی افواہیں اڑا رہے ہیں؟ اب تو مجھے لہجہ رنج نے اس قدر گھیرا کہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت سے جو رونا شروع ہوا اللہ ایک دم بھر کیلئے میرے آنسو نہیں تھمے، میں ہر ڈال کر روتی رہتی۔ کس کا کھانا پینا، کس کا سونا بیٹھنا، کہاں کی بات چیت، غم و رنج اور رونا ہے اور میں ہوں۔ ساری رات اسی حالت میں گزری کہ آنسو کی لڑی نہ تھمی دن کو بھی یہی حال رہا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو بلوایا، وحی میں دیر ہوئی، اللہ کی طرف سے آپ کو کوئی بات معلوم نہ ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات سے مشورہ کیا کہ آپ مجھے الگ کر دیں یا کیا؟ حضرت اسامہؓ نے تو صاف کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی اہل پرکری برائی نہیں جانتے۔ ہمارے دل ان کی عفت، عزت اور شرافت کی گواہی دینے کیلئے حاضر ہیں۔ ہاں حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے آپ پر کوئی تنگی نہیں، عورتیں ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ اگر آپ گھر کی خادمہ سے پوچھیں تو آپ کو صحیح واقعہ معلوم ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت گھر کی خادمہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ عائشہ کی کوئی بات شک و شبہ والی کبھی بھی دیکھی ہو تو بتاؤ۔ بریرہ نے کہا اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ان سے کوئی بات کبھی اس قسم کی نہیں دیکھی۔ ہاں صرف یہ بات ہے کہ کم عمری کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی گندھا ہوا آنا یونہی رکھا رہتا ہے اور سو جاتی ہیں تو بکری آکر کھا جاتی ہے، اس کے سوا میں نے ان کا کوئی قصور کبھی نہیں دیکھا۔ چونکہ کوئی ثبوت اس واقعہ کا نہ ملا اس لئے اسی دن رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کون ہے؟ جو مجھے اس شخص کی ایذاؤں سے بچائے جس نے مجھے ایذائیں پہنچاتے پہنچاتے اب تو میری گھردالیوں میں بھی ایذائیں پہنچانا شروع کر دی ہیں۔ واللہ میں جہاں تک جانتا ہوں مجھے اپنی گھردالیوں میں سوائے بھلائی کے کوئی چیز معلوم نہیں، جس شخص کا نام یہ لوگ لے رہے ہیں، میری دانست تو اس کے متعلق بھی سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں وہ میرے ساتھ ہی گھر میں آتا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں موجود ہوں اگر وہ قبیلہ اوس کا شخص ہے تو ابھی ہم اس کی گردن تن سے الگ کرتے ہیں اور اگر وہ ہمارے خزر ج بھائیوں سے ہے تو بھی آپ ﷺ جو حکم دیں ہمیں اس کی قییل میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ سن کر حضرت سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو گئے یہ قبیلہ خزر ج کے سردار تھے۔ تھے تو بڑے نیک بخت مگر حضرت سعد بن معاذؓ سے کہنے لگے نہ تو تو اسے قتل کرے گا نہ اس کے قتل پر تو قادر ہے اگر وہ تیرے قبیلے کا ہوتا تو تو اس کا قتل کیا جانا کبھی پسند نہ کرتا۔ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیرؓ کھڑے ہو گئے یہ حضرت سعد بن معاذؓ کے بھتیجے ہوتے تھے کہنے لگے اے سعد بن عبادہ تم جھوٹ کہتے ہو، ہم اسے ضرور مار ڈالیں گے آپ منافق آدمی ہیں کہ منافقوں کی طرف دارا کر رہے ہیں۔ اب ان کی طرف سے ان کا قبیلہ اور ان کی طرف سے ان کا قبیلہ ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گیا اور قریب تھا کہ اوس و خزر ج کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑ پڑیں۔ حضور ﷺ نے منبر پر سے ہی انہیں سمجھانا اور چپ کرانا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں طرف خاموشی ہو گئی۔ حضور ﷺ بھی چپکے ہو رہے یہ تو تھا وہاں کا واقعہ۔ میرا حال یہ تھا کہ یہ سارا دن بھی رونے میں ہی گزرا۔ میرے اس رونے نے میرے ماں باپ کے بھی ہوش گم کر دیئے تھے، وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ رونا میرا کچھ بھار دے گا۔ دونوں حیرت زدہ مغموم بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا اتنے میں انصار کی ایک عورت آئی

اور وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی ہم یونہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے میرے پاس بیٹھ گئے۔ قسم اللہ کی جب سے یہ بہتان بازی ہوئی تھی آج تک رسول اللہ ﷺ میرے پاس کبھی نہیں بیٹھے تھے۔ مہینہ بھر زرمی تھا کہ حضور ﷺ کی یہی حالت تھی۔ کوئی وجہ نہیں آئی تھی کہ فیصلہ ہو سکے۔ آپ نے بیٹھے ہی اول تو تشہد پڑھا پھر اما بعد زما کر فرمایا کہ اے عائشہ! تیری نسبت مجھے یہ خبر پہنچی ہے۔ اگر تو واقعی پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاکیزگی ظاہر فرمادے گا اور اگر فی الحقیقت تو کسی گناہ میں آلودہ ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفر کر اور توبہ کر، بندہ جب گناہ کر کے اپنے گناہ کے اقرار کے ساتھ اللہ کی طرف جھکتا ہے اور اس سے معافی طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ آپ اتنا فرما کر خاموش ہو گئے یہ سننے ہی میرا دوا دھونا سب جاتا رہا۔ آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ میں نے اول تو اپنے والد سے درخواست کی کہ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو آپ ہی جواب دیجئے لیکن انہوں نے فرمایا کہ واللہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضور ﷺ کو کیا جواب دوں؟ اب میں نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے لیکن انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیا جواب دوں؟ آخر میں نے خود ہی جواب دینا شروع کیا۔ میری عمر کچھ ایسی بڑی تو نہ تھی اور نہ مجھے زیادہ قرآن حفظ تھا۔ میں نے کہا، آپ سب نے ایک بات سنی، اسے آپ نے دل میں بٹھالیا اور گویا سچ سمجھ لیا۔ اب اگر میں کہوں گی کہ میں اس سے بالکل بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں تو تم ابھی مان لو گے۔ میری اور تمہاری مثال تو بالکل حضرت ابویوسف علیہ السلام کا یہ قول ہے: **قَصَبٌ جَوِيلٌ وَاللّٰهُ السَّعَّانُ عَلٰی مَا يَصِفُوْنَ** ۵ پس صبر ہی اچھا ہے جس میں شکایت کا نام ہی نہ ہو اور تم جو باتیں بناتے ہو ان میں اللہ ہی بری مدد کرے، اتنا کہہ کر میں نے کروٹ پھیر لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اللہ کی قسم مجھے یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ تعالیٰ میری براءت اپنے رسول ﷺ کو ضرور معلوم کر دے گا لیکن یہ تو میرے شان و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس سے بہت کم تر جانتی تھی کہ میرے بارے میں کلام اللہ کی آیتیں اتریں۔ ہاں مجھے زیادہ سے زیادہ یہ خیال ہوتا تھا کہ ممکن ہے خواب میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو میری براءت دکھا دے۔ واللہ ابھی تو نہ رسول ﷺ اپنی جگہ سے ہٹے تھے اور نہ گھر والوں میں سے کوئی گھر سے باہر نکلا تھا کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ اور چہرہ پر وہی آثار ظاہر ہوئے جو وحی کے وقت ہوتے تھے اور پیشانی سے پسینے کی پاک بوندیں نچنے لگیں۔ سخت جاذبوں میں بھی وحی کے نزول کی یہی کیفیت ہوا کرتی تھی، جب وحی اتر چکی تو ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ ہنسی سے شگفتہ ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا عائشہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت نازل فرمادی۔ اسی وقت میری والدہ نے فرمایا بیٹی حضور ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے جواب دیا کہ واللہ نہ تو میں آپ کے سامنے کھڑی ہوں گی اور نہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی تعریف کر دوں گی اسی نے میری براءت اور پاکیزگی نازل فرمائی ہے۔ پس آیت **اِنَّ النَّفْسَ جَاءُ وَاِلَّا فَاُفٍّ** سے لے کر دس آیتوں تک نازل ہوئیں۔ ان آیتوں کے اترنے کے بعد اور میری پاک دامنی ثابت ہو چکنے کے بعد اس شر کے پھیلانے میں حضرت مسطح بن اثاثہ بھی شریک تھے اور انہیں میرے والد صاحب ان کی محتاجی اور ان کی ترابست داری کی وجہ سے ہمیشہ کچھ دیتے رہتے تھے۔ اب انہوں نے کہا جب اس شخص نے میری بیٹی پر تہمت باندھنے

میں حصہ لیا تو اب میں اس کے ساتھ کچھ بھی سلوک نہ کروں گا۔ اس پر آیت (ولا یاتلوا الفصل الخ) نازل ہوئی یعنی تم میں سے جو لوگ بزرگی اور وسعت والے ہیں، انہیں نہ چاہئے کہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ کے مہاجرین سے سلوک نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ یہ بخشش والا اور مہربانی والا اللہ تمہیں بخش دے؟ اسی وقت اس کے جواب میں صدیق اکبرؓ نے فرمایا قسم اللہ کی میں تو اللہ کی بخشش کا خواہاں ہوں۔ چنانچہ اسی وقت حضرت مسیحؑ کا وظیفہ جاری کر دیا اور فرمایا کہ واللہ اب عمر بھر تک اس میں کمی یا کوتاہی نہ کروں گا۔ میرے اس واقعہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی جو آپ کی بیوی صاحبہ تھیں دریافت فرمایا تھا۔ یہی بیوی صاحبہ تھیں جو حضور کی تمام بیویوں میں میرے مقابلے کی تھیں لیکن یہ اپنی پرہیزگاری اور دین داری کی وجہ سے صاف بیچ گئیں اور جواب دیا کہ حضور ﷺ میں تو سوائے بہتری کے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اور کچھ نہیں جانتی۔ میں اپنے کانوں کو اور اپنی نگاہ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ گوا نہیں ان کی بہن حسنہ بنت جحش نے بہت کچھ بہلا دے بھی دیئے بلکہ لڑ پڑیں لیکن انہوں نے اپنی زبان سے میری برائی کوئی کلمہ نہیں نکالا۔ ہاں ان کی بہن نے تو زبان کھول دی اور میرے بارے میں ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئی۔ یہ روایت بخاری مسلم وغیرہ حدیث کی بہت سی کتابوں میں ہے۔ ایک سند سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ سفر حضر میں میرے ساتھ رہا میری عدم موجودگی میں کبھی میرے گھر نہیں آیا اس میں ہے کہ سعد بن معاذؓ کے مقابلہ میں جو صاحب کھڑے ہوئے انہی کے قبیلے میں ام مسطح تھیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اسی خطبہ کے دن کے بعد رات کو میں ام مسطح کے ساتھ نکلی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہ پھسلیں اور انہوں نے اپنے بیٹے مسطح کو کوسا، میں نے منع کیا پھر پھسلیں، پھر کوسا، میں نے پھر روکا۔ پھر الجھیں، پھر کوسا تو میں نے انہیں ڈانٹا ٹروا کیا۔ اس میں ہے کہ اسی وقت سے مجھے بخار چڑھ آیا۔ اس میں ہے کہ میری والدہ کے گھر پہنچانے کیلئے میرے ساتھ حضور ﷺ نے ایک غلام کر دیا تھا۔ میں جب وہاں پہنچی تو میرے والد اوپر کے گھر میں تھے۔ تلاوت قرآن میں مشغول تھے اور والدہ نیچے کے مکان میں تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی میری والدہ نے دریافت فرمایا! آج کیسے آنا ہوا؟ تو میں نے تمام چٹا کہہ سالی لیکن میں نے دیکھا کہ انہیں یہ بات نہ کوئی انوکھی بات معلوم ہوئی نہ اتنا صدمہ اور رنج ہوا جس کی توقع مجھے تھی۔ اس میں ہے کہ میں نے والدہ سے پوچھا کیا میرے والد صاحب کو بھی اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا اور رسول اللہ ﷺ تک بھی یہ بات پہنچی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ اب تو مجھے پھوٹ پھوٹ کر رونا آنے لگا یہاں تک کہ میری آواز اوپر میرے والد صاحب کے کان میں بھی پہنچی وہ جلدی سے نیچے آئے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ میری والدہ نے کہا کہ انہیں اس نہت کاظم ہو گیا ہے جو ان پر لگائی گئی ہے، یہ سن کر اور میری حالت دیکھ کر میرے والد صاحب کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور مجھ سے کہنے لگے بیٹی میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ ابھی اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ چنانچہ میں واپس چلی گئی۔ یہاں میرے پیچھے گھر کی خادمہ سے بھی میری بابت رسول اللہ ﷺ نے اور لوگوں کی موجودگی میں دریافت فرمایا۔ جس پر اس نے جواب دیا کہ میں عائشہؓ کوئی برائی نہیں دیکھتی بجز اس کے کہ وہ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، بے خبری سے سو جاتی ہیں۔ بسا اوقات آٹا بکریاں کھا جاتی ہیں۔ بلکہ اسے بعض لوگوں نے بہت ڈانٹا ڈپٹا بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ سچ بات جو ہو بتادے ان

پرست خنی کی لیکن اس نے کہا واللہ ایک سار خالص سونے میں جس طرح کوئی عیب کسی طرح تپا تپا کر بھی بنا نہیں سکتا۔ اسی طرح میں صدیقہ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتی۔ جب اس شخص کو یہ اطلاع پہنچی جنہیں بدنام کیا جا رہا تھا تو اس نے کہا قسم اللہ کی میں نے تو آج تک کسی عورت کا بازو کبھی کھولا ہی نہیں۔ بالآخر یہ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے (برائے) اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس عصر کی نماز کے بعد تشریف لائے تھے۔ اس وقت میری ماں اور میرے باپ میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ انصار یہ عورت جو آئی تھیں وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی تھیں اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے مجھے نصیحت شروع کی اور مجھ سے حقیقت حال دریافت کی تو میں نے کہا ہائے کیسی بے شرمی کی بات ہے؟ اس عورت کا بھی تو خیال نہیں؟ اس میں ہے کہ میں نے بھی اللہ کی حمد و ثناء کے بعد جواب دیا تھا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میں نے اس وقت ہر چند حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تلاش کیا لیکن واللہ وہ زبان پر نہ چڑھا، اسلئے میں نے ابو یوسف کہہ دیا۔ اس میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وحی کے اترنے کے بعد مجھے خوشخبری سنائی واللہ اس وقت میرا غم بھر اغمصہ بہت ہی بڑھ گیا تھا۔ میں نے اپنے ماں باپ سے بھی کہا تھا کہ میں اس معاملے میں تمہاری بھی شکر گزار نہیں۔ تم سب نے ایک بات سنی لیکن نہ تم نے انکار کیا نہ تمہیں ذرا غیرت آئی۔ اس میں ہے کہ اس قصے کو زبان پر لانے والے حسنہ بنت جحش، مسطح، حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن ابی منافق تھے۔ یہ سب کا سر غنہ تھا اور یہی زیادہ تر لگاتار بجاتا تھا اور حدیث میں ہے کہ میرے غدر کی یہ آیتیں اترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت کو تہمت کی حد لگائی یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حسنہ بنت جحش کو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے اوپر تہمت لگنے کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ اس کا علم آپ کے والد اور حضور ﷺ کو ہو چکا ہے تو آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ذرا ہوش میں آئیں تو سارا جسم تپ رہا تھا اور زور کا بخار چڑھا ہوا تھا اور کانپ رہی تھیں۔ آپ کی والدہ نے اسی وقت لحاف اوڑھا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ آئے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ میں نے کہا جاڑے سے بخار چڑھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید اس خبر کو سن کر یہ حال ہو گیا ہوگا؟ جب آپ کے غدر کی آیتیں اتریں اور آپ نے انہیں سن کر فرمایا کہ یہ اللہ کے فضل سے ہے نہ کہ آپ کے فضل سے۔ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا تم رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کہتی ہو؟ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہاں۔ اب آجوں کا مطلب سنئے جو لوگ جھوٹ بہتان گھڑی ہوئی بات لے آئے اور وہ ہیں بھی زیادہ اسے تم اے آل ابی بکرؓ اپنے لئے برانہ سمجھو بلکہ انجام کے لحاظ سے دین و دنیا میں وہ تمہارے لئے بھلا ہے۔ دنیا میں تمہاری صداقت ثابت ہوگی، آخرت میں بلند مراتب ملیں گے۔ حضرت عائشہ کی براءت قرآن کریم میں نازل ہوگی، جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت ابن عباسؓ اماں صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المؤمنین آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ رہیں اور حضور ﷺ محبت سے پیش آتے رہے اور حضور ﷺ نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترنا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت

قرآن میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطلؓ مجھے اپنی سواری پر بٹھالائے تھے۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا یہ تو کیا؟ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ اس پر وہ بیل اٹھیں کہ تم نے مؤمنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا۔ اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے، جو اسے ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہے اس کیلئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے گو کسی کسی نے کہا کہ مراد اس سے حسان ہیں لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ چونکہ یہ قول بھی ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں بیان کر دیا ورنہ اس کے بیان میں بھی چنداں نفع نہیں کیونکہ حضرت حسانؓ بڑے بزرگ صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی بہت سی فضیلتیں اور بزرگیاں احادیث میں موجود ہیں۔ یہی تھے جو کافر شاعروں کی ججو کے شعروں کا اللہ کے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے تھے۔ انہی سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم کفار کی مذمت بیان کرو جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت سروقؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا۔ حکم دیا کہ ان کیلئے گدی بچھا دو، جب وہ وہاں چلے گئے تو میں نے کہا کہ آپ انہیں کیوں آنے دیتی ہیں؟ ان کے آنے سے کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ان میں سے جو تہمت کا والی ہے اس کیلئے بڑا عذاب ہے تو ام المؤمنینؓ نے فرمایا اندھا ہونے سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا یہ ناپینا ہو گئے تھے۔ تو فرمایا شاید یہی عذاب عظیم ہو۔ پھر فرمایا تمہیں نہیں خبر؟ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کافروں کے ججو والے اشعار کا جواب دینے پر مقرر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسانؓ نے اس وقت حضرت عائشہؓ کی مدح میں شعر پڑھا تھا کہ آپ پاک دامن، بھولی، تمام اوجھے کاموں سے، غیبت اور برائی سے پرہیز کرنے والی ہیں، تو آپؐ نے فرمایا تم تو ایسے نہ تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مجھے حضرت حسانؓ کے شعروں سے زیادہ اچھے اشعار نظر نہیں آتے اور میں جب کبھی ان شعروں کو پڑھتی ہوں تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ حسان جنتی ہیں۔ وہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو خطاب کر کے اپنے شعروں میں فرماتے ہیں تو نے محمد ﷺ کی ججو کی ہے، جس کا میں جواب دیتا ہوں اور اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے پاؤں گا۔ میرے باپ دادا اور میری عزت آبرو سب محمد ﷺ پر قربان ہے، میں ان سب کو فنا کر کے بھی تمہاری بدزبانیوں کے مقابلے سے ہٹ نہیں سکتا۔ تجھ جیسا شخص جو میرے نبی ﷺ کے کف پاکی ہمسری بھی نہیں کر سکتا حضور ﷺ کی ججو کرے؟ یا رکھو کہ تم جیسے بد حضور ﷺ جیسے نیک پر خدا ہیں۔ جب تم نے حضور ﷺ کی ججو کی ہے تو اب میری زبان سے جو تیز دھارا بے عیب تلوار سے بھی تیز ہے۔ بچ کر تم کہاں جاؤ گے؟ ام المؤمنینؓ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لغو کلام نہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں لغو کلام تو شاعروں کی وہ بکواس ہے جو غورتوں وغیرہ کے بارے میں ہوتی ہے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کیا قرآن میں نہیں کہ اس تہمت میں بڑا حصہ لینے والے کیلئے برا عذاب ہے؟ فرمایا ہاں لیکن کیا جو عذاب انہیں ہوا بڑا نہیں؟ آنکھیں ان کی جاتی رہیں، تلوار ان پر انھی، وہ تو کہتے حضرت صفوان رک گئے ورنہ عجب نہیں کہ ان کی نسبت یہ بات سن کر انہیں قتل ہی کر ڈالتے۔

ان آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ مؤمنوں کو ادب سکھاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کی شایان شان نہ تھے بلکہ انہیں چاہئے تھا کہ یہ کلام سنتے ہی اپنی شرعی ماں کے ساتھ کم از کم وہ خیال کرتے جو اپنے نفسوں کے ساتھ کرتے، جب کہ وہ اپنے آپ کو بھی ایسے کام کے لائق نہ پاتے تو شان ام المؤمنین کو اس سے بہت اعلیٰ اور بالا جانتے۔ ایک واقعہ بھی بالکل اسی طرح کا ہوا تھا۔ حضرت ابویوب خالد بن زید انصاریؓ سے ان کی بیوی صاحبہ ام ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے وہ بھی سنا جو حضرت عائشہ کی نسبت کہا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور یہ یقیناً جھوٹ ہے۔ ام ایوب تم ہی بتاؤ کیا تم کبھی ایسا کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ نعوذ باللہ ناممکن۔ آپ نے فرمایا پس حضرت عائشہ تو تم سے کہیں افضل اور بہتر ہیں۔ پس جب آیتیں اتریں تو پہلے تو بہتان بازوں کا ذکر ہوا۔ یعنی حضرت حسانؓ اور ان کے ساتھیوں کا پھر ان آیتوں کا ذکر ہوا۔ حضرت ابویوبؓ اور ان کی بیوی صاحبہ کی اس بات چیت کا جو اوپر مذکور ہوئی۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابی بن کعبؓ کا تھا۔ الغرض مؤمنوں کو صاف باطن رہنا چاہئے اور اچھے خیال کرنے چاہئیں بلکہ زبان سے بھی ایسے واقعہ کی تردید اور تکذیب کر دینی چاہئے۔ اس لئے کہ جو کچھ واقعہ گزرا اس میں شک شبہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کھلم کھلا سواری پر سوار دن دیہاڑے بھرے لشکر میں پہنچی ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اگر اللہ نہ کرے خاکم بدہن کوئی بھی ایسی بات ہوتی تو یہ اس طرح کھلے بندوں عام مجمع میں نہ آتے بلکہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر شامل ہو جاتے جو کسی کو کانوں کان خبر تک نہ پہنچے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بہتان بازوں کی زبان نے جو قصہ گھڑا وہ محض جھوٹ بہتان اور افتراء ہے۔ جس سے انہوں نے اپنے ایمان اور اپنی عزت کو غارت کیا۔ پھر فرمایا کہ ان بہتان بازوں نے جو کچھ کہا اپنی چٹائی پر چار گواہ واقعہ کے کیوں پیش نہیں کئے؟ اور جب کہ یہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو شرعاً اللہ کے نزدیک وہ جھوٹے ہیں۔ ناس و فاجر ہیں۔

پہلے تحقیق کرو پھر بولو:

پہلے تو نیک گمانی کا حکم دیا۔ یہاں دوسرا حکم دے رہا ہے کہ بھلے لوگوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بغیر تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہئے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے۔ کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہیں گودل میں کوئی ایسا دوسرہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے درگزر فرمالیا ہے، جب تک وہ زبان سے نہ کہیں یا عمل میں نہ لائیں (بخاری مسلم) تمہیں چاہئے تھا کہ ایسے بے ہودہ کلام کو سنتے ہی کہہ دیجئے کہ ہم ایسی لغویات سے اپنی زبان نہیں بگاڑتے۔ ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے خلیل اور اس کے رسول ﷺ کی بیوی صاحبہ کی نسبت کوئی ایسی لغویات کہیں، اللہ کی ذات پاک ہے۔ دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایمان سے ہی کورا ہو تو

وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ احکام شرعیہ کو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ

اس آیت میں بطور قاعدہ کلیہ ایک بات بتادی اور یہ فرمایا کہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہوان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ کو تہمت لگانے میں حصہ لیا اس میں ان کو بھی تنبیہ ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی تنبیہ ہے تہمت لگانا تو گناہ ہے ہی اگر کوئی شخص کسی کو تہمت دے یا کسی شخص سے بے حیائی کا گناہ صادر ہو ہی جائے اور اس کا کسی کو پتہ چل جائے تب بھی اس بات کو نہ اچھائے گناہ گار کی پردہ پوشی کرے ہاں سمجھانے کا اہل ہو تو اصلاح کی نیت سے احسن طریقہ پر سمجھانے اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص نے بے حیائی کا کام کیا ہے تو امیر المؤمنین یا قاضی حسب قانون شرعی حد جاری کر دے اس حد جاری کرنے میں بھی بے حیائی کی روک تھام ہے۔ بے حیائی کا عملی طور پر پھیلانا یا کسی بے حیائی والے کام کا چرچا کرنا اور شہرت دینا یہ سب یُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ میں داخل ہے جو لوگ ایسی حرکت کریں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم کی وعید بیان فرمائی۔

آج کل فواحش اور منکرات کا زور ہے یہود و نصاریٰ مسلمانوں میں بے حیائی کا رواج دینے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمان خود بھی ایسی ایسی فلمیں دیکھتے اور بناتے ہیں اور ایسے ایسے اخبار و رسالے شائع کرتے ہیں اور ایسے ایسے ناول اور افسانے لکھتے ہیں جن سے مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہوتا ہے ان کو سب (لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) کی وعید شامل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ طُرُقِ الشَّيْطَانِ ۚ أَيُّ تَزَيِّنَهِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ أَيْ الْمُنْتَبِعِ يَأْمُرُ

بِالْفَحْشَاءِ أَيْ الْقَبِيحِ وَالْمُنْكَرِ ۚ شَرُّ عَابَاتِنَا عَلَيْهَا وَلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ أَنِهَا الْعُصْبَةُ

بِمَا قُلْتُمْ مِنَ الْإِفْكِ مَنْ أَحَدٌ أَبَدًا ۚ أَيُّ مَا صَلَحَ وَطَهَّرَ مِنْ هَذَا الذَّنْبِ بِالتَّوْبَةِ مِنْهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَكْفِي

مَنْ يَشَاءُ ۚ مِنَ الذَّنْبِ يَقْبُولُ تَوْبَتَهُ مِنْهُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ ۚ لِمَا قُلْتُمْ عَلَيْهِمْ ۖ بِمَا قَصَدْتُمْ وَلَا يَأْتِلُ يَحْلِفُ أُولُوا

الْفَضْلِ أَيُّ أَصْحَابِ الْغِنَى مِنْكُمْ ۚ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

نَزَلَتْ فِي أَبِي بَكْرٍ حَلَفَ أَنْ لَا يُنْفِقَ عَلَىٰ مَسْطَحٍ وَهُوَ ابْنُ خَالَتِهِ مَسْكِينٌ مُهَاجِرٌ بَدْرِيٍّ لِمَا خَاضَ فِي

الْإِفْكِ بَعْدَ أَنْ كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَنَاسٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَقْسَمُوا أَنْ لَا يَصْدَقُوا عَلَىٰ مَنْ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ مِنَ

الْإِفْكِ وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا ۚ عَنْهُمْ فِي ذَلِكَ أَلَّا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ لِلْمُؤْمِنِينَ قَالَ

أَبُو بَكْرٍ بَلَىٰ أَنَا أَحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لِي وَرَجَعَ إِلَىٰ مَسْطَحٍ مَا كَانَ يُنْفِقُهُ عَلَىٰ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ بِالزُّنَا

الْعَفَائِفُ الْغَفْلَتِ عَنِ الْفَوَاحِشِ بَانَ لَا يَقَعُ فِي قُلُوبِهِنَّ فَعَلَهَا الْمُؤْمِنَتِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَعَنُوا
 فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ نَأْصِبُهُ الْإِسْتِقْرَارَ الَّذِي تَعْلَقُ بِهِ لَهُمْ تَشْهَدُ بِالْفَوْقَانِيَةِ
 وَالْخِثَابَةِ عَلَيْهِمُ السِّتْمُ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مِنْ قَوْلٍ وَفِعْلٍ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَوْمَ يَمُنُّ
 بِهِمُ اللَّهُ وَيَتْلُوهُمُ الْحَقُّ يُجَازِيهِمْ جَزَاءَهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝ حَيْثُ حَقَّقَ
 لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِي كَانُوا يَشْكُرُونَ فِيهِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَبِي وَالْمُحَصِّلُ هُنَا زَوَاجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرْ فِي قَدْ فِيهِ تَوْبَةٌ وَمَنْ ذَكَرْ فِي قَدْ فِيهِ أَوَّلُ سُورَةِ التَّوْبَةِ غَيْرُهُنَّ الْخَبِيثَاتُ مِنَ النِّسَاءِ وَ
 مِنَ الْكَلِمَاتِ لِلْخَبِيثَاتِ مِنَ النَّاسِ وَالْخَبِيثُونَ مِنَ النَّاسِ لِلْخَبِيثَاتِ مِمَّا ذَكَرَ وَالْكَذِبُ مِمَّا ذَكَرَ
 الْكَذِبُ مِنَ النَّاسِ وَالطَّيِّبُونَ مِنْهُمْ لِلطَّيِّبَاتِ مِمَّا ذَكَرَ أَيُّ اللَّائِقِ بِالْخَبِيثِ مِثْلَهُ وَالطَّيِّبِ مِثْلَهُ أُولَئِكَ
 الطَّيِّبُونَ وَالطَّيِّبَاتُ مِنَ النِّسَاءِ مِنْهُمْ غَائِشَةُ وَصَفْوَانُ مَبْرُورُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۝ أَيُّ الْخَبِيثَاتِ وَالْخَبِيثَاتِ
 مِنَ النِّسَاءِ فِيهِمْ لَهُمُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ النِّسَاءِ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ فِي الْجَنَّةِ وَقَدْ افْتَحَرَتْ
 غَائِشَةُ بِأَشْيَاءِ مِنْهَا أَنَّهُ خُلِقَتْ طَيِّبَةً وَوُعِدَتْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقًا كَرِيمًا

ترجمہ: اے ایمان والوں تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو (یعنی شیطانی راستہ پر جو اس کا مزین کیا ہوا ہے) اور جو شخص
 شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ (مبتوع شیطان) بے حیائی اور نامعقول ہی کام کرنے کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل
 اکرم نہ ہوتا (اے جماعت مومن جو کچھ تم نے تہمت کے سلسلہ میں کہا تھا توبہ کر کے) تم میں سے کوئی بھی بھی پاک صاف نہ
 ہوتا (اس گناہ کی گندگی سے) اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک و صاف کر دیتا ہے (گناہ سے اس کی توبہ قبول کر کے اس
 سے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنا (ہے جو کچھ بھی تم نے کہا) سب کچھ جانتا ہے (جس چیز کا بھی تم نے قصد کیا) اور جو لوگ تم میں
 امت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت والوں کو اپنے سے قسم نہ کھا بیٹھیں (یہ آیت حضرت
 ابو بکر کے اس واقعہ میں نازل ہوئی کہ انھوں نے حضرت مسطح کے بارے میں فرمایا: (جو ان کے خالہ زاد بھائی تھے مسکین اور
 ہاجر بدری تھے جنھوں نے قصداً ملک میں حصہ لیا تھا) کہ وہ ان پر خرچ نہ کریں گے اور اس پر قسم کھائی اور نیز کچھ اور حضرات
 صحابہ نے بھی قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا ہے وہ ان پر صدقہ نہیں کریں گے اور چاہئے کہ معاف کریں اور
 دکر کریں (ان قصور کرنے والوں سے اس سلسلہ میں) کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے
 بلکہ اللہ تعالیٰ مومنین کے حق میں (غفور و رحیم ہے) حضرت ابو بکر نے اس آیت کو سکرار شاد فرمایا جی ہاں میں پسند کرتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے اور جو کچھ وہ حضرت مسیح پر صرف فرماتے تھے اس کو جاری فرمادیا اور جو لوگ زنا کاری تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں اور ایسی باتوں سے بھی محض بے خبر ہیں (کہ اس فعلِ زنا کو اختیار کرنے کا خیال تک بھی ان کے دلوں میں نہیں گذرتا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والیاں ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوگا جس روز (یوم کو نصب فعل استقر مخذوف نے نصب دیا ہے کہ جس کا تعلق اس کے ساتھ لہم سے ہے شہد یاہ اور تاء کے ساتھ ہے) ان کے خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی ان کا سواں کی کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے (قولی ہوں یا فعلی اور وہ قیامت کا دن ہے) اس روز اللہ ان کو انکا واجب بدلہ (الذین جزاء کے معنی اور الحق ثابت واجب کے معنی میں ہے) پورا پورا دے گا اور ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور بات کی حقیقت کو کھول دینے والا ہے (بایں صورت کہ جس بدلہ اور جزاء سے متعلق وہ لوگ شک و شبہ کرتے تھے جن میں رئیس منافق عبداللہ بن ابی بھی ہے ان پر ان کا بدلہ اور جزاء تحقق ہو جائے گی اور اس آیت میں وَالْمُحْصَنَاتُ سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ازواج ہیں کہ ان کی تہمت کے باب میں توبہ کا ذکر نہیں اور جن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کے حق میں توبہ کا تذکرہ سورت کے ابتدائی حصہ میں ہوا ہے وہ ازواجِ مطہرات کے علاوہ ہیں۔ گندی عورتیں (اور گندے کلمات) گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھری مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھری مرد عورتوں کے لائق ہوتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ خبیث کے لیے خبیث ہی لائق اور طیب اور پاکیزہ کے لیے طیب اور پاکیزہ ہی لائق ہوتے ہیں) یہ (پاکیزہ مرد اور عورتیں اور ان میں حضرت عائشہ اور حضرت صفوانؓ بھی ہیں) اس بات سے پاک ہیں جو یہ خبیث مرد عورتیں کہتے پھرتے ہیں ان حضرات کے لیے آخرت میں مغفرت اور عزت کی روزی (جنت میں) ہے۔ حضرت عائشہؓ چیزوں پر فخر فرماتی تھیں ان میں سے یہ بھی کہ میں پاکیزہ پیدا ہوئی ہوں اور مغفرت و رزق کریم کا وعدہ دے گئی ہوں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: خَطْبَاتٍ: راستے، یعنی بے حیائی کو ہوا دے کر شیطانی راہ مت چلو۔

قولہ: مَنْ يَتَّبِعْ: اس سے اتباع کی ممانعت کی علت بتائی۔

قولہ: رَحْمَةً: توبہ کی توفیق دی۔

قولہ: أَصْحَابُ الْبَنِيِّ: اس سے صدیق اکبرؓ کا مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔

قولہ: وَلْيَعْلَمُوا: جو ان سے زیادتی ہوگئی وہ چشم پوشی کریں۔

قولہ: إِلَّا سِتْرًا: یوم کو الاستقرار نے نصب دیا جس کے ساتھ لہم کا تعلق ہے۔ نہ کہ عذاب نے۔

قولہ: تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ: ایک موقعہ پر زبان گواہی دے گی دوسرے موقعہ پر بند کر دی جائے گی۔

قولہ: هُوَ الْحَقُّ: وہ اپنی ذات کے لحاظ سے ثابت اور اس کی الوہیت میں اس کا کوئی شرک نہیں۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ : یعنی
 شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہیے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں
 ہونٹن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں۔ تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھ لو
 شیطان نے ذرا سا چکر لگا کر کتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا اور کئی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اسکے قدم پر چل پڑے۔
 وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
 عَلِيمٌ : یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے
 جلس بندوں کی دستگیری فرما کر بستیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات
 ان خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس
 کی توبہ قبول ہونی چاہیے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سننا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا يَأْتِيكُمُ الْفُضْلُ مِنْكُمْ

حضرت عائشہ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطح تھے جو
 ایک مطلق مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔ قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق
 اکبرؓ کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکرؓ نے
 قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
 یعنی تم میں سے جن کو اللہ نکالی نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انھیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت
 بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہیں۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لیے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دستکش ہو
 جائے زنگیں اور بہادری کا کام نہیں۔ اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کرو۔ تمہاری شان یہ ہونی
 چاہیے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق
 تعالیٰ سے غلو درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہ ہی خواہش قرار کرنی چاہیے۔
 کہ اس میں مخلوق یا خلاق اللہ کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب سنا (أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
 لَكُمْ) (نور: ۲۲) (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟) تو فوراً بول اٹھے: ہنّی یا زینتاً إنا نُحِبُّ (بیشک اے پروردگار!
 ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرمادی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دینی کر
 شہادہ رضی اللہ عنہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ الْمُحْصَنَاتِ

اس آیت میں بظاہر مکرر وہ مضمون بیان ہوا ہے جس کا ذکر اس سے پہلے آیات قدف میں آچکا ہے: وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شَهَادَةٍ فَلْيَلِدُوهُمْ ثَلَاثِينَ جَلْدًا وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۸۸﴾ الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸۹﴾ لیکن درحقیقت ان دونوں میں ایک بڑا فرق ہے کیونکہ آیات حد قدف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے۔ اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ نیا ذرا ذریت کی لعنت اور عذاب عظیم بلا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی اور پھر اس سے توبہ نہیں کی، یہاں تک کہ قرآن میں ان کی براءت نازل ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اس افتراء پر قائم اور تہمت کا چچا کرنے میں مشغول رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کسی مسلمان سے ممکن نہیں اور جو مسلمان بھی انصاف قرآن کا ایسا خلاف کرے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اس لئے یہ مضمون ان منافقین کے بارے میں آیا ہے جنہوں نے آیات براءت صدیقہ نازل ہونے کے بعد بھی اس مشغلہ تہمت کو نہیں چھوڑا ان کے کافر منافق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تاہم ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فضل اللہ ورحمۃ فرما کر مرحوم دارین قرار دیا اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو اس آیت میں طعون و نیا ذریت فرمایا۔ تاہم ان کو عذاب سے نجات کی بشارت دی اور غیر تائبین کے لئے عذاب عظیم کی وعید فرمائی۔ تائبین کو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸۹﴾ فرما کر مغفرت کی بشارت دی اور غیر تائبین کو اگلی آیت یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ فِي سَعَاتٍ نہ ہونے کی وعید فرمائی۔ (۱۸۹)

ذکرہ سیدی فی بیان القرآن (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ

اس آیت میں فرمایا کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، اس میں اول تو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعتوں میں جو رکھا ہے گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی اور بدکار عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اسی طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کی طرف اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی طبیعت کی مناسبت کی وجہ سے اچھوں کو اچھا جوڑا مل جاتا ہے اور بدوں کو برا جوڑا حاصل ہوتا ہے اس سے معلوم ہو گیا حضرات انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ نے بیویاں عطا فرمائیں وہ پاکیزہ بیویاں تھیں رسول اللہ ﷺ جو تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں ان کی ازواج بھی طاہرات اور مطہرات اور پاکیزہ ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں سردار انبیاء ﷺ کی زوجیت کا شرف عطا فرمادیا تو اب ان کے بارے میں بری بات کا خیال کرنا اور زبان پر لانا رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس پر حملہ کرنے کے مترادف ہوا۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے والوں کے بارے میں (جنہوں نے بری بات کو اٹھایا اور آگے بڑھایا اور پھیلا یا اور پھر آیت قرآنیہ نازل ہونے پر بھی توبہ نہ کی) لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مَرَدًا يَأْتِيكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ (یہ پاکیزہ مرد وہ پاکیزہ عورتیں ان چیزوں سے بری ہیں جو لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں تہمت لگاتے ہیں) (لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ذَرَّتْنِي كَوْنُهُمْ) (ان کیلئے گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے) یعنی ان کیلئے جنت ہے جس میں عزت کے ساتھ کھائیں گے۔

مَنْزِلَةُ مَنْ يَتَّقُونَ میں حضرت عائشہؓ کی برأت کی تصریح کے ساتھ حضرت صفوان بن معطلؓ کی برأت کی بھی تصریح

آئی۔ (عالم اہل بیت ج ۳ ص ۲۳۵)
حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے چند چیزوں پر فخر ہے پھر اس کو اس طرح بیان فرماتی تھیں: (۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے علاوہ کسی باکرہ یعنی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا (۲) رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ میری گود میں تھے۔ (۳) اور آپ میرے گھر میں دفن ہوئے۔ (۴) اور آپ کے اوپر (بعض مرتبہ) ایسی حالت میں وحی آتی تھی کہ آپ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتے تھے۔ (۵) اور آسمان سے میری برأت نازل ہوئی۔ (۶) میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور دوست (یار غار) کی بیٹی ہوں۔ (۷) اور میں پاکیزہ پیدا کی گئی۔ (۸) اور مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا۔

اور الاصابہ میں بحوالہ طبقات ابن سعد حضرت عائشہؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ مجھے چند ایسی نعمتیں عطا کی گئی ہیں جو میرے علاوہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ (۱) میں سات سال کی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا ہے۔ (۲) زینہ میری صورت آپ کے پاس ایک ریشمی کپڑے میں لے کر آیا تاکہ آپ ﷺ مجھے دیکھ لیں۔ (۳) میں نو سال کی تھی جب زفاف ہوا۔ (۴) میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ (۵) میں بیویوں میں آپ کی سب سے زیادہ محبوب تھی۔ (۶) میں نے آپ کی آخری حیات میں آپ کی تیمارداری کی میرے ہی پاس آپ کی وفات ہوئی آپ کی وفات کے وقت میرے اور زینتوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ (انتہی) (دراجع الدر المنثور ج ۵ ص ۲۶)

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچہ کو قوت گویائی دی اور اس کے ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جبکہ وہ گود ہی میں تھے) ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی اور ان کی برأت ظاہر فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد آیات نازل فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جو تہمت لگائی گئی تھی قرآن مجید میں ان کی برأت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو جو ناجائز اور دیا اور جنہوں نے آیت نازل ہونے کے بعد بھی اعتقاد تہمت سے توبہ نہ کی ان کے لیے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں محن ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے لیے عذاب عظیم ہے اور یہ بھی فرمایا ان کی حرکت کا اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا ۚ أَيْ تَسْتَأْذِنُوا وَاسْتَأْذِنُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ فَيَقُولُ الْوَاحِدُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ۖ أَدْخُلْ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ ذِكْرُ لَكُمْ مِنْ الدُّخُولِ بِغَيْرِ إِسْتِذْنَانِ لَعَلَّكُمْ تَكُونُونَ ۝ بِأُدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الدَّالِ خَيْرٌ يَنْتَه تَعْلَمُونَ بِهِ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا ۖ يَأْذَنُ لَكُمْ فَلَا تَعْلَمُوا حَتَّى يُوَدِّنَ لَكُمْ ۖ بَعْدَ الْإِسْتِذْنَانِ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَيْ الرُّجُوعُ أَزْكَىٰ أَيْ خَيْرٌ

لَكُمْ مِنَ الْمُعْتَدِ عَلَى الْبَابِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ مِنَ الدُّخُولِ بِأَذْنٍ وَغَيْرِ أَذْنٍ عَلِيمٌ ٥ فَيَجَازِيكُمْ عَلَيْهِ
 لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ ١ أَيُّ مُنْعَةٍ لَكُمْ بِاسْتِغْنَانٍ وَغَيْرِهِ كَيُؤْتِ
 الرِّبْطَ وَالْخَانَاتِ الْمُسْلِمَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَدْعُونَ وَ تَطْهَرُونَ مَا تَكْتُمُونَ ٥ تَحْقُقُونَ فِي دُخُولِ غَيْرِ بُيُوتِكُمْ
 مِنْ قَصْدِ ضَلَاةٍ أَوْ غَيْرِهِ وَ سَيَأْتِي أَنَّهُمْ إِذَا دَخَلُوا بُيُوتَهُمْ يُسَلِّمُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَصُرَةٌ
 مِنْ أَبْصَارِهِمْ عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ نَظَرُهُ وَمِنْ زَانِدَةٍ وَ يَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ١ عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ فِعْلُهُ بِهَا ذَلِكَ أَزَلَّ
 أَيُّ خَيْرٍ لَهُمْ ١ إِنْ اللَّهُ خَيْرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ٥ بِالْأَبْصَارِ وَالْفُرُوجِ فَيَجَازِيهِمْ عَلَيْهِ وَ قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَضْمَنُ
 مِنْ أَبْصَارِهِنَّ عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُنَّ نَظَرُهُ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ عَمَّا لَا يَحِلُّ فِعْلُهُ بِهَا وَلَا يُبْدِينَ يَطْهَرْنَ
 زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَهُوَ الْوُجْهُ وَالْكَفَّانِ فَيَجُوزُ نَظَرُهُ لِأَجْنَبِيٍّ إِنْ لَمْ يَخَفْ فِتْنَةً فِي أَحَدِ الْوُجْهِينِ
 وَالثَّانِي يَجْرِمُ لِأَنَّهُ مَطْنَةُ الْفِتْنَةِ وَرَخَّحَ حَسْمًا لِلْبَابِ وَ لِيُضَيِّرَنَّ بِضَرَرِهِنَّ عَلَى جِيُودِهِنَّ ١ أَيُّ يُسْتَرْنَ
 الرُّؤُوسَ وَالْأَعْنَاقَ وَالصُّدُورَ بِالْمَقَابِعِ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ الْخَفِيَّةَ وَهِيَ مَا عَدَا الْوُجْهَ وَالْكَفَّينِ إِلَّا
 لِيَعُولَتَهُنَّ جَمْعُ بَعْلِ أَيْ زَوْجٍ أَوْ أَبَاهُ أَوْ أَبَاءَ بَعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاهُ أَوْ بَعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ بَنِي
 إِخْوَانَهُنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ فَيَجُوزُ لَهُمْ نَظَرُهُ الْأَمَّا بَيْنَ السَّرَّةِ وَالرَّكْبَةِ فَيُحْرَمُ
 نَظَرُهُ لِغَيْرِ الْأَرْوَاحِ وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الْكَافِرَاتِ فَلَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمَةِ الْكُشْفُ لَهُنَّ وَشَمَلُ مَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُنَّ الْعَبِيدَ أَوْ التَّوْبَعِينَ فِي قُصُولِ الطَّعَامِ غَيْرِ بِالْجَزْرِ صِفَةً وَالتَّصَبُّبِ اسْتِغْنَاءً أَوَّلِي الْإِرْبَةِ أَصْحَابِ
 الْحَاجَةِ إِلَى النِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ بَأَنَّ لَمْ يَنْتَشِرْ ذِكْرُ كُلِّ أَوْ الطِّفْلِ بِمَعْنَى الْأَطْفَالِ الَّذِينَ لَمْ يَطْهَرُوا
 يَطْلَعُوا عَلَى عَوْرَتِ النِّسَاءِ ١ لِلْجَمَاعِ فَيَجُوزُ أَنْ يُبْدِينَ لَهُمْ مَا عَدَا بَيْنَ السَّرَّةِ وَالرَّكْبَةِ وَلَا يَضَرُّنَّ بِأَرْجُلِهِنَّ
 لِيَعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ زِينَتِهِنَّ ١ مِنْ خُلْخَالٍ يَنْقَعُغُ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنَ
 النَّظَرِ الْمُتَوَعُّعِ مِنْهُ وَمِنْ غَيْرِهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ٥ تَسْجُدُونَ مِنْ ذَلِكَ لِقَبُولِ التَّوْبَةِ مِنْهُ وَفِي الْأَيَّةِ تَغْلِيظُ
 الذِّكْرِ عَلَى الْإِنَاثِ وَ الْكَيْدِ الْإِيْمَانِي مِنْكُمْ جَمْعُ أَيْمٍ وَهِيَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ بِكُرَا كَانَتْ أَوْ ثِيَابًا مَنْ

فَإِنَّ لَهُ زَوْجَتَهُ وَهَذَا فِي الْأَحْرَارِ وَالْحَرَائِرِ وَالْمُؤْمِنِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ وَعِبَادٍ مِنْ جَمْعٍ عِبْدَ إِنْ يَكُونُوا أَيْ الْأَحْرَارِ فَقَرَأَ يُغْنِيهِمُ اللَّهُ بِالتَّزْوِجِ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ بِهِمْ وَاسْتَعْفِفَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا أَيْ مَا يَنْكِحُونَ بِهِ مِنْ مَهْرٍ وَنَفَقَةٍ مِنَ الزَّيْنَةِ حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ يُؤْتِيهِمْ مِنْ فَضْلِهِ فَيَنْكِحُونَ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِسْبَ بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَةِ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيدِ وَالْإِنَاءِ لِكَاتِبِهِمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا أَيْ أَمَانَةً وَقُدْرَةً عَلَى الْكُسْبِ لِأَدَاءِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَصِيغَتُهَا مِثْلًا كَاتِبُكَ عَلَى الْفَتَنِ فِي شَهْرَيْنِ كُلِّ شَهْرٍ أَلْفٌ فَإِذَا أَذِنَا فَأَنْتَ حُرٌّ فَيَقُولُ قِيلَتْ ذَلِكَ وَاللَّهِ أَمْرٌ لِلشَّاذِلَةِ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي أَنْكَرْتُمْ مَا يَسْتَعْتِفُونَ بِهِ فِي آدَاءِ مَا التَّزَمْتُمُوهُ لَكُمْ وَفِي مَعْنَى إِيْتَاءِ حُطِّ شَيْءٍ مَعًا التَّزَمْتُمُوهُ وَلَا تَكْرِهُوا قَتْلَ بَنِيكُمْ أَيْ أَمَائِكُمْ عَلَى الْبَغَاءِ أَيْ الزَّيْنَةِ إِنْ أَرَدَنْ تَحَصُّنًا تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهَذِهِ الْإِرَادَةُ مَحَلُّ الْإِكْرَاهِ فَلَا مَقْهُومَ لِلشَّرْطِ لِيَتَبَتَّغُوا بِالْإِكْرَاهِ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي كَانَ يَكْرِهُ جَوَارِيَ لَهُ عَلَى الْكُسْبِ بِالزَّيْنَةِ وَمَنْ يَكْرِهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ عَفْوٌ لَهُنَّ نَجِيمٌ لَهُنَّ وَ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ يَفْضَحُ الْبَيِّنَاتِ وَكَثِيرٍ هَاهُنَا فِي هَذِهِ السُّورَةِ يَبَيِّنُ فِيهَا مَا ذُكِرَ أَوْ بَيَّنَّ وَمِثْلًا أَيْ خَبَرًا عَجَبِيًّا وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا عَنْ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ أَيْ مِنْ جَنْسِ أَمْثَالِهِمْ أَيْ أَخْبَارِهِمُ الْعَجِيبَةِ كَخَبَرِ يُوسُفَ وَمَرْيَمَ وَمَوْعِظَةِ النَّبِيِّينَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ الْخُ لَوْ لَا إِذْ بَسَمْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ الْخُ وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ فَلْتُمْ الْخُ يَعِظْكُمْ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا الْخُ وَ تَحْصِيصُهَا بِالْمُتَّقِينَ لِأَنََّّهُمُ الْمُتَّقِفِعُونَ بِهَا

ترجمہ: اسے ایمان والا تھا اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرو اور سلام نہ کرو، ان کے رہنے والوں کو (چنانچہ ایک شخص یوں کہے اسلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے) تم تمہاریے لیے بہتر ہے (بغیر اجازت داخل ہونے سے) تاکہ تم خیال رکھو (تذکرون میں تائے ثانیہ کو ذال میں ادغام کر کے یاد رکھو اس کی عمر کی کو اور اس پر عمل کرو پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو ان گھروں میں نہ جاؤ ب تک تم کو اجازت نہ دیائے اور اگر (اجازت طلب کرنے کے بعد) تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تم لوٹ آیا کرو یہی (لوٹ جانے والی) بات تمہارے لیے بہتر ہے (دروازہ پر بیٹھے رہنے سے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی (جو تم کرتے ہو) جیسے اجازت اور بغیر

اجازت کے داخل ہونا) خبر ہے اور تم کو ایسے مکانات میں بلا اجازت چلے جانے میں گناہ نہ ہوگا جن میں گھر کے طور پر کوئی نہ رہتا ہو اس میں کچھ چیز (منفعت کی) ہو تمہاری (جیسے گرمی و سردی وغیرہ سے بچاؤ اور رکھ رکھاؤ کے لیے اور جیسے جانوروں کے باندھنے جگہیں اور سرائیں برائے مسافر) اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے دوسرے کے گھروں میں اصلاح یا غیر اصلاح کے ارادے سے داخل ہونے کو قریب میں اس کا امر کا بیان آنے والا ہے کہ جب اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفوس کو سلام کر لو۔ آپ ﷺ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (ان سے کہ ان پر نظر کرنا ان کے لیے حلال نہیں اور من زائدہ ہے) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (ان سے کہ ان کے لیے حلال نہیں ان شرمگاہوں کے ساتھ فعل کرنا) یہ ان کے لیے زیادہ صفائی (یعنی خبر) کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں (نگاہوں کے ذریعہ اور فروج کے ساتھ لہذا اس پر ان کو بدلہ دیا جائے گا) اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (ان چیزوں سے جنکو دیکھنا حلال نہیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (ان سے کہ جو فعل ان شرمگاہوں کے ساتھ کرنا ان کے لیے حلال نہیں) اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس موقع زینت میں سے کھلا ہی رہتا ہے (اور وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں پس اجنبی کے لیے اس کو دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ہر دو جانب میں سے کسی بھی ایک جانب اور دوسرے حرام ہوگا کیونکہ فتنہ کا محل ہے اور فتنہ کے دروازہ کو بند اور ختم کرنے کی وجہ سے ثانی رائج ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں (سروں اور گردنوں (گریبان) اور سینوں کو اوڑھنیوں چار دروں سے چھپالیں) اور اپنی (خفیہ) زینت کے مواقع مذکورہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں (اور وہ چہرہ اور کفین کے علاوہ ہے) مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹے پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر (پس جائز ہے ان سب کے لیے اس کو دیکھنا البتہ ناف اور گھٹنے کے درمیانی جگہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے پس شوہر کے علاوہ اس درمیانی جگہ کو دیکھنا حرام ہے اور (نسائین) سے کافرات خارج ہو گئیں لہذا مسلمانوں عورتوں کے لیے کافرات کے لیے بدن کھولنا جائز نہیں ہے اور ماملکت میں غلام بھی شامل ہیں) یا ان مردوں پر جو محض کھانے پینے کے واسطے طفیلی کے طور پر رہتے ہوں اور ان کو ذرا تو جہ نہ ہو (یعنی عورتوں کی طرف میلان رکھنے کی ملاجیت والے نہ ہوں بایں طور کہ ذکر میں انتشار نہ ہوتا ہو) یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے) جماع وغیرہ تو ان بچوں پر ناف سے گھٹنے تک کی درمیانی جگہ کے علاوہ ظاہر کرنا جائز ہے (اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا غشی زبور معلوم ہو جائے) (جیسے پازیب کہ جس کی آواز نکلتی ہے) اور مسلمانوں تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو (جو خلاف شرع تمہاری نظر پڑ گئی ہو یا اور اس کے علاوہ کوئی گناہ ہوا ہو) تاکہ تم قلاع پاؤ (اس سے نجات پا سکو توبہ کے قبول ہو جانے کی وجہ سے اور اس آیت میں عورتوں پر مردوں کو تغلیب حاصل ہے اور جو بے نکاح ہوں اپنے اندر تم ان کا نکاح کر دیا کرو (ایم کی جمع وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہوں یا کہ باکرہ یا ثیبہ اور وہ جس کی زوجہ نہ ہو اور یہ آزاد مردوں اور آزاد عورتوں دونوں کے حق میں یہ ہے) اور تمہارے غلام (مومن) اور لونڈیوں میں جو اس کے لائق ہوں ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو اور عباد، عبد کی جمع ہے) اگر وہ آزاد لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کرے۔ یہ خبر ہے کہ اگر تمہارا خدا

تعالیٰ (اپنی مخلوق کے سلسلہ میں) وسعت والا ہے (مخلوق کے حال) خوب جاننے والا ہے اور ایسے لوگوں کو ان کے نکاح کا سامان (یعنی وہ چیز جس سے نکاح کریں جیسے مہر نفقہ) نہیں ملتا (تو) ان کو چاہئے کہ (زنا میں مبتلا ہونے سے) اپنے آپ کو قابو میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (ان پر وسعت کھول دے تو پھر وہ نکاح کر لیں) اور تمہارے مملوکوں میں سے (خواہ غلام ہوں یا باندیاں) جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو ان کو مکاتب بنادیا کرو اگر ان میں بہتری کے آثار پاؤ (یعنی امانت اور مال کتابت کی ادائیگی کے لیے قدرت اکتساب نظر آئے اور میثاق کتابت مثلاً میں نے تجھ کو دو ہزار روپے کے عوض مکاتب کر دیا دو ماہ کی ادائیگی ہر ماہ ایک ہزار ادا کرنے کی شرط کے ساتھ لہذا اگر تو نے میری یہ رقم ادا کر دی تو تو آزاد اس پر وہ غلام جو اب کہے کہ میں نے قبول کیا اس عقد کتابت کو اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (جس رقم کی ادائیگی تمہارے لیے اس غلام نے اپنے ذمہ لی ہے اس میں تعاون کرتے ہوئے ان کو تم بھی کچھ دہرا لایا کے معنی میں ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جس قدر بدل کتابت ان پر لازم کیا ہے اس میں سے کچھ معاف کر دو گھٹا دو) اور اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو وہ پاک دامن رہنا چاہیں (زنا سے اور اس آیت میں ارادۂ احسان محل آکر اس میں ہے مطلب یہ ہے کہ بطور شرط نہیں) محض اس لیے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (زنا پر مجبور کر کے مال) تنکو حاصل ہو جائے (یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی وہ اپنی باندیوں پر زنا کے ذریعہ اکتساب مال پر مجبور کیا کرتا تھا) اور جو شخص ان کو مجبور کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ان باندیوں کو بخشے والا (اور ان پر) مہربان ہے اور ہم نے تمہارے پاس کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں (اس سورہ میں یام پر فتنہ یعنی مذکورہ احکام اس میں نازل کیے گئے اور دوسری قراءت بالکسر ہے یعنی واضح اور کھلی ہوئی آیات) اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی (یا ان کے ہم جن لوگوں کی عجیب خبریں ملات اور) بعض حکایات (جیسے حضرت یوسفؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات عجیب اور ان پر جھوٹ الزامات اسی طرح حضرت عائشہؓ کا واقعہ ہے جس کا تذکرہ اس سورت میں مذکور ہے واقعات اور جھوٹ الزام میں مماثلت رکھتا ہے) اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت کی باتیں (نازل کی چنانچہ ان آیات میں ارشادات خداوندی مذکور ہیں جو خاص طور پر اہل تقویٰ کنصاف پر مشتمل ہے چونکہ اہل تقویٰ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں بایں وہ خصوصیت کے ساتھ ان کا ہی تذکرہ ہے وہ آیات یہ ہیں: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ.....

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: عَلَيَّ رِيبٌ مِّنْكُمْ: اس جائے سکونت والے گھر مراد ہیں۔
قولہ: تَسْتَأْذِنُوا: یہ اجازت طلب کرنے کے معنی میں ہے۔
قولہ: ذٰلِكُمْ: اس کا اشارہ، استیذان اور سلام ہے۔
قولہ: حَتّٰی يُؤْذَنَ: یعنی یہاں تک اجازت دینے والا شخص آئے۔

قوله: مِنْ الْقَوْدِ: اس لئے کہ یہ ترک مروت ہے۔

قوله: الزَّوْبُطُ: باصطبل، جانور باندھنے کا مقام۔ خانات، مراہم۔

قوله: زَيْتُهُنَّ: اس سے زیورات اور کپڑے اور برق مراد ہیں۔

قوله: حَسْمًا لِلْبَابِ: قطع کرنا ختم کرنا۔ باب سے قندہ کا دروازہ مراد ہے۔

قوله: بَانَ لَمْ يَنْتَشِرْ: یعنی مرد و عورت میں سے کسی کو شہوت نہ ہوتی ہو۔

قوله: خُلْخَالٍ: پازیب مردوں میں میلان پیدا کرتے ہیں۔ یہ اظہار زینت کی ممانعت سے تبلیغ کرتے ہیں۔ بِنَفْعِ حُرُوتِ كَرَامٍ

قوله: مِمَّا زَقَعَ لَكُمُ: اس لئے کہ کوئی شخص کی کوتاہی سے بچائیں تو جو نظیر وغیرہ پڑ گئی اس سے توبہ کرو۔

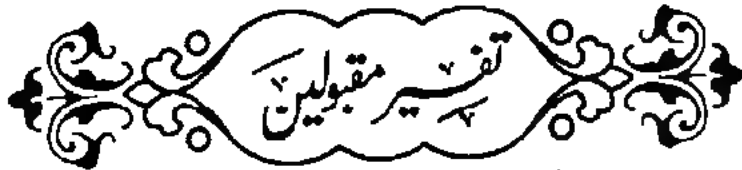
قوله: الصَّالِحِينَ: اہتمام شان کی وجہ سے انکا ذکر کیا یا نکاح اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے قابل۔

قوله: فَكَاتَبُوهُمْ: یہ خبر ہے نا اس لئے ہے کہ مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله: مِنْهُ الْإِزَادَةُ: یہ ارادہ نہیں کی شرط نہیں۔

قوله: الْإِكْرَاهُ: مواخذہ بالذات کے معنی نہیں اس وجہ سے مکرہ پر قتل کو حرام کیا گیا اور قصاص کو واجب کیا گیا۔

قوله: وَهُوَ خَيْرٌ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا: یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کے واقعہ کی طرح ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا

(ربط) گزشتہ آیات میں زنا کی تہمت کے احکام بیان کئے اب اس آیت میں کسی کے گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرماتے ہیں تاکہ زنا اور بدگمانی اور تہمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔

یہاں سے سورہ نور کا تیسرا کوغ شروع ہو رہا ہے شروع سورت سے فواحش اور بے حیائی کی روک تھام اور بے حیائی والے کام کی سزا اور تہمت لگانے کی مذمت کا بیان تھا۔ جو فواحش اور منکرات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ یوں ہی آن واحد میں موجود نہیں ہو جاتے، ان سے پہلے کچھ ایسے اسباب اور دواعی ہوتے ہیں جو قریب کرتے کرتے ایک دن بے حیائی کے کام پہ ڈال دیتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا سبب ایسی جگہ نظر کا پڑ جانا بھی ہے جہاں نظر کا ذالنا ممنوع ہے نظر کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ شانہ نے گھروں میں داخل ہونے کے واسطے اجازت لینے کا حکم دیا ہے اور ان آیات میں اجازت لینے کا قانون بتایا ہے، ارشاد فرمایا ہے کہ جو گھر تمہارے نہیں ہیں (یعنی جن میں تم نہیں رہتے) ان میں انیسیت حاصل کیے بغیر داخل مت ہو۔ انیسیت حاصل کرنے سے اجازت لینا مراد ہے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر (حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا) سے کی ہے۔ جو شخص اندر آنا چاہتا ہے اجازت لینا ہے نام بتاتا ہے وہ صاحب خانہ سے مانوس ہوتا ہے اور انہیں اپنی ذات سے مانوس کرتا ہے اس لیے (حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا) فرمایا اور ساتھ ہی (وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا) بھی فرمایا یعنی اجازت لینے کے ساتھ سلام کرنے کا حکم دیا ایک صحابی

سلام کے بغیر اور اجازت لیے بغیر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہو گئے آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور یوں کہو السلام علیکم ادخل (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں)۔ (رواہ ابوداؤد)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ((لا تاذنوا لمن لم یبدا بالسلام)) (اے قرآن! تم نہ چلو ان کے ساتھ جنہوں نے پہلے سلام سے اجازت نہ لی)۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۱۰۶)

(سواگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے) خالی گھر دیکھ کر اندر نہ چلے جاؤ کیونکہ اولاً تو یہ احتمال ہے کہ اس میں اندر کوئی آدمی موجود ہو لیکن تمہیں پتہ نہ چلا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مکان خالی ہی ہو تو تب بھی بلا اجازت اندر چلے جانا درست نہیں ہے کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں ایک طرح کا بلا اجازت تصرف کرنا ہوگا جس گھر میں یہ احتمال ہے کہ کوئی شخص اندر نہیں ہے جب اس میں بلا اجازت اندر جانا ممنوع ہے تو جس مکان میں کسی مرد یا عورت کے موجود ہونے کا علم ہو اس میں بلا اجازت اندر جانا کیسے جائز ہوگا؟ اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ قِيلَ لَكُمْ لُجُوعًا فَارْجِعُوهُ اَذْكَى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾ (اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لیے پاکیزہ ترین بات ہے)۔

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ جب کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت مانگو اور اندر سے یوں کہہ دیا جائے کہ واپس تشریف لے جائے۔ (اس وقت موقع نہیں ہے یا ہماری اور آپ کی ایسی بے تکلفی نہیں جس کی وجہ سے اندر بلائیں زبانِ قائل سے کہیں زبانِ حال سے محسوس ہو یا اور کوئی سبب ہو) تو واپس ہو جائیں اس میں نکتہ اور ذلت محسوس نہ کریں یہ جو فرمایا: فَارْجِعُوهُ اَذْكَى لَكُمْ اس میں بتا دیا کہ جب اجازت مانگنے پر واپس ہونے کو کہہ دیا جائے تو واپس ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہیں مڑنا دیکر بیٹھ جائے اور وہاں سے نہ ملے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی۔ اگر پہلی ہی بار اندر سے جواب مل جائے تو اگلے اجازت لینے کی فکر ہی میں نہ پڑے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی اور اگر پہلی بار اجازت لینے پر واپس ہونے کو کہہ دیا گیا تو اب اندر آنے کی ممانعت کے بعد بھی اجازت پر اصرار کرے تو اسے ذلیل ہونے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

جب کسی گھر میں اندر جانے کی اجازت مانگی اور کوئی اندر سے نہ بولا پھر دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا اور تیسری بار بھی تو واپس آجائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اِذَا اسْتَاذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُوْذَنْ فَلْيَرْجِعْ))۔

(رواہ البیہقی ص ۹۶۳)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے تین بار اجازت طلب فرمائی اندر سے جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے اندر سے حضرت سعدؓ جلدی سے نکلے اور آپ کو اندر لے گئے اور آپ کی خدمت میں کھانے کے لیے کشتش پیش کیے۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۳۶۹)

اس سے معلوم ہوا جب تین بار اجازت طلب کر لے پر بھی اجازت نہ ملے تو اس کے بعد اجازت لینے کے لیے چیختے رہنا سلسلہ کشتیاں بھجانا کوڑا پیٹنا یہ سب خلاف شریعت ہے اس میں اپنی جان کو بھی بے آبرو ہونے کے لیے پیش کرنا ہے اور

صاحب خانہ کو بھی دکھ دیتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا ...

اس آیت میں ان گھروں میں اجازت طلب کیے بغیر اندر جانے کی اجازت دیدی جن میں عموماً سب کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور جو کسی خاص فرد یا خاندان کی رہائش کے لیے مخصوص نہیں ہوتے جیسے رہائش اور مسافر خانے اور مدرسے خانقاہیں ہسپتال ان میں اصول شریعت کے مطابق آنے جانے والوں کو نفع حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے ان میں داخل ہونے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہاں مسجد میں امام کا کمرہ مدرسوں میں طلبہ کے حجرے خانقاہوں میں زاکرین کے خانے وغیرہ اور ان کے دفاتر جن میں سب کو آنے کی اجازت نہیں ان میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ تفسیر جلالین میں (بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: ای منفعتہ لكم باستسکان وغیرہ کیبوت الربط والحانات لليلة۔ (معالم التنزیل ۲/۲۲۷)

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے: ہی الحانات والبیوت والمنازل المبنیة للسابلة لیاو والیہاویو والامتنعہم البہا فیجوز دخولہا بغیر استئذان وللنفعۃ فیہا بالنزل وایواء المتاع والاتقاء من الحر والبرد۔

اور حضرت عطائے (بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے مراد ان گھروں سے ٹوٹے پھوٹے گھرے پڑے ویران گھنڈر ہیں اور متاع سے قضاے حاجت مراد ہے مطلب یہ کہ ٹوٹے پھوٹے ویران گھنڈر گھروں میں پیشاب پاخانہ کی حاجت پورا کرنے کے لیے جاؤ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ (درہ فی معالم التنزیل اینا)

تفسیر درمنثور میں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجر مکہ مدینہ اور شام اور بیت المقدس کے درمیان سفر کرتے ہیں اور راستوں میں گھر بنے ہوئے ہیں انہیں میں ٹھہر جاتے ہیں ان میں کوئی رہتائی نہیں ہے تو کس سے اجازت لیں کس کو سلام کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ نازل فرمائی اور مذکورہ گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دیدی۔ (درمنثور ج ۱ ص ۱۰)

احادیث شریفہ میں استیذان کے احکام و آداب:

ذیل میں چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جن میں کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت لینے کے احکام و آداب مذکور تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی خاندان کے دروازہ پر تشریف لاتے (اور اجازت لینے کے لیے کھڑے ہوتے) تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کے دائیں جانب یا بائیں کھڑا ہو کر السلام یلمح فرماتے تھے اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہیں تھے۔ (رواہ ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ جب اندر آنے کی اجازت لینے لگے تو اپنی نظر کی حفاظت کرے تاکہ کھلے دروازے کے اندر سے کواڑوں کی شکاف سے اندر نظر نہ جائے، حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں چیزیں ملے گی

جس کے لیے حلال نہیں ہیں (۱) کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ کچھ لوگوں کا امام بنے پھر دعا کرنے لگے تو انہیں چھوڑ کر اپنے ہی گھر کو دعا کے لیے مخصوص کر لے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کی خیانت کی۔ (۲) اور اجازت سے پہلے کسی گھر کے اندر نظر نہ ڈالے اگر ایسا کیا تو اس گھر کے رہنے والوں کی خیانت کی۔ (۳) اور کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جب کہ پیشاب پاخانہ کو روکے ہوئے ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ہبل بن سہب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دروازہ کے سوراخ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں نظر ڈالی اس وقت آپ کے ہاتھ میں کنگھی کی قسم کی ایک چیز تھی جس سے سر مبارک کو کھجور ہے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو اس کنگھی کرنے کی چیز سے تیری آنکھوں کو زخمی کر دیتا، اجازت تو نظری کی وجہ سے رکھی گئی ہے۔

(رواہ البیہقی ص ۹۲۲)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: فان فعل فقد دخل یعنی جس نے اندر نظر ڈال دی تو وہ تو داخل ہی ہو گیا۔ (رواہ ابوداؤد) مطلب یہ ہے کہ دیکھ رہا ہے تو اجازت کیوں لے رہا ہے اجازت اسی لیے رکھی گئی ہے کہ صاحب خانہ اپنے خانگی احوال کو لکھنا نہیں چاہتا۔ جب اجازت سے پہلے دیکھ لیا تو گویا اندر ہی چلا گیا۔

جب اجازت لینے کے لیے کسی کا دروازہ یا گھنٹی بجائے اور اندر سے کوئی سوال کرے کہ کون ہے تو واضح طور پر اپنا نام بتا دے اور اہل خانہ نام سے بھی نہ پہنچانتے ہوں تو اپنا صحیح پورا تعارف کرادے۔ حضرت جابرؓ نے بیان فرمایا کہ میں اپنے والد کی ترمہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے اندر سے فرمایا کون ہے؟ میں نے جواب میں عرض کر دیا انا (یعنی میں ہوں) آپ نے کراہت کے انداز میں فرمایا انا انا (رواہ البخاری ص ۹۲۳) مطلب یہ ہے کہ میں میں کرنے سے اہل خانہ کیا سمجھیں کہ کون ہے میں تو ہر شخص ہے۔

جس گھر میں کوئی شخص خود اکیلا ہی رہتا ہو اس میں تو اسے کسی استیذان یعنی اجازت لینے کی ضرورت نہیں دروازہ کھولے اندر چلا جائے۔ لیکن جس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہیں اگر چاہے محارم ہوں (والدین بہن بھائی وغیرہ) تب بھی اندر جانے کی اجازت لے۔ حضرت عطاء بن یسار (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں آپ نے فرمایا اندر جانے کے لیے والدہ سے بھی اجازت لو اس شخص نے کہا میں تو والدہ کے ساتھ گھر میں رہتا ہی ہوں آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس سے اجازت لے کر اندر جاؤ اس شخص نے کہا کہ میں اپنی والدہ کا خدمت گزار ہوں (جس کی وجہ سے اکثر اندر آنا جانا پڑتا ہے) آپ نے فرمایا بہر صورت اجازت لے کر داخل ہو کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اپنی والدہ کو نگلی دیکھ لے اس نے کہا یہ تو پسند نہیں ہے آپ نے فرمایا بس تو اس کے پاس اجازت لے کر جاؤ۔ (رواہ مالک و صحیح مسلم)

اگر کسی گھر میں صرف میاں بیوی رہتے ہوں تب بھی مستحب یہ ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے داخل ہونے سے پہلے کھانسی سے کھنکار سے یا پاؤں کی آہٹ سے باخبر کر دے کہ میں آ رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ محترمہ نے بیان کیا کہ عبداللہ جب کبھی بھی باہر سے گھر میں آتے تو دروازے سے باہر کھنکار کے پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع دے دیتے

تھے تاکہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو ناپسند ہو۔ (ذکر ابن کثیر کی تفسیر)

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بیوی یہ سمجھ کر کہ میاں کو جلدی آتا نہیں ہے بناؤ سنگار کے بغیر گھر میں رہتی ہے ایسی حالت میں اچانک شوہر کی نظر پڑ جائے تو ایک طرح کی وحشت معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کے امور کی وجہ سے اسے بھی مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے کہ جس گھر میں صرف بیوی ہو اس میں بھی کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع دیکر داخل ہو گویا میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں ہے۔

عورتیں بھی عورتوں کے پاس اجازت لے کر جائیں چونکہ معلوم نہیں کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کس حال میں ہے عورت کو بھی دوسری عورت کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے اگر وہ غسل کر رہی ہو یا کپڑے بدل رہی ہو تو بلا اجازت اس کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں بدن کے اس حصہ پر نظر پڑ جانے کا احتمال رہے گا جسے دوسرے عورت کو شرمناک دیکھنا جائز نہیں ہے (اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی) پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کسی ایسے شغل میں ہو جس کی وجہ سے بات کرنے کی فرصت نہ ہو یا اپنی مشغولیت سے کسی عورت کو باخبر کرنا مناسب نہ جانتی ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ام ایاس سے نقل کیا ہے کہ ہم چار عورتیں تھیں جو اکثر حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوا کرتی تھیں گھر میں جانے سے پہلے ہم ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کیا کرتی تھی جب اجازت دیتی تھیں تو ہم اندر چلی جاتی تھیں۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اجازت لینے والے کی آواز باہر سے پہنچ سکتی ہے ایسی صورت میں اجازت لینے والے کو السلام علیکم کہ کر اور اپنا نام بتا کر اجازت لینا چاہیے تاکہ اندر سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے کہ تم کون ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ سے لے لے گئے تو باہر سے یوں کہا: السلام علیکم هذا عبد اللہ ابن قیس السلام هذا ابو موسیٰ السلام علیکم هذا الاشعری۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۲۱۱)

اگر کسی شخص کو بلا کر بھیجا ہو اور جسے بلایا ہو وہ اسی وقت قاصد کے ساتھ آ گیا اور قاصد بغیر اجازت اسے اپنے ساتھ اندر لے جانے لگے تو اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ فقد روی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال اذا دعی احدکم فجاء مع الرسول اذن۔ (رواہ ابو داؤد) (وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بلانے گیا ہے وہی ساتھ لے کر اندر داخل ہو رہا ہے اسے معلوم ہے کہ اندر بلا اجازت چلے جانے کا موقع ہے)

فائدہ (۱): بعض متعلقین سے بہت زیادہ بے تکلفی ہوتی ہے اور ایسے دوست کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جاؤں گا تو صاحب خانہ کو تکلیف نہ ہوگی اور یہ موقع عورتوں کے پاس ہونے کا اور کسی راز کی بات کا نہیں ہے۔ ایسا شخص اپنے دوست کی عام اجازت پر (جو خاص طور سے اسے دی گئی ہو) نئی اجازت لیے بغیر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آہستہ کی آواز سن کر یہ پتہ چل جائے کہ میں اندر موجود ہوں تم پردہ اٹھاؤ اور تم اندر آ جاؤ۔ ہاں اگر میں منع کروں تو اور بات ہے۔ (رواہ مسلم)

فائدہ (۲): اجازت دینے کے لیے زبان ہی سے اجازت دینا ضروری نہیں اگر اجازت دینے کے لیے آپس میں کوئی

مطابق عمل کر لیا جائے تو وہ بھی اجازت میں شمار ہوگا۔ حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خدمت میں میرا ایک بار دن کو ایک بار رات کو جانا ہوتا تھا جب میں رات کو جاتا تھا تو آپ ﷺ مٹھا رویتے تھے۔
(رواہ الساجی کفافی المکذوبہ ص ۱۰۱)

فائدہ (۳): اگر کوئی شخص کسی شیخ یا استاد کے پاس جائے اور دروازہ بجائے بغیر وہیں دروازہ سے ہٹ کر ایک طرف اس انتظار میں بیٹھ جائے کہ اندر سے نکلیں گے تو بات کر لوں گا یا کوئی مسئلہ پوچھ لوں گا یا آپ کے ساتھ مدرسہ یا بازار جانے کے لیے براہ ہو جاؤں گا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس سے اہل خانہ کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں ہوگی۔
فائدہ (۴): اگر کسی کے کواڑوں پر دستک دیں تو اتنے زور سے ہاتھ نہ ماریں کہ اہل خانہ پریشان ہو جائیں۔ سوتے ہوئے جاگ اٹھیں یا نماز پڑھنے والے تشویش میں پڑ جائیں اتنے آہستہ سے بجائے کہ اندر آواز پہنچ جائے کہ کوئی شخص دروازہ

پہنچے۔
قُلْ لِلّٰہِ مِیْنٌ یَّغْضُوْا مِنْ اَبْصَارِہُمْ.....

نظر کی حفاظت اور عصمت کا حکم، محارم کا بیان:

ان دونوں آیتوں میں پردہ کے احکام بیان فرمائے ہیں اور اول تو مردوں اور عورتوں کو نظریں پست یعنی نیچی رکھنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں یعنی زنا نہ کریں۔ دونوں باتوں کو ساتھ جوڑ کر یہ بتا دیا کہ نظر کی حفاظت نہ ہوگی تو شرمگاہوں کی حفاظت بھی نہ رہے گی۔ گھروں میں جانے کے لیے جو اجازت لینے کا حکم ہے اس میں جہاں دیگر امور کی رعایت ملحوظ ہے وہاں حفاظت نظر بھی مطلوب ہے، جب نظر کی حفاظت ہوگی تو مرد عورت کا میل جول آگے نہیں بڑھے گا اور زنا تک نہ پہنچیں گے۔ چونکہ نظر کو بھی مزہ آتا ہے اور نظر بازی سے دواعی زنا کی ابتداء ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نظر پر پابندی لگائی ہے اور نظر کو بھی زنا قرار دیا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ الٹا کھینچ کر دیتی ہے۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

مطلب یہ ہے کہ زنا سے پہلے جو زانی مرد اور زانی عورت کی طرف سے نظر بازی اور گفتگو اور چھونا اور پکڑنا اور چل کر جانا ہوتا ہے یہ سب زنا میں شمار ہے اور یہ چیزیں اصل زنا تک پہنچا دیتی ہیں بعض مرتبہ اصل زنا کا صدور ہو ہی جاتا ہے (جس کے بارے میں فرمایا کہ شرمگاہ تصدیق کر دیتی ہے) اور بعض مرتبہ اصلی زنا رہ جاتا ہے مرد عورت اسے نہیں کر پاتے (جس کو یوں بیان فرمایا کہ شرمگاہ جھٹلا دیتی ہے۔ یعنی اعضاء سے زنا کا صدور تو ہو گیا لیکن اس کے بعد اصلی زنا کا موقع نہیں لگتا) حفاظت نظر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے۔ نظر کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں، عورت عورت کے کس حصے پر غور ڈال سکتی ہے اور مرد مرد کے کس حصے کو دیکھ سکتا ہے اس کے بھی قوانین ہیں اور شہوت کی نظر تو بجز میاں بیوی کے کسی کے لیے حلال نہیں۔ جس نظر سے نفس کو مزہ آئے وہ شہوت کی نظر ہے اگر عورت پردہ نہ کرے مردوں کو تب بھی نظر ڈالنا ممنوع ہے۔ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ راستوں میں مت بیٹھا کرو، صحابہ نے

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے علی! نظر پڑ جانے کے بعد نظر کو باقی نہ رکھو۔
جو نظر بے اختیار پڑ جائے اس کو نورانی بنا لو کیونکہ بے اختیار جو نظر پڑی اس پر مواخذہ نہیں اگر نظر کو باقی رکھا تو اس پر مواخذہ ہوگا۔
فان لك الاولى وليست لك الاخرة (مشکوٰۃ المصابی ۲۶۹) حضرت عبادہ بن مسامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ
ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہارے لیے جنت کا مسکن ہو جاؤ ہوں۔ (۱) جب بات کر دو تو
بولو (۲) جب وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو (۴) اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو (۵)
اور اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم و زیادتی سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابی ۱۷۴)

صحیح بخاری (ص ۷۰۰ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وَلَيُضَيِّقَنَّ
بِطُغْيَانِهِ عَلَى جُيُوشِهِمْ کا حکم نازل فرمایا تو صحابی عورتوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنا لیے، یہ حدیث سنن ابی داؤد
(کتاب النہاس ج ۱ ص ۲۱۱) میں بھی ہے اس میں یہ لفظ ہے کہ: تَشَقَّقْنَ اكْتِشَفْنَ مِرْوَحَلِهِنَّ فَاسْتَخْمَرْنَ بِهَا كَرَأْسِهِنَّ لَمَّا
سَوَّيْنَ مَوَاقِدَ چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لیے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ سراں کے دوپٹے ایسے ہوں جن میں بال نظر نہ آئیں اور
انہیں اس طرح اڑھا جائے کہ سر گردن اور کان اور سینہ سب ڈھکا رہے) یاد رہے کہ یہ نام حالات میں گھروں میں رہتے ہوئے
عمل کرنے کا حکم ہے باہر جتنے کا اس میں ذکر نہیں ہے باہر جتنے میں چہرہ ڈھانکنا بھی لازم ہے جبکہ نامعلوم کی نظریں پڑنے کا

اعلیٰ ہے۔ دور ماضی کی فیشن ایل عورتیں جنہیں قرآن وحدیث کے احکام کا دھیان نہیں ہے اول تو انہوں نے باریک دوپٹے بنا لیے ہیں جن میں بال نظر آتے ہیں انہیں اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی دوسرے ذرا سے حصے پر کپڑا ڈال کر چل دیتی ہیں زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح آدھے آدھے سینے تک سب کچھ کھلا رہتا ہے۔ ان کو گری کھائے جاتی ہے، اسلام کے تقاضوں کی کچھ پروا نہیں کرتی ہیں۔

اس کے بعد ان مردوں کا ذکر فرمایا جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔ یہ وہ مرد ہیں جو شرعاً محرم مانے جاتے ہیں ان سے فتنے کا خطرہ نہیں کیونکہ محرم خود ان عورتوں کی عصمت وعفت کے محافظ ہوتے ہیں پھر ان کا رشتہ ایسا ہے کہ رهن بہن میں ان سے پردہ کا اہتمام کرنا دشوار بھی ہے۔ اب اس کی تفسیر سنئے اولاً یوں فرمایا: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر) میاں بیوی کا آپس میں کسی جگہ کا کوئی پردہ نہیں لیکن اعضائے مخصوصہ کو نہ دیکھنا پھر بھی بغل ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ما نظرت فرج رسول اللہ ﷺ قط، میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کی شرم کی جگہ کو نہیں دیکھا۔ بلکہ بیوی کا بے تکلفی والا جو خاص کام ہے اس وقت بھی پوری طرح نگئے ہونے سے منع فرمایا ہے۔

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنے باپوں پر)

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنے شوہروں کے باپوں پر)

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنے بیٹوں پر)

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر) اپنے بیٹے ہوں یا دوسری بیوی سے ہوں۔

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنے بھائیوں پر)

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر)

أُولَئِكَ هُنَّ (یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر)

آیت کریمہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کا اپنا باپ (جن میں دارا بھی شامل ہے) اور شوہر کا باپ اور اپنے لڑکے اور شوہر کے لڑکے (جو کسی دوسری بیوی سے ہوں) اور اپنے بھائی (خواہ حقیقی بھائی ہوں خواہ باپ شریک بھائی ہوں خواہ ماں شریک) اور اپنے بھائیوں کے لڑکے اور اپنی بہنوں کے لڑکے (اس میں بیٹوں قسم کے بہن بھائی داخل ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا) ان لوگوں کے سامنے عورت زیب وزینت کے ساتھ آ سکتی ہے اور یہ لوگ عورت کے محارم کہلاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو اپنی محرم عورتوں کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے یہ لوگ اپنی محرم عورت کا چہرہ اور سر اور بازو پنڈلیاں دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ اہل کو دیکھنے والے مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہو یعنی جانتیں میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اپنی محرم عورت کی پشت اور ہڈیاں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ شہوت کا اندیشہ نہ بھی ہو۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح کرنا حلال نہ ہو، جن لوگوں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ چچا ماموں بھی محارم ہیں۔ خواہ شریک بھائی بہن اور رضاعی بیٹا (جسے دودھ پلایا ہو) بھی محرم ہیں۔ ان لوگوں کے بھی وہی احکام ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ غرض یہ بھی اور پچاسا یا کے لڑکے اور بیٹوں کی محرم نہیں ہیں۔ ان کا وہی حکم ہے جو غیر محرم کا حکم ہے۔

اس کے بعد فرمایا: **أَوْ نِسَاءَهُنَّ** (یا اپنی عورتوں کے سامنے) یعنی مسلمان عورتیں مسلمان عورتوں کے سامنے ایسا نہیں کر سکتی ہیں، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد بھی مرد کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح عورت بھی دوسری عورت کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے البتہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو نہیں دیکھ سکتی اور ان دونوں مسئلوں میں بھی وہی قید ہے کہ شہوت کی نظر نہ ہو۔ بہت سی عورتیں ولادت کے وقت بہت زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ دائی اور نرس کو بچہ پیدا کرانے کے لیے بقدر ضرورت صرف پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھا منع ہے۔ آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہن ہی ہوں وہ بھی ناف سے لے کر گھٹنے تک حصہ کو نہ دیکھیں کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ نرس اور دائی کو مجبوراً نظر ڈالنی پڑتی ہے دوسری عورتوں کو کوئی مجبوری نہیں ہے لہذا انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں، یہ جو دستور ہے کہ ولادت کے وقت عورت کو نکا کر کے ڈال دیتی ہیں اور عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

آیت شریفہ میں جو **أَوْ نِسَاءَهُنَّ** (اپنی عورتیں) ہے اس میں لفظ اپنی سے حضرات مفسرین عظام اور فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ جو کافر عورتیں ہیں ان کے سامنے مسلمان عورتیں بے پردہ ہو کر نہ آئیں کیونکہ وہ اپنی عورتیں نہیں ہیں۔ مفسرین ابن کثیر نے حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ: لا تضع المسلمة خمارها عند مشركة لان الله تعالى يقول **أَوْ نِسَاءَهُنَّ** (یعنی مسلمان عورت اپنا دوپٹہ کسی مشرک عورت کے سامنے اتار کر نہ رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے **أَوْ نِسَاءَهُنَّ** فرمایا ہے اور مشرک عورتیں مسلمان عورتوں میں سے نہیں ہیں) ہر کافرہ عورت مشرکہ یا غیر مشرکہ سب کا یہی حکم ہے۔ معالم التنزیل میں ہے: **والكافرة ليست من نساتنا لانها اجنبية في الدين** کتب عمر بن الخطاب الی ابی عبیدة ابن الجراح رضی اللہ عنہما ان ینزع نساء اهل الكتاب ان یدخلن الحمام مع المسلمات (کافر عورت ہماری عورتوں میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ بن جراح کو لکھا تھا کہ اہل کتاب عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمامات میں داخل ہونے سے منع کریں)۔

در مختار کتاب الحظر والاباحہ میں ہے: **الذمیة کالرجل الاجنبی فلا تنظر الی بدن المسلمة (ذمی عورت کو کافر عورت جو مسلمانوں کی عملداری میں رہتی ہو وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے)** اس کے ذیل میں صاحب رد المحتار نے لکھا ہے: لا یحل للمسلمة ان تنکشف بین یدی یهودیة او نصرانیة اور مشرکہ الا ان تكون امه لہا کما فی السراج ونصاب الاحتساب ولا ینبغی للمرأة الصالحة ان تنظر الیہا المرأة الفاجرة لانہا تصفہا عندہا جال فلا تضع جلبابہا ولا خمارہا کما فی السراج (مسلمان عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ یہودیہ یا نصرانیہ یا مشرکیہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو یا اس کی اپنی مملوکہ باندی ہو تو اس کے سامنے آنا مستثنیٰ ہے اور کسی نیک عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ فاجرہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو جائے کیونکہ وہ مردوں کے سامنے اس کا حال بیان کرے گی اس کے سامنے اپنی چادر اور دوپٹے کو نہ اتارے۔) (رد المحتار)

مسلمان عورت کافر عورت کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے تمام غیر مسلم عورتیں بھنگن گھونگھونیاں لٹکھن ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلق وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بچے پیدا کرانے کے لیے مسلمان دایاں اور نرس

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۴۱۹
 باب میں اور یہ بھی بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ نظر ڈال سکتی ہیں اور اگر کسی غیر مسلم عورت کو بچہ جنمانے کے لیے بلوائیں تو اس کے سامنے کوئی عورت مرنے کھولے اور جہاں تک ممکن ہو کافر عورت کو بلانے سے پرہیز کریں۔ ذکر ابن کثیر فی تفسیرہ عن مکحول و عبادة بن نسی انہما کرها ان تقبل ای لا تكون قابلة حاضرة عند الولاد لتعمل عمل الاستیلا دحینا تلد للمسلمة النصرانیة والیہودیة وللجوسیة المسلمة۔

(اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ) (یا ان کے سامنے جو ان کی مملوک ہیں) ابھی پردہ کا بیان جاری ہے جب مسلمان شری جہاد کرتے ہیں تو غلاموں باندیوں کے مالک ہوتے تھے جب سے شری جہاد کو چھوڑا ہے اور کافروں کے ساتھ معاہدوں میں بندھے ہیں پست ہو رہے ہیں۔ جب باندی اور غلام ہوتے تھے تو عورتیں بھی ان کی مالک ہوتی تھیں اس وقت یہ سوال بھی درپیش ہوتا تھا کہ عورت کا اپنے غلام سے اور اپنی باندی سے کتنا پردہ ہے (اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ) میں اسی کو بیان فرمایا ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس سے صرف باندیاں مراد ہیں، مرد مملوک یعنی غلام مراد نہیں ہیں۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب روت المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب پہلے یوں کہتے تھے کہ غلام اور باندی کا ایک ہی تم ہے (یعنی کسی مسلمان عورت کا اس کے اپنے مملوک غلام یا باندی سے وہ پردہ نہیں جو اجانب سے ہے) بعد میں انہوں نے رجوع فرمایا اور فرمایا: لا یغرنکم آیۃ النور فانہا فی الاناث دون الذکور (یعنی تم سورہ نور کی آیت کی وجہ سے دھوکہ میں مت پڑنا کیونکہ وہ مملوک عورتوں کے بارے میں ہے مملوک مردوں کے بارے میں نہیں ہے) صاحب بدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کا غلام اگر چہ اس کا مملوک ہے لیکن وہ مرد ہے نہ محرم ہے نہ شوہر ہے اور ثبوت تحقق ہے لہذا مملوک غلام کا وہی حکم ہے جو انہی مردوں کا حکم ہے۔ غلام قرطبی نے احکام القرآن جلد ۱۲، ص ۲۳۳، ۲۳۴ میں حضرت ابن عباس، حضرت عامر شیبی اور حضرت مجاہد اور حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ غلام مملوک اپنی آقا عورت کے بالوں پر نظر نہ ڈالے۔

گھروں میں کام کرنے والے جو نوکر چاکر ہیں ان کا حکم بھی بالکل وہی ہے جو انہی مردوں کا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح جو عورتیں گھروں میں کام کرتی ہیں وہ مملوک اور باندیاں نہیں ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ مردوں سے پردہ کریں جن کے گھروں میں کام کرتی ہیں اور مردوں پر بھی لازم ہے کہ ان پر نظریں نہ ڈالیں۔

اَو الشَّہِیْمِ غَیْرِ اُولِی الْاِذْبَیْعَةِ مِنَ الْاِہْجَالِ (یا ان مردوں کے سامنے جو ظلیلوں کے طور پر ہوں جنہیں حاجت نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ بدحواس اور مغفل قسم کے لوگ ہوں جن کو ثبوت سے کوئی واسطہ نہیں عورتوں کے احوال اور اوصاف سے کوئی دلچسپی نہیں انہیں بس کھانے پینے کو چاہئے طفلی بن کر پڑے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے سامنے عورتیں اگر زینت ظاہر کر دے تو یہ بھی جائز ہے یعنی یہ لوگ بھی محارم کے درجہ میں ہیں آیت کا یہ مطلب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: ہذا الرجال تبسع القوم و هو مغفل فی عقله لا یكثر ث النساء و لا یشہی عن نساء۔ (درمنثور ص ۱۳، ۱۴)

حضرت طاؤس تابعی سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں انہوں نے فرمایا: هو الا حق الذی لا حاجة له فی النساء۔ (دوالہ ۱۱)

یاد رہے کہ اگر مذکورہ مردوں کے سامنے عورت گہرے پردہ کا اہتمام نہ کرے (محرموں کی طرح سمجھے) تو اس کی اجازت

تو ہے لیکن عورتوں کو ان پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ غَیْرِ اُولٰٓئِکَ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان مردوں کے سامنے عورتیں آ سکتی ہیں جو غافل ہوں مغفل ہوں بے عقل ہوں نہ ان میں شہوت ہو نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو، ان میں بوڑھے مرد ہوں گوش عقل سمجھ اور شہوت والے بچہ والے داخل نہیں ہیں۔ عورتیں ایسے لوگوں کو بوڑھا سمجھ کر یا بابتاداد کہہ کر سامنے آ جاتی ہیں۔ یہ گناہ کی بات ہے نیز اگر کوئی شخص نامرد ہو یا اس کا عضو مخصوص نکٹا ہوا ہو وہ بھی غَیْرِ اُولٰٓئِکَ میں شامل نہیں ہے۔ اور اس کے سامنے آنا بھی ممنوع ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ مطہرہ ام سلمہ کے پاس تھے وہاں گھر میں اس وقت ایک منٹ (بیچوہ) بھی تھا اس بیچوہ نے حضرت ام سلمہ کے بھائی سے کہا کہ اے عبد اللہ اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح فرمایا میں تجھے غیلان کی بیٹی بتا دوں گا وہ جب سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ میں چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس کی کمر سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں نہ آئیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ۲۷۷ از بخاری و مسلم)

قال صاحب الهدایۃ الخصی فی النظر الی الاجنبیۃ کالفحل لقول عائشۃ رضی اللہ عنہا الخضاء مثله لا یبیع ما کان حراما قبلہ و لانه فحل یجامع و کذا المحبوب لانه یسحق و یتزل و کذا المحنت فی الردئی من الافعال لانه فحل والحاصل انه یؤخذ فیہ بحکم کتاب اللہ المنزل۔

اَوِ الْوُفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یُظْهَرُوا عَلٰی عَوْرَتِ النِّسَاءِ (یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی چیزوں پر مطلع نہیں ہوئے) یعنی وہ نابالغ لڑکے جو عورتوں کے مخصوص حالات اور صفات سے بالکل بے خبر ہیں ان کے سامنے عورت آ سکتی ہے اور جولا کا عورتوں سے متعلقہ احوال اور اوصاف کو جانتا اور سمجھتا ہو اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا یُضَرُّنَّ بِاَرْجُلِهِمْ لِمَعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زَیْنَتِهِنَّ (اور عورتیں اپنے پاؤں نہ ماریں یعنی زور سے نہ رکھیں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور معلوم نہ ہو جائے) عورتوں کو زیور پہننا تو جائز ہے بشرطیکہ دکھاوے کے لیے نہ ہو اور جو زیور پہنے اس میں یہ شرط ہے کہ نہ بچنے والا زیور نہ ہو زیور کے اندر کوئی نہ بچنے والی چیز ڈالے اور نہ زور سے پاؤں مار کر چلے کیونکہ ایسا کرنے سے غیر محرم زیور کی آواز سن لیں گے جو آپس میں ٹکرا کر نہج سکنا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس ایک لڑکی لائی گئی وہ بچنے والا زیور پہنے ہوئے تھی حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب تک اس کا یہ زیور نہ کاٹ دو ہرگز میرے پاس نہ لاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں نہ بچنے والی چیز ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

جب زیور کی آواز سنانا محرموں کو ممنوع ہے تو عورت کے لیے اپنی آواز سنانے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بدو مجبوری نامحرموں سے ضرورت کی کوئی بات کی جائے تو اس کی گنجائش ہے اس کو سمجھ لیا جائے۔ عورت اگر باہر نکلے تو خوب احتیاط کے ساتھ پردہ میں نکلے اور پردہ کے لیے جو بڑی چادر یا برقعہ استعمال کرے وہ بھی مزین اور کاہل اور بیل بوئے والا مردوں کی نظر کو بھانے والا نہ ہو۔ اور جب زیور کی آواز سنانا جائز نہیں تو نامحرموں کو خوشبو سٹگانا بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار سے اور کوئی عورت غطر کار

(مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔ (رواہ ابوداؤد)۔

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (اے مومنو! تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ) اس میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو حکم دیا کہ سب اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔ توبہ کرنے میں کامیابی ہے۔ ہر طرح کے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور نفس و نظر سے جو گناہ صادر ہو گئے ہوں ان سے خاص طور پر توبہ کریں نفس و نظر کا ایسا گناہ ہے جس پر دوسروں کی اطلاع نہیں ہوتی اور نظروں کو اور نفسوں کے ارادوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جو جلائے معصیت ہو۔ کسی مرد نے کسی مرد یا عورت کو بری نظر سے دیکھ لیا یا کسی عورت نے کسی مرد پر نفسانیت والی نظر ڈال دی تو اس کا اس شخص کو پتہ نہیں چلتا جس پر نظر ڈالی ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو پتہ چلتا ہے اپنے نفس و نظر کی خودی مگرانی کرتے رہیں اور ہر گناہ سے توبہ کریں۔

بے پردگی کے حاسیوں کی حباہلانہ باتیں اور ان کی تردید:

جب سے لوگوں میں صرف اسلام کا دعویٰ رہ گیا ہے اور اسلام پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ دیندار بھی رہیں اور آزاد بھی رہیں ایسے لوگ بے پردگی کے حامی ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں کافر عورتوں کی طرح کلی کو چوں میں پھریں اور بازاروں میں گشت لگائیں ان آزاد منش جاہلوں کی جہالت کا ساتھ دینے والے بعض مصری قلم کار بھی مل گئے پھر مصر کے ان نام نہاد آزاد خیال لوگوں کا اتباع ہندو پاک کے ناخدا ترس مضمون نگار بھی کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اور تو کچھ نہ ملا (الْمَا ظَهَرَ مِنْهَا) مل گیا اور الا مَا ظَهَرَ کی تفسیر جو حضرت ابن مسعود نے کی ہے کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے چونکہ بیان لوگوں کے جذبات نفسانیت کی خلاف تھی اس لیے اس سے تو اعراض کیا اور حضرت ابن عباس سے جو اس کی تفسیر میں وجہ اور کفین منقول ہے اسے لے اڑے، کیا وجہ ہے حضرت ابن مسعود کی تفسیر کو چھوڑا جبکہ وہ پرانے صحابی ہیں سابقین اولین میں سے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تَمْسُكُوا بَعْدَ ابْنِ امٍ عَبْدٌ كَمَا عَبْدُكَ بَنِي (ابن مسعود) کی طرف سے جو دینی حکم ملے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن تھے اور بڑے عالم تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو (اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ) کی دعا بھی دی تھی اگر ان کی اس تفسیر کو لیا جائے جو انہوں نے الوجہ والکفان سے کی ہے تب بھی اس سے عورتوں کو بے پردہ ہو کر نکلنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اول تو آیت شریفہ میں الا مَا ظَهَرَ فرمایا ہے (الْمَا ظَهَرَ) نہیں فرمایا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ عورتیں ظاہر کیا کریں بلکہ یوں فرمایا کہ جو ظاہر ہو جائے) اب سمجھ لیں جب عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی تو اظہار ہو گا یا ظہور ہو گا؟ کیا اس کو یوں کہیں گے کہ بلا اختیار ظاہر ہو گیا ہے؟ پھر یہ بھی واضح رہے کہ آیت میں نامحرم کے سامنے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں ہے، عورتوں کی پردہ داری کے حامی یہاں نامحرموں کو گھسیٹ کر خود سے لے آئے، حضرت ابن عباس کے کلام میں نامحرموں کے سامنے عورت کے چہرہ اور کفین کے ظاہر ہونے اور ظاہر کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے ان کی بات کا سپہ حاسادہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو عام حالات میں جبکہ وہ گھر میں کام کاج میں لگی ہوئی ہو سارے کپڑے پہنے رہنا چاہئے اگر چہ وہ ہاتھ کھلا رہے اور

گھر کی عورتیں اور باپ بیٹے اور دوسرے محرموں کی نظر پڑ جائے تو یہ جائز ہے۔

لوگوں میں یوں ہی بے دینی ہے اور عفت و عصمت سے دشمنی ہے اوپر سے انہیں یہ مفت کے مفتی بھی مل گئے جنہوں نے کہہ دیا کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے اگر ہے تو درجہ استجاب میں ہے ان جاہل مفتیوں نے نہ آیات اور احادیث کو دیکھا کہ اور نہ سوچا کہ عورت بے پردگی کو صرف چہرہ تک محدود نہ رکھے گی عورت کا حراج تو بننے ٹھننے اور دکھانے کا ہے اب دیکھ لو بے پردہ باہر نکلنے والی عورتوں کا کیا حال ہے کیا صرف چہرہ ہی کھلا رہتا ہے؟ ان لوگوں نے حضرت ابن عباس کے قول کو دیکھ لیا اور ان کا مطلب غلط لے لیا پھر اپنی ذاتی رائے کو عورتوں میں پھیلا دیا اور ان من العلم جھلا کا مصداق بن گئے۔

سورۃ احزاب میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم:

اول سورۃ احزاب کی آیت (وَإِذَا سَأَلَكَ الْمُؤْمِنُونَ مَتَاعًا فَسَلِّتْ لَهُمْ مِنْ دَرَائِجِ حِجَابٍ) (اور جب تم ان سے کسی برتن کا سوال کرو تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگو) پڑھے اور غور کیجیے کہ اگر چہرہ پردہ میں نہیں ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں بھی عورتیں عام طور سے گھروں میں ننگی تو نہیں رہتی ہیں عموماً ہاتھ اور چہرہ کھلا رہتا ہے اگر چہرہ کا پردہ نہیں تو نامحرم مردوں کو کوئی چیز لینے کے لیے پردہ کے باہر سے طلب کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ تو معلوم ہوا کہ چہرہ ہی اصل پردہ کی چیز ہے پھر اس میں صیغہ امر بھی ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے ان جاہلوں کی بات کی تردید ہو گئی جو یوں کہتے ہیں کہ چہرہ ڈھانپنا اعلیٰ و افضل ہے واجب بھی نہیں ہے، اب سورۃ احزاب کی ایک اور آیت سنئے ارشاد بانی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِيسٍ) (اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کو نیچا کر لیا کریں) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: امر نساء المؤمنین ان یغطين رء و مسهن و وجوهن بالجلابیب الاعینا و احدة لیعلم انهن حرائر (معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۱۱) یعنی مؤمنین کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی چوڑی چٹکی چادروں سے ڈھان کے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ باندیاں نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی ابن عباسؓ ہیں جن کی طرف (إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) کی تفسیر الوجہ الکفان منسوب ہے معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ جو فرمایا ہے کہ (إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) سے وجہ و کفین مراد ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھلا چہرہ لے کر نامحرموں کے سامنے آ جایا کریں یا چہرہ کھول کر باہر نکلا کریں جب انہوں نے اس دوسری آیت کی تفسیر میں یہ فرما دیا کہ بڑی چادروں سے اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانپ کے رہیں اور دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھلی رہے تو معلوم ہوا کہ (إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا) تفسیر میں جو انہوں نے وجہ اور کفین فرمایا ہے اس سے ان کے نزدیک گھروں میں رہتے ہوئے چہرہ اور ہاتھ کھلے رہنے کی اجازت مراد ہے۔ شیطان بڑے بڑے دوسے ڈالتا ہے اور گمراہی کے راستے دکھاتا ہے اس نے پردہ کے خالقین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ پردہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے ہے اور انہیں کے لیے مخصوص ہے ان لوگوں کی اس جاہلانہ بات کی تردید سورۃ احزاب کے لفظ سے واضح طور پر ہو رہی ہے کیونکہ اس میں لفظ (وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ) موجود ہے

احادیث میں پردہ کا حکم:

اب احادیث شریفہ کا مطالعہ کیجیے ان ہی اوراق میں گزر چکا ہے کہ جب غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر حضرت صفوان بن عطلؓ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نظر پڑی اور حضرت عائشہؓ نے ان کے (اِنَّكَ لَيَذُوْنَا اِلَيْهِ رَا جَعُوْنَ) پڑھنے کی آواز سنی تو حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً اپنا چہرہ ڈھانپ لیا وہ فرماتی ہیں کہ صفوان نے مجھے پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا تھا وہ چہرہ سے بھی تھا اور نہ انہیں چہرہ ڈھانپنے کی اور یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ انہوں نے مجھے نزول حجاب کے حکم سے پہلے دیکھا تھا۔

نیز چند صفحات پہلے یہ واقعہ بحوالہ صحیح بخاری گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ ام سلمہؓ کے پاس تھے وہیں ایک بیچرا بھی تھا اس نے حضرت ام سلمہؓ کے بھائی سے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح کر دیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی بتا دوں گا جو ایسی ایسی ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔

حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے یوں کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس (اندرون خانہ) اچھے برے لوگ آتے جاتے ہیں۔ (وہاں امہات المؤمنین بھی ہوتی ہیں) اگر آپ امہات المؤمنین کو پردہ کرنے کا حکم دیدیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ والی آیت نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۷۰۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ کی آیت میں ماعرصوں کے سامنے چہرہ ڈھانپنے کا حکم نازل ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کپڑے پہنے ہوئے ہی بیٹھ رہتی تھیں۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت اور سنئے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شب گزار کر صبح کو ولیمہ کیا تو خوب بڑی دعوت کی لوگ آتے رہے کھاتے رہے اور جاتے رہے کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے لیکن تین اصحاب رہ گئے وہ باتیں کرتے رہے آپ کے مزاج میں حیاء بہت تھی آپ نے ان سے نہیں فرمایا کہ تم چلے جاؤ! بلکہ خود حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف چلے گئے۔ جب میں نے آپ کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں تو آپ واپس تشریف لے آئے میں آپ کے ساتھ (حسب عادت) داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور فرمایا آیت حجاب یعنی آیت کریمہ: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ) (آخر تک) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادی۔

(صحیح بخاری ص ۷۰۷، ۷۰۸)

حضرت انسؓ پرانے خادم تھے دس برس تک انہوں نے آپ کی خدمت کی جب پردہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پردہ

ڈال دیا اور حضرت انس کو اندر آئے نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے جو حضرت انس گھروں میں اندر آتے جانتے تھے کیا ازواج مطہرات کپڑے نہیں پہنتی تھیں، کیا چہرہ کے سوا کسی اور جگہ بھی ان کی نظر پڑتی تھی؟ اگر چہرہ پردہ میں نہیں تو ان کو اندر جانے سے کیوں روکا گیا۔ ازواج مطہرات سے فرمادیتے کہ اس کو آنے جانے دو صرف چہرہ کھلے رکھا کرو لیکن وہاں معتدل داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا حکم نازل ہوا اس میں اصل چہرہ ہی کا چھپانا ہے اور نہ جسم کے دوسرے حصے پہلے بھی نامحرموں کے سامنے ظاہر نہیں کیے جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے کہ حضرت ام خلد کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقع پر شہید ہو گیا تھا وہ چہرہ پر نقاب ڈال ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لیے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلد نے جواب دیا اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو انڈیا ٹرڈ و حیا کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی (یعنی حیا کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا شتم ہو جانا) حضرت ام خلد کے پوچھنے پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لیے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لیے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۶)

اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنا منع ہے بہت سے مرد اور عورتیں ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا مصیبت کے وقت شریعت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہے جب گھر میں کوئی موت ہو جائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں جنازہ گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازہ کے ساتھ باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں خوب یاد رکھو غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت ہر حال میں احکام شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حج و عمرہ کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: لا تنتقب المرأة المحرمة (مکھو ہلا) (۲۲۰) یعنی احرام والی عورت نقاب نہ ڈالے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ نبوت میں عورتیں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں یاد رہے کہ حکم یہ ہے کہ عورت حالت احرام میں چہرہ پر کپڑا نہ ڈالے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے یہ عورتوں میں مشہور ہے کہ حالت احرام میں پردہ نہیں غلط فہمی ہے اس غلط فہمی کو حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث سے دور کر لیں انہوں نے فرمایا کہ ہم حالت احرام میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے گزرنے والے اپنی ساریوں پر ہمارے پال سے گزرتے تھے تو ہم اپنی چادر کو اپنے سر سے آگے بڑھا کر چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے تھے۔ جب وہ لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے تھے۔ (مکھو ہلا ص ۲۲۶)

مسئلہ یہ ہے کہ احرام والی عورت اپنے چہرہ کو کپڑا نہ لگائے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے ال فرق کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے واضح فرمادیا جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں مذکور ہے۔ بے پردگی کے حامی اپنی دلیل میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ

بنت ابوبکر سے فرمایا کہ اے اسماء جب عورت کو حیض آ جائے یعنی بالغ ہو جائے تو اس کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ نظر آ جائے اول تو یہ حدیث ہی منقطع الاسناد ہے حضرت امام ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے: خالد بن دریک لم یسمع من عائشہؓ پھر اس میں بھی نامحرموں کو دیکھنے دکھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ پردہ کے مخالفوں کو یہ منظور ہے کہ ان کی ماں، بہنیں، بہو، بیٹیاں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں، خود تو بے شرم ہیں یہ اپنی خواتین کو بھی شرم کے حدود سے پار کرنا چاہتے ہیں۔ پردہ لٹکنی کی دلیل کے لیے کچھ بھی نہ ملا تو حضرت ابن عباس کے قول کو حجت بنالیا اور اے قرآن کریم کے ذمہ لگا دیا حالانکہ قرآن مجید میں وجہ اور کفین کا کہیں ذکر نہیں ہے ان لوگوں کی وہی مثال ہے کہ چوہے کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو وہ جلدی سے پنساری بن بیٹھا۔

نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھانے والوں کی گسراہی:

بعض لوگوں نے نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھایا ہے خود سے دھوکہ کھانے کا بہانہ بنایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر میں داخل نہیں ہے اس سے بھلا نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے ثابت ہوا؟ نماز میں جسم ڈھکنے کا مسئلہ اور ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا یہ دوسری بات ہے، دیکھتے صاحب در مختار شروط الصلاة کے بیان میں حرہ یعنی آزاد عورت کی نماز میں پردہ پوشی کا حکم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: وللحرۃ جمیع بدنہا حتی شعرھا النازل فی الاصح خلا الوجه و الکفین و القدمین علی المعتمد اس میں یہ بتایا کہ نماز میں آزاد عورت کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں اور دونوں قدم کے علاوہ سارے بدن کا ڈھانکنا لازم ہے یہاں تک کہ جو بال سر سے لٹکے ہوئے ہوں ان کا ڈھانکنا بھی ضروری ہے اس کے بعد لکھتے ہیں: وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بین رجال لانه عودۃ بل لحوف الفتنة کمسه وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذا ثبت به حرمة المصاهرة ولا يجوز النظر الیه بشهوة کوجه الامر د فانه یحرم النظر الی وجهها و وجه الامر اذا شک فی الشهوة اما بدونها فیباح ولو جمیلا کما اعتمدہ الکمال۔ فقہاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمادیا کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو نماز کے مسئلے سے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے پر استدلال کر سکتے ہیں اس لیے انہوں نے کتاب الصلوٰۃ ہی میں نماز میں ستر عورت کا حکم بتا کر فوراً ہی جگہ یہ بھی بتا دیا کہ جو ان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں فتنہ کا ڈر ہے اور جو ان عورت کے چہرہ کی طرف اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت سے دیکھنا جائز نہیں ہے جبکہ اس میں شک ہو کہ شہوت یعنی نفس کی کشش ہوگی جب اس میں شک ہو کہ دیکھنے میں شہوت ہوگی یا نہیں اس صورت میں نہ صرف یہ کہ عورت کے چہرہ پر نظر ڈالنا حرام ہے بلکہ بے ریش کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ پھر جب شہوت کا یقین ہو یا غالب گمان ہو تو نظر ڈالنا کیونکر حرام نہیں ہوگا؟

اب سمجھ لیا جائے کہ اس زمانہ میں جو عورت چہرہ کھول کر باہر نکلتی گی اس پر نظریں ڈالنے والے مرد عموماً شہوت والے ہیں یا شہوت والے ہیں۔

صاحب جلالین کی عبارت پڑھئے وہ لکھتے ہیں: وَلَا يُهْدَيْنِ زَيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفَّانِ فِيَجُوزُ نَظَرُهُ لَاجْنِبِيٍّ اِنْ لَمْ يَخْفِ فِتْنَةً فِيْ اَحَدِ الْوَجْهَيْنِ وَالْثَانِي يَحْرُمُ لَانَهُ مَظْنَةُ الْفِتْنَةِ وَرَجَعَ حَسْبُ الْبَابِ لِتَنَاقُظِهِمَا (حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں لہذا اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی کو دیکھنا جائز ہے یہ (شافعیہ کے نزدیک) ایک رائے ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ چہرہ کو دیکھنے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لیے اجنبی کو نامحرم عورت کا چہرہ دیکھنا حرام ہے اس رائے کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے (معلوم ہوا کہ محققین شافعیہ کا بھی یہی فرمانا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنا لازم ہے)۔

تکمیل:

اسلام میں حیا اور شرم کی بہت اہمیت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوۃ الصالح ص ۱۲۲)

حیا کے تقاضوں میں جہاں نامحرموں سے پردہ کرنا ہے وہاں مردوں کے آپس کے اور عورتوں کے آپس کے پردہ کے بھی احکام ہیں حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کوئی مرد کسی مرد کی شرم کی جگہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرم گاہ کی جگہ کو دیکھے اور نہ ذمہ (کپڑے اتار کے) ایک کپڑے میں لیشیں۔ اور نہ دو عورتیں (کپڑے اتار کر) ایک کپڑے میں لیشیں۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے لیکن پردوں میں تفصیل ہے۔ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے ختم تک کسی بھی مرد کو کسی مرد کے طرف دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آپس میں زیادہ دوستی ہو جانے پر پردہ کی جگہ ایک دوسرے کو بلا تکلیف دکھا دیتے ہیں یہ سراسر حرام ہے اسی طرح عورت کو عورت کے سامنے ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کھولنا حرام ہے۔

مسئلہ: جتنی جگہ میں نظر کا پردہ ہے اتنی جگہ کو چھونا بھی درست نہیں ہے چاہے کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کسی بھی مرد کو یہ جائز نہیں کسی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کہ حصہ کو ہاتھ لگائے۔ اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کے ناف کے نیچے کے حصہ کو گھٹنوں کے ختم تک ہاتھ نہیں لگا سکتی اسی وجہ سے حدیث بالا میں دو مردوں کو ایک کپڑے میں لینے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہی ممانعت عورتوں کے لیے بھی ہے یعنی دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ لیشیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ضرورت اور مجبوری کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، مجبوری صرف دو جگہ پیش آتی ہے۔ اول تو بچہ پیدا کرانے کے وقت اس میں بھی دائی جنائی لیڈی ڈاکٹر صرف بقدر ضرورت پردہ کی جگہ پر نظر ڈال سکتی ہے اور کسی کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری مجبوری علاج کے مواقع میں پیش آتی ہے اس میں بھی الضرورة تقدر بقدر الضرورة کا لحاظ کرنا لازم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہو۔ معالج اسی قدر دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً اگر ران میں زخم ہو تو حکیم یا ڈاکٹر

مرف اتنی جگہ دیکھ سکتا ہے جس کا دیکھنا ضروری ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے پھر اسے صرف معالج دیکھ لے جیسے مثلاً آپریشن کرنا ہے یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگانا ہے تو صرف انجکشن لگانے کے لیے ذرا سی جگہ کھولی جائے جس کا طریقہ اوپر مذکور ہے اور جس جگہ کو علاج کی مجبوری سے ڈاکٹر یا حکیم کو دیکھنا جائز ہے دوسرے لوگوں کو دیکھنا جائز نہیں جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ اگر کسی حکیم کو ایسی عورت کے نبض دکھانی ہو جو حکیم کی محرم نہ ہو تو نبض کی جگہ پر انگلی رکھ سکتا ہے اس سے زیادہ مریضہ کے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔ ان باتوں کو خوب سمجھ لیا جائے۔

تذہیل:

اگر کوئی نامحرم عورت اپنے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار سے پردہ نہ کرے تو نامحرم مردوں کو اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہو جاتا پردہ حکم شرعی ہے خود عورت سے یا اس کے شوہر کی اجازت سے یا کسی بھی شخص کے کہنے یا اجازت دینے سے محرموں کو اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح ملازمت کے کام انجام دینے کی وجہ سے بے پردہ ہو کر نامحرموں کے سامنے آ جانا گناہ ہے لوگ مسلم خواتین کو بے حیاء نصرانی لیڈیوں کے ردپ میں دیکھنا چاہتے ہیں ایک مسلمان عورت کسی کافر عورت کی نقل کیوں اتارے؟ ہمارا دین کامل ہے ہمیں اپنے دینی امور میں یا دنیاوی مسائل میں کافروں کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یاد رہے کہ جیسے نامحرم عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بے ریش لڑکوں پر یا باریش نوجوانوں پر یا داڑھی منڈاے خوبصورت مردوں پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ شہوت کی نظر وہ ہے جس میں نفس اور نظر کو مزا آئے اور آج کل لڑکوں اور مردوں کی کسی ہوئی پتلون نے جونگا ہونے کے برابر ہے، بد نظری کے مواقع بہت زیادہ فراہم کر دیئے ہیں۔ ہر مؤمن بد نظری سے بچے بد نظری گناہ بھی ہے اور اس سے دل کا ناس ہو جاتا ہے نماز اور ذکر تلاوت میں دل نہیں لگتا۔ اور اس کے برخلاف نا جائز نظریہ جانے پر نظر پھیر لینے سے ایسی عبادت کے نصیب ہونے کا وعدہ ہے جس کی حلاوت یعنی محاسن محسوس ہوگی۔

(رواہ احمد کانی مشکوٰۃ ۱۷۶)

حضرت حسن سے (مرسل) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص. ۳۷ از بیہقی فی شعب الایمان)

یہ حدیث بہت سے جزئیات پر حاوی ہے جس پر بطور قاعدہ کلیہ ہر نظر حرام کو سبب لعنت بتایا ہے بلکہ اس پر بھی حنت بھیجی ہے جو اپنی خوشی اور اختیار سے ایسی جگہ کھڑا ہو جائے جہاں دیکھنے والے ایسی نظر ڈال سکیں جو شریعت میں حلال نہ ہو، نگوں کے جوکب ہیں ان کے مجبر بنانا چنے والی عورتوں کا اور ناچنے والے مردوں کا نظارہ کرنے والے سب لعنت کے مستحق ہیں۔

اگر کوئی عورت بغیر پردہ کے بازار میں یا میلہ میں یا پارک میں چلی گئی جس کی وجہ سے غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرد اور اس لعنت کے مستحق ہوئے اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی سے یا برآمدہ سے باہر نکلتی جھانکتی ہے تو یہ عورت بد نظری کی وجہ سے مستحق لعنت ہے اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے کی وجہ سے بھی لعنت کی مستحق ہوتی ہے اسی طرح شادی

کے موقع پر سلامی کے لیے جب دولہا اندر گھر میں آیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے لگی۔ وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں، اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی مرد کے سامنے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک پورا حصہ یا کچھ حصہ کھول دیا تو دکھلانے والا اور دیکھنے والا دونوں لعنت کے مستحق ہوئے۔ کسی عورت نے اپنے محرم یعنی باپ بھائی وغیرہ کے سامنے اپنا پیٹ یا پیٹھ یا ران یا گھٹنا کھول دیا تو دیکھنے والا اور دکھانے والی دونوں لعنت کا کام کر لیا۔ بہت سے مغربیت زدہ گھرانوں میں یہ آفت ہے کہ انگریز عورتوں کی دیکھا دیکھی صرف ایک خراک پتے ہوئے گھروں میں رہتی ہیں اور پانچامہ یا ساڑھی کی جگہ ذرا سی لنگوٹی یا جان کیا پہنے رہتی ہیں جس کی وجہ سے رانیں اور گھٹنے کے مردوں کے سامنے بلکہ نوکروں کے سامنے بھی (جن کو گھروں میں رکھنا حرام ہے) کھلے رہتے ہیں۔ اس طرز عمل سے گھر کے سب مرد و عورت لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر انوار البیان)

وَالْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ يَنْفَكُونَ عَنْ أَفْئِدَتِهِمْ وَأَقْبَابِهِمْ يُبْخِلُونَ ۖ

نکاح کی ضرورت اور عفت و عصمت محفوظ رکھنے کی اہمیت:

ان آیات میں ان لوگوں کا نکاح کر دینے کا حکم فرمایا ہے جو یا نکاح نہ ہوں جس کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ اب تک نکاح ہوا ہی نہ ہو، دوسری یہ کہ نکاح ہو کر چھوٹ چھڑاؤ ہو گیا ہو یا میاں بیوی میں سے کسی کی وفات ہو گئی ہو۔ آیت شریفہ میں لفظ ایامی وارد ہوا ہے یہ ایام کی جمع ہے۔ عربی میں ایام اس مرد کو کہتے ہیں جس کا جوڑا نہ ہو، چونکہ نکاح ہو جانے سے مرد اور عورت کے نفسانی ابھار کا انتظام ہو جاتا ہے اور نکاح پاکدامن رہنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس لیے شریعت اسلامیہ میں اپنا نکاح کرنے اور دوسروں کا نکاح کر دینے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ نکاح ہو جانے سے نفس و نظر پاک رہتے ہیں گناہ کی طرف دھیان چلا بھی جائے تو اپنے پاس نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے انتظام ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کر لیا تو آدھے دین کو کامل کر لیا لہذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے کا مقدور ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح نظروں کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو پاک رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور بے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو وہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزے رکھنے سے اس کی شہوت دب جائے گی۔

(رواہ ابن ماجہ ص ۸۰، ۸۱)

مستقل طور پر قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نسل بڑھانا مقصود ہے اور مسلمان کی جو اولاد ہوتی ہے عموماً مسلمان ہی ہوتی ہے اور اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جس سے دل لگے اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کرونگا۔

(رواہ ابوداؤد ص ۱۸۰، ۱۸۱)

اگر مردانہ قوت زائل نہ کی جائے پھر کبھی نکاح کا مقدور ہو جائے تو اس میں اولاد سے محروم نہ ہوگا۔ حضرت عثمانؓ

معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں غصی ہونے کی اجازت دیجیے آپ نے فرمایا: ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصِيَ زَوْجًا بِخَصَاةٍ أَمْنِي الصِّيَامِ))۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۲۹ شرح الحدیث) یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو غصی کرے یا خود غصی بنے، بے شک میری امت کا غصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔

عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے حضرات انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں انبیاء کرام نے اختیار فرمایا تھا (۱) شرم کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا (رواہ الترمذی وھو اول حدیث من ابواب النکاح فی کتابہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو شہوت کا غلبہ ہو اور اسے غالب گمان ہو کہ حد و شریعت پر قائم نہ رہے گا نفس و نظر کو محفوظ نہ رکھ سکے گا اور اس کے پاس نکاح کرنے کے وسائل بھی موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہے اور نکاح کے وسائل نہیں یا کوئی عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہیں تو گناہ میں مبتلا ہونا پھر بھی حلال نہیں شہوت دبانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھنے کا نسخہ بتایا ہے اس پر عمل کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ توفیق دے دے تو نکاح کر لیں۔

چونکہ عام طور پر اپنے نکاح کی کوشش خود نہیں کی جاتی اور خاص کر عورتیں اور ان میں بھی کنواری لڑکیاں اپنے نکاح کی خود بات چلانے سے شرماتی ہیں اور یہ شرم ان کے لیے بہترین ہے جو ایمان کے تقاضوں کی وجہ سے ہے اس لیے اولیاء کو لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرنے کے لیے متشکر رہنا لازم ہے اسی طرح بڑی عمر کے بے شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کے لیے فکر مند رہنا چاہئے۔ آیت شریفہ میں جو وَ اَلْكُحُوْلُ الْاَيُّهَا فَيُفْرَمَا یہ ہے آج کل لوگوں نے نکاح کو ایک مصیبت بنا رکھا ہے دیندار جوڑا نہیں ڈھونڈتے اور اور دنیا داری اور ریاکاری کے دھندے پیچھے لگا رکھے ہیں جن کی وجہ سے بڑی بڑی عموں کے مرد اور عورت بے نکاح کے بیٹھے رہتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں بے شرم ہو کر خود سے اپنا جوڑ ڈھونڈ لیتی ہیں اور کورٹ میں جا کر قانونی نکاح کر لیتی ہیں اب ماں باپ چوکتے ہیں کہ ہائے ہائے یہ کیا ہوا۔ اور بعض مرتبہ یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوتا اولاد کے نکاحوں کے سلسلے میں لوگوں کی بے دھیانی اور بے راہی کی وجہ سے بڑے بڑے نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو تم اس سے نکاح کر دو اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور (الباہرہ فی فساد ہوگا)۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے (۱) اس کے مال کی وجہ سے (۲) اس کے مرتبہ کی وجہ سے (۳) اس کی خوبصورتی کی وجہ سے (۴) اس کے دین کی وجہ سے ہو تو دین والی عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جاؤ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ (رواہ البخاری)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا ہے کہ مرد یا عورت دونوں کے لیے دیندار اور حسن اخلاق سے متصف جوڑا تلاش کیا جائے۔ آج کل دینداری کی بجائے دوسری چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے خرچوں کے انتظام میں دیر لگنے کی وجہ سے لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں ریاکاری کے جذبات سادہ شادی نہیں کرنے دیتے۔ ہیں تو سید صاحب لیکن اپنی ماں فاطمہؓ کے مطابق بیٹا

جی کے نکاح کرنے کو عارضتھی ہیں اگر کوئی توجہ دلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آج کل کا دور ہی ایسا ہے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس دور لانے والا کون ہے خود ہی ریا کاری کا رواج ڈالا اور اب کہہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے اخراجات نہ ہوں تو لڑکی کا نکاح کیے کریں اور کس سے کریں؟ مسلمانو! ایسی باتیں چھوڑو، سادگی میں آ جاؤ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں خرچہ کم سے کم ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۸)

غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا: (وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِ كُنْهٍ وَأَمَاءِ كُنْهٍ) یعنی اپنے غلاموں میں سے ان غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دیا کرو جو صالح ہوں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالحین سے وہ غلام اور باندیاں مراد ہیں جن میں نکاح کی صلاحیت ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے صالح کے معروف معنی یعنی نیک ہونا مراد ہے، جو معنی بھی مراد لیا جائے غلام اور باندی کے آقا کے لیے مستحب ہے کہ ان میں صلاح اور صلاحیت دیکھے تو نکاح کر دے۔ قال فی روح المعانی: والامر هنا قیل للوجوب والیہ ذہب اهل الظاهر وقیل للندب والیہ ذہب الجمهور غلاموں اور باندیوں کے نکاحوں اور ان سے پیدا شدہ اولاد کے مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ آزاد مرد اور عورت اور مملوک مرد اور عورت کے نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا: (إِنْ يَتْلُوْا فَقَرَاءٌ يُغْنِيْهِمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ) (اگر یہ لوگ مطلق ہوں گے تو اللہ انہیں اپنی فضل سے غنی فرما دے گا) وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والے کی مالی امداد فرمائے گا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کرنے سے باز نہ رہیں اگر کوئی مناسب عورت مل جائے تو نکاح کر لیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کر لیا ہے۔

(۱) وہ مکاتب جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے (عنقریب ہی مکاتب کا معنی معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(۳) وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ (روہ النسائی کتاب النکاح)

پھر فرمایا: (وَلَيْسَتْغْفِرَ الَّذِينَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ) کہ جو لوگ نکاح پر قدرت نہ رکھتے ہوں ان کے پاس مال و اسباب نہیں گھر در نہیں تو وہ اس کو عذر بنا کر اپنی عفت اور عصمت کو داغدار نہ کر لیں۔ نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کا اہتمام کریں یوں نہ سمجھ لیں کہ جب میں نکاح نہیں کر سکتا تو نفس کے ابھار و خواہشات کو زنا کے ذریعہ پورا کر لوں۔ زنا بہر حال حرام ہے اس کے حلال ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار کریں۔ جب مقدور ہو جائے تو نکاح کریں اور صبر سے کام لیں اور نفس کے جذبات کو دبانے کی تدبیر حدیث شریف میں گزر چکی ہے کہ روزے رکھا کریں۔

وَلَيْسَتْغْفِرَ الَّذِينَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ۔۔۔

غلاموں اور باندیوں کا مکاتب بنانے کا حکم

پچھلی آیت میں مملوک غلاموں اور لونڈیوں کو اگر نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو آقاؤں کو ہدایت کی گئی تھی کہ ان کو نکاح کی

اجازت دیدہ دینا چاہئے اپنی مصلحت کے لئے ان کے طبعی مصالح کو مؤخر نہ کریں یہ ان کے لئے فاضل اور بہتر ہے۔ غلام اس ہدایت کا اپنے مملوک غلاموں لونڈیوں کے ساتھ حسن معاملہ اور ان کو تکلیف سے بچانا ہے اس کی مناسبت سے آیت مذکورہ میں ایک دوسری ہدایت ان کے آقاؤں کے لئے یہ دی گئی ہے کہ اگر یہ مملوک غلام یا لونڈی آقاؤں سے معاملہ مکاتبت کا کرنا چاہیں تو ان کی اس خواہش کو پورا کر دینا بھی آقاؤں کے لئے افضل اور مستحب موجب ثواب ہے۔ صاحب ہدایہ اور عامہ فقہاء نے اس حکم کو حکم استحباب ہی قرار دیا ہے یعنی آقا کے ذمہ واجب تو نہیں کہ اپنے مملوک کو مکاتبت بنا دے لیکن مستحب اور افضل ہے اور معاملہ مکاتبت کی صورت یہ ہے کہ کوئی مملوک اپنے آقا سے کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کر دیں کہ وہ رقم میں اپنی محنت و کسب سے حاصل کر کے آپ کو ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں اور آقا اس کو قبول کرے، یا معاملہ برعکس ہو کہ آقا چاہے کہ اس کا غلام کچھ عینہ رقم اس کو دیدے تو آزاد ہو جائے اور غلام اس کو قبول کرے۔ اگر آقا اور مملوک کے درمیان ایجاب و قبول کے ذریعہ یہ معاملہ مکاتبت کا طے ہو جاتا ہے تو وہ شرعاً لازم ہو جاتا ہے آقا کو اس کے نسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا جس وقت بھی غلام عینہ رقم لے کر اس کو دیدے گا خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

یہ رقم جو بدل کتابت کہلاتی ہیں شریعت نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی خواہ غلام کی قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم یا زیادہ جس پر فریقین میں بات طے ہو جائے وہ بدل کتابت ٹھہرے گا۔ اپنے مملوک غلام یا لونڈی کو مکاتبت بنا دینے کی ہدایت اور اس کو مستحب اور افضل قرار دینا شریعت اسلام کے ان ہی احکام میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام کا مقصد فی ہر جہ کہ جو لوگ شرعی حیثیت سے غلام ہیں ان کی آزادی کے زیادہ سے زیادہ راستے کھولے جائیں۔ تمام کفارات میں ان کے آزاد کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ ویسے بھی غلام آزاد کرنے میں بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہے مکاتبت کا معاملہ بھی اسی کا ایک راستہ ہے اس لئے اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ البتہ اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی کہ: **إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا** یعنی مکاتبت بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب جلالی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتبت بنا دیا تو کما کر عینہ رقم جمع کر لے گا اس کو مکاتبت بناؤ ورنہ جو اس قائل نہ ہو اس کو مکاتبت بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ غیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اس کے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرنا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

وَأَتَوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي بَرَئْتُمْ یعنی بخشش کرد ان پر اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ یہ خطاب مسلمانوں کو مومنوں اور آقاؤں کو خصوصاً کیا گیا ہے کہ جب اس غلام کی آزادی ایک عینہ رقم جمع کر کے آقا کو دینے پر موقوف ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس میں اس کی مدد کریں زکوٰۃ کا مال بھی ان کو دے سکتے ہیں اور آقاؤں کو اس کی ترغیب ہے کہ خود بھی ان کی مدد کریں یا بدل کتابت میں سے کچھ کر دیں۔ صحابہ کرام کا معمول اسی لئے یہ رہا ہے کہ بدل کتابت میں جو رقم اس پر لگائی ہوتی تھی اس میں سے تہائی چوتھائی یا اس سے کم حسب استطاعت کم کر دیا کرتے تھے۔ (مظہری)

فن معاشیات کا ایک اہم مسئلہ اور اس میں شرعی فیصلہ:

آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا معادلات آخرت کو بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے۔ ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں ان کے تصادم نے اقوام دنیا میں تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔ ایک نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے جس کو اصطلاح میں کیپٹل ازم کہا جاتا ہے۔ دوسرا نظام اشتراکیت کا ہے جس کو کمیونزم یا سوشل ازم کہا جاتا ہے۔ اتنی بات تو مشاہدہ کی ہے جس کا دونوں نظاموں میں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اس دنیا میں انسان اپنی محنت اور کوشش سے جو کچھ کماتا اور پیدا کرتا ہے اس سب کی اصل بنیاد قدرتی وسائل پیداوار زمین، پانی اور معادن میں پیدا ہونے والی قدرتی اشیاء پر ہے۔ انسان اپنے غور و فکر اور محنت و مشقت کے ذریعہ انہیں وسائل پیداوار میں جوڑ توڑ اور قلیل و ترکیب کے ذریعہ اپنی ضرورت کی لاکھوں اشیاء پیدا کرتا اور بناتا ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ دونوں نظام پہلے یہ سوچتے کہ یہ قدرتی وسائل خود تو پیدا نہیں ہو گئے ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کا اصل مالک بھی وہی ہوگا جو ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ ہم ان وسائل پر قبضہ کرنے اور ان کے مالک بننے یا استعمال کرنے میں آزاد نہیں بلکہ اصل مالک و خالق نے اگر کچھ ہدایات دی ہیں تو ان کے تابع چلنا ہمارا فرض ہے۔ مگر مادہ پرستی کے جنون نے ان سبھی کو اصل خالق و مالک کے تصور ہی سے غافل کر دیا۔ ان کے نزدیک اب بحث صرف یہ رہ گئی کہ وسائل پیداوار پر قبضہ کر کے ان سے ضروریات زندگی پیدا کرنے والا ان سب چیزوں کا خود بخود آزاد مالک و مختار ہو جاتا ہے، یا یہ سب چیزیں وقف عام اور مشترک ہیں ہر ایک کو ان سے نفع اٹھانے کا یکساں حق حاصل ہے؟

پہلا نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے جو انسان کو ان چیزوں پر آزاد ملکیت کا حق دیتا ہے کہ جس طرح چاہے اس کو حاصل کرے اور جہاں چاہے اس کو خرچ کرے اس میں اس پر کوئی روک ٹوک برداشت نہیں۔ یہی نظریہ قدیم زمانے کے مشرکین و کفار کا تھا جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ مال ہمارے ہیں ہم ان کے مالک ہیں آپ کو کیا حق ہے کہ ہم پر پابندی لگائیں کہ فلاں کام میں خرچ کرنا جائز اور فلاں میں حرام ہے۔ آیت: اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ کا حکم مطلب ہے۔ اور دوسرا نظریہ اشتراکیت کا ہے جو کسی کو کسی چیز پر ملکیت کا حق نہیں دیتا بلکہ ہر چیز کو تمام انسانوں میں مشترک اور سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حقدار قرار دیتا ہے اور اصل نظریہ اشتراکیت کی بنیاد یہی ہے۔ مگر پھر جب دیکھا کہ یہ ناقابل عمل تصور ہے اس پر کوئی نظام نہیں چلایا جاسکتا تو پھر کچھ اشیاء کو ملکیت کے لئے مستثنیٰ بھی کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے ان دونوں بیہودہ نظریوں پر رد کر کے اصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے۔ پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس

تاونوں کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمانے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور بمیانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔

آیت مذکورہ اگرچہ ایک اور مضمون کے لئے آئی ہے مگر اس کے ضمن میں اسی اہم معاشی مسئلہ کے چند اصول بھی آ گئے ہیں، الفاظ آیت پر نظر کیجئے: **وَأَتَوْهُمْ قِنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاهُمْ**، یعنی دواں حاجت مند لوگوں کو اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے دیا ہے اس میں تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ اصل مالک مال اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے دوسرے یہ کہ اللہ نے اپنے فضل سے اس کے ایک حصہ کا تمہیں مالک بنا دیا ہے تیسرے یہ کہ جس چیز کا تم کو مالک بنایا ہے اس پر کچھ پابندیاں بھی اس نے لگائی ہیں بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو ممنوع قرار دیا اور بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو لازم و واجب اور بعض میں مستحب اور افضل قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا حکم اس آیت میں ایک جاہلیت کی رسم مٹانے اور زنا و فواحش کے انسداد کے لئے یہ دیا گیا ہے۔ **لَا تَكُونُوا تَبٰیئَکُمْ عَلَی الْبَغَاۃِ** یعنی اپنی لونڈیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زنا کاری کے ذریعہ مال کما کر تمہیں دیا کریں۔ جاہلیت میں بہت سے لوگ لونڈیوں کو اسی کام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے جب زنا پر سخت سزائیں جاری کیں، آزاد اور غلام سب کو اس کا پابند کیا تو ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے خاص احکام دے۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا، یعنی جبکہ وہ لونڈیاں زنا سے بچنے اور پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں تو تمہارا ان کو مجبور کرنا بڑی بے حیائی اور بے غمیری کی بات ہے۔ یہ الفاظ اگرچہ بصورت شرط آئے ہیں مگر باجماع امت درحقیقت مراد ان سے شرط نہیں کہ لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور نہ کیا جائے ورنہ مجبور کرنا جائز ہے بلکہ بتلانا یہ ہے کہ عام عرف و عادت کے اعتبار سے لونڈیوں میں حیا اور پاکدامنی زمانہ جاہلیت میں نا بود تھی۔ اسلام کے احکام کے بعد انہوں نے توبہ کی۔ ان کے آقاؤں نے مجبور کرنا چاہا تو اس پر یہ احکام آئے کہ جب وہ زنا سے بچنا چاہتی ہیں تو تم مجبور نہ کرو۔ اس میں ان کے آقاؤں کو زبردستی اور تشنیع کما ہے کہ بڑی بے غمیری اور بے حیائی کی بات ہے کہ لونڈیاں تو پاک رہنے کا ارادہ کریں اور تم انہیں زنا پر مجبور کرو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِکْوَاهِهِنَّ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے۔ اگر کسی نے لیا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ سے مغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمادے گا اور اس کا سارا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ (منہجی) واللہ اعلم

لَقَدْ نُوِّرَ لِّلنَّبِیِّیْنَ وَالَّذِیْنَ اٰتٰیہُمُ الْکِتٰبَ مِنْۢ بَیْنِہُمْ اَیُّ مَنۢ نُّوِّرُہُمْ بِالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ مِثْلَ نُوْرٍ اَیُّ صِفَتُہُ فِی قَلْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ کَمِثْلِ نُوْرِ لَقَدْ مَضٰی اَلْیَوْمَ اَلْاَوَّلُ فِی رُجَاۃٍ ۙ هِیَ الْیَقِیْنُیْلُ وَالْمِصْبَاحُ السِّرَاجُ اَیُّ الْفِیْلَہُ الْمُؤَقَّدَةُ وَالْمِشْکُوۃُ

الطاقة غير النافذة أي الأتوية في القديس الرجاء كأنها والنور فيها كوكب ديري أي مضي بكسر
 الدال وضعتها من البر بمعنى الدفع لدفعه الطلام وبضعتها وتشد يد البناء منسوب إلى الدر اللؤلؤ
 يوقد المصباح بالماضي وفي قراءة بمضارع أو قد مبني المفعول بالتحانية وفي أخرى بالقولانية
 أي الرجاء من زيت شجرة مبركة زيتونة لا شريطة ولا غريبة بل بينهما فلا يتحرك منها حر ولا برد
 مبشرين يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسه نار لصفائه نور به على نور بالنار ونور الله أي هذه
 للمؤمن نور على نور الإيمان يهدي الله لنوره أي دين الإسلام من يشاء ويضرب يسبئ الله الأمثال
 للناس تقرب إليها منهم ليتغيروا ويؤمنوا والله بكل شيء عليم ١ منه ضرب الأمثال في بيوت متغير
 يسبح الأني أدن الله أن ترفع تعظم ويذكر فيها أسمة بتوجيه يسبح يفتح الموحدة وكسرها أي
 يصلي لها فيها العدة ومضد بمعنى الغدوات أي البكر والأصال العسايا من بعد الزوال رجال
 فاعل يسبح بكسر الباء وعلى فتحها نائب الفاعل له ور حال فاعل فعل مقدر جواب سؤال مقدر
 كأنه قيل من يسبحه لا تلهيهم تجارة أي شراء ولا بيع عن ذكر الله وإقامة الصلوة حذف هاء إفان
 تخفيفا وإتاء الزكوة يخافون يوما تتقلب تضطرب فيه القلوب والأبصار ٢ من الخوف القلوب بين
 التجارة والهلاك والأبصار بين ناحيتي اليمين والشمال هو يوم القيمة ليجزيه الله أحسن ما عملوا أي
 ثوابه وأحسن بمعنى حسن ويزيدهم من فضله ٣ والله يرزق من يشاء بغير حساب ٤ يقال فلان ينفق
 بغير حساب أي يوسع كأنه لا يحسب ما ينفقه والذين كفروا أعمالهم كسراب بقيعة جمع قاع أي
 في فلاة وهو شعاع يرى فيها نصف النهار في شدة الحر يشبه الماء الجاري يحسبه يظنه الظان أي
 العطشان ماء حتى إذا جاءه لم يجده شيئا ٥ مما حسبه كذلك الكافر يحسب أن عمله كصدقة تنفق
 حتى إذا مات وقدم على ربه لم يجد عمله أي لم ينفعه ووجد الله عنده ٦ عند عمله فوقه حسابه ٧ أي
 أنه جازاه عليه في الدنيا والله سريع الحساب ٨ أي المجازاة أو الذين كفروا أعمالهم الشبهة كلاب

فِي بَيْتٍ لِّقِيٍّ عَمِيقٍ تَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ قَوْقِهِ أَيُّ الْمَوْجِ مَوْجٌ مِّنْ قَوْقِهِ أَيُّ الْمَوْجِ الثَّانِي سَعَابٌ أَيُّ غَيْمٍ
هَذِهِ ظِلْمَةُ الْبَحْرِ وَظِلْمَةُ الْمَوْجِ الْأَوَّلِ وَظِلْمَةُ الْمَوْجِ الثَّانِي وَظِلْمَةُ السَّحَابِ
إِذَا الْخَمَجُ النَّاطِلُ يَدَاهُ فِي هَذِهِ الظُّلُمَاتِ لَمْ يَكُنْ يَرِيهَا أَيُّ لَمْ يَقْرُبْ مِنْ رُؤُوسِهَا دَمَنٌ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ
نُورًا أَمَّا لَمْ يَرَهُ أَيُّ لَمْ يَهْدِهِ اللَّهُ لَمْ يَهْتَدِ

صح

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا (یعنی ان دونوں کو سورج اور چاند سے منور کرنے والے ہیں) اس کے نور کی
مالت ایسی ہے (قلب مومن میں) جیسے فرض کرو ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ رکھا ہے اور وہ چراغ ایک قدیل
میں ہے (السراج کے لغوی معنی فتیلہ اور مشکوۃ کے لغوی طاقہ غیر نافذہ یعنی قدیل میں فتیلہ کی جگہ زجاجہ کے معنی قدیل یعنی
شیر کا قدیل۔ وہ قدیل ایسا صاف و شفاف ہے جیسا کہ ایک چمکدار ستارہ ہے) دری دال پر کسرہ معنی مضییٰ اور اگر بالضم
ہے تو الدرہ مشتق ہے معنی الدفع چونکہ روشنی تاریکی کو دور کرتی ہے اور تیسری قراءت دال پر ضمہ اور یاہ مشدود جو کہ الدر کی طرف
منسوب ہے بمعنی موتی) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو زیتون کا درخت ہے (ماضی کے
ساتھ اور مضارع کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں۔ یوقد، او قد بصیغہ مجہول یاہ کے ساتھ اور دوسری قراءت میں تاء کے ساتھ
یعنی وہ قدیل نما چراغ) جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچتم رخ ہے (بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ہے پس اس روشن چراغ سے
نہ گری اور نہ ٹھنڈک کہ جو نقصان دہ پڑتی ہے اور) قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اسیں آگ (چونکہ وہ
تیل بہت ہی صاف و شفاف ہے روشنی پر روشنی) (یعنی ایک روشنی تیل سے اور ایک روشنی تار سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا
نور یعنی ہدایت خداوند نور علی نور الایمان ہے) اللہ تعالیٰ اپنے اس نور ہدایت یعنی دین اسلام تک جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے اور
اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت تقریب فہم) کے لیے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کریں اور ایمان
لے آئیں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (اسی میں یہ مثالوں کا بیان کرنا بھی ہے۔ وہ ایسے گھروں میں ہیں جن کی
نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جاوے اور ان میں اللہ کا نام لیا جاوے (خالص اس کی توحید کے ساتھ)
ان (مساجد) میں ایسے لوگ صبح غدو مصدر ہے غدوات کے معنی میں یعنی صبح و شام آصال یعنی شام زوال کے بعد اللہ کی پاکی
بیان کرتے (نماز پڑھتے ہیں) ہیں جن کو اللہ کی یاد اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور
نہ درخت (فی بیوت بعد میں مذکور یسبح کے متعلق ہے) رجال یسبح بالکسر کا فاعل ہے اور دوسری قراءت بفتح الیاء تو اس کا
فاعل فعل ہوگا۔ اس قراءت کی بیاد پر رجال فعل مقدر کا فاعل ہے اور فعل مقدر جواب ہے سوال مقدر کا گویا کہ سوال کیا گیا ہے
”من یسبح“؟ تو جواب یہ ویسبح رجال! بوجہ تخفیف اقامۃ کی تاء حذف کر دی گئی (وہ ایسے دن کی دار و گیر یعنی روز
قیامت سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی) (خوف کی وجہ سے، یعنی قلوب نجات اور
ہلاک کے درمیان مبتلا، اضطراب ہوں گے اور ٹکا ہیں دائیں بائیں کناروں کے درمیان چکراتی اور لگی ہوئی ہوں گی۔ قیامت

کے دن کی ہولناکی کی وجہ سے) تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر کاموں کا اور زیادتی دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار (مشہور مقولہ ہے کہ فلان شخص بے حساب خرچ کرتا ہے یعنی اخراجات میں خوب وسعت کرتا ہے گویا کہ جو خرچ کرتا ہے حساب نہیں کرتا! اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چشیل میدان میں چمکتا ہوا ریت (قاع) کی جمع یعنی شکل میں اور سراب وہ شعاعیں ہیں کہ جو سخت ترین گرمی کے موسم میں نصف النہار کے وقت جگمگ میں دکھائی دیتی ہیں۔ کہ وہ جاری پانی کے مشابہ ہوتی ہیں) کہ یہاں آدمی اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا (اس میں سے کہ جو اس نے گمان کیا، پس یہی صورت حال کافر ہوگی کہ وہ گمان کرے گا کہ اس کا عمل مثلاً صدقہ کرنا اس کو نفع دے گا، یہاں تک کہ جب وہ مرے گا اور اپنے رب کے سامنے پہنچے گا تو اپنے عمل کو نہ پائے گا یعنی اس کو کچھ نفع نہ دے گا) اور اللہ کو پایا اپنے عمل کے پاس پھر اس کو پورا اپنچا دیا اس کا لکھا (ہوا یعنی دنیا میں ہی اس کے عمل کا بدلہ پورا کر دیا حساب چکا دیا) اور اللہ تعالیٰ دم بھر میں حساب کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ یادہ (کافر لوگ کہ ان کے برے اعمال) ایسے ہیں جیسے برے گہرے سمندر کے اندر دنی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی موج نے ڈھنک لیا ہوا اس (موج) اوپر دوسری موج (ہو پھر) اس کے اوپر بادل (ہو، یہ) اوپر لگے بہت سے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں (سمندر کی تاریکی اور موج اول کی تاریکی اور موج کی تاریکی پھر بادل کی تاریکی) کہ اگر اس قدر اندھیروں میں کوئی آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں (یعنی اس کو دیکھنا ممکن نہیں) اور اس کو دیکھنا ممکن نہیں) اور جس کو اللہ ہی نور ہدایت نہ دے اس کو کہیں سے بھی ہدایت کا نور نہیں حاصل ہو سکتا جس کو اللہ نے ہدایت نہ دی اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

کلمات تفسیرہ کے توضیح و تشریح

قولہ: **مَنْزُورٌ مُنْصَرِفٌ**: نور مجازی طور پر منور کے معنی میں ہے نور وہ کیفیت جس کا اور اک باصرہ کر لے۔

قولہ: **الْأَبْجُودَةُ**: پوری، مصباح الزجاجة۔ چراغ دان۔

قولہ: **الْعَدَدُ**: مصدر ہے اس کا اطلاق وقت پر کیا گیا۔

قولہ: **بَيْنَ النَّجَاةِ**: یعنی نجات کی توقع اور ہلاکت کا خوف۔

قولہ: **لَيَجْزِيَهُمْ**: یہ یسبح سے متعلق ہے یا لتلیہم یا بخافون سے۔

قولہ: **نُورَانَهُ**: وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا۔

قولہ: **مِنْ فَضْلِهِ**: سے ان اشیاء کا ثواب جن پر نہ وعدہ ثواب ہے اور نہ ان کا کبھی خیال گزرا۔

قولہ: **نَاعٍ**: برابر زمین، یسرب، چٹان۔

قولہ: **الْقَنَّانُ**: سخت رسوائی میں کافر کو اس سے تشبیہ دی اسی وجہ سے اس کو خاص کیا۔

قولہ: **كَطَلَبَتِ**: اس کا عطف سراب پر ہے تحنیر کے لئے آیا ہے۔

تفسیر مقبولین

اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝.....

نور کی تعریف:

امام غزالی نے یہ فرمائی: الظاہر بنفسہ والمظہر لغيرہ، یعنی خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ اور تفسیر مظہر میں ہے کہ نور دراصل اس کی کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ نور کا اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات سب سے بری اور دراء الوریٰ ہے اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنی باتفاق ائمہ تفسیر منور یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر میضہ مبالغہ کی طرح صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا جیسے صاحب کرم کو کرم اور صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے۔ اور معنی آیت کے وہ ہیں جو خلاصہ تفسیر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور بننے والے ہیں آسمان و زمین کو اور اس میں بسنے والی سب مخلوق کو اور مراد اس نور سے نور ہدایت ہے۔ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اللہ ہادی اهل السموات والارض۔

نور مؤمن:

مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلُ نُوْرٍ.... اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو مؤمن کے قلب میں آتا ہے۔ یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر نے حضرت ابی بن کعب سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: هو المؤمن الذی جعل اللہ الایمان والقرآن فی صدرہ فضرِب اللہ مثله فقال اللہ نور السموات والارض فبداء بنور نفسه ثم ذکر نور للمؤمن فقال مثل نور من امن به فكان ابی بن کعب یقرأ ہما مثل نور من امن به (ابن کثیر)

یعنی یہ مثال اس مؤمن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈال دیا ہے اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا: اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ پھر قلب مؤمن کے نور کا ذکر فرمایا: مَثَلُ نُورٍ اور اس آیت کی قرات بھی حضرت ابی بن کعب کی مثل نورہ کے بجائے مثل نور من امن به کی ہے اور سعید بن جبیر نے یہی قرات اور آیت کا یہی مفہوم حضرت ابن عباس سے بھی روایت کیا ہے ابن کثیر نے یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مثل نور کی تفسیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا

نور ہدایت جو مؤمن کے قلب میں فطرتاً رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے گمشدہ کو تلاش یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خمیر ہی مؤمن کی طرف راجع ہو جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے۔ اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روشن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روشن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الہی اور علم الہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مؤمن ہی اٹھاتا ہے۔ ورنہ فطری نور ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جائے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کبھی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نور ہدایت کی وجہ سے اس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جب انبیاء اور ان کے تابعوں کے ذریعے وحی الہی کا علم ان کو پہنچتا ہے تو وہ اس کو سہولت قبول کر لیتے ہیں۔ بجز ان محسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹائی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاء نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے مؤمن کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور آخر آیت میں یہ فرمایا: یَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے یہاں مشیت الہی کی قید اس نور فطرت کے لئے نہیں جو ہر انسان میں رکھا ہے بلکہ نور قرآن کے لئے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بجز اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو۔ ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیق الہی بیکار بلکہ بعض اوقات مضرب بھی پڑ جاتی ہے۔

اِذَا لَمْ يَكُنْ عَوْنُ مِنَ اللَّهِ لِلْفَتَىٰ فَاول مَا يَجْنِي عَلَيْهِ اجْتِهَادُهُ

یعنی اگر اللہ کی طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو تو اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے۔

نور نبی کریم ﷺ:

اور امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کا

ہے یہ مقلد نورہ گیشکوۃ الایہ کعب احبار جو تورات و انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوۃ آپ کا سینہ اور زجاجہ (قدیل) آپ کا قلب مبارک، اور مصباح (چراغ) نبوت ہے اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اظہار نبوت و بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب و غریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جن کو اصطلاح محدثین میں اہامات کہا جاتا ہے کیونکہ معجزات کا لفظ اس قسم کے ان واقعات کے لئے مخصوص ہے جو دعوائی نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں۔ اور دعوائی نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو اہامات کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات عجیب صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابونعیم نے دلائل النبوة میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات:-

شجرہ زیتونہ زیتونہ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بیشمار منافع اور فوائد رکھے ہیں اس کو چراغوں میں روشنی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی روشنی ہر تیل کی روشنی سے زیادہ صاف شفاف ہوتی ہے اس کو روٹی کے ساتھ سالن کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے پھل کو بطور تھکے کے کھایا بھی جاتا ہے اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کے لئے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں خود بخود اس کے پھل سے نکل آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارک ہے۔

(رواہ ابونعیم و الترمذی عن مرمر فوما مظہری)

فَإِذْ يَبُوءُ لِلَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكِّرُ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝

مؤمن کے دل سے ممانعت:-

مؤمن کے دل کی اور اس میں جو ہدایت و علم ہے اس کی مثال اوپر والی آیت میں اس روشن چراغ سے دی تھی جو شیشہ کی لائٹی میں ہو اور صاف زیتون کے روشن تیل سے جل رہا ہے۔ اس لئے یہاں اس کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کی توحید بیان کی جاتی ہے۔ جن کی نگہبانی اور پاک صاف رکھنے کا اور بیہودہ اقوال و افعال سے بچانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان ترفع کے معنی اس میں بیہودگی نہ کرنے کے ہیں۔ لہذا حضرت فرماتے ہیں مراد اس سے یہی مسجدیں ہیں جن کی تفسیر، آبادی، ادب اور پاکیزگی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ کعبؓ کہا کرتے تھے کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ زمین پر

مسجد میں میرا گھر ہیں، جو بھی با وضو میرے گھر پر میری ملاقات کے لئے آئے گا، میں اس کی عزت کروں گا ہر اس شخص پر جس سے ملنے کے لئے کوئی اس کے گھر آئے ہیں۔ (تیسرا بیان ماقم)

مسجدوں کے بنانے اور ان کا ادب احترام کرنے انہیں خوشبودار اور پاک صاف رکھنے کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جنہیں بحمد اللہ میں نے ایک مستقل کتاب میں لکھا ہے یہاں بھی ان میں سے تھوڑی بہت وارد کرتا ہوں، اللہ وکرم کرے اسی پر بھروسہ اور توکل ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسی جیسا گھر جنت میں بناتا ہے (بخاری و مسلم) فرماتے ہیں نام اللہ کے ذکر کئے جانے کے لئے جو شخص مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (ابن ماجہ) حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کھلوں میں مسجدیں بنائی جائیں اور پاک صاف اور خوشبودار رکھی جائیں (ترمذی شریف) حضرت عمرؓ کا فرمان ہے لوگوں کے لئے مسجدیں بناؤ جہاں انہیں جگہ ملے لیکن سرخ یا زرد رنگ سے بچنا کہ لوگ فتنے میں نہ پڑیں۔ (بخاری شریف) ایک ضعیف سند سے مروی ہے کہ جب تک کسی قوم نے اپنی مسجدوں کو شپٹاپ دیا، نقش و نگار اور رنگ و روغن والا نہ بنایا ان کے اظلام برے نہیں ہوئے (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ آپ فرماتے ہیں مجھے مسجدوں کو بلند و بالا اور پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ابن عباسؓ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ تم یقیناً مسجدوں کو مزین، منقش اور رنگ دار کرو گے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے کیا (ابوداؤد) فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے پر فخر و غرور نہ کرنے لگیں۔ (ابوداؤد وغیرہ)

ایک شخص مسجد میں اپنے اونٹ کو ڈھونڈتا ہوا آیا اور کہنے لگا ہے کوئی جو مجھے میرے سرخ رنگ کے اونٹ کا پتہ دے۔ آپ نے بددعا کی کہ اللہ کرے تجھے نہ ملے۔ مسجدیں تو جس مطلب کے لئے بنائی گئی ہیں، اسی کام کے لئے ہیں (مسلم) حضور ﷺ نے مسجدوں میں خرید و فروخت، تجارت کرنے سے اور وہاں اشعار کے گائے جانے سے منع فرما دیا ہے (احمد وغیرہ) فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ کرے نہ ملے۔ (ترمذی) بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے، نہ تیر پھیلانے جائیں نہ کچا گوشت لایا جائے، نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو، دیوانوں کو، خرید و فروخت کو، لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حد جاری کرنے کو اور کھواروں کے ننگی کرنے کو روکو۔ ان کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مبارکباد (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔ بعض علماء نے بلا ضرورت کے مسجدوں کو گزرگاہ بنانا مکروہ کہا ہے۔ ایک اثر میں ہے کہ جو شخص بغیر نماز پڑھے مسجد سے گزر جائے، فرشتے اس پر تعجب کرتے ہیں۔ ہتھیاروں اور تیروں سے جو منع فرمایا یہ اس لئے کہ مسلمان وہاں بکثرت جمع ہوتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے لگ جائے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا حکم ہے کہ تیر یا نیزہ لے کر گزرنے تو اسے چاہئے کہ اس کا پھل اپنے ہاتھ میں رکھے تاکہ کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ کچا گوشت لانا اس لئے منع ہے کہ خوف ہے اس میں سے خون نہ نپکے جیسے کہ حائضہ عورت کو بھی اسی وجہ سے مسجد میں آنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مسجد میں حد لگانا اور قصاص لینا اس

لے منع کیا گیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شخص مسجد کو نجس نہ کر دے۔ بازار بنانا اس لئے منع ہے کہ وہ خرید و فروخت کی جگہ ہے اور مسجد میں یہ دونوں باتیں منع ہیں۔ کیونکہ مسجدیں ذکر اللہ اور نماز کی جگہ ہیں۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا تھا، جس نے مسجد کے گوشے میں پیشاب کر دیا تھا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، بلکہ وہ اللہ کے ذکر اور نماز کی جگہ ہے۔ پھر اس کے پیشاب پر ایک بڑا ڈول پانی کا بہانے کا حکم دیا۔ دوسری حدیث میں ہے اپنے بچوں کو اپنی مسجدوں سے روکو اس لئے کہ کھیل کود ہی ان کا کام ہے اور مسجد میں یہ مناسب نہیں۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ جب کسی بچے کو مسجد میں کھیلتا ہوا دیکھ لیتے تو اسے کوڑے سے پیٹتے اور عشاہ کی نماز کے بعد مسجد میں کسی کو نہ رہنے دیتے۔ دیوانوں کو بھی مسجدوں سے روکا گیا کیونکہ وہ بے عقل ہوتے ہیں اور لوگوں کے مذاق کا ذریعہ ہوتے ہیں اور مسجد اس تماشے کے لائق نہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ ان کی نجاست وغیرہ کا خوف ہے۔ بیع و شرا سے روکا گیا کیونکہ وہ ذکر اللہ سے مانع ہے۔ جھگڑوں کی مصالحتی مجلس منع کرنے سے اس لئے منع کر دیا گیا کہ اس میں آوازیں بلند ہوتی ہیں ایسے الفاظ بھی نکل جاتے ہیں جو آداب مسجد کے خلاف ہیں۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ فیصلے مسجد میں نہ کئے جائیں اس لئے اس جملے کے بعد بلند آواز سے منع فرمایا۔ سائب بن یزید کندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطابؓ تھے مجھ سے فرمانے لگے، جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ، جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا۔ تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہاں رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا تم مسجد نبویؐ میں اونچی اونچی آوازیں سے بول رہے ہو؟ (بخاری) ایک شخص کی اونچی آواز سن کر جناب فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا۔ جانتا بھی ہے تو کہاں ہے۔ (نسائی) اور مسجد کے دروازوں پر وضو کرنے والے اور پاکیزگی حاصل کرنے کی جگہ بنانے کا حکم دیا۔ مسجد نبویؐ کے قریب ہی کنویں تھے جن میں سے پانی کھینچ کر پیتے تھے اور وضو اور پاکیزگی حاصل کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن اسے خوشبودار کرنے کا حکم ہوا ہے کیونکہ اس دن لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابو یعلیٰ موصلی میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ہر جمعہ کے دن مسجد نبویؐ کو مہکا یا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جماعت کی نماز انسان کی اکیلی نماز پر جو کمر میں یا دوکان پر پڑھی جائے، پچیس درجے زیادہ ثواب رکھتی ہے، یہ اس لئے کہ جب وہ اچھی طرح سے وضو کر کے صرف نماز کے ارادے سے چلتا ہے تو ہر ایک قدم کے اٹھانے پر اس کا ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور جب نماز پڑھ پھرتا ہے پھر جت تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہے، فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس پر رحم کر۔ اور جب تک جماعت کے انتظار میں رہے نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ وارقلنی میں ہے مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی۔ سنن میں ہے اندھیروں میں مسجد جانے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ انہیں قیامت کے دن پورا پورا نور ملے گا۔ یہ بھی مستحب ہے کہ مسجد میں جانے والا پہلے اپنا داہنا قدم رکھے اور یہ دعا پڑھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مسجد میں آتے یہ کہتے دعا: (اعوذ باللہ العظیم و بوجہہ الکریم و بسلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم) فرمان ہے کہ جب کوئی شخص یہ پڑھتا ہے شیطان کہتا ہے میرے شر سے یہ تمام دن محفوظ ہو گیا۔ مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی مسجد میں جانا چاہے یہ دعا پڑھے: (اللہم افتح لی ابوابک رحمتک)

اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے اللہ کے نبی ﷺ پر سلام بھیجے پھر دعا (اللہم افتح لی ابواب رحمتک) پڑھے اور جب مسجد سے نکلتے تو نبی ﷺ پر سلام بھیج کر دعا (اللہم اعصمنی من الشیطان الرجیم) پڑھے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ جب آپ مسجد میں آئے تو دروازہ پر ہاتھ رکھ کر دعا (اللہم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک) پڑھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو درود کے بعد دعا (اللہم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک) پڑھتے۔ اس حدیث کی سند متصل نہیں۔ الغرض یہ اور ان جیسی اور بہت سی حدیثیں اس آیت کے متعلق ہیں جو مسجد اور احکام مسجد کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور آیت میں ہے تم ہر مسجد میں اپنا منہ پیدا رکھو۔ اور غلوں کے ساتھ صرف اللہ کو پکارو۔ ایک اور آیت میں ہے کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کا نام ان میں لیا جائے نبی کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے۔ صبح شام وہاں اس اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں احوال متبع ہے احوال کی، شام کے وقت احوال کی، صبح کے وقت ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہاں کہیں قرآن میں تسبیح کا لفظ ہے وہاں مراد نماز ہے۔ پس یہاں مراد صبح کی اور عصر کی نماز ہے۔ پہلے پہلے یہی دو نمازیں فرض ہوئی تھیں پس وہی یاد دلائی گئیں۔ ایک قراءت میں صبح ہے اور اس قراءت پر احوال پر پورا وقف ہے اور جہاں سے پھر دوسری بات شروع ہے گویا کہ وہ مفسر ہے فاعل محذوف کے لئے تو گویا کہا گیا کہ وہاں تسبیح کون کرتے ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ ایسے لوگ اور بسبح کی قراءت پر رجال فاعل ہے تو وقف فاعل کے بیان کے بعد چاہئے۔

کہتے ہیں رجال اشارہ ہے ان کے بہترین مقاصد اور ان کی پاک نیتوں اور اعلیٰ کاموں کی طرف یہ اللہ کے گھروں کے آباد رکھنے والے ہیں۔ اس کی عبادت کی جگہیں ان سے زینت پاتی ہیں، توحید اور شکر گزری کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمان ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ (۲۳: احزاب) یعنی مؤمنوں میں ایسے بھی مرد ہیں جنہوں نے جہاد اللہ تعالیٰ سے کئے تھے انہیں پورے کر دکھایا۔ ہاں عورتوں کی بہترین مسجد گھر کے اندر کا کونا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ام حنیہ ساعدیؓ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا حضور ﷺ تم میں آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا بہت پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ مجھے بھی معلوم ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ تیری اپنے گھر کی نماز گن کی نماز سے اور حجرے کی نماز گھر کی نماز سے اور گھر کی گھڑی کی نماز حجرے کی نماز سے افضل ہے۔ اور محلے کی مسجد سے افضل گھر کی نماز ہے اور محلے کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ نے اپنے گھر کے بالکل انتہائی حصے میں ایک جگہ کو بطور مسجد کے مقرر کر لیا اور آخری گھڑی تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ہاں البتہ عورتوں کے لئے بھی مسجد نماز مردوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ضرور ہے۔ بشرطیکہ مردوں پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں اور نہ خوشبو لگا کر نکلیں۔

صحیح حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی بندہ کی مسجدوں سے نہ روکو (بخاری مسلم وغیرہ) البتہ وہاں ہے کہ عورتوں کے لئے ان کے گھر افضل ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ وہ خوشبو استعمال کر کے نہ نکلیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد آتا چاہے تو خوشبو کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی حادروں میں لیٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور پھر

رات کے اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جونی ٹی باتیں کالیں ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو پالیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔ (بخاری مسلم)

ہجاء لا تلبسہنہ تجارتاً

ایسے لوگ جنہیں خرید و فروخت یا دالہی سے نہیں روکتی۔ جیسے ارشاد ہے ایمان والو، مال و اولاد تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کر دے۔ سورہ جمعہ میں ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر ذکر اللہ کی طرف چل پڑو اور تجارت چھوڑ دو۔ مطلب یہ ہے کہ ان نیک لوگوں کو دنیا اور متاع آخرت اور ذکر اللہ سے غافل نہیں کر سکتی، انہیں آخرت اور آخرت کی نعمتوں پر یقین کامل ہے اور انہیں ہمیشہ رہنے والا سمجھتے ہیں اور یہاں کی چیزوں کو فانی جانتے ہیں اس لئے انہیں چھوڑ کر اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو، اس کی محبت کو، اس کے احکام کو مقدم کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ تجارت پیشہ حضرات کو اذان سن کر اپنے کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ لوگ انہی میں سے ہیں۔ امین عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ میں سوداگری یا تجارت کروں اگر چہ اس میں مجھے ہر دن تین سو اشرفیاں ملتی ہوں لیکن میں نمازوں کے وقت یہ سب چھوڑ کر ضرور چلا جاؤں گا۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تجارت کرنا حرام ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم میں یہ وصف ہونا چاہئے، جو اس آیت میں بیان ہو رہا ہے۔ سالم بن عبد اللہ نماز کے لئے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ مدینہ شریف کے سوداگر اپنی اپنی دوکانوں پر کھڑے ڈھک کر نماز کے لئے گئے ہوئے ہیں اور کوئی بھی دوکان پر موجود نہیں تو یہی آیت پڑھی اور فرمایا یہ انہی میں سے ہیں جن کی تعریف جناب باری نے فرمائی ہے۔ اس بات کا سلف میں یہاں تک خیال تھا کہ تراز و اٹھائے تول رہے ہیں اور اذان کان میں پڑی تو تراز و رکھ دی اور مسجد کی طرف چل دئے فرض نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا انہیں عشق تھا۔ وہ نماز کے اوقات کی ارکان اور آداب کی حفاظت کے ساتھ نمازوں کے پابند تھے۔ یہ اس لئے کہ دلوں میں خوف الہی تھا قیامت کا آنا برحق جانتے تھے اس دن کی خوفناکی سے واقف تھے کہ سخت تر گھبراہٹ اور کامل پریشانی اور بے حد الجھن کی وجہ سے آنکھیں پتھر جاییں گی، دل اڑ جائیں گے، کلیجے دہل جائیں گے۔ جیسے فرمان ہے کہ میرے نیک بندے میری محبت کی بنا پر مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے کھلا رہے ہیں، ہمارا مقصد تم سے شکریہ طلب کرنے یا بدلہ لینے کا نہیں۔ ہمیں تو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جب کہ لوگ مارے رنج و غم کے منہ بسورے ہوئے اور تیوریاں بدلے ہوئے ہوں گے۔ پس اللہ ہی انہیں اس دن کی مصیبتوں سے نجات دے گا اور انہیں تروتازگی بشارت، ہنسی خوشی اور راحت و آرام سے ملادے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کی نیکیاں مقبول ہیں، برائیاں معاف ہیں ان کے ایک ایک عمل کا بہترین بدلہ مع زیادتی اور اللہ کے فضل کے انہیں ضرور ملنا ہے۔ جیسے فرمان ہے اللہ تعالیٰ بقدر ایک ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور آیت میں ہے نیکی دن گناہ کر دی جاتی ہے۔ اور آیت میں ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے گا، اسے اللہ تعالیٰ بڑھا چڑھا کر زیادہ سے زیادہ کر کے دے گا۔ فرمان ہے: يُضَاعَفُ لِمَنْ يُشَاءُ (البقرہ: ۲۶۱) وہ بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔ یہاں فرمان ہے وہ جسے چاہے

بے حساب دیتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک مرتبہ دودھ لایا گیا، آپ نے اپنی مجلس کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو پلانا چاہا مگر سب روزے سے تھے۔ اس لئے آپ ہی کے پاس پھر برتن آیا۔ آپ نے یہی آیت بخافون سے پڑھی اور پی لیا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن جب کہ اول آخر سب جمع ہونگے، اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم دے گا جو با آواز بلند ندا کرے گا جسے تمام اہل محشر سنیں گے کہ آج سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ پھر فرمائے گا وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جنہیں لین دین اور تجارت ذکر اللہ سے روکتا تھا پس وہ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ بہت ہی کم ہوں گے سب سے پہلے انہیں حساب سے فارغ کیا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں ان کی نیکیوں کا اجر یعنی جنت بھی انہیں ملے گی اور مزید فضل الہی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ احسان کئے ہوں گے اور وہ مستحق شفاعت ہونگے ان سب کی شفاعت کا منصب انہیں حاصل ہو جائے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ ...

کافروں کے اعمال ریت کی طرح سے ہیں جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہے:

اہل ایمان کے اعمال کی جزا بتانے کے بعد کافروں کے اعمال کا تذکرہ فرمایا اور آخرت میں ان کے منافع سے محرومی ظاہر کرنے کے لیے دو مثالیں ظاہر فرمائیں۔ کافر لوگ دنیا میں بہت سے اعمال کرتے ہیں۔ مثلاً صلہ رحمی بھی کرتے ہیں۔ جانوروں کو کھلاتے ہیں،

چیونٹیوں کے بلوں میں آنا ڈالتے ہیں مسافر خانے بناتے ہیں کنویں کھدواتے ہیں اور پانی کی سیلیں لگاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے موت کے بعد فائدہ پہنچے گا ان کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کے لیے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ پہلی مثال یہ کہ ایک شخص پیاسا ہو وہ دور سے سراب یعنی ریت کو دیکھے اور اسے یہ سمجھے یہ پانی ہے (سخت دوپہر کے وقت جنگلوں کے چٹیل میدانوں میں سے دور سے ریت پانی معلوم ہوتا ہے) اب وہ جلدی جلدی اپنے خیال میں پانی کی طرف چلا وہاں پہنچا تو جو کچھ اس کا خیال تھا اس کے مطابق کچھ بھی نہ پایا وہاں تو ریت نکلی (جو سخت گرم تھی نہ اسے کھا سکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے) جس طرح پیاسے کا گمان جھوٹا نکلا اسی طرح کافروں کا یہ خیال کہ ظاہری صورت میں جو اچھے اعمال کرتے ہیں یہ موت کے بعد نفع بخش ہونگے غلط ہے کیونکہ اعمال صالحہ کے اخروی ثواب کے لیے ایمان شرط ہے وہاں پہنچیں گے تو کسی عمل کا جسے نیک سمجھ کر کیا تھا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا کما قال تعالیٰ: (وَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مَن عَمِلْ فَنَجَّلْنَا كَافَّةً مِّنْهُنَّ) (اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار)۔ لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو جو بظاہر نیک ہوں بالکل ضائع نہیں فرماتا ان کا بدلہ دنیا میں دے دیتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کسی مؤمن پر ایک نیکی کے بارے میں بھی ظلم نہیں فرمائے گا دنیا میں بھی اس کا بدلہ دے گا اور آخرت میں بھی اس کا اجر دے گا لیکن کافر جو نیکیاں اللہ کے لیے کرتا ہے دنیا میں اس کا بدلہ دے دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی بھی نیکی نہ بچی ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔ (رواہ مسلم)

وَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ قَوْلَهُ حِسَابَهُ (اور اس نے اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا سو اس نے اس کا حساب پورا کر دیا) یعنی دنیا میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جا چکا ہوگا قال صاحب معالم التزئیل ص ۲۴۹ ج ۲ و وجد الله عنده اي عند عمله فوفاه حسابه اي جزاء عمله اه وقال صاحب الروح ۸۸۷ ج ۱۸ وقيل وجد الله تعالى محاسباً اي اه على ان العندية بمعنى الحساب لذكر التوفية بعد بقوله سبحانه فوفاه حسابه اي اعطاه وافيا كاملا حساب عمله و جزاءه او اتم حسابه بعرض الكتبة ما قدمه۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْخَرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِنَ النَّسَائِبِ صَلَوةً وَالطَّيْرِ جَمْعٌ طَائِرَيْنِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
 مَلَأَتْ خَلْ بِاسِطَاتٍ أَجْنَحَتِهِنَّ كُلُّ قَدْ عَلِمَ اللَّهُ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ فِيهِ
 تَغْيِيبُ الْعَاقِلِ وَبِهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالتَّنَابُتِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ أَلَمْ يَجْعَلِ
 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزَيِّجُ سَحَابًا يَسُوِّفُهُ بَرَقٍ ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ يَصْمُ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ فَيُجْعَلُ الْقِطْعُ الْمُتَفَرِّقَةُ
 قِطْعَةً وَاحِدَةً ثُمَّ يَجْعَلُهُ دُكَّامًا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطَرُ يُخْرَجُ مِنْ خِلَالِهِ ۝ مَخَارِجُهُ وَ
 يُنْزَلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ زَائِدَةٍ جِبَالٍ فِيهَا فِي السَّمَاءِ بَدَلٌ بِإِعَادَةِ الْجَارِ مِنْ بَرْدٍ أَيْ بَعْضُهُ مِنْ بَرْدٍ فَيَصِيبُ
 بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَنْ يَشَاءُ ۝ يَكَادُ يَقْرُبُ سَنَا بَرَقِهِ لَمَعَانَهُ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝ الْكَافِرَةُ لَهُ أَنْ
 يُخْطِفَهَا يَقْلِبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۝ أَيْ يَأْتِي بِكُلِّ مِنْهُمَا بَدَلٌ الْآخِرِ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ التَّغْلِيبِ لَعِبْرَةً
 دَلَالَةً لِأَوَّلِي الْأَبْصَارِ ۝ لِأَصْحَابِ الْبَصَائِرِ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ أَيْ حَيَوَانٍ مِنْ
 قَاءٍ ۝ أَيْ نُطْقَةٍ مِنْهُمْ مَنْ يَشِيقُ عَلَى بَطْنِهِ ۝ كَالْحَيَاتِ وَالْهُوَامِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشِيقُ عَلَى رِجْلَيْنِ
 كَالْإِنْسَانِ وَالطَّيْرِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَشِيقُ عَلَى أَرْبَعٍ ۝ كَالْبَهَائِمِ وَالْأَنْعَامِ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ ۝ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُبِينَاتٍ ۝ أَيْ بَيِّنَاتٍ هِيَ الْقُرْآنُ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
 أَيْ دِينِ الْإِسْلَامِ وَيَقُولُونَ أَيْ الْمُتَنَافِقُونَ أَمَّا صَدَقْنَا بِاللَّهِ بِتَرْجِيهِهِ وَبِالرَّسُولِ مُحَمَّدٍ وَأَطَعْنَا هُنَا
 فِيهَا حُكْمًا بِهِ ثُمَّ يَتَوَلَّى يُعْرِضُ قَرِيبٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۝ عَنْهُ وَمَا أَوْلَىكَ الْمُتَعَرِّضُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝
 الْمُتَعَرِّضُونَ الْمُؤَافِقُونَ قُلُوبُهُمْ لَا لِسَتِهِمْ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ الْمُتَبَلِّغُ عَنْهُ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ
 مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ عَنْ الْمُجِبِيِّ إِلَيْهِ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ مُسَرِّعِينَ طَائِعِينَ أَيْ

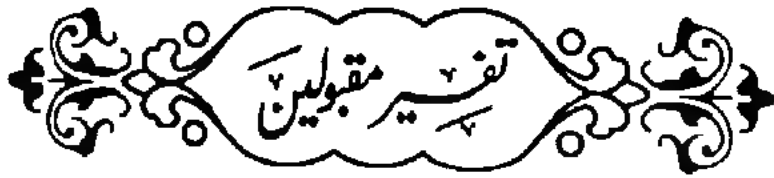
قُلُوبُهُمْ مَرَضٌ كُفِّرُوا أَوْ ارْتَابُوا أَمْ يَشْكُرُونَ أَنْ يَخْلُقَنَّهُمْ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ فَبِأَيِّ الْحُكْمِ أَمَرُوا أَنْ يَظْلَمُوا فِيهِ لَا بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ بِالْأَعْرَاضِ عَنْهُ

ترجمہ: اے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں (اور تسبیح میں نماز بھی ہے) اور پرندے بھی جو پھیلانے ہوئے ہیں طیر طائر کی جمع ہے صفات حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ اپنے بازو کھولے ہوئے ہیں (آسمان و زمین کے درمیان اڑتے ہوئے) سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے (من میں ذوالعقول کا غلبہ ہے) اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں (بارش اور رزق اور نباتات کے خزانے سب پر اسی کا حکم و اقتدار ہے) اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے کیا تجھ کو اے مخاطب! یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادل کو چلتا کرتا ہے (زمی اور ہلکا پن کے ساتھ) پھر اس بادل کو باہم (بعض کو بعض پر) ملا دیتا ہے (کہ متفرق ٹکڑوں کو ایک ہی ٹکڑا کر دیتا ہے) پھر اس کو تہہ بہ تہہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس بادل کے بیچ سے (یعنی اس کے مخرج) میں سے نکل کر آتی ہے اور اس بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اگلے برساتا ہے (حاضیہ آسمان کی جانب سے ہے اور اس پر حرف جر کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے) (من برد میں من برائے بعض ہے) پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے (دیکھنے والا کی) آب بینائی کو اچک لیا (اور) اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کے بدل لاتا ہے اس لوٹ پھیر میں اہل دانش کے لیے) (اللہ تعالیٰ کی قدرت پر) استدلال ہے اور اللہ ہی نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا ہے پھر ان میں بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں (مثلاً سانپ اور حشرات الارض) اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے) اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں (جیسے چوپائے اور جانور) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے۔ ہم نے حق کے سمجھانے والے دلائل نازل فرمائے ہیں (وہ آیات قرآنی ہیں) جس کو اللہ چاہتا ہے راہ راست یعنی دین اسلام کی طرف خاص ہدایت فرماتا ہے اور یہ منافق لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول ﷺ ایمان لے آئے اور (خدا اور رسول کے) حکم (کو جس چیز سے متعلق بھی حکم دیں) ماننا پھر اس کے بعد ان کا ایک گروہ مرتابی کرتا ہے (اس سے) اور یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے (جو اعراض کرنے والے ہیں کہ ان کے قلوب ان کی زبانوں کے موافق نہیں) یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول ان کے درمیان میں فیصلہ کر دیں تو ان میں ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے (آپ ﷺ کی طرف آنے میں) اور اگر ان کو کچھ حق پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر (تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے) کیا ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہیں (آپ کی نبوت کے سلسلہ میں) یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرنے لگیں (فیصلہ میں یعنی ان کو یہ خیال ہے کہ فیصلہ میں وہ ظلم کیے جائیں گے) نہیں بلکہ یہ لوگ برسر ظلم ہیں (اس سے اعراض کر کے!)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: كُلٌّ قَدْ عَلِمَهُ: ان ضائر کے بارے میں متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ تمام ضائر کل تد علم کی طرف راجع ہوں۔ یہ صورت سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں سب ضائر متفق ہو جاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو ضمیر: لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ میں ہے وہ خدا کی طرف لوثی ہو اور صَلَاتِهِ وَنَسِيحَتِهِ کی ضمیر کل کی طرف لوثی ہو اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر لہ کی المسبح کی طرف لوثی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ہر چیز اس تسبیح کے طور و طریق کو جانتی ہے جس کا اسے علم کیا گیا ہے۔ علم میں جو ضمیر ہے اور صَلَاتِهِ وَنَسِيحَتِهِ میں ان کا مرجع کل ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو بھی تسبیح اسی طرح الہام کی ہے۔ جیسا کہ انسانوں کو علوم کا الہام کیا گیا ہے۔

قوله: يُولَفُ بَيْنَهُ: یعنی مختلف اجزاء کو جمع کرتا ہے اور اجزاء کے متعدد ہونے کی بناء پر بین کا استعمال صحیح ہے۔ مختلف بادل کے ٹکڑے ایک ٹکڑے کے حکم میں ہیں اور اگر مسحاب، مسحابة کی جمع ہے تو بات صاف ہے کوئی چیز مقدر نہیں ماننا پڑے گی۔ قوله: وَيُزَوِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِثْرًا: السَّاء سے بدل بعض واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں من زائد ہے اور رابطہ دلوں کے درمیان فِيهَا ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ جار مجرور یعنی من جبال پہلے جار مجرور یعنی مِنَ السَّمَاءِ کا بدل ہو اس صورت میں مِنَ ابتدا یہ ہوگا۔



اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے میں مشغول ہے۔ اس تسبیح کا مفہوم حضرت سفیان نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین، آفتاب و ماہتاب اور کل سیارے اور ستارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اس پر لگا ہوا ہے اس سے سر موخلاف نہیں کرتا۔ اسی اطاعت و انقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح حالی ہے مقالی نہیں۔ ان کی زبان حال بول رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پاک و برتر سمجھ کر اس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زنجیری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبارات ان کو سکھادی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہیں آخری جملے: كُلٌّ قَدْ عَلِمَهُ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے، قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے: اعطی کل شئی خلقہ ثم ھدی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی منوفہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کی اپنی ضروریات زندگی کے متعلق بھی اس کو ایسی ہدایت دے دی ہے کہ بڑے بڑے عقلاء کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اپنے رہنے بسنے کے لئے کیسے کیسے گھونسلے اور بل وغیرہ بناتے ہیں اور اپنی غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔

منافقوں کی دنیا طلبی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف اور قبول حق سے اعراض:

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے واضح آیات کھلی کھلی نشانیاں نازل فرمائی ہیں جو حق اور حقیقت کو واضح کرنے والی ہیں جو عقل و فہم سے کام نہیں لیتا وہ دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمراہی کے راستے ہی اختیار کیے ہوئے رہتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے، اس کے بعد چار آیات ہیں ان کو سمجھنے کے لیے منافقین کے بعض واقعات کو سمجھنا چاہیے ایک واقعہ ہم سورہ نساء کی آیت (الَّذِينَ يَزْعُمُونَ) کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں وہ بشر نامی منافق کا قصہ ہے۔ ایک واقعہ بعض مفسرین نے ان آیات کے ذیل میں لکھا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مغیرہ بن وائل سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا دونوں نے آپس میں بخوشی اس زمین کو تقسیم کر لیا اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ تم اپنی زمین مجھے بیچ دو حضرت علی اس پر راضی ہو گئے بیچ مکمل ہو گئی حضرت علی نے قیمت پر اور مغیرہ نے زمین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کسی نے مغیرہ کو سمجھایا کہ تو نے یہ نقصان کا سودا کیا ہے۔ یہ شور زمین ہے اس پر اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ اپنی زمین واپس لے لیں کیونکہ میں اس سودے پر راضی نہیں تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تو نے اپنی خوشی سے یہ معاملہ کیا ہے اور اس زمین کا حال جانتے ہوئے تو نے خریدا ہے۔ مجھے اس کا واپس کرنا منظور نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ چل ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقدمہ پیش کریں اس پر وہ کہنے لگا کہ میں محمد ﷺ کے پاس نہیں جاتا وہ تو مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں مجھ پر ظلم کر دیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی چونکہ وہ شخص منافق تھا اس لیے اس نے مذکورہ بالا بے ہودہ گستاخی والی بات کہی۔ اور چونکہ منافقین آپس میں اندرونی طور پر ایک ہی تھے مکمل کر رہتے تھے نیز ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے اس لیے آیت شریفہ میں طرز بیان اس طرح اختیار فرمایا کہ سب منافقین کو شامل فرمالیا۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت حسنؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب منافقین میں سے کسی سے جھگڑا ہوتا اور وہ جھگڑا منٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آپ میرے ہی حق میں فیصلہ فرمائیں گے تو حاضر خدمت ہو جاتا اور اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ کسی پر ظلم کرے اور اسے خصومت کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے کہا جاتا تو اعراض کرتا تھا اور کسی دوسرے

فصل کے پاس چلے کو کہتا تھا منافقین نے اپنا یہ طریقہ کار بنا کر رکھا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شلہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ سبب نزول سمجھ کے بعد اب آیات کا ترجمہ اور مطلب سمجھئے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہری طور پر زبان سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں اس ظاہری قول و قرار کے بعد عملی طور پر ان میں سے ایک جماعت منحرف ہو جاتی ہے چونکہ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں اس لیے انہوں نے ایسا طرز عمل اپنا رکھا ہے جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو ان کی ایک جماعت اس سے اعراض کرتی ہے (کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ظلم کر رکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے تو فیصلہ ہمارے خلاف جائے گا) اور اگر ان کا حق کسی پر آتا ہو تو اس حق کے وصول کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بڑی ہی فرمانبرداری کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔ مقصد ان کا صرف دنیا ہے ایمان کا اقرار اور فرماں برداری کا قول و قرار دنیاوی منافع ہی کے لیے ہے۔ خدمت عالی میں حاضر ہونے کی صورت میں بھی طالب دنیا ہی ہیں اور حاضری دینے سے اعراض کرنے میں بھی دنیا ہی پیش نظر ہوتی ہے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ بِالْقَوْلِ الْإِثْقَاطِ بِهَمَّ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
بِالْإِجَابَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْبَاقُونَ ۝ النَّاجُونَ ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ يَخَافَهُ وَيَتَّقِهِ
بِشْكُونِ الْهَاءِ وَكُسْرِ هَا بِأَنْ يُطِيعَهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ بِالْجَنَّةِ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ غَايَتَهَا
لَنْ أَمُرْتَهُمْ بِالْجِهَادِ لِيُخْرِجَنَا قُلْ لَهُمْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةً مَعْرُوفَةً ۝ لِلنَّبِيِّ خَيْرٌ مِنْ قَسَمِكُمْ الَّذِي لَا
تَصُدُقُونَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ مِنْ طَاعَتِكُمْ بِالْقَوْلِ وَمُخَالَفَتِكُمْ بِالْفِعْلِ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا عَنْ طَاعَتِهِ بِحَذْفِ أَحَدَى التَّائِينَ خَطَابَ لَهُمْ فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ مِنَ التَّبْغِغِ وَعَلَيْكُمْ
مَا حُمِّلْتُمْ ۚ مِنْ طَاعَتِهِ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ أَيْ التَّبْغِغُ الْبَيِّنُ وَعَدَّ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ بَدَلًا عَنِ الْكُفَّارِ كَمَا اسْتَخْلَفَ بِالْبَاءِ لِلْفَاعِلِ
وَالْمَفْعُولِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ بَدَلًا عَنِ الْجَبَابِرَةِ وَكَيْفَ كُنَّ لَهُمْ دِينَهُمْ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ
وَهُوَ الْإِسْلَامُ بِأَنْ يُظَاهِرَهُ عَلَى جَمِيعِ الْأَدْيَانِ وَيُؤْتِيَ لَهَا فِي الْبِلَادِ فَيَمْلِكُوهَا وَلِيَبْدِلَنَّهُمْ بِالتَّخْفِيفِ
وَالْتَشْدِيدِ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ آمَنًا ۚ وَقَدْ أَنْجَزَ اللَّهُ وَعْدَهُ لَهُمْ بِمَا ذَكَرَهُ وَأَنْشَى عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهِ
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ هُوَ مُسْتَأْنَفٌ فِي حُكْمِ التَّغْلِيلِ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ الْأَنْعَامِ مِنْهُمْ بِهِ فَأُولَئِكَ

وَأَوَّلُ مَنْ كَفَرَبِهِ قَتْلَةُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَصَارُوا يُقْسِلُونَ بَعْدَ أَنْ كَانُوا إِخْرَانًا وَأَقْبَسُوا
الْقُلُوبَ وَأَتَوْا الزُّكُوفَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ أَيْ رِجَاءَ الرَّحْمَةِ لَا تَحْصِبَنَّ بِالْفُتُورِ قَابِيَةِ وَالتَّحْنِيطِ
وَالْفَاعِلُ الرَّسُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ لَنَا فِي الْأَرْضِ ۚ بَانَ بِقُوَّتُونَا وَمَا وَسَّعَهُمْ مَرَجُهُمُ الْفَارَ ۚ وَبِئْسَ
بِالْمَصِيدِ ۚ الْمَرْجِعُ هِيَ .

ترجمہ: ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلایا جائے ان کو اللہ اور رسول کی طرف ان میں فیصلہ کرنے کو تو وہ کہہ دیتے تھے کہ ہم نے سن لیا اور اس کو مان لیا یعنی ایسا کہنا ہی مومنین کی شان کے لائق ہے اور ایسے ہی لوگ فلاح (ونجات) پائیں گے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے بقیہ ہمارے سکون اور امان کے ساتھ ہے یعنی اطاعت کرے پس ایسے لوگ بامراد ہوں گے (جنت کے حصول کے ساتھ) اور وہ منافق لوگ بزاز اور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ اگر آپ ﷺ ان کو حکم دیں (جہاد میں جانے کا) تو وہ ابھی نکل کھڑے ہوں آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت معلوم ہے۔ (جس میں تم لوگ سچے نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (قول سے دعویٰ تمہاری اطاعت کا اور فعل سے تمہاری مخالفت کا) آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ (اس کی اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو لو میں ایک تاء کے حذف کے ساتھ ان ہی کو خطاب ہے تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہی تبلیغ کا کام ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے یعنی تبلیغ کا اور تمہارے ذمہ وہی ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے (اس کی اطاعت میں سے) اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پہنچا دینا ہے وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انھوں نے نیک کام، کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمادے گا (کفار کے بدل) جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ استخلف و مجمل دونوں طرح ہے۔ (مثلاً بنی اسرائیل کو قوم جبار کے بدل میں) اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو ان کے نفع آخرت کے لیے قوت دے گا (اور وہ اسلام ہے) بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کو دیگر تمام ادیان پر غالب کر دیا گے اور بلاد اسلامی میں وسعت کر دیں گے کہ جس پر وہ حکومت کریں گے (اور ان کے اس خوف کے بعد (جو کفار سے ہے) ان کو امن سے بدل دے گا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا مذکورہ وعدہ پورا فرمادیا اور آئندہ ارشاد میں ان کی تعریف فرمائی (بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں) اور (میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں) یہ جہ مستافہ علت کے حکم میں ہے (اور جو شخص (ان لوگوں میں سے انعام کے ظہور ہونے کے) بعد ناشکری کرے گا تو یہ لوگ نافرمان ہیں) چنانچہ جس شخص نے سب سے پہلے اس نعمت وعدہ کی ناشکری کی وہ ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا، پھر اس کے بعد سلسلہ قتل و قاتل شروع ہو گیا اگرچہ وہ اہل اسلام بھائی بھائی تھے آپس میں (در نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو) کہ تم پر (کامل) رحم کیا جائے (رحمت کی امید ہے) اسے مخاطب کافروں کی نسبت یہ خیال کرنا (تاء کے ساتھ اور یاہ کے ساتھ دونوں

نہ انہی میں اور اس کا قائل الرسول ہے) کہ زمین میں تمہاریس کے (ہم کو کہ بھاگ جائیں، بچ کر نکل جائیں) اور ان کا
نہا آخرت میں دوزخ ہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے، وہ۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

نولہ: **مَنْ يَطِيعِ اللَّهَ**: یعنی فراموش و سنن میں اللہ تعالیٰ اور اس کی رسول کی بات ماننا ہے۔

نولہ: **وَيُخِشِ اللَّهَ**: اپنے سے صادر ہونے والے گناہوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

نولہ: **يَخْرُجُ جَنًّا**: یہ اقسامو کا اعلیٰ الحکایت جواب ہے۔

نولہ: **لَا تَفْسِدُوا**: جمہولی قسمیں مت کھاؤ۔

نولہ: **تَعْرِضُونَ**: ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ طاعت و تقرب میں جانا پہچانا اور شریعت نے جس پر ابھارایا ممانعت کی ہو۔

نولہ: **إِذَا نَبَلَغَ الْبُيُوتِ**: یعنی رسول نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اب تم پر جو تم نے ذمہ لیا اس کی ادائیگی ہے۔

نولہ: **مِنْكُمْ**: اس سے خطاب جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت اجابت کو ہو یا نقطہ خطاب امت طاعت کو ہو۔

نولہ: **بِمَا ذُكِّرَ**: پس اللہ تعالیٰ نے تمام عرب پر ان کو غلبہ دیا۔

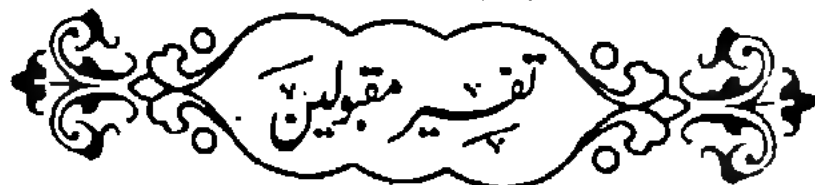
نولہ: **يَعْبُدُونَنِي**: یہ الذین سے حال ہے کیونکہ وعدہ توحید سے مقید ہے۔

نولہ: **لَا يَشْرِكُونَ**: یہ واو سے حال ہے اور من کفر سے مراد وعدے سے پھرنے والے لوگ مراد ہیں۔

نولہ: **أَطِيعُوا الرَّسُولَ**: یعنی تمام مامورات میں۔

نولہ: **مُعْجِزِينَ**: فی الارض یہ معجزین کا صلہ ہے اور اس قید کا مقصد نبی کو پہنچنا کرنا ہے۔

نولہ: **وَمَا أَوْهَنَهُم**: اس کا عطف ولا تحسبن پر ہے اور اس نبی کا مقصد یہ کہ وہ یقیناً ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔



مَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اگر پرستش کا حال بیان فرمایا کہ وہ صرف زبان سے ایمان اور اطاعت کا اقرار اور اعلان کر دیتے ہیں پھر جب ان کے
مردوں کے فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو اعراض کرتے ہیں اور بچ کر چلے جاتے ہیں وہ
سناہ ایمان کے اعلان و اقرار میں جمہولے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں سچے مؤمنین کا قول و عمل بتایا اور وہ یہ کہ جب انہیں

کسی فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ ہر موقع پر سُبْحَنَا وَ اَطَعْنَا ہی کہتے ہیں ذرا بھی اعراض اور انحراف نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن بھی لیا مان بھی لیا یہ حضرات ہی کامیاب ہیں۔ یہ پہلی آیت کا مضمون ہے دوسری آیت میں اس بات کی مزید توضیح فرمائی اور دوبارہ کامیابی کی خوشخبری دی فرمایا کہ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے) وَ يَخْشِ اللَّهَ (اور اللہ سے ڈرے) وَ يَتَّقِهِ (اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے) فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ (سو یہی لوگ کامیاب ہیں) اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے اول اللہ تعالیٰ کی اطاعت دوم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت (اطاعت میں وہ سب مامورات داخل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا اور اطاعت میں ان اعمال سے بچنا بھی داخل ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا بلکہ سنن و آداب پر عمل کرنا بھی اطاعت کا جزو ہے) اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اس میں فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا داخل ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ تمام گناہوں سے بچتا رہے گو اطاعت میں گناہوں سے بچنا بھی داخل ہے لیکن مزید تاکید اور اہتمام کے لیے اس کا تذکرہ فرمایا۔ مختصر الفاظ میں مؤمن بندوں کی کامیابی بتادی۔ اسی لیے آیت کے ختم پر فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ فرمادیا قانز یعنی کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا ہے: (فَمَنْ زُحِزْحَ عَنِ النَّارِ وَ ادْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ) (سو جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا)۔

مفسر ابن کثیر (ص ۲۹۹ ج ۲) نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ يَخْشِ اللَّهَ سے ان گناہوں کے بارے میں ڈرنا مراد ہے جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں اور وَ يَتَّقِهِ سے یہ مراد ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچے۔

وَ اَفْسَوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

من نقول کا جھوٹی قسمیں کھا کر منبر داری کا عہد کرنا:

ان آیات میں بھی روئے سخن منافقین کی طرف ہے وہ زوردار طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم تو سراپا اطاعت ہیں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں اگر آپ کا حکم ہو ہم گھر بار چھوڑ کر نکل جائیں تو ہم اس کے لیے بھی حاضر ہیں یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آپ جب بھی جہاد کے لیے باہر نکلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ ان کی تردید میں فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجئے قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری جانی پہچانی ہوئی ہے قسمیں کھانے کے باوجود بھی تم اپنے وعدہ پر پورے نہیں اتر سکتے، حکم سن کر پھر خلاف ورزی کر دے اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جو شخص مخلص ہو اسے اپنی فرماں برداری ظاہر کرنے کے لیے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو حکم کو ماننا چلا جاتا ہے۔ اس کا عمل اور طرز عمل ہی بتا دیتا ہے کہ وہ مخلص ہے اور جس کا فرماں برداری کا صرف دعویٰ ہو وہ اپنے بھرم رکھنے کے لیے بار بار قسمیں کھاتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور ہر حکم کے لیے حاضر ہوں منافقین کا یہی طریقہ تھا کہ فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے پھر جب حکم ہوتا تھا تو منہ موز لیتے تھے اور

مؤمنین اطاعت کے ساتھ فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے انہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص کو آخرت میں بھی پیش ہونا ہے میدان قیامت میں جب حساب ہوگا تو یہ زبانی دعوے اور جموٹی تمسین اور دھوکہ دینے کے ارادے اور شر و فساد کی نیتیں سب ہی کا انجام دیکھ لیں اگر بندوں کو پتہ نہ چلے تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ خبر ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝۱۰ میں اس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔

فَلْيُطِيعُوا اللّٰهَ وَآطِيعُوا الرَّسُوْلَ ۝۱۱

رسول کے ذمے تبلیغ حق اور بس: سوا شاد فرمایا گیا کہ رسول کے ذمے بس وہی کچھ ہے جسکی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی۔ یعنی بنی بن کی تبلیغ جو کہ انہوں نے فرمادی۔ اور اپنی ذمہ داری سے وہ پوری طرح سبکدوش ہو گئے۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔ سو تم لوگ اگر سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا۔ اور اگر تم نے اعراض و درگردانی سے کام لیا تو خود اپنا ہی نقصان کرو گے۔ رسول کا بہر حال اس میں کوئی نقصان نہیں کہ ان کے ذمے تبلیغ حق کا جو کام تھا وہ انہوں نے پورا کر لیا۔ اب اگر تم لوگوں نے رسول کی اطاعت نہ کی تو خدا تعالیٰ کے یہاں جوابدہی تم ہی لوگوں کو کرنی ہے کہ تم نے رسول کی بات کیوں نہ مانی اور ان کی اطاعت کیوں نہ کی۔ تبلیغ کے بعد راہ حق پر ڈال دینا نہ رسول کے ذمے ہے اور نہ ہی ان کے بس میں۔ اور تمہارے ذمے ہے وہ کچھ جسکی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی۔ یعنی حق کو سننے اور ماننے کی ذمہ داری۔ اگر تم نے اس کو پورا کیا تو خود تمہارا ہی بھلا ہے کہ یہی چیز درحقیقت مفقاح اور کنجی ہے دونوں جہانوں کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی اور حقیقی کامیابی کی۔ اور اگر تم نے اس سے اعراض برتا اور درگردانی کی تو اس کا نقصان بھی خود تم ہی لوگوں کو ہوگا۔ سو ماننے یا نہ ماننے کا نفع و ضرر جو بھی کچھ ہے وہ تمہاری ہی طرف لوٹا اور تم ہی لوگوں کو پہنچتا ہے۔ اب تم لوگ اپنے بارے میں خود ہی دیکھو اور سوچو کہ تم ان دونوں میں سے کونسا طریقہ اپناتے ہو۔ نفع کا یا نقصان کا اللہ ہر قسم کے زلیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ

شہابیؒ فرماتے ہیں: قرطبی نے ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی اور اعلان نبوت کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رہے تو ہر وقت کفار و مشرکین کے خوف میں رہے پھر ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو یہاں بھی مشرکین کے حلوں سے ہر وقت کے خطرہ میں رہے کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ کبھی ہم پر ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر اس واطمینان کے ساتھ رہ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (زلمی دیکر) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو اس نے امت محمدیہ سے ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی تورات و انجیل میں فرمایا تھا۔ (بحر محیط)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت کو زمین کے خلفاء اور حکمران بنایا جائے گا اور اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو غالب کیا جائے گا اور مسلمانوں کو اتنی قوت و شوکت دی جائے گی کہ ان کو دشمنوں کا کوئی خوف نہ

اسلام اور اس کو اپنے عمل و صلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

فَإِنْ جِئْتُمُ الْمَدِينَةَ فَابْتَغُوا مِنْهَا حَتَّى تَخْرُجُوا مِنْهَا إِلَى الْيَوْمِ الَّذِي تَخْرُجُونَ فِيهِ

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل بھی ہے کیونکہ جو پیش گوئی اس آیت میں فرمائی گئی تھی وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی۔ اسی طرح یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق و صحیح اور مقبول عند اللہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی امت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق و صحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ کہیں پورا نہیں ہوا اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری امت ذلت و خواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے ان کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہیں حضرات کو مل رہی تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا پورا انہیں کے عہد میں پورا ہوا ان کے بعد نہ ایمان و عمل کا وہ درجہ مناسب سے زیادہ کامل و مکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا پورا انہیں کے عہد میں پورا ہوا ان کے بعد نہ ایمان و عمل کا وہ درجہ قائم رہا نہ خلافت و حکومت کا وہ وقار بھی قائم ہوا۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

یہاں لفظی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اصطلاحی بھی، معنی آیت کے یہ ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ اپنا یہ وعدہ پورا کر دے، مسلمانوں کو حکومت قوت اور امن و اطمینان اور دین کو استحکام حاصل ہو جائے اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کرے یعنی اسلام سے پھر جائے یا ناشکری کرے کہ اس اسلامی حکومت کی اطاعت سے گریز کرے تو ایسے لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ پہلی صورت میں ایمان ہی سے نکل گئے اور دوسری صورت میں اطاعت سے نکل گئے کفر اور ناشکری ہر وقت ہر حال میں گناہ عظیم ہے مگر اسلام اور مسلمانوں کی قوت و شوکت اور حکومت قائم ہونے کے بعد یہ چیزیں دوہرے جرم ہو جاتی ہیں اس لئے بَعْدَ ذَٰلِكَ سے موکد فرمایا گیا۔ امام بغوی نے فرمایا کہ علماء تفسیر نے کہا ہے کہ قرآن کے اس جملے کے سب سے پہلے صدق وہ لوگ ہوئے جنہوں نے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی کو قتل کیا اور جب وہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ انعامات میں بھی کمی آگئی آپس کے قتل و قتال سے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے اور بعد اس کے کہ سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جاتے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کر دے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اس

کے ہاتھ نہ ہوں اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلواریں اب تک میان میں تھیں، خدا کی قسم اگر وہ تلواریں میان سے کھل آئی تو پھر کبھی انسان ٹانہ جاوے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی مظلوم کو مارا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔ (منہری)

چنانچہ قتل عثمان غنیؓ سے جو باہمی خواری کا سلسلہ شروع ہوا تھا امت میں چلتا ہی رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنَ الْعَبِيدِ وَالْإِمَاءِ وَالَّذِينَ لَهُمْ يَتْلُوا الْحُكْمَ مِنْكُمْ
الْأَحْزَارُ وَعَرَفُوا أَمْرَ النِّسَاءِ تِلْكَ مَوْتٌ فِي ثَلَاثَةِ أَوْقَاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ
الظُّهْرِ وَآيُ وَقْتُ الظُّهْرِ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ تِلْكَ عَوْرَتُكُمْ بِالرَّفْعِ خَيْرٌ مُبْتَدَأُ مُقَدَّرٍ بَعْدَ الْغَضَاءِ
وَقَامَ الْمَضَافُ إِلَيْهِ مَقَامَهُ آيُ هِيَ أَوْقَاتٌ وَبِالتَّصَبُّ بِتَقْدِيرِ أَوْقَاتٍ مُتَّصُونَ بِأَدْلَا مِنْ مُحَلٍّ مَا قَبْلَهُ نَامَ
الْمَضَافُ إِلَيْهِ مَقَامَهُ وَهِيَ لِإِلْقَاءِ الثِّيَابِ فِيهَا تُبَدَّلُ فِيهَا الْعُرَّاتُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ آيُ الْمَنَائِدِ
وَالصَّبِيَّانِ جُنَاحٌ فِي الدُّخُولِ عَلَيْكُمْ بِغَيْرِ إِسْتِذْنٍ بَعْدَهُنَّ آيُ بَعْدَ الْأَوْقَاتِ الثَّلَاثَةِ هُمْ طَوَّلُونَ عَلَيْكُمْ
لِلْخِدْمَةِ بَعْضُكُمْ طَائِفٌ عَلَى بَعْضٍ وَالْجُمْلَةُ مُؤَكَّدَةٌ لِمَا قَبْلَهَا كَذَلِكَ كَمَا بَيَّنَّ مَا ذَكَرَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ
الْآيَةَ آيُ الْأَحْكَامِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِأُمُورِ خَلْقِهِ حَكِيمٌ ۝ بِمَا ذَبَرَهُ لَهُمْ وَآيَةُ الْإِسْتِذْنِ قِيلَ مُسَوِّخَةٌ وَقِيلَ
لَا وَلَكِنْ نَهَاوُ النَّاسَ فِي تَرْكِ الْإِسْتِذْنِ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا فِي
جَمِيعِ الْأَوْقَاتِ كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ آيُ الْأَحْزَارِ الْكِبَارِ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ فَعَدَنَ عَنِ الْخَيْضِ وَالْوَلَدِ لِكَبَرِهِنَّ الْبَقَى لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا لِذَلِكَ فَلَيْسَ
عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ مِنَ الْجُبَابِ وَالرِّدَاءِ وَالْقِنَاعِ فَوْقَ الْخِمَارِ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ مُطَهَّرَاتٍ
بِزِينَةٍ ۝ خَفِيفَةً كَقَلَادِمٍ وَسُورٍ وَخُلُخَالٍ وَأَنْ يَسْتَعْظِفْنَ بِأَنْ لَا يَضَعْنَهَا خَيْرٌ لَهُنَّ ۝ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
عَلَيْكُمْ ۝ بِمَا فِي قُلُوبِكُمْ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَفِي مَوَازِلِهِ
مُقَابِلَتِهِمْ لَا خَرَجَ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَيْ بُيُوتِ أَوْلَادِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

مَلَائِكَةً أَوْ مَا مَلَائِكَةُ مَقَابِلَهُ أَى خَزَنَتُهُ لِيُغَيِّرَ لَكُمْ أَوْ صَدِيقَكُمْ وَهُوَ مَنْ صَدَقَكُمْ فِى مَوَدَّتِهِ الْمُتَعْنَى بِخُزْنِ الْأَكْمَلِ مِنْ يَتُوبُ مَنْ ذُكِرَ وَإِنْ لَمْ يَحْضُرُوا أَى إِذَا عَلِمَ رِضَاءُهُمْ بِهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَاكُلُوا مِنْهُمَا مُجْتَمِعِينَ أَوْ أَشْتَاتًا مُتَفَرِّقِينَ جَمْعٌ شَيْءٌ نَزَلَ فِيمَنْ تَخْرُجُ أَنْ يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَإِذَا لَمْ يَجِدْ مِنْ بَوَائِكِهِ يَبْرُكُ الْأَكْمَلُ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا لَكُمْ لَا أَهْلَ فِيهَا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ قُولُوا السَّلَامَ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَرُدُّ عَلَيْكُمْ وَإِنْ كَانَ بِهَا أَهْلٌ فَسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ نَجِيَّةً مُصَدِّرُ حَتَّى مِنْ قِبَلِ عَنِ اللَّهِ مُبْرَكَةً طَلِبَةً مُثَابٌ عَلَيْهَا كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ أَى يُفَضِّلُ لَكُمْ مَعَالِمَ دِينِكُمْ لَكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

۱۲

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں کو اور جو تم میں (آزاد ہوں اور وہ) حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہئے (اور یہ نابالغ بچے عورتوں کے امور کو جان گئے ہوں تو ان خاص اوقات میں اجازت لینا چاہئے ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے جب دوپہر کو سونے لیٹنے کے لیے اپنے زانگہ کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں) بحالت رفع ثلث معتداء مخدوف اور خیر کا مضاف بھی مقدر ہے کہ اس کے قائم مقام مضاف الیہ ہو گیا یعنی اسی اوقات ثلاث الخ اور دوسری قراءت بالنصب ہے اور اوقات مقدر ہے بوجہ بدل ہونے کے منصوب ہے کہ اس کے ماقبل کا محل مبدل منہ ہے اور مضاف الیہ نے اس کی جگہ لی ہے اور یہ تین اوقات پردہ اس وجہ سے قرار دئے گئے کہ ان اوقات میں کپڑے اتارے جاتے ہیں بدن عورت کھل جاتا ہے) ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر الزام ہے (یعنی غلام باندی اور بچوں پر بغیر اجازت تمہارے پاس اور کوئی کسی کے پاس (خدمت اور ضرورت کی وجہ سے ماقبل کے جملہ کی تاکید کے لیے یہ جملہ ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے! آیت استیذان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ منسوخ ہے اور کہا گیا کہ منسوخ نہیں ہے لیکن لوگ استیذان میں سستی کرنے لگے ہیں اور جب تمہارے لڑکے ائے آزاد لوگو! حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو تمام اوقات میں ان کو بھی اجازت لینی چاہئے جیسا کہ ان کے ماقبل مذکور لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ احکام بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے (بوجہ بوڑھا ہو جانے کے ولادت اور حیض سے اور اب) جن کو توقع نہ رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے (زانگہ مثلاً چادر اور جلباب اور اوڑھنی کے اوپر جو پردہ پوش ہوتا ہے) بشرطیکہ زینت کے موقع کا اظہار نہ کریں (جیسے گلوبند چوڑیاں اور پازیب) اور اس سے بھی احتیاط رکھیں (کہ ان زانگہ کپڑوں کو نہ اتار رکھیں جن کا تذکرہ اوپر ہوا) تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ (تمہاری) سب باتیں سننا (اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کو) جانتا ہے۔ نہ تو اندھے آدمی کے لیے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لیے اور نہ بیمار آدمی

۴۵۸

اپنے گھر سے کھانا کھالیا کرو (یعنی اپنی اداؤں کے گھر سے یا اپنے آپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بھولی کے گھر سے یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنے خالوں کے گھر سے یا جس گھر کی گھنچوں کے تم مالک ہو یعنی اس میں سے جس کی تم میر کے لیے حفاظت کرتے ہو یا اپنے دوست سے جس سے تم گناہ تم پر کہ کھانا آہوں میں سہل کر یا الگ الگ (دوست یعنی جو اپنی محبت میں تمہارے حق میں سہاوت طلب ہو) کہ ان مذکورہ کمالات میں سے از خود کھانا جائز ہے اگرچہ صاحب خانہ موجود نہ ہو یعنی جب کہ تم کو اس بات کا علم اور یقین نہ ہو ان کی اس غور و دلوش میں رضاء و اجازت رہے گی اشنا تا جمع ہے سنت کی یہ آیت ان لوگوں کے حق نازل ہوئی کہ انہوں نے کھانے میں حرج خیال کیا جب کوئی شریک ہو کر کھانے والا نہ پایا جائے تو کھانا ترک کر دیا جائے جب تم گھروں میں جاتے ہو اپنے لوگوں کو (یعنی اس گھر کے اہل کو اگر وہاں موجود ہوں تو ان کو) سلام کر لیا (اور اگر موجود نہ ہوں تو خود کو اس طرح سلام کرو "السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین" کیونکہ فرشتے تم کو جواب دیں گے اور یہ سلام کرنا) دعا کے طور پر ہے کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے (جس پر ثواب عطا ہوگا) اس طرح اللہ تعالیٰ تم سے (تمہارے سلام و دعا سے متعلق) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (ان احکام کو)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: یعنی دن رات کے دورانیہ میں۔
 قوله: مِنْ قَبْلِ: ثلاث مرات کا بدل ہونے کی وجہ سے قبل منسوب ہے۔
 قوله: صَلَاةَ الْفَجْرِ: کیونکہ یہ اٹھ کر بیداری کا لباس پہننے کا وقت ہے۔
 قوله: حِينَ تَضَعُونَ: یعنی قیلولہ کے لئے کپڑے زائد اتارتے ہو۔
 قوله: مِنْ الظَّهِيرَةِ: یہ نصف النہار کی حد ہے۔ یہ صحن کا بیان ہے۔
 قوله: عَوْرَتٍ لَّكُمُ: یہ تین اوقات ہیں جنہیں تمہارے تمہارے ستر پوشی میں خلل پڑ سکتا ہے۔ عودہ اصل میں خلل کو کہتے ہیں جسے رجل اعور۔

قوله: مِنْ: یہ مبتداء مخدوف اور ثلاث عورات یعنی اوقات عورات یہ خبر ہے۔
 قوله: الْمَسَاءِ: یہ آیت غلاموں، لونڈیوں اور بچوں کے متعلق ہے جبکہ پہلی احرار بالغوں سے متعلق ہے۔
 قوله: مَنْ طَوَّافُونَ: مبتداء مخدوف اور طوافون اس کی خبر ہے۔
 قوله: مِنْ: لا لقاء الثیاب: ان اوقات میں نمی کی علت ہے۔
 قوله: يَبْتَغِيَنَّ اللَّهَ: اس کو دوبارہ مسئلہ استیذان میں مبالغہ کے لئے۔

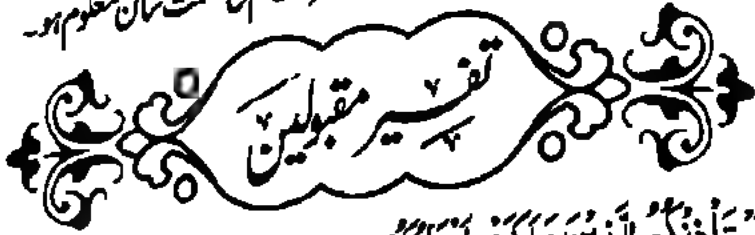
نولہ: یَرْجُونَ نِكَاحًا: یعنی ان کو نکاح کی طمع نہ رہی ہو۔

نولہ: فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ: فاس لئے ہوئی کیونکہ القواعد کی لام اسم موصول کے معنی میں ہے۔

نولہ: يَتَذَكَّرْنَ: اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں انت ومالك لا يبك۔

نولہ: فَمِنْ عِنْدِ اللَّهِ: جار مجرور یہ ظرف مستقر یہ تحیہ کی مفت ہے اسی تحیہ ثابتہ بامر اللہ مشروعہ من اللہ تعالیٰ۔ طیبہ اس سے شے والے کا دل خوش ہوتا ہے۔

نولہ: لَكُمْ الْأَلْبَت: اس کو تیس مرتبہ لائے ایک تو مزید تاکید اور دوسرا احکام کی عظمت شان معلوم ہو۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

گھروں میں داخل ہونے کے لیے خصوصی طور پر تین اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کیا جائے:

اسی سورہ نور کے چوتھے رکوع میں کسی کے پاس اندر جانے کے لیے اجازت لینے اور اجازت نہ ملنے پر واپس ہو جانے کا حکم مذکور ہے وہ حکم اجانب کے لیے ہے جن کا اس گھر سے رہنے سہنے کا تعلق نہ ہوں جس میں اندر جانے کی اجازت طلب کرنا چاہتے ہوں۔

ان دو آیتوں میں ان اقارب اور محارم کا حکم فرمایا ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور ان سے عورتوں کو پردہ کرنا بھی واجب نہیں ہے ان میں ان بچوں کا حکم بیان فرمایا جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور غلاموں کا ذکر ہے (جنہیں کام کے لیے اپنے آقا کی خدمت کے لیے بار بار اندر آنا جانا پڑتا ہے) ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ تین اوقات میں تمہارے پاس اندر آنے کے سلسلے میں اجازت لینے کا خاص دھیان رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم انہیں یہ تعلیم دو اور انہیں سمجھاؤ اور سداؤ کہ وہ ان اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں ان اوقات میں سے پہلا وقت نماز فجر سے پہلے اور دوسرا دوپہر کا وقت ہے جب عام طور سے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد کا ہے۔ ان تینوں اوقات کے بارے میں فرمایا کہ (ثَلَاثَ عَوْرَاتٍ لَكُمْ) کہ یہ تینوں تمہارے پردہ کے اوقات ہیں کیونکہ ان اوقات میں عام عادت کے مطابق تھلیہ ہوتا ہے اور انسان بے تکلفی کے ساتھ آرام سے رہنا چاہتا ہے۔ تنہائی میں کسی وقت وہ اعضاء بھی کھل جاتے ہیں جن کا ڈھانکے رکھنا ضروری ہے اور سوتے وقت غیر ضروری کپڑے تو اتار ہی دیتے ہیں اور تنہائی کا موقع پا کر بعض مرتبہ میاں بیوی بھی بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمتع ہوتے ہیں۔ اگر آنے والا آزاد لڑکا ہو یا غلام یا لونڈی ہو اور اندر آنے کی اجازت نہ لے تو بعض مرتبہ ممکن ہے کہ ان کی نظر کسی ایسی حالت یا کسی ایسے عضو پر پڑ جائے جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے بالغ غلام مرد اپنے آقا کے پاس ان اوقات میں جائے تو وہ بھی اجازت لے۔ گو مرد کا مرد سے پردہ نہیں ہے لیکن ان اوقات میں کپڑے اتارے اسے ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بے دھیانی میں بعض وہ اعضاء کھل جاتے ہیں جن کا مرد کے سامنے بھی کھولنا جائز

نہیں ہے۔ اس لیے مذکورہ اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں۔ معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدح تھا حضرت عمرؓ کو بلانے بھیجا یہ دوپہر کا وقت تھا اس نے حضرت عمرؓ کی ایسی حالت میں دیکھ لیا جو انہیں ناگوار ہوا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

مضمون بالا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے ان اوقات کے علاوہ اگر یہ لوگ بلا اجازت آجائیں تو اس میں تم پر بیان پر کوئی الزام نہیں ہے پھر اس کی وجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: طَوُّفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ (یہ لوگ تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں) چونکہ ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے اس لیے مذکورہ بالا اوقات کے علاوہ بلا اجازت داخل ہونے کی گھر کے لڑکوں اور غلاموں کو اجازت دے دی گئی آخر میں فرمایا: كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ اللَّهُ اسى لمرح تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے)۔

یاد رہے کہ عورت کا اپنا غلام ہو یا اس کے شوہر کا اگر نامحرم ہو تو اس سے پردہ کرنا اسی طرح واجب ہے جیسے نامحرموں سے پردہ واجب ہے۔

یہ پہلی آیت کا مضمون تھا دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ جب لڑکے بالغ ہو جائیں جنہیں بلوغ سے پہلے مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ بے اجازت اندر آنے کی اجازت تھی اب بالغ ہونے کے بعد اسی طرح اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے رہے یہ خیال نہ کریں کہ کل تک تو ہم یوں ہی چلے جاتے تھے اب اجازت کیوں لیں۔

فائدہ: پہلی آیت میں جو تین اوقات میں اجازت لینے کا حکم فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ رکھا ہے ایک تو یہی آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور دوسرے نساء کی آیت: (وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ) اور سورہ حجرات کی آیت: (إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ) نیز حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا (اکثر لوگ اس آیت پر عمل نہیں کرتے) (گویا کہ) اس پر ایمان ہی نہیں لائے اور میں تو اپنی اس باندی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ میرے پاس اجازت لے کر آئے۔ (ابن کثیر ص ۲۰۳ ج ۲)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا

بوزمی عورتیں پردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں تو گنجائش ہے

القَوَاعِدُ، قاعدہ کی جمع ہے اس سے بوزمی عورتیں مراد ہیں جو گھر میں بیٹھ چکی ہیں نہ نکاح کے لائق ہیں نہ انہیں نکاح کی رغبت ہے نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کرنے کی طلب ہے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جن سے چہرہ چھپا رہا ہے، چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیں یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول کر آجائیں بشرطیکہ مواقع زینت کا اظہار نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم جو ان عورتوں کا سامنے ہے اگر چہرہ اور ہتھیلیاں غیر محرم کے سامنے کھول دیں اس میں گناہ نہیں ہے البتہ جسم کے دوسرے حصوں کو نہ کھولیں اور یہ جو انہیں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دی گئی ہے یہ جائز ہونے کی حد تک ہے۔ بہتر ان کے لیے بھی یہی ہے کہ احتیاط کریں اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے سے بھی

ہزار کریں۔ جب بوجہ عورتوں کو بھی اجازت دینے کے ہاں جو یہ فرمایا کہ ان کو بھی امتیاز کرنا بہتر ہے کہ چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے نہ آئیں تو اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو ان عورتوں کو غیر محرموں کی سامنے چہرہ کھول کر آنا کیسے جائز ہوگا۔ ہذا فی القواعد سامنے نہ آئیں کواعب۔ (روح المعانی ص ۲۱۷ ج ۱۸)۔

تکلیف فی الکواعب حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْوَجِ حَرَجٌ

تینوں میں داخل ہونے کے بعد کے بعض احکام اور آداب معاشرت:۔
پہلی آیتوں میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس آیت میں وہ احکام و آداب مذکور ہیں۔ جو اجازت ملنے پر گھر میں جانے کے بعد مستحب یا واجب ہیں۔ اس آیت کا مفہوم اور اس میں مذکور احکام کو سمجھنے کے لئے پہلے ان حالات کو معلوم کر لینا مناسب ہے جن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی عام تعلیمات میں حقوق العباد کی حفاظت و رعایت کے لئے جتنی تاکیدات آئی ہیں ان سے کوئی مسلمان بے خبر نہیں۔ کسی دوسرے کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے کوئی تصرف کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی صحبت کے لئے ایسے خوش نصیب لوگوں کو جن کو لیا تھا کہ وہ اللہ و رسول کے فرمان پر ہر وقت گوش برآ واز رہتے اور ہر حکم کی تعمیل میں اپنی پوری توانائی صرف کرتے تھے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی میثاق سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت تیار کر دی تھی کہ فرشتے بھی ان پر فخر کرتے۔ دوسروں کے مال میں ان کی مرضی و اجازت کے بغیر ادنیٰ قسم کا تصرف گوارا نہ ہوتا کسی کو ادنیٰ سی تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا اور اس میں تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر قائم ہونا بھی صحابہ کا وصف تھا۔ اسی سلسلے کے چند واقعات عہد رسالت میں پیش آئے جن کی وجہ سے آیت مذکورہ کے احکام نازل ہوئے۔ حضرات مفسرین نے یہ سب واقعات لکھے ہیں کسی نے ان میں سے کسی کو شان نزول قرار دیا کسی نے کسی دوسرے واقعہ کو مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، یہ مجموعہ واقعات ہی اس آیت کا شان نزول ہے۔ واقعات یہ ہیں۔

(۱) امام بغوی نے حضرت سعید بن جبیر اور ضحاک ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے کہ دنیا کی عرف عام اور اکثر لوگوں کی طبائع کا حال یہ ہے کہ لنگڑے لو لے اندھے اور بیمار آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے گھن کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں۔ حضرات صحابہ میں سے جو ایسے معذور تھے ان کو یہ خیال ہوا کہ ہم کسی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے تو شاید اس کو تکلیف ہو اس لئے یہ لوگ تندرست آدمیوں کے ساتھ کھانے میں شرکت سے گریز کرنے لگے۔ نیز نابینا آدمی کو یہ بھی فکر ہوئی کہ جب چند آدمی کھانے میں شریک ہوں تو قاضائے عدل و مروت یہ ہے کہ کوئی شریک دوسرے سے زیادہ نہ کھائے سب کو برابر حصہ ملے اور میں نابینا ہونے کی وجہ سے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا ممکن ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ کھاؤں اس میں دوسروں کی حق تلفی ہوگی۔ لنگڑے آدمی نے خیال کیا کہ عام تندرست لوگوں کی طرح بیٹھ نہیں سکتا دو آدمی کی جگہ لیتا ہوں، کھانے پر دوسروں کے ساتھ

بیٹوں کا تو ممکن ہے ان کو تنگی اور تکلیف پیش آئے، ان کی اس غایت احتیاط میں ظاہر ہے کہ خود ان کو تنگی اور تکلیف پیش آنی کی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کو دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت اور ایسی دقیق احتیاط کو چھوڑنے کی تلقین فرمائی جس سے تنگی میں پڑ جائیں اور بغوی نے بروایت ابن جریر حضرت ابن عباس سے ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے جو واقعہ مذکورہ کا دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ قرآن کریم کی جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر۔ تو لوگوں کو اندھے لنگڑے بیمار لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے میں یہ تردد پیش آنے لگا کہ یا تو عادیہ کم کھاتا ہے، ناپینا کو کھانے کی چیزوں میں یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ کون سی چیز عمدہ ہے لنگڑے کو اپنی نشست ہموار نہ ہونے کے سبب کھانے میں تکلف ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ لوگ کم کھائیں ہمارے پاس زیادہ آجائے تو ان کی حق تلفی ہوئی کیونکہ مشترک کھانے میں سب کا حصہ مساوی ہونا چاہئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس تعق اور تکلف میں پڑنے سے ان کو آزاد کر دیا گیا کہ سب مل کر کھاؤ معمولی کمی بیشی کی فکر نہ کرو اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ مسلمان جب کسی جہاد وغزوہ کے لئے جاتے تو اپنے گھروں کی کنجیاں ان معذوروں کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ تم لوگ کھا لی سکتے ہو۔ مگر یہ لوگ اس احتیاط کی بنا پر ان کے گھروں میں سے کچھ نہ کھاتے کہ شاید ان کی منشاء کے خلاف ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مستند بزار میں سعد صحیح حضرت عائشہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو عام صحابی کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ سب آپ کی رفاقت میں شریک جہاد ہوں اور اپنے مکانوں کی کنجیاں ان غریب معذورین کے سپرد کر دیتے تھے اور ان کو اجازت دیتے تھے کہ ہمارے پیچھے آپ ہمارے گھروں میں جو کچھ ہے کھا لی سکتے ہو مگر یہ لوگ غایت تقویٰ سے اس اندیشہ پر کہ شاید ان کی یہ اجازت بطیب خاطر نہ ہو اس سے پرہیز کرتے تھے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جو لفظ صَدِيقُكُمْ کا آیا ہے یعنی اپنے دوست کے گھر سے بھی کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ حادث بن عمرو کے واقعہ میں نازل ہوا کہ وہ کسی جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے گئے اور اپنے دوست مالک بن زید کو اپنے گھر اور گھروالوں کی نگرانی سپرد کر دی۔ جب حادث واپس آئے تو دیکھا کہ مالک بن زید بہت ضعیف کمزور ہو رہے ہیں و جدو یافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کے گھر سے کچھ کھانا آپ کے پیچھے مناسب نہیں سمجھا (یہ سب روایات تفسیر مظہری میں ہیں) اور صاف بات یہی ہے کہ اس قسم کے تمام واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوئے ہیں۔

مسئلہ: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جن گھروں میں سے بغیر اجازت خاص کے کھانے پینے کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے اس کی بناء اس پر ہے کہ عرب کی عام عادت کے مطابق ایسے قریبی رشتہ داروں میں کوئی تکلف بالکل نہ تھا ایک دوسرے کے گھر سے کچھ کھاتے پیتے تو گھروالے کو کسی قسم کی تکلیف یا ناگواری نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اس سے خوش ہوتا تھا۔ اسی طرح اس سے بھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی معذور، بیمار، مسکین کو بھی کھلا دے۔ ان سب چیزوں کی کو صراحتہ اجازت نہ دی ہو مگر عادیہ اجازت تھی اس علت جواز سے ثابت ہوا کہ جس زمانے یا جس مقام میں ایسا رواج نہ ہو اور مالک کی اجازت مشکوک ہو وہاں بغیر صریح اجازت مالک کے کھانا پینا حرام ہے۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر نہ یہ عادت رہی نہ کوئی اس کو گوارہ کرتا ہے کہ کوئی عزیز قریب

میں جہاں جہاں چاہے کھائے پئے یا دوسروں کو کھلانے پلانے اس لئے آج کل عام طور پر اس اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

ان کے گھر میں جو چاہے کھائے پئے یا دوسروں کو کھلانے پلانے اس لئے آج کل عام طور پر اس اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔
 اس کے کسی دوست عزیز کے متعلق کسی کو یقینی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس کے کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے پلانے سے کوئی تکلیف یا ناگواری محسوس نہ کرے گا بلکہ خوش ہوگا تو خاص اس کے گھر سے کھانے پینے میں اس آیت کے مقتضی پر عمل جائز ہے۔
 مسئلہ: مذکورہ بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا بلکہ حکم اول سے آج بھی جاری ہے البتہ شرط اس کی مالک کی اجازت کا یقین ہے جب یہ نہ ہو تو وہ مقتضائے آیت میں داخل نہیں ہیں۔ (مظہری)

مسئلہ: اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حکم صرف ان مخصوص رشتہ داروں ہی میں منحصر نہیں بلکہ دوسرے گھروں کے بارے میں اگر یہ یقین ہو کہ اس کی طرف سے ہمارے کھانے پینے اور کھلانے پلانے کی اجازت ہے وہ اس سے خوش ہوگا اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (مظہری) احکام مذکورہ کا تعلق ان کاموں سے ہے جو کسی کے گھر میں بااجازت داخل ہونے کے بعد جائز یا مستحب ہیں ان کاموں میں بڑا مسئلہ کھانے پینے کا تھا اس کو پہلے ذکر فرمایا۔

دوسرا مسئلہ گھر میں داخل ہونے کے آداب کا یہ ہے کہ جب گھر میں بااجازت داخل ہو تو گھر میں جو مسلمان ہوں ان کو سلام کرو۔ آیت عَلَيَّ أَتَفِيكُم سے یہی مراد ہے کیونکہ مسلمان سب ایک جماعت متحدہ ہیں۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں مسلمان کے باہم ایک دوسرے کو سلام کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (تفسیر صارف القرآن) (مفتی شفیع)

لَكِنِّي نَفَعْتُكَ ذَلِكَ لِكَمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا إِلَى الرَّسُولِ مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ
 كَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ لَمْ يَذْهَبُوا لِعُزْوَضٍ عُدْرٍ لَهُمْ حَتَّى يَسْتَأْذِنُوا إِنْ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ
 يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ أَمَرَهُمْ فَأَذَنَ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ بِالْإِنْصِرَافِ وَ
 اسْتَفِيرَ لَهُمُ اللَّهُ إِنْ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا بَلْ قُولُوا
 بِالْحَقِّ بَلْ قُولُوا يَا نَبِيَّ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فِي لَيْلٍ وَتَوَاضَعَ وَخَفِضَ صَوْتٌ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْأَلُونَ
 مِنْكُمْ لِوَأَذَانٍ أَيْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْمَسْجِدِ فِي الْخُطْبَةِ مِنْ غَيْرِ اسْتِجْذَانٍ خُفْيَةٍ مُسْتَرِيضٍ بِشَيْءٍ وَقَدْ
 لِلتَّحْقِيقِ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرٍ أَيْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ يَلَايَ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ
 أَلِيمٌ ۝ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا إِنْ يَشَاءُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ مَلِكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ أَتِبَا
 الْمَكْلُوفُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالنِّفَاقِ وَتَعْلَمُ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فِيهِ الْيَفَافُ عَنِ الْخُطَابِ أَيْ شَيْ
 بِكُونٍ فَيُنَبِّئُهُمْ فِيهِ بِمَا عَمِلُوا مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَغَيْرِهَا عَلِيمٌ ۝

تو کہتے ہیں: بس مسلمان تو دی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے آدمی کو پیش آجائے جس کے لیے جمع کیا گیا ہے (جیسے خطبہ جمعہ) تو جب تک آپ ﷺ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے (یا نہ جاتے کی اجازت آپ سے) (وقت ہذا ضرورت) اجازت طلب کریں تو ان میں آپ ﷺ کے لیے چاہتا ہوں۔ لوگ رسول ﷺ کے بلائے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے (مثلاً یوں کہو یا محمد بلکہ یوں کہو یا محمد رسول اللہ ﷺ اور نرم گفتگو تواضع اور آواز کے پست کرنے میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو) (خوب) جانتا ہے جو دوسرے کی بات میں ہو کر تم میں سے مجلس نبوی سے کھٹک جاتے ہیں (آنکھ بچا کر مسجد سے خطبہ میں بلا اجازت نکل جاتے ہیں اور قدر راستہ حق ہے) تو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر دنیا میں کوئی آفت آن پڑے یا ان پر آخرت میں کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے یا درکھو کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے ملکیت کے اعتبار سے تخلیق کے اعتبار سے مملوک ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم اب ہو (اسے مکلف یعنی کون مومن اور کون منافق ہے) اور اس دن کو بھی (جانتا ہے) جس میں سب اس کے پاس لائے جاویں گے (کہ وہ کب آئے گا اس میزب خطاب سے میزب غائب کی طرف التفات فرمایا) تو وہ ان کو سب جتنا دے گا۔ (اس دن میں) جو کچھ انہوں نے (خیر اور شر) کیا تھا اللہ تعالیٰ (تو ان کے اعمال وغیرہ) سب کچھ جانتا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: الْمُؤْمِنُونَ: کامل مومن مراد ہیں۔

قولہ: كَخُطْبَةِ الْجُمُعَةِ: امت کی صفت جامع کے لفظ سے بطور مبالغہ لائی گئی۔

قولہ: لَا تَجْعَلُوا: آپ کے بلائے کو ایک دوسرے کے بلائے پر تیس کر کے اعراض مت کرو۔

قولہ: لَوْ اَذْنَبْتُمْ: یہ حال ہے مستترین بشنی کا مطلب ایک دوسرے کے پیچھے پیچھا۔

قولہ: فَلْيَحْذَرُوا: یعنی وہ لوگ احتیاط کریں جن سے مخالفت کا وقوع ہو اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ وہ توبہ اور رجوع سے تدارک کر لیں یہ عذاب کے ہٹنے کا باعث بن جائے۔

قولہ: عَنْ اَمْرِ: اس کے مقتضی کو چھوڑ کر اور آپ کے رخ سے دوسرے رخ پر جائیں۔ عن یہ اعراض کے معنی کو مستعمل ہے۔ امر اللہ فی حقیقت تو حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

قولہ: يَزْزِفُوهُ: یہ مقصود بالذکر ہے۔

قولہ: هَتَّى يَكُونُ: اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کب قیامت کا دن ہوگا، اور کسی کو معلوم نہیں۔

تفسیر مقبولین

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ

آداب مجلس نبوی:

(بطل) گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان واجب ہے اور آپ (ﷺ) کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ (ﷺ) کی مجلس سے بغیر اجازت لئے اٹھ کر چلے جانا یا آپ (ﷺ) کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آپ (ﷺ) کا ادب اور احترام ایمان کا جز ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو ایسی نیت کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے جمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقا وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ (ﷺ) کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ (ﷺ) کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آگے بھا کر بغیر اجازت لئے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلادیا کہ اجازت لیتا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ (ﷺ) کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بے شک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو بغیر آپ (ﷺ) کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لئے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں۔ اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ (ﷺ) کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لئے دعا مغفرت کیجئے، اس لئے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ (ﷺ) کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایسا ضرور ہے کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ پس اسے نبی کریم ﷺ آپ ان مخلصین کے حق میں دعا مغفرت فرمائیے تاکہ آپ کے استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگزاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں تم رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض۔ بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا، چاہے نہ دیا۔ رسول ﷺ کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسول ﷺ تم کو بلائیں تو سب کام چھوڑ دو اور لپیک کہہ کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ تم رسول ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض۔ بعض کو پکارتے ہو۔ یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، اس طرح رسول ﷺ کو اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ یعنی تعظیمی الفاظ سے آپ کو خطاب کیا کرو۔ ہر حال میں رسول (ﷺ) کے ادب اور اس کی تعظیم کو رکھو اور بلا اجازت آپ ﷺ کی مجلس سے ہرگز نہ اٹھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں چپے چپے کسی کی آڑ میں ہو کر۔ منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ (ﷺ) کے ہاتھ ہوتے تو آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہو جاتے تاکہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے یا آخرت میں ان کو دکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہ تردید بطور منع خلو ہے ورنہ جمع ہونا دونوں کا جائز ہے کہ دنیا میں بھی مصیبت آئے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے جان لو کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک، اس لئے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو، یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے برے بھلے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

سورة الفرقان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورة الفرقان ۲۵

آیت ۲۵

اور اس کی شتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

سورہ فرقان کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَبْرَكَ تَعَالَى الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ ۚ الْقُرْآنَ لِأَنَّهُ فَرَقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ عَلَى عَبْدِهِ مُحَمَّدٍ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ
 أَى الْإِنْسِ وَالْجِنِّ دُونِ الْمَلِكَةِ نَذِيرًا ۝ مَخَوِّنًا مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ يَسْجُدُ
 وَلَكُم مَّا يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مِّنْ شَانِهِ أَنْ يَخْلُقَ فَقَدَرَةٌ تَقْدِيرًا ۝ سَوَاءٌ تَسْبِيحُهُ وَ
 اتَّخَذُوا أَى الْكُفَّارِ أَى مِنْ دُونِهِ ۚ اللَّهُ أَى غَيْرِهِ ۚ إِلَهًا هِىَ الْأَصْنَامُ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يَخْلُقُونَ وَلَا
 يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا أَى دَفْعًا لَا تَقْعًا أَى جَزَاءً وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً أَى إِمَانَةً لِأَخِيهِمْ
 لِأَخِيهِمْ وَلَا تَشُورًا ۝ أَى بَعْثًا لِلْأَمْوَاتِ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا أَى مَا الْقُرْآنُ إِلَّا إِفْكٌ كَذَبَ إِفْتَرَاهُ
 مُحَمَّدٌ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۚ وَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ تَعَالَى فَقَدْ جَاءَ وَظَلَمْنَا وَرُورًا ۚ كُفْرًا مَّعْ
 زَكْبًا أَى بِهِمَا وَقَالُوا أَيْضًا هُوَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۚ أَكَادِيبُهُمْ جَمْعُ أَسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ اتَّسَبَّحَهَا ۚ اتَّسَبَّحَهَا
 مِنْ ذَلِكَ الْقَوْمِ بغيره فَمَنْ تَمَلَّى تُقْرَأُ عَلَيْهِ لِيَحْفَظَهَا بَكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ عُدُوَّةٌ وَعَشِيًّا قَالَ تَعَالَى رَدًّا
 عَلَيْهِمْ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ الْغَيْبِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا ۚ لِلْمُؤْمِنِينَ تَحِيًّا ۝ بِهِمْ وَ
 قَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۚ لَوْلَا هَذَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۚ
 لِيُذَكِّرَهُ أَوْ يُنْفِثَ إِلَيْهِ كَلِمًا مِنَ السَّمَاءِ يُنْفِقُهُ وَلَا يَحْتَاجُ إِلَى الْمَشْيِ فِي الْأَسْوَاقِ لِيَطْلُبَ الْمَعَاشَ أَوْ تَكُونَ
 لَهُ جَنَّةٌ يَنْزِلُ فِيهَا يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ أَى مِنْ ثَمَارِهَا فَيَكْتَفِي بِهَا وَفِي قِرَاءَةِ تَأْكُلُ بِاللُّزْنِ أَى نَحْسُ فَيَكُونُ لَهُ
 مَرْئِيَّةٌ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ مَا تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَقْسُورًا ۚ مَخْلُوعًا

مَعْلُوبًا عَلَى عَقْلِهِ قَالَ تَعَالَى أَنْظِرْ كَيْفَ صَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ بِالْمَسْحُورِ وَالْمَحْتَاجِ إِلَى مَا يُنْفَعُ وَالْإِ

توجہ دینا: بڑی عالی شان ذات ہے جس نے فیصلہ کی کتاب اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی (چونکہ یہ کتاب حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے) تاکہ وہ تمام دنیا جہاں دالوں کے لیے (انسان اور جنات، نہ کہ ملائکہ کے لیے) ڈرانے والا ہو یعنی اللہ کے عذاب سے ایسی ذات جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کی کاہن اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی شریک ہے حکومت میں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا (جس چیز کا پیدا کیا جانا لائق ہے) پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا (درست کیا اس کو ناپ کر) اور ان مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر اور (اس کے علاوہ) ایسے معبود قرار دیے لیے (وہ بت) ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لیے نہ کسی نقصان (کے دفع کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل اور جاری کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے کا اور (قرآن کے بارے میں) کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں مگر جھوٹ ہی جھوٹ ہے جس کو اس شخص (یعنی محمدؐ) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں (اور وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے) ارشاد خداوندی ہے۔ سو یہ لوگ بڑا ظلم اور جھوٹ (کفر اور جھوٹ دونوں ہی باتوں) کے مرکب ہوئے اور یہ (کافر) لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ یہ قرآن بے سند باتیں (پہلے لوگوں کی جھوٹی باتیں) ہیں جو اگلے لوگوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں (اساطیر جمع بالضم جھوٹی بات جو منقول ہو) جن کو اس شخص نے لکھوا لیا (نقل کر لیا) اس قوم سے جس قوم نے نقل کیا ہے پھر وہی مضامین اس کو صبح شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (تاکہ محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رد فرمایا ارشاد ہے) آپ کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو اس ذات نے اتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کی خواہ آسمانوں میں یا زمین میں ہوں خبر ہے وہی اللہ تعالیٰ (اہل ایمان پر) غفور رحیم ہے اور یہ کافر لوگ (آپ کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس رسول کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا (جو آپ کی رسالت کی تصدیق کرتا) یا کوئی خزانہ آ پڑتا ہے اس کے پاس (آسمان سے جو اس کو نفع دیتا اور بازاروں کا طرف جانے کی ضرورت نہ ہوتی طلب معاش کے لیے) یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس (کے پھلوں) سے یہ کھایا کرتا (اور وہ باغ اس کے لیے کافی ہوتا اور دوسری قراءت میں نون جمع کے ساتھ ناکل ہے یعنی ہم سب ہی کھاتے تو محمدؐ ہم پر ایک فضیلت اور بڑائی ہوتی) اور یہ ظالم (کافر مسلمانوں سے) یوں بھی کہتے ہیں کہ تم لوگ ایک سلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو (اللہ تعالیٰ کا ارشاد) اے محمدؐ! دیکھتے تو یہ لوگ آپ کے لیے کیسی عجیب عجیب (تمثیلیں مثلاً مسکور، اشیاء ضروریہ کا محتاج اور فرشتہ کا ساتھ رہنا جو ضروریات کو پورا کرے اس طرح کی) باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ (ان باتوں کی وجہ سے ہدایت سے بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پاسکتے (اس تک پہنچنے کا!)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تفسیر

اللہ تعالیٰ: یعنی وہ اپنی صفات و افعال اور اپنی قرآن امارتوں کی ترتیب میں بلند بالا ہے اس لئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی رحمت پر انوار کرتا ہے۔

نولہ: نَزَلَ الْفُرْقَانُ: اس جملے نے اپنی قوت و دلیل کے اعتبار سے معلوم کا مقام پایا ہے اور صلہ بنا دیا۔

نولہ: تَنْذِيرًا بِأَقْبَلِ بِمَعْنَى فَاعِلٍ (منذر) ہے۔

نولہ: تَنْذِيرًا بِأَقْبَلِ: یہ موصول اول سے بدل ہے۔

نولہ: مَنُذِرًا مِّنْهُ: بعض اوقات فاعل کا لفظ اشتقاق کا لحاظ کیے بغیر بولا جاتا ہے اور وہ تقدیر کے معنی پر آتا ہے۔

نولہ: مِّنْ أَقْلٍ الْكِتَابِ: اس سے یہود مراد ہیں۔

نولہ: فَتَنَّا: یہ ظالم ہیں اس لئے کہ انہوں نے کلام مجزومین گھڑت کلام قرار دیا۔

نولہ: فَتَنَّا: یہ تکذیب و کفر کی بناء پر انہوں نے کہیں جس آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے لئے۔

نولہ: فَتَنَّا: اسطوره کی جمع سطر کتابت کو کہتے ہیں یعنی لکھے ہوئے کاغذ۔ جن کو (نحوذ باللہ) یہود سے لکھوایا ہے۔

نولہ: فَتَنَّا: اس لئے کہ آپ اسی ہیں لکھنے کی قدرت نہیں۔

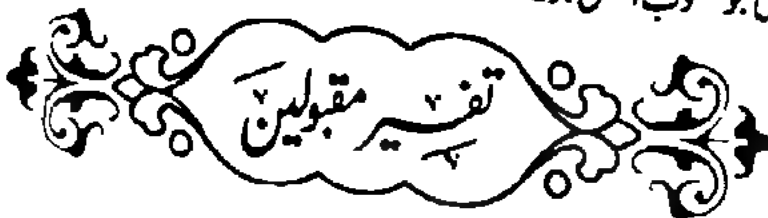
نولہ: هَذَا الرُّسُولُ: یعنی جو رسالت کا دعوے دار ہے۔

نولہ: مِّنْ خَمَارٍ: یہ بات انہوں پر سبیل تنزل کہی کہ اگر اس پر خزانہ نہیں اتارا جاتا تو کم از کم باغ تو ہو جس سے اپنا لذت۔

نوب ہو۔

نولہ: قَالَ الظُّمُورُ: ہم ضمیر کی بجائے ظاہر لفظ ظالم لا کر ان کا ظلم ہونا ثابت کر دیا۔

نولہ: فَتَنَّا: وہ شخص جو مظلوب العقل ہو۔



تَنْذِيرًا لِّلَّذِينَ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

فرقان (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہی کتاب ہے جس نے اپنے امارتوں کے واسطے کی عظمت شان و عظمت اور ان کی درجہ کی عظمت و رحمت کو اجاگر

مشکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا کلل اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بن گیا۔ جس نعمت قرآن کا ہے کہ وہ ابدی و ابدانی: سو نعمت قرآن اور اس کی عظمت شان کی تذکرہ و یاد دہانی کے علوم پر بار بار فرمایا گیا ہے جس

چند مرتبہ بھی متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی نکالا جائے اور بنیادیں کھود کر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کی جائیں اس لیے اس کو ایسی ہی بدلت کڑائی پر رکھا گیا، پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں ٹھمتیں ہیں ہوا بھی سیال مادہ کی طرح ہے مگر پانی سے مختلف ہے پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے ہوا کو قادر مطلق نے ایسا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت و عمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے پچتا چاہے تو اس کو اس کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔

نال صاحب الروح فقدرة ای هیاهما ارادیه من الخصائص والافعال اللاتقه به تقدیرا بدیعاً لا یقادرو
فدره ولا یبلغ کنه کهیئة الانسان للفهم والادراك والنظر والتدبر فی امور المعاد والمعاش واستنباط
الصنائع المتنوعة ومزاولة الاعمال المختلفة الی غیر ذلک۔
وَالْحَقُّ وَامِنْ دُونِهِ إِلَهَةٌ.....

اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ایک طرف تو اس پوری کائنات کے خالق و مالک کی قدرت و حکمت اور اس کی عظمت
مٹان کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف غیر اللہ کے بچاریوں کی مت ماری کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو کہ وہ اس کے سوا ایسے من گھڑت اور
خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ اور وہ خود اپنے لیے بھی نہ کسی نفع
کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا اور نہ ہی وہ اپنی زندگی و موت کے مالک ہیں اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا۔ واضح رہے کہ
یہاں پر گھرے جاتے ہیں یا بنائے جاتے ہیں۔ یَصْنَعُونَ۔ نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ یُخْلَقُونَ۔ فرمایا گیا
ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ نہ زندگی اور موت کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ دوبارہ اٹھنے کا۔ پس معلوم ہوا کہ اس سے صرف لکڑی
بتر وغیرہ کے وہ بے جان اور مصنوعی بت ہی مراد نہیں جن کو مشرک و بت پرست لوگ اپنے ہاتھوں سے تراش تراش کر کے
بناتے اور پوجتے تھے اور پوجتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور اس طرح یہ لوگ مخلوق پرستی
کا چر و دروازہ اپنے لئے کھلا رکھنا چاہتے ہیں اور قرآن حکیم کی اس طرح کی آیات کریمہ کے بارے میں جو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں
کہ یہ تو بتوں کے بارے میں ہیں اور بس۔ سَوْ يُخْلَقُونَ کے اس ایک لفظ سے ایسے لوگوں کی اس طرح کی تمام تاویلات و
تحریفات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دئے گئے کہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ پاک کے سوا کسی بھی مخلوق کو پوجنا پکارنا
شرک ہے خواہ وہ کوئی بھی ہستی اور کیسی ہی مخلوق کیوں نہ ہو؟۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اعجاز قرآنی کے کہ ایک ہی لفظ سے شرک کے
تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ بہر کیف یہاں پر خود ساختہ اور فرضی معبودوں کے بچاریوں کی
مت ماری اور ان کے اوندھے اور اندھے پن کے ایک نمونہ و مظہر کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ ایک طرف تو وہ خاص خالق و مالک
حق ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرما کر اس کو ایک خاص انداز سے پر رکھ دیا ہے۔ اور اس قدر باریکی، پابندی اور پختگی کے ساتھ
کہ ان میں سے کوئی بھی چیز اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ اور وہ خالق و مالک ہر کسی سے اور ہر طرح سے غنی و بے نیاز ہے اور
زندگی و موت کے تمام اختیارات اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہیں۔ اور ہر کسی کے نفع و نقصان کا مالک وہی وحدہ لا شریک
ہے۔ اور دوسری طرف عقل کے اندھے اور مت کے مارے ان مشرکوں کے یہ خود ساختہ اور فرضی معبود ہیں جو کہ عاجز و بے بس
اور خود مخلوق ہیں۔ اور غنی و بے نیاز ہونے کی بجائے وہ خود محتاج، بلکہ سراپا احتیاج ہیں۔ اور دوسروں کو نفع نقصان کیا پہنچاتے وہ

خود اپنے لیے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور کسی طرح کی زندگی و موت کا ان کو کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو کس قدر اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو ان معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جن کی عاجزی اور بے بسی کا یہ عالم ہے۔
وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ.....

اہل کفر کا شرک اختیار کرنے کی ضلالت اور سفاہت بیان کرنے کے بعد ان کا ایک اور عقیدہ کفریہ بیان فرمایا اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کا یہ کہنا کہ یہ کتاب جو میں پڑھ کر سنا تا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے ایک افتراء ہے نازل تو کچھ بھی نہیں ہوا ہاں انہوں نے اپنے پاس سے عبارتیں بنالی ہیں اور اس بارے میں دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مدد کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا کہ ان لوگوں نے بڑے ظلم کی بات کہی ہے اور بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے (اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کو مخلوق کی تراشیدہ بات بتا دیا ہے)۔

ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ دوسرے لوگوں نے عبارتیں بنانے میں ان کی مدد کی ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مشرکین کا اشارہ یہودی طرف تھا وہ کہتے تھے کہ انہیں یہودی پرانی امتوں کے واقعات سنا دیتے ہیں اور یہ انہیں بیان کر دیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ان لوگوں کا اشارہ ان اہل کتاب کی طرف تھا جو پہلے سے توریت پڑھتے تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے وجہ انکار کے لیے ان لوگوں کو کچھ نہ ملا اور قرآن جیسی چیز بنا کر لانے سے عاجز ہو گئے تو اپنی سخت مٹانے کے لیے ایسی باتیں کرنے لگے۔

قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا

ان لوگوں کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (آپؐ فرما دیجیے کہ ان قرآن کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جسے ہر چھپی ہوئی بات کا علم ہے آسمانوں میں ہو یا زمین میں) تم جو خفیہ مشورے کرتے ہو اور آپس میں جو چپکے چپکے یوں کہتے ہوں کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے یا دوسروں سے لکھوایا ہے قرآن نازل فرمانے والے کو تمہاری ان سب باتوں کا پتہ ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) اس میں یہ بتایا کہ تم نے جو باتیں کہی ہیں یہ کفریہ باتیں ہیں ان کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گے ہو لیکن جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ بہت بڑا کریم ہے اگر اپنی کفریہ باتوں سے توبہ کر لو گے اور ایمان لے آؤ گے تو وہ پرانی تمام باتوں کو معاف فرما دے گا۔

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ.....

مگر یں نبوت یہ کہتے ہیں کہ یہ مدعی نبوت پانچ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ پانچوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی ہے۔ سوم یہ کہ آپ ﷺ کے ہمراہ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ (ﷺ) سے ڈرائے۔ چہاں

یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اترتا۔ جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیروں کو بھوک اور فاقہ سے بچائیں۔ بنجم یہ کہ اگر آپ (ﷺ) کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترتا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ بے فکری سے کھالیا کرتے، جب آپ (ﷺ) میں کوئی شان امتیازی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو نقل کر کے بتلادیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، جزاء اور سزا کے قائل نہیں اس لئے احکام اور قوانین کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے۔ جب قیامت آئے گی تو پچھتائیں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر آخر و ما ارسلنا قبلك من المرسلین۔ میں ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک لازمی جواب دیا کہ دیکھو کمالے پیغمبر بھی کھاتے اور پیتے تھے اور بشری ضرورتوں کے لئے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور یہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اترتا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین وجائیداد کا مالک تھا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا سر دارانِ زمیں نے جیسے ابو جہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کہ کیا حال ہے اس رسول کا کہ دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لئے اوروں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کو ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہوگئی اور یہ نبی کیسے ہو گیا یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے پس وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈرانے والا ہوتا یا یہی ہوتا کہ اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تا کہ تحصیل معاش کے لئے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہو جاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسب معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت و رسالت کو دنیاوی ریاست پر قیاس کیا اور نبی اور رسول میں دنیاوی امیروں اور رئیسوں کی طرح دنیاوی سامان عیش و عشرت کے طلبگار اور جو یا بنے اور ان ظالموں نے تو ظلم و ستم کی حد ہی کر دی کہ مسلمانوں نے یہ کہا کہ بس تم تو ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو کہ جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور وہ عجیب عجیب قسم کی باتوں سے تم کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ یہ کہتے کہ اس مدعی رسالت کو کوئی شان امتیازی حاصل نہیں، ہماری طرح یہ بھی کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور جب آپ (ﷺ) سے معجزات دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے اور کبھی کہتے کہ کاہن ہے اور کبھی کہتے کہ مجنون ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بات کی دلیل ہے کہ جو کہتے وہ آپ (ﷺ) پر منطبق نہیں ہوتا تھا کسی بات پر قرار نہیں تھا کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ کہتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی دیکھئے تو سہی کہ ان ظالموں نے کیسی کیسی مثالیں آپ کے لئے بنائی ہیں جو ان کے اضطراب اور سرسبکی کی دلیل ہیں کسی بات پر ان کو قرار نہیں پس یہ لوگ حق سے بہک گئے پس اب راہ راست پر نہیں آسکتے بھٹکتے پھرتے ہیں اور پریشان باتیں بکتے ہیں کسی بات پر قائم نہیں ایسے کو راہ حق کہاں ملتی ہے۔

تَبَرُّكُ تَكَثَّرَ خَيْرُ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَهُ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ أَلَدَى قَالُوا مِنَ الْكَثَرِ وَالْبَهْتَانِ جَلَّتْ تُعْرَى مِنْ
 تَحْتَهَا الْأَلْهَمُ أَيْ فِي الدُّنْيَا لَأَنَّهُ شَاءَ أَنْ يُعْطِيَهُ إِيَّاهَا فِي الْأَخِرَةِ وَيَجْعَلَ بِالْجَزْمِ لَكَ قُصُورًا ٥ الْبُصَارُ فِي
 قِرَاقَةِ بِالزُّفْعِ اسْتِجْنَا بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ٥ الْقِيَامَةِ ٥ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ٥ نَارُ مُشِيرَةٍ
 أَيْ مُشْتَدَّةٍ إِذَا رَأَوْهُمْ مِنْ مَكَانٍ يَحْمِلُ سَبْعُونَ أَلْفًا تَغِيظًا ٥ عَلَيْنَا كَمَا لُفُضْنَا إِذَا غَلَا صَدْرُهُ مِنَ الْغَضَبِ ٥
 زَلِيلًا ٥ صَوْتًا شَدِيدًا أَوْ سَمَاءً تَغِيظُ رُؤُوسَهُ وَعِلْمُهُ ٥ إِذَا الْغَوَامِنُ مَكَانًا ضَيِّقًا بِالشَّدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ
 بَانَ يَضِيقُ عَلَيْهِمْ وَمِنْهَا حَالٌ مِنْ مَكَانٍ لَا تَهْ فِي الْأَصْلِ صِفَةٌ لَهُ مُقَرَّرِينَ مُصَفِّدِينَ قَدْ قَرَنْتُ أَيْدِيَهُمْ
 إِلَى اَعْتَاقِهِمْ فِي الْأَغْلَالِ وَالتَّشْدِيدِ لِلتَّكْثِيرِ دَعَا هَذَا لِكَثْرَتِهِ ٥ هَلَاكَ أَفْقَالٍ لَهُمْ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ لِلْبُورِ
 وَاحِدًا وَادْعُوا لِلْبُورِ كَثِيرًا ٥ لِعَذَابِكُمْ قُلْ أَذَلِكَ أَلَمْدُ كُورٍ مِنَ الْوَعِيدِ وَصِفَةِ النَّارِ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْعُلَى
 الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ٥ كَانَتْ لَهُمْ فِي عِلْمِهِ تَعَالَى جَزَاءُ ثَوَابًا وَمَصِيرًا ٥ مَرْجِعًا لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ
 خَالِدِينَ ٥ خَالٍ لَا رِمَّةَ كَانَ وَعْدُهُمْ مَا ذَكَرَ عَلَى رَيْكَ وَعَدًا مُسْتَوَلًا ٥ فَيَسْأَلُهُ مَنْ وَعْدِهِ رَبَّنَا وَاتَّعَا
 وَعَدْتَنَا عَلَى رِسْلِكَ أَوْ يَسْأَلُهُ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ مِنَ النَّارِ وَعَدْتُهُمْ وَيَوْمَ
 يُحْشَرُهُمُ بِالتُّورِ وَالتَّحْتَانِيَةِ وَمَا يُعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَعَيْسَى وَغُرَيْرُ وَالْجِنِّ
 فَيَقُولُ تَعَالَى بِالتَّحْتَانِيَةِ وَالتُّورِ وَالْمُعْبُودِينَ الْبَنَاتِ لِلْحُجَّةِ عَلَى الْعَابِدِينَ ٥ أَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ
 وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَا وَتَسْهِيلِهَا وَادْخَالِ الْفِ بَيْنَ الْمُسْتَهْلَةِ وَالْأُخْرَى وَتَرْكِهِ ٥ أَضَلَّكُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ
 أَوْ قَعْنُومُهُمْ فِي الضَّلَالِ بِأَمْرِكُمْ إِيَّاهُمْ بِعِبَادَتِكُمْ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ٥ طَرِيقَ الْحَقِّ بِأَنْفُسِهِمْ قَالُوا
 سُبْحَانَكَ تَرْيَاهَا لَكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ مَا كَانَ يَلِيْقُ بِسَنَقِيمٍ لَنَا أَنْ تَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ أَيْ غَيْرِكَ مِنْ أَهْلِيكَ
 مَفْعُولٌ أَوَّلٌ وَمِنْ زَائِدَةٍ لِنَا كَيْدِ النَّفْسِ وَمَا قَبْلَهُ الثَّانِي فَكَيْفَ نَأْمُرُ بِعِبَادَتِنَا وَلَكِنْ مَسَعَتْهُمْ وَأَبَاءَهُمْ مِنْ
 قَبْلِهِمْ بِاطْلَالِ الْعُمَرِ وَسَعَةِ الرِّزْقِ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ ٥ تَرْكُوا الْمُوعِظَةَ وَالْإِيمَانَ بِالْقُرْآنِ وَكَانُوا قَوْمًا
 بُورًا ٥ هَلَكَى قَالِ تَعَالَى فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ أَيْ كَذَّبَ الْمُعْبُودُونَ بِمَا تَقُولُونَ ٥ بِالْفَوْقَانِيَةِ إِنَّهُمْ إِلَهَةٌ لَنَا

لَسْتَ تَطْلِقُونَ بِالْقَوَائِيهِ وَالتَّحْنَانِيَةِ أَيْ لَا هُمْ وَلَا أَنْتُمْ صَرُوكَا دَفْعًا لِلْعَذَابِ عَنْكُمْ وَلَا تَصْرُءُ مِنْعًا لَكُمْ مِنْهُ وَمَنْ يَظْلِمْ يَشْرِكْ وَمَنْ يَكْفُرْ نَذِيرُهُ عَذَابًا كَثِيرًا شَدِيدًا فِي الْآخِرَةِ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لِيَاكُونُوا لَكُمْ أَعْيُنٌ يَنْشَوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ وَأَنْتَ مِثْلَهُمْ فِي ذَلِكَ وَقَدْ هَمِلَ لَهُمْ كَمَا هَمِلَ لَكَ جَعَلْنَا بَيْنَكُمْ بَعْضَ فَتْنَةٍ بَلِيَّةٌ اتَّبَعِيَ الْغَنِيُّ بِالْفَقِيرِ وَالصَّحِيجُ بِالْمَرِيضِ وَالشَّرِيفُ بِالْوَضِيعِ يَقُولُ الثَّانِي فِي كُلِّ مَالِي لَا أَكُونُ كَمَا أَقُولُ فِي كُلِّ أَنْصِيرُونَ عَلَى مَا تَسْمَعُونَ مِمَّنْ ابْتَلَيْتَهُمْ بِهِمْ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ ابْصُرُوا أَوْ كَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا بِمَنْ يَضَيِّرُ وَبِمَنْ يَجْزِعُ

۱۱۱

ترجمہ: بڑی برکت (خیر کثیر) ہے اس ذات کی کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے (جس کو کفار نے کہا ہے یعنی خزانہ اور بارگاہی) اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے نبی باغات جن کے بیج سے نہریں بہتی ہوں (دنیا میں عنایت کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ باغات آخرت میں عنایت کیا جانا تو چاہے ہے) اور آپ کو بہت سے محل دیدے (بالجزم اور دوسری قراءت بارف ہے ترجمہ مستافہ ہوگا) کچھ نہیں (بلکہ) وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے ایسے شخص (کی مزا) کے لیے جو کہ قیامت کو جھوٹا سمجھے دوزخ (دہکتی ہوئی آگ والی) تیار رکھی ہے (وہ) دوزخ کی آگ (ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش و خروش سنیں گے) مثل غضبناک کے جس وقت کہ جہنم کا بیج غصہ کی وجہ سے جوش مارتا ہوگا اور سارے تغیط سے مراد اس کا اس حالت میں مشاہدہ کرنا اور اس کا معلوم ہو جانا ہے (اور پھر جب وہ اس دوزخ کی کسی تنگ جگہ (بایں صورت کہ وہ جگہ ان پر تنگ کر دی جائے گی) ٹھماکانا سے حال ہے اس لیے کہ منہا مکانات کی صفت ہے) میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر کہ ان کی گردنوں سے ملا کر جکڑ دے جائیں گے بیڑوں سے اور راء پر تشدید کثرت کے لیے ہے (ذال دیئے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے) (تو ان سے جہنم میں کہا جائے گا) ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو (اپنے عذاب کے لیے) پکارو۔ آپ کہئے کہ (یہ بتاؤ کہ جو عید اور ناز جہنم کی صفت مذکور ہوئی) کیا یہ حالت اچھی یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (؟) جس کا خدا سے ڈرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے (اللہ تعالیٰ علم میں ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور ان کا ٹھکانہ اور ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے۔ (اور اس میں) وہ ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر! جن چیزوں کا تذکرہ ہوا ہے ان لوگوں سے ان چیزوں کا وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ان اشیاء کے حصول کی درخواست کرتے ہیں "ربنا و اتنا الخ" یا یہ مطلب ہے کہ ان بندوں کے لیے فرشتے درخواست کریں گے "ربنا و ادخلہم الخ") اور ان کی وہ یاد دلایئے کہ جس روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اور وہ لوگ جن کو خدا کے پابرجے تھے (جیسے ملائکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر اور جنات) ان سب کو جمع کرے گا پھر (ان معبودوں سے اللہ تعالیٰ عابدین پر حجت ثابت کرنے کی وجہ سے) فرما دے گا کیا تم نے انتہہ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کو الف سے بدل کر اور ثانی کی تہمیل اور مسحورے کے درمیان الف داخل کر کے اور ترک ادخال الف کر کے میرے لیے ان بندوں

کو گمراہ کیا تھا (کہ تم نے ان کو اپنی عبادت کا حکم دیکر گمراہی میں ڈال دیا تھا) بایہ خود ہی حق تعالیٰ اور صراطِ مستقیم سے گمراہ ہو گئے تھے؟ عرض کریں گے تو پاک ہے (ہر اس چیز سے کہ جو آپ کے شان کے لائق نہیں) ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں (لہذا یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ہم حکم کرتے اپنی عبادت کا من زائد برائے تاکید نفی اور اولیاء مفعول اول اور اس قبل مفعول ثانی) ولیکن آپ نے (تو) ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودگی دی (ان سے پہلے رزق کی وسعت اور دراز مئی عمر کی صورت میں مست ہوئے) یہاں تک کہ بھلا بیٹھے آپ کی یاد (نصیحت کو چھوڑ بیٹھے اور ایمان بالقرآن بھی) اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ لو تمہارے ان معبودوں نے تو تم کو تمہاری سب باتوں میں جھوٹا ہی ٹھہرا دیا نقولون تاء کے ساتھ ہے) خاص کر اس بات میں کہ وہ ان کے معبود ہیں (سواب تم نہ تو خود) اور نہ وہ عذاب کو اپنے اوپر سے ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دیئے جاسکتے ہو تستطیعون تاء اور یاء دونوں کے ساتھ ہے (کہ تم کو عذاب سے بچا لیا جائے) اور جو تم میں عالم (یعنی مشرک) ہوگا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے (آخرت میں) اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے (سو آپ بھی اس بات میں ان کے ہی مثل ہیں اور جس طرح آپ ﷺ کے لیے اعتراض کیا گیا اسی طرح ان حضرات کے لیے بھی یہ سب کچھ کہا گیا) اور ہم نے تم میں (کہ جس قدر مکلف قرار کیے گئے) ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے کہ غنی کی آزمائش فقر کے ساتھ اور تندرست کی بیمار کے ساتھ اور شریف کی ذیل کے ساتھ ثانی ہر بات میں کہتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ میں ہر معاملے میں اول کے جیسا ہوں کیا تم ان باتوں پر صبر کرو گے کہ تم لوگوں سے سنتے ہو جن کے ذریعے تم کو آزمایا گیا ہے استفہام بمعنی امر ہے یعنی صبر کرو تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے کہ کون صبر کرتا ہے اور کون بے صبری کرتا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: جَنَّاتٍ: یہ خیر سے بدل ہے۔
- قوله: بِالسَّاعَةِ: یعنی قیامت کو جھٹلانے کی وجہ سے ان کی نگاہیں دنیا کے مال پر مرکوز ہیں اس لئے آپ کے فقر پر طعن کیا ہے۔
- قوله: إِذَا رَأَوْهُمْ: یعنی جب آگ کے اس قدر قریب ہو جائیں گے کہ جہاں سے ایک دوسرے کو دیکھا جاسکتا ہے تو وہ جوش زن ہوں۔
- قوله: مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ: اس قدر فاصلہ جس سے ایک دوسرے کو دیکھا جائے۔
- قوله: غَلَاحُورًا: آگ غضبناک کی طرح جوش مارے گی۔
- قوله: صِفَّةً لَهُ: کیونکہ منہا میں مکان کا بیان تھا وہ حال بن گیا۔
- قوله: لِنَعَذِّبَهُمْ: کیونکہ عذاب کی تو بے شمار اقسام ہیں۔

- قولہ: اَذَلِّكَ: یہ استفہام تفریع کے لئے ہے۔
قولہ: بِنِیْ عَلَیْہِ: جنت کا متعین کی جزاء بننا غیر پر اللہ تعالیٰ کے تفضل کے لئے مانع نہیں۔
قولہ: خَالَ لَا رَمَّةَ: یہ نہ کہ منقلہ ہے۔
قولہ: وَوَعْدًا: وعدہ بمعنی موعود ہے۔
قولہ: بُورًا: یہ مصدر ہے جس سے صفت بیان کی گئی ہے، ہلاک ہونے والی ہے۔
قولہ: بِمَآ: بآ بمعنی فی۔
قولہ: کَہِیْرًا: بمعنی شدید ہے۔
قولہ: اِلَّا اِنَّہُمْ: ای الارسل۔ موصوف محذوف اور صفت اس کے قائم مقام ہے۔
قولہ: استفہام: پس استفہام ترغیب کے لئے ہے۔

تفسیر مقبولین

بَلْ کَذَّبُوا بِالنَّاصِعَةِ: اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشا بیان کرتے ہیں کہ آخر اس کی کیا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ (ﷺ) کی تکذیب پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشا یہ نہیں کہ آپ (ﷺ) کی شان درویشی و فقری ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بنی ہوئی ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشاء تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حطام دنیا پر مقصور ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت و کرامت کا دار و مدار اسی دنیا کی مال دولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب اور عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاء و سزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے دیکھی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ”سعیر“ ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی۔ یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوش غضب سے بھڑک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوش غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا چلاتا ہے اور شیر غراتا ہے، اسی طرح جہنم ان منکرین قیامت کے دیکھ کر جوش میں آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے گی۔ کما قال تعالیٰ: اِذَا الْقَوَاہِیْہَا سَمِعُوْا لَهَا شَہِیْقًا وَہِی تَفُوْرُ تَکَادُ تَمِیْزُ مِنَ الْغِیْظِ الْاٰیۃ

اور یہ منکرین قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ و تاریک جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آ جاتا کہ یہ بلا ہم سے ملے اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیئے جائیں گے تو اس وقت اپنی

ہلاکت اور حسرت کو آواز دیں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع و اقسام عذاب کی کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں لہذا تم ہزار ہاں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو۔ کتنا ہی پکارو۔ تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اے نبی! آپ ان مکرین قیامت کو یہ حال اور آل سنا کر کہہ دیجئے کہ تم نے مکذبین کا انجام سن لیا اب تم فیصلہ کر لو کہ یہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار اور تکذیب کا نتیجہ ہے یا وہ جنت الخلد بہتر ہے جس کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ سے وعدہ ہو چکا ہے یہ جنت الخلد ان کے اعمال کا صلہ ہے اور ان کا آخری ٹھکانہ ہے ان کے لئے وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں کسی نعمت کو زوال نہ ہوگا۔ اے پیغمبر یہ تیرے پروردگار کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمہ ہے جو وعدہ کے مطابق اس سے مانگا جائے گا۔ اہل ایمان اس سے درخواست کریں گے ربنا و اتنا ما وعدتنا علی رسلک اور فرشتے بھی اہل ایمان کے لئے درخواست کریں گے ربنا و ادخلہم جنات عدن الی وعدتہم۔
وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ

انبیاء کرام کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے تم میں بعض بعض کے لیے آزمائش ہیں:

چند آیات پہلے مشرکین کا یہ قول گزرا ہے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے یہاں ان کی باتوں کا جواب دے دیا کہ کھانا کھانا اور بازاروں میں چلنا پھرنا نبوت و رسالت کے خلاف نہیں ہے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھی گئے وہ کھانا کھانے والے تھے اور بازاروں میں بھی آتے جاتے اور چلتے پھرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول بھیجے اور انہیں ان صفات سے متصف فرمایا جو رسول کی شان کے لائق تھیں اور جن کا صاحب رسالت کے لیے ہونا ضروری تھا ان صفات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کسی کو اپنے پاس سے یہ طے کرنے کا حق نہیں کہ صاحب نبوت میں فلاں وصف ہونا چاہئے جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی کی صفات و شرائط میں یہ نہیں ہے کہ کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو تم اپنے پاس سے نبوت کی صفات کیسے طے کرتے ہو اور اس بنیاد پر کیسے تکذیب کرتے ہو کہ یہ کھانا کھاتے ہیں اور بازار میں جاتے ہیں انبیاء سابقین بشر تھے آنحضرت ﷺ بھی بشر ہیں کھانا پینا، بازار جانا بشریت کے تقاضوں میں سے ہے ان تقاضوں کو پورا کرنا نبوت و رسالت کی شان کے خلاف نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً) (اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے فتنہ یعنی امتحان کا ذریعہ بنایا ہے) اس فتنہ میں تنگدستی بھی ہے اور مالدار کی بھی، غریبوں کو دیکھ کر مالدار یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کے مقبول بندے ہوتے تو غریب کیوں ہوتے اور رسول ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ رسول ﷺ ہوتے تو ان کے پاس خزانہ ہوتا۔ یا باغ ہوتا اس میں سے کھانا پیتے، یہ سب باتیں مالدار کی کبر اور نخوت کی وجہ سے زبان سے نکلتی ہیں ان باتوں کو بہانہ بنا کر زمانہ نبوت کے مخالفین رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے تکذیب کرنے والوں کا مالدار ہونا اور اہل امتحان کا مالدار نہ ہونا

زیر امتحان ہے ایمان لانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے مالدار ہونے کی شرط لگانا اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے ہے
 خود غریب ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت: (وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَآؤُلَاٰءُ مِمَّنْ لَّهِ
 فَتَنُهُ فَبِئْسَ الْفِتْنَا) کے مضمون کے ہم معنی ہے جیسے فقراء مالداروں کے لیے فتنہ ہیں ایسے ہی مالدار بھی فقراء کے لیے فتنہ ہیں۔
 ماب روح المعانی نے آیت کی بھی تفسیر کی ہے وہ لکھتے ہیں: وجعلنا اغنياء كم ايها الناس ابتلاء لفقر انكم لستظر
 مل يصبرون ان تفسير کی بنا پر اتصبرون کا تعلق ماقبل سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو مال
 نہیں دیا گیا ان کے لیے مالداروں کا وجود فتنہ ہے یعنی آزمائش ہے فقراء سے خطاب فرمایا: اَتَصْبِرُونَ (کیا تم صبر کرتے ہو)
 جن نہیں صبر کرتا چاہیے فالاستفہام بمعنی الامر۔

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا (اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے) فتنہ میں پڑنے والوں کو بھی دیکھتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بھی
 پہنچتا ہے ہر ایک کو اس کی نیت اور اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَا يَخَافُونَ الْبُعْثَ كَوْلًا هَذَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةَ فَكَانُوا رَسُولًا إِلَيْنَا
 أَوْ تَرَى رَبَّنَا فَيُخْبِرُنَا بِأَن مَّحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ تَعَالَى لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا تَكْبَرُوا فِي شَأْنِ أَنْفُسِهِمْ
 وَعَتَوْا عُتْوًا كَبِيرًا ٥ بَطَّلِيَهُمْ رُؤْيَا اللَّهِ فِي الدُّنْيَا وَعَتُوا بِالْوَاوِ عَلَى أَصْلِهِ بِخِلَافِ عُنْيِي بِالْإِذَالِ
 فِي مَرَّتِهِ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ فِي جُمْلَةِ الْخَلَائِقِ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَنُصِبُهُ بِأَذْكَرٍ مُقَدَّرًا لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ
 لِلْمُجْرِمِينَ أَيِ الْكَافِرِينَ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِينَ فَلَهُمُ الْبُشْرَى بِالْجَنَّةِ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ٥ عَلَى
 عَادَتِهِمْ فِي الدُّنْيَا إِذَا أَنْزَلَتْ بِهِمْ شِدَّةً أَوْ عَوْذًا مَعَاذَ يَسْتَعِيدُونَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالَ تَعَالَى وَقَدْ مَنَّا
 عُيْدَنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ مِنَ الْخَيْرِ كَصَدَقَةٍ وَصَلَةٍ وَرَحْمَةٍ وَغَايَةِ مَلْهُوفٍ فِي
 الدُّنْيَا فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ٥ هُوَ مَا تَرَى فِي الْكُوَى الَّتِي عَلَيْهَا الشَّمْسُ كَالْغُبَارِ الْمُفَرَّقِ أَيْ مِثْلَهُ فِي
 عَدَمِ النَّبْعِ بِهِ إِذْ لَا ثَوَابَ فِيهِ لِعَدَمِ شَرْطِهِ وَيُجَارُونَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ
 خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا مِنَ الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا مِنْهُمْ وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ٥ أَيْ مَوْضِعَ قَائِلَةٍ فِيهَا وَهِيَ الْإِسْبَاطَةُ
 يَصْفُ النَّهَارَ فِي الْحَرِّ وَأُخِذَ مِنْ ذَلِكَ انْقِصَاءُ الْحِسَابِ فِي نِصْفِ نَهَارٍ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ وَ يَوْمَ
 تَشْقَى السَّمَاءُ أَيْ كُلُّ سَمَاءٍ بِالْغَمَامِ أَيْ مَعَهُ وَهُوَ غَيْمٌ أَبْيَضُ وَأَنْزَلَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ تَنْزِيلًا ٥
 هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَنُصِبُهُ بِأَذْكَرٍ مُقَدَّرًا وَفِي قِرَاءَةِ بِتَشْدِيدِ شَيْنِ تَشْقَى بِأَذْغَامِ السَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فَيُنَازِلُ
 فِي أُخْرَى تُنْزَلُ بِنُورَيْنِ الثَّانِيَةِ سَاكِتَةً وَضَمُّ اللَّامِ وَنُصِبُ الْمَلَائِكَةُ الْمَلَكُ يَوْمَئِذٍ الْجَنَّةُ لِلرَّحْمَنِ
 لَا يُشْرِكُ فِيهِ أَحَدٌ وَكَانَ الْيَوْمُ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ٥ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِينَ وَ يَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ
 الْمُشْرِكُ عُقْبَةً بِنِ أَبِي مُعَيْطٍ كَانَ نَطَقَ بِالشَّهَادَةِ ثُمَّ رَجَعَ رِضًا لِأَبِي بِنِ خَلْفٍ عَلَى يَدَيْهِ نَدَامًا
 وَتَحْشُرَافِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَقُولُ لِيَكُنِّي لِلتَّيْبِيهِ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ مُحَمَّدٍ سَبِيلًا ٥ طَرِيقًا إِلَى الْهُدَى
 يَوْمَئِذٍ الْفُهُ عَوْضٌ عَنْ بَاءِ الْإِضَافَةِ أَيْ وَبِلَتِي وَ مَعْنَاهُ هَلَكُنِّي لِيَكُنِّي لَمْ أَتَّخِذْ فَلَا تَأْتِي أَنَا
 خَلِيلًا ٥ لَقَدْ أَصْلَفَنِي عَنِ الذِّكْرِ أَيْ الْقُرْآنِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي بِأَن رَدَنِي عَنِ الْإِيمَانِ بِهِ قَالَ تَعَالَى وَ

كَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ الْكَافِرِ خَذُولًا ۝ بِأَن يَشْرَكَ وَيَتَّبِعْ مِنْهُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَقَالَ الرَّسُولُ مُحَمَّدٌ يُرِيتُ
 إِن قَوْمِي فَرِيشَا اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝ مَثْرُوكًا قَالَ تَعَالَى وَكَذَلِكَ كَمَا جَعَلْنَا لَكَ عَدُوًّا مِن
 شَرِّكَ بَنِي قَوْمِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْبَاطِلِينَ ۝ الْمُشْرِكِينَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا وَكَفَى
 بِرَبِّكَ هَادِيًا لَّكَ وَنَصِيرًا ۝ نَاصِرًا لَّكَ عَلَى أَعْدَائِكَ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا هَذَا نُزِّلَ عَلَيْهِ
 الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۝ كَالنُّزْوَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالزَّبُورِ قَالَ تَعَالَى نَزَّلْنَاهُ كَذَلِكَ ۝ أَيْ مُنْفَرِقًا لِّتُنَبِّتَ بِهِ
 قُودًا لِّتُقَوِّي قَلْبَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ أَيْ ائْتِنَا بِهِ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ بِتَمَهُّلٍ وَتَوَدُّةٍ لِّتَسَمَّرَ فَهَمُّهُ وَحِفْظُهُ
 وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ فِيهِ إِبْطَالٌ أَمْرِكَ إِلَّا جِئْتُكَ بِالْحَقِّ الدَّافِعِ لَهُ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝ بَيَانًا لَهُمُ الَّذِينَ
 يُجْشِرُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَيْ يُسَاقِفُونَ إِلَى جَهَنَّمَ ۝ أُولَئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا هُوَ جَهَنَّمُ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ أَخْطَاءُ
 طَرِيقًا مِّنْ غَيْرِهِمْ وَهُوَ كُفْرُهُمْ

ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (بعث بعد الموت کا اندیشہ نہ ہونے کی وجہ سے) کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا یہ کیوں نہ ہوا کہ ہم رب کو دیکھ لیتے، (تا کہ وہ خود اس کی اطلاع دے دیتے کہ محمد خدا کے رسول ہیں۔ ارشاد ہوا کہ) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد سے بہت دور نکل گئے ہیں (دنیا میں خدا تعالیٰ کی رویت کا مطالبہ کر کے عتوا و او کے ساتھ اپنے اصل پر ہے بخلاف عتی کے سورہ مریم میں کہ وہ بدل دیا گیا) جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (دیگر مخلوقات کے ساتھ قیامت کے دن) اس روز مجرموں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی (بخلاف مؤمنین کے کہ انہیں جنت کی خوشی ہوگی) اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ (جیسا کہ ان کی دنیا میں عادت تھی کہ انہیں جب کوئی تکلیف پہنچتی تو فرشتوں سے پناہ مانگتے۔ ارشاد باری ہے کہ) ہم ان کے ان اچھے کاموں کی طرف جو وہ دنیا میں کر چکے ہیں متوجہ ہوں گے مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی بہمان نوازی اور مظلوم کی فریادری تو ہم ان (اعمال) کو کر دیں گے پریشان غبار (جیسا کہ رشدان سے جب سورج کی شعاع پڑتی ہے تو اس سے منتشر گرد و غبار کی ایک لکیر نظر آتی ہے۔ اس تمثیل سے مقصد کفار کے اعمال کو ایمان کی عدم موجودگی میں غیر نفع بخش بتانا ہے) البتہ اہل جنت اس روز قیام گاہ (یعنی دنیا) میں بھی اچھے رہیں گے (کفار سے) اور آرام گاہ (یعنی جنت) میں بھی اچھے رہیں گے (ان کفار سے) مقللاً سے مراد جنت میں قیلولہ کرنے کی جگہ، قیلولہ دوپہر میں آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے لوگوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ حساب و کتاب دوپہر تک ختم ہو جائے گا اور اس سے فراغت کے بعد مؤمنین کو قیلولہ کا موقع مل جائے گا۔ حدیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے) اور جس روز آسمان ایک

بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور فرشتے (آسمان سے زمین پر) بکثرت اتارے جائیں گے (اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔
یوم کو نصب اس وجہ سے ہے کہ اس سے پہلے اذکر مقدر ہے اور ایک قراءت میں لشقی کے شین کو تشدید ہے اور
ایک قراءت میں نزل میں دونوں ہیں دوسرا نون ساکن اور ل کو ضمہ اور ملائکہ کے تاکو فتح ہے) اس روز حقیقی حکومت
خدائے رحمن ہی کی ہوگی۔ (اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا) اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہوگا جس روز ظالم اپنا ہاتھ
کاٹ کاٹ کھائے گا۔ (جیسے عقبہ بن معیط وغیرہ جو کہ ایمان لے آنے کے بعد ابی بن خلف کی خوشنودی حاصل کرنے
کیلئے مرتد ہو گیا۔ وہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہے گا) کاش میں رسولؐ کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ جاتا۔ ہائے
میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ (یوہلتا میں الف یاء اضافی کے بدلہ میں ہے اصل
عبارت ہے ویلنتی معنی ہلاکت کے ہیں) یقیناً اس کبخت نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے بہکا دیا (اور مرتد بنا دیا۔ ارشاد باری
ہو) شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے (اور ابتلاء و پریشانی میں مبتلا کر دیتا
ہے) اور اس دن رسولؐ کہیں گے اے میرے پروردگار میری اس قوم (قریش) نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا
تھا (ارشاد ہوا) اور ہم اس طرح (جس طرح یہ لوگ آپ سے عداوت رکھتے ہیں) ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے
بناتے رہتے ہیں (تو جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا آپ بھی صبر سے کام لیجئے) اور ہدایت کرنے کو اور (دشمنوں کے
مقابل میں) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے اور کافر یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر قرآن ایک باہرگی پورا کیوں نہیں
نازل کر دیا گیا (جیسا کہ توریت و زبور اور انجیل نازل ہوئیں ارشاد خداوندی ہوا کہ) اس طرح (تدریجاً) ہم نے اس
لئے نازل کیا کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں۔ اور ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے (وفاً فوقاً تاکہ
اس کا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو جائے) اور یہ لوگ (آپ کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کیلئے) کیسا ہی عجیب سول آپ
کے سامنے پیش کریں۔ مگر ہم اس کا ٹھیک اور نہایت واضح جواب آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔ جو لوگ اپنے چہروں کے
بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں (دوسروں
سے اپنے کفر کے سبب)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: اَلْقٰیہُمْ: کفار نے اپنے نفوس کے بارے میں نزول ملائکہ کی تمنا کی حالانکہ وہ نزول انسانوں کا مل ترین افراد انبیاء
علیہم السلام پر ہوتا ہے وہ فرشتے ان پر کامل ترین اوقات اترتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ تکبر کیا کہ رویت باری تعالیٰ کا دنیا
میں مطالبہ کر دیا۔

قولہ: عَسَآ: یعنی ظلم میں وہ حدود پھاند گئے جو انتہاء کو پہنچنے والا ہے۔

قولہ: لَا بُدَّی: اس کو دوبارہ تاکید کے لئے لائے۔

قولہ: جِجْرًا مَخْجُورًا: یہ کلمہ کافر قیامت کے روز فرشتوں کی ملاقات سے بچانے کے لئے کریں گے۔ دشمن کے هجوم میں عرب یہ محاورہ بولتے ہیں۔ مجبور سے اس کی صفت لاکر ججراً کی تاکید کر دی جیسے کہتے ہیں موت مانت۔
قولہ: فَبَجَعَلْنَاهُ: یہ جملہ کرنے کے معنی میں ہے۔

قوله: **فَجَعَلْنَاهُ**: یہ جبط کرنے کے معنی میں ہے۔

قولہ: **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**: ثواب کی شرط ایمان نہ پائے جانے کی وجہ سے ثواب نہ ملے۔

تولہ: مستقر: وہ آدمی جہاں اکثر مجلس جما کر بیٹھے۔

قولہ: **هِيَ الْإِسْبَاحَةُ**: قیلولہ سے مجازی طور پر استراحت مراد ہے کیونکہ جنت میں نہ نیند نہ تھکاؤٹ، اس میں تشریفات کی طرف بہترین رمز ہے۔

قوله: **مَوْغِيْمٌ اَبْيَضٌ** : یہ وہی غمیم ہے جس کا تذکرہ اہل نظر و ان الا ان یاتہم اللہ فی ظلل من الغمام میں ہے۔

قولہ: الْحَقُّ: یہاں ثابت کے معنی میں ہے باقی سب کی ملکیتیں باطل ہو جائیں گے۔ الحق یہ خبر ہے الرحمان اس کا بیان ہے۔ یومئذ کا عامل الملک ہے کیونکہ مصدر بمعنی تصرف ہے نہ کہ الحق۔

قولہ: تَذْمُوا وَتَحْشُرُوا: عرب میں عض الیدین اکل البنان اور حرق الانسان یہ تمام غصہ کے کنایات ہیں۔

قولہ: فَلَا نَأْمُرُ بِهَا: یہاں جنس سے کننا یہ ہے یہ نام سے بھی کننا یہ آتا ہے۔

قولہ: الخلیل: سے مراد لیاں گمراہ کرنے والا شیطان ہے۔

قولہ: قَالَ الرَّسُولُ: ہر رسول مراد ہو تو القرآن مطلق کتاب کے معنی میں ہے۔ مجبور متروک کے معنی میں ہے۔

قولہ: عَذُّوا: یہ واحد جمع استعمال ہوتا ہے۔

قولہ: نَزَّلَ: بمعنی انزل ہے۔

قولہ: **كَذَلِكَ**؛ اس میں قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: ثَلْبُكَ یعنی اس کے فقط و ہمیر آپ کے دل کو مضبوط کر دیں۔

قوله: تُؤَدِّعُ: آهنگی۔

قولہ: فیہ ابطال: نیز تک وہ آ کی نبوت کے نقص نکالنا چاہتے ہیں۔

قولہ: الذّٰہِف: کفار کے سوال کے جواب میں دفاع کرنے والا۔

قوله: احسن تفسيرا: اجماعا بان ماعده معنی۔

قولہ: عَلٰی وُجُوہِہُمْ: ہم دوسرے کے بل جلاتے جائیں گے۔

قولہ: عَلٰی وُجُوہِہُمْ: چہرے دوسرے کے بل چلاتے جائیں گے۔
 قولہ: اٰطْعٰمٌ سَبِيْلًا: سبیل کے لئے مجازی طور پر ضلال کی صفت لائی گئی ہے، یہ اس آیت کی طرح ہے: قُلْ هَلْ

الْقَاعُونَ ۖ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٥٠﴾

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ ۖ أَوْ لَوْ أَنَّ كُنَّا رَبَّنَا ۖ

یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہو کر حساب و کتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لیے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید و تصدیق کر رہا ہے

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُودًا ۝

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے، لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت حَجْرًا مَّحْجُودًا ۝ کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رک سکتا ہے۔ فرشتے بھی حَجْرًا مَّحْجُودًا ۝ کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت و کامیابی ہمیشہ کے لیے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔

حَجْرًا مَّحْجُودًا ۝، حَجْرًا کے لفظی معنی محفوظ جگہ کے ہیں اور مجبوراً اس کی تاکید ہے۔ یہ لفظ محاورہ عرب میں اس وقت بولا جاتا تھا جب کوئی مصیبت سامنے ہو۔ اس سے بچنے کے لیے لوگوں سے کہتے تھے کہ پناہ ہے پناہ، یعنی ہمیں اس مصیبت سے پناہ دو تو قیامت کے روز بھی جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب لاتا ہوا دیکھیں گے دنیا کی عادت کے مطابق یہ لفظ کہیں گے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے یہ معنی منقول ہیں حَرَامًا مَّحْرُومًا اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جانے کی درخواست کریں گے یا تمنا ظاہر کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے حَجْرًا مَّحْجُودًا ۝، یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے۔ (منظہری)

وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ نَبْأًا مَّثْنُونًا ۝

یہ بہت عبرتناک منظر کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جن کی بنیاد ایمان حقیقی پر نہیں رکھی گئی تھی۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی فضول اور قابلِ حقارت چیز کی سی ہوگی جسے کوئی دیکھتے ہی فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر ہوا میں اچھال دے۔ یہ ان دنیا پرست اور ریاکار لوگوں کے انجام کا نقشہ ہے جو ظاہر کی نیکیوں کے انبار لے کر میدانِ محشر میں آئیں گے۔ دنیا میں انہوں نے خیراتیں بانی تھیں، یتیم خانے کھولے تھے، ہسپتال بنائے تھے، مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، مدارس کی سرپرستی کی تھی، حج و عمرے کیے تھے، مگر ان اعمال کو سزا انجام دیتے ہوئے اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر و ثواب کو کہیں بھی مد نظر نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں عزت و شہرت حاصل کرنے کا جذبہ نیکی کا محرک بنا تھا تو کہیں پارسائی و

پہر کاری کا سہ جمانے کی خواہش نے عبادات کا معمول اپنا یا تھا۔ کبھی ایکشن جیتنے کی منصوبہ بندی نے خدمت خلق کا لبادہ اوڑھا تھا تو کبھی کاروباری ساکھ کو بہتر بنانے کے لالچ نے مقیمانہ روپ دھارا تھا۔ غرض ہر نیکی کے پیچھے کوئی نہ کوئی دنیوی مفاد کارفرما تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو عظیم بذات الصدور ہے اس کے نزدیک ایسی کسی نیکی کی کوئی اہمیت وقعت نہیں۔ چنانچہ ایسے بد قسمت لوگوں کی نیکیوں کے انبار اور اعمال صالحہ کے پہاڑ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں گرد و غبار کے ذرات کی طرح تحلیل کر دیا جائے گا۔

ہَبَاءٌ۔ اسم مفرد۔ باریک خاک۔ باریک ذرات۔ جو سورج کے رخ پر کواڑ کے سوراخوں میں سے دکھائی دیتے ہیں۔
وَيَوْمَ تَنفَخُ النَّفْثَةُ بِالْعَصَا وَ يُنْزَلُ الْمَلَكُ تَنْزِيلًا ۝

ان آیات میں قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی اور مصیبت کو بیان فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا قیامت کے دن آسمان کا پھٹنا دوسری آیات میں بھی مذکور ہے۔ کما فی قوله تعالیٰ: (إِذَا السَّمَاءُ انْفَضَّتْ) وقوله تعالیٰ (إِذَا السَّمَاءُ انْقَطَرَتْ) اور یہاں لفظ بِالْعَصَا کا بھی اضافہ ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بظاہر آسمان سے بھی آسمان مراد ہے جو ہمارے اوپر سایہ فگن ہے اور انعام سے محاب معروف یعنی بادل مراد ہیں اور باء سمیت کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ اس دن آسمان بادلوں کے طلوع ہونے کے سبب پھٹ پڑے گا اور اس میں کوئی بعد نہیں اللہ تعالیٰ شانہ کو قدرت ہے کہ آسمان کو بادل کی وجہ سے اس طرح پھاڑ دے جیسے اونٹ کے کوبان کو چھری سے شق کر دیا جاتا ہے پھر یہ بتایا ہے کہ باء صرف ملا بست کے لیے بھی ہو سکتی ہے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اس وقت وہ اس حالت میں ہوگا اس پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ السماء سے نہ صرف السماء الدنیا بلکہ سارے آسمان مراد ہیں۔

(روح المعانی ج ۱۹ ص ۹)

وَيَوْمَ يَعْصِيُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلْبِثُنِي أَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط لعنہ اللہ علیہ جب بھی سفر سے آتا کھانا پکاتا اور اہل مکہ کی دعوت کرتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زیادہ اٹھتا بیٹھتا تھا آپ کی باتیں اسے پسند آتی تھیں ایک مرتبہ جب وہ سفر سے واپس آیا تو کھانا تیار کیا اور حضور اقدس ﷺ کو کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے فرمایا میں تیرا کھانا نہیں کھا سکتا جب تک کہ تو لا الہ الا اللہ کی اور میرے رسول ہونے کی گواہی نہ دے اس نے پھر کھانے کو کہا آپ نے پھر وہی جواب دیا اس کے بعد اس نے شہادت کی گواہی دیدی اور آپ نے اس کا کھانا کھا لیا اس واقعہ کی ابی بن خلف کو خبر ہوئی تو وہ عقبہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اسے عقبہ کیا تو بد دین ہو گیا (مشرکین مکہ شرک میں غرق ہونے کی وجہ سے دین توحید کو بد دینی سے تعبیر کرتے تھے، العیاذ باللہ) اس پر عقبہ نے کہا کہ میں دل سے (بد دین) تو نہیں ہوا لیکن بات یہ ہے کہ ایک شخص میرے گھرا یا میں نے اس سے کھانے کے لیے کہا کہ جب تک تو میرے کہنے کے مطابق گواہی نہ دے گا میں تیرا کھانا نہ کھاؤں گا مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے لہذا میں نے اس کے قول کے مطابق گواہی دیدی جس پر اس نے کھانا

کھالیا اس پر ابی بن خلف نے کہا کہ میں اس وقت تک تجھ سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک تو اس شخص کے پاس جا کر تیری والی حرکت نہ کرے چنانچہ عقبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بدتمیزی سے پیش آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو مجھے مکہ معظمہ سے باہر ملے گا تو میں تیری گردن مار دوں گا چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر اس کی گردن مار دی گئی اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن معیط اور فلان سے ابی ابن خلف مراد ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت ندامت و افسوس سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے یوں کہے گا: **يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا** ۵ کاش میں اللہ کے رسول کے ساتھ اپنا راستہ بنا لیتا

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝

ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر ﷺ نے بارگاہ الہی میں شکایت کی کہ خداوند میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مجبور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی صحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ

نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے اعتراض جھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا، برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، کیا اللہ تعالیٰ کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد ﷺ سوچ سوچ کر بناتے ہیں۔ پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا اسناتے رہتے ہیں۔

اس اعتراض کے جواب میں قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی حکمت یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی رکھنا مقصود ہے۔ نزول تدریجی میں آنحضرت ﷺ کی تقویت قلب کی چند وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ یاد رکھنا آسان ہو گیا، ایک ضخیم کتاب بیک وقت نازل ہو جاتی تو یہ آسانی نہ رہتی اور آسانی کے ساتھ یاد ہوتے رہنے سے دل میں کوئی پریشانی نہیں رہتی۔ دوسرے جب کفار آپ پر کوئی اعتراض یا آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ کی تسلی کے لیے قرآن میں آیت نازل ہو جاتی اور اگر پورا قرآن ایک دفعہ آگیا ہوتا اور اس خاص واقعہ پر تسلی کا ذکر بھی نازل ہو گیا ہوتا تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور ذہن کا اس طرف متوجہ ہو جانا بھی عادتہ ضروری نہیں تھا۔ تیسرے پیغام خداوندی آنا تازہ شہادت ہے معیت خداوندی کی جو مدارِ اعظم ہے قوت قلب کا۔ اور اس جگہ جو حکمت تقویت قلب کی بتلائی گئی ہے نزول تدریجی کی حکمت اس میں منحصر نہیں دوسری حکمتیں بھی ہیں جن میں سے بعض سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَقُرْآَنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مَكْنٍ میں پہلے آچکی ہے۔ (بیان القرآن)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝ مُعِينًا فَقُلْنَا أَذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أَيَّ الْبَيْطِ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمَهُ فَذَهَبَا إِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوهُمَا فَدَمَرْنَاهُمْ
تَدْمِيرًا ۝ أَهْلَكْنَاهُمْ أَهْلًا كَمَا وَدَّكَرُ وَ قَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ بِتَكْذِيبِهِمْ نُوْحًا لَطُولَ لَيْلِيهِ فِيهِمْ
فَكَانَتْ رُسُلُ أُولَئِكَ تَكْذِيبُهُ تَكْذِيبًا لِبَقَايِ الرُّسُلِ لَا شَيْءَ رَكِبَهُمْ فِي الْمَجِيِّ بِالتَّوْحِيدِ أَعْرَفْنَاهُمْ جَوَابَ
لَمَّا وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ بَعْدَهُمْ آيَةً ۝ عِزَّةً وَاعْتِدَانَا فِي الْآخِرَةِ لِلظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝
مَوْلَانَا سَوَى مَا يَحُلُّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَ أَذْكَرَ عَادًا قَوْمَ هُودَ وَ ثَمُودًا قَوْمَ صَالِحٍ وَ أَصْحَابَ الرَّسِّ إِسْمَ
بُرِّ وَ نَبِيَّهُمْ قِيلَ شُعَيْبٌ وَ قِيلَ غَيْرُهُ كَانُوا اقْعُودًا خَوْلَهَا فَأَنْهَارَتْ بِهِمْ وَ بَعَثْنَا إِلَيْهِمْ وَ قُرُونًا أَقْوَامًا بَيْنَ
ذَلِكَ كَثِيرًا ۝ أَى بَيْنَ عَادٍ وَ أَصْحَابِ الرَّسِّ وَ كُلًّا صَرْبِنَا لَهُ الْأَمْثَالُ ۝ فِي إِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ فَلَمْ
تُهْلِكْهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْإِنْذَارِ وَ كُلًّا تَبَرَّنَا تَتَّبِعُونَ ۝ أَهْلَكْنَاهُمْ أَهْلًا كَمَا بِتَكْذِيبِهِمْ أَنْبِيََاءَهُمْ وَ لَقَدْ آتَوْنَا مَرْءًا
كُفْرًا مَكَّةَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرُ السَّوءِ ۝ مُصَدِّرُ سَاءِ أَى بِالْحِجَارَةِ وَ هِيَ عُظْمَى قُرَى قَوْمٍ
لَوْ طَ قَاهْلَكَ اللَّهُ أَهْلَهَا لِمَعْلِهِمُ الْفَاجِشَةُ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۝ فِي سَفَرِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيَعْتَبِرُونَ
وَ الْإِسْتِغْنَاءُ لِلتَّقَرُّيرِ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ ۝ يَخَافُونَ لَشُورًا ۝ بَعَثْنَا فَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْكَ إِذَا مَا
يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوعًا ۝ بِهِ يَقُولُونَ أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝ فِي دَعْوَاهُ مُخْتَصِرِينَ لَهُ عَنِ
الرِّسَالَةِ ۝ إِنَّ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَ اسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَى أَنَّهُ كَادَ لِيُضِلَّنَا يُصْرِفُنَا عَنْ إِلَهِنَا لَوْلَا أَن
صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۝ لَصَرَفْنَا عَنْهَا قَالِ تَعَالَى وَ سَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ عَيْنَانَا فِي الْآخِرَةِ مَنْ
أَصْلُ سَبِيلًا ۝ أَخْطَاءَ طَرِيقًا هُمْ أَمْ الْمُؤْمِنُونَ أَرَعَيْتَ أَخْبَرْنِي مَنْ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوَاهُ ۝ أَى مَهْوِيَّةً قَدَّمَ
الْمَفْعُولَ الثَّانِي لِأَنَّهُ أَهَمُّ وَ جُمْلَةٌ مِنْ اتَّخَذَ مَفْعُولُ أَوَّلِ لِرَأْيَتِ وَ الثَّانِي أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَ كَيْلًا ۝
حَافِظًا تَحْفِظُهُ عَنِ اتِّبَاعِ هَوَاهُ لَا أَمْرَ تَحْصُبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ سَمَاعَ تَفْهَمُ أَوْ يَعْمَلُونَ ۝
مَاتَّقُولُ لَهُمْ إِنَّ مَا هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝ أَخْطَاءَ طَرِيقًا مِثْلَهَا لِأَنَّهُ تَقَادُ لِمَنْ يَجْ

ترجمہ چوتھا: اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی کو وزیر بنادیا۔ پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیں کو جھٹلایا ہے (یعنی فرعون اور اس کی قوم) باری تعالیٰ کے حکم پر یہ دونوں ان کے پاس پیغام خداوندی لے کر گئے۔ مگر انہوں نے ان دونوں کو جھٹلادیا۔ سو ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کر دیا اور (یاد کیجئے) قوم نوح کو..... کہ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (کذبوا الرسل۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حالانکہ پیغمبر صرف ایک یعنی حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت نوح اپنی قوم میں اتنی لمبی مدت تک رہے کہ گویا کئی رسولوں کے قائم مقام ہو گئے۔ دوسرا جواب یہ کہ ان کا جھٹلانا گویا کہ انبیاء کی پوری جماعت کو جھٹلانا ہوا کیونکہ مقصد ہر نبی کا ایک ہوتا ہے یعنی توحید کی دعوت دینا۔ اس وجہ سے رسل جمع کا صیغہ لایا گیا) ہم نے ان کو (طوفان سے) غرق کر دیا اور ہم نے ان (کے واقعہ) کو لوگوں کیلئے ایک نشان عبرت بنادیا (اغرقنا جواب ہے لہا کذبوا کا) اور ہم نے ان ظالموں کیلئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دنیاوی عذاب کے علاوہ ہوگا) اور (یاد کیجئے) ہم نے اسی طرح عاد (یعنی قوم ہوڈ) اور ثمود (یعنی قوم صالح) اور اصحاب الرس (کو) یہ ایک قوم تھی جن کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور نبی تھے، اس ایک کنوئیں کا نام ہے یہ لوگ اس کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے وہ کنواں ان کے اور ان کے مکانوں کے ساتھ دھنس گیا) اور ان کے درمیان میں بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے (امم مذکورہ میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کیلئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے (ان لوگوں کے اتمام حجت کیلئے اور (جب نہ مانے تو) ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی برباد کر دیا (انبیاء کی تکذیب کی سزا میں) اور یہ (کفار مکہ) اس بستی پر سے گزر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے گئے تھے (مطر السوء میں سومصدر ہے ساء کا معنی پتھر برسانا۔ یہ پتھروں کی بارش قوم لوط کے ایک بڑے گاؤں پر ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے پوری آبادی کو ہلاک کر کے رکھ دیا تھا اور یہ سزا تھی ان کے برے اعمال کی) سو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہتے (جب یہ ملک شام کی طرف سفر کرتے ہیں۔ پس انہیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ یہاں استفہام تقریر کیلئے ہے) بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا خیال ہی نہیں رکھتے (گویا کہ آخرت کے منکر ہیں اس وجہ سے یہ لوگ ان چیزوں سے ڈرتے نہیں اور نہ ایمان لاتے ہیں) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں (اور مذاق بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (اور پھر حقارت کیساتھ کہتے ہیں کہ) اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر (مضبوطی سے) قائم نہ رہتے (ان کا د میں ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور اس کا اسم مخذوف ہے جو انہ ہے۔ ان کے مذاق کے جواب میں ارشاد باری ہے کہ) عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب دیکھ لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا

نہ (یہ لوگ یا مؤمنین؟) اے پیغمبر آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے (مفعول ثانی کو اس کی اہمیت کی بناء پر مقدم کر دیا گیا ہے اور جملہ من ائجل رایت کا مفعول اول ہے اور مفعول ثانی اہانت تکون ہے) سو کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں (کہ انہیں ان کی خواہشات نفسانی سے باز رکھ سکیں۔ نہیں ایسا نہیں آپ کر سکتے) آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں (جو کچھ آپ ان سے کہتے ہیں) یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ (یہ تو اتہاع کرتے ہیں ایسوں کی جو ان سے کسی چیز کا وعدہ کرتے ہیں نہ کہ اپنے منعم (حقیقی) کی)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: وَزَيَّرَا: دعوت میں معین۔
 قوله: فَذَكَّرْنَاهُمْ: فاتعظیہ اور تذکرہ میر تکذیب کے بعد ہوئی ہے۔
 قوله: كَانُوا أَفْقُوْنَا: وہ بت پرست تھے۔
 قوله: فَانْهَازَتْ: وہ گر پڑیں اور مکانات کو دھنسا دیا۔
 قوله: كَلَّا ضَرْبًا: اول کل منصوب ہے ضربنا اس پر دلالت کرتا ہے دوسرا کلا تبرنا۔
 قوله: اَهَذَا الَّذِي: یہ اشارہ تحقیر پر دلالت کرتا ہے۔
 قوله: اِلَهًا: اس کی اطاعت کی اور اس پر اپنے دین کی بنیاد رکھی۔
 قوله: لَا اَمْرَ تَحْصُبْ: اول استفہام تقریری اور دوسرا انکار کے لئے۔
 قوله: اَوْ يَعْقِلُوْنَ: تم ان کو نشانات دیتے پھر تم ان کی حالت کا اہتمام کرتے اور ایمان کی توقع رکھتے ہیں۔
 قوله: اِلَّا كَالْاَنْعَامِ: انہوں نے جو دلائل و معجزات کو مشاہدہ کر کے مسترد کر دیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ اَخَاهُ هَارُوْنَ وَزَيَّرَا ۝

انبیاء سے دشمنی کا خمیازہ:

اللہ تعالیٰ مشرکین کو اور آپ کے مخالفین کو اپنے عذابوں سے ڈرا رہا ہے کہ تم سے پہلے کے جن لوگوں نے میرے نبیوں کی رسالت، ان سے دشمنی کی ان کی مخالفت کی میں نے انہیں تہس نہس کر دیا۔ فرعونوں کا حال تم سن چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے نہ مانا جس کے باعث اللہ کا عذاب آ گیا اور سب ہلاک کر دیئے گئے۔ قوم

نوح کو دیکھو انہوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور چونکہ ایک رسول کا جھٹلانا تمام نبیوں کو جھٹلانا ہے اس واسطے یہاں رک جمع کر کے کہا گیا۔ اور یہ اس لیے بھی کہ اگر بالفرض ان کی طرف تمام رسول بھی بھیجے جاتے تو بھی یہ سب کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو نوح علیہ السلام نبی کے ساتھ کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے گئے تھے بلکہ ان کے پاس تو صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی آئے تھے جو ساڑھے نو سو سال تک ان میں رہے ہر طرح انہیں سمجھایا بچھایا لیکن سوائے محدو سے چند کے کوئی ایمان نہ لایا۔ اس لیے اللہ نے سب کو غرق کر دیا۔ سوائے ان کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے ایک بنی آدم روئے زمین پر نہ بچا۔ لوگوں کے لیے ان کی ہلاکت باعث عبرت بنادی گئی۔ جیسے فرمان ہے کہ پانی کی طغیانی کے وقت ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تا کہ تم اسے اپنے لیے باعث عبرت بناؤ اور کشتی کو ہم نے تمہارے لیے اس طوفان سے نجات پانے اور بے بے سفر طے کرنے کا ذریعہ بنا دیا تا کہ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے عالمگیر طوفان سے تمہیں بچا لیا اور ایماندار اور ایمان داروں کی اولاد میں رکھا۔ عادیوں اور ثمودیوں کا قصہ تو بارہا بیان ہو چکا ہے جیسے کہ سورہ اعراف وغیرہ میں اصحاب الرس کی بابت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ خلیج والے تھے جن کا ذکر سورہ یاسین میں ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آذر بانی جان کے ایک کنوئیں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان کو کنوئیں والے اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک سیاہ غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن ان بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبی کو ایک غیر آباد کنوئیں میں ویران میدان میں ڈال دیا اور اس کے منہ پر ایک بڑی بھاری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مرجائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹ کر لاتا انہیں بازار میں فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنوئیں پر آتا اس پتھر کو سر کا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبر علیہ السلام کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھالے لیتے۔ مدتوں تک یونہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا لکڑیاں کاٹنے، چننے، جمع کیں، گھڑی باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا، سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند ڈال دی۔ سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی، انگڑائی لی اور کر وٹ بدل کر پھر سوتا رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے لکڑیوں کی گھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا۔ اسے یہی خیال تھا کہ ذرا کا دیر کے لیے سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں۔ حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا۔ دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ درحقیقت اس عرصہ میں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے، انہوں نے جا کر اپنے نبی کو کنوئیں سے نکالا۔ سب کے سب ایمان لائے پھر نبی فوت ہو گئے۔ نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اس غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس شخص کو نبی کے انتقال کے بعد اس کی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید اور ارج بھی ہے واللہ اعلم۔ اس روایت کو ان اصحاب رس پر چسپاں بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہاں مذکور ہے کہ انہیں ہلاک کیا گیا۔ ہاں یہ ایک توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ تو ہلاک کر دیئے گئے پھر ان کی نسلیں ٹھیک ہو گئیں اور انہیں

ایمان کی توفیق ملی۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ کا فرمان ہے کہ اصحاب رس وہی ہیں جن کا ذکر سورہ بروج میں ہے جنہوں نے خدیں کھدائی تھیں۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اور بھی ان کے درمیان بہت سی امتیں آئیں جو ہلاک کر دی گئیں۔ ہم نے ان سب کے سامنے اپنا کلام بیان کر دیا تھا۔ دلیلیں پیش کر دی تھیں۔ معجزے دکھائے تھے، عذر ختم کر دئے تھے پھر سب کو غارت اور برباد کر دیا۔ جیسے فرمان ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد کی بھی بہت سی بستیاں ہم نے غارت کر دیں۔ قرن کہتے ہیں امت کو۔ جیسے فرمان ہے کہ ان کے بعد ہم نے بہت سی قرن یعنی امتیں پیدا کیں۔ قرن کی مدت بعض کے نزدیک ایک سو بیس سال ہے کوئی کہتا ہے سو سال کوئی کہتا ہے اسی سال کوئی کہتا ہے چالیس سال اور بھی بہت سے قول ہیں۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ایک زمانہ والے ایک قرن ہیں جب وہ سب مرجائیں تو دوسرا قرن شروع ہوتا ہے۔ جیسے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ سدوم نامی بستی کے پاس سے تو یہ عرب برابر گزرتے رہتے ہیں۔ یہیں لوٹی آباد تھی۔ جن پر زمین الٹ دی گئی اور آسمان سے پتھر برسائے گئے اور براہین ان پر برسا جو سنگلاخ پتھروں کا تھا۔ یہ دن رات وہاں سے آمد و رفت رکھتے پھر بھی عظیمندی کا کام نہیں لیتے۔ یہ بستیاں تو تمہاری گزر گاہیں ہیں ان کے واقعات مشہور ہیں کیا تم انہیں نہیں دیکھتے؟ یقیناً دیکھتے ہو لیکن عبرت کی آنکھیں ہی نہیں کھولیں کہ سمجھ سکو اور غور کرو کہ اپنی بدکاریوں کی وجہ سے وہ اللہ کے عذابوں کے شکار ہو گئے۔ بس انہیں اڑا دیا گیا بے نشان کر دئے گئے۔ بری طرح دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ اسے سوچے تو وہ جو قیامت کا قائل ہو۔ لیکن انہیں کیا عبرت حاصل ہوگی جو قیامت ہی کے منکر ہیں۔ دوبارہ زندگی کو ہی محال جانتے ہیں۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْعَوْنَ أَوْ يَعْزِلُونَ ۚ إِنَّهُمْ إِلَّا كَالنَّعَاجِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنائیے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہر حال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں، نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں، لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچاننا، نہ اس کے احسانات کو سمجھنا۔ نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمہ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اس سے کوسوں دور بھاگے اور جو تو تم خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں ان کو معطل کیے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

أَلَمْ تَنْظُرْ تَدْرِي فِعْلِي إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ مِنْ وَفْتِ الْإِسْفَارِ إِلَىٰ وَفْتِ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَكَوْشَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا مُّقِيمًا لَا يَزُولُ بِطُلُوعِ الشَّمْسِ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ آيَ الظِّلِّ ۖ دَلِيلًا ۝ فَلَوْلَا الشَّمْسُ مَا عَرَفَ الظِّلُّ ۚ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ آيَ الظِّلِّ الْمَعْدُودِ ۖ إِلَيْنَا قَبْضًا يُسِيرًا ۝ خَفَيْنَا بِطُلُوعِ الشَّمْسِ وَ

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ لَيَاسًا سَابِرًا كَاللَّيَاسِ وَالتَّوَمَّ سُبَاتًا رَاحَةً لِلْأَبْدَانِ بِقَطْعِ الْأَعْمَالِ وَ
 جَعَلَ النَّهَارَ؟ نَشُورًا ⑤ مَشُورًا فِيهِ لَا يَتَغَيَّرُ الرِّزْقُ وَغَيْرُهُ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ وَفِي قِرَاءَةِ
 الرِّيحِ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ⑥ أَيْ مُتَفَرِّقَةً قَدَامَ الْمَطَرِ وَفِي قِرَاءَةِ بِسْكَوْنِ الشَّيْنِ تَخْفِيفًا وَفِي قِرَاءَةِ
 بِسْكَوْنِهَا وَفَتْحِ التَّوْنِ مُصَدِّرًا وَفِي أُخْرَى بِسْكَوْنِهَا وَضَمِّ الْمُوَخَدَةِ بَدَلُ التَّوْنِ أَيْ مُبَشِّرَاتٍ وَفِي قِرَاءَةِ
 لِأَوَّلَى نَشُورَ كَرِشُولٍ وَالْأَخِيرَةَ بَشِيرٍ وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ⑦ مُطَهَّرًا لِنُنْشِئَ بِهِ بَلَدًا قَيْنًا
 بِالتَّخْفِيفِ يَسْتَوِي فِيهِ الْمَذْكُورُ وَالْمُؤَنَّثُ ذِكْرُهُ بِاعْتِبَارِ الْمَكَانِ وَ تَسْقِيَةً أَيْ الْمَاءَ وَمَا خَلَقْنَا
 أَنْعَامًا إِلَّا وَبَفَرْأَوْغْنَمًا وَ أَنْكَسَى كَثِيرًا ⑧ جَمْعُ أَنْسَابٍ وَأَصْلُهُ أَنْسَبُ فَأَبْدَلَتْ التَّوْنُ يَاءً وَأَدْغَمَتْ
 فِيهَا الْيَاءَ أَوْ جَمْعُ أَنْسَبٍ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَاهُ أَيْ الْمَاءَ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا أَصْلُهُ يَذَّكَّرُوا أَدْغَمَتْ التَّاءَ فِي الذَّالِ
 وَفِي قِرَاءَةِ لِيَذَّكَّرُوا بِسْكَوْنِ الذَّالِ وَضَمِّ الْكَافِ أَيْ نِعْمَةً اللَّهُ بِهِ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ⑨
 حُجُودًا لِلنِّعْمَةِ حَيْثُ قَالُوا مَطَرُنَا بِنُوءٍ كَذَّابٍ وَ كَوْشِنًا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ⑩ يَخَافُ أَهْلَهَا
 وَلَكِنْ بَعَثْنَاكَ إِلَى أَهْلِ الْقُرَى كُلِّهَا نَذِيرًا لِيُعْظَمَ أَجْرُكَ فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ فِي هَوَاهُمْ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ أَيْ
 الْقُرْآنَ جِهَادًا كَثِيرًا ⑪ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ أَرْسَلَهُمَا مُتَجَاوِزَيْنِ هَذَا عَذَابٌ فَرَأَتْ الْعَذْرَاءُ وَ
 هَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ⑫ شَدِيدُ الْمُلُوحَةِ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا حَاجِرًا لَا يَخْتَلِطُ أَحَدُهُمَا بِالْأُخَرِ وَجَعَلَا
 مُحْجُورًا ⑬ أَيْ سَتَرَا مَمْنُونًا بِهِ اخْتِلَاطُهُمَا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا مِنَ النِّبِيِّ أَنْسَابًا فَجَعَلَهَا
 نَسَبًا ذَانِسًا وَصَهْرًا ⑭ بَانَ يَتَزَوَّجُ ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى طَلَبًا لِلتَّنَاسُلِ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ⑮ قَادِرًا عَلَى مَا
 يَشَاءُ وَ يَعْبُدُونَ أَيْ الْكُفَّاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ بِعِبَادَتِهِ وَلَا يَضُرُّهُمْ بِتَرْكِهَا وَهُوَ
 الْأَضْنَامُ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَى رَبِّهِ ظَهِيرًا ⑯ مُعِينًا لِلشَّيْطَانِ بِطَاعَتِهِ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ وَ
 نَذِيرًا ⑰ مُخَوِّفًا مِنَ النَّارِ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى تَبْلِيغِ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ مِنْ أَجْرِ إِلَّا لَكُمْ مِنْ شَأْنٍ
 أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ⑱ طَرِيقًا يَأْتِقَانِ مَا لِي فِي مَرْضَاتِهِ تَعَالَى فَلَا أَمْتَعُهُ مِنْ ذَلِكَ وَتَوَكَّلْ عَلَى

اِنِّی الَّذِیْ لَا یَمُوتُ وَ سَتِیْخَ تَلْبَسَا اَیُّ یَحْمَدُہٗ قُلْ شُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبٍ عِبَادَہٗ خَیْرًا ۙ عَالِمًا تَعْلَقُ بِہٖ بِذُنُوْبٍ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِی سِتَّةِ اَیَّامٍ مِّنَ الدُّنْیَا اَیُّ فِیْ قَلْبِہَا لَا اِنَّہٗ لَمْ یَكُنْ لَّمْ شَمْسٌ وَّلَوْ شَاءَ لَخَلَقَہُنَّ فِیْ لَمَحَیۡۃٍ وَّالْعُدُوْلُ عَنْہُ لَیَغْلِبُنَّ خَلْقِہِ النَّشِیْثُ ثُمَّ اَسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ ۙ هُوَ فِی السَّمَٰوٰتِ سَرِیْرُ الْمَلِکِ الرَّحْمٰنِ ۙ بَدَلٍ مِّنْ ضَمِیْمٍ اَسْتَوٰی یَلِیْقُ بِہٖ فَعَلَّ اَیُّہَا الْاِنْسَانُ بِہٖ بِالرَّحْمٰنِ خَیْرًا ۙ یُخْبِرُکَ صِفَاتِہٖ وَ اِذَا قِیْلَ لَّہُمْ لَکُفَّارٍ مَّکَّةَ اَسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۙ اَسْجُدْ لِمَا تَاْمُرُنَا بِالْفَوْقَانِیۃِ وَ التَّحْتَانِیۃِ وَ الْاَمْرِ مُحَمَّدٌ وَ لَا نَعْرِفُہٗ لَا وَ زَادَہُمْ هٰذَا الْقَوْلَ لَہُمْ نَقُوْرًا ۙ عَنِ الْاِیْمَانِ

۱۴۵

ترجمہ: کیا تو نے اپنے پروردگار (کے کام) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر بٹھرایا ہوا رکھتا (اور یہ سایہ طلوع آفتاب کے نتیجہ میں غائب نہ ہوا کرتا) پھر ہم نے آفتاب کو اس (سایہ کی درازی اور کمی) پر ایک علامت مقرر کر دیا۔ (پس اگر یہ آفتاب نہ ہوتا تو سایہ کی معرفت مشکل ہوتی) پھر ہم نے اس (سایہ کی درازی) کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا (سورج کو روشن کر کے) اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو (کام کاج کا سلسلہ منقطع کرا کے) آرام کی چیز بنادیا اور دن کو گویا جی اٹھنے کا وقت بنادیا (تاکہ حصول معاش کر سکو) اور وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ (بارش کی امید لا کر) خوش کر دیتی ہیں (الریاح ایک قراءت میں الریح ہے۔ بشرائیں ایک قراءت باء اور شین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ دوسری قراءت شین کے سکون کے ساتھ ہے اور ایک قراءت شین کے سکون اور نون کے فتح کی ہے یعنی نشر ہے) اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں خوب پاک و صاف کرنے والا تاکہ اس کے ذریعہ ہم مردہ بستی میں جان ڈال دیں (یہاں پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ بلدہ جو کہ موصوف ہے تو صفت جتا کو بھی مؤنث لانا چاہیے تھا اس کا جواب دیا گیا کہ اس میں مذکر مؤنث دونوں برابر ہیں اور میتا کو مذکر باعتبار بلدہ کے مکانیت کے استعمال کیا گیا) اور اپنی مخلوقات میں سے بہت موشیوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کر دیں۔

(اناسی جمع ہے انسان کی اصل اس کی اناسین ہے۔ نون کو یا سے بدل دیا گیا اور اس باء کو پہلے یا میں مدغم کر دیا گیا) اور ہم اس پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں۔ (لینڈ کروا کی اصل لینڈ کروا ہے تاکہ ذال میں ادغام کر دیا گیا اور ایک قراءت میں لینڈ کروا ذال کے سکون اور کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے) سو (چاہیے تھا کہ اس نعمت کا حق ادا کرتے، لیکن) اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے (اس نعمت کا انکار کر کے اور کہتے ہیں کہ بارش ٹھہر کر

وجہ سے ہوئی) اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ایک ڈرانے والا بھیج دیتے (تاکہ وہ وہاں کے باشندوں کو ڈرائے۔ لیکن ہم نے آپ ہی کو سارے بستی والوں کیلئے بھیجا تاکہ آپ کے اجر میں اضافہ کر دیں) سو آپ کافروں کا کہا نہ مانئے۔ اور (قرآن کے ذریعہ سے) ان کا مقابلہ زور شور سے کیجئے اور وہی اللہ ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا (اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بہایا) جس میں ایک (کا پانی) شیریں، تسکین بخش ہے اور ایک (کا پانی) کھارا اور تلخ ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا ہے (جس سے کہ وہ ایک ساتھ چلنے کے باوجود ایک دوسرے سے ملتے نہیں) اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا (یعنی انسان مٹی سے جو کہ خود پانی ہی ہے) پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بنایا (اس طرح پر کہ مرد ہو یا عورت وہ ایک دوسرے سے افزائش نسل کیلئے شادیاں کرتے ہیں) اور آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے (وہ ہر چیز پر قادر ہے) اور (اس کے باوجود یہ مشرک) اللہ کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں (عبادت کرنے پر) اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں (ترک عبادت پر) اور کافروں کو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے (اور شیطان کا معین و مددگار بنا ہوا ہے جن کی پرستش کر کے) اور ہم نے تو آپ کو صرف اس لئے بھیجا ہے (کہ اہل ایمان کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو جہنم سے) ڈرائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تخلیغ) پر کوئی معاوضہ تو مانگتا نہیں۔ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کر لے (اتفاق فی سبیل اللہ کر کے) اور آپ بھروسہ اسی زندہ پر رکھئے۔ جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے اور اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب خبردار ہے (بذنوب متعلق ہے خیرا کے) وہ وہی ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کر دیا چھ دنوں میں (یعنی چھ روز کی مقدار میں پیدا کر دیا۔ یہ جواب ہے اس اعتراض کا کہ دن اور رات کا تو اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔ پھر چھ دن کس طرح کہہ دیا گیا؟ اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ان چیزوں کو ایک لمحہ میں پیدا کر سکتا تھا۔ مگر اس ترتیب سے مقصد مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینا ہے) پھر وہ تخت (شاہی) پر قائم ہو گیا۔ وہی ہے خدائے رحمن سو (اے انسان) اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے (جو اس کی صفات سے واقف ہے) اور جب ان (کفار مکہ) سے کہا جاتا ہے کہ خدائے رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمن ہے کیا چیز؟ کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کیلئے تم ہمیں حکم دو گے (اے محمد! حالانکہ ہم اسے جانتے بھی نہیں۔ تاہم۔ تا اور یاد دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور انہیں اور زیادہ نفرت ہو گئی ہے (ایمان سے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اَلَمْ نُنْظُرْ: یعنی اپنے رب کے فعل کی طرف کیونکہ اس کی ذات تو غیر مرئی ہے۔

اس وقت: سائے کو پھیلا دیا۔

قولہ: یعنی یہ لفظ سکئی سے ہے سکون سے نہیں۔

قوله: مَا عَرَفَ الظِّلُّ: بطُلوع آفتاب کے بغیر حسن کو سایہ معلوم نہ ہو سکتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: سورج کی روشنی ڈال کر اس کو زائل کر دیا۔

یہ ہے: آہستہ آہستہ جوں جوں آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

نہ: مشورۃ: لوگ معاش کے لئے اس میں پھیل جاتے ہیں۔

قوله: بشر يا نضرًا: جمع بشور، نشور.

قولہ: مَاءٌ كَهْؤُا: وہ پانی جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے۔

قولہ: یٰٰذَا شُکْرًا: اس کا معنی تفکروا ہے سوچ و بچار کرنا۔

قولہ: التو: جمع انواع کرنے والا ستارہ یا مغرب کی طرف جھکنا۔

قولہ: جہاداً کبیراً: دلائل سے مجاہدہ۔

قولہ: سَتْرًا مَمْنُونًا: نمکین اور میٹھے پانی کے مابین روک ڈال دی جو ان کو ملنے نہیں دیتی۔

قولہ: ظہیراً: دشمنی کے ذریعہ شیطان کا معاون۔

قوله: عَلَيْهِ: یعنی تبلیغ پر مزدوری نہیں مانگتا۔

قولہ: **عَنْ النَّبِيِّ**: اس زندہ ذات پر بھروسہ کرو جو مخلوق کے شرور سے کفایت کرنے والا اور انکے اجور سے بے نیاز ہے۔

قولہ: الْزَّحْنُ: مطلب یہ ہے کہ اگر وہ رحمان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر عجیب قرار دیں تو اس سے پوچھو جو اہل کتاب میں اپنی

کتابوں سے مراد کا اطلاق بتائے و دراصل سوال سے امتناع مراد ہے اس کو مجاز اسوال سے تعبیر کیا۔

قولہ: وَمَا الزَّحْنُ^۵ : کیونکہ کفار اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر درست قرار نہ دیتے تھے۔

تفسیر مقبولین

أَلَمْ تَدْرِ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ لَا شَيْءَ لِحِفَاهِ سَاكِنًا ۚ فَمَرْجِعْنَا النَّفْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝

اللہ تعالیٰ کے وجود اور آقا کا حق پرستی، لیلیس، رمان اور ناول ہے کہ مختلف اور متضاد چیزوں کو وہ پیدا کر رہا ہے۔ سائے کو وہ

بڑھاتا ہے کہ وہ ایک بے شک و ہمت اور افسردہ سر نکلنے تک کا ہے اگر وہ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر رکھ دیتا۔

جیسے فرمانبردار اگر کسی کو روکے گا اور اگر وہ دن ہی دن رکھے تو کوئی رات نہیں لاسکتا۔ اگر سورج

نہ لگتا تو سوائے کمال کے کیا تھا۔

قدرت کا انتظام، سہ سہ سو سال سے یہی معلوم نہ ہوتا۔ ہر چیز اپنی ضد سے پچھلی جا رہی ہے۔ ایک گھٹنا جاتا ہے تو دوسرا بڑھتا

مسلک ہے۔ پھر حج کج ہم اسے یعنی سائے کو یا سورج کو ابھی صرف یہ کہہ چکے ہیں۔

جاتا ہے اور یہ انقلاب سرعت سے عمل میں آتا ہے کوئی جگہ سایہ دار باقی نہیں رہتی صرف گھروں کے چھتروں کے اور درختوں کے نیچے سایہ رہ جاتا ہے اور ان کے بھی اوپر دھوپ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہم اسے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ عَمَلًا ۝

رات میں نیند اور دن میں کام کی تخصیصات بھی بڑی حکمت پر مبنی ہیں:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا... اس آیت میں رات کو لباس کے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح لباس انسان کے پورے بدن کا ساتر ہے اسی طرح رات ایک قدرتی پردہ کی چادر ہے جو پوری کائنات پر ڈال دی جاتی ہے۔ سب باتا بہت سے شتق ہے جس کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔ سبات وہ چیز ہے جس سے کسی دوسری چیز کو قطع کیا جائے۔

نیند کو اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ دن بھر کی محنتوں کا نکال اور کمزوری اس سے قطع ہو جاتی ہے۔ افکار و خیالات منقطع ہو کر دماغ کو آرام ملتا ہے اس لیے سبات کا ترجمہ راحت کا کیا جاتا ہے۔ معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ ہم نے رات کو ایک چھپانے والی چیز بنایا پھر اس میں انسان اور سارے جانداروں پر نیند مسلط کر دی جو ان کے آرام و راحت کا سامان ہے۔

یہاں کئی چیزیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کا تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی۔ ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور و شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ ان کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون و تناصر اور کاموں میں بھی شہدہ حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہی اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سونے کا وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اس پر کاربند رکھنے کے لیے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اس وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اس کے لیے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فتبارک الله احسن

الحالین۔

اسی طرح ذَٰبَحَ الْفَهَارَ لَشَوْرًا ۝ میں دن کو نشور یعنی زندگی فرمایا کیونکہ اس کا مقابل یعنی خیند ایک قسم کی موت ہے اور اس زندگی کے وقت کو بھی سارے انسانوں میں جبری طور پر ایک کر دیا ہے ورنہ کچھ کارخانے اور دکانیں دن کو بند رہتیں، رات کو کھلتیں، اور جب وہ کھلتیں تو دوسری بند ہو جاتیں۔ اس لحاظ سے دونوں میں کاروباری مشکلات پیش آتیں۔

جس طرح رات کو نیند کے لیے مخصوص فرما کر ایک بڑا انعام حق تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح دوسری ضروریات زندگی جو باہم اشتراک چاہتی ہیں ان کے لیے بھی تقریبی طور پر ایسے ہی متحد اور مشترک وقت مقرر کر دیئے۔ مثلاً بھوک اور کھانے کی ضرورت صبح شام ایک امر مشترک ہے سب کو ان اوقات میں اس کی فکر ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں سب ضروریات کی فراہمی ہر ایک کے لیے آسان ہو جاتی ہیں کھانے کے ہوٹل اور دکانیں ان وقتوں میں تیار کھانے سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر گھر میں یہ اوقات کھانے کی مصروفیت کے لیے متعین ہیں۔ یہ تعین کی بڑی نعمت ہے جو حق تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ نے فطری طور پر انسان کی طبیعت میں رکھ دی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَنِي إِدْنَ رَحْمَةٍ ۖ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۝

ان آیات میں بارش کی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور بارش سے پہلے جو ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہوئی آتی ہیں ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا، ان ہواؤں سے لوگوں کو بارش کے آنے کی خوشخبری بھی مل جاتی ہے اور جن چیزوں کو بارش سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں (تاکہ بھیگ کر خراب نہ ہو) ان کے محفوظ کرنے کا وقت بھی مل جاتا ہے۔

یہاں بارش کے تین منافع بتائے اول یہ کہ اس پانی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے، یہ پانی ندیوں اور نہروں میں بھی آتا ہے تالابوں میں جمع ہوتا ہے پھر اس پانی سے غسل بھی کرتے ہیں وضو کے استعمال میں بھی لاتے ہیں اور میل کچیل بھی صاف کرتے ہیں کپڑے بھی دھوتے ہیں خاص کر طہارت حکمیہ تو پانی کے بغیر کسی دوسری سیال چیز سے حاصل ہونی نہیں سکتی۔

دوم یہ کہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے زمین سے سبزہ نکل آتا ہے کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں تیسرے یہ فرمایا کہ بارش کے پانی کو ہم اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں، بارش کے پانی سے انسان اور ان کے مویشی بھی سیراب ہوتے ہیں اس سے انسانوں کی بھی پیاس دور ہوتی ہے اور جانوروں کی بھی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا عَنِ قَائِي أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كَلْهَرًا ۝

مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ حکم الہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر میں زیادہ کر دی کسی میں کم کر دی۔ بعض اوقات کسی کر کے بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات

زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے۔ تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لیے اسی کو عذاب اور سزا بنا دیا جاتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَہَکُنَّا فِی کُلِّ قَرْیَۃٍ نَّذِیْرًا

(اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے) جس سے آپ کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہر نبی اپنی اپنی بستی میں دعوت کا کام کرتا اور آپ صرف ام القریٰ (مکہ معظمہ) یا مزید اس کے آس پاس کی چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، آپ کو خاتم النبیین بنایا اور سارے عالم کے انسانوں کی طرف رہتی دنیا تک کے لیے مبعوث فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے، اس انعام کی شکرگزاری بھی لازم ہے، اور دعوت الی الحق کا کام جو سپرد کیا گیا ہے اس میں بھی محنت اور کوشش کے ساتھ لگنا ضروری ہے، جب آپ محنت کریں گے تو اہل کفر آپ کو اس کام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے، وہ چاہیں گے کہ آپ اپنا کام چھوڑ دیں یا بعض باتوں میں مدد امت اختیار کر لیں، آپ ان کی بات بالکل نہ مانیں بلکہ خوب محنت اور مجاہدہ سے کام لیں، اور زوردار طریقہ پر قرآن کے ذریعہ ان کا مقابلہ کریں، جو خود بہت بڑا معجزہ ہے اور اس میں جو توحید پر دلائل قاہرہ بیان کیے ہیں ان کو پیش کرتے رہئے ان کی طرف سے جو مدد امت اور ترک تبلیغ کی درخواست سامنے آئے اس میں ان کی بات نہ مانئے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ ہٰذَا عَذْبٌ فُورٌ وَہٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ رَّوَّجَعْلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَجِجْرًا مَّحْجُوْرًا

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر، میٹھے اور کھارے سمندر میں امتزاج:

ان دونوں آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں، جو لوگوں کی نظر کے سامنے ہیں اور ان چیزوں کو لوگ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو سمندروں کو اس طرح ملا دیا کہ دونوں ساتھ چلتے ہیں ان میں سے ایک میٹھا ہے جس سے خوب اچھی طرح پیاس بجھتی ہے اور ایک خوب زیادہ شور ہے کڑوا ہے، ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایک آڑ بنادی ہے اور رکاوٹ لگا دی ہے جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے میں گھلتے چلتے نہیں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ظاہری کوئی آڑ نہیں ہے، بس اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی نے ان کو اس طرح جاری کر رکھا ہے کہ میٹھے دریا کا پانی شور دریا کے پانی میں نہیں ملتا اور شور دریا کا پانی میٹھے دریا میں نہیں ملتا، سورۃ الرحمن میں فرمایا ہے: (مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ) (اس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا دیا کہ وہ باہم ملے ہوئے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے وہ دونوں اپنی مقررہ جگہ سے تجاوز نہیں کرتے) بظاہر دیکھنے میں کوئی آڑ نہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے میں ملتا بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونوں کو اس حال میں رکھا ہے کہ ایک دوسرے میں نہیں ملتے یہی قدرتی آڑ ہے اور ظاہری کوئی آڑ نہیں ہے۔

جس نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جس مخلوق کو جس طرح چاہے رکھے جو طبیعتیں ہیں وہ بھی اسی کی بنائی ہوئی ہیں، عموماً مخلوقات اپنی طبیعت کے مطابق چلتی رہتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو طبیعت کے

خلاف بھی ظہور ہو جاتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا، پانی کا مزاج یہ ہے کہ ایک پانی دوسرے پانی میں مکمل مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے دوسمندر ساتھ ساتھ جاتے ہیں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے میں نہیں گستاخ۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مولانا محمد اسحق بردوانی رحمۃ اللہ علیہ بنگال کے دو معتبر ہالوں مولانا عبدالغفور ارکانی اور مولانا روشن علی ارکانی کی شہادت سے نقل کیا ہے کہ ارکان سے چانگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانب بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کاسیہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی سطح اور تھوڑا سا کھڑا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید پانی میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا، اھ۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھار بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈالک بھیل سلک سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدو جزر (جوار بھاتا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مغلط نہیں ہوتے۔ اوپر پانی کھاری رہتا ہے، نیچے پانی میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجری میں چلائے اور دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی، اس طرح آزادانہ چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لیے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری، یا کھاری میٹھا بن جائے، گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذلک، واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۚ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝

قدرت کاملہ کا ایک بہت بڑا مظاہرہ یہ ہے کہ اس نے نطفہ منی سے انسان کی تخلیق فرمائی، انسان میں شہوت رکھ دی اس شہوت کی وجہ سے بیاہ شادی کی ضرورت پیش آئی جب نکاح ہوتے ہیں تو میاں بیوی کا اختلاط ہوتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے اور اس طرح سے خاندان بڑھتا چلا جاتا ہے اور آپس میں سلسلہ نسب چلتا ہے، ہر پیدا ہونے والے کے دو خاندان ہوتے ہیں ایک باپ کی طرف کا خاندان دوسرا ماں کی طرف سے، پھر شادیاں ایک خاندان کی دوسرے خاندان میں ہوتی ہیں اور غیر خاندانوں میں بھی ہوتی ہیں یہ سسرالی رشتے بھی نعمت عظیمہ ہیں ان کے ذریعہ مختلف خاندانوں میں محبتیں پیدا ہو جاتی ہیں وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝ (اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے) اس نے جو کچھ پیدا فرمایا اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور اس کے علاوہ بھی جو چاہے گا پیدا فرمائے گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارت سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آپ کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑ لے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۝

سوارشاد فرمایا گیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم سجدہ کرو خدا کے رحمان کو تو یہ لوگ کہتے ہیں رحمن کیا ہوتا ہے؟ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ رحمن کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ یہ تو خالص عربی زبان کا لفظ ہے اور ان کے کلام میں مستعمل تھا۔ اس کا مفہوم ان کے یہاں واضح تھا۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ رحمن کیا ہوتا ہے؟ جیسا کہ فرعون نے کہا تھا۔ اور کیا ہوتا ہے رب العالمین۔ سو اگر ان کی یہ بات کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوتی جس طرح کہ عام مفسرین کرام نے فرمایا ہے تو قرآن حکیم میں ان کو اس طرح ٹوکے اور گرفت کرنے کی بجائے خدائے رحمن کے مفہوم و مطلب سے صاف اور سیدھے طریقے پر آگاہ کر دیتا۔ اس لیے عام طور پر اس بارے تفسیر کی کتابوں میں جو کہا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ بلکہ اصل بات یہی ہے کہ یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسا کہتے تھے۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور فتنہ و فساد کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس سے ان منکروں کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کائنات کے خالق و مالک کی سب سے بڑی صفت رحمان جس کی شہادت و گواہی کائنات کی ایک ایک چیز دے رہی ہے۔ اور اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دے رہی ہے۔ اسی ذات اقدس و اعلیٰ کے بارے میں اور اس کی اسی صفت رحمان کے بارے میں ان ظالموں کا کہنا تھا: وما الرحمن، کہ رحمان کیا ہوتا ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نور حق و ہدایت سے محروم انسان کتنا اندھا اور کس قدر اندھا ہو جاتا ہے اور وہ کیسے ہولناک ہادیے میں گر جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

قَالَ تَعَالَىٰ تَذَكَّرْنَا الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا اثنى عَشَرَ الْحَمَلُ وَالشَّوْرَ وَالْجُوزَاءَ وَالشَّرْطَانَ وَالْأَسَدَ وَالشُّبْلَةَ وَالْمِيزَانَ، وَالْعَقْرَبَ وَالْقَوْسَ وَالْجَدْيَ وَالذَّلُوَ وَالْحُوتَ وَهِيَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السِّيَازَةِ الْمَرِيخَ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَالزُّهْرَةُ وَلَهَا النَّوَرُ وَالْمِيزَانُ وَعُطَارِ ذُوهُ الْجُوزَاءِ وَالشُّبْلَةَ وَالْقَمَرُ وَلَهُ الشَّرْطَانُ وَالشَّمْسُ وَلَهُ الْأَسَدُ وَالْمُشْتَرِيُّ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوتُ وَرُحْلُ وَلَهُ الْجَدْيُ وَالذَّلُوَ وَجَعَلَ فِيهَا أَيْضًا سِرَاجًا هُوَ الشَّمْسُ وَقَمَرًا قُنْيَرًا ۝ وَفِي قِرَاءَةِ سُورَةِ الْجَمْعِ أَيْ تَبَارَاتِ وَخُصَّ الْقَمَرُ مِنْهَا بِالذِّكْرِ لِتَنَوُّعِ فَضِيلَةٍ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً أَيْ يَخْلُفُ

كُلٌّ مِنْهُمَا الْآخِرَ لَيْسَ أَرَادَ أَنْ يَذْكُرَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ كَمَا تَقَدَّمَ مَا فَاتَهُ فِي أَحَدِهِمَا مِنْ خَيْرٍ
 يُنْقَلُهُ فِي الْآخِرِ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ٥٠١ أَيُّ شُكْرِ النِّعْمَةِ رَبِّهِ عَلَيْهِ فِيهِمَا وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ مُبْتَدَأُ مَا بَعْدَهُ
 مِمَّا فَاتَهُ إِلَى أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ غَيْرَ الْمُعْتَرِضِ فِيهِ الَّذِينَ يَسْتَوُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا أَيُّ بِسَكِينَةٍ وَتَوَاضِعٍ
 وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ بِمَا يَكْرَهُونَهُ قَالُوا سَلْبًا ٥٠٢ أَيُّ قَوْلًا يَسْلِمُونَ فِيهِ مِنَ الْإِسْمِ وَالَّذِينَ
 يَسْتَوُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا جَمْعٌ سَاجِدٌ وَقِيَامًا ٥٠٣ بِمَعْنَى قَائِمِينَ أَيُّ يَصْلُونَ بِاللَّيْلِ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
 رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ٥٠٤ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥٠٥ أَيُّ لَا رِمًا إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَ
 مُقَامًا ٥٠٦ هِيَ أَيُّ مَوْضِعٌ اسْتَقَرَّ ارْتِقَامُهُ وَاقَامَةُ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا عَلَى عِبَالِهِمْ لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا
 بِفَتْحِ أَوَّلِهِ وَضَمِّهِ أَيُّ يَضَيِّقُوا وَكَانَ انْفَاقُهُمْ بَيْنَ ذَلِكَ الْإِسْرَافِ وَالْإِقْتَارِ قَوَامًا ٥٠٧ وَسَطًا وَالَّذِينَ لَا
 يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ قَتْلَهَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ٥٠٨ وَمَنْ
 يَفْعَلْ ذَلِكَ أَى وَاحِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ يَلْقَ أَثَامًا ٥٠٩ أَيُّ عُقُوبَةٍ يُضَعَفُ وَفِي قِرَاءَةِ يُضَعَفُ بِالتَّشْدِيدِ لَهُ
 الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيُخْلَدُ فِيهِ بِجَزْمِ الْفِعْلَيْنِ بَدَلًا وَبِرَفْعِهِمَا اسْتَيْنَا مَهَانًا ٥١٠ خَالَ إِلَّا مَنْ تَابَ وَ
 آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا مِنْهُمْ فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ أَلَمْذُكُورَةً حَسَنَةً فِي الْآخِرَةِ وَ
 كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ٥١١ أَيُّ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَمَنْ تَابَ مِنْ ذُنُوبِهِ غَيْرَ مَنْ ذُكِرَ وَعَمِلَ صَالِحًا
 لَنَأْتِيَهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ٥١٢ أَيُّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ رُجُوعًا فَيَجْزِيهِ خَيْرًا وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ٥١٣ أَيُّ
 الْكُذْبِ وَالْبَاطِلِ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مِنَ الْكَلَامِ الْقَبِيحِ وَغَيْرِهِ مَرُّوا كِرَامًا ٥١٤ مُعْرِضِينَ عَنْهُ وَالَّذِينَ إِذَا
 ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ أَى الْقُرْآنِ لَمْ يَخْرُوْا يَسْقُطُوا عَلَيْهَا صَبًّا وَعُمِيَانًا ٥١٥ بَلْ خَرُّوا سَامِعِينَ
 نَاطِرِينَ مُتَنَفِّعِينَ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا بِالْجَمْعِ وَالْأَفْرَادِ قُرَّةَ أَعْيُنٍ
 لَنَا بَإِنْ نَرَاهُمْ مُطِيعِينَ لَكَ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ٥١٦ فِي الْخَيْرِ أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الذَّرَجَةُ فِي
 الْجَنَّةِ بِمَا صَبَرُوا عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ وَيُلْقُونَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ مَعَ فَتْحِ الْبَاءِ فِيهَا فِي الْغُرْفَةِ تَحِيَّةٌ وَ

سَلَامًا ۝ مِنَ الْمَلَائِكَةِ خَلِيلِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ مَوْضِعُ اِقَامَةٍ لَهُمْ وَاُولَئِكَ وَمَا بَعْدَهُ
خَيْرٌ عِبَادَ الرَّحْمَنِ الْمُتَبَدِّلِينَ قُلْ يَٰمُحَمَّدُ لَا هَلْ مَكَّةَ مَا نَافِيَةٌ يَعْبُوْا يَكْتَرِثُ بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا
دُعَاؤُكُمْ اِيَّاہُ فِی السَّعَادِیْدِ فَيَكْشِفُهَا فَقَدْ اِیْ فَكَيْفَ يَعْبُوْا بِكُمْ وَقَدْ كَذَّبْتُمْ الرَّسُوْلَ وَالْقُرْآنَ فَسَوْفَ
يَكُوْنُ الْعَذَابُ لِرَاْمَا ۝ مَلَا زِمًا لَّكُمْ فِی الْاٰخِرَةِ بَعْدَ مَا یَحُلُّ بِكُمْ فِی الدُّنْيَا فَقَلِیْلٌ مِنْهُمْ یَوْمَئِذٍ
مَسْبُغُوْنَ وَجَوَابٌ لَّوْلَا ذَلَّ عَلَیْہِ مَا قَبْلُہَا

ترجمہ: (ارشاد باری تعالیٰ) بڑا عالی شان ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے (جن کی تعداد بارہ ہے اور وہ یہ ہیں حمل ثور، جوزا سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت اور یہ بارہ ستارے گویا کہ قیام گاہ ہیں۔ ساتوں سیارہ ستاروں کے اور وہ اس طرح پر کہ مریخ کا قیام گاہ حمل اور عقرب ہے۔ زہرہ کا قیام گاہ ثور و میزان ہے۔ عطارد کا قیام گاہ جوزا اور سنبلہ ہے۔ قمر کا قیام گاہ سرطان ہے۔ شمس کا قیام گاہ اسد۔ مشتری کا قیام گاہ قوس و حوت ہے اور زحل کا قیام گاہ جدی اور دلو ہے) اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی سورج) اور نورانی چاند بنا دیا (سراجا ایک قراءت میں سراجا ہے جمع کے معنی میں یعنی روشن سیارے اور چاند کا تذکرہ خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ وہ زیادہ روشن ہے) اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنا دیا (اس طرح پر کہ دن ختم ہوتے ہی رات اور رات ختم ہوتے ہی دن آ جاتا ہے یہ سارے دلائل اس شخص کیلئے ہیں جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے) (یذکر میں دو قراءت ہے ایک قراءت میں ذال اور کاف مشدہ ہے اور دوسری قراءت میں ذال اور کاف بغیر تشدید کے۔ اس صورت میں ذال ساکن ہوگا اور کاف کو ضمہ ہوگا) اور خدائے رحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فردنی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں (عباد الرحمن مبتداء ہے اور اس کے بعد کی آیتیں اولئک میہزون تک اس کی صفت ہیں درمیان میں جملہ معترضہ مثلاً ان عذابہا کان غراماً اور ومن یفعل ذلک یلقی اثمًا وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جب ان سے جہالت والے لوگ (ناپسندیدہ) باتیں کرتے ہیں تو وہ رفع شرکی بات کہتے ہیں۔ اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھو۔ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانہ اور برا مقام ہے اور وہ لوگ جب (اپنے اہل و عیال پر) خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص (ان تینوں میں سے کوئی) کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا

جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا۔

(بضعف ایک قراءت میں عین کے تشدید کے ساتھ ہے یضعف اور یخلد ان دونوں کو جزم پڑھیں تو بدل واقع ہو گا پہلی سے اور اگر ان دونوں کو رفع پڑھیں تو جملہ مستانفہ ہوگا) مگر ہاں (ان میں سے) جو توبہ کر لے ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تو بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے (یعنی وہ تو متصف ہی ہے صفت رحمت و مغفرت کے ساتھ) اور جو کوئی توبہ کرتا ہے (اس کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی) اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص رجوع کر رہا ہے اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں (یعنی جہاں یہودہ باتیں وغیرہ ہو رہی ہوں۔ اس) کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ (اس سے منہ موڑے ہوئے) گزر جاتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات (یعنی قرآن) کے ذریعہ تو یہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ یہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس سے نفع اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں) اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما (اس طرح پر کہ یہ آپ کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں۔ خریدنا میں جمع اور واحد دونوں قراءت ہیں) اور ہم کو پرہیزگاروں کا سردار بنادے۔ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے (جو جنت کا ایک درجہ ہے) بوجہ (اطاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (جنت کے بالا خانے) میں (فرشتوں کی جانب سے) دعا و سلام ملے گا۔ ویلقون میں تشدید و تخفیف دونوں قراءت ہیں تخفیف کی صورت میں یا کو فتح ہوگا) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام (جو ان کے مقام کیلئے تجویز کیا گیا ہے۔ عباد الرحمن مبتدا ہے اور اولئک اور اس کے بعد کی آیتیں اس کی خبر میں) آپ (اے محمد گفار مکہ سے) کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہیں کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے (اور اگر عبادت کرو گے تو وہ تمہاری نشانیں کو دور کر دے گا) سو تم (کس طرح لا پرواہ و بے فکر ہو حالانکہ) خوب جھٹلا چکے (رسول اور قرآن کو) سو عنقریب (یہ ٹکڑی) وبال بن کر رہے گی (آخرت میں جب کہ دنیا میں بھی سزا مل گئی جیسا کہ جنگ بدر میں یہ لوگ مارے گئے۔ لولا کا جواب اس سے پہلے کا جملہ یعنی مایعبو ابکم ہے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **یَبْرُؤُجًا**: کو اکب سیارہ کو تصور عالیہ سے تشبیہ دیتے ہوئے بروج فرمایا تہرج ظہور کو کہتے ہیں۔

قولہ: **یَبْرُؤَات**: سورج اور بڑے ستارے۔

قولہ: **عِبَادُ الرَّحْمٰن**: عباد کی نسبت تخصیص و امتیاز کے لئے ہے۔

قوله: هَوَّنَا: یہ صین آہستگی کے معنی میں ہے۔

قوله: قَائِمِينَ: یہ قائم کی جمع یا مصدر ہے جو اس کے قائم مقام لائے۔

قوله: إِنَّهَا سَاءَتْ: ضمیر مبہم کی تفسیر ممیز کر رہا ہے۔

قوله: مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا: یہ حال یا تمیز ہیں اور جملہ علت اولیٰ کی تعلیل ہے۔

قوله: يُضَعَّفُ: معصیت کفر کے ساتھ مل کر تضاعف عذاب کا باعث بنی۔

قوله: مَتَابًا: اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ، عذاب کو دور کرنے والا اور ثواب دلانے والا۔

قوله: كِرَامًا: یعنی اپنے نفوس اس کی اطلاع اور اس میں دخل دینے سے معزز رکھنے والے ہیں۔

قوله: عَلَيْهَا: اصل صبا و عمیانہ۔ حال ہیں ان کی نفی مقصود ہے۔

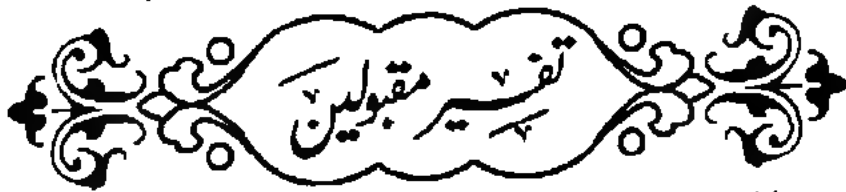
قوله: مُطِيعِينَ: جب مؤمن کے ساتھ اس کے اہل نیکی میں شریک ہو جاتے ہیں تو اس سے اس کا دل راضی اور آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے۔

قوله: إِمَامًا: یہ جنس پر دلالت کرتا ہے جیسے نم نخرج ہم طفلًا۔

قوله: تَجِيَّةً: جنت کا اعلیٰ مقام۔

قوله: يَكْتَرِبُ: کوئی حیثیت نہیں دیتا۔

قوله: الْعَذَابُ: کیون کا اسم مرجع کا ذکر کیے بغیر مضر مانا گیا۔ یہ تنبیہ و تہویل کے لئے ہے۔



تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۝

بُرُوجًا: برج کی جمع۔ علم فلکیات کے مطابق یہ بارہ برج ہیں جن کے نام یہ ہیں:- الحمل۔ الثور۔ الجوزاء۔ السرطان۔ الاسد۔ السنبلة۔ الميزان۔ العقرب۔ القوس۔ الجدى۔ الدلو۔ الحوت۔ اور جبکہ قرآن مجید میں ہے: وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۝ (1:85) قسم ہے برجوں والے آسمان کی۔ برج بمعنی بلند عمارت اور محل بھی ہے جیسے: وَكُنُوزَكُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۝ (78:4) خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں ہو۔

مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور شمس و قمر اور ان کے ذریعہ رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات اس لیے پیدا کئے ہیں کہ غور و فکر کرنے والے کو اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں۔ اور شکر گزار کے لیے شکر کے مواقع ملیں تو جس شخص کا وقت دنیا میں ان دونوں چیزوں سے خالی گزر گیا اس کا وقت ضائع ہو گیا اور اس کا اس المال بھی فنا ہو گیا۔ اللھم اجعلنا من الذاکرین الشاکرین۔

ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے شہید اکبر سے سنا ہے کہ بڑے غبن اور خسارہ میں ہے وہ آدمی جس کی عمر ساٹھ سال ہوئی۔ اس میں سے آدھا وقت تیس سال رات کو سونے میں گزر گئے اور چھٹا حصہ یعنی دس سال دن کو آرام کرنے میں گزر گیا تو ساٹھ میں سے صرف بیس سال کام میں لگے۔ قرآن حکیم نے اس جگہ بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں اور فلکیات کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلادیا کہ قرآن ان چیزوں کا ذکر بار بار اس لیے کرتا ہے کہ تم ان کی تخلیق اور ان کی حرکات ان سے پیدا ہونے والے آثار میں غور کر کے ان کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کو پہچانو اور شکر گزاری کے ساتھ اسے یاد کرتے رہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اجرام سماویہ اور فلکیات کی حقیقت اور ہیئت کیا ہے یہ آسمانوں کے جرم کے اندر سمائے ہوئے ہیں یا ان سے باہر کی فضا میں آسانی میں ہیں۔ انسان کے معاش یا معاد کا کوئی مسئلہ اس سے وابستہ نہیں اور ان کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے لیے آسان بھی نہیں۔ جن لوگوں نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کی ہیں ان کے اقرار سے ثابت ہے کہ وہ بھی کوئی قطعی اور آخری فیصلہ نہیں کر سکے اور جو فیصلے کئے وہ بھی خود دوسرے حکماء کی مخالف تحقیقات نے مخدوش و مجروح کر دیئے۔ اس لیے تفسیر قرآن میں اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنا بھی کوئی قرآن کی ضروری خدمت نہیں۔ لیکن اس زمانے کے اہلین سائنس نے مصنوعی سیارات اڑانے اور چاند تک پہنچ جانے اور وہاں کی مٹی، پتھر، غاروں، پہاڑوں کے فوٹو فراہم کرنے میں بلاشبہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے مگر افسوس ہے کہ قرآن حکیم ان چیزوں سے انسان کو جس حقیقت شناسی کا سبق دینا چاہتا ہے یہ لوگ اپنی تحقیقی کاوشوں کے غرور میں مست ہو کر اس سے اور زیادہ دور ہو گئے اور عام لوگوں کے ذہنوں کو بھی بری طرح الجھا دیا، کوئی ان چیزوں کو قرآن کے خلاف سمجھ کر مشاہدات کا ہی انکار کر دیتا ہے کوئی قرآن کریم میں تاویلات کرنے لگتا ہے اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح کر دیا جائے۔ سورۃ حجر کی آیت: **وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا** کے تحت اس کا وعدہ بھی کیا گیا کہ تھا کہ سورۃ فرقان میں اس کی تفصیل لکھی جاوے گی (حسب ذیل ہے واللہ الموفق)۔

ستارے اور سیارے آسمانوں کے اندر ہیں یا باہر قدیم وجدید علم ہیئت کے نظریات اور قرآن کے ارشادات:

جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بروج یعنی سیارے آسمانوں کے اندر ہیں کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ نوح میں ہے: **اَلَمْ تَرَ اَنَّا خَلَقْنَا السَّمْعَ سَمْعًا** طباقاً **وَجَعَلْنَا الْقَمَرَ فِيْهِ نُورًا وَجَعَلْنَا الشَّمْسُ سِرًا** جَا، اس میں فیہن کی ضمیر سبع سموات کی طرف راجع ہے جس سے ظاہر انہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند آسمانوں کے اندر ہے۔ لیکن یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول تو یہ کہ قرآن کریم میں لفظ سما جس طرح اس عظیم الشان اور وہم و گمان سے زائد وسعت رکھنے والی مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں قرآن کی تصریحات کے مطابق دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کے پہرے ہیں جو خاص خاص اوقات میں کھولے جاتے ہیں اور جن کی تعداد قرآن کریم نے سات بتلائی ہے اسی طرح یہ لفظ سماء ہر بلند چیز جو آسمان کی طرف ہو اس پر بھی بولا جاتا ہے۔ آسمان وزمین کے درمیان کی فضا اور اس سے آگے جس کو آج کل کی اصطلاح میں خلا بولتے ہیں یہ سب دوسرے معنی کے

اعتبار سے لفظ سماء کے مفہوم میں داخل ہیں۔ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جن میں آسمان سے پانی برسانے کا ذکر ہے ان کو اکثر مفسرین نے اسی دوسرے معنی پر محمول فرمایا ہے کیونکہ عام مشاہدات سے بھی یہ ثابت ہے کہ بارش ان بادلوں سے برسی ہے جو آسمان کی بلندی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور خود قرآن کریم نے بھی دوسری آیات میں بادلوں سے پانی برسانے کی تصریح فرمائی ہے ارشاد ہے: اَنْزَلْنَاهُ اَنْزِلًا مُّسْتَوًّیًا مِّنَ الْمُزْنِ اَمْهُ نَحْنُ الْمُلْكُوتُونَ اس میں وزن مزنیہ کی جمع ہے جس کے معنی سفید بادل کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ کیا بارش کو سفید بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم نے دوسری جگہ ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً فَتَجَاثَا۔ اس میں معصرات کے معنی پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے ہی پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔ قرآن مجید کی ان واضح تصریحات اور عام مشاہدات کی بناء پر جن آیات قرآن میں بارش کا آسمان سے برسانا مذکور ہے ان میں بھی اکثر مفسرین نے لفظ سماء کے یہی دوسرے معنی لیے ہیں یعنی فضاء آسمانی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اور نعت کی تصریحات کے مطابق لفظ سماء فضاء آسمانی کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور خود جرم آسمان کے لیے بھی۔ تو ایسی صورت میں جن آیات میں کواکب اور سیارات کے لیے فی السماء کا لفظ استعمال ہوا ہے ان کے مفہوم میں دونوں احتمال موجود ہیں کہ یہ کواکب اور ستارے جرم آسمان کے اندر ہوں یا فضاء آسمانی میں آسمانوں کے نیچے ہوں اور دو احتمالوں کے ہوتے ہوئے کوئی قطعی فیصلہ قرآن کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن نے ستاروں اور سیاروں کو آسمان کے اندر قرار دیا ہے یا ان سے باہر فضاء آسمانی میں بلکہ الفاظ قرآن کے اعتبار سے دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ کائنات کی تحقیقات اور تجربے سے جو صورت بھی ثابت ہو جائے قرآن کی کوئی تصریح اس کے منافی نہیں ہے۔

حقائق کونیہ اور فضاء آسمانی:

یہاں ایک بات اصولی طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت و حرکات وغیرہ کا بیان ہو مگر اس کے ساتھ ہی وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی کائنات کا ذکر بار بار کرتا ہے ان میں غور و فکر کی طرف دعوت بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز ان حقائق کونیہ کے متعلق انسان کو صرف وہ چیزیں بتلانا چاہتا ہے جن کا تعلق اس کے عقیدے اور نظریے کی درستی سے ہو یا اس کے دینی اور دنیوی منافع ان سے متعلق ہوں۔ مثلاً قرآن کریم نے آسمان و زمین اور ستاروں، سیاروں کا اور ان کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار ایک نواس مقصد سے کیا ہے کہ انسان ان کی عجیب و غریب صنعت اور مافوق العادت آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہو گئیں ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم سب سے بڑا علیم اور سب سے بڑا صاحب قدرت و قوت ہے اور اس یقین کے لیے ہرگز اس کی ضرورت نہیں کہ آسمانوں کی اور فضائی مخلوقات اور ستاروں، سیاروں کے مادے کی حقیقت اور ان کی

اصل بیت و صورت اور ان کے پورے نظام کی پوری کیفیت اس کو معلوم ہو بلکہ اس کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے جس کو ہر شخص شاہد سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب و غریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب امور سے ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا، کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لیے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے آلات رصدیہ بنانے یا سمجھانے اور اجرام سماویہ کی ہمیشہ دریافت کرنے کا مطلقاً کوئی اہتمام نہیں فرمایا۔ اگر ان آیات کو نبیہ میں تدبر اور غور و فکر کا یہ مطلب ہوتا کہ ان کے حقائق اور بینات اور ان کی حرکات کا فلسفہ معلوم کیا جائے تو یہ ناممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کا اہتمام نہ فرماتے، خصوصاً جبکہ ان فنون کا رواج اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ دنیا میں اس وقت موجود بھی تھا۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کے جاننے والے اور ان پر کام کرنے والے موجود تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے فیثاغورس کا اور اس کے کچھ بعد بطلمیوس کا نظریہ دنیا میں شائع اور رائج ہو چکا تھا اور اس زمانے کے حالات کے مناسب آلات رصدیہ وغیرہ ایجاد بھی ہو چکے تھے مگر جس ذات قدسی پر یہ آیات نازل ہوئیں اور جن صحابہ کرام نے بلا واسطہ آپ سے ان کو پڑھا انہوں نے کبھی اس طرف التفات تک نہیں فرمایا۔ اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ان آیات کو نبیہ میں تدبر اور غور و فکر کا وہ منشاء ہرگز نہ تھا جو آج کل کے بعض تجدد پسند علماء نے یورپ اور اس کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اختیار کیا ہے کہ خلائی سفر، چاند اور مریخ وزہرہ پر کندیں بھیجنے کی مساعی قرآن کریم کے تقاضے کو پورا کرنا ہے۔

بس صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم نہ ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات قدیمہ یا جدیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے نہ ان سے بحث کرتا ہے اور نہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن کریم کا حکیمانہ اصول و اسلوب کائنات و مخلوقات سے متعلقہ تمام فنون کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ہر فن کی چیزوں سے صرف اسی قدر لیتا اور بیان کرتا ہے جس قدر انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت سے متعلق ہے اور جس کو انسان آسانی سے حاصل بھی کر سکتا ہے اور جس کے حصول پر تخمیناً اس کو اطمینان بھی ہو سکتا ہے فلسفیانہ دوراز کار بحثوں سے اور ایسی تحقیقات سے جو عام انسانوں کے قابو سے باہر ہیں اور جن کو کچھ حاصل کر لینے کے بعد بھی قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بھی صحیح ہیں بلکہ حیرانی اور شکوک بڑھتے ہیں، ایسی بحثوں میں انسان کو نہیں الجھانا۔ کیونکہ قرآن کی نظر میں انسان کی منزل مقصود ان تمام زمینی اور آسمانی کائنات و مخلوقات سے آگے اپنے خلاق کی مرضیات پر چل کر جنت کی دائمی نعمتوں اور راحتوں کو حاصل کرنا ہے۔ حقائق کائنات کی بحث نہ اس کے لیے ضروری ہے اور نہ اس پر پورا عبور انسان کے بس میں ہے۔ ہر زمانے کے فلاسفوں اور ماہرین فلکیات کے نظریات میں شدید اختلافات اور زمرہ کے نئے اکتشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جاسکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات،

فضاء، ابر و باران، خلا، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات سے اور عام انسان اور انسانی علوم و فنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف ان کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اس قدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی ولدل میں انسان کو نہیں پہنچاتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں فلسفی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار:

علماء اہل حق قدیم و جدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے، اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مخالف قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنی کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت: جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضا کے آسمانی میں ہیں۔ آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جاسکتا ہے تو اس سے فضا غوری نظریہ کی تائید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صریح کی تصریحات کی رو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے ان میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضا کے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔ لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہیئت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخل ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے ان آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت: كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے تو اس معاملہ میں بطلموسی نظریہ کو غلط قرار دیا جائے گا جس کی رو سے ستارے آسمان کے جرم میں پیوست ہیں وہ خود حرکت نہیں کرتے بلکہ آسمان کی حرکت کے تابع ان کی حرکت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قدیم مفسرین میں سے بعض لوگ جو فلکیات کے متعلق بطلموسی نظریے کے معتقد تھے انہوں نے ان آیات قرآنی میں تاویلات سے کام لیا جن سے بطلموسی نظریہ کے خلاف کوئی چیز سمجھی جاتی تھی اسی طرح آج کے بعض مصنفین جن آیات کو جدید ہیئت کے نظریات سے مختلف سمجھتے ہیں ان میں تاویلات کر کے اس کے مطابق بنانے کی فکر کرتے

ہیں۔ یہ دونوں صورتیں درست نہیں سلف صالحین کے طریقے کے خلاف اور قابل تردید ہے۔ البتہ واقعہ یہی ہے کہ اس وقت تک ہیئت جدید نے جوئی تحقیقات پیش کی ہیں ان میں آسانوں کے انکار کے سوا کوئی بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں، بعض لوگ اپنے قصور علم سے ان کو قرآن یا سنت کے خلاف سمجھ کر تاویلات کے درپے ہو جاتے ہیں۔

زمانہ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماء سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عرب و عجم مشرق و مغرب میں مقبول و مستند تفسیر ہے۔ موصوف جس طرح قرآن و سنت کے قبح عالم ہیں اسی طرح فلسفہ ہیئت قدیم و جدید کے بھی بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں تحقیقات فلسفہ کے متعلق یہی اصول قرار دیا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اور ان کے پوتے علامہ سید محمود شکاری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مادل علیہ القرآن مما یضد الہدیۃ الجدیدۃ القویۃ البرہان جس میں ہیئت جدید کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو رد نہیں رکھا۔ ان کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہیئت جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں:

رابت کثیرا من قواعدہا لا یعارض النصوص الواردة فی الكتاب والسنة علی انہا لو خالفت شیئا من ذلک لم یلغى فیہا ولم یؤول النصوص لاجلہا والتاویل فیہا لیس من مذہب السلف الحرۃ بالقبول بل لا بد ان نقول ان المخالف لہا مشتمل علی خلل فیہ فان العقل الصریح لا یخالف النقل الصحیح بل کل منہما یصدق الاخر ویؤیدہ۔ (مادل علیہ القرآن)

میں نے ہیئت جدیدہ کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن و سنت کی نصوص کے خلاف نہیں اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن و سنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف رخ نہ کریں گے اور قرآن و سنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور بینات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثاغورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کرٹونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلمیوس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہیروزخوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثاغورس اور بطلمیوس کے نظریات ہیئت افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلمیوس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثاغورس کا نظریہ گوشہ گمنامی میں جا پڑا اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلمیوس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا بچانا گیا۔

بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہی نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔ گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمی میں کیلر اور طالہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ انہوں نے ازسرنو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلمیوسی نظریہ غلط اور فیثاغورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحق نیوٹن کی شہرت ہوئی۔ اس کی تحقیقات و ایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آگرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلمیوسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکز عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب و کشش کا مادہ ہے زمین بھی اس طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہیں سے ہر وزنی چیز زمین پر آوے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرے سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان بیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اس کے ماہرین نے سیاروں تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق و مخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے، وہاں کے ہتھ، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں اور خلا نوردی خلا پیما کی مشقیں جاری ہیں۔

ان میں سے امریکن خلا نورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق و مخالف بھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اور اس کا اردو ترجمہ امریکہ کے اردو ماہنامہ سیرین میں مفصل شائع ہوا ہے، یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیرین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

یہی وہ ایک واحد شئی ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکزِ مجوس سے وابستی رکھتی ہے۔

آگے لکھا ہے کہ:

اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات و پیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔ آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ:

لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے تعین رخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ بچھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کر رہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔

آج سب سیر و سفر کے نتیجے کے طور پر لکھتا ہے:

عیسائیت کے اصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو بادیہ وجود یکہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بناء پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کندہ پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات جو آپ نے امریکی خلا نورد کے بیان میں پڑھ لیں کہ اس تمام تنگ و دو کے نتیجے میں راز کائنات اور اس کی حقیقت تک رسائی تو کیا ہوتی، بے حد بے حساب سیارات و نجوم کی گردشوں کا ادراک ہو کر اور حیرانی بڑھ گئی۔ سائنسی آلات سے ان کی پیمائش کے ناممکن ہونے اور اپنی سب کوششوں کی اس کے مقابلہ میں حقارت کا اقرار و اعتراف کرنا پڑا۔ بس حاصل اتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظام کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلادیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لیے آسمان و زمین، نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم و سیارات کی تحقیقات و بینات پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالاخر اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا۔ اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

ان تحقیقات نے انسان اور انسانیت کو کیا بخشا:

جہاں تک انسانی جدوجہد اور فکری ارتقاء اور اس کی اعجوبہ کاری اور حیرت انگیز انکشافات کا معاملہ ہے وہ اپنی جگہ درست اور عام نظروں کے اعتبار سے قابل تحسین بھی ہے۔ لیکن اگر اس پر غور کیا جائے کہ بے مصرف شعبہ گری اور تماش بینی جس سے انسان اور انسانیت کا کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہو وہ حکماء و عقلاء کا کام نہیں۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ اس پچاس سال کی جدوجہد اور ایسے کھربوں روپیہ جو بہت سے انسانوں کے مصائب دور کرنے کے لیے کافی ہوتا اس کو آگ کی نذر کر دینے اور چاند تک پہنچ کر وہاں کی خاک اور پتھر سمیٹ لانے سے انسان اور انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا۔ انسان کی بڑی بھاری تعداد ایسے لوگوں کی

ہے جو بھوک سے مرتے ہیں ان کو لباس اور سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں، کیا اس جدوجہد نے ان کے افلاس و مصیبت کا کوئی حل نکالا۔ یا ان کے امراض و آفات سے صحت و عافیت کا کوئی انتظام کیا ان کے لیے قلبی سکون و راحت کا کوئی سامان فراہم کیا؟ تو یقین ہے کہ کسی کے پاس اس کا جواب بجز نفی کے نہیں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت انسان کو ایسے لایعنی مشغلے میں مبتلا کرنے سے گریز کرتے ہیں اور کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبیر کی دعوت صرف دو حیثیتوں سے دیتے ہیں۔ پہلی حیثیت جو اصل مقصود ہے یہ ہے کہ ان آثار عجیبہ کو دیکھ کر موثر حقیقی اور اس غیر محسوس قوت کا یقین کر لیں جو اس سارے نظام کو چلا رہی ہے، اسی کا نام خدا ہے۔ دوسرے ان زمین اور آسمانی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے ہر ضرورت کی چیز و دیعت فرمادی ہے انسان کا کام یہ ہے کہ اپنی عقل و شعور اور جدوجہد سے کام لے کر ان چیزوں کو زمین کے خزانے سے نکالے اور استعمال کرنے کے طریقہ سیکھ لے۔ پہلی حیثیت اصل مقصود ہے اور دوسری حیثیت ثانوی رفع ضرورت کے لیے ہے اس لیے ضرورت سے زائد اس میں انہماک پسندیدہ نہیں اور کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبیر کی دونوں حیثیتیں انسان کے لیے آسان بھی ہیں نتیجہ خیز بھی۔ اور ان دونوں حیثیتوں کے نتائج میں قدیم و جدید فلاسفہ کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ ان کے سب اختلافات افلاک اور سیارات کی ہیئت و حقیقت سے متعلق ہیں جن کو قرآن نے بے ضرورت اور ناقابل حصول قرار دے کر نظر انداز کر دیا ہے۔ علامہ بخیت مفتی مصر نے اپنی کتاب توفیق الرحمن میں علم ہیئت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک حصہ وصفی ہے جو اجرام سماویہ کی حرکات اور حسابات سے متعلق ہے۔ دوسرا عملی جو ان حسابات کو معلوم کرنے کے لیے آلات قدیمہ و جدیدہ سے متعلق ہے۔ تیسرا طبعی، جو افلاک و سیارات کی ہیئت و حقیقت سے متعلق ہے اور لکھا ہے کہ پہلی دونوں قسموں میں ماہرین قدیم و جدید میں اختلاف کا عدم ہے۔ آلات اور اک میں بہت بڑا اختلاف ہونے کے باوجود نتائج پر اکثر امور میں سب کا اتفاق ہے ان کا شدید اختلاف صرف تیسری قسم میں ہے۔

غور کیجئے تو انسانی ضرورت کے متعلق بھی یہی پہلی دو قسمیں ہیں۔ تیسری قسم دور از کار بھی ہے اور مشکل بھی۔ اسی لیے قرآن و سنت اور عام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات نے انسان کو اس تیسری بحث میں نہیں الجھایا، اور بزرگان سلف نے یہ نصیحت فرمائی۔

زبان تازہ کردن با قرار تو نیکینختن علت از کار تو۔ مهندس بے جوید از راز شاں نداند کہ چوں کردی آغاز شاں
صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔
چہ شبہا نشستم دریں سیرگم کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا

خن از مطرب وئی گوی رازد ہر کمتر جو کہ کس نکشو و نکشاید حکمت اس معمار

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک و فضاء اور کائنات اراضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ ان سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جاسکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن باجاء

اس کی دعوت دے رہا ہے اور اس حیثیت سے کہ ان چیزوں سے انسان کے معاشی مسائل کا تعلق ہے وہ بھی ضرورت کی حد تک نشانہ فرماتی ہے اور قرآن اس کی طرف بھی دعوت دیتا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ معاش اور معاشی ضروریات کو اصل مقصد قرار دے کر اس میں انتہا نہ کرے بلکہ اس موجودہ زندگی کو اصلی زندگی کی طرف ایک سفر کا درجہ قرار دے کر اس کے مطابق اس میں مشغول ہو اور تیسری حیثیت چونکہ انسانی ضرورت سے زائد بھی ہے اور اس کا حصول بھی مشکل ہے اس میں عمر و زین صرف کرنے سے گریز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ موجودہ سائنس کی جدید ترقیات و تحقیقات کہیں نشانہ قرآنی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض تجدد پسند علماء نے لکھا ہے اور قرآن کو ان کا مخالف کہنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض بدامت پسند علماء نے کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نہ ان چیزوں کے بیان کے لیے آیا ہے نہ یہ اس کا موضوع بحث ہے نہ انسان کے لیے ان کا حاصل کرنا آسان ہے نہ انسانی ضروریات سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ قرآن ان معاملات میں ساکت ہے۔ تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا اور ہٹا سنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہد اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر و زین کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (تفسیر سارف القرآن) (مفتی شفیع)

وَجَاءَ الرَّحْمَنُ الَّذِينَ يَتَشَوَّنُ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝

عباد الرحمن کی صفات اور ان کے اخلاق و اعمال:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور انہیں عباد الرحمن کا معزز لقب دیا ہے ان حضرات کی جو چند صفات ذکر فرمائی ہیں

پہلی صفت:

ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ انہیں رحمٰن کا بندہ بتایا یہ بہت بڑا وصف ہے اور بہت بڑا لقب ہے یوں نگوینی طور پر سب ہی رحمٰن کے بندے ہیں لیکن اپنے اعتقاد سے اور اختیار سے اور اخلاص سے جس نے اپنی ذات کو سچے اعتقاد اور اخلاق کے ساتھ رحمٰن جل مجدہ کی عبادت میں لگا دیا اور رحمٰن جل مجدہ نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ یہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑھ کر بندہ کا کوئی اعزاز نہیں یہ بندے کا سب سے بڑا معزز لقب ہے اللہ تعالیٰ نے معراج کا تذکرہ شروع فرماتے ہوئے: (سُبْحَانَ الْقُبُورِ الْأَشْرَى يَعْبُدُهَا) فرمایا ہے یہ شان عبدیت ہی تو بندہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتی ہے اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔

دوسری صفت:

یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی غرور اور تکبر کے ساتھ اگڑے کھڑے ہونے نہیں چلتے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے: (وَلَا تَمْشِي فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) (اور زمین میں

اگز تا ہوا مت چل بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) جب کسی شخص میں تواضع کی شان ہوگی ہے اور تکبر کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اپنی رفتار میں بھی عاجزی اختیار کرتا ہے۔

تیسری صفت:

یہ بیان فرمائی کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو ان سے الجھتے نہیں نہ انہیں جواب دیتے ہیں اور نہ ان سے جھڑا کرتے ہیں اس بات کو یہاں سورہ فرقان میں دو جگہ بیان فرمایا ہے پہلے تو یوں فرمایا: (وَإِذَا خَاطَبْتَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا) (کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بھیا ہمارا سلام ہے) یہ سلام وہ نہیں ہے جو ملاقات کے لیے کیا جاتا ہے بلکہ جان چھڑانے کے لیے یہ لفظ کہہ کر چلے جاتے ہیں اسی کو سورہ قصص میں فرمایا: (وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا إِنَّا اتَّخَذْنَا آلِهَتَنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلِّمْ عَلَيْهِمْ لَا تَبْغِ الْجَاهِلِينَ) دوسری جگہ اسی رکوع میں فرمایا: (وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا) (اور جب یہ لوگ بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں) بات یہ ہے کہ شریر اور کمینہ مزاج لوگ شریفوں کو تکلیف دینے پر تلے رہتے ہیں زبان سے تکلیف دینا، ان کی شان میں برے کلمات کہنا، طعن دینا، اشاروں اور کنایوں سے ان کی برائی کرنا اس سے نہیں چوکتے۔ یہ لوگ بیہودہ کاموں میں لگے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں شرافت کے ساتھ آنکھیں نیچی کر کے گزر جاتے ہیں۔ اور اگر کسی نے چھیڑی دیا تو یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے جواب دیا تو ان منہ پھٹ لوگوں کے درمیان آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

چوتھی صفت:

رحمن کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اس طرح رات گزارتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام میں، ان کا ذوق عبادت انہیں زیادہ آرام نہیں کرنے دیتا سورہ الذاریات میں فرمایا: (إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ رَبُّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ النَّاسِ مَا يَهْتَفُونَ بِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُمُ يَسْتَعْفِرُونَ) (بلاشبہ متقی لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے انہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے اسے لینے والے ہوں گے بلاشبہ وہ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے)۔

پانچویں صفت:

عباد الرحمن کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہتے ہیں وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کے عذاب کو ہٹائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب بالکل تباہ کرنے والا ہے یہ محاورہ کا ترجمہ ہے غَرَامًا، لزوم کے معنی میں آتا ہے اور جب عذاب کسی کو لازم ہوگا تو وہ پوری طرح تباہ ہوگا اس کے لیے چھٹکارا کوئی راستہ نہیں اس سے اہل کفر کا عذاب مراد ہے ساتھ ہی فرمایا: (إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا) (بلاشبہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے

کی بری جگہ ہے) اللہ تعالیٰ اس بری جگہ سے محفوظ فرمائے یہ مومنین مخلصین عابدین قانتین کا طریقہ ہے کہ وہ عبادت بھی خوب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی ہیں اور عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے رہتے ہیں سورۃ المؤمنون میں فرمایا ہے: (وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَتَمُّ إِلَىٰ نَبَاتِهِمْ رَاجِعُونَ) (اور وہ جو کچھ دیتے ہیں ان کے دل اس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں) یعنی انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ قبول ہوتا ہے یا نہیں نیک عمل کر کے بے فکر ہو جانا مومن کی شان نہیں مومن عمل بھی کرتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے کہ دیکھو میرے اعمال کو درجہ قبولیت نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟۔

چھٹی صفت:

یہ بیان فرمائی کہ جب رحمن کے بندے خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ کرنے میں تنہی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ درمیانی راہ چلنے کو قواما فرمایا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب استقامت رہتی ہے۔ کان کلا منہا یقاوم الاخر یہ میانہ روی شرعاً محمود ہے گناہوں میں تو مال خرچ کرنا جائز ہی نہیں حلال کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرے یہ میانہ روی مالی امور پر قابو پانے کا کامیاب ذریعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((الْإِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نَصْفُ الْمَعِيشَةِ)) کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے یعنی کمانا اور محنت کرنا اس میں معیشت کا آدھا انتظام ہے اور آدھا انتظام میانہ روی سے خرچ کرنے میں ہے اپنی ذات پر اور اپنی آل اولاد پر والدین و اقرباء پر خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے ہاں جن کا توکل بہت بڑھا ہوا ہے اور نیکیوں میں بیک وقت پورا یا آدھا مال خرچ کرنے میں ان کی اپنی ذات کو بھی تکلیف محسوس نہ ہو اور نفقات مفروضہ اور واجبہ کا کسی طرح حلال انتظام ہو سکتا ہو تو ایسے حضرات اللہ کی راہ میں پورا مال بھی خرچ کر سکتے ہیں جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پورا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا جب آپ نے ان سے پوچھا کہ گھردالوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ یعنی ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کافی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۰۶)

ساتویں صفت:

عباد الرحمن کی ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے یعنی وہ شرک نہیں ہیں تو حید خالص اختیار کئے ہوئے ہیں۔

آٹھویں صفت:

اور آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ہاں اگر قتل بالحق ہے شریعت کے اصول کے مطابق ہے مثلاً اگر کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے یا کسی زانی کو رجم کرنا پڑے تو اس کی وجہ سے قتل کر دیتے ہیں۔

نویں صفت:

یہ بیان فرمائی کہ وہ زنا نہیں کرتے اس کے بعد فرمایا: یَفْعَلَنَّ ذَلِكَ يَتَّقِيَ أَكْثَمًا (اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اثام کی یہ تفسیر حضرت قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر جزا سے کی ہے اور ابو مسلم کا قول ہے کہ اثام گناہ کے معنی میں ہے اور مصنف مخدوف ہے یعنی ملحق جزاء اثام اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اثام جہنم کے اسماء میں سے ہے يَضَعُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (اس کے لیے قیامت کے دن دہرا عذاب بڑھتا چلا جائے گا) یعنی عذاب پر عذاب بڑھتا رہے گا۔ کہا فی ایہ اخری (وَحَنَاهُمْ عَذَابًا قَوِيًّا الْعَذَابِ) مزید فرمایا (وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا) (اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہے گا ذلیل کیا ہوا) یعنی عذاب بھی دائمی ہوگا اور اس کے ساتھ ذلیل بھی ہوگا اس عذاب سے کافروں کا عذاب مراد ہے کیونکہ انہیں کو دائمی عذاب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کے برابر تجویز کرے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں (اہل عرب تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے) سائل نے سوال کیا اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے (زنا تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے اور زیادہ گناہ گاری بڑھ جاتی ہے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ: (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ) (آخر تک) نازل فرمائی۔ (رواہ البخاری ص ۷۰۸)

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَبْدِلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا

إِلَّا مَن تَابَ اس استثناء سے معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک کے لیے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے جو بھی کوئی کافر قرعے توبہ کرے اس کی سابقہ تمام نافرمانیاں معاف فرمادی جائیں گی، حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور شرط یہ ہے کہ میری مغفرت ہو جائے آپ نے فرمایا: اما علمت یا عمر و ان الاسلام يهدم ما كان قبله (اے عمرو کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں)۔ (مسلم ج ۱ ص ۷۶)

یہ جو فرمایا کہ اللہ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھ دو لہذا اس سے کہا جائے کہ تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن ایسے ایسے کام کیے ہیں وہ اقرار کرے گا مگر نہ ہوگا۔ اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ بڑے گناہ باقی ہیں وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے

بدلہ اس کو ایک ایک نیکی دے دو یہ سن کر (خوشی کی وجہ سے اور یہ جان کر کہ ہر گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا بھی میرے گناہ اور باقی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ گناہ بھی پیش کیے جائیں اور ان کے بدلہ میں بھی ایک ایک نیکی دی جائے) یہ بات بیان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو ایسی ہنسی آئی کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں اُٹھ آ گئیں۔

(مشکوٰۃ المصابیہ، ۱/۱۹۱، (مسلم))

(مشکوٰۃ المصابیح من ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیمنا کو حسنا سے بدلنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے اور ہر گناہ کی جگہ ایک ایک نیکی کا ثواب دیدیا جائے یہ مطلب نہیں کہ گناہوں کو نیکیاں بنا دیا جائے گا۔ کیونکہ برائی کبھی اچھائی نہیں بن سکتی اور بعض حضرات نے یُبَيِّدُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ کا یہ مطلب لیا ہے کہ گزشتہ معاصی توبہ کے ذریعہ ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کی جگہ بعد میں آنے والی طاعات لکھ دی جائیں گی۔ کیا بشیر الیہ کلام کثیر من السلف (ذکر صاحب الرون) حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں مسجد نبوی سے عشا کی نماز پڑھ کر پلٹا تو دیکھا کہ ایک عورت میرے دروازے پر کھڑی ہے۔ میں اس کو سلام کر کے اپنے حجرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر کے نوافل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کیا چاہتی ہے؟ وہ کہنے لگی میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا۔ ناجائز حمل ہوا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہر گز نہیں۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی گئی، اور کہنے لگی افسوس، یہ حسن آگ کے لیے پیدا ہوا تھا۔ صبح نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ کر جب میں فارغ ہوا تو میں نے حضور ﷺ کو رات کا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا، غلط ابو ہریرہ تم نے جواب دیا، کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی: وَ الَّذِينَ لَا يَذْكُرُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ..... إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا؟ حضور کا یہ جواب سن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا۔ رات کو عشا ہی کے وقت وہ ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ وہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے میرے لیے معافی کا دروازہ کھولا۔ پھر اس نے گناہ سے توبہ کی اور اپنی لونڈی کو اس کے بیٹے سمیت آزاد کر دیا۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ احادیث میں ایک بوڑھے کا آیا ہے جس نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ، ساری زندگی گناہوں میں گزری ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا ارتکاب نہ کر چکا ہوں۔ اپنے گناہ تمام روئے زمین کے باشندوں پر بھی تقسیم کر دوں تو سب کو لے ڈوبیں۔ کیا اب بھی میری معافی کی کوئی صورت ہے؟ فرمایا کیا تو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ اس نے عرض کیا میں کو اہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا جا، اللہ معاف کرنے والا اور تیری برائیوں کو بھلائی سے بدل دینے والا ہے۔ اس نے عرض کیا میرے سارے جرم اور قصور؟ فرمایا ہاں، تیرے سارے جرم اور قصور۔ (ابن کثیر، بحوالہ ابن ابی حاتم)

عباد الرحمن کی دسویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ** (اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے) جھوٹ کے کاموں سے وہ تمام کام مراد ہیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں اور کسی شخص گناہ کا کام کرے اس کی ممانعت سب ہی کو معلوم ہے جن مواقع میں گناہ ہو رہے ہوں ان مواقع میں جانا بھی منوع ہے۔ مشرکین کی عبادت گاہوں میں ان کے تہواروں میں اور ان کے میلوں میں نہ جائیں۔ جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو، ناچ رقص کی محفل ہو، شراب پینے پلانے کی مجلس ہو، ان سب مواقع میں اللہ کے بندے نہیں جاتے، گواہی دینے سے گناہ میں شریک نہ ہوں لیکن جب اپنے جسم سے حاضر ہو گئے تو اول تو اہل باطل کی مجلس میں اپنی ذات سے ایک شخص کا اضافہ کر دیا، جبکہ برائی کی مجلسوں میں اضافہ کرنا بھی ممنوع ہے دوسرے ان مجالس میں شریک ہونے سے دل میں سیاہی اور قساوت آ جاتی ہے اور نیکیوں کی طرف جو دل کا ابھار ہوتا ہے اس میں کمی آ جاتی ہے اگر بارہا ایسی مجلسوں میں حاضر ہو تو نیکیوں کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور نفس برائیوں سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے بیاہ شادیوں میں آج کل بڑے بڑے منکرات ہوتے ہیں ٹی وی ہے وہی می آر ہے تصویر کشی ہے فلمیں بنانا ہے اور بھی طرح طرح کے معاصی ہیں ان میں شریک ہونے سے بچیں اور اپنے نفس اور روں کی حفاظت کریں یورپ اور امریکہ میں مسلمان دوڑ دوڑ کر جا رہے ہیں وہاں ہوٹلوں میں اور کافروں کی محفلوں میں دوستوں کی مجلسوں میں طرح طرح کے گناہ ہوتے ہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے تنگے ناچ بھی ہوتے ہیں ان سب میں حاضر ہونے سے اپنی جان کو بچانا لازم ہے ورنہ چند دن میں انہیں جیسے ہو جائیں گے۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔**

بعض حضرات نے **(لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ)** کا مطلب یہ لیا ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے یہ مطلب بھی الفاظ قرآن سے بعید نہیں ہے جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض روایات میں اسے اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے حضرت خرم بن فاک نے بیان کیا کہ ایک دن نماز فجر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے پھر آپ نے سورۃ الحج کی یہ آیت پڑھی: **(فَاجْتَنِبُوا الزِّجْسَ مِنَ الْاَوْتَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنْفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشِيرِيْنَ بِهِ)** (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو اس حال میں کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہو اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو۔) (رواہ ابوداؤد)

گیارہویں صفت:

عباد الرحمن کی گیارہویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا** (اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں) یعنی برائی کی مجلسوں میں شریک ہونا تو درکنار اگر کبھی لغو اور بے ہودہ مجلسوں میں اتفاق سے ان کا گزر ہو جائے تو بھلے مانس ہو کر گزر جاتے ہیں یعنی جو لوگ لغو اور بے ہودہ کاموں میں مشغول ہوں ان کے عمل کو نفرت کی چیز جانتے ہوئے ان پر نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بھلے آدمیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جو وہاں کھڑا ہو گیا وہ تو شریک ہو گیا اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شریر آدمی مجلس میں اندر

ارہوں مفت:

০৫২

نیرہویں صفحہ:

عباد الرحمن یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ: **وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا** (اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنادے) کوئی شخص متقیوں کا پیشوا اس وقت بن سکتا ہے جبکہ خود بھی متقی ہو دعا کا انحصار اسی پر نہیں ہے کہ ازواج و اولاد ہی متقی ہوں انسان خود بھی متقی بنے جب انسان خود متقی ہوگا اور اپنے تقوے کو وہ ہر جگہ کام میں لائے گا تو اس کی ازواج و اولاد اور احباب و اصحاب بھی متاثر ہوں گے اور اس کی دیکھا دیکھی تقوے پر آئیں گے اپنے خاندان اور کنبہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کا بھی پیشوا بننے کی سعادت حاصل ہوگی معلوم ہوا کہ تقوے کے ساتھ دینی پیشوا بننے کی خواہش رکھنا اور اس کے لیے دعا کرنا شرعاً مذموم نہیں بلکہ محمود ہے جب کہ کسی تقویٰ اور اخلاص ہو گا تو اس کی مشیخت اور ریاست اور امامت اس کے نفس میں تکبر پیدا نہ ہونے دے گی۔

أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۖ

عباد الرحمن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کا آخرت کا مقام بتایا: أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بالا خانے میں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے) اس میں الغرۃ جس کے معنی میں ہے سورۃ سہا میں فرمایا: (فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ يَتَأَخَّلَوْنَ) (سو یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے وہ ہری جزا ہے اور وہ بالا خانوں میں امن و امان کے ساتھ رہیں گے) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکدار تارے کو دیکھتے ہو جو مشرق یا مغرب کی افق میں دور چلا گیا ہو اور یہ فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ) یہ حضرات انبیاء کرام کے منازل ہوں گے ان کے علاوہ وہاں کوئی اور نہ پہنچے گا آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی۔

(رواہ البیہقی ص ۱۶۸)

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر ان کے باطن سے اور باطن ان کے ظاہر سے نظر آتا ہے اللہ نے یہ بالا خانے اس شخص کے لیے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرے اور کھانا کھلائے اور کثرت سے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۖ (یعنی یہ حضرات بالا خانوں میں آرام سے بھی ہوں گے اور معزز بھی ہوں گے ان کی بیش بہا نعمتوں کے ساتھ یہ بھی ہوگا کہ فرشتے انہیں زندگی کی وعادیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیں رکھے اور ہمیشہ کے لیے زندہ رکھے اور فرشتے سلام بھی کریں گے) جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے یوں کہیں گے کہ: (سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طَبَقُكُمْ قَدْ خُلِّقَ لَكُمْ) (تم پر سلام ہو، خوش عیش رہو سو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ)۔ (تفسیر انوار البیان)

قُلْ مَا يَعْبُدُوا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۖ

اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح اور سہل وہ ہے جس کو خلاصہ تفسیر میں اوپر لکھا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی وقعت و حیثیت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا نہ ہوتا۔ کیونکہ انسان کا تخلیق کا منشاء ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جیسے دوسری آیت میں ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی میں نے انسان اور جن کو اور کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یہ تو ایک عام ضابطہ بیان ہوا کہ بغیر عبادت کے انسان کی کوئی قدر و قیمت اور وقعت و حیثیت نہیں ہے اس کے بعد کفار و مشرکین جو رسالت اور عبادت ہی کے منکر ہیں ان کو خطاب ہے فَقَدْ كَذَّبْتُمْ، یعنی تم نے تو سب چیزوں کو جھٹلا ہی دیا ہے اب تمہاری کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا یعنی اب یہ تکذیب و کفر تمہارے گلے کا ہار بن چکے ہیں اور تمہارے ساتھ لگے رہیں گے یہاں تک کہ جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے چھوڑ دیں گے۔ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ۔

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ ۲۶ مَكِّيَّةٌ ۲۶ آيَاتُهَا ۱۱ رُكُوعَاتُهَا ۱۱

سورۃ شعراء کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی دو سو ستائیس آیتیں اور کیا رہ رکت ہیں

طَسَّمَ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ تِلْكَ أَىٰ هَذِهِ الْآيَاتُ أَيْتُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْإِصْفَاءُ بِمَعْنَى مِّنَ الْبَيِّنِ ۝ الْمُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ لَعَلَّكَ يَا مُحَمَّدُ بِاخْتِصَافِ نَفْسِكَ قَاتِلَهَا غَمَامٍ أَجَلٍ إِلَّا يَكُونُوا أَىٰ أَقْلَ مَنَكْةٌ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَعَلَّ هِنَالًا شَفَاقِ أَىٰ أَشْفَقَ عَلَيْهَا بِتَخْفِيفِ هَذَا النِّعَمِ إِنْ نَشَأَ نُزِّلَ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةٌ فَظَلَّتْ بِمَعْنَى الْمَضَارِعِ أَىٰ تُدْرِمُ أَعْنَاهُمْ لَهَا خُضْعِينَ ۝ فَيُؤْمِنُونَ وَلَمَّا وَصَفَ الْأَعْنَاءُ بِالْخُضُوعِ الَّذِي هُوَ لَا رَبَّابِيَّهَا جُمِعَتْ الصِّفَةُ مِنْهُ جَمَعَ الْعَقْلَ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ قُرْآنٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحَدَّثِ صِفَةٍ كَاشِفَةٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوا بِهِ فَسَيَاتِيهِمْ أَتْلُوبُوا عَوَاقِبَ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَوْ لَمْ يَرَوْا يُنظَرُوا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَثْبَتْنَا فِيهَا أَىٰ كَثِيرًا مِّنْ كُلِّ نَوْجٍ كَرِيمٍ ۝ تَرَوْعَ حَسَنِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۝ دَلَالَةٌ عَلَى كَمَالِ قُدْرَتِهِ تَعَالَى وَمَا كَانَ أَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ فِي عِلْمِ اللَّهِ وَكَانَ قَالَ مَسِيئَتِيهِ زَائِدَةٌ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ ذُو الْعِزَّةِ يَنْتَقِمُ مِنَ الْكَافِرِينَ الرَّحِيمِ ۝ يَرْحَمُ الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: طَسَّمَ ۝ (خدا تعالیٰ اس کی مراد کو جانتا ہے) یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) یہ کتاب مبین (یعنی قرآن کریم) کی آیات ہیں شاید کہ آپ (اے محمد) ان (کفار کہ) کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرنے کرتے) اپنی جان سے دیں گے (لعل مضمون شفقت کے اظہار کیلئے ہے۔ شفقت آنحضور کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کفار کی روش پر خود کو غم مضبوط میں نہ ڈالئے) ہم اگر چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں (اور وہ ایمان لے آئیں اور کیونکہ خضوع انسانوں کی صفت ہے اور آیت میں اسے گردن کی صفت بنا دیا گیا۔ اس لئے جمع

میں اہل عقل کی رعایت کی گئی) اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ لمہائش خدائے رحمن کی طرف سے ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں چنانچہ یہ جھٹلا رہے ہیں۔ پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی بوٹیاں لگائی ہیں۔ چنگ اس میں (توحید اور خدا تعالیٰ کے کمال قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔ لیکن (خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ) ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (سیبویہ نے کہا ہے کہ کان اکثر ہمہ میں کان زائد ہے) اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے (ان کفار سے انتقام لے کر رہے گا) اور رحمت والا ہے (مؤمنین کے حق میں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **بَاخِجْ**: بخج اصل میں ذبح کے وقت بخج نامی رگ تک پہنچنا۔ جو ریزہ کی ہڈی کے پاس ہوتی ہے۔
قولہ: **لَغَلَّ**: لغل: شفقت کے لئے ہے۔

قولہ: **آيَةً**: ایسی نشانی جو ایمان پر مجبور کر دے۔

قولہ: **فَقَلَّتْ**: یہ مضارع کے معنی میں ہے اور ماضی کی تعبیر ظلول کے پختہ طور پر تا۔

قولہ: **خُضِعْنَ**: مطیع ہیں خضوع یہ عقلاء کی صفت ہے۔

قولہ: **خَمَعَ الْعُقَلَا**: یعنی خاضعہ نہیں فرمایا بلکہ خاضعین فرمایا۔

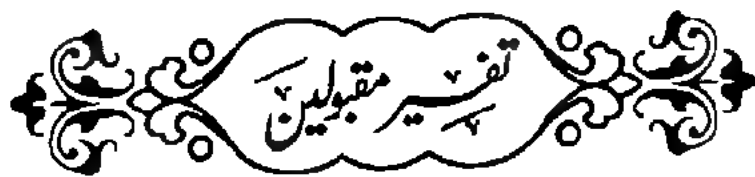
قولہ: **مُحَدِّثٌ**: نیا اتارا گیا تاکہ نصیحت بار دیگر ہو۔

قولہ: **عَوَاقِبُ**: وہ دنیا میں بدر کا دن ہو یا قیامت کے دن۔

قولہ: **إِلَى الْأَرْضِ**: یعنی زمین کے عجائب، الف لام عوض مضاف کے ہے۔

قولہ: **كِرِيمٌ**: بہت نفع بخش۔

قولہ: **فِي عِلْمِ اللَّهِ**: یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں اسی وجہ سے ان کو اس قسم کے بڑے نشانات کا بھی چنداں فائدہ نہیں ہوتا ہے۔



طسّم

اس سورت کے سب سے پہلے اور سب سے پچھلے رکوع میں قرآن اور رسالت کی حقانیت و صدق اور اس کے تعلقات کا ذکر ہے، اور ان کے منکرین کی توجیح اور عبرت کے لیے رکوع اول کے ختم پر بعض دلائل مثبتہ توحید کہ ایک جزو قرآنی ہے اور

سورت کے درمیان میں مکذبین رسول و احکام الہیہ کے بعض قصص مذکور ہیں۔ چنانچہ ہر قصہ میں آیت: ان فی ذالک لایح کا تکرار اس عبرت کے مقصود ہونے پر بطریق اصرح واضح دال ہے۔

بَلَاکَ الْاِثْمُ الْکَثِیْبُ النَّہِیْنِ ①

یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی اس کتاب کی۔ اور ایسی کھول کر بیان کرنے والی کتاب جس نے حق و باطل، صحیح و غلط، جائز و ناجائز اور کامیابی و ناکامی وغیرہ سب کو پوری طرح واضح کر دیا اور سب کچھ اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی نہ آئندہ کبھی ممکن ہے۔ لہذا اس قدر عظیم الشان نعمت اور ایسی بے مثال کتاب کی ان آیات کریمہ کو پوری توجہ اور انتہاک کے ساتھ اور دل کے کانوں سے سنو تا کہ تم لوگ اس کی برکات سے مالا مال ہو سکو۔ نیز یہ ایسی فصیح و بلیغ زبان میں ہے کہ اس نے اپنی دعوت کے ہر پہلو کو گونا گوں اسلوبوں سے اس قدر واضح اور ایدل و میر بن کر دیا کہ اس میں کسی بھی طرح کا کوئی خفا و غموض باقی نہیں رہ گیا۔ اور اس حد تک کہ یہ اپنی صداقت و ثابتیت کی خود دلیل اور گواہ بن گئی۔ اور ایسی کہ اس کے لیے کسی خارجی دلیل و شہادت کی کوئی ضرورت نہیں۔ سو اس کے باوجود جو لوگ کسی اور دلیل اور معجزے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ محض ہٹ دھرم ہیں۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ②

رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

علامہ بغوی معالم التنزیل ص ۳۸۱ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جب اہل مکہ نے تکذیب کی تو یہ آپ کو ثائق تر اور چونکہ آپ کو اس بات کی حرص تھی کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں اس لیے ان کی تکذیب سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ کو تسلی دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیت لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ نازل فرمائی (جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا کام کرتے رہنا ان کے غم میں آپ کو جان ہلاک کرنا نہیں ہے)۔

اِنْ کُنَّا نَزَّلُوْا عَلَیْہِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَآفُہُمْ لَهَا خَیْضِیْنَ ③

مکذبین کے لیے وعید:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل فرما دیں جسے یہ تسلیم کر لیں اور اس کی وجہ سے ان کی گردنیں جھک جائیں اور اس طرح سے جبراً و قہراً ایمان لے آئیں لیکن ایسا کرنا نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے تاکہ اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔

اس کے بعد مخاطبین کی عام حالت بیان فرمائی کہ جب بھی رخصت کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو قبول کرنے کے بجائے اعراض کرتے ہیں ان کے جھٹلانے اور آیات کا مذاق بنانے کا نتیجہ عنقریب ان کے سامنے آ جائے گا یعنی تکذیب اور استہزاء کی سزا پائیں گے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آنے والے عذابوں کو انباء سے تعبیر فرمایا جو نباء کی جمع ہے نباء خبر کے معنی میں آتا ہے چونکہ قرآن عظیم نے پہلے سے تکذیب و استہزاء کے عواقب کی خبر دی ہے اس لیے اَنْبِیَآءُ مَا کَانُوْا

وَ اذْکُورِیَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِکَ اِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوسٰی اٰیَلَةَ رَاٰی النَّارَ وَالشَّجَرَةَ اِنْ اٰیَ بَانَ اَتَتْ الْقَوْمَ
الظَّالِمِیْنَ ۝ رَسُوْلًا قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۝ مَعَهُ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْکُفْرِ بِاللّٰهِ وَبَنٰی اِسْرَآءِیْلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ اَلَا
الْهَمَزَةُ لِلْاِسْتِفْهَامِ الْاِنْکَارِیِّ یَقُوْنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ بِطَاعَتِهِ فِیْوَ حِدُوْنَهٗ قَالَ مُوسٰی رَبِّ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ
یُّکَذِّبُوْنِ ۝ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ مِنْ تَکْذِیْبِهِمْ لِّیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ بِاَدَاةِ الرِّسَالَةِ لِلْعُقْدَةِ الَّتِیْ فِیْہِ
فَارِیْسِلْ اِلٰی اٰخِیْ هُرُوْنَ ۝ مَعِیْ وَ لَهُمْ عَلٰی ذٰلِکَ بِقَتْلِی الْقَبِیْطِیْ مِنْهُمْ فَآخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝
قَالَ تَعَالٰی کَلَّا ۝ اٰیَ لَا یَقْتُلُوْکَ فَاذْهَبَا اٰیَ اَنْتَ وَ اَخُوْکَ فَفِیْہِ تَغْلِیْبُ الْحَاضِرِ عَلٰی الْغَآیِبِ بِاٰیَتِنَا اِنَّا
مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ مَا تَقُوْلُوْنَ وَ مَا یَقَالُ لَکُمْ اَجْرِیَا مَجْرٰی الْجَمَاعَةِ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَا اِنَّا اِنِّیْ کُلُّ
مِنَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِلَیْکَ اَنْ اٰیَ بَانَ اَرْسِلْ مَعَنَا اِلٰی الشَّامِ بَنٰی اِسْرَآءِیْلَ ۝ فَاْتِیَاہُ فَقَالَ
مَا ذَکَرْتَ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰی اَلَمْ تَرَ نَبِیَّکَ فِیْنَا فِیْ مَنَازِلِنَا وَلِیْدًا صَغِیْرًا قَرِیْبًا مِنْ الْوَلَادَةِ بَعْدَ فِطَامِہِ وَ
لِیْسَتْ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنِ ۝ ثَلَاثِیْنَ سَنَةً یَلْبَسُ مِنْ مَّلَآئِیْسَ فِرْعَوْنُ وَ یُرَکِّبُ مِنْ مَّرَاکِبِہِ وَ کَانَ
یُسَمِّیْ اِبْنَهُ وَ فَعَلَتْ فَعَلَتْکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ مِنْ قَتْلِ الْقَبِیْطِیِّ وَ اَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ اَلْجَاحِدِیْنِ لِنِعْمَتِیْ
عَلَیْکَ بِالْاِثْرِیَّةِ وَ عَدَمِ الْاِسْتِعْبَادِ قَالَ مُوسٰی فَعَلْتُهَا اِذَا اٰیَ حَبِیْبِدِ وَ اَنَا مِنَ الصَّآلِیْنَ ۝ عَنَّا اَنَّا
اَللّٰهُ بَعْدَهَا مِنَ الْعِلْمِ وَ الرِّسَالَةِ فَقَرَّرْتُ مِنْکُمْ لَمَّا خِفْتُکُمْ فَوَهَّبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا عَلِمًا وَ جَعَلَنِیْ مِنْ
الرُّسُلِیْنَ ۝ وَ تِلْکَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلٰی اَصْلُہُ تَمُنُّ بِہَا اَنْ عَبَدْتَ بَنٰی اِسْرَآءِیْلَ ۝ یٰۤاٰنَا لَیْلُکَ النِّعْمَةُ اِنِّیْ
اَتَّخَذْتُہُمْ عِبْدًا وَ لَمْ تَسْتَعْبِدْنِیْ لِاَنْعَمَ لَکَ بِذٰلِکَ لِظُلْمِکَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ وَ قَدَّرَ بَعْضُہُمْ اَوَّلَ الْکَلَامِ
هَمَزَةُ اِسْتِفْهَامِ لِلْاِنْکَارِ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمُوْسٰی وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الَّذِیْ قُلْتَ اِنَّکَ رَسُوْلُہُ اٰیَ اَنْ
شَیْءٌ هُوَ و لَمَّا لَمْ یَكُنْ سَبِیْلٌ لِلْخَلْقِ اِلٰی مَعْرِفَةِ حَقِیْقَتِہِ تَعَالٰی وَ اِنَّمَا یَعْرِفُوْنَهٗ بِصِفَاتِہِ اَجَابَ مُوسٰی عَلَیْہِ
الضَّلُوْۃَ وَ السَّلَامَ بِبَعْضِہَا قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا اٰیَ خَالِقُ ذٰلِکَ اِنْ کُنْتُمْ

بَارَأَنَّهُ تَعَالَى خَالِقُهُ فَاٰمِنُوْا بِهِ وَحْدَهُ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ لِمَنْ حَوَّلَكُمْ اَشْرَافَ قَوْمِهِ اِلَّا تَسْتَبْعُوْنَ ۝
 فَاَنذَرْتَهُ الَّذِیْ لَمْ یَطَاقِبِ السُّوْاَلُ قَالَ مُوْسٰی رَبِّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَهٰذَا اِنْ کَانَ دَاجِلًا فِیْمَا
 فَلَکَ یَنْتَظِرُ فِرْعَوْنُ وَلِلَّذِکَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمُ الَّذِیْ اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰی رَبِّ
 الشَّرِّقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ اِنَّهٗ کَذٰلِکَ فَاٰمِنُوْا بِهِ وَحْدَهُ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ
 لِمُوْسٰی لَیْسَ اَتَّخَذْتُ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ۝ کَانَ سِجْنُهُ اَشَدَّ یَدْبُحِیْسُ الشَّخْصِ
 فِی مَکَانَ تَجِبَتِ الْاَرْضُ وَحْدَهُ لَا یَبْصُرُ وَلَا یَسْمَعُ فِیْهِ اَحَدًا ۚ قَالَ لَهُ مُوْسٰی اَوْ کُوْا اِیَّیْ تَفْعَلُ ذٰلِکَ وَلَوْ
 کُنْتَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِیَّیْ بُرْهَانَ یَبِیْنُ عَلٰی رِسَالَتِیْ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ لَهُ فَاتِ بِهٖ اِنْ کُنْتَ مِنَ
 الصّٰدِقِیْنَ ۝ فِیْهِ فَالْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تُعْبَاکُ مُبِیْنٌ ۝ حِیَۃٌ عَظِیْمَةٌ وَنَزَعَ یَدَاهُ اٰخَرَ جَنَاحَیْنِ نَجِیْهِ
 فَاِذَا هِیَ بَیْضَاءُ ذَاتُ شُعَاعٍ لِلنَّظِیْرِیْنَ ۝ خَلَا فَمَا کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاُذْمَةِ

۲۲

تو کچھ بھابھ اور (اے محمد اپنی قوم سے اس قصہ کا ذکر کیجئے) اور جب آپ کے رب نے (آگ تلاش کرنے والی رات میں) موئی کو پکارا کہ تم (بحیثیت رسول) ظالم قوم یعنی فرعون کے پاس چلے جاؤ (فرعون کے ساتھ لگ کر اور خدا کے ساتھ کفر کر کے اور بنی اسرائیل پر جبر کر کے اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں) کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے (خدا تعالیٰ سے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا (موئیؑ نے) اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ اور میرا دل (ان کی تکذیب کی وجہ سے) تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (ادائیگی رسالت میں) اچھی طرح نہیں چلتی (اس لکنت کی وجہ سے جو میری زبان میں ہے) اس لئے (میرے بھائی) ہارون کے پاس وحی بھیج دیجئے (تاکہ وہ میرے لئے مددگار ثابت ہوں) اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے (قبلی کے مار ڈالنے کا) سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں (قتل کر سکتے) تم دونوں (یعنی تم اور تمہارے بھائی) ہمارے احکام لے کر جاؤ۔ یہاں بجائے غائب کے حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے) ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے (کہ تم کیا کہتے ہو اور اس کا جواب تمہیں کیا دیا جاتا ہے۔ صرف دو کیلئے جمع کا صیغہ تعظیماً لایا گیا ہے) سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں (تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں) تاکہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ (شام) جانے دو (انہوں نے حسب حکم یہ بات فرعون کو پہنچا دی۔ جس پر فرعون نے حضرت موئیؑ کو) جواب دیا کہ کیا ہم نے تمہیں بچپن سے (اپنے گھر میں) پرورش نہیں کیا تھا؟ (یہاں بچپن سے مراد شیر خوارگی کے بعد کا دور)۔

اور تم اپنی اس عمر میں برسوں ہم لوگوں میں رہا کئے (تقریباً تیس سال رہے۔ اور وہی معیار زندگی رہا جو

فرعون کا تھا اور اس انداز میں رہے جیسے فرعون کی اولاد ہوں) اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی جو کی تھی (یعنی قبلی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناشکرے ہو (میری نعمت کے بھی منکر ہو گئے۔ جو ہم نے زمانہ تربیت میں تمہارے ساتھ کی تھی اور مثل اپنے بیٹے کے بنا کر رکھا تھا..... موسیٰ علیہ السلام نے) جواب دیا کہ واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے ناراضہ غلطی ہو گئی تھی۔ پھر جب مجھے ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے مفرور ہو گیا۔ پھر میرے رب نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیغمبروں میں شامل کر دیا اور یہی وہ احسان ہے جس کا بار تو مجھ پر رکھ رہا ہے (اصل میں عبارت فمن بہا تھا، با حرف جر کو حذف کر کے ضمیر کو فعل کے ساتھ متصل کر دیا) کہ تو نے بنی اسرائیل کی سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے (یعنی کیا تمہارا یہی احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ اگرچہ تم نے میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا۔ لیکن ان بنی اسرائیل کو غلام بنانا اور مجھے آزاد چھوڑ دینا یہ میرے لئے کوئی انعام نہیں ہے اور بعض لوگوں نے تلک سے پہلے ہزار استفہام انکاری کو محذوف مانا ہے۔ فرعون نے (حضرت موسیٰ سے) کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے (یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ تم خدا کے رسول ہو تو یہ بتلاؤ کہ آخروہ کیا چیز ہے؟ اور یہ کہ اب تک لوگوں کو اس کی حقیقت کی معرفت کیوں نہ ہو سکی جب کہ صرف اس کی صفات کی لوگوں کو اطلاع ہے اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا۔ اگر تم کو یقین حاصل کرنا ہو کہ (ان چیزوں کا خالق خدا ہے تو صرف خدا پر ایمان لاؤ۔ جس پر فرعون نے) اپنے ارد گرد والوں (معزز ترین قوم) سے کہا کہ تم لوگ کچھ سنو ہو کہ (سوال کچھ جواب کچھ موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا (اگر یہ جواب حضرت موسیٰ کے پہلے جواب یعنی خدا پروردگار ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس میں آچکا تھا، مگر موسیٰ کے اس جملہ نے فرعون کے غیظ و غضب کو بڑھا دیا اور اس نے) کہا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: بَانَ: یہ ان مصدر یہ ہے۔

قوله: قَوْمَ فِرْعَوْنَ: یہ پہلے قوم سے بدل ہے۔ معہ کہہ کر۔

قوله: مَنَعَهُ: یعنی قوم فرعون پر اکتفاء تو مزعون بدرجہ روئی اس کا مقدار تھا۔

قوله: وَلَا يَنْطَلِقُ: یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بہانہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں جو چیز معاون بنے اس کا

طلب اور اپنے اعذار کی تمہید ہے زبان کی رکاوٹ دعوت میں محل نہ بنے اور دلیل منقطع نہ ہو جائے۔

قوله: عَلَى ذَنْبٍ: اس کو قبلیوں کے بقول ذنب سے تعبیر کر دیا۔

قولہ: اَنْ يَفْتَنُوْنَ: متوقع تکلیف کا ذکر کیا کہ کہیں اداء رسالت سے پہلے ہی قتل نہ کر ڈالیں۔

قولہ: مُسْتَبْعُون: اللہ تعالیٰ نے اپنی اولیاء کی امداد کے وعدہ کو پورا کرنے میں مبالغہ کا طریق اختیار فرمایا ہم غور سے نہاری بات سن رہے ہیں اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو جماعت کے قائم مقام قرار دیا۔

قولہ: عَلَيْنَا: رسول کا لفظ ہر ایک کی خبر ہے۔

قولہ: بِأَنْ أَرْسِلَ: میں ان مصدر یہ ہے۔

قولہ: فَرِيقًا مِنَ الْوَلَدَةِ: یہ ولید کہنے کی وجہ بتلائی۔

قولہ: بِنَايِينَ سَنَةً: آپ فرعون کے ہاں ابتدائی تیس سال رہے۔

قولہ: اَنْ عَجَبْتَ: یہ عمل رفع میں محذوف مبتداء کی خبر ہے یا اس کی نعمت کا بدل ہے۔

قولہ: اَشْفَقْنَا مِنْ لِبَاسِكَ: یہ وہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تو نے میری قوم کو غلام بنا رکھا۔

قولہ: فَنُوسِي: موسیٰ علیہ السلام نے ایسی دلیل کی طرف رجوع کیا جس میں وحم کا امکان نہیں اور مصدر حکیم کی طرف احتیاجی میں کوئی شک نہ ہو اور وہ دونوں دلائل دیکھنے والے کی نگاہ میں زیادہ واضح ہوں۔

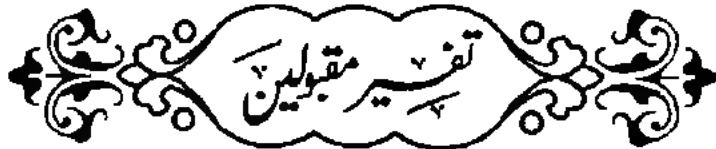
قولہ: لَهْجَتُونَ: یعنی میں اس سے اور سوال کرتا ہوں اور وہ اور جواب دیتا ہے۔ فرعون نے بطور تمسخر رسول کہا۔

قولہ: اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ: یعنی اگر تم میں ذرا عقل ہے تو اس سے بہتر تمہارے لیے کوئی جواب نہیں۔

قولہ: اَوْ اَكُوْا: وادو حال یہ ہے اس پر فعل کو حذف کے ہمراہ آ گیا۔ اتفعل ذلك ولو۔

قولہ: نَعْبَانُ مُبِينٍ: جس کا سانپ ہونا ظاہر تھا۔

قولہ: ذَاتُ شُعَاعٍ: قریب تھا کہ وہ روشنی آنکھوں کو ڈھانپ لے اور افق کو بلند کر دے۔



وَلِيْذِ نَادَى رَبُّكَ مُؤْتَسِي اِنْ اَنْتَ اِلَّا قَوْمٌ ظٰلِمِيْنَ

ووقت بھی یاد کرو کہ جب موسیٰ کو آپ کے رب کی طرف سے حکم ہوا کہ تم جاؤ ظالموں کے پاس یعنی قوم فرعون کے پاس۔ اس انداز و اسلوب سے معلوم ہوا کہ ظلم اور ظالمت میں وہ لوگ اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ ظلم ان کا اصل لقب اور ناسل بن گیا تھا۔ اس لیے پہلے ان کو ظالم فرمایا گیا اور پھر قوم فرعون کہہ کر ان کی تعین و تشخیص فرمائی گئی۔ اور ان کا یہ ظلم بھی ظلم بالائے ظلم تھا کہ ایک طرف تو وہ کفر و شرک کے ارتکاب سے خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے اور راہ حق سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے لاکتے اور محروم کر رہے تھے۔ بہر کیف جب حضرت موسیٰ کو مدین سے واپسی کے دوران وادی ذی طویٰ میں نبوت سے نوازا گیا تو ان کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آپ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ جو کہ ظلم کا نشان اور اس کا عنوان بن چکے ہیں۔ سو ان

کے پاس جا کر ان کو پیغام حق پہنچاؤ تاکہ وہ ظلم سے باز آجائیں
قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝

اطاعت کے لیے معاذوں اسباب کی طلب یہاں نہ جونی نہیں:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝ وَلَا يَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۝ وَكَهْنُهُمْ
ذُنُوبٌ قَالَتْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۝ ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی حکم کے بجالانے میں کچھ ایسی چیزوں کی درخواست
کرنا جو تعمیل حکم میں مددگار ثابت ہوں کوئی بہانہ جونی نہیں بلکہ جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پاکر اس کی
بجاء آوری کو اہل اور مفید کرنے کے لیے خدائے ذوالجلال سے درخواست کی۔ لہذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے حکم خداوندی کو بلا توقف بسر و چشم قبول کیوں نہ کیا؟ اور توقف کیوں فرمایا؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا وہ
تعمیل حکم ہی کے سلسلہ میں کیا۔

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا أَوَّاهُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم:

فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبلی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل
ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃ اور قصد سے نہ تھا بلکہ اس قبلی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لیے گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک
ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا
مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبلی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے۔ اس معنی کی تائید حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایات سے
بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ
گمراہ کرنا درست نہیں۔ (تفسیر معارف القرآن) (مستفیج)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکالمہ: دربارہ ربوبیت خداوند کون

فرعون اس گفتگو میں ذلیل و خوار ہوا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول: انا رسول رب العالمین۔ یعنی ہم دونوں انہ
رب العالمین کے پیغمبر ہیں یعنی ان کے دعوائے نبوت پر اعتراض شروع کیا۔ اور اللہ رب العالمین کی ربوبیت میں جھگڑاگانے
لگا چنانچہ فرعون بولا اچھا بتاؤ کہ وہ رب العالمین جس کے رسول ہونے کا تو مدعی ہے وہ کیا چیز ہے وہ کون ہے اور کیا ہے تمہارا
دعویٰ یہ ہے کہ ہم رب العالمین کے رسول مرسل ہیں یعنی اس کے فرستادہ ہیں لہذا تم کو چاہئے کہ اول اپنے مرسل (بیجے والے
پروردگار) کو بتلاؤ کہ وہ کون ہے اور کیا چیز ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کی طرف
اس لیے اس لعین نے پہلے رب العالمین کے متعلق سوال شروع کیا کہ اول تو تم اس کی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کرو تمہاری
نبوت اور رسالت کے بارے میں تو بعد میں غور کیا جائے گا۔

فرعون دہریہ تھا برے سے خدا کے وجود کا منکر تھا وہ یہ کہتا تھا۔ ما علمت لکم من الہ غیری۔ میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا اور انا دیکھ الا علی میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ تمام ملک کے باشندے میرے من میں ہیں لہذا میں ہی تمہارا خدا ہوں۔ فرعون دہریہ (منکر خدا) تھا کسی خدا اور خالق کا قائل نہ تھا اس احمق نے خدا کے متناہیہ کھڑے تھے۔ کہ لوگ جس کے محتاج ہوں وہی انکا خدا ہے جابلوں کو یہ باور کرایا کہ ملک کا جو بادشاہ اور فرمانروا ہے وہی راعیا کا رب اعلیٰ ہے۔ کما قال تعالیٰ: فاستخف قومہ فاطاعوہ۔ فرعون دہریہ تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان و زمین اور یہ تمام عالم قدیم ہے ازل سے ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلا آ رہا ہے اور ابد الابد تک اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور عالم میں موت اور حیات اور تغیرات جو سلسلہ جاری ہے وہ کو اکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے کسی قادر مختار کی قدرت اور ارادہ کو اس میں دخل نہیں زمانہ حال کے جدید فلاسفہ بھی اسی کے قریب قریب یہ کہتے ہیں کہ نوعات عالم مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت قدیمہ کاثرہ اور نتیجہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خیال خام کا رد فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا: وما رب العلمین۔ رب العالمین کیا چیز ہے اور وہ کون ہے اور اس کی حقیت کیا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العلمین جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مربی اور مدبر ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کر لو کہ جو میں نے کہا ہے وہ بالکل حق ہے کہ جو ذات عالم علوی اور عالم سفلی اور ان کے درمیان کائنات کی خالق اور مربی اور مدبر اور متصرف ہے وہی ذات رب العلمین ہے تم کو یقین ہے کہ یہ تمام اشیاء تمہارے سامنے موجود ہیں اور نہایت بڑے بڑے اجسام ہیں اور کسیت اور کیفیت اور صفت اور حاست کے اعتبار سے چابت درجہ مختلف ہیں اور یہ تمام اجسام اس قدر عظیم اور جسام ہیں کہ ان کے اجزاء کی شمار عقلا محال معلوم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا بے شمار اجزاء خود بخود دل کر خود بخود آسمان و زمین اور انسان اور حیوان بن گئے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ہر مرکب شے کے لیے کوئی مرکب (ترکیب دینے والا چاہئے) پس جس ذات نے ان بے شمار اجزاء کو ترکیب دے کر اس عالم علوی اور سفلی کو بنایا اور جو ان میں متصرف ہے وہی رب العلمین ہے اور اے فرعون تو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے تیرا رب ہونا عقلا محال ہے۔ فرعون نے خدا کی جنس اور ماہیت سے سوال کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کی صفات اور آثار قدرت سے جواب دیا اس لیے فرعون یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ فرعون چونکہ وجود صانع کا قائل نہ تھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ وما رب العلمین۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔

فرعون کا جواب:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر اپنے پاس والوں سے بطور تمسخر کہنے لگا کہ سنتے بھی ہو کہ کیا جواب ہے اور یہ شخص کیا کہتا ہے بڑی عجیب بات کہہ رہا ہے کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے اس شخص کا زعم یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی کوئی رب ہے حالانکہ آسمان اور زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ سے اسی طرح چلے آئے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے اور حرکت

کرتے رہیں گے اس کے لیے رب اور صانع کی ضرورت نہیں اور عالم کی تغیرات اور انقلابات نجوم اور کواکب کی حرکات مختلف کے آثار ہیں اس لیے عالم کے لیے مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ کا مذہب ہے۔ فرقہ دہریہ کا مذہب یہ ہے کہ آسمان اور زمین سب قدیم ہیں اسی طرح فرعون نے اپنے ارکان دولت سراپا جہالت سے کہا کہ کیا تم لوگ غور سے نہیں سننے کہ یہ شخص آسمانوں اور زمین کا رب بتلاتا ہے حالانکہ آسمان و زمین سب قدیم ہیں انکا کوئی رب نہیں۔ یا کم از کم اب تک ہمارے نزدیک آسمان و زمین کا کسی رب اور کسی مدبر اور مؤثر کی طرف محتاج ہونا ثابت نہیں ہوا۔ دیکھو تفسیر مظہری ص ۶۰ ج ۷۔ جدید فلاسفہ اور قدیم فلاسفہ دونوں گروہ عالم کے قدیم ماننے میں شریک اور متفق ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم کو مغالطہ دینے کے لیے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا یہ مغالطہ نہ چل سکے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کے جواب میں یہ کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے آسمان و زمین کے بارے میں تو فرعون کا مغالطہ کچھ چل گیا کہ آسمان و زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ ایک حال پر چلے آ رہے ہیں انہیں کسی رب اور کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ لوگوں کو زمین و آسمان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں کہ کب پیدا ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دوسری بار ایسی دلیل پیش کی کہ جس میں ارکان دولت کو اور کسی سننے والے کو شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس لیے دوسری بار یہ فرمایا کہ رب العالمین وہ ذات ہے کہ جو تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے اس لیے کہ یہ امر مشاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ نہ فرعون تھا اور نہ اس کی قوم کا وجود تھا اور نہ ان کے آباؤ اجداد کا وجود تھا یہ تمام آباؤ اجداد اول پیدا ہوئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر گئے۔ آسمان اور زمین کی طرح آباؤ اجداد کو تو قدیم نہیں کہا جاسکتا اور نہ کوئی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین کی طرح آباؤ اجداد بھی قدیم ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے تھے اور چند روز اس دنیا میں رہے اور اپنے وجود کی مدت پوری کر کے پھر پردہ عدم میں جا چپے اور زمین میں دفن ہو گئے۔

لہذا آباؤ اولین کا قدیم اور واجب الوجود ہونا تو عقلاً بھی محال ہے اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے ان سب کا عدم کے بعد وجود میں آنا اور پھر چند روزہ وجود کے بعد عدم وجود میں چلے جانا سب کی نظروں کے سامنے ہے جس کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فنا اور زوال کی ہے پس جس چیز کا حدوث اور فنا و زوال نظروں کے سامنے ہو اس کو قدیم اور واجب الوجود سمجھنا کھلی ہوئی حماقت ہے، آسمان و زمین کا حدوث اور انکافاء و زوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان و زمین کو تو ظاہر میں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی لیکن آباؤ اجداد کا حدوث اور فنا و زوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی نادان سے نادان بھی آباؤ اجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانے میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چند روز بعد آباؤ اولین کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس برتے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ

دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور حی لا یموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فناء کا کہیں گز نہیں اسے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ نو مینے تو نے مادر شکم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباؤ اجداد کی طرح مرکز زمین میں دفن ہونے والا ہے تو پھر تو رب کیسے ہو سکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دائرہ سلطنت مصر سے باہر نہ تھا۔ اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلا رہا ہوں اس کی حکومت و سلطنت کا دائرہ مشرق و مغرب کو محیط ہے۔

غلامہ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ جس کا تو انکار نہیں کر سکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہئے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباؤ اجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آگئے پس اسے فرعون جزا ت تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العالمین ہے اور اسے فرعون تو اور تیرے آباؤ اجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لے کر مرنے تک عجیب و غریب تغیرات ان کو لاحق ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود بلا کسی مرکب (ترکیب دہندہ) کے خود بخود مرکب ہو گئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبہ کے لیے کوئی مرکب چاہیے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغير چاہیے اور ان تاثرات کے لیے کوئی مؤثر چاہیے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباؤ اجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیری اور تیرے آباؤ اجداد کی موت و حیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباؤ اجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان و زمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفہ جدیدہ یہ کہتا ہے کہ زمانے کے تنوعات اور تغیرات مادہ اور ایٹم کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کا جواب :-

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب حکمت تاب سن کر گھبرا اٹھا اور اس کو ڈر ہوا کہ اس دلیل کو سن کر میری قوم شک میں نہ پڑ جائے تو اپنے حاشیہ نشینوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنا رعب جمانے کے لیے جھٹا کر یہ بولا کہ اے لوگو بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یعنی جو اپنے آپ کو رب العالمین کا رسول بتاتا ہے یہ یقین جانو کہ وہ بلاشبہ دیوانہ اور باؤلا ہے۔ اس کی بات پر کان نہ دھرنا۔ حالانکہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقل الناس ہو اور یہ شخص تو بالکل مجنون ہے اور بے عقل ہے کہ موت اور حیات کو اور حوادث زمانہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ نموت و نحیا و مایہلکنا الا الدھر۔ یعنی موت اور حیات کا سلسلہ قدیم سے اسی طرح چلا آ رہا ہے اور یہ سب زمانے کے تنوعات اور تغیرات اور انقلابات ہیں

جو کواکب اور نجوم کی تاثیر سے اور بقول جدید فلاسفہ مادہ اور ایٹم کی مدرجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں اور یہ دیوانہ ان تمام تغیرات اور تنوعات کو خدا کی طرف نسبت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا جواب:

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص تو کواکب اور نجوم کی تاثیر پر شید اور فریفتہ ہے اور کواکب اور نجوم کی حرکات کو تغیرات عالم کی علت سمجھتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اب تیسری حجت پیش کی کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے تمام درمیانی چیزوں کا یعنی رب العالمین وہ ہے کہ جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے اور طلوع اور غروب کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب سب اس قادر حکیم کی تقدیر محکم سے ہے جس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ نادان سے نادان بھی ان حوادث یومیہ کو قدیم یا العرض اور قدیم یا الزمان کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو سمجھ لو کہ یہ فرعون جو مدعی ربوبیت بنا ہوا ہے ایک محدود خطہ زمین کا فرمانروا ہے جس کا حکم مدین میں بھی نہ چلتا ہو یہ کیسے رب ہو سکتا ہے۔ رب العالمین تو وہ ہے کہ جس کے حکم سے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو اس کا عکس کر کے دکھلا دے یا کم از کم طلوع اور غروب کے موجودہ نظام میں کچھ تغیر و تبدل ہی کر کے دکھلا دے عقل کی بات تو یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور تم ایسے بے عقل اور جاہل ہو کہ بتلانے اور سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے مقابلہ میں یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں یہ فرمایا تھا۔ فان الله ياتى بالشمس من المشرق فات بها من المغرب فبهت الذي كفر۔ جدید فلسفہ یہ کہتا ہے کہ عالم کے انقلاب اور تغیرات مادہ کے ذرات بیضہ کی دائمی حرکت اور باہمی امتزاج کے سبب سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ قول بھی فرعون کے قول سے ملتا جلتا ہے دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور معسر و راسہ اور ظالمانہ تہدید:

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر حیران اور دنگ رہ گیا اور گھبرا اٹھا اور دیکھا کہ میں اس حجت اور برہان کے جواب سے بالکل عاجز ہوں تو اپنی سلطنت کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام کو دھمکا نا شروع کیا اور یہ گمان نہ کیا کہ اس مفرد و انہ تہدید سے عزت قاہرات کے ظہور کا دروازہ کھلے گا اس لیے فرعون جب حضرت موسیٰ کی حجت قاہرہ کے جواب سے ناامید ہوا تو بولا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے بنا دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو خدائی جیل خانہ (جہنم) سے ڈراتے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قید خانہ سے ڈرایا۔ فرعون کا جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون نے ایک تنگ و تاریک جیل خانہ بنایا تھا کہ جو اس میں ڈالا جاتا تھا وہ وہیں مرجاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کو جیل میں قیدیوں کو ڈال کر اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ اس میں مرجاتے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا فرعون کا یہ جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کے جواب سے عاجز ہوا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

چو حجت نہانہ جفا جوئے را۔ بہ بد خاش برہم کشد روئے را

جیل خانہ کی دھمکی سے فرعون کا مقصد اپنی ربوبیت کی دلیل بیان کرنا ہے کہ چونکہ میں جیل خانہ میں ڈالنے پر قادر ہوں اس لیے میں تمہارا خدا اور رب اعلیٰ ہوں۔ سبحان اللہ کیا دلیل ہے جیل خانہ سے الوہیت اور ربوبیت تو ثابت نہیں ہو سکتی البتہ جہالت اور حماقت خوب ثابت ہو جاتی ہے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دھمکایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ دلائل ربوبیت تو آپ نے سن لیے۔ اب دلائل رسالت سنیے اور اپنے اس فیصلہ میں ذرا جلدی نہ کیجئے کیا آپ مجھے جیل خانہ میں ڈال دیں گے اگرچہ میں تیرے پاس ایسی واضح اور روشن چیز لیکر آیا ہوں جس سے صاف طور پر میری صداقت ظاہر ہو جائے اور رب العالمین کی ربوبیت اور الوہیت ظاہر ہو جائے تو کیا پھر بھی تیرا یہی فیصلہ رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں نرمی برتی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی تاکہ الوہیت اور ربوبیت کے مسئلہ کے بعد نبوت و رسالت کے مسئلہ میں مکالمہ اور مناظرہ کا دروازہ کھلے اور پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی وہ حجت اور برہان سے مغلوب اور مقہور ہو جائے اور کم از کم دل سے ماننے پر تو مجبور ہو جائے اس لیے فرمایا: او لو جئتک بشی مبین۔ اس جواب کے بعد یعنی کیا اگر میں اپنی رسالت کی کوئی روشن دلیل تیرے سامنے پیش کروں تو کیا تو میری رسالت کو قبول کرے گا۔ فرعون شرما کر بولا کہ اچھا وہ روشن دلیل لا اگر تو جہوں میں سے ہے اگر روشن دلیل سے تیری صداقت ظاہر ہو جائے تو ہم تجھے قید نہیں کریں گے پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت ثابت کرنے کے لیے دو معجزے دکھلائے ایک معجزہ عصا اور دوسرا کرشمہ ید بیضا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ پس وہ ڈالتے ہی صاف اور صریح اثر دہا تھا۔ یعنی حقیقتہ اور بلاشبہ اثر دہا بن گیا جب وہ عصا سانپ بن کر ہرانے لگا فرعون اور تمام درباری حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پیشاب پاخانہ بھی خطا ہو گیا۔ دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی موسیٰ نے ازراہ حطوف اپنے عصا کو زمین سے اٹھالیا تو وہ پہلے کی طرح پھر عصا ہو گیا۔ اس کے بعد جب ہوش و حواس کچھ واپس آئے تو بولا کیا اس کے سوا اور بھی کوئی معجزہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھلایا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک دوسرا معجزہ دکھلایا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالتا تو ناگاہ وہ سپید اور روشن تھا دیکھنے والوں کے لیے جس کو سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ آفتاب اور مانتاب کی طرح روشن ہے۔ فرعون اور اس کے درباری یہ دونوں معجزے دیکھ کر دم بخور ہو گئے۔

معجزہ عصا اہل کفر اور اہل معصیت کی تنبیہ کے لیے تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں کافروں کو اثر دہاؤں سے گا اور معجزہ ید بیضا یہ موسیٰ کی نورانیت کا نمونہ اور کرشمہ دکھلانے کے لیے تھا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اس کو آفتاب کی روشنی کس طرح دکھائی دے۔ معجزہ عصا، معجزہ تہر تھا اور معجزہ ید بیضا معجزہ نور اور معجزہ مہر تھا۔ لم يجعل الله له نورا افما له من نور۔

قَالَ فِرْعَوْنُ لِلْمَلِكِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿٥٦﴾ فَأَتَيْنَا فِي عِلْمِ السَّحْرِ يُورِثُ أَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ أَخْرِأْمُرَهُمَا وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ خَشِرِينَ ﴿٥٨﴾

جَامِعِينَ يَأْتُونَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلَيْهِمْ ۝ يَفْضُلُ مُوسَىٰ فِي عِلْمِ السِّحْرِ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَهُوَ وَفَتْ الصُّخَىٰ مِنْ يَوْمِ الزَّيْنَةِ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَبِعُونَ ۝ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ الْإِسْتِفْهَامُ لِلْحَبِّ عَلَى الْاجْتِمَاعِ وَالتَّرَجُّعُ عَلَى تَقْدِيرِ عَلَيْهِمْ لِيَسْتَمِرُّوا عَلَى دِينِهِمْ فَلَا يَتَّبِعُوا مُوسَىٰ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ تَيْنٌ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ الْفِ بَيْنَهُمَا عَلَى التَّوَجُّهِ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنِّي إِذْ أَجِئْتُكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ بَعْدَ مَا قَالُوا لَهُ إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ وَإِنَّا أَن تَكُونُ نَحْنُ الْمَلْفِينَ الْقَوَامَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝ فَلَا مُرْمِيَهُ لِلْأَذُنِ بِتَقْدِيمِ الْقَائِمِ تَوْسُلًا بِهِ إِلَى إِظْهَارِ الْحَقِّ فَالْقَوَا جِبَالَهُمْ وَعَصِيَّتُهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝ فَالْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ بِحَذْفِ إِحْدَى الثَّانِيَةِ مِنَ الْأَصْلِ تَبْلِغُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ يَقْبِضُونَهُ بِتَمَوُّبِهِمْ فَيَتَخَيَّلُونَ جِبَالَهُمْ وَعَصِيَّتَهُمْ أَنَّهَا حَبَاتٌ تَسْغَى فَالْقَى السَّحَرَةُ سِجْدِينَ ۝ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝ لَعَلَّيْهِمْ بَانَ مَا شَاهَدُوهُ مِنَ الْعَصَا لَا يَتَأَثَّرُ بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ أَمَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ تَيْنِ وَابْتِدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَا لَهُ لِمُوسَىٰ قَبْلَ أَنْ أَذِنَ لَكُمْ ۝ إِنَّهُ لَكَيْدٌ كَرِيمٌ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۝ فَتَلَمَّكُمْ شَيْقَاقِيَّتُهُ وَغَلَبَكُمْ بِأَخَرٍ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَا يَتَاكُم مِّنِّي لَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَارْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافِ أَيْ يَذْ كُلِّ وَاحِدٍ الْيَمْنَىٰ وَرِجْلُهُ الْيُسْرَىٰ ۝ وَأَوْصَلْتُكُمْ أَجْعِلُنَّ ۝ قَالُوا لَا صَبْرَ ۝ لَا صَبْرَ عَلَيْنَا فِي ذَلِكَ إِنَّكَ إِلَىٰ رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا بَائٍ وَجْهٌ كَانَ مُنْقَلِبُونَ ۝ رَاجِعُونَ فِي الْآخِرَةِ إِنَّا نُنْطَمِعُ ۝ تَرَجُّؤَانِ أَنْ يَغْفَرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَتَنَا أَنْ أَيْ بَانَ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فِي رِوَايَاتِنَا

تَرَجُّؤُهُمْ: (جس پر فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جس کے آس پاس تھے کہا کہ یہ بڑا جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملکوں سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ سو اب کیا کہتے ہو؟ درباریوں نے کہا کہ آپ اسے اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے۔ اور شہروں میں ہر کاروں کو بھیج دیئے کہ وہ ماہرین جادو گروں کو جمع کر کے آپ کے پاس لے آئیں (جو حضرت موسیٰ سے سحر کا زیادہ جاننے والا ہو) چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے

اور عید کے دن چاشت کا وقت تھا) لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں (هل انتم مجتمعون في استفهام در اصل لوگوں کو متعینہ جگہ پر جمع ہونے کیلئے اکسانا اور برا بیختہ کرنا ہے۔ اسی طرح لعننا لتبع السحرة میں ان جادوگروں کی اتباع مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان کی کامیابی کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے چھٹکارا اور اپنے دین پر جمار ہنا مراد ہے اسی کو کنایہ ساحروں کی اتباع سے تعبیر کر دیا) پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کوئی بڑا انعام ملے گا؟ (آئن میں ایک زنت دونوں ہنزہ کے باقی رکھنے کا اور ایک قرأت ہنزہ کو حذف کر دینے کا ہے۔ فرعون نے) کہا کہ ضرور اور اس صورت میں تم ہمارے مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا (جب کہ انہوں نے موسیٰ سے سواں کیا کہ ہم پہلے ڈالیں یا تم پہلے ڈالو گے) کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو (امر کا صیغہ یہاں حکم کیلئے نہیں بلکہ ان لوگوں کو اپنی کارروائی کو ابتداء دکھانے کی اجازت کیلئے ہے تاکہ اظہار حق ہو سکے)۔ سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔ سو وہ ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو نکلنے لگا (جو انہوں نے فریب کاری اور طمع سازی کر کے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زندہ ساہنوں کی صورت میں دکھایا تھا) سو (یہ دیکھ کر) جادوگر سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے (غالباً اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جادوگروں نے جو حضرت موسیٰ کے معجزے کو دیکھا تو انہیں یقیناً آگیا کہ یہ کرتب جادو کے ذریعہ ممکن نہیں فرعون) کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اس نے تمہیں جادو کے کچھ حصے سکھائے اور بعض داؤ چھپا رکھے تھے جس کے ذریعہ اب اس نے تمہیں مغلوب کیا) اچھا تو تمہیں ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔ جادوگروں نے کہا کچھ حرج نہیں (تم جس طرح چاہو ہمیں مار ڈالو۔ مرنے کے بعد) ہم اپنے پروردگار کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اہل کی خطاؤں کو معاف کرے اس لئے کہ (اپنے دور میں) ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: فَاذْأَنَّا مَرْوُونَ: عظیم معجزہ کے غلبے نے اس کو دعویٰ ربوبیت بھلا دیا اور وہ قوم کے ساتھ مشورے پر اتر آیا۔
قوله: خَشِرِينَ: یہ صفت ہے اس کا موصوف مجذوف ہے۔ وہ اباحت کا مفعول ہے شرط جمع شرط۔
قوله: غَلَىٰ تَغْدِيرَ غَلْبِهِمْ: اصل مقصد اس بات سے اتباع موسیٰ علیہ السلام سے روکنا تھا پس کنایہ کے انداز میں بات کی۔

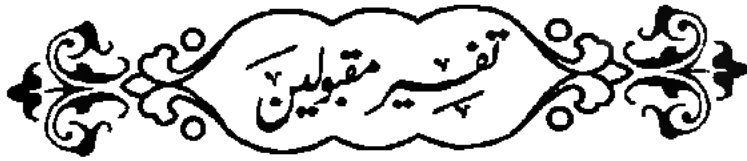
قوله: جِنْدُ: فرعون نے اکیلے مزدوری طے کر دی باقی قربت تو اس سے زائد تھی اگر ان کو غلبہ ملے۔ جواب کا تقاضا یہی ہے۔
قوله: فَلَا قُوَّةَ: یہ جادو کی اجازت نہیں بلکہ مقابلہ کے لئے طلبی تھی۔ باطل کو باطل کرنے میں موقع دینا ضروری تھا۔

قوله: قَالُوا آمَنَّا: یہ ملن القی سے بدل اشتعال ہے۔

قوله: رَبِّ مَوْنِي: یہ توجیح کے لئے ابدال ہے۔

قوله: شَبَقَانَهُ: تم کو ایک داؤ سکھایا۔ دوسرے سے غالب آ گیا۔

قوله: إِنْكَاطُحَ: یہ جملہ دوسری تعلیل کے معنی میں آیا ضمیر میں نفی کے لئے۔



قَالَ لِلْمَلَآئِكَةِ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ۝

سحران فرعون کا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ:

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جب یہ دو معجزے (معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضا) دیکھے تو اس کو ڈر ہوا کہ اہل دربار شہ میں نہ پڑ جائیں اس لیے فرعون نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ کوئی خاص قسم کا سحر ہے اس لیے ملک کے جادو گردوں کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کرایا جائے اس کا خیال یہ تھا کہ ایک جادوگر ملک کے تمام جادو گردوں کا مقابلہ نہیں کر سکا اس لیے فرعون نے اپنی اندرونی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں سے جو اس کے ارد گرد بیٹھے تھے یہ کہا کہ بیشک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ علم سحر میں بڑی مہارت رکھتا ہے جو ایسے کرشمے دکھلا رہا ہے اور درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر سے تم پر غالب آ جائے اور تمہارا بادشاہ بن جائے تلاء اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل دربار سے جو ارد گرد بیٹھے تھے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا ہی دانا جادوگر ہے۔ معجزہ عصا اور معجزہ ید بیضا دیکھنے سے فرعون کو ڈر ہوا کہ اہل دربار ان معجزات کا ہرہ کو دیکھ کر کہیں موسیٰ کو صادق اور راست باز سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آویں اور اگر ایمان بھی نہ لائیں تو مبادا اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں جس سے میرے دعوائے ربوبیت میں زوال نہ آ جائے اس لیے اہل دربار کو نرم کرنے کے لیے اول تو یہ کہا کہ یہ شخص خواہ کتنے ہی کرشمے ظاہر کر دے لیکن ایک دانا جادوگر نہ بڑھ کر نہیں اور یہ کرشمہ جو اس نے دکھلایا ہے وہ ایک خاص قسم کا جادو ہے یعنی معجزہ نہیں جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری بات فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے اور ان سے ڈرانے کے لیے یہ کہی کہ اس جادوگر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے اور اس کا مالک اور قابض اور رئیس بن جائے اور اپنی قوم کو لے کر بلا مزاحمت تم پر حکومت کرے۔ سو اس بارہ میں تم کیا حکم دیتے ہو یا کیا مشورہ دیتے ہو۔ اب فرعون اپنی شان تکبر و خیر سے اتر کر

لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے اور تمہارا کیا مشورہ ہے کہ اس شخص کو فوری سزا دی جائے یا ڈھیل دی جائے۔ اصل بات یہ تھی کہ فرعون مجزہ موسیٰ دیکھ کر گھبرا گیا اور دعوائے ربوبیت کی بلندی سے اتر کر اپنے آپ کو مشاورت کی پٹی میں ڈالا، زبان سے تو دعوائے ربوبیت ہے اور دل میں خوف ہے اخراج کا یعنی اس بات کا کہ یہ جادوگر مجھ کو ملک مصر سے نکال باہر نہ کرے اس لیے خدا صاحب اپنے بندوں سے یا اپنے نوکروں اور چاکروں سے مشورہ پوچھ رہے ہیں۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ معاملہ میں تاخیر بہتر ہے، اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب نے متفقہ طور پر یہی کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو چند مہلت دے دو اور اپنے ملک کے سب شہروں میں بے بیج دو کہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر لا موجود کریں۔ ہماری رائے میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ کیونکہ اگر بغیر مقابلہ اور بغیر ہرائے اور عاجز کیے اس کو قتل کر دیا تو لوگوں کو اس کے بارہ میں شبہ ہو جائے گا۔ مناسب ہے کہ جادوگروں سے مقابلہ کرایا جائے یہ شخص تو ایک ساحر ہے ملک کے تمام ساحروں کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلہ کی صورت کو منظور کیا تاکہ کھلم کھلا اللہ کی حجت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ بہل نقذف بالحق علی الباطل فید مغه فاذا هو زاہق۔

پس وہ جادوگر ایک مقررہ دن پر جو ان کی عید کا دن تھا جمع کر دیئے گئے اور لوگوں کے لیے اعلان کر دیا گیا کہ کیا تم اس موقع پر جمع ہو جاؤ گے۔ مقصود یہ تھا کہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کا مغلوب ہونا دیکھ لیں گے۔ تاکہ اگر جادوگر غالب آ جائیں مگر غالب توقع ہے تو حسب سابق ہم انہی کی پیروی کرتے رہیں گے یعنی انہی کے دین پر رہیں گے اتنا بھی ظاہری طور پر کہا ورنہ فی الحقیقت قوم فرعون کو اس بات کا یقین تھا کہ غلبہ ساحروں کا ہوگا۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو فرعون کی عجز اور حماقت کی دلیل ہے۔ پھر جب سب جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ بھلا ہم کو کچھ صلہ یعنی انعام بھی ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے فرعون نے کہا ہاں صلہ اور انعام بھی ملے گا اور صلہ کے علاوہ تم میرے مقربوں میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے، یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ اہل دنیا کی زبان پر سب سے پہلے حرف طمع آتا ہے بعد ازاں ساحروں نے صف بندی کی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی ڈالو جو کچھ بھی تم ڈالتے والے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاثھیاں زمین پر ڈال دیں اور بولے قسم ہے فرعون کی عزت اور اقبال کی بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے، پس جب وہ اپنی رسیاں اور لاثھیاں ڈال چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ ڈالتے ہی وہ اثر دہا بن گیا اور اسی دم بنے بنائے ہوئے دھندے کو ہڑپ کرنے لگا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاثھیوں کو نگل گیا اور ڈکار بھی نہ لی سو یہ منظر دیکھ کر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب کے سب سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ توفیق ایزدی اور رحمت خداوندی نے جبراً و قہراً ان کو سجدہ میں ڈال دیا۔ معجزہ دیکھ کر انکو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ کرشمہ قدرت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سحر سے سحر کا مقابلہ ہو سکتا ہے مگر کرشمہ قدرت یعنی معجزہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اور سمجھ گئے کہ یہ دونوں ہماری طرح جادوگر نہیں بلکہ حقیقتہً رب العالمین کے رسول ہیں اس لیے بولے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے یہ لفظ انہوں نے اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ اور جہان کا پروردگار کہلاتا تھا۔ ساحروں نے جب یہ حال دیکھا تو جان لیا کہ یہ رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بشر کی کوئی

صنعت نہیں اور نہ ساحروں کی تمویہ اور تخیل ہے اس لیے سب اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے۔ فرعون یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اگر سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میری ربوبیت تو سب ختم ہو جائے گی اس لیے تہدید آمیز لہجہ میں جادو گروں سے یہ کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تم کو اس کی اجازت دوں میری اجازت کے بغیر تم نے اس کی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا جادوگر ہے جو تم پر غالب آ گیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے پس تم عنقریب جان لو گے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے: **لَمَّا كَذَبْتُمْ نُوحًا فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا** اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو موسیٰ پر لٹکا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادو گروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پروا نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یعنی ہمیں تیرے قتل کی پروا نہیں شہید ہو کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لاتے ہی رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دارِ فانی انکی نگاہ میں پہنچ ہو گیا اور لقائے خداوندی کے مشتاق ہو گئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کو طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کر دے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اس لیے ہم نے فرعون کے انعام و اکرام پر لات ماری اور رب العالمین کے سامنے جھک گئے۔

نکتہ: اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اولین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال تعالیٰ: **وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ** من المهاجرين والنصار۔۔۔۔

قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ واللہ اعلم۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ جادو گروں کی تعداد علی اختلاف الاقوال بارہ ہزار یا پندرہ یا بیس ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھی۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۲۳۴ ج ۲)

وَاَوْحَيْنَا اِلٰی مُوسٰی بَعْدَ سِنَيْنَ اَقَامَهَا بَنِيْهُمْ يَدْعُوْهُمْ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ اِلٰی الْحَقِّ فَلَمْ يَبْزُؤْا اِلَّا عَثُوْا اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِنَا بَنِي اِسْرَاطِیْلَ وَفِیْ قِرَآءَةِ بِنَکْسِرِ التَّوْنِ وَوَصَّلِ هَمَزَةً اَسْرِ مِنْ سِزٰی لُغَةً فِیْ اَسْرِ اٰی سِزٰی بِهِمْ لِیَلٰ اِلٰی الْبَحْرِ اِتَّكَمُ مُتَّبِعُوْنَ ۝۲۳۷ یَّبْعُکُمْ فَوْعُوْنَ وَجُنُوْدُهٗ فٰیَلْجُوْنَ وَرَآءَ کُمْ الْبَحْرُ فَاَلْجِیْکُمْ وَاَعْرِیْکُمْ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ حِجْنَ اُخْبِرَ بِسِیْرِہُمْ فِی الْمَدَآئِنِ ۝۲۳۸ قِیْلَ کَانَ لَہٗ اَلْفٌ مَدِیْنَةٌ وَاِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا

فَرَأَىٰ خَيْرِينَ ۖ جَامِعِينَ الْجَيْشَ قَائِلًا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشُرُومَةٌ طَائِفَةٌ قَلِيلُونَ ۖ قِيلَ كَانُوا سِتْمَاةَ
 أَلْفٍ وَ سَبْعِينَ أَلْفًا وَ مَقْدَمُهُ جَيْشُهُ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ فَقَالَهُمْ بِالنَّظَرِ إِلَى كَثْرَةِ جَيْشِهِ وَ إِنَّهُمْ لَكُنَّا
 لَنَظَائِفُونَ ۖ فَأَعْلَوْنَ مَا يَعْظُمُنَا وَ إِنَّا لَجَمِيعٌ خَذِرُونَ ۖ مُتَقِطُونَ وَ فِي قِرَاءَةِ خَازِرُونَ مُسْتَعِدُونَ قَالَ
 تَعَالَى فَأَخْرَجَهُمْ أَيْ فِرْعَوْنَ وَ جُنُودَهُ مِنْ مِصْرَ لِيَلْحَقُوا مُوسَى وَ قَوْمَهُ فَمِنْ جَنَّتِ بِسَاتِينَ كَانَتْ
 عَلَى جَانِبِي التِّلْهِ وَ عِيُونَ ۖ إِنَّهَا جَارِيَةٌ فِي الدُّورِ مِنَ التِّلْهِ وَ كُنُوزِ أَمْوَالٍ ظَاهِرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ
 وَ سَبِيحَتِ كُنُوزُ الْإِنَّةِ لَمْ يُعْطَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى مِنْهَا وَ مَقَامِ كَرِيمٍ ۖ مَجْلِسِ حَسَنِ لِلْأَمْرَاءِ وَ الْوُزَرَاءِ
 بِحِفْظِ أَتَابِعِهِمْ كَذَلِكَ ۖ أَيْ أَخْرَجْنَا كَمَا وَ صَفْنَا وَ أَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ بَعْدَ اغْرَاقِ فِرْعَوْنَ
 وَ قَوْمِهِ فَاتَّبَعُوهُمْ لِحَقُّوهُمْ مُشْرِقِينَ ۖ وَ قَسَتْ شُرُوقِ الشَّمْسِ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ أَيْ رَأَى كُلُّ مِنْهُمَا
 الْآخَرَ قَالَ أَصْحَبُ مُوسَى إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ۖ يَذَرُ كُنَّا جَمْعُ فِرْعَوْنَ وَ لَا طَاقَةَ لِنَابِهِ قَالَ مُوسَى كَلَّا
 أَيْ لَنْ يَذَرَ كُنُوزَنَا إِنْ مَعِيَ رَبِّي يَنْصُرُهُ سَيِّهْدِينِ ۖ طَرِيقَ النِّجَاةِ قَالَ تَعَالَى فَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ
 اطْرُبْ بِصَاحِكَ الْبَحْرَ فَضْرِبْهُ فَانْفَلَقَ انْشَقَّ اثنى عشر فَوْقًا فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۖ
 الْخَبَلِ الضَّخْمِ بَيْنَهُمَا مَسَالِكُ سَلَكَوْهَا لَمْ يَتَّخِذْ مِنْهَا سُرُجَ الزَّاكِبِ وَ لَا لِيُدَّهُ وَ أَرْزَلْنَا قَرْنَاهُمَا
 فَمَالِكِ الْآخِرِينَ ۖ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمَهُ حَتَّى سَلَكَوْا مَسَالِكَهُمْ وَ أَنْجَيْنَا مُوسَى وَ مَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۖ
 بِأَخْرَاجِهِمْ مِنَ الْبَحْرِ عَلَى هَيْئَتِهِ الْمَدُّ كُورَةً ثُمَّ أَعْرَقْنَا الْآخِرِينَ ۖ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمَهُ بِاطْبَاقِ الْبَحْرِ
 عَلَيْهِمْ لَعْنَاتُكُمْ دُخُولُهُمُ الْبَحْرَ وَ خُرُوجُ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْهُ إِنْ فِي ذَلِكَ أَىِ اغْرَاقِ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهِ لَآيَةً
 غَيْرَ لِمَنْ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ بِاللَّهِ لَمْ يُؤْمِنْ مِنْهُمْ غَيْرَ اسْمَةِ امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ وَ حَزَقِيلَ
 ثُمَّ أَلِ فِرْعَوْنَ وَ مَرْيَمَ بِنْتُ نَا مُوسَى الَّتِي دَلَّتْ عَلَى عِظَامِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ إِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
 الْعَزِيزُ فَانْتَقَمَ مِنَ الْكَافِرِينَ بِأَغْرَاقِهِمُ الرَّجِيمِ ۖ بِالْمُؤْمِنِينَ فَانْجَاهَهُمْ مِنَ الْعَرْقِ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی جانب وحی بھیجی (چند سال ان لوگوں کے درمیان قیام کر لینے اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ یہ
 لوگ موسیٰ کی دعوت پر لپیک کہنے کے بجائے سرکشی اور نافرمانی میں اور بڑھتے جا رہے ہیں) کہ راتوں رات میرے ان

بندوں (بنو اسرائیل) کو لے کر نکل جاؤ (ان اسر میں دوسری قراءت نون کے کسرہ اور اسر کے ہمزہ کو حذف کر دینے کی ہے۔ سری سری سے مطلب وہی ہے کہ راتوں رات انہیں سمندر کی طرف لے کر نکل جاؤ۔ تم لوگوں کا (فرعون کی طرف سے) پیچھا بھی کیا جائے گا (اور سمندر کے قریب فرعون اور اس کا لشکر تمہیں آ بھی پکڑے گا۔ لیکن ہم تمہیں بچا لیں گے اور ان کو غرق کر دیں گے) فرعون نے شہروں میں جاسوس دوڑا دیئے (جب اسے اسرائیلیوں کے بھاگ جانے کا علم ہوا اور ان جاسوسوں کے ذریعہ یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں (کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ جب کہ فرعون کے لشکر کا اگلہ دستہ ہی سات لاکھ پر مشتمل تھا۔ جملہ فوج تو بہت زیادہ تھی۔ تو فرعون کے لشکر کی تعداد کے مقابلہ میں انہیں قلیلون کہا گیا) انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے خطرہ ہے (حذرون کے معنی چوکنا اور بیدار ہونے کے ہیں، مطلب یہ کہ ہم ان سے غافل نہیں ہیں اور ایک قراءت میں حاذرون الف کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں معنی مستعد ہونے کے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ) پھر ہم نے (فرعون اور اس کے لشکر کو) نکال باہر کیا باغوں سے (جو دریائے نیل کے دونوں جانب تھے) اور چشموں سے (جو نیل کے قریب تھے) اور خزانوں سے (یعنی بے دخل کر دیا ان کے ظاہری اموال سونا چاندی وغیرہ سے) اور عہدہ مکانات سے (جہاں اسراء و وزراء کی مجلسیں لگتی تھیں) یونہی ہوا (جس طرح ہم نے بیان کیا اور فرعون اور اس کی قوم کے ڈوبنے کے بعد) اور ان کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ غرض سورج نکلنے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جالیا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی گھبرا کر بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے (اب ہمارے لئے کوئی راہ فرار نہیں ہے) فرمایا (موسیٰ نے) کہ ہرگز نہیں (پکڑے جائیں گے) کیونکہ میرے ہمراہ پروردگار (کی مدد) ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ (نجات) بتا دے گا، پھر ہم نے موسیٰ کو دجی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو (چنانچہ انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ دریا پھٹ گیا (بارہ حصوں میں) اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ جیسے بڑی پہاڑی (جن کے درمیان راستے ہیں جس سے یہ لوگ چل کر جاتے ہیں۔ مگر چلنے والوں کے قدم تر بھی نہیں ہوئے) اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو وہ بھی اسی راستہ پر چل پڑے) اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو بچا لیا۔ (اس دریا سے بحفاظت گزار کر) پھر دوسرے فریق کو غرق کر دیا (یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں آپس میں ملا کر جب تمام فرعونی دریا میں داخل ہو گئے اور ادھر بنی اسرائیل دریا عبور کر چکے تھے) بے شک (فرعون کی اس غرق آبی کے) واقعہ میں بڑی عبرت ہے (بعد والوں کیلئے) اس کے باوجود ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے (سو فرعون کی بیوی آسیہ اور اس کی اولاد میں سے حزقیل کے اور مریم بنت موسیٰ کے جس نے یوسف کی ہڈیوں کی نشاندہی کی تھی) آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے (کفار سے ان کو غرق کر کے انتقام لے لیا) اور بڑا رحمت والا ہے (کہ مؤمنین کو غرقابی سے محفوظ و مامون رکھا)۔

قولہ: قلیون: ہر سبط کے اعتبار سے قلیل تھے ویسے بھی قطبیوں کے مقابلہ ان کی تعداد کم تھی۔

تقریر: فرعون کے لشکر کی کثرت کے مقابلہ میں کیونکہ مقدمہ انجیش سات لاکھ تھا۔

قولہ: فاعْلَوْا: یعنی وہ ہمیں غمہ دلانے والی حرکات کر رہے ہیں کہ ہماری اجازت کے بغیر نکل گئے اور ہمارے اسوئال میں نجات کی ہے۔

قولہ: حُذِرُونَ: ہم مستعد ہیں، محتاط ہیں۔

قولہ: **فِرْعَوْنُ**: اس سبب سے فرعون کے نکلنے کا داعیہ بنایا۔

تو لہ: الحزاجتا: یہ مخدوف کی خبر ہے۔

قولہ: نصربہ: نا فلق کی نامزد ف پر عطف کے لئے ہے انشلاق پھنڈا۔

قولہ: مسائلک: راہیں۔

تفہیر مقبولین

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكَ مُتَّبَعُونَ ﴿٥٠﴾

(ربط) مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آ گئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر قائم ہوئی مگر باوجود اس کے فرعون اور اس کی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تو اب اتمام حجت کے بعد سوائے وبال و نکال اور عذاب و عقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور بتلادیا کہ تمہارے خروج کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت و کرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر رو یا میں داخل ہو تو اس کو غرق کر دیا جائے اس طرح سے اس کو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کامیابی اور اس طرح کی غرقابی کرسہ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو انکی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم پر طوفان اور خون وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جن کا سورۃ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتدا میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تاکہ ہوش

میں آجائیں۔ لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم و ستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے انکو قتل کر کے پانی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلادیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کرے گا چنانچہ حسب حکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اس کا علم ہوا تو فرعون نے اس کے تعاقب کا ارادہ کیا۔ جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدی بھیج دیئے جب جمع ہو گئے تو یہ مادی کرائی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ شمار کے اعتبار سے بھی قلیل ہے اور ساز و سامان کے لحاظ سے بے سروسامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب بڑے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ غرض یہ کہ دو تین روز میں سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب اس کو مصر لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوئے دیکھ لو کہ خدا کا نکالنا ایسا ہوتا ہے کہ خود ان کے دل میں نکلنے کا پختہ ارادہ پیدا کر دیا کہ سب چیزوں کو چھوڑ کر خود بخود نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان محلوں اور باغوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنادیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہو گئے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا اب آگے باقی حصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سورج نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے انکو جا پکڑا یعنی ان کے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑ لیے گئے۔ یعنی اب فرعون ہمیں پکڑے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہوا اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر سے فرمایا: لَا تَخْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ وہ عنقریب مجھے اس غصے سے خلاصی کی راہ بتائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آ خراب جانا کہاں ہے پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو چنانچہ انہوں نے حکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔ پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کئی جگہ سے ادھر ادھر ہو گیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہو گئیں۔ سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہو گئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کچھ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ: فَاصْبِرْ لَهُمْ صَبْرًا مِّمَّنْ يَبْتَاسُ لَا تَخَفْ دَرَكًا وَلَا تَخْشَى ۝ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو۔ وَ اَتْرِكُ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ

نفسوں ۵۰ جو خدا تعالیٰ میں راستے بنا سکتا ہے وہ ٹری میں بھی بنا سکتا ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے براور بحر سب برابر ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ فرعونوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے خشک راستے کھلے ہوئے ہیں تو شاداں و فرحاں ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہو گیا اور سارا لشکر اندر غرق ہو گیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور صحیح سالم ان کو دریا سے پار کر دیا۔ پھر ان کے پار ہو جانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کر دیا کہ جب فرعون اپنی قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہو گئے جو لوگ کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوئے۔ حالانکہ ان کے طالع مختلف تھے۔ فرعون کو دریا نے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر یہ کہا کرتا تھا: الیس ملک مصر و هذه الانہار تجري من تحتي۔ اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اس کو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر یہ ہے اور بیشک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت و حفاظت کی، اور متکبرین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے بیشک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انطلاق بحر کے واقعہ سے اس کی شان عزت و غلبہ اور شان رحمت ظاہر ہو گئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر و تکبر کو غرق کیا۔

الف و معارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزہ عصا، اور معجزہ ید بیضاء اور معجزہ انطلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور ان کو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے چہرے یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔ جواب: سو جانا چاہئے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلا محال ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے آج تک کوئی دلیل ان کے محال ہونے پر قائم نہ ہو سکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہو جانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے پس اگر ایک نباتاتی چیز (یعنی عصا) بحکم خداوندی حیوان بن جائے تو عقلا ممکن ہے بسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہو جانا عقلا محال نہیں۔ آفتاب اور ماہتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور ماہتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہو گئے پس جس خدا نے آفتاب اور ماہتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلیم علیہ السلام کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جسمیت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرت خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علی ہذا انطلاق بحر بھی عقلا محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال

اور انطلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجمد ہو جاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انطلاق اور انفصال پانی کی نفسانیت کا ذاتی اور طبعی اقتضا نہیں کہ جو ناقابل تغیر و تبدل ہو سب قدرت خداوندی سے ہے پس اگر قدرت خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر ان کے گزر جانے کے بعد فوراً اپنے گئے تو یہ بات عقلاً محال نہیں البتہ خارق عادت ہوگی وجہ سے عجیب و غریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کہ کرشمہ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ کہلاتا ہے جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے پس یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہو گیا۔ (۱) محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا (۲) اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سڑکیں پیدا ہو جانا (۳) پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔ (تفسیر معارف القرآن) (اورس کا مدہوی)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ أَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ نَبَاً خَيْرَ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَيَعْدِلُ مِنْهُ إِذْ قَالَ لِأَيُّكُمْ مَا تَعْبُدُونَ ۝
قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا مَّا صَرَّحُوا بِالْفِعْلِ لِيُعْطِفُوا عَلَيْهِ فَتَطَّلُ لَهَا عَظِيمِينَ ۝ أَيْ تُقِيمُ نَهَارًا عَلَى عِبَادَتِهَا
زَادُوهُ فِي الْجَوَابِ فَتَحَارَبَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ حِينَ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ ۝ إِنْ عِنْدُكُمْ مِنْ
أَوْ يَضُرُّونَ ۝ كَمْ إِنْ لَمْ تَعْبُدُوهُمْ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ أَيْ مِثْلَ فَعَلْنَا قَالَ
أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ ۝ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي ۝ لَا أَعْبُدُهُمْ إِلَّا
لِكِبْرِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَإِنِّي أَعْبُدُ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ إِلَى الدِّينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَ
يَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَجْزِيَ أَنْ يَغْفِرَ
لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝ أَيْ الْجَزَاءُ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا عِلْمًا وَ الْحَقِيقِي بِالْصَّالِحِينَ ۝ أَيْ التَّيْبِينَ
وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ ثَنَاءً حَسَنًا فِي الْآخِرِينَ ۝ الَّذِينَ يَأْتُونَ بَعْدِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَاجْعَلْنِي مِنْ
وَرِثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝ أَيْ مِمَّنْ يُعْطَاهَا وَاعْفُ رَأْيِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ بَانَ ثَوْبٌ عَلَيْهِ فَغَفَرَهُ
وَهَذَا قَبْلَ أَنْ يَنْبَشَّ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ كَمَا ذُكِرَ فِي سُورَةِ بَرَاءَةِ وَلَا تُخْزِنِي تَفْضَحْنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ أَيْ
النَّاسِ قَالَ تَعَالَى فِيهِ يَوْمٌ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ أَحْذَا إِلَّا لِكُلِّ مَنْ أَى اللَّهُ يَقْلِبُ سَلِيمٌ ۝
مِنَ الشِّرْكِ وَالتَّفَاقِي وَهُوَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْفَعُهُ ذَلِكَ وَ أُرِيفَتِ الْجَنَّةُ فَرَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ فَيَرُونَهَا

بَرَزَتِ الْجَحِيمِ أَظْهَرَتْ لِلْعَوْنِ ۝ الْكَافِرِينَ وَقِيلَ لَهُمْ أَيُّكُمْ كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۝
 أَى غَيْرِهِ مِنَ الْأَصْنَامِ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ بِدَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ أَوْ يَنْصُرُونَ ۝ بِدَفْعِهِ عَنْ أَنْفُسِهِمْ لَا
 فَلْيَبْشِرُوا الْفُتُوًّا فِيهَا هُمْ وَالْعَاوُنُ ۝ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَتْبَاعُهُ وَمَنْ أَطَاعَهُ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ أَجْمَعُونَ ۝
 قَالُوا أَى الْعَاوُنَ وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ مَعَ مَعْبُودِيهِمْ تَاللَّهِ إِنَّ مَخْفَفَةَ مِنَ النَّفِيلَةِ وَاسْمُهَا
 مَخْذُوفٌ أَى أَنَّهُ كُنَّا لِنَقِي ضَلِيلَ مَبِينٍ ۝ بَيْنَ إِذْ حَبِثُ لَسْوِيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فِى الْعِبَادَةِ وَمَا
 أَضَلَّنَا عَنِ الْهُدَى إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ۝ أَى الشَّيَاطِينِ أَوْ أَوْلَئِكَ الَّذِينَ اقْتَدَيْنَا بِهِمْ فَمَا كُنَّا مِنْ شَالِعِينَ ۝
 كَمَا لِلْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَلَا صَدِيقٍ حَقِيمٍ ۝ أَى يَهْتُمُّ أَمْرُنَا فَلَوْ أَنَّ كُنَّا
 كَوْنًا رَجَعْنَا إِلَى الدُّنْيَا فَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ لَوْ هُنَا لَلْتَمَنَّى وَنَكُونُ جَوَائِبُهُ إِنَّ فِى ذَلِكَ الْمَذْكُورِ
 مِنْ قِصَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمِهِ لَا يَكْفَى وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

تو بچھٹھا: اور آپ ان (کفار کہ) کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ جب کہ انہوں نے اپنے والد اور
 اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو (اذ قال لابیہ بدل واقع ہو رہا ہے ابراہیم سے) انہوں نے کہا کہ ہم
 تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں (اور مزید فخر ایہ بھی کہا کہ) ہم انہیں پر جبر سے رہتے ہیں (قالو نعبد اصناما میں صرف
 اصناما کہہ دینا کافی تھا۔ لیکن اصناما سے پہلے بعد فعل بھی لایا گیا تاکہ فاعل کا اس پر عطف ہو سکے ابراہیم
 نے) فرمایا کہ کیا یہ تمہاری سنت ہے جب تم انہیں پکارتے ہو۔ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں (جب تم ان کی عبادت کرتے
 ہو) یا تم کو ضرر پہنچا سکتے ہیں (اگر تم ان کی عبادت نہ کرو) ان لوگوں نے کہا (اس طرح کی کوئی بات تو نہیں) بلکہ ہم نے
 اپنے بڑوں کو ایسا کرتے ہوئے پایا ہے (جس طرح ہم کر رہے ہیں، ابراہیم نے) فرمایا بھلا تم نے اس کی (اصلی
 حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی۔ یہ تو میری نظر میں باعث ضرر
 ہیں (اسی وجہ سے میں انہیں نہیں پوجتا) مگر ہاں پروردگار عالم (جس کی میں عبادت کرتا ہوں وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا
 کیا۔ پھر وہی میری راہنمائی کرتا ہے (دین فطرت کی طرف) اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا
 ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہی ہے جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میری
 غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کر دے گا۔ اے میرے رب مجھ کو حکم (یعنی علم) عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے
 ساتھ شامل فرما۔ اور میرا ذکر (خیر) آئندہ آنے والوں میں (قیامت تک) جاری رکھ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں
 میں سے کر دے اور میرے باپ کی مغفرت کر دیجئے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے (حضرت ابراہیم کی یہ دعا اس وقت تھی

جب کہ یہ بات مشکف نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کے نافرمانوں میں ہے۔ جیسا سورہ برأت میں ذکر آیا ہے اور مجھے رسوائہ کرنا اس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے (اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ) اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد و گمراہاں (اسکی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (شرک و کفر سے) پاک دل لے کر آئے (اور وہ مومن کا دل ہی ہو سکتا ہے اور اس دن) جنت متقیوں کیلئے نزدیک کر دی جائے گی اور گمراہوں (یعنی کافروں) کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ اب وہ (بت وغیرہ) کہاں گئے جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں؟ (اور تمہیں عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں) یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں (اس عذاب سے نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا) پھر وہ اور گمراہ لوگ اور انہیں کا لشکر (انسانوں اور جنوں میں سے جنہوں نے اس کی اتباع کی ہوگی) سب کے سب اس دوزخ میں ادھمے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ دوزخ میں (یہ کفار) باہم جھگڑتے ہوئے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر کرتے تھے (ان کنا میں ان مخففہ من الشقیلہ ہے اور اس کا اسم مخدوف ہے) اور ہم کو تو ان بڑے مجرموں (شیاطین اور ان لوگوں نے جن کی ہم نے اقتدا کی انہوں نے) نے گمراہ کیا۔ سواب کوئی ہمارا سفارشی نہیں (جیسا کہ مؤمنین کیلئے فرشتے انبیاء اور خود دوسرے مؤمنین ہیں) اور نہ کوئی قلعہ دوست ہی ہے کہ (دل سوزی ہی کر لے) سو کاش ہمیں دنیا میں پھر جانے کا موقع ملتا تو ہم مومن ہو جاتے (فلو ان لنا میں تو تہنی کیلئے ہے اور اس کا جواب یہ آنے والی آیت ہے) بے شک اس (واقعہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم) میں ایک بڑی عبرت ہے (اس کے باوجود) ان مشرکین میں سے اکثر ایمان نہیں لائے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: مَا تَعْبُدُونَ: آپ نے ان سے اس وجہ سے سوال کیا تا کہ ان پر ظاہر کریں کہ یہ عبادت کے حقدار نہیں۔
قوله: مَضْرُجُوا: عراقی مشرکین نے صراحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم بت پوجتے ہیں۔
قوله: يُقِيمُ نَهَارًا: ہم ان کی عبادت میں تمام دن آسن جماتے بیٹھتے ہیں (ملک بنے ہوتے ہیں) یہ بات انہوں نے نذر سے کہی۔

قوله: يَسْمَعُونَكُم: اس میں کم ایک مفعول ہے دوسرا مفعول مخدوف دعاء کم ماننا ہوگا۔
قوله: عَدُوِّي: یہ بات ان کو تعریف کے انداز میں فرمائی تمہارے معبود میرے دشمن ہیں۔
قوله: إِذَا مَرِضْتُ: اس میں بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سوء ادب سمجھ کر نہیں لونا کیونکہ ان کا مقصود نعمتوں کا اثر ہے۔ مرض موت کا مقدمہ ہے اور اقامت کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی تنقیص نہیں۔

قوله: **الَّتِي نِي:** کہہ کر الصالحین سے کامل صالح مراد لیے۔

قوله: **بَنَاءً حَسَنًا:** یعنی جو لوگ قیامت تک میرے بعد ہوں گے۔

قوله: **بِمَنْ يَعْطَاهَا:** یہ اس جنت کے مشابہہ ہے جس کا مستحق عامل اپنے عمل کے فنا کے بعد ہوگا جیسا میراث سورث کے فنا کے بعد ملتی ہے اسی وجہ سے اس پر میراث کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

قوله: **وَلَا تُخْزِي:** یہ الخزی سے ہے جس کا معنی ذلت و رسوائی ہے اور میرے ورثاء کی کوتاہیوں کی وجہ سے عتاب کر کے رسوا نہ کرنا۔

قوله: **النَّاس:** ان کی طرف ضمیر معلوم ہونے کی وجہ سے لوٹائی۔

قوله: **أَزَلَّيْتُ الْجَنَّةَ:** جنت کو اس طرح قریب کریں گے کہ وہ حساب سے نظر آئے گی۔

قوله: **الْكَافِرِينَ:** یہ بھی کھلے بندوں جہنم و یکھیں گے اور افسوس کریں گے کہ ابھی ان کو لے جایا جائے گا۔

قوله: **فَلْيَكْبُرُوا:** داغنے کے لئے ان کو پلٹا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی گہرائی میں جا پہنچیں گے۔

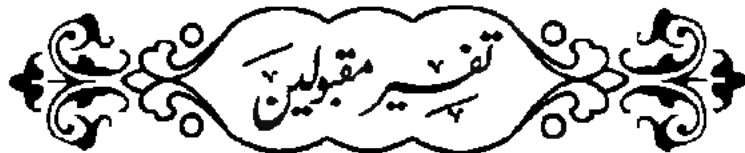
قوله: **الْعَاوُنَ:** لٹاوا کی ضمیر کا مرجع جنوں کے پوجاری ہیں وہ اپنے معبودوں سمیت جہنم میں ڈالے جائیں گے وہ باہمی جھڑپیں کریں گے۔

قوله: **نُؤْمِنُ بِاللَّعْنَةِ:** یہ لیت کے معنی بر تقدیر فرض لایا گیا۔

قوله: **لَا يَكْفُرُ:** حجت و نصیحت جو نصیحت حاصل کر لے۔

قوله: **الْعَزِيزُ:** وہ انتقام لینے پر زبردست قدرت والا ہے۔

قوله: **الزَّحِيمُ:** بحر میں کو مہلت بھی دیتا ہے۔



وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۝

یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید اور قوم کی تبلیغ کا بیان شروع ہو رہا ہے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء نقل فرمائی ہے جو انہوں نے اللہ جل شانہ سے اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے کی تھی۔ انہوں نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان لوگوں نے جو بے شکے جواب دیئے اس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مواقع میں کیا گیا یہاں جو مکالمہ مذکور ہے قریب قریب اسی طرح کی گفتگو سورۃ الانبیاء (ع ۵) میں بھی گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے معلوم تھا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری ہیں بظاہر اس سوال کی حاجت نہ تھی لیکن انہوں نے سوال اس لیے فرمایا کہ جواب دیتے وقت ان کے منہ سے ان کی پرستش کا اقرار ہو جائے اور پھر وہ ان کے اقرار کو بنیاد بنا کر اگلا سوال کر

سکلیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں وہ لوگ کہنے لگے ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور انہی پر دھرمادیئے بیٹھے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تم ان کی عبادت کرتے ہو اس میں تمہیں کیا فائدہ نظر آتا ہے؟ تم جب ان کو پکارتے ہو اور ان سے کسی حاجت کے پورا ہونے کا سوال کرتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں اور کیا تمہاری عبادت کرنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نفع پہنچاتے ہیں اور کیا ان کی عبادت ترک کر دینے سے کوئی ضرر پہنچا دیتے ہیں؟ وہ لوگ یہ جواب تو دے نہ سکے کہ وہ بات سنتے ہیں یا کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح کا کوئی جواب ان کے پاس تھا بھی نہیں، لامحالہ مجبور ہو کر وہی بات کہہ دی جو مشرکوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے ہیں یعنی دلیل اور سند تو کوئی ہمارے پاس نہیں باپ دادوں کو جو کچھ کرتے دیکھ ہم بھی وہ کرنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اور تمہارے پرانے باپ دادے جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں کچھ تو غور کیا ہوتا یہ کیسی نا سمجھی کی بات ہے کہ جو چیز نہ سنے اور نہ دیکھے نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے اس کو معبود بنا بیٹھے وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے جو اپنی عبادت کرنے والے سے بھی کمتر ہو یہ تو رہی تمہاری بات، رہا میں، تو میرے نزدیک یہ بات ہے کہ یہ میرے دشمن ہیں اگر میں ان کی عبادت کرنے لگوں تو ان کی عبادت کی وجہ سے مجھے سخت نقصان پہنچے گا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی رب بنا رکھے ہیں وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے وہ سب ان کے دشمن ہیں ہاں جو لوگ صرف رب العالمین جل مجدہ کی عبادت میں مشغول ہیں وہی نفع میں ہیں رب العالمین جل مجدہ ان کا ولی ہے اور وہ اپنے رب کے اولیاء ہیں (یہ جو فرمایا: فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي) یہ انہوں نے اپنے اوپر رکھ کر کہا اور مقصود یہ تھا کہ یہ باطل معبود تمہارے دشمن ہیں دعوت تبلیغ کا کام کرنے والے مختلف اسالیب بیان اختیار کرتے رہتے ہیں) اس کے بعد رب العالمین جل مجدہ کی صفات جلیلہ بیان فرمائیں اور مشرکین کو بتا دیا کہ دیکھو میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اسی کی عبادت کرو۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿۱﴾

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اپنے رب کی صفات بیان فرماتے ہیں کہ میں تو ان اوصاف والے رب کا عابد ہوں۔ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ پہلا وصف یہ کہ وہ میرا خالق ہے اسی نے اندازہ مقرر کیا ہے اور وہی مخلوقات کی اس کی طرف رہبری کرتا ہے۔ دوسرا وصف یہ کہ وہ ہادی حقیقی ہے جسے چاہتا ہے اپنی راہ مستقیم پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے اسے غلط راہ پر لگا دیتا ہے۔ تیسرا وصف میرے رب کا یہ ہے کہ وہ رازق ہے آسمان و زمین کے تمام اسباب اسی نے مہیا کئے ہیں۔ بادلوں کا اٹھانا پھیلانا ان سے بارش کا برسانا اس سے زمین کو زندہ کرنا پھر پیداوار اگانا اسی کا کام ہے۔ وہی میٹھا اور پیاس بجھانے والا پانی ہمیں دیتا ہے اور اپنی مخلوق کو بھی غرض کھلانے پلانے والا وہی ہے۔ ساتھ ہی بیمار تندرستی بھی اسی کے ہاتھ ہے لیکن خلیل اللہ علیہ السلام کا کمال ادب دیکھئے کہ بیماری کی نسبت تو اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گویا بیماری بھی اس قضا و قدر ہے اور اسی کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ یہی لطافت سورۃ فاتحہ کی دعائیں بھی ہے کہ انعام و ہدایت کی اسناد تو اللہ عالم کی طرف کی ہے اور غضب کے قائل کو حذف کر دیا ہے اور خلافت بندے کی طرف منسوب کر دی ہے۔ سورۃ جن میں جنات کا قول بھی ملاحظہ ہو جہاں انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ زمین والی مخلوق کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ساتھ

ان کے رب نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ یہاں بھی بھلائی کی نسبت رب کی طرف کی گئی اور برائی کے ارادے میں نسبت ظاہر نہیں کی گئی۔ اسی طرح کی آیت ہے کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو میری شفا پر بجز اس اللہ کے اور کوئی قادر نہیں۔ دوا میں تاثیر پیدا کرنا بھی اسی کے بس کی چیز ہے۔ موت و حیات پر قادر بھی وہی ہے۔ ابتدا اسی کے ساتھ ہے اسی نے پہلی پیدائش کی ہے۔ وہی دوبارہ لوٹائے گا۔ دنیا اور آخرت میں گناہوں کی بخشش پر بھی وہی قادر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، غفور و رحیم وہی ہے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَ الْيَقِيْنِ بِالصَّالِحِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی صفات بیان کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں چند دعائیں کی ہیں۔ اس میں دعا کا ادب ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کا سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف جس قدر ہو سکے کرو، پھر اپنی عرض داشت پیش کرو۔ سورہ فاتحہ میں بھی یہی سبق سکھایا گیا ہے۔

وہ دعائیں یہ ہیں: رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا (اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما) لفظ حکم کی تفصیل میں کئی قول ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے حکمت مراد ہے یعنی قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی خیر کا علم عطا فرمائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا اور اس کے تمام احکام کا علم مراد ہے تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حکم سے نبوت مراد ہے لیکن یہ بات اس صورت میں تسلیم کی جاسکتی ہے جبکہ دعائے مذکور کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے ہوں۔ (راجع روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۸)

وَ الْيَقِيْنِ بِالصَّالِحِيْنَ ۝ (اور مجھے صالحین میں شامل فرما) یعنی مجھے ان حضرات میں شامل فرمادے جن کے علوم اور اعمال آپ کے نزدیک مقبول ہوں کیونکہ کتنا ہی علم ہو اور کیسا ہی عمل ہو مقبولیت عند اللہ کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ وَ اجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ میرا ذکر باقی رکھئے) یعنی حضرات انبیاء کرام جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی جوامتیں ہوں گی ان میں میرا ذکر اچھائی سے ہوتا رہے یہ شرف مجھے ہمیشہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی ان کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہیں کی اذیت میں سے تھے ساری امتوں نے انہیں خیر کے ساتھ یاد کیا اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی تعلق ہے اسے تو سب ہی جانتے ہیں اللہ جل شانہ نے خاتم الانبیاء ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَنْتُمْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کا اتباع کیجئے) اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و اتقیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام ہیں اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجنے کا ذکر ہوتا ہے اور بار الہی میں درخواست پیش کی جاتی ہے کہ اے اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کی آل پر صلاۃ اور برکت بھیجئے جیسا کہ آپ نے ابراہیم اور ان کی آل پر صلاۃ اور برکت بھیجی (وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ) (اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنا دیجیئے) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا نیک ہوا ہے بہر حال جنت نصیب ہونے کی دعا کرتے رہنا چاہئے اپنے اعمال پر گھمبند نہ رکھے۔

وَ الْغُفُوْرَ لَاكِيْ ۝ اِنَّكَ كَانَ مِنَ الصَّاٰلِحِيْنَ ۝ (اور میرے باپ کی مغفرت فرمائے بلشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے) یعنی

میرے باپ کو ایمان کی توفیق دیجیے اور اس طرح مغفرت کے قابل بنا کر اس کی مغفرت فرمادیجیے۔
مشرکین کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں:

قرآن مجید کے اس فرمان کے بعد: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (اب کسی ایسے شخص کے لیے جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو استغفار اور دعائے مغفرت طلب کرنا ناجائز اور حرام ہے کیونکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ کسی نبی اور ایمانداروں کے لیے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت طلب کریں خواہ وہ اس کے رشتہ دار اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جہنمی ہونا بالکل واضح ہو چکا ہو۔

ایک سوال و جواب:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نبی اور ممانعت کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لیے کیوں دعائے مغفرت مانگی۔ اس کا جواب خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں دے دیا کہ: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الْإِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاكَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ الْإِبْرَاهِيمَ لَوَاقِعٌ حَلِيمٌ (توبہ) جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کیا تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براء کا اظہار فرمایا۔ (فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور مشرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہوگا، اس کی پوری تفصیل سورۃ توبہ میں مذکور ہے۔

(وَلَا تُخْزِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ) (اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے) اس سے معلوم ہوا کہ جنت النعیم حاصل ہونے کی دعا کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیے جنت میں تو کوئی رسوائی نہیں ہے اس سے پہلے رسوائی ہو سکتی ہے جیسا کہ بہت سے گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہوگا کہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے حضرات انبیاء کرام اس دن بھی با عزت ہوں گے دوسرے اشخاص اس سے عبرت حاصل کریں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر سے ملاقات ہو جائے گی آزر کا چہرہ بے رونق اور سیاہی والا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے فرمائیں گے کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر، اس پر ان کا باپ کہے گا کہ آج حکم دو میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا اس کے بعد حضرت

ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الہی میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرمایا کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ کریں گے سو اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ ہلاک ہے (یعنی کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے پھر ابراہیم سے خطاب ہوگا کہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو وہ نظر ڈالیں گے تو انہیں ایک بالوں سے بھرا ہوا بچہ نظر آئے گا جو (آلائش میں) آلودہ ہوگا (یہ ان کا باپ ہوگا جس کی صورت مسخ کر دی جائے گی) اس بچہ کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(رواہ البیہقی ص ۲۷۳)

جب صورت مسخ ہو جائے گی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے نفرت ہو جائے گی اور رسوائی کا خیال ختم ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن کی رسوائی سے محفوظ رہنے کے لیے جو دعا کی اس میں قیامت کے دن کا حال بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا: (لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ) (کہ وہ ایسا دن ہوگا جس دن نہ مال کام دے گا نہ اولاد کام دے گی) اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال جمع کرنے اور اپنے پیچھے اولاد کو مالدار بنا کر چھوڑنے کے جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کرتے حرام مال تو وبال ہے ہی وہ حلال مال بھی آخرت میں وبال ہوگا جس سے فرائض اور واجبات ادا نہ کیے گئے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کیا گیا ہو یہ نافرمانیاں بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے سلسلہ میں بھی ہوتی ہیں خوب سمجھ لیتا چاہئے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے ہاں اگر کسی نے مال کو حلال طریقہ سے کمایا اور ٹری طریقوں پر خرچ کیا اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے دین پر ڈالا تو یہ نیک کام نفع مند ہوں گے اسی کو فرمایا کہ (أَلَا مَنِ اتَّبَعَ بِقُلُوبِ سُلَيْمٍ) (کہ جو شخص قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اس کے اسواں اور اس کی اولاد اس کے لیے فائدہ مند ہوں گے) یعنی قلب سلیم کا اخلاص نیک اولاد اور اعمال صالحہ اسواں طیبہ ہی نافع ہوں گے۔

والکلام علی تقدیر مضاف الی من ای لا ینفع مال ولا بنون الا مال و بنون من اتی اللہ بقلب سلیم حیث انفق ماله فی سبیل البر و ارشد بنیہ الی الحق و حثہم علی الخیر و قصد بہم ان یکونوا عباد للہ تعالیٰ مطیعین شفعاء لہ یوم القیامۃ۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۳)

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر اچھائی کے ساتھ ہو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں اپنے بارے میں اچھا تذکرہ ہونے کی آرزو رکھنا مومن کے بلند مقام کے خلاف نہیں ہے اعمال خیر کرتا رہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے اعمال صالحہ میں مشغول ہو یا کاری کے جذبات نہ ہوں اور یہ بھی نہ ہو کہ لوگ میرے اعمال کو دیکھ کر میری تعریف کریں اعمال صرف اللہ کے لیے ہوں اور یہ دعا اس کے علاوہ ہو کہ لوگوں میں میرا تذکرہ خوبی کے ساتھ ہو یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی تخلص نہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِی عَیْنِیْ صَغِيرًا وَ فِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ کَبِيرًا (اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنادے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنادے)۔

اس میں کبر نفس کا علاج ہے جب اپنے چھوٹا ہونے کا خیال رہے گا تو لوگوں کے تعریف کرنے سے کبر میں مبتلا نہ ہوگا

ہاں اتنا خیال رہنا بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو حقیر نہ جانے اور جھوٹی تعریف کا بھی متنبی نہ ہو۔

اپنے لیے ثنائے حسن کی آرزو رکھنا جبکہ (شرائط کے ساتھ ہو) جائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنی ذات کو برائی کے ساتھ مشہور کرنا بھی کوئی ہنر اور کمال کی بات نہیں ہے بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نیک بھی ہوتے ہیں اور گناہوں سے بھی بچتے ہیں لیکن اگر کسی غلط فہمی سے بدنامی ہونے لگے تو اس کی پرواہ نہیں کرتے اگر کوئی شخص توجہ دلائے کہ اپنی صفائی پیش کریں تو کہہ دیتے ہیں کہ میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں جو میری طرف برائی منسوب کرے گا خود غیبت میں مبتلا ہوگا اس کا اپنا برا ہوگا اور مجھے غیبت کرنے والوں کی نیکیاں ملیں گی میں کیوں صفائی دوں؟ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اپنی آبرو کی حفاظت کرنا بھی اچھا کام ہے اور لوگوں کو غیبت اور تہمت سے بچانا ان کی خیر خواہی ہے بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اے اللہ مجھے اچھے اعمال سے متصف فرمائیے اور ان اعمال کو میرے بعد کے آنے والوں میں باقی رکھئے جو میرا اتباع کریں اس سے لوگ مجھے اچھائی سے یاد کریں گے اور ان کے اعمال صالحہ کا ثواب بھی ملے گا جبکہ ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ يَكْذِبُهُمْ لَهُ لَاشْتِرَاكِهُمْ فِي الْمَعِجَىٰ بِالْتَّوْحِيدِ ۚ اُولَٰئِكَ لَظُلُومٌ لِّبِهِ فِیْهِمْ كَاَنَّهُ رُسُلٌ وَّ تَاٰیِیْتٌ قَوْمٌ بِاِغْتِبَارٍ ۚ مَعْنَاهُ وَتَذَكِّرُهُ بِاِغْتِبَارٍ لَقَطِیْهِ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ نَسَبًا نُّوحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اَللّٰهُ اِنِّیْ اَنْتُمْ رُسُلٌ اٰمِیْنٌ ۝ عَلٰی تَبْلِیْغِ مَا اُرْسِلْتُ بِهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِیْعُوْنَ ۝ یٰۤاٰمُرُكُمْ بِهِ مِنْ تَوْحِیْدِ اللّٰهِ وَطَاعَتِهِ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ عَلٰی تَبْلِیْغِهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ مَا اَجْرِیْ اٰیٌ نُّوَابِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِیْعُوْنَ ۝ كَزَّرَهُ تَاٰكِیْدًا قَالُوْا اَنْتُمْ مِنْ نُّصَدِّقُ لَكَ لِقَوْلِكَ وَاتَّبَعَكَ وَفِیْ قِرَاةٍ وَّاتِّبَاعِكَ جَمْعُ تَابِعٍ مُّبْتَدِیْ اِیْ اَلْاَرْدَلُوْنَ ۝ السُّفْلَةُ كَالْحَاكِمَةِ وَالْاَسَاكِفَةُ قَالَتْ وَمَا عَلَیْیْ اٰیٌ عَلِمَ لَیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ مَا حَسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ فِیْجَاۤزِیْهِمْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ تَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ مَا عَبْتُمُوْهُمْ وَ مَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ یٰۤاٰیُّ الْاِنْدَارِ قَالُوْا لَیْنٌ لَّمْ تَنْتَهَ یٰۤنُوْحُ عَمَّا تَقُوْلُ لَنَا لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ۝ بِالْحِجَاۤزَةِ اَوْ بِالشَّمِ قَالَ نُّوحٌ رَبِّ اِنْ قَوْمِیْ كَذٰبُوْنَ ۝ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتَحَّ اٰیْ اَحْكُمْ وَ نَجِّنِیْ وَ مَنْ فَعِلَیْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ تَعَالٰی فَانْجِیْنِهٖ وَ مَنْ مَّعَهُ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ الْمَعْلُوْءُ مِنَ النَّاسِ وَ الْخِیْلَانُ وَ الطَّیْرُ لَمَّا اَعْرَقْنَا بَعْدَ اٰیٍ بَعْدَ اَنْجَاۤیْهِمُ الْبٰقِیْنَ ۝ مِنْ قَوْمِهِ اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةٌ ۚ وَ مَا كَانَ اَلْکَرَمُ

11

تو چچہ بھٹا: نوحؑ کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یہاں جمع کا صیغہ ہے۔ اس وجہ سے کہ کسی ایک نبی کا جھٹلانا گویا کہ تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے کیونکہ ہر ایک کا مقصد ایک ہوتا ہے۔ یعنی دعوت توحید یا یہ کہ حضرت نوحؑ نے ان کے درمیان اتنا طویل وقت گزارا کہ انہوں نے کئی انبیاء کا دور دیکھا ہو۔ اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا اور قوم کو مؤنث استعمال کرنا باعتبار معنی کے ہے۔ اگرچہ باعتبار لفظ کے یہ مذکر ہے) جب کہ ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا استباز پیغمبر (بھیجا گیا ہوں اس چیز کی تبلیغ کیلئے جو مجھے عطا کی گئی ہے) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (جو کچھ میں تمہیں حکم دوں خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے بارے میں) اور میں تم سے اس (تخلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ سو (میری اس نیک نیتی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (اس جملہ کو تاکید کیلئے مکرر لایا گیا ہے) وہ لوگ بولے تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں اور آنحالیکہ تمہارے پیروں ذیل (اور پست اقوام جیسے نور باف اور جوتہ ساز وغیرہ) ہی ہیں۔ (واتبعك ایک قراءت مکمل واتبعك ہے جمع ہے تابع کی اور ترکیب میں مبتداء واقع ہے نوح علیہ السلام نے) فرمایا کہ ان کے (پیشہ اور)

کام سے مجھے کیا بحث ان سے حساب کتاب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے (وہی انہیں جزا و سزا دے گا) کاش تم اسے سمجھتے (اور جانتے جو تم نے انہیں عیب لگایا) اور میں ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں۔ میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اے نوح اگر تم (اس کہنے سننے سے) باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے (پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا یا سب و شتم کر کے پریشان کر دیا جائے گا نوح نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان کھلا ہوا فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجئے (ارشاد ہوا) چنانچہ ہم نے (ان کی دعا قبول کی اور) انہیں اور جو ان کے ساتھ (انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سے) بھری ہوئی کشتی میں تھے۔ سب کو نجات دی۔ پھر اس کے بعد (قوم کے) باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا قوت والا بڑی رحمت والا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: **بِإِغْتَابِ مَيْمَنًا**: یعنی جماعت کے معنی میں مونٹ ہے۔

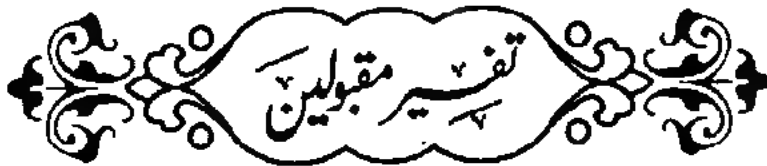
قوله: **أَخَوْهُمْ**: کسی لحاظ سے۔

قوله: **يَهَاكَ أَنْتَ يَا عَصَا**: میری ذمہ داری ظاہر کا لحاظ کرنا ہے ان کے باطل سے مجھے غرض نہیں۔

قوله: **مَظْهَرُ انْذَارٍ**: واضح دلیل کے ذریعہ ہے تمہارے خوش کرنے کے لئے مجھے ان کا مسترد کرنا لازم نہیں۔

قوله: **إِنَّ قَوْمِي كَذِبُونَ**: بد دعا کی وجہ ذکر کر رہے ہیں درنہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

قوله: **وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ**: جنہوں نے اپنے دل سے ایمان کو قبول کیا ہے۔



كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے جو گفتگو ہوئی گزشتہ رکوع میں اس کا ذکر تھا اب یہاں سے دیگر انبیاء کرام کے واقعات اور قوموں کے ساتھ ان کے مکالمات اور مخاطبات اور قوموں کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کے قصے بیان کیے جا رہے ہیں اولاً حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور اس کے بعد حضرت ہود حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی شرک سے روکا اور انہیں طرح طرح سے سمجھایا اور ان لوگوں سے کہا

کہ تم کفر و شرک کیوں نہیں چھوڑتے اللہ کو ایک ماننے کے لیے تو عقل ہی کافی ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور امانت دار ہوں جو کچھ کہتا ہوں اسی کے حکم سے کہتا ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو کیونکہ میری فرمانبرداری کرنا خالق اور مالک ہی کی فرمانبرداری کرنا ہے اور تم یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں اور تمہیں راہ حق پر لانے کی محنت کر رہا ہوں اس میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے تم سے اپنی اس محنت پر کوئی اجرت یا عوض یا صلہ طلب نہیں کرتا میں تو اپنا اجر و ثواب رب العالمین جل مجدہ سے لے لوں گا تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ جب یہ شخص ہم سے کسی چیز کا طالب نہیں تو اتنی محنت کیوں کرتا ہے تم غور کرو اور سمجھو اور اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ہدایت قبول نہ کی اینڈ سے اینڈ سے جواب دیتے رہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال ان لوگوں کے درمیان رہے لیکن تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔

قَالُوا اتَّوَمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ۝

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جو کٹ جتنی کی اور ایمان نہ لانے کا بہانہ بنایا اس میں ایک یہ بات بھی تھی کہ تمہارے ساتھ ذلیل لوگ لگے ہوئے ہیں اگر ہم تم پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان چھوٹے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑے گا (اس میں گویا اس طرف اشارہ تھا کہ اگر یہ لوگ ہٹ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں اور آپ سے دین سیکھیں گے) یہ ایسا ہی ہے جیسے عرب کے لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں (یعنی بلال، صہیب، عمار، خباب وغیرہم) جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں

قال القرطبي و كانهم طلبوا منه طرد الضعفاء كما طلبته قريش -

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے دین و ایمان سے مطلب ہے مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کوئی شخص عمدہ پیشہ اختیار کر لے یا ایسا کوئی کام اختیار کر لے جسے دنیا والے گھٹیا سمجھتے ہیں مثلاً سڑکوں پر جھارو دینا یا جوتے گانٹھنا وغیرہ اصل چیز ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں دو چیزوں کے ذریعہ بلند مرتبہ ملتا ہے اور پھر سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے محاسبہ فرمائے گا۔ (یہ بات فرما کر ان لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ دیکھو تمہارا بھی حساب ہوگا) کاش تم سمجھدار ہوتے تو ایسی بے تکلی باتیں نہ کرتے حق کو قبول نہ کرنے کے لیے ایسے بہانے کرنا کہ تمہارے پاس جو لوگ بیٹھے ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے گھٹیا ہیں نا سمجھی کی بات ہے یہ جو تمہاری خواہش ہے کہ میں انہیں ہٹا دوں تو میں ایسا نہیں کر سکتا جن لوگوں نے حق کو قبول کر لیا تو حید کو مان لیا مومن بندے بن گئے بھلا میں ان کو کیسے ہٹا سکتا ہوں اور میں کوئی تم پر زبردستی تو کر نہیں سکتا میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے سمجھانے میں اور صاف صاف کہنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں یوں ہی ظاہر میں تمہارا دین قبول کر لیا ہے دل سے مومن نہیں ہیں جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا عَلَيْنِي يَا كَاثِبُونَ ۝ کہ مجھے کسی کے باطن سے بحث نہیں میں تو ظاہر کے دیکھنے کا مکلف ہوں۔

کسی نے ایمان قبول کر لیا میرا سچی ہو گا بس وہ میرے نزدیک مومن ہے رہا باطن کا معاملہ سو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ ان

کا حساب لے گا کاش تم قانون شرعی کو جانتے ہوئے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے آدمی کہنے لگے کہ اپنی یہ باتیں بند کرو اگر تم باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ تمہاری غیرتیں ہم بھر مار کر تمہیں جان سے مار دیں گے۔ سورہ ہود اور سورہ نوح میں ان لوگوں کی اور باتیں بھی ذکر فرمائی ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا (جس کا ذکر سورہ ہود میں ہے) ساڑھے نو سو سال تک کسی قوم کو دعوت دینا یہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے ان لوگوں نے بھی عذاب مانگا اور حضرت نوح علیہ السلام بھی بہت زیادہ دل برداشتہ ہو گئے لہذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ پاک میرے اور میرے قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے یعنی ان کو ہلاک کر دیجیے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو ایمان والے ہیں نجات دے دیجیے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم فرمایا چنانچہ انہوں نے کشتی بنائی اپنے اہل و عیال مؤمنین اور دیگر اہل ایمان کو ساتھ لے کر (بِسْمِ اللّٰهِ تَجَرِبْنَهَا وَ مُرْسَاها) پڑھ کر اس میں سوار ہو گئے۔ آسمان سے پانی برسا زمین سے بھی پانی ابلتا زبردست سیلاب آیا اس میں پوری قوم غرق ہو گئی اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جو کشتی میں سوار تھے نجات پا گئے تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف اور سورہ ہود میں واقعہ گزر چکا ہے اور سورہ نوح کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ ضَلٰجٌ ۙ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۙ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْا ۙ وَ مَا اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ مَّا اَجْرِیْٓ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اَنْتُمْ كُوْنُۦ فِیْ مَا هُمْنَا الْخَبِرُ اٰمِیْنٌ ۙ فِیْ جَنَّتٍ وَ عِیُوْنٍ ۙ وَ زُرُوْجٍ وَ نَحْلٍ طَلَعَهَا هَٰضِیْمٌ ۙ لَطِیْفٌ لِّیْنٍ وَ تَنْحِیْثُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فَرٰهِنَ ۙ بَطْرِیْنٍ وَ فِیْ فِرَآثَةٍ فَاْرِهِنَ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْا ۙ فِیْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ وَ لَا تُطِیْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِیِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ۙ بِطَاْعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی قَالُوْۤا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَخَّرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ سَحَرُوْۤا كَثِیْرًا حَتّٰی غَلَبَ عَلٰی عَقْلِہُمْ مَا اَنْتَ اِیْضًا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ قَاتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۙ فِیْ رَسٰلَتِكَ قَالَ هٰذِهِ نَاقَةُ لِّہَا شَرْبٌ نَّصِیْبٌ مِنَ الْمَآءِ وَ لَكُمْ شَرْبٌ یَّوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ وَ لَا تَمْسُوْہَا بِسُوْءٍ فِیْآخِذْكُمْ عَذَابٌ یَّوْمٍ عَظِیْمٍ ۙ بِعَظَمِ الْعَذَابِ فَعَقَّرُوْہَا اٰیَ عَقَرَهَا بَعْضُهُمْ بِرِضَاهُمْ فَاصْبَحُوْۤا نَدِیْمِیْنَ ۙ عَلٰی عَقْرِہَا فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۙ الْمَوْعُوْذُ بِہٖ فَهَلَكُوْۤا اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةٌ ۙ وَ مَا كَانَ یُحٰۤی اَکْثَرُہُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۙ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَہُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۙ

تو کہتا: تو مٹو نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا مانند ار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ بس میرا صلہ تو پروردگار عالم کے ذمہ ہے۔ کیا تمہیں انہیں چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا۔ جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں چشموں میں اور کھیتوں اور خوب گندھے ہوئے کچھے والی بھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو (اور ایک قراءت میں فرحین کے بجائے فارہین ہے جس کے معنی ہیں ماہر انداز میں) سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو (جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں) اور حدود سے نکل جانے والوں کا کہنا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں اور (خدا تعالیٰ کی اطاعت و بندگی اختیار نہ کر کے اپنی) اصلاح نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے (جس کی وجہ سے تمہاری عقل مغلوب ہو کر رہ گئی ہے) تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعویٰ رسالت میں) سچے ہو (صالح نے) فرمایا کہ یہ ایک اونٹنی ہے۔ پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقررہ دن میں تمہاری۔ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا۔ ورنہ تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔ پھر انہوں نے اس کی کوئی کٹ ڈالیں (یہاں یہ اشکال ہے کہ کاٹنے والے تو چند تھے مگر جمع لا کر منسوب سب کی طرف کر دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کارروائی سب کی مرضی سے کی گئی تھی۔ اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اسی کو صاحب جلالینؒ نے عقروہا بعضہم برضاہم سے بتانا چاہا ہے) پھر (اس پر) بچھتائے پھر ان کو عذاب نے آ لیا۔ بے شک اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے اور (اس کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بیشک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا بڑی رحمت والا ہے۔

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: عباد: بحیثیت قبیلہ اس کو مونث قرار دیا گیا ورنہ اصل میں ان کے جد کا نام ہے۔
قولہ: اِنِّیْ لَکُمْ رَّسُوْلٌ: دعوتِ حود علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصود اصلی معرفت حق اور اس کی طاعت ان کاموں میں جو اس کا قرب میسر کرنے والوں میں سے ہیں اور اس کی سزا سے بچانے والے ہیں اور تقویٰ کا دار و مدار معرفت پر ہے۔

قولہ: ہمارہ: مسافر۔ تعین محض کھیل تماشے کے لئے۔

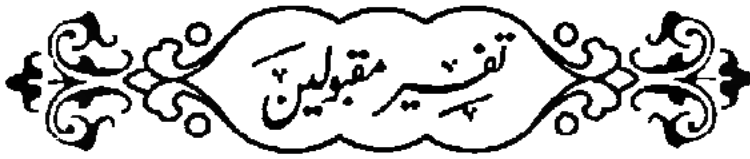
قولہ: مصانع للما: پانی کے مخزن۔

قولہ: جبارین: ظلم کرنے والے۔

قولہ: لانر عوی: ہم بدی و جہل سے باز نہ آئیں گے۔

قولہ: کذبہم: یہ اخلاق کی تفسیر من کثر ثبوت

قولہ: المعذبین: جن باتوں پر ہم چلے جا رہے ہیں ان پر ہمیں عذاب نہ ہوگا۔



كَذَّبَتْ عَادُ النَّوَّاسِينَ ۝

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم بڑی مالدار اور صالح سلطنت تھی۔ محض اپنی بڑائی اور نام آوری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے ان کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائنداری پر آگاہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب سننے والے تھے بالآخر عذاب الہی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلایا۔ ساری پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلاتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لیے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا جز تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تاکہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو۔ جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لیے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشا کرتے ہو اور سر راہ چلنے والوں پر ہنستے ہو اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا بڑی بڑی حوضیں یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طول اہل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اس کو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اس کو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑ دو اور میرا کہنا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی جس خدا نے تمہارے موشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دی اس سے ڈرو کہ کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے مجھے تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور انکی ڈالی ہوئی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرض یہ کہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو آندھی سے ہلاک کر دیا کہ انکا اور انکے مخلوق اور قلعوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور اس ماجرے میں اللہ کی بڑی نشانی ہے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بیشک تیرا رب بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

اس رکوع میں قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے انہوں نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی سمجھایا بھجھایا قوم عاد کی طرح ان لوگوں نے بھی ضد و عناد اور سرکشی پر کمر باندھ لی، حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں امین ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور یہ فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب نعمتیں دی ہیں انہیں یاد کرو ناشکرے نہ بنو اس نے تمہیں باغ دیئے چشمے عطا فرمائے، کھیتیاں عنایت فرمائیں، کھجوروں کے باغ دیئے، ان کھجوروں کے گچھے گوندھے ہوتے ہیں جو خوب پھل لانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ تمہیں پہاڑوں کے تراشنے کی قوت اور ہمت عطا فرمائی تم پہاڑوں کو تراشتے ہو اور فخر کرتے ہوئے اور اتراتے ہوئے ان میں گھر بنا لیتے ہو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ امن و امان اور چین و آرام میں رہو گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو غلط ہے دیکھو تمہیں مرنا بھی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا بھی ہے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو، جن لوگوں نے تمہاری راہ مار رکھی ہے جو حد سے آگے نکل چکے ہیں زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تم ان کی باتوں میں آ کر اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو تمہارے جو بڑے ہیں تمہارا ناس کھور ہے ہیں۔ وہ تمہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہمارے خیال میں تو صرف یہ بات ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے اسی وجہ سے تم ایسی باتیں کر رہے ہو، اور یہ بات بھی ہے کہ تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارے اندر وہ کون سی بڑائی ہے جس کی وجہ سے تم رسول بنائے گئے ہو؟ سورۃ القمر میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا: (اَبَشْرًا نَبِیًّا وَاَجِدًا نَنْتَبِیْهُ اِنَّا اِذَا الْفَجَّیْ حَلَّالٍ وَّسُعُوۡءِ الْفَجِّی الَّذِیْ کُوۡرُ عَلَیْہِ مِنْ بَیۡنِنَا بَلِّیْ هُوَ کَذَّابٌ اَیۡتِیۡم) (سو وہ کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ایک شخص ہے اگر ہم ایسا کریں تو ضرور بڑی گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے) کیا ہم سب کے درمیان سے اسی کی طرف وحی کی گئی ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی خورہ ہے) باتیں کرتے کرتے وہ لوگ یہاں تک آگے بڑھے کہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ اچھا کوئی خاص معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی ہے اللہ کی طرف سے بطور معجزہ بھیجی گئی ہے (بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی کہا تھا کہ ہم تو تمہیں اس وقت نبی مانیں گے جب تم پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ ان کو ہر چند سمجھایا کہ اپنا منہ مانگا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور تم ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ جلد ہی عذاب آجائے گا لیکن وہ نہ مانے) اللہ کے حکم سے پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی یہ اونٹنی عام اونٹیوں کی طرح نہ تھی اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی تھی اس کو بہت زیادہ پانی پینے کی ضرورت تھی ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا (لَهَا شِرْبٌ وَلَکُمْ شِرْبٌ یَّوۡمَ مَقْلُوۡہِ) (اس کے لیے پانی پینے کا وقت مقرر ہے اور تمہارے لیے ایک دن کا پینا مقرر ہے) یہ اونٹنی کنویں میں منہ لٹا کر اکیلی کنویں کا پانی پی جاتی تھی اور قوم ثمود کے لوگ روزانہ پانی نہیں پلا سکتے تھے خود ان کے لیے پانی بھرنے کا اور موشیوں کو پانی پلانے کا دن مقرر کر دیا تھا۔

پہلے تو اپنے منہ سے اونٹنی مانگی تھی پھر جب پانی کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہوا تو ان لوگوں کو یہ بات بکھلنے لگی اور اس اونٹنی کا

وجود ناگوار ہوا انہی کے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کے ارادوں کی اطلاع ملی تو فرمایا اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، بالآخر عذاب آئی گیا اور وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان لوگوں پر سخت چیخ کا اور زلزلہ کا عذاب آیا۔ اسی کو فرمایا: (فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا تَاۤخِذِينَ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ) (سورہ انہوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر پشیمان ہوئے پھر عذاب نے ان کو پکڑ لیا)۔ (الانوار البیان)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوطُ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۙ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْۤنَ ۙ وَ مَاۤ اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ مَّا اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۖ اَتَاْتُوْنَ الذِّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۙ اٰی النَّاسِ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ ۙ اٰیۤ اَقْبَالِهِنَّۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۙ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحٰلَالَ اِلَى الْحَرَامِ قَالُوۤا لَیْنُ لَّمْ تَنْتَهِ یَلُوْطُ عَنْ اِنْكَارِكَ عَلَیْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ۙ مِنْۢ بَلَدِنَا قَالَ لُوطُ اِنِّیْ لَعَلَّیْكُمْ مِنَ الْقٰلِیْنَ ۙ الْمُبْغِضِیْنَ رَبِّ نَجِّیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۙ اٰیۤ مِنْ عَذَابِہٖ فَتَجِیْنٰہُ وَ اَهْلَہٗۤ اُجْعِلْ ۙ اِلَّا عَجُوْۤزًا اِمْرَاَتَہٗ فِی الْغٰیْبِیْنَ ۙ الْبَاقِیْنَ اَهْلَکْنَا هَآثِمًا دَمَرْنَا الْاٰخِرِیْنَ ۙ اَهْلَکْنَاھُمْ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْھُمْ مَّطَرًا ۙ حِجَاۤزَہٗ مِنْ جُمْلَۃِ الْاِہْلَآکِ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۙ مَطَرُھُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَۃً ۙ وَ مَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۙ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَھُو الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۙ

ترجمہ: قوم لوط نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری طاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) لڑکوں سے فعل بد کرتے ہو اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے جو بیبیاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو (نہ طلال کا خیال نہ حرام کا) وہ لوگ کہنے لگے اے لوط! اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو تم ضرور (ہستی سے) نکال دیئے جاؤ گے (لوط نے) کہا۔ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت کرتا ہوں۔ (لوط نے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار مجھے اور میرے متعلقین کو اس کام (کے وبال) سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں سو ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ (عذاب کے اندر) رہنے والوں میں رہ گئی (اور وہ حضرت لوط کی بیوی واپس تھی) پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو کیسا برا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برسا۔ جن کو (عذاب الہی) سے ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس (واقعہ) میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باد جو داس کے) ان میں سے اکثر

تفسیر مقبولین

كَذَّابَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝

سیدنا حضرت لوط علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ نہرا دون کے قریب تھیں یہ لوگ نیک کام کرنے والے تھے یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سورہ اعراف اور سورہ ہود اور یہاں سورہ شعراء میں بیان فرمایا ہے، ان سے پہلے یہ عمل کسی قوم نے نہیں کیا تھا نیز یہ لوگ ڈاکہ زنی بھی کرتے تھے جیسا کہ سورہ عبوت (۳۷) میں مذکور ہے (وَتَقَطَّعُوا السَّيْلَ) (اور تم راہزنی کرتے ہو) حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اچھی طرح سے سمجھایا اور برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے، کہنے لگے اچی! ان لوگوں کو ہستی سے نکال دو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاک باز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے ازراہ تمسخر کہی تھی۔

یہاں سورہ شعراء میں یہ بھی ہے: قَالُوا لَيْنَ لَمْ يَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۝ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) قَالَ اِنِّي لَعَلَّكُمْ مِنَ الْفَالِقِينَ ۝ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ برابر اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ، ان پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مصیبت مل گئی، سورہ انعام اور سورہ شعراء اور سورہ نمل میں وَامْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَرَمَايَا ہے (کہ ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسا دی) سورہ ہود اور سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی زمین کے اوپر دالے حصہ کو نیچے والا حصہ کر دیا یعنی زمین کا تختہ الٹ دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسا دیئے نیز سورہ حجر میں یہ بھی ہے کہ سورج نکلے نکلے ان کو چنچ نے پکڑ لیا، خلاصہ یہ ہے کہ ان پر تینوں طرح کا عذاب آیا اور ہلاک اور برباد کر دیئے گئے، لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات مل گئی ہاں ایک بڑھیا جو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی انہیں لوگوں میں سے رہ گئی جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہوئی تفصیل کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ سورہ اعراف اور سورہ ہود اور سورہ حجر میں گزر چکا ہے۔

لَكَذَّبَ اصْحَابُ عُيَيْنَا ۝ وَفِي قِرَاءَةِ بِحَذْفِ الهمزة وَالْقَاءِ حَرْ كَيْهَا عَلَى اللّٰمِ وَفَتْحِ الْهَاءِ هِيَ غَيْضَةُ شَجَرٍ قُرْبَ مَدْيَنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ لَّمْ يَأْتِكُمْ لَآئِهٖ لَمَ يَكُنْ مِنْهُمْ اِلَّا نٰفِقُونَ ۝ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنِ ۝ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ مَا

رہتے ہو (اور اس پر جزاء و سزا بھی وہی دے گا) پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ سو انہیں پکڑ لیا سائبان والے دن کے عذاب نے (ہوایہ کہ شدید ترین گرمی کے بعد بادل آیا۔ جو سائبان کی طرح ان پر سایہ فگن ہو گیا۔ جب سب کے سب اس سایہ کے نیچے جمع ہو گئے تو پھر ان پر آگ کی بارش ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں سب جل کر راکھ ہو گئے) بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی لوگوں کیلئے عبرت ہے مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا بڑا رحم والا ہے۔

تفسیر مقبولین

لَذَّابَّ أَصْحَابُ لَيْلَى الْمُسْلِمِينَ

حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے کفر کے علاوہ ان میں جو دوسرے معاصی رواج پذیر تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے بھاؤ طے ہو جانے کے بعد جنب خریدار کو ناپ کر یا تول کر سودا دیتے تھے تو کمی کر دیتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول امین ہوں اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور زمین میں فساد نہ کرو، یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے شک جواب دیتے رہے ناپ تول میں کمی کرنے سے جو انہیں منع فرمایا تھا اس کے بارے میں کہنے لگے: (نُشَقِّبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَتَّوَكَّلَ مَا يَتَعَبَّدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ تَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ) (اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے تھے اور یہ کہ ہم اپنی مرضی سے اپنے مالوں میں تصرف نہ کریں) مطلب یہ تھا ہمارے مال ہیں جو چاہیں کریں کم تولیں کم ناپیں اس سے کیا غرض ہے۔ جب انسان یہ بھول جاتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں میں اور میرا مال اللہ ہی کی ملکیت ہے تو اس طرح کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے میاں جاؤ تمہاری ایسی ہی باتیں ہیں تم پر کسی نے نکڑا جادو کر دیا ہے۔ اور تم ہو بھی ہمارے جیسے ایک آدمی، ہم تم کو کیسے نبی مانیں، ہمارے خیال میں تم تو جھوٹوں میں ہو، اور یہ جو تم بار بار عذاب آنے کی بات لگاتے ہو اس سے ہم پر کچھ بھی اثر ہونے والا نہیں، اگر عذاب کی بات سچی ہے یوں ہی دھمکی نہیں ہے تو عذاب لا کر دکھا دو، چلو آسمان سے ہم پر ایک ٹکڑا گرادو، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عذاب کا لانے والا نہیں ہوں اور میں اس کی کیفیت کی تعین بھی نہیں کر سکتا۔ تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے تم پر کب عذاب آئے گا اور کس طرح عذاب آئے گا یہ سب اسی کے علم میں ہے بہر حال تمہارے اعمال عذاب کی دعوت دینے والے ہیں۔ لوگوں کی سرکشی بڑھتی گئی اور راہ راست پر نہ آئے اور ان پر عذاب آ ہی گیا اور انظار (سائبان) کے عذاب سے ہلاک ہوئے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ

جب عذاب آنے کا وقت قریب آئی گیا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی بھیج دی لہذا وہ گھروں کو چھوڑ کر درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جس کے سایہ میں پناہ لینے کے لیے ایک جگہ جمع ہو گئے جب سب اکٹھے ہو گئے تو وہیں پر جلا دیے گئے، روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیج دی جو ان سب کو کھا گئی یہ ان کا منہ مانگا عذاب تھا انہوں نے کہا کہ ہم پر آسمان سے کھڑا گرا دو، لہذا آسمان ہی کی طرف سے بادل نظر آیا اور اس کے سایہ میں جل کر بھسم ہو گئے۔ إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (بلاشبہ یہ بڑے دن کا عذاب تھا)۔

فائدہ: جھاڑیوں والے جنگل کو کہا جاتا ہے یہ لوگ ایسے جنگل میں رہتے تھے جس میں جھاڑیاں تھیں اور کھنے درخت تھے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ: إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ فَرَمَا یا اور اخوہم نہیں فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم میں سے نہ تھے ہاں اصحاب مدین کے بارے میں (أَخَاهُمْ شُعَيْبًا) فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نسب اور خاندان کے اعتبار سے انہیں میں سے تھے۔

وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لِتَنْزِيلِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ جِبْرِيلُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝ بَيْنَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِشُدِيدٍ نَزَلَ وَنُصِبَ الرُّوحُ وَالْفَاعِلُ اللَّهُ وَإِنَّهُ أَيْ ذِكْرُ الْقُرْآنِ الْمُنَزَّلِ عَلَى مُحَمَّدٍ لَفِي زُبُرِ كُتُبِ الْأَوَّلِينَ ۝ كَالْتَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ أَوْ كَمَا يَكُنْ لَهُمْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ آيَةً عَلَى ذَلِكَ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ كَعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ مَعْرُومًا ثَوَافِنَهُمْ يُخْبِرُونَ بِذَلِكَ وَيَكُنْ بِالتَّحْذِيرِ وَنُصِبَ آيَةً وَبِالْفُتُوَّةِ وَرَفَعَ آيَةً وَكَوْ نَزْلُهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَبِينَ ۝ جَمْعٌ أَعْجَمَ قِرَاءَةً عَلَيْهِمْ أَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ آتَتْهُ مِنْ أَتْبَاعِهِ كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ إِذْ خَالَتَا التَّكْذِيبِ بِهِ بِقِرَاءَةِ الْأَعْجَمِ سَلَكْنَهُ أَذْخَلْنَا التَّكْذِيبَ بِهِ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ أَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ بِقِرَاءَةِ النَّبِيِّ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ فَيَأْتِيهِمْ بَغْةٌ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ۝ لِيُؤْمِنُ فَيَقَالَ لَهُمْ لَا قَالُوا مَتَى هَذَا الْعَذَابُ قَالَ تَعَالَى أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ أَفَرَأَيْتَ أَخْبَرْنِي إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۝ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ مِنَ الْعَذَابِ مَا اسْتَيْفَاهَا مِثْلُ بَعْضِ شَيْءٍ أَخْفَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَشْعُرُونَ ۝ فَبَدَعَ الْعَذَابِ أَوْ تَخَفِيفِهِ أَيْ لَمْ يَغْنِ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۝ ۞ رُسُلٌ يُنْذِرُ أَهْلَهَا ذِكْرًا عِظَةً لَهُمْ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَبَدَعَ أَهْلًا كَيْفَ بَعْدَ إِذْ نَارِهِمْ وَنَزَلَ رَدُّ الْقَوْلِ الْمُسْتَرْكِينَ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ

بِالْقُرْآنِ الشَّيْطَانِ ۝ وَمَا يَنْبَغِي يَصْلُحَ لَهُمْ أَنْ يُزَلَّوْا بِهِ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ ذَلِكَ أَنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ
بِكَلَامِ الْمَلَائِكَةِ كَعُزُولُونَ ۝ مَحْجُوبُونَ بِالشُّهْبِ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ
الْمُعَذِّبِينَ ۝ إِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ الَّذِي دَعَوَكَ إِلَيْهِ وَانْذِرَ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ وَهُمْ يَبْذُوهَا شِمًا وَيَبْنُوا
لِمَطْلَبٍ وَقَدْ انْذَرَهُمْ جِهَارًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ الْيَمَنَ جَانِبَكَ لِمَنْ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ وَجِدِينَ فَإِنْ عَصَوْكَ أَيُّ عَشِيرَتِكَ فَقُلْ لَهُمْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝
مِنْ عِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ وَتَوَكَّلْ بِالْوَاوِ وَالْفَاءِ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ اللَّهُ أَيُّ فَرَضَ إِلَيْهِ جَمِيعَ أُمُورِكَ
الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ۝ إِلَى الصَّلَاةِ وَتَقْلِبُكَ فِي أَرْكَانِ الصَّلَاةِ قَائِمًا وَقَاعِدًا أَوْ رَاكِعًا وَسَاجِدًا
فِي السَّجْدَيْنِ ۝ أَيُّ الْمَصْلَحَيْنِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ هَلْ أَتَيْتُكُمْ أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ عَلَى مَنْ
تَنْزِلُ الشَّيْطَانُ ۝ بِحَدَفٍ أَحَدَى الثَّانِيَيْنِ مِنَ الْأَصْلِ تَنْزُلٌ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ كَذَّابٍ أَثِيمٍ ۝ فَاجِرٌ
مِثْلُ مُسْلِمَةٍ وَغَيْرِهِ مِنَ الْكُهْنَةِ يُلْقُونَ أَيُّ الشَّيَاطِينِ السَّمْعَ أَيُّ مَا سَمِعُوهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى الْكُهْنَةِ
وَأَكْثَرُهُمْ كَذِبُونَ ۝ يَضْمُونَ إِلَى الْمَشْمُوعِ كَذِبًا كَثِيرًا وَكَانَ هَذَا قَبْلَ أَنْ حَجَبَتِ الشَّيَاطِينُ عَنِ
السَّمَاءِ وَالشُّعْرَاءُ يَسْمِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ فِي شِعْرِهِمْ يَقُولُونَ بِهِ يَزُودُونَ عَنْهُمْ فَهُمْ مَذْمُومُونَ أَلَمْ تَرَ
تَعْلَمُ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ مِنْ أَوْدِيَةِ الْكَلَامِ وَفُتُونُهُ يَهَيِّبُونَ ۝ يَمْضُونَ فَيَجَاوِرُونَ الْحَدَّ مَذْحَاوِهِجَاءُ
وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ فَعَلْنَا مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ أَيُّ يَكْذِبُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الشُّعْرَاءِ
وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا أَيُّ لَمْ يَشْغَلْهُمْ الشُّعْرُ عَنِ الذِّكْرِ وَانْتَصَرُوا بِهِجْوِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ مِنْ بَعْدِ مَا
ظَلَمُوا ۝ بِهِجْوِ الْكُفَّارِ لَهُمْ فِي جُمْلَةِ الْمُؤْمِنِينَ فَلْيَسُوا مَذْمُومِينَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ
بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَسَيَعْلَمُ
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنَ الشُّعْرَاءِ وَغَيْرِهِمْ أَيُّ مُنْقَلَبٍ مَرَّجِعٍ يَنْقَلِبُونَ ۝ يَزْجَعُونَ بَعْدَ الْمَوْتِ

ترجمہ: اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین (جبریل) نے آپ کے قلب پر
صاف عربی زبان میں اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں (ایک قراءت میں نزل تشریف کے ساتھ ہے۔ اور

روح کو نصب اور فاعل اللہ ہے) اور بے شک اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں (مثلاً توریت و انجیل وغیرہ) میں ہے۔ کیا ان (کفار مکہ) کیلئے یہ بات دلیل نہیں کہ اس (پیشین گوئی) بنی اسرائیل (جیسے عبد اللہ بن اسلام اور ان کے اصحاب جن پر انہیں اعتماد ہے وہ) جانتے ہیں (اور اس کے متعلق انہیں اطلاع بھی دیتے رہتے ہیں۔ لیکن یاہ اور تاء کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ اسی طرح آیہ کورفع اور نصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجی پر نازل کرتے۔ پھر وہ ان (کفار مکہ) کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا۔ جب بھی یہ لوگ اسے (عناد کی وجہ سے) نہ ماننے (جس طرح ہم نے ان کے دلوں میں انکار ڈال رکھا ہے۔ انجی کی قراءت کی صورت میں) ہم نے اسی طرح اس (انکار اور ایمان نہ لانے) کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے۔ جو اچانک ان کے سامنے آکھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر (اس وقت) کہیں گے کہ کیا اب ہمیں مہلت مل سکتی ہے (تاکہ ہم ایمان لے آئیں۔ کہا جائے گا ہرگز نہیں اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وہ عذاب ارشاد ہے کہ) یہ لوگ ہمارے عذاب (کون کر اس) کی کیا جلدی چاہتے ہیں۔ ذرا بتاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔ پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ آجائے تو ان کا عیش ان کے کیا کام آسکتا ہے (عذاب کو روکنے یا اس کو ہلکا کرنے میں ماغنی میں ما استغفامیہ معنی میں اکی شے کے ہے) اور ہم نے جہنمی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آچکے (جنہوں نے وہاں کے باشندوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا) اور ہم کوئی ظلم کرنے والے تو تھے نہیں (کہ قبل از وقت بغیر کسی تخویف کے انہیں ہلاک کر دیتے۔ آگے کی آیت ان مشرکین کے رد میں ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن (العیاذ باللہ) شیطان کی جانب سے ہے) اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ ان کے بس کی بات۔ وہ تو (وحی آسمانی کے) سننے سے محروم کئے جا چکے ہیں (اور اگر وہ سننے کی کوشش کریں تو ان پر آگ کے انگارے برسائے جاتے ہیں) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریے۔ ورنہ (اگر آپ نے ایسا کیا تو) آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی اور اپنے کنبہ کے عزیزوں (مثلاً بنو ہاشم و بنو مطلب وغیرہ) کو ڈراتے رہئے۔ اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ ان کے ساتھ (مشفقانہ) فردنی سے پیش آئیے۔ اور اگر یہ لوگ آپ کا کہانہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے (جو تم غیر اللہ کی پرستش کرتے ہو اس سے) بیزار ہوں اور آپ خدائے قادر و رحیم پر توکل رکھئے (اور اپنے سارے امور اس کے سپرد کر دیجئے۔ وَتَوَكَّلْ اور فَتَوَكَّلْ دونوں طرح قراءت ہے) جو آپ کو جب آپ (نماز کیلئے) کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ (قیام و قعود اور رکوع و سجود میں) آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا رہتا ہے۔ بے شک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (اے کفار مکہ) کیا میں تم کو بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں (منزل اصل میں تنزل تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا) وہ اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار (مثلاً مسیلمہ اور دوسرے کاہنوں) پر لا ڈالتے ہیں (یہ شیطین) سنی ہوئی بات (جو کچھ وہ فرشتوں سے سن لیتے ہیں) اور ان میں سے اکثر

جہوئے ہی ہوتے ہیں (کیونکہ یہ شیطین فرشتوں سے سنی ہوئی باتوں میں اپنی طرف سے اضافے کر کے کاہنوں تک پہنچتے ہیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ شیطین کو آسمان پر آنے جانے کی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی) اور شاعروں کی پیروی تو بے راہ لوگ کرتے ہیں (یہ کفار بھی شاعروں کی باتوں کو سنتے ہیں اور پھر اسی کو نقل کرتے ہیں۔ لہذا ان شاعروں کی مذمت کی گئی جو بے سرو پا باتیں کرتے ہیں) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر) لوگ تو (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں (اور کسی کی تعریف یا تنقید میں حد سے آگے گزر جاتے ہیں) اور وہ باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔ البتہ جو (شعرائی) لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بدلہ لیا (کفار کی ہجو کر کے) بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (کفار کی جانب سے ہجو کے نتیجے میں جو ان کی اور جملہ مؤمنین کی گئی۔ تو اس صورت میں یہ برے نہیں کہلائیں گے۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ اللہ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کو ظاہر کرنا۔ مگر جس پر ظلم ہو چکا ہو اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ جس نے تم پر زیادتی کی تو تم اس سے بدلہ لے سکتے ہو برابر برابر) اور عنقریب ان (شعراء وغیر شعراء) کو معلوم ہو جائے گا۔ جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ (مرنے کے بعد) کسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: طُورِقِ الْقَبِيضِ: کیونکہ وہ ادنیٰ جب تھا۔

قوله: وَقَدِ: اس کو مقدر مانا تاکہ ماضی حال بن سکے۔

قوله: زَا جَعِ اِلَى الْحُجْدِ: یہ علت کی وجہ سے منصوب ہیں جحد و افعِل سے نہ کہ استیتفتہا سے۔

تفسیر مقبولین

وَاِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کا ذکر آیا تھا وہی ذکر پھر تفصیلاً بیان ہو رہا ہے کہ یہ مبارک کتاب قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ روح الامین سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جن کے واسطے سے یہ وحی سرور رسل علیہ السلام پر اتری ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت: (قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْحَبْلِ الْبَرِّ لَئِنْ نَزَّلَهُ عَلَيَّ قَلْبُكَ بِإِلْحَامٍ مِّنْ مَّوَدِّعَاتِ رَبِّكَ لَيَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ) (البقرہ: ۹۷) یعنی اس قرآن کو حکم الہی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تیرے دل پر نازل فرمایا ہے۔ جبریل امین جو ہمیشہ اللہ پاک کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے نور وحی لانے کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آپ کو ان دونوں وصفوں روح اور امین کے ساتھ ذکر فرمایا

گیا ہے۔ اس لیے کہ وحی روح کی غذا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا: وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا مِنْ تَحْتِ الْإِثْرِ (اشوری: 52) سو اسی لیے اس کو لانے والے فرشتے۔ جبریل۔ کو بھی روح سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور امین اس لیے کہ آپ ﷺ نے وحی خداوندی کی اس امانت کے لانے میں پوری دیانت و امانت سے کام لیا۔ اس میں کسی طرح کی کوئی خیانت نہیں کی۔ سو یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ وحی کے نور سے محروم ہیں وہ دراصل زندہ نہیں مردہ ہیں۔ اگرچہ وہ فضاؤں میں اڑتے اور سمندروں کی تہوں میں اترتے ہوں۔ بہر کیف اس کلام مجید کو روح الامین لیکر اترے ہیں۔ یہ قرآن اگلی تمام الہامی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ یہ فرشتہ ہمارے ہاں ایسا مکرم ہے کہ اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس سے روح الامین بولے اسے زمین نہیں کھاتی۔ اس بزرگ بامرتبہ فرشتے نے جو فرشتوں کا سردار ہے تیرے دل پر اس پاک اور بہتر کلام اللہ کو نازل فرمایا ہے جو ہر طرح کے میل کچیل سے کی زیادتی سے نقصان اور کجی سے پاک ہے۔ تاکہ تو اللہ کے مخالفین کو گھنگاروں کو اللہ کی سزا سے بچاؤ کرنے کی رہبری کر سکے۔ اور تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی مغفرت و رضوان کی خوشخبری پہنچا سکے۔ یہ کھلی فصیح عربی زبان میں ہے۔ تاکہ ہر شخص سمجھ سکے پڑھ سکے۔ کسی کا عذر باقی نہ رہے اور ہر ایک پر قرآن کریم اللہ کی حجت بن جائے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہ کہہ اٹھے یا رسول اللہ ﷺ آپ تو کمال درجے کے فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی، قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے فرمان ہے آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ تَنْزِيْلًا (اشوری: ۱۹۵) امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وحی عربی میں اتری ہے یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لیے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی (ابن ابی حاتم)

وَإِنَّكَ لَفِي زُجْرٍ الْأَوَّلِينَ ۝

بشارت و تصدیق یافتہ کتاب:

فرماتا ہے کہ اللہ کی اگلی کتابوں میں بھی اس پاک اور اللہ کی آخری کلام کی پیشینگوئی اور اس کی تصدیق و صفت موجود ہے۔ اگلے نبیوں نے بھی اس کی بشارت دی یہاں تک کہ ان تمام نبیوں کے آخری نبی جن کے بعد حضور ﷺ تک اور کوئی نبی نہ تھا۔ یعنی حضرت عیسیٰ ﷺ بنی اسرائیل کو جمع کر کے جو خطبہ دیتے ہیں اس میں فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو اگلی کتابوں کو سچانے کے ساتھ ہی آنے والے حضرت محمد ﷺ کی بشارت تمہیں سنا رہا ہوں۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے یہاں زبور کا لفظ کتابوں کے معنی میں ہے جیسے فرمان ہے: (وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ لَآ فِي الزُّبُرِ) (الہقر: ۵۲) جو کچھ یہ کر رہے ہیں سب کتابوں میں تحریر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ سمجھیں اور ضد اور تعصب نہ کریں تو قرآن کی حقانیت پر یہی دلیل کیا کم ہے کہ خود بنی اسرائیل کے علماء اسے مانتے ہیں۔ ان میں سے جو حق گو اور بے تعصب ہیں وہ توراۃ کی ان آیتوں کا لوگوں پر کھلے عام ذکر کر رہے ہیں جن میں حضور ﷺ کی بعثت قرآن کا ذکر ہے

آپ کی حقانیت کی خبر ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان فارسی اور ان جیسے حق گو حضرات نے دنیا کے سامنے توراۃ و انجیل کی وہ آیتیں رکھ دیں جو حضور ﷺ کی شان والا شان کو ظاہر کرنے والی تھیں۔ اس کے بعد کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس فصیح و بلیغ جامع بالغ حق کلام کو ہم کسی عجمی پر نازل فرماتے پھر بھی کوئی شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ہمارا کلام ہے۔ مگر مشرکین قریش اپنے کفر اور اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اس وقت بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر آسمان کا دروازہ بھی ان کے لیے کھول دیا جاتا اور یہ خود چڑھ کر جاتے تب بھی یہی کہتے ہمیں نشہ پلا دیا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور آیت میں ہے اگر ان کے پاس فرشتے آجاتے اور مردے بول اٹھتے تب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ان پر عذاب کا کلمہ ثابت ہو چکا، عذاب ان کا مقدر ہو چکا اور ہدایت کی راہ مسدود کر دی گئی۔

وَمَا تَزَالُ بِهَ الشَّيَاطِينُ ۝

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون (وَإِنَّهُ لَنَزْلُؤُنِي رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ) کی تکمیل و تمیم فرماتے ہیں۔ یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبرائیل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد اور ظلمت پھیلاتا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاک باز و صادق، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، تبرک بارامانت کو اٹھا سکیں۔ (لَوْ أَنزَلْنَاهَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَا أَخْشَعَ شَخَصَاتٍ مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ) (الشعر: ۲۱) روایات میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور ﷺ کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۖ عَشِيرَہ کے معنی کنبہ اور خاندان اقرب کی قید سے ان میں سے بھی قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر تبلیغ رسالت اور انداز پوری امت کے لیے فرض ہے اس جگہ خاندان کے لوگوں کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟ غور کیا جائے تو اس میں تبلیغ و دعوت کے آسان اور موثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا گیا ہے جس کے آثار دور رس ہیں۔ وہ یہ کہ اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگ اپنے سے قریب ہونے کی بناء پر اس کے حقدار بھی ہیں کہ ہر خیر اور اچھے کام میں ان کو دوسروں سے مقدم کیا جائے اور باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بناء پر ان میں کوئی جھوٹا دغیدار نہیں کھپ سکتا اور جس کی سچائی اور اخلاقی برتری خاندان کے لوگوں میں مصروف ہے اس کی سچی دعوت قبول کر لیتا ان کے لیے آسان بھی ہے اور قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی تحریک کے حامی بن گئے تو ان کی اخوت و امداد بھی پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہے وہ خاندان جمعیت کے اعتبار سے بھی ان کی تائید و اخوت پر مجبور ہوتے ہیں اور جب قریبی رشتہ داروں، عزیزوں کا ایک ماحول حق و صداقت کی بنیادوں پر تیار ہو گیا تو روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک کو دین کے احکام پر عمل کرنے میں بہت

سہولت ہو جاتی ہے اور پھر ایک مختصری طاقت تیار ہو کر دوسروں تک دعوت و تبلیغ کے پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں ہے: قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اس میں اہل و عیال کے جہنم سے بچانے کی ذمہ داری خاندان کے ہر فرد پر ڈال دی گئی ہے جو اصلاح اعمال و اخلاق کا آسان اور سیدھا راستہ ہے اور غور کیا جائے تو کسی انسان کا خود اعمال و اخلاق صالحہ کا پابند ہونا اور پھر اس پر قائم رہنا اس وقت تک عادتہ ممکن نہیں ہوتا جب تک اس کا ماحول اس کے لیے سازگار نہ ہو، سارے گھر میں اگر ایک آدمی نماز کی پوری پابندی کرنا چاہے تو اس کے نماز کو بھی اپنے حق کی ادائیگی میں مشکلات حائل ہوں گی۔ آج کل جو حرام چیزوں سے بچنا دشوار ہو گیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ فی الواقع اس کا چھوڑنا کوئی بڑا مشکل کام ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ سارا ماحول ساری برادری جب ایک گناہ میں مبتلا ہے تو اکیلے ایک آدمی کو بچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے تمام خاندان کے لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سنایا اس وقت اگرچہ لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ خاندان کے لوگوں میں اسلام و ایمان داخل ہونا شروع ہو گیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے اسلام کو ایک بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۱﴾

شعر کی تعریف:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۱﴾ اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لیے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں مقفی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن: بَلْ هُوَ شَاعِرٌ، شَاعِرٌ فَتَجَنَّبُوهُ، شَاعِرٌ تَتَرَبَّصُّ بِهِ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور ﷺ کو وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا، اس لیے کہ وہ شعر کے طرز و طریق سے واقف تھے اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ فصیح و بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے۔ مقصد ان کا دراصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کا ذب کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے ادلہ کا ذب کو ادلہ شعریہ کہا جاتا ہے غلامہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۱﴾ اس آیت میں شعر کے اصطلاحی اور معروف معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی موزوں و مقفی کلام کہنے والے، اس کی تائید فتح الباری کی روایت سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت اور کعب بن مالک جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں روتے ہوئے سرکارِ دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ خدائے ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آیت کے آخری

حصہ کو پڑھو۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار یہودہ اور غلط مقصد کے لیے نہیں ہوتے اس لیے تم اس استثناء میں داخل ہو جو آخر آیت میں مذکور ہے اس لیے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں کیونکہ گمراہ لوگ سرکش شیطان اور بافرمان جن ان ہی کے اشعار کی اتباع کرتے تھے اور روایت کرتے تھے۔ (کافی فتح الباری)

شریعت اسلام میں شعرو شاعری کا درجہ:

آیات مذکورہ کے شروع سے شعرو شاعری کی سخت مذمت اور اس کا عند اللہ منغوض ہونا معلوم ہوتا ہے مگر آخر سورت میں جو استثناء مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ شعر مطلقاً برا نہیں بلکہ جب جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کے ذکر سے روکنا یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت اور توہین ہو یا فحش کلام اور فواحش کے لیے محرک ہو وہ مذموم و مکروہ ہے اور جو اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے: **إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** کے ذریعہ مستثنیٰ فرمادیا ہے اور بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اطاعت و ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب کی روایت ہے کہ **ان من الشعر حکمة**، یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ (رواہ البخاری) حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حکمت سے مراد کچھ بات ہے جو حق کے مطابق ہو۔ ابن بطلال نے فرمایا جس شعر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کا ذکر، اسلام سے الفت کا بیان ہو وہ شعر مرغوب و محمود ہے اور حدیث مذکور میں ایسا ہی شعر مراد ہے اور جس شعر میں جھوٹ اور فحش بیان ہو وہ مذموم ہے اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے (۱) عمر بن الشرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے امیہ بن ابی الصلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے (۲) مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بصرہ تک حضرت عمران بن حصین کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے (۳) طبری نے کبار صحابہ اور کبار تابعین کے متعلق کہا کہ وہ شعر کہتے تھے سنتے تھے اور سناتے تھے (۴) امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ شعر کہا کرتی تھیں (۵) ابو یعلیٰ نے ان عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور مضمون برا یا گناہ کا ہے تو شعر برا ہے۔ (فتح الباری)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، مشہور قادر کلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا ہے کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کو اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی برا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے معتاد ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاری نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے: **لَا يَمْتَلِي جَوْفُ رَجُلٍ قِيَاخِيرِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِي شِعْرًا**، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے

نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آ جائے اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر عدی بن نضله کو ان کے عہدہ سے اس لیے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمرو بن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے تو یہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے:

ابن ابی جرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر اتباع کرنے والوں کی گمراہی مستبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْفَقَاءُ ﴿٦٨﴾ اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کے فعل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا؟ وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی میں اس متبوع کے اتباع کا دخل ہو مثلاً متبوع کو جھوٹ اور غیبت سے بچنے بچانے کا اہتمام نہیں ہے اس کی مجلس میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع کو بھی جھوٹ اور غیبت کی عادت پڑ گئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت قرار دیا جائے گا لیکن اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ سے اور اتباع کسی دوسری وجہ سے ہو تو یہ تابع کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور ان میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا انہیں میں یہ گمراہ ہے تو اس کی علمی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

سُورَةُ النَّمْلِ

سُورَةُ النَّمْلِ ۲۷ مَكِّيَّةٌ ۳۸ آيَاتُهَا ۹۳ رُكُوعَاتُهَا ۷

سورہ نمل کہ میں اتری شروع اللہ کے نام سے جو سب سے مہربان نہایت رحم والا ہے

لَسَّ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ تِلْكَ ۖ هَذِهِ آيَاتُ الْقُرْآنِ آيَاتُ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ۝
 يُظهِرُ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةِ مُوْهَدَى ۖ أَيْ هَادٍ مِنَ الضَّلَالَةِ وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝
 الْمُصْذِقِينَ بِهِ بِالْجَنَّةِ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ يَتَوَنَّبَهَا عَلَى وَجْهِهَا وَيُؤْتُونَ زَكَاةَ الْوَلَدِ وَهُمْ
 بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ يَعْلَمُونَهَا بِإِلْتِدَالٍ وَأَعْيَدَهُمْ لِمَا نُصَلِّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْخَيْرِ إِنَّ الَّذِينَ لَا
 يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيْنًا لَهُمْ أَعْبَالُهُمْ ۖ الْقَبِيحَةُ بِتَرْكِهَا الشُّهُورَةِ حَتَّى زَاوَاهَا حَسَنَةً فَهُمْ
 يَعْمَهُونَ ۝ يَخْتَرُونَ فِيهَا الْقُبْحَ عِنْدَنَا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ ۖ أَشَدُّهُ فِي الدُّنْيَا الْفَقْرُ
 وَالْآسَرُ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخَسَرُونَ ۝ لِمَصِيرِهِمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤَيَّدَةِ عَلَيْهِمْ وَإِنَّكَ خَطَابُ لِلنَّبِيِّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُلْقَى الْقُرْآنَ ۖ أَيْ يُلْقَى عَلَيْكَ بِشِدَّةٍ مِنْ لَدُنْ عِنْدِ حَكِيمٍ عَلَيْهِ ۝ فِي نَفْسِ
 ذَلِكَ أَذْكَرُ إِذَا قَالَ مُوسَى لِأَهْلِيهِ زَوْجِيهِ عِنْدَ مَسِيرِهِ مِنْ مَدْيَنَ إِلَى مِصْرَ إِنَّي أَنَسْتُ أَبْصَرْتُ مِنْ بَعِيدٍ
 نَارًا سَأَتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ عَنْ خَالِ الطَّرِيقِ وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا أَوْ أَتَيْكُمْ بِشَهَابٍ قَبَسٍ بِالْإِضَافَةِ لِلْبَيَانِ
 وَتَرْكِهَا أَيْ شُعْلَةً نَارٍ فِي رَأْسِ فِتْنَةٍ أَوْ غُودٍ لَعَنَكُمْ تَصْطَلُونَ ۝ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ تَاءِ الْإِفْتَعَالِ مِنْ
 صَلِيَ بِالنَّارِ بِكُسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا تَشْتَدُّ فَيُؤْنَمُ مِنَ الْبُرْدِ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنَّ أَيْ بِأَنْ يُؤْرَكَ أَيْ تَارَكَ
 اللَّهُ مَنْ فِي النَّارِ ۖ أَيْ مُوسَى وَمَنْ حَوْلَهَا ۖ أَيْ الْمَلَائِكَةُ أَوْ الْعَكْسُ وَتَارَكَ يَتَعَدَّى بِنَفْسِهِ وَ
 بِالْخَرَفِ وَيُقَدَّرُ بِغَدْفٍ مَكَانِ وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ مِنْ جُمْلَةِ مَا تُؤْدِي وَمَعْنَاهُ تَرْبِيَةُ اللَّهِ مِنَ

السُّوءَ يُؤْتِيهِ إِنَّهُ أَيْ الشَّيْءُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ دَالِقٌ عَصَاكَ ۝ فَلَقَاهَا فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ
تَحَزُّزُ كَأَنَّهُمَا جَانٌّ حَيَّةٌ خَفِيفَةٌ وَلَىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۝ يَرْجِعْ قَالَ تَعَالَىٰ يُمُوسَىٰ لَا تَخَفْ ۝
مِنْهَا إِنِّي لَا أَخَافُ لَدَيْ عِبْدِي الْمُرْسَلُونَ ۝ مِنْ حَيَّةٍ وَغَيْرِهَا إِلَّا لِكِنْ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ثُمَّ
بَدَّلَ حُسْنًا أَتَاهُ بَعْدَ سُوءٍ أَيْ تَابَ فَإِنِّي عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ أَقْبِلْ التَّوْبَةَ وَاعْفُ رُكُوكَ وَادْخُلْ يَدَاكَ فِي
جَيْبِكَ طَوْقَ الْقَمِيصِ تَخْرُجْ خِلَافَ لَوْنِهَا مِنَ الْأَذْمَةِ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۝ يَرْجِسْ لَهَا شَمَاعَ
يُعْشَى الْبَصْرَ أَيْ فِي تَسْجِ أَيْتٍ مُرْسَلٍ بِهَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ فَلَمَّا
جَاءَ تَهُمَّ أَيْتُنَا مُبْصِرَةً أَيْ مُضِيئَةً وَاضِحَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ ظَاهِرٍ وَجَدِّدُوا بِهَا أَيْ
لَمْ يَفْزُوا وَقَدْ اسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ أَيْ تَيَقَّنُوا أَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ظَلَمًا وَعُلُوًّا ۝ تَكْبَرُ عَنِ الْإِيمَانِ بِنَا
جاء به موسى راجع إلى المجد فأنظر بامحمد كيف كان عاقبة المفسدين ۝ التي علمت ههنا
إهلاكيهم

ترجمہ: طس، (خدا تعالیٰ جانتا ہے اس کی مراد) یہ آیات ہیں قرآن کی، اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی۔
(جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ قرآن کا عطف کتاب مبین کے اوپر صفت کی زیادتی کی وجہ سے کیا
گیا یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ قرآن اور کتاب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ پھر اس عطف کی کیا ضرورت
تھی۔ تو اس کا جواب ہے کہ اگرچہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ مگر جب معطوف علیہ سے معطوف میں زیادہ صفت پائے جاتے
ہیں اور اس سے معطوف علیہ کی وضاحت ہوتی ہو تو اس صورت میں عطف مفید ہوتا ہے) ہدایت یعنی راستہ دکھانے والی اور
خوشخبری ہیں اہل ایمان کے لیے۔ (خوشخبری یہ ہے کہ یہ جنت کی تصدیق کرنیوالی ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا
کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (اور دلائل کے ساتھ اس کا علم رکھتے ہیں۔ ضمیر ہم دو مرتبہ لانے کی وجہ لکھتے ہیں کہ
صم مبتداء اور اس کی خبر یوقنون کے درمیان بالآخرۃ کا فصل آگیا تھا۔ اس وجہ سے پھر دوبارہ فرمایا گیا صم یوقنون)۔
اور بیشک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے داناسب کچھ جاننے والے کی جانب سے۔ جب موسیٰ نے اپنے گھروالوں
سے کہا کہ بلاشبہ مجھے آگ نظر آئی ہے (اور ہم جو راستہ بھول گئے ہیں تو راستہ کی صحیح تفصیلات کی) میں وہاں سے تمہارے
پاس کوئی خبر لاتا ہوں، یا تمہارے پاس آگ کا ایک شعلہ کسی لکڑی میں جلتا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم تاپ لو۔ (شہاب کی
اضافت قبس کی جانب اس کی مزید تشریح کیلئے ہے۔ اور بعضوں نے اس اضافت کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی وہ اس وجہ
سے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قبس یا شہاب سے واقع ہو رہا ہے یا اس کی صفت ہے کہ ایسی آگ جو لکڑی وغیرہ میں لگی ہوئی ہو) ۝

جب وہ وہاں آئے تو آواز دی گئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے یعنی موسیٰ اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں یعنی ملائکہ یا اس کے برعکس اور بارک متعدی بنفسہ ہے اور متعدی بالحرف بھی ادنیٰ کے بعد لفظ مکان مخدوف ہے اور اللہ پاک ہے جو رب العالمین ہے اسے موسیٰ بیٹک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں اور تم اپنی لامٹی کو ڈالو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا، سو جب اس لامٹی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر لوٹے اور مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا، اسے موسیٰ تم نہ ڈرو، بلاشبہ میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرتے مگر جس نے ظلم کیا پھر اس نے گناہ کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو میں مغفرت کرنے والا ہوں رحمت والا ہوں (توبہ قبول کر کے معاف کر دیتا ہوں) اور اسے موسیٰ تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کر دوہ بلا کسی عیب (یعنی بغیر مرض برص وغیرہ) کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں چیزیں ان نوعمرات میں سے ہیں جنہیں لے کر تمہیں فرعون کی طرف جانا ہے بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں سو جب ان کے پاس ہمارے معجزات پہنچے جو واضح تھے تو کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے نفسوں نے یقین کر لیا تھا۔ سو دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا (جیسا کہ آپ کو ان کی ہلاکت کا حال معلوم ہو چکا ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **هَذِهِ**: اس سے سورت کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: **كِتَابٌ مُبِينٌ**: اس سے لوح محفوظ مراد ہے تو آیات سے مخلوقات کی لکھی جانے والی نقادیر مراد ہیں اور یہاں قرآن مجید سے مؤخر ذکر کیا کیونکہ قرآن سے ہمیں اس کا علم ہوا ہے اور سورہ حجر میں مقدم کیا کیونکہ وجود کے لحاظ سے وہ مقدم ہے۔ (۲) قرآن مراد ہے تو اس کا مبین ہونا حکمت و احکام کے اعتبار سے ہے اور قرآن پر اس کا عطف صفت کے عطف کی طرح ہے۔

قوله: **مُذَيَّ**: هو مخدوف مان کر اشارہ کیا کہ یہ خبر ہے۔

قوله: **بَشَرٌ نُّوْنٌ**: یعنی اس کے نتیجہ میں جو نفع و نقصان ہے اس کو پانے والے نہیں۔

قوله: **الْأَخْسِرُونَ**: جو خسارے میں بہت پڑے ہوں۔

قوله: **قَبَسَ**: آگ کا شعلہ جو بڑی آگ سے لیا گیا ہو یہ مقبوس کے معنی میں وصف یا بدل ہے۔

قوله: **الصَّلَاةُ**: بڑی آگ۔

قوله: **تَنْشُدُونَ**: گرمی حاصل کرو۔

قوله: **بَيِّنَاتٌ بُّورِكَ**: ان مصدر یہ ہے۔

قوله: **بَعْلَفِي مَكَانٍ**: یعنی من فی مکان النار جو آگ کی جگہ میں ہے۔

قوله: مِنْ جُمْلَةٍ: یعنی یہ اس میں سے ہے جو آواز دی گئی۔ مانودی کہہ کر اشارہ کیا کہ ممکنات سے سماع کا شبہ نہ ہو۔

قوله: وَ أَلْقَى عَصَاكَ: اس کا عطف یورک پر ہے ای ان القی لہ۔

قوله: يَتَخَرَّكُ: بے قراری والی حالت، خفیفہ یعنی تیز۔

قوله: مِنْهَا: اس کی تخصیص اس لئے کی کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔

قوله: طَوْفَى الْقَبِيضِ: کیونکہ وہ اوئی جبہ تھا۔

قوله: وَ قَدْ: اس کو مقدر مانا تاکہ ماضی حال بن سکے۔

قوله: زَاجِعَ إِلَى الْمُجَدِّ: یہ علت کی وجہ سے منصوب ہیں حمد و افضل سے نہ کہ استعظام سے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِيمَانَهُنَّ عِلْمَاءَ بِالْقَضَاءِ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْطِقَ الطَّيْرِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَقَالَ شُكْرُ اللَّهِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَ تَسْخِيرِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالشَّيَاطِينِ عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ

الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ النُّبُوَّةَ وَالْعِلْمَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ أَيْ

فَهَمُ أَصْوَاتِهِ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ يُونَاهُ الْأَنْبِيَاءُ وَالْمُلُوكُ إِنَّ هَذَا الْمَوْئِي لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝

الْبَيِّنُ الظَّاهِرُ وَ حُسْرَ جَمِيعِ لِسُلَيْمَانَ جُودَهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فِي مَسِيرِهِ فَهَمُ

يُوزَعُونَ ۝ يَجْمَعُونَ ثُمَّ يُسَاقُونَ حَتَّى إِذَا أَتَوْا عَلَى وَادِ النَّمْلِ ۖ هَوَّ بِالطَّائِفِ أَوْ بِالشَّامِ نَمْلَةً صِفَاوُ

أَوْ كِبَارَ قَالَتْ نَمْلَةٌ مَلَكَةُ النَّمْلِ وَقَدَرَاتُ جُنْدِ سُلَيْمَانَ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ ۖ لَا

يُحِطُّنَكُمْ بِكُمْزَتِكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُودَهُ ۖ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ بِهِلَا كَيْكُمْ نَزَلَ النَّمْلُ مَثَلَةَ الْعُقْلَا فِي

الْخِطَابِ بِخَطَابِهِمْ قَبَسَمَ سُلَيْمَانُ ابْتِدَاءً صَاحِحًا انْتِهَاءً مِّنْ قَوْلِهَا وَقَدْ سَمِعَهُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ حَمَلِكُ

الرَّبِيعِ إِلَيْهِ فَحَبَسَ جُنْدَهُ حِينَ أَشْرَفَ عَلَى وَادِيهِمْ حَتَّى دَخَلُوا بُيُوتَهُمْ وَكَانَ جُنْدُهُ رُكْبَانًا وَمَشَاءَ فِي

هَذَا الْمَسِيرِ وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي إِلَهِنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَتِي وَأَنْ

أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَوْلِيَاءُ وَتَقَفَّ الطَّيْرُ

لَيَرَى الْهَذْمَ الَّذِي يَرَى الْمَاءَ تَحْتَ الْأَرْضِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ بِقُرْبِهِ فِيهَا فَتَسْتَخْرِجُهُ الشَّيَاطِينُ لِإِخْتِاجِ

سُلَيْمَانَ إِلَيْهِ لِلصَّلَاةِ فَلَمْ يَرَهُ فَقَالَ مَا لِي لَا أَرَى الْهَذْمَ ۖ أَيْ أَعْرَضَ لِي مَا تَتَعَبَى مِنْ رُؤْيِيهِ ۖ

كَانَ مِنَ الْغَافِلِينَ ⑤ فَلَمْ أَرَهُ لِعَيْتِيهِ فَلَمَّا تَحَقَّقَهَا قَالَ لَعَنَ بَنُوكَ عَدَايَا أَيْ تَعَذُّبُنَا شَدِيدًا بِشَفِ
رَيْبِهِ وَذَنْبِهِ وَرَمِيهِ فِي الشَّمْسِ فَلَا يَمْتَنِعُ مِنَ الْهَوَامِ أَوْ لَا أَذْبَحُكَ بِقَطْعِ حُلْفُوهِ أَوْ لَيَأْتِيَنِي بَنُونُ
مَشْدَدَةِ مَكْشُورَةٍ أَوْ مُفْتُوْحَةٍ يَلِيْهَا ثَوْنٌ مَشْكُورَةٌ بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ⑥ بَرَهَانٍ بَيْنٍ ظَاهِرٍ عَلَى عُدْرِهِ
لَمَكَتْ بِضَمِّ الْكَافِ وَفُتِحَتْهَا غَيْرُ بَعِيْلٍ أَيْ يَسِيرُ مِنَ الزَّمَانِ وَخَضَرَ لِشَلْيَعَانِ مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَأْسِهِ
وَالْخَاءِ ذَنْبُهُ وَجَنَاحِهِ فَعَقَا عَنْهُ وَسَأَلَهُ عَمَّا لَقِيَ فِي غَيْبِهِ فَقَالَ أَصْحَتْ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ أَيْ أَطْلَعْتُ
بِمَا لَمْ تَطْلُعْ عَلَيْهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبِيلٍ بِالضَّرْفِ وَتَرَكِي قَبِيلَةَ بَدِ الْيَمَنِ مُعِيَتْ بِاسْمِ جَدِّ لَهُمْ بِاعْتِبَارِهِ
ضَرْفٍ بِنَبِيٍّ بِخَبَرِ يَقِينٍ ⑦ إِنْ وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ أَيْ هِيَ مَلِكَةٌ لَهُمْ اسْمُهَا بَلْقَيْسُ وَأُوتِيَتْ
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ تَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْمُلُوكُ مِنَ الْآلَةِ وَالْعُدَّةِ وَلَهَا عَرْشٌ سَرِيْرٌ عَظِيمٌ ⑧ طَوْلُهُ ثَمَانُونَ
ذِرَاعًا وَعَرْصُهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا وَارْتِفَاعُهُ ثَلَاثُونَ ذِرَاعًا مَضْرُوبٌ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ مُكَلَّلٌ بِالذَّرِّ وَالْيَا
قُوتِ الْأَحْمَرِ وَالزَّرْبِ جَدِّ الْأَخْضَرِ وَالزَّرْمَدِ وَقَوَائِمُهُ مِنَ الْيَاقُوتِ الْأَحْمَرِ وَالزَّرْبِ جَدِّ الْأَخْضَرِ وَالزَّرْمَدِ
عَلَيْهِ سَبْعَةُ بَيْوتٍ عَلَى كُلِّ بَيْتٍ بَابٌ مُغْلَقٌ وَجَدُّ لَهَا وَقَوْمُهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ
لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالُهُمْ قَصْدُهُمْ عَنِ السَّبِيلِ طَرِيقِ الْحَقِّ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ⑨ أَلَا يَسْجُدُ لِلَّهِ أَيْ
أَنْ يَسْجُدُوا لَهُ فَرِيْدَتْ لَا وَادْعِمُ فِيهَا لَوْ أَنَّ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى لَيْلًا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ وَالْجُمْلَةُ فِي
مَوْضِعٍ مَقْفُولٍ يَهْتَدُونَ بِاسْقَاطِ إِلَى الَّذِي يُخْرِجُ الْغَبَّ مُضْطَرُ بِمَعْنَى الْمَخْبُوءِ مِنَ الْمَطَرِ وَالْتَبَاتِ فِي
السَّوْتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تَخْفُونَ فِي قُلُوبِهِمْ وَمَا تُعْلِنُونَ ⑩ بِالسَّيْتِهِمْ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ⑪ اسْتَيْتَافٌ جُمْلَةً ثَنَاءً مُشْتَمِلٌ عَلَى عَرْشِ الرَّحْمَنِ فِي مُقَابَلَةِ عَرْشِ بَلْقَيْسَ وَبَيْنَهُمَا ⑫
بَنُو عَظِيمٌ قَالَ شَلْيَعَانُ لِلْهَدْمِ سَنَنْظُرُ أَصْدَقْتَ فِيمَا أَخْبَرْتَنَاهُ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِينَ ⑬ أَيْ مِنْ
هَذَا التَّنَوُّعِ فَهُوَ أَجْلَعُ مِنْ أَمِّ كَذَبَتْ فِيهِ ثُمَّ دَلَّاهُمْ عَلَى الْمَاءِ فَاسْتُخْرِجَ وَارْتَوَوْا وَتَوَضَّأُوا وَصَلُّوْا ثُمَّ كَتَبَ
شَلْيَعَانُ كِتَابًا صُورَ لَهُ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ شَلْيَعَانُ بْنُ دَاوُدَ إِلَى بَلْقَيْسَ مَلِكَةِ سَبَا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

السلام على من اتبع الهدى اما بعد فلا تعلوا على واثنوني مسلمين ثم طبعه بالمسك وختمه بخاتمه
ثم قال للهدد اذهب بكتبي هذا قال له اليهم اى بلقيس وقومها ثم قول انصرف عنهم فقل
قرينا منهم فانظر ما ذا يرجعون ﴿٥﴾ يردون من الجواب فآخذة وانها و حولها جندها فالفاء في
جبرها فلما رآه ارتعدت وخضعت خوفا ثم قالت لا شراف قومها يا ايها الملوك يستحقين
الهمزتين وتسهيل الثانية بقلبها واوامكسوز اتي القى اتي كتب كريمة ﴿٥﴾ مستخوم انة من سليمان
ع و انة اى مضمونه بسم الله الرحمن الرحيم ﴿١﴾ الا تعلوا على واثنوني مسلمين ﴿١﴾

ترجمہ: اور ہم نے داؤد اور (ان کے بیٹے) سلیمان کو (ایک خاص) علم (اصول حکمرانی اور پرندوں کی زبان دانی وغیرہ سے متعلق) عطا فرمایا اور وہ دونوں (خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ ساری تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہمیں (نبوت اور جن وانس اور شیاطین کو..... مسخر کر کے) اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد کے جانشین (اس علم اور نبوت کے) سلیمان ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں (جو انبیاء اور بادشاہوں کو ملتی ہیں) عطا ہوئی ہیں۔ بے شک یہ تو خدا تعالیٰ کا کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان کیلئے ان کا لشکر جمع کیا گیا (ایک سفر میں جس میں) جن بھی (تھے) اور انسان و پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کیلئے) روکا جاتا تھا (اور سب کو اکٹھا کر کے جب صف بندی ہو جاتی تو پھر چلنے کا حکم دیا جاتا) یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹی کے میدان میں پہنچے (یہ وادی طائف یا شام میں تھی) تو ایک چیونٹی نے (جوان سب چیونٹیوں کی سردار تھی سلیمان کے لشکر کو آتا دیکھ کر) کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں (تمہارے پس جانے کی) خبر بھی نہ ہو۔ سو سلیمان اس کی بات سے مکرانے ہوئے ہنس پڑے (ان کی بات آپ نے تین میل پہلے سن لی تھی جسے ہوانے آپ تک پہنچا دیا تھا یہ سن کر آپ نے اپنی فوجوں کو جب وہ اس وادی میں پہنچے روک دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے سوراخوں میں گھس گئیں۔ آپ کے اس سفر میں پیدل اور گھوڑ سوار دونوں طرح کی فوجیں تھیں) اور کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر بھی مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کروں۔ جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور اس پر بھی (مداومت دیجئے) کہ میں نیک کام کیا کروں۔ جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں (یعنی انبیاء اور اولیائے) میں داخل رکھے اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی (تا کہ ہدہ کے بارے میں پتہ چل سکے کہ وہ موجود ہے یا نہیں۔ جو کہ زمین کے نیچے پانی تلاش کرتا اور اپنی چونچ سے اس کی نشاندہی کر دیتا تھا کہ فلاں جگہ پانی موجود ہے۔ جب نشاندہی مکمل ہو جاتی تو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی نماز وغیرہ کی ضرورت کیلئے زمین کے نیچے سے پانی نکالتے۔

حاضری لینے پر جب ہمدرد نظر نہیں آیا تو سلیمان علیہ السلام فرماتے گئے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہمدرد کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہے (جس کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ واقعی غیر حاضر ہے تو آپ نے فرمایا کہ) میں اسے سخت سزا دوں گا (اور یہ کروں گا کہ اس کے پر وغیرہ اکھڑا کر سورج کی روشنی میں بھیج دوں گا۔ اس طرح وہ چمپاؤں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے گا) یا (اس کا گلا کاٹ کر) اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ (غیر حاضری کا) کوئی صاف عذر میرے سامنے پیش کرے۔ (لیا تبی۔ میں نون شدہ مکسورہ ہے اور ایک قراءت کے مطابق نون مفتوحہ اور اس کے بعد ایک نون مکسورہ) سو تھوڑی ہی دیر میں وہ (سلیمان علیہ السلام کے دربار میں متواضعانہ اپنے سر کو اٹھائے ہوئے اور اپنے پر اور دم کو نیچے گراتے ہوئے) آ گیا (اس پر سلیمان علیہ السلام نے اسے معاف فرما دیا اور اس سے غیبت کی وجہ دریافت فرمائی) تو کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں (اس کا اجمالی بیان یہ ہے) کہ میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں (سبا منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح ہے۔ یہ یمن میں ایک قبیلہ ہے۔ جس کا نام اس قبیلہ کے جد امجد کے نام پر رکھا گیا ہے) میں نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ ان لوگوں پر حکومت کر رہی ہے (یعنی وہ ان کی ملکہ ہے جس کا نام بلقیس ہے) اور اس کو (سلطنت کے لوازمات میں سے) ہر سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے (جس کا طول اسی گز اور چوڑائی چالیس گز اور اس کی اونچائی تیس گز ہے۔ اس پر سونے اور چاندی کا ملمع ہے اور قیمتی موتی یا قوت اور زمرہ سے جڑا ہوا ہے اور اس کے پائے بھی یا قوت اور زمرہ کے ہیں۔ اس کے اوپر سات گھر ہیں اور ہر گھر کا دروازہ بند ہے) میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوشنما کر رکھے ہیں اور ان کو راہ حق سے روک رکھا ہے۔ چنانچہ وہ راہ ہدایت پر نہیں چلتے اور اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے (لغباء مصدر ہے معنی میں مجبوء کے اور الا یسجدوا میں اصل عبارت ہے۔ ان یسجدوا۔ لازائد ہے اور ان کے نون کو اس میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے قول لعلایعلم اهل الکتاب میں ہوا ہے اور یہ جملہ مفعول کی جگہ میں واقع ہے) اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو (اپنے دلوں میں) اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو (اپنی زبانوں سے) سب کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے بشکل تعریف اور بلقیس کے تخت کے مقابل میں عرش رحمن کا تذکرہ ہے۔ در آنحالیکہ رحمن اور بلقیس کے تخت میں فرق عظیم ہے) کہا (سلیمان علیہ السلام نے ہمدرد سے) ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ (تو نے جو خبر دی ہے) تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے (امر کنت من الکاذبین۔ یہ زیادہ بلیغ ہے امر کذب فیہ سے۔ پھر اس ہمدرد نے پانی کی نشاندہی کی تو پانی نکالا گیا اور لوگ اس سے سیراب ہوئے۔ وضو کیا۔ پھر نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے ایک مکتوب لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ من عبد اللہ سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکہ سبا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ السلام علی من اتبع الهدی اما بعد۔ فلا تعلوا علی واتونی مسلمین۔ پھر اسے مشک سے خوشبودار بنا کر اس پر آپ

نے اپنی مہر لگا دی اور ہمد سے کہا) اچھا تو میرا یہ خط لے جا اور اسے اس (بلیقہس اور اس کی قوم) کے پاس ڈال دینا۔ پھر (وہاں سے ذرا) ہٹ جانا (اور دور کھڑے ہو کر) دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں (ہمد نے اس مکتوب کو لیا اور اسے بلیقہس کے کمرے میں ڈال دیا۔ جہاں اس کے لشکری بھی موجود تھے۔ بلیقہس اسے دیکھ کر خوف سے لرز اٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں سے) کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک نہایت با وقعت خط ڈالا گیا ہے۔ (یا ایہا الملأ میں دونوں ہمزہ کو بات کر رکھا گیا ہے اور دوسری قراءت میں دوسرے ہمزہ کو واؤ مکسورہ سے بدل دیا گیا ہے) وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور (اس کا مضمون) یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: النُّبُوَّةُ وَالْعِلْمُ: یعنی علم و نبوت کے یہی وارث بنے حالانکہ ان کے انیس بیٹوں کی بجائے۔
- قوله: عَلَيْنَا وَعَلَيْنَا اور اَوْتَيْنَا دونوں میں ضمیر داؤد و سلیمان علیہم السلام کی طرف لوٹتی ہے۔
- قوله: فَهُمْ أَصْوَابُہ: منطلق سے مجازاً صورت مراد لی اور مضاف کو مقدر مانا تاکہ معنی درست ہو جائے۔
- قوله: وَقَدَرَاتُ: جب اس پیوٹی نے ان کو آتے دیکھا تو وہ وادی سے بھاگ گئی تاکہ چھٹاڑے بچ سکے۔
- قوله: لَا يَحِطُّنَّكُمْ: یہ جملہ مستانفہ یا بدل ہے۔
- قوله: وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ: اگر وہ جان لیں تو ظلم ایذا نہ پہنچائیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں گو یا اس نے آپ کی عصمت پہچان لی۔
- قوله: فِي عِبَادِكَ: یعنی ان کی گنتی اور شمار میں۔
- قوله: أَمْ كَانَ: یہ ام منقطعہ ہے گویا آپ نے اسے دیکھا نہیں مگر حاضر گمان کیا۔
- قوله: أَوْ مُنْقَضَةٍ: لیا تینی۔
- قوله: سَبَّحَ: منصرف ہے جبکہ دادے کا نام ہو اور تماویل قبیلہ سے یہ غیر منصرف ہے۔
- قوله: سَرِيْرٌ عَظِيْمٌ: دوسرے تختوں کی نسبت سے بڑا۔
- قوله: سَنَنْظُرُ: یہ غور و تامل کے معنی میں ہے۔
- قوله: قَرِيبًا مِنْهُمْ: یعنی ان سے قریبی مکان میں چھپ گیا۔
- قوله: مِنْ سُلَيْمٰنَ: یہ جملہ مستانفہ ہے جس میں اس کو بتایا یہ کس کی طرف سے ہے اور وہ کون ہے۔

تفسیر مقبولین

لَنْ يَنْفَعَكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابُ مَبِينٍ ۝

تِلْكَ سَ آیت سورت کی طرف اشارہ ہے:

کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن کو کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن طلال و حرام احکام کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور چونکہ معجز ہے اس لیے اپنے لیے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔

قرآن اور کتاب مہفت کے سینے بھی ہیں جو چیز پڑھی جائے وہ قرآن (مقدوم) ہے اور جو چیز لکھی جائے وہ کتاب (کتوب) ہے اور یہ دونوں اللہ کی کتاب کے علم (یعنی خصوصی نام) بھی ہیں علیت کے لحاظ سے بعض جگہ ان کو الف لام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور وہی معنی کے لحاظ سے بغیر الف لام کے۔

سواں ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے۔ یعنی یہ عطف تفسیری ہے اور تنکیر و تحوین تعلیم کے لیے ہے۔ یعنی کتاب مبین سے یہاں پر مراد یہ قرآن حکیم ہی ہے۔ اور یہ عطف عطف صفت بر صفت کے قبیل سے ہے۔ (روح، مراغی، مدارک، فتح اور محاسن وغیرہ)۔ سو یہ قرآن حکیم ایک ایسی کتاب مبین ہے جو دنیا و آخرت اور خود انسان کی زندگی، اس کے آغاز و انجام اور اس کے مقصد حیات وغیرہ سے متعلق بنیادی حقائق کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ اور اس طور پر کہ کسی امر کے بارے میں کوئی خفا و غموض باقی نہیں رہ جاتا۔ نیز یہ کتاب اس امر کو بھی کھول کر بیان کرتی ہے کہ یہ خالص تنزیل اور اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اور اس کے ثبوت کیلئے کسی خارجی دلیل اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ منکرین اور مخالفین مطالبہ کر رہے تھے۔ بلکہ یہ اپنے اوپر خود ہی دلیل ہے۔ سو یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے جسکی قدر نہ کرنا سخت محرومی کا باعث ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عِلْمَهُ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝

پھر آیات قرآنیہ کو اہل ایمان کے لیے ہدایت اور بشارت بتایا۔ اور اہل ایمان کی صفات بتائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور یہ دونوں اسلام کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کی ادائیگی پابندی سے کی جائے تو ایمان کے دوسرے تقاضوں پر بھی عمل ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کا یقین ہر نیکی پر آمادہ کرنے اور ہر گناہ چھڑانے پر ابھارتا رہتا ہے اسی کو آیت کے ختم پر وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ میں بیان فرمایا۔

مؤمنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آیات قرآنہ اہل ایمان کے لیے بشارت اور ہدایت ہیں قرآن تو سبھی کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور حق قبول کرنے پر انعامات کی بشارت دیتا ہے لیکن چونکہ قرآن کی دعوت پر اہل ایمان ہی وحیان دیتے ہیں اس لیے خاص طور سے ان کے لیے ہدایت اور بشارت ہونا بیان فرمایا۔

اس کے بعد کافروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لیے مزین کر دیا ہے جو انہیں مرغوب ہیں اور انہیں اچھے لگتے ہیں، جو کام برے ہیں یہ لوگ انہیں اچھا سمجھ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں، ان لوگوں کی وعید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہوں گے۔ انہیں وہاں نعمت اور رحمت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ کے لیے عذاب ہی میں رہیں گے اور عذاب بھی بڑھتا چڑھتا رہے گا اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو سکتا ہے دنیا میں جو انہیں اجزاء دیے گئے اعضاء اور جوارح عطا کیے گئے اموال سے نوازے گئے ایمان قبول کر کے ان سب کے ذریعہ جنت حاصل کر سکتے تھے لیکن وہ تو کفر اختیار کر کے اور اعمال بد میں مبتلا ہو کر جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دوزخ کے مستحق ہو گئے، یہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَهْلِيهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَشِيرٍ قَبْسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رات کے وقت سفر میں کوہ طور پر آگ کے لیے جانا اور نبوت سے سرفراز ہونا:

سورہ طہ کے پہلے اور دوسرے رکوع کی تفسیر میں اور سورۃ شعراء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے مصر میں رہتے تھے فرعون کے بیٹے بنے ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے فرعون کی قوم کا ایک شخص قتل ہو گیا ایک شخص نے رائے دی کہ دیکھو فرعون کی قوم تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں لہذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کو چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں کے شیخ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا اور دس سال وہاں رہے۔ جب اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف واپس آنے لگے تو رات کو سردی بھی لگ گئی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ طور پر آگ نظر آ رہی ہے یہ آگ نہیں تھی نور ربانی تھا جسے انہوں نے آگ سمجھ لیا تھا اپنی بیوی سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں، وہاں سے لکڑی میں سلگا کر آگ کا شعلہ لے آؤں گا۔ تاکہ تم اس سے تاپ لوگی یعنی گرمی حاصل کر لوگی اور یہ بھی امکان ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔ وہاں پہنچے تو اللہ پاک کی طرف سے یہ آواز آئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے ارد گرد ہیں۔ مفسرین نے فرمایا کہ مَنْ فِي النَّارِ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مَنْ حَوْلَهُ سے فرشتے مراد ہیں (وقیل علی عکس ذالک) جہاں یہ آگ تھی سورۃ قصص میں اس کو (الْبَقْعَةُ الْمُبَارَكَةُ) فرمایا ہے اور آواز بھی وادی کے کنارے کی دائیں جانب سے آئی تھی بقعہ بھی مبارک وہاں جو فرشتے حاضر تھے وہ بھی مبارک موسیٰ علیہ السلام بھی مبارک، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک ہونے کی خوشخبری دی گئی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی حتر یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ہر

عیب سے اور ہر نقص سے اور مخلوقات کی صفات سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ وحدہ لا شریک ہے اپنی ذات و صفات میں مخلوق کی ہر مشابہت سے پاک ہے (لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ)۔

وَالَّذِیْ عَصَاکَ ۚ فَلَمَّا رَاہَا تَهْتَزُّ کَأَنھَا جَاثٌ ۚ وَلِیْ مُدْبِرٌ ۚ وَلَہٗ یُعَاقِبُ ۚ

حضرت موسیٰ کا اپنی لاشی سے بھاگنا اور اس میں در سہائے عبرت و بصیرت: سوار شاد فرمایا گیا کہ جب موسیٰ نے اللہ کے حکم و ارشاد پر اپنی لاشی کو زمین پر پھینک دیا اور دیکھا کہ وہ یکا یک اس طرح بل کھا رہی ہے جیسے وہ کوئی سانپ ہو۔ تو اس سے موسیٰ مارے خوف کے اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ ڈر مت کہ ہمارے یہاں رسول ڈر نہیں کرتے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عالم الغیب ہوتا ہے اور نہ ہی مختار کل۔ ورنہ حضرت موسیٰ اس موقع پر اپنے عصا کے اس انقلاب کی بناء پر اس طرح خوف نہ کھاتے۔ اور جب معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا تو کرامت بزرگ اور ولی کے اختیار میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ بلکہ جب تک خداوند قدوس کی طرف سے ان کو آگاہ نہ کیا جائے ان کو اس کی حقیقت کا علم تک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ یہاں پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو اس وقت تک حقیقت حال کا پتہ نہ چل سکا جب تک کہ خدائے پاک نے انہیں خود نہیں بتا دیا۔ حالانکہ یہاں قصہ خود حضرت موسیٰ کی اپنی لاشی کا ہے جو آپ ﷺ کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ اور آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر اور اولوالعزم رسول تھے۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جب حضرت موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی غیب کا علم نہیں رکھتے تو کسی بزرگ و ولی کی یہ ہمتی کیسے اور کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہو؟ سو کس قدر ہلکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بزرگوں کو اپنی قبروں میں بیٹھے ہوئے پرندوں کے مارے میں یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ وہ مرے یا مادہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف جب حضرت موسیٰ اپنی لاشی کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت دلنواز آواز میں تسلی دی گئی کہ ڈر نہیں کہ میرے یہاں رسول ڈر نہیں کرتے۔ پس آپ اے موسیٰ اس سے ڈر نہیں کہ اس میں خوف اور خطرے کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ایک معجزہ ہے جو آپ کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔

علی نبینا وعلیہ افضل الصلوٰت واتم التسلیات۔

إِلَّا مَنِ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حَسَنًا بَعْدَ سُوِّیَ قَبَآئِیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اس سے پہلی آیت میں موسیٰ ﷺ کے معجزہ عصا کا ذکر ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عصا جب سانپ بن گیا تو موسیٰ خود بھی اس سے ڈر کر بھاگنے لگے۔ آگے بھی موسیٰ ﷺ کے دوسرے معجزہ ید بیضا کا بیان ہے درمیان میں اس استثناء کا ذکر کر کے لیے کیا گیا اور یہ استثناء منقطع ہے یا متصل اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے تو مضمون آیت کا یہ ہوگا کہ پہلی آیت میں انبیاء علیہم السلام پر خوف نہ ہونے کا ذکر تھا بسبیل تذکرہ ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا جن پر خوف طاری ہونا چاہئے یعنی وہ لوگ جن سے کوئی خطا سرزد ہوئی پھر توبہ کر کے نیک عمل اختیار کر لیے ایسے حضرات کی اگرچہ اللہ تعالیٰ خطا معاف کر دیتے ہیں مگر معافی کے بعد بھی گناہ کے بعض آثار باقی رہنے کا احتمال ہے اس سے یہ حضرات ہمیشہ خائف رہتے ہیں اور اس استثناء کو متصل قرار دیں تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اللہ کے رسول ڈر نہیں کرتے بجز ان

کے جن سے کوئی خطا یعنی گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا ہو پھر اس سے بھی توبہ کر لی ہو، تو اس توبہ سے یہ صغیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ درحقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں۔ اس مضمون میں اشارہ اس طرف پایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے جو ایک لغزش قطعی کے قتل کی ہو گئی وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی مگر اس کا یہ اثر اب بھی رہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا اگر یہ لغزش نہ ہوتی تو یہ وقتی خوف بھی نہ ہوتا۔ (قرطبی)

وَأَدْخَلَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ فِي تَتَبَعَ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۖ
حضرت موسیٰ کیلئے یہ بیضا کا دوسرا عظیم الشان معجزہ:

سوار شاد فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی بیماری کے۔ یعنی ایسا نہیں جیسا کہ برص وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو جاتا ہے بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ایک خاص عنایت، اعزاز و اکرام اور معجزہ و برہان کے طرز پر ہے۔ اور پھر اس میں کسی بیماری و عیب یا تکلیف کا کوئی سوال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے: مِنْ غَيْرِ سُوءٍ کے عموم میں یہ سب ہی کچھ داخل ہے کہ نکرہ تحت الہی عموم و شمول کا فائدہ دیتا ہے۔ بہر کیف یہ بیضا کا یہ معجزہ دوسرا بڑا معجزہ تھا جس سے حضرت موسیٰ کو معجزہ عصا کے بعد نوازا گیا۔ اور یہ من جملہ ان نو نشانیوں کے ہے جن سے آنجناب کو نوازا گیا تھا کہ ان سے مسلح ہو کر جاؤ فرعون کے پاس تبلیغ حق کے لیے۔ اور اس طرح پوری قوت سے اس کے سامنے کلمہ حق پیش کرو۔

كَأَلَتْ يَأْيَهَا الْمَلُوكُ أَفْتُونِي بِتَحْقِيقِ الْهَمْزِ تَجِينِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ بِقَلْبِهَا وَأَوَا أَيْ أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أَمْرِي ۖ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۝ تَحْضُرُونَ قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةً وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدًا ۖ أَيْ أَصْحَابُ شِدَّةٍ فِي الْحَرْبِ وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۝ تُطْعَمُ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا بِالتَّخْرِيبِ وَجَعَلُوا أَعْدَةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ أَيْ مُرْسِلُوا الْكِتَابِ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَظَرُوا بِهَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ۝ مِنْ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ أَوْ زِدْهَا إِنْ كَانَ مَلِكًا قَبْلَهَا أَوْ نَبِيًّا لَمْ يَقْبَلْهَا فَارْتَدَّتْ خَدَمًا ذُكُورًا أَوْ إِنَاثًا أَلْفًا بِالسَّوِيَّةِ وَخَمْسِمِائَةَ لَبَنَةٍ مِنَ الذَّهَبِ وَتَاجًا مَكْلَلًا بِالْجَوَاهِرِ وَمِسْكَو عَتَبَرًا وَغَيْرَ ذَلِكَ مَعَ رَسُولٍ بِكِتَابٍ فَاسْتَرْعَى الْهَدْيَ هَذَا إِلَىٰ سَلِيمَانَ يُخْبِرُهُ الْخَبِيرَ فَأَمَرَ أَنْ تُضْرَبَ لَبَنَاتُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ تُبْسَطَ مِنْ مَوْضِعِهِ إِلَىٰ تِسْعَةِ فَرَاسِخَ مِيلًا وَأَنْ يُنْثَرُوا حَوْلَهُ حَاطَطًا مَشْرَقًا مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ يُؤْتَىٰ بِأَحْسَنِ دَوَابِّ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مَعَ أَوْلَادِ الْجِنِّ عَنْ يَمِينِ الْمَيْدَانِ وَشِمَالِهِ فَلَمَّا جَاءَ الرَّسُولُ بِالْهَدِيَّةِ وَمَعَهُ أَتْبَاعُهُ سَلِيمَانُ قَالَ سَلِيمَانُ

أَتَيْدُونَنِي بِمَا لِي ۖ فَمَا أَتَيْنِي اللَّهُ أَتَيْدُونَنِي بِمَا لِي ۖ فَمَا أَتَيْنِي اللَّهُ ۖ مِنَ التَّوْبَةِ وَالْمُلْكِ خَيْرٌ مِمَّا
 أَنْتُمْ ۚ مِنَ الدُّنْيَا بَلْ أَنْتُمْ بِهَدْيَتِكُمْ تَفْرَحُونَ ۝ لِفَخْرِكُمْ بِزُجَارِ الدُّنْيَا لَارْجِعِ إِلَيْهِمْ بِمَا
 آتَيْتَ بِهِ مِنَ الْهَدْيَةِ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قَبْلَ لَا طَاقَةَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا مِنْ بِلَدِهِمْ
 نَبَأٌ سَمِيعٌ بِأَسْمِ أَبِي قَبِيلَتِهِمْ أَذْكَاءَ ۖ وَهُمْ صُغُرُونَ ۝ أَيْ إِنْ لَمْ يَأْتُونَنِي مُسْلِمِينَ فَلَنَأْرِجِعَ إِلَيْهَا
 الرُّسُولَ بِالْهَدْيَةِ جَعَلْتُ سَرِيرَ هَذَا دَاخِلَ سَبْعَةِ أَبْوَابٍ دَاخِلَ قَصْرِهَا وَقَصْرِهَا دَاخِلَ سَبْعَةِ قُصُورٍ
 وَأَغْلَقْتُ الْأَبْوَابَ وَجَعَلْتُ عَلَيْهَا سَرِيرَ مَا حَرَسَتْ وَتَجَهَّزْتُ لِلْمَسِيرِ إِلَى شَلِيمَانَ لِنَظَرِ مَا يَأْتِيهَا بِهِ
 فَازْ تَحَلَّتْ فِي اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفَ قِيلٍ مَعَ كُلِّ قَبِيلٍ أَلُوفٌ كَثِيرَةٌ إِلَى أَنْ قَرُبْتُ مِنْهُ عَلَى فَرَسٍ شَعْرِيهَا قَالَ
 يَا أَيُّهَا الْمَلُوكُ أَيُّكُمْ فِي الْهَمَزَيْنِ مَا تَقْدَمُ يَا تَيْبِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونَنِي مُسْلِمِينَ ۝ أَيْ
 مُتَقَادِينَ طَائِعِينَ فَلَمِ اخْتُدِعَ قَبْلَ ذَلِكَ لَا بَعْدَهُ قَالَ عَفْرِيَّتُ مِنَ الْحِجْرِ هُوَ الْقَوِيُّ الشَّدِيدُ أَنَا أَيْتِيكَ
 بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ ۚ الَّذِي تَجْلِسُ فِيهِ لِلْقَضَاءِ وَهُوَ مِنَ الْغَدَاةِ إِلَى نَصْفِ النَّهَارِ وَارْفِ
 عَلَيْهِ الْقَوِيُّ أَيْ عَلَى حَمْلِهِ أَهْلِينَ ۝ أَيْ عَلَى مَا فِيهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ وَغَيْرِهَا قَالَ شَلِيمَانُ أُرِيدُ أَسْرَعَ
 مِنْ ذَلِكَ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ الْمُنَزَّلِ وَهُوَ أَصْفُ بْنُ بَرْخِيَا كَانَ صَدِيقًا يَعْلَمُ اسْمَ اللَّهِ
 الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ أَنَا أَيْتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ إِذَا نَظَرْتُ بِهِ إِلَى شَيْءٍ مَا
 نَالَ لَكَ أَنْظُرْ إِلَى السَّمَاءِ فَتَنْظُرَ إِلَيْهَا ثُمَّ رَدَّ بِطَرْفِهِ فَوَجَدَهُ مَوْضُوعًا بَيْنَ يَدَيْهِ فَفِي نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ دَعَا
 أَصْفُ بِالْإِسْمِ الْأَعْظَمِ أَنْ يَأْتِيَ اللَّهَ بِهِ فَحَصَلَ بِأَنْ جَزَى تَحْتَ الْأَرْضِ حَتَّى ارْتَفَعَ عِنْدَ كُرْسِيِّ
 شَلِيمَانَ فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا أَيْ سَاكِتًا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا أَيْ الْإِيمَانُ لِي بِهِ مِنْ فَضْلِ رَبِّي لَا لِيَبْلُغَنِي
 لِيُخْبِرَنِي ۚ أَسْكُرُ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْتِدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَا وَتَشْبِيهِهَا وَادْخَالَ الْفَاءِ بَيْنَ الْمُسْتَهْلَةِ
 وَالْأُخْرَى وَتَرْكِهِ أَمَّا الْكُفْرُ ۚ النِّعْمَةُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۚ أَيْ لَا جَلِيلَ إِلَّا أَنْ ثَوَابَ شُكْرِهِ
 لَهُ وَمَنْ كَفَرَ النِّعْمَةَ فَإِنَّ رَبِّي عَنِّي عَنْ شُكْرِهِ كَرِيمٌ ۝ بِالْإِفْضَالِ عَلَى مَنْ يَكْفُرُهَا قَالَ تَكُونُوا لَهَا

عَرْشَهَا أَيْ غَيْرُوهُ إِلَى خَالِ تُكْرِهُ إِذَا رَأَتْهُ نَظَرُ اتَّهَدَى إِلَى مَعْرِفَتِهِ أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۝ إِلَى مَعْرِفَةٍ مَا تَغَيَّرَ عَلَيْهِمْ قَصْدُ بِذَلِكَ اخْتِبَارَ عَقْلِهَا لَمَّا قِيلَ لَهُ أَنْ فِيهِ شَيْئًا فَعَيَّرُوهُ بِزِيَادَةِ أَوْ نَقْصٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ لَهَا أَهَكَذَا عَرْشُكَ ۱ أَيْ امِثْلُ هَذَا عَرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ أَيْ فَعَرَفَتْهُ وَشَبَّهَتْ عَلَيْهِمْ لَمَّا شَبَّهُوا عَلَيْهَا إِذْ لَمْ يَقُلْ أَهَذَا عَرْشُكَ وَلَوْ قِيلَ هَذَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ سُلَيْمَانُ لَمَّا رَأَى لَهَا مَعْرِفَةً وَعِلْمًا وَأَوْيَيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۝ وَصَدَّهَا عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۲ أَيْ غَيْرُهُ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۝ قِيلَ لَهَا أَيْضًا ادْخُلِ الصَّرْحَ ۳ هُوَ سَطْعٌ مِنْ رُجَاجٍ أَبْيَضٌ شَفَافٌ تَحْتَهُ مَاءٌ جَارٍ فِيهِ سَمَكٌ اضْطَعَّ سُلَيْمَانُ لَمَّا قِيلَ لَهُ إِنَّ سَاقِيَهَا وَرِجْلَيْهَا كَقَدَمَيْ جِمَارٍ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً مِنَ الْمَاءِ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا ۴ لِتَحْوِصَهُ وَكَانَ سُلَيْمَانُ عَلَى سَرِيرِهِ فِي صَدْرِ الصَّرْحِ فَرَأَى سَاقِيَهَا وَقَدَمَيْهَا جَسَانًا قَالَ لَهَا إِنَّهُ صَرْحٌ مُسَوَّدٌ مُمَلَّنٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۵ أَيْ رُجَاجٍ وَدَعَاَهَا إِلَى الْإِسْلَامِ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي بِعِبَادَةِ غَيْرِكَ وَاسْلَمْتُ ۶ كَائِنَتْ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۷ وَارْدَتْ رَوْحَهَا فَكَّرَهَا شَعْرُ سَاقِيهَا فَعَمِلَتْ لَهُ الشَّيَاطِينُ النَّوْرَةَ ۸ فَازَالَهُ بِهَا فَتَزَوَّجَهَا وَأَحْبَبَهَا وَأَقْرَبَهَا عَلَى مُلْكَيْهَا وَكَانَ يَزُورُهَا كُلَّ شَهْرٍ مَرَّةً وَيُقِيمُ عِنْدَهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَانْقَضَى مُلْكُهَا بِانْقِضَاءِ مُلْكِ سُلَيْمَانَ رُويَ أَنَّهُ مَلَكَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثِ عَشْرَةَ سَنَةً وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثِ وَخَمْسِينَ سَنَةً فَسُبْحَانَ مَنْ لَا انْقِضَاءَ لِدَوَامِ مُلْكِهِ

ترجمہ: بلقیس نے کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو۔ میں کبھی کسی معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی۔ جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔ (افتنی میں دو قراءت ہیں۔ ایک دونوں ہمزہ کو باقی رکھنے کی۔ دوسرے ایک ہمزہ کو بغرض تسہیل واؤ سے بدل دینے کی) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم بڑے طاقت ور بڑے لڑنے والے ہیں۔ لیکن اختیار آپ ہی کو ہے۔ آپ دیکھ لیجئے آپ کو کیا حکم دینا ہے (ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے) وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہہ وبالا کر دیتے ہیں۔ اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت والے ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ مکتوب بھیج چکے ہیں عدم اطاعت کی صورت میں (یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ بھیجتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی کہ اچھی کیا جواب لے کر آتے ہیں) ہدیہ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں۔ اگر وہ دنیاوی بادشاہ ہو گا تو

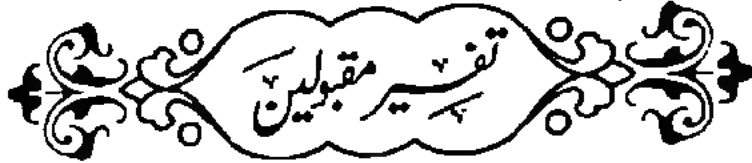
اس ہدیہ کو قبول کر لے گا اور اگر نبی ہو گا تو کبھی قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایک ہزار کم عمر لڑکے اور لڑکیاں بطور غلام اور باندی کے اور پانچ سو سونے کی اینٹیں اور تاج جن پر جواہر کا کام کیا گیا تھا اور مشک و عنبر اس کے علاوہ قاصد کے ساتھ ایک تحریر بھی تھی۔ ہد ہد فوری طور پر یہ اطلاع لے کر حضرت سلیمان کے پاس پہنچا۔ حضرت سلیمان نے فوزاً حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کی جائیں اور انہیں میدان میں نو میل تک پھیلا دیا جائے اور سونے اور چاندی کا ایک محل فوزاً تیار کیا جائے اور بروبحر کے عمدہ ترین جانور جنات کے ساتھ میدان کے دائیں بائیں جانب کھڑے کر دیئے جائیں، سو جب وہ ایلچی (تحفہ وغیرہ لے کر) سلیمان کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے کہا کہ کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو اللہ نے جو کچھ مجھ کو (نبوت اور سلطنت) دے رکھی ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو (اسباب دنیا) دیا ہے۔ ہاں تم ہی اپنے ہدیہ پر اترتے رہو گے (دنیاوی مال و دولت پر فخر ہونے کی وجہ سے) تم (ان ہدایا کو لے کر) لوٹ جاؤ۔ ان لوگوں کے پاس ہم ایسی فوج بھیجیں گے کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا بھی مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔ (اگر وہ ایمان نہ لائے تو جب یہ قاصد لوٹ کر بلیقیس کے پاس پہنچا اور سارا قصہ سنایا تو اس نے اپنے شاہی تخت کو ایک کمرہ میں بند کیا جس میں جانے کیلئے سات دروازے پار کرنے پڑتے تھے اور وہ کمرہ سات محلوں کے درمیان میں تھا۔ تو ان تمام دروازوں کو بند کر کے اس پر حفاظت کیلئے پہرہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کی طرف روانگی کا پروگرام بنایا یہ دیکھنے کیسے کہ وہ کیا کہتے ہیں) سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے جو اس (بلیقیس) کا تخت میرے پاس لے آئے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ مطہر ہو کر حاضر ہوں (کیونکہ اسلام سے قبل تو اس کا لیٹا میرے لئے جائز ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ حربی ہیں اور بعد اسلام لینا جائز نہیں) ایک قوی بیکل جن بولا۔ اے میں آپ کی خدمت میں لے آؤں گا۔ قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے انھیں (جہاں آپ فیصلوں کیلئے تشریف رکھتے ہیں اور جو سلسلہ چاشت کے وقت سے سورج ڈھلنے تک جاری رہتا ہے) اور (اگرچہ وہ بہت بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں (اور اگرچہ وہ بڑا قیمتی جواہرات سے مرصع ہے مگر) امانتدار بھی ہوں (اس پر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں) تو جسے کتاب کا علم حاصل تھا (اور وہ آصف بن برخیا تھا جسے اسم اعظم معلوم تھا جس کے ذریعہ دعائیں قبول ہوتی ہیں) اس نے کہا کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے (آصف نے سلیمان سے کہا کہ آپ آسمان کی طرف دیکھئے جب سلیمان نے آسمان سے نظر ہٹا کر نیچے دیکھا تو اس تخت کو اپنے سامنے پایا۔ گویا اس دوران میں جب سلیمان کی نظر آسمان کی جانب تھی۔ آصف نے دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اسے یہاں پہنچا دیا) پھر جب سلیمان نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو بولے یہ بھی تو میرے پروردگار کا ایک فضل ہے۔ تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری (اس کی نعمت کی) اشکر میں چند قراءتیں ہیں دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے کا، دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینے کا) اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے شکر کرتا ہے (اس وجہ سے کہ اس شکر کا ثواب اسی کو ملتا ہے) اور جو کوئی (نعمتوں پر) ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے کریم ہے (یہی وجہ ہے کہ ناشکری کے باوجود اسے نوازتا ہے۔ اس کے بعد سلیمان نے حکم دیا کہ اس کیلئے اس کے تخت کی صورت بدل دو (تاکہ وہ اسے دیکھ کر پہچان نہ سکے) ہم دیکھیں کہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے یا وہ

قوله: **وَأَشْكُرُ**: اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل شمار کر کے اس کا حق ادا کروں۔

قوله: **بَنظَرٍ**: یہ جواب امر ہے۔

قوله: **وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ**: یہ سلیمان علیہ السلام اور ان کی قوم کا کلام ہے اور اس کا عطف بتیس کے جواب پر ہے بعض نے اسے اسی کے کلام کا تتمہ قرار دیا۔

قوله: **لَجَّةٍ**: پانی بڑی موج۔ صرح محل و مجلس، ملائی۔



وَلَقَدْ أَتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ...

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہ السلام پر فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکر سے بھی توفیق دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں بیان کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل نعمت کیا ہوگی۔ حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک و نبوت کی وراثت ہے۔ اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤد کی سو بیویاں تھیں۔ انبیاء کی مال کی میراث نہیں ملتی۔ چنانچہ سید الانبیاء کا ارشاد ہے ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارے ورثے نہیں بنا کرتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہے حضرت سلیمان اللہ کی نعمتیں یاد کرتے فرماتے ہیں یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان جن پرند سب تابع فرمان ہیں پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں یہ خاص اللہ کا فضل و کرم ہے۔ جو کسی انسان پر نہیں ہوا۔ بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرند بھی انسانی زبان بولتے تھے۔ یہ محض ان کی بے علمی ہے بھلا سمجھو تو سہی اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمان کی خصوصیت ہی کیا تھی جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمان کی خصوصیت جاتی رہتی۔ یہ محض غلط ہے پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ہی ایسے ہی رہے ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں۔ یہ خاص اللہ کا فضل تھا کہ حضرت سلیمان ہر چہ پرند کی زبان سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی۔ کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں۔ یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر۔ مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند

کر جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بانی صاحب کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں حیران ہو گئیں اور دوسروں کو دکھایا۔ آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آگئے؟ دروازے بند ہیں یہ کہاں سے آگئے؟ اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے وہ کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پر نگاہ نہ کرے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا مرحبا آپ ملک الموت ہیں اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آگئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پرروں کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ پرندوں نے پھر پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے فرمایا اپنا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح۔ اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آگئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جمع ہوا جس میں انسان جن پرند سب تھے۔ آپ سے قریب انسان تھے پھر جن تھے پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے۔ گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے۔ جس کی جوجگہ مقرر تھی وہ وہیں رہتا۔ جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے۔ ایک جنگل پر گزر رہا تھا جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا۔ لشکر سلیمان کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمان چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم بھی نہ ہو۔ حضرت حسن فرماتے ہیں اس چیونٹی کا نام حرمس تھا یہ بنو شعبان کے قبیلے سے تھی۔ تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیے کے اسے خوف ہوا کہیں سب روندی جائیں گی اور پس جائیگی یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو جسم بلکہ ہنسی آگئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ۔ نیز جو نعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مومن ہوئے وغیرہ۔ اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے جن سے تو خوش ہوا اور جب میری موت آجائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رقاء میں ملا دے جو تیرے دوست ہیں۔ مفسرین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی۔ بعض اور جگہ بتاتے ہیں۔ یہ چیونٹی مثل کھیلوں کے پر دار تھی۔ اور بھی اقوال ہیں نوب بکالی کہتے ہیں یہ بھیڑیے کے برابر تھی۔ ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی سے وہ ذیاب لکھ دیا گیا ہو یعنی بھیڑیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے اس کی بات کو بھی سمجھ گئے اور بے اختیار ہنسی آگئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام استقاء کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں پانی برسنے کی محتاجی ہمیں بھی ہے۔ اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے یہ دعا اس چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا سے تم پانی پلائے گئے۔ حضور فرماتے ہیں نبیوں میں سے کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چیونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہماری تسبیح خواں تھا۔ ہلاک کر دیا۔ تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لینا۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَيْمَنُ دَاوُدَ، وَرِثَ سے وراثت علم اور نبوت مراد ہے وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث)) یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے: ((العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهماً ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر)) یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابو عبد اللہ (جعفر صادق) کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم ﷺ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلمی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک و سلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرمادیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لیے مسخر کر دیا۔ ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔ (روح)

وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

اس بات کا انکار کرنا بجاہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام و تفہیم کی شان پائی جاتی ہے۔ ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لیے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے، ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب و لہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال و ضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گوہیں کتنے ہی مشابہ و متقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف و خفیف تفاوت ہوتا ہوگا، جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی مشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سننے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات و اصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی۔ لیکن ٹیلیگراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں ٹیکرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت و ضحیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضح حقیقی نے نعمات طیور کو بھی مختلف معانی و مطالب کے اظہار کے لیے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچا اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے، طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی

نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لیے جزئی اور اکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو ادیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ایجاد تیار کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ و تسبیح سے واقف ہے۔ احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات محضہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں نشین کر دی گئی ہے۔ پس ان کی تسبیح و تحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سوا اعجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے بہر حال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائقین نے عجیب طرح کی ریک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا ان کو سمجھ لینا یہ سب باتیں ان کے نزدیک ایسی لغو اور احقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف و خلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی لغو اور بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا۔ بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان ادہام کو رد کر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال ان باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احقانہ ہے جن کی نفویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطا و تقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پائادہ حقائق کو انسان کا بچہ سمجھ جاتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آئی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الہی کا مدلول بیان کیا ہے اس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر عثمانی)

وَحِشْرَ لِّسْلِيمَنَ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالطَّلِيدِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۰﴾

حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ ۖ : یہاں تک کہ یہ سب جب چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے:

علیٰ واد میں لفظ علیٰ بتا رہا ہے کہ وہ اوپر سے آئے تھے اور بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ اس وادی کو طے کر کے آخری کنارہ پر پہنچ گئے تھے (اور وہیں چیونٹیوں کے مل تھے) اتنی علی الشنی کا معنی ہے کسی چیز کو ختم کر دیا اور اس کے آخری حصہ پر پہنچ گئے۔ وہب بن منبہ نے بحوالہ کعب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر سوار ہوتے تو اہل و عیال کو نوکروں چاکروں کو اور لاؤ لشکر کو بھی سوار کر لیتے تھے۔ سالن پکانے کے برتن اور روٹیاں پکانے کے آہنی تنور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اتنی بڑی بڑی نو دیکیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک دیک میں دس اونٹوں کا گوشت آ جائے۔ چوپایوں کے لیے میدان بھی اپنے سامنے ہواتے تھے۔ اثنائے سیر میں آسمان و زمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور باورچی

سمانا اور روئیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے۔ ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔ ایک بار اصطر سے یمن کو جاتے میں مدینہ شریف کے اوپر سے بھی گزرے اور فرمایا: یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ خوش خبری ہے ان کے لیے جو ان کے اوپر ایمان لائے اور خوشی ہے اس کے لیے جس نے ان کا اتباع کیا۔ کعبہ کے اوپر سے گزرے تو کعبہ کے گرد گردت نظر آئے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ جب سلیمان علیہ السلام کعبہ سے آئے بڑھ گئے تو کعبہ رونے لگا۔ اللہ نے کعبہ کے پاس دتی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ کعبہ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اس بات نے رلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی۔ یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی حالانکہ میرے آس پاس حقے چھوڑ کر بتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اللہ نے وحی بھیجی: تو نہ رو۔ کچھ مدت کے بعد میں حقے سجدہ کرنے والے چہروں سے بہرہ ور گا اور تیرے اندر جدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا۔ میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں تیرے اندر اپنی مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضہ حج) مقرر کروں گا (جس کو ادا کرنے کے لیے) وہ اتنی تیزی سے تیرے قریب پہنچیں گے جتنی تیزی سے گدھ اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں۔ وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی کو اپنے بچہ کی طرف اور کبوتری کو اپنے انڈوں کی طرف اشتیاق ہوتا ہے (اونٹنی اپنے بچہ کے پاس اور کبوتری اپنے انڈوں کے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے) میں حقے بتوں اور شیطانوں کے پجاریوں سے پاک کروں گا۔ پھر سلیمان علیہ السلام چلتے چلتے وادی سدیر کی طرف سے گزرے۔ وادی سدیر وادی طائف کا حصہ ہے وہاں آپ کا مرد وادی نمل پر ہوا۔ کعب کا بھی قول ہے کہ وادی نمل طائف میں تھی۔ مقاتل اور قتادہ نے کہا: وہ شام میں ایک زمین تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چوئیاں ان کی سواریاں تھیں۔ فرق حمیدی نے کہا: اس وادی کی چوئیاں کھیوں کی طرح تھیں۔ بعض نے کہا: نجائی اونٹ کے برابر تھی۔ مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چوئی تھی۔

قَالَتْ نَسْتَه: ایک چوئی نے کہا۔ شعبی نے کہا (وہ چوئی پر دار تھی) اس کے دو بازو تھے۔ بعض نے کہا: وہ

نگولی تھی۔ ضحاک نے اس کا نام طاحیہ اور مقاتل نے حذی بتایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ: اے چوئیاں! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ ادْخُلُوا جمع ذکر حاضر کا مینہ ہے۔

ضابطہ نحوی کے لحاظ سے ادْخُلْنَ بصیغہ جمع مونث حاضر ہونا چاہئے۔ جمع ذکر کا خطابی مینہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کلام کرتا ہے اور حیوانات کے متعلق بات کرتا ہے تو حیوانات کے بے عقل ہونے کی وجہ سے ان کے لیے وہ ضمیریں استعمال کرتا ہے جو جمادات کے لیے مستعمل ہیں۔ عورتوں کے لیے بھی ان کے ضعیف العقل ہونے کی وجہ سے جمادات کی ضمیریں استعمال کر لی جاتی ہیں۔ گویا ان کو بھی بے عقل مان کر جمادات کے ساتھ شامل کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حیوانات جب دوسرے حیوانوں سے کلام کرتے ہیں تو وہ اپنی نظر میں اپنے کو ذہل سمجھتے ہیں اور دوسرے کو اہل عقل کی طرح خطاب کرتے ہیں۔ اس جگہ اللہ نے وہ کلام نقل کیا ہے جو ایک چوئی نے دوسری چوئیوں کو اہل عقل قرار دے کر کہا تھا اس لیے وہ مینہ اختیار کیا جس کے مخاطب اہل عقل ہوتے ہیں۔

لَا يَخِطُّنَّكُمْ سُلَيْمَنُ وَجُنُودُهُ : تم کو سلیمان اور ان کی فوجیں کہیں نہیں نہ ڈالیں۔ اس کلام میں۔ (ظاہر) پس ڈالنے کی ممانعت ہے (لیکن ایک چیونٹی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کو پینے کی ممانعت کیسے کر سکتی تھی پھر چیونٹی کا روئے خطاب تو دوسری چیونٹیوں کی طرف تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی فوج کی جانب نہیں تھا) لیکن فی الحقیقت چیونٹیوں کو باہر نکلنے اور باہر رہنے کی ممانعت ہے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں: لَا أَرَاكَ هَهْنَا مِثْلَ تَحْتِیْ یَہَا نَدِیْکَہُ یعنی یہاں نہ ٹھہرنا (یا پھر نہ آنا)۔

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ایسی حالت میں کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر ان کو معلوم ہوگا تو وہ خود ہی تم کو نہیں روک دیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے ممکن الواقع فعل کی معذرت کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانستہ یہ قصور تو ان سے سرزد نہ ہوگا۔

ایک شبہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تو ہوا پر رواں تھا پھر پس ڈالنے کا احتمال ہی کیا تھا۔ ازالہ شبہ: ممکن ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کچھ پیادہ اور سوار فوج زمین پر چل رہی ہو جس کی طرف سے چیونٹی کو اندیشہ ہوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ تسخیر ہوا سے پہلے کا ہو اس وقت حضرت سلیمان اور آپ کا لشکر زمین پر ہی چل رہا ہو۔ بعض اہل عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا: ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمان کے لشکر اور ان کے ساز و سامان اور شان و شوکت کی سیر کرنے میں اتنی مشغول ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی غافل ہو اور ذکر خدا سے غفلت تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہو جائے۔ یہ بات سلیمان نے تین میل سے سن پائی۔ کذا قال معادل کیونکہ جہاں کہیں جو مخلوق بات کرتی تھی ہوا وہ بات حضرت سلیمان کے گوش گزار کر دیتی تھی۔

فَتَبَسَّ مَضَاجِکًا : پس سلیمان علیہ السلام مسکراتے ہوئے ہنس پڑے۔ یہاں کچھ کلام مخدوف ہے اور اس پر عطف ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا: سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن لی اس کا مطلب سمجھ لیا، مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا۔ یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیقی چیونٹی اپنی اور اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے کیسے جانتی ہے۔ ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے۔

مَضَاجِکًا : یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا: انبیاء کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھر پور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوئی نظر آ گیا ہو۔ آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ راوہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ (راوہ المستدرک)

فَوَيْلٌ لِّهَا : اس کے قول کے سبب سے۔ پس آپ نے لشکر کو روک دیا کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں گھس گئیں۔

وَقَالَ اور کہا۔ یعنی اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اداء شکر سے بھی اپنے آپ کو قاصر سمجھتے ہوئے اور اداء شکر کے لیے اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمایا ہے اور نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں۔

وَاَوْزِعْنِي بعض علماء نے کہا کہ اس جگہ اس لفظ کا حقیقی معنی مراد ہے ایذا کا معنی ہے روک دینا وقت کر دینا۔ (قاموس)

بیضاوی نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیری نعمت کے شکر کو اپنے پاس روکے رکھوں، سمیٹے رکھوں کہ مجھ سے چھوٹ کر نہ جانے پائے۔ بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے میرے رب! تو مجھے ایسا کر دے کہ میں کفر سے اپنے نفس کو روکے رکھوں۔ بعض نے کہا: یہ مطلب ہے کہ اپنے سوا ہر چیز سے میرے نفس کو روک دے۔

عَلَىٰ وَالِدَيَّ ماں باپ پر اللہ کا انعام اور ان کا صالح ہونا ماں باپ پر تو اللہ کا احسان ہے ہی لیکن یہ انعام حقیقت میں اولاد پر بھی انعام ہوتا ہے جو اولاد کے لیے موجب شکر ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَاَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں (کے گروہ) میں شامل کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صالح بندوں سے مراد ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء۔

وَتَقَعَّدَ الظَّيْرُ فَقَالَ مَا لِيَ لَا اَرَى الْهُدًى حَذًى اَمْ كَانَ مِنَ الْغَايِبِينَ ۝

بدھ فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اس کو اس طرح نظر آتا تھا جیسے کہ زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کو نظر آتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہاں ہے؟ یہ بتا دیتا کہ فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچا ہے اتنا اونچا ہے وغیرہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا پانی کی تلاش کا حکم دیا اتفاق سے وہ موجود نہ تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا آج بدھ نظر نہیں آتا کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا۔ یا واقع میں وہ حاضر نہیں؟ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ارزق خارجی نے اعتراض کیا تھا یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبد اللہ کی باتوں پر بے جا اعتراض کیا کرتا تھا کہنے لگا آج تو تم ہار گئے۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا آپ جو یہ فرماتے ہو کہ بدھ زمین کے تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر بدھ کا شکار کر لیتا ہے اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھتا ہے تو زمین کے اوپر کا جال اسے کیوں نظر نہیں آتا؟ آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباسؓ لا جواب ہو گیا تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی سن جس وقت قضا آ جاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ نافع لا جواب ہو گیا اور کہا واللہ اب میں آپ پر اعتراض نہ کروں گا۔ حضرت عبد اللہ برزی ایک ولی کامل شخص تھے پیر جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا

کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر ہی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گزر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے آخر تنگ آ کر فرمایا لو سن لو میرے پاس دو خراسانی برزہ میں (جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے) آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے انگلیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی۔ اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی۔ لیکن بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے ہماری سال بھر محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا میں نے ان سے منت سماجت کی بہ مشکل وہ راضی ہوئے اور میری وادہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا انہوں نے مجھے کہا چل اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلے میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لیے ہوئے چلے جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا پھر باندھ دیا اور ایک بے اپنی انگلی ٹال کر میری آنکھ نکالی اور اسے پھینک دیا۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں بیٹھ کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کر دیا اور میں چلا آیا یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) حضرت سلیمان کے اس ہد ہد کا نام منبر تھا، آپ فرماتے ہیں اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا اس کے پر نچا دوں گا اور اس کو پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں یا میں اسے حلال کر دوں گا۔ پایہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی معقول وجہ پیش کر دے۔ اتنے میں ہد ہد آ گیا جانوروں نے اسے خبر دی کہ آج تیری غیرت نہیں۔ بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔ اس نے کہا یہ بیان کر دو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا پھر تو میں بیچ جاؤں گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا۔

فَمَكَتْ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَكُم نَحِطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبِيلٍ يَبْنَؤُا يَقِينُ ۝

ہد ہد کی غیر حاضری کی تھوڑی سی دیر گزری تھی جو وہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ اے نبی اللہ جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں میں اس کی ایک نئی خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ میں سب سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں۔ ان کے ساتھ تھے اور یہ یمن کے بادشاہ تھے۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے اس کا نام بلقیس بنت ثعلبہ تھا یہ سب کی ملکہ تھی۔ قنادہ کہتے ہیں۔ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے اس کی ماں کا نام رفاعہ تھا ابن جریر کہتے ہیں ان کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا انکھوں کا اس کا لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے اس کی

زمین کا نام مارب ہے یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے یہی قول قرین قیاس ہے اس کا اکثر حصہ مملکت یمن ہے واللہ اعلم
 ہر قسم کا دنیوی ضروری اسباب اسے مہیا ہے اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا
 ہے اور جزاؤں اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے۔ یہ اسی ہاتھ اونچا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی
 خدمت میں کمر بستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھے بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور
 صاف جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔ اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن
 سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح و شام اس کو سجدہ کرتے۔ راجا پر جاسب
 آفتاب پرست تھے اللہ کا عبادان میں ایک بھی نہ تھا شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان پر حق کا راستہ بند کر
 رکھا تھا وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ راہ راست یہ ہے کہ سورج چاند اور ستاروں کی بجائے صرف اللہ ہی کی ذات کو
 سجدے کے لائق مانا جائے۔ جیسے فرمان قرآن ہے کہ رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج
 چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہئے جو ان سب کا خالق ہے۔ آیت (الایسجدوا) کی ایک قراءت
 (الایا اسجدوا) بھی ہے۔ یا کہ بعد کا منادئی محذوف ہے یعنی اے میری قوم خیردار سجدہ اللہ ہی کے لیے کرنا جو آسمان کی
 زمین کی ہر ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہے۔ خب کی تفسیر پانی اور بارش اور پیداوار سے بھی کی گئی ہے۔ کیا عجب کہ ہد کی جس میں
 یہی صفت تھی یہی مراد ہو۔ اور تمہارے ہر غنی اور ظاہر کام کو بھی وہ جانتا ہے۔ کھلی چھپی بات اس پر یکساں ہے وہی تنہا معبود
 برحق ہے وہی عرش عظیم کا رب ہے جس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔ چونکہ ہد خیر کی طرف بلانے والا ایک اللہ کی عبادت کا حکم
 دینے والا اس کے سوا غیر کے سجدے سے روکنے والا تھا اسی لیے اس کے قتل کی ممانعت کر دی گئی۔ منند احمد ابو داؤد ابن ماجہ
 میں ہے کہ نبی ﷺ نے چار جانوروں کا قتل منع فرمادیا۔ چوٹی شہد کی مکھی ہد اور مرد یعنی لٹورا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

ہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمان نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا
 ہے۔ اسی سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے دے آ۔ اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہد
 اڑا۔ وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی۔ اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اس کے سامنے رکھا
 اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ اسے سخت تعجب معلوم ہوا حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف و دہشت بھی ہوئی۔ خط کو
 اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے امراء و وزراء سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک
 بادقت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے اس خط کا با وقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے وہ
 ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے۔ سامنے با ادب رکھ کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی با عزت
 شخص کا بھیجا ہوا ہے۔ پھر خط کا مضمون سب کو پڑھ کر سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا ہے اور اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن
 الرحیم لکھا ہوا ہے ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے۔ اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا
 دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں انکے مقابلے کی تاب و طاقت نہیں۔ پھر خط کی بلاغت اختصار اور وضاحت نے سب کو

حیران کر دیا یہ مختصر عبارت بہت سی باتوں سے سوائے۔ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری میں نے کہا حضور وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد سے جانے سے پہلے بی میں تجھے بتا دوں گا اب آپ نکلنے لگے ایک پاؤں مسجد سے باہر رکھ بھی دیا میرے جی میں آیا شاید آپ بھول گئے۔ اتنے میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی حضور ﷺ دعا (باسمک اللہم) تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا شروع کیا خط کا مضمون صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو مجھے مجبور نہ کرو میری بات مان لو تکبر سے کام نہ لو موجد مخلص مطیع بن کر میرے پاس چلی آؤ۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوۡا اِیۡحَ الْبَقِیَّ اِلَیَّ کُتِبَ عَلَیَّہٗ ۝

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے:

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوۡا اَفۡتَوۡنِیۡ فِیۡ اَمْرِیۡ مَا کُنْتُ قَاطِعَۃً اَمْرًا حَتّٰی تَشَہَدُوۡنِ ۝ اَفۡتَوۡنِیۡ، فتویٰ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا۔ یہاں مشورہ دینا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مراد ہے۔ ملکہ بلقیس کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان حکومت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے ان کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ان کی دلجوئی اور امانت افزائی کے لیے یہ بھی کہا کہ میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج اور وزراء نے اس کے جواب میں اپنی مستعدی کے ساتھ تعمیل حکم کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کر دی۔ نَحْنُ اَوَّلُوۡا فَوۡۤءَۃً اَوَّلُوۡا ہَاہُنَّ شِدَیۡۤیۡۢا وَاَوَّلُوۡا اِلَیَّیۡکَ۔ حضرت قادہ نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلقیس کی مجلس شوریٰ کے ارکان تین سو تیرہ تھے اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس ہزار آدمیوں کا امیر اور نمائندہ تھا۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں مشورہ لینے کا دستور پرانا ہے۔ اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی اور عمال حکومت کو مشورہ کا پابند کیا۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ جو وحی الہی کے مورد تھے۔ اور آسمانی ہدایات آپ کو ملتی تھیں اس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت ضرورت نہ تھی۔ مگر امت کے لیے سنت قائم کرنے کے واسطے آپ کو بھی حکم دیا گیا (وَشَاوِذُہُمۡ فِیۡ الْاَمْرِ) یعنی آپ اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں۔ اس میں صحابہ کرام کی دلجوئی اور عزت افزائی بھی ہے اور آئندہ آنے والے عمال حکومت کو اس کی تاکید بھی کہ مشورہ سے کام لیا کریں۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا رد عمل:

ارباب حکومت کو مشورہ میں شریک کر کے ان کا تعاون حاصل کر لینے کے بعد ملکہ بلقیس نے خود بھی ایک رائے قائم کی

جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان کا امتحان لے اور تحقیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور جو کچھ حکم دے رہے ہیں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل ہے یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں، اس امتحان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر واقعی وہ نبی و رسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے اور مخالفت کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے اور اگر بادشاہ ہیں اور ملک گیری کی ہوس میں ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے گا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ ہدیے تحفے بھیجے اگر وہ ہدیے تحفے لے کر راضی ہو گئے تو علامت اس کی ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں اور اگر وہ واقع میں نبی و رسول ہیں تو وہ اسلام و ایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے، یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس، مجاہد، ابن جریج، ابن وہب سے نقل کیا ہے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرْكَ بِهَذَا يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ۝

یعنی میں حضرت سلیمان اور ان کے ارکان دولت کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو کا صد یہ ہدیہ لے کر جائیں گے وہ واپس آ کر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں۔

بلیقیس کے قاصدوں کی دربار سلیمانی میں حاضری:

تاریخی اسرائیلی روایات میں بلیقیس کی طرف سے آنے والے قاصدوں اور تحفوں کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ اتنی بات پر سب روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات اور ایک سو غلام اور ایک سو کنیزیں تھیں مگر کنیزوں کو مردانہ لباس میں اور غلاموں کو زنانہ لباس میں بھیجا تھا اور ساتھ ہی بلیقیس کا ایک خط بھی تھا جس میں سلیمان کے امتحان کے لیے کچھ سوالات بھی تھے، تحفوں کے انتخاب میں بھی ان کا امتحان مطلوب تھا۔ حضرت سلیمان کو حق تعالیٰ نے اس کے تحفوں کی تفصیلات ان کے پہنچنے سے پہلے بتلا دی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام نے جناب کو حکم دیا کہ دربار سے نو فرخ تقریباً تیس میل کی مسافت میں سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش کر دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلق جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے جن کا بول و براز بھی سونے چاندی کے فرش پر ہو۔ اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین فرمایا، داعی بائیں چار چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف غلام کے لیے، دوسری طرف وزراء اور عمال سلطنت کے لیے بچھائی گئیں۔ جواہرات سے پورا ہال مزین کیا گیا۔ بلیقیس کے قاصدوں نے جب سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفہ سے شرمائے۔ بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دو طرفہ دوش و طیور کی صفیں دیکھیں، پھر جنات کی صفیں دیکھیں تو بے حد مرعوب ہو گئے مگر جب دربار تک پہنچے اور حضرت سلیمان کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے، ان کی مہمانی کا اکرام کیا مگر ان کے تحفے واپس کر دیے اور بلیقیس کے سب سوالات کے

جوابات دیے۔ (ملفوظات نعیر قرطبی)

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتَيْتُكُمْ بِهَذَا ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہدیہ بلقیس کی واپسی:

قَالَ أَتَمَدُّوْنِي بِمَالٍ ۚ فَمَا أَتَى اللَّهَ فَخَرَّ سَاجِدًا اُنْتُكُمۡ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ یعنی جب بلقیس کے قاصد اس کے ہدایا اور تحفے لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے قاصد سے فرمایا کہ کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اللہ نے جو مال و دولت دیا ہے وہ تمہارے مال و سامان سے کہیں زیادہ بہتر ہے اس لیے میں یہ مال کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش رہو۔

کسی کا منہ کا ہدیہ قبول کرنا حباب ہے یا نہیں اس کی تفصیل و تحقیق:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت اس معاملے میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمایا، بعض کا رد کر دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہدیہ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، اور عیاض بن حمار جاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چڑا ہدیہ میں بھیجا آپ نے قبول فرمایا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرمایا۔

مفسر الائمہ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہو جانے کی امید تھی تو قبول کر لیا۔ (از عمدۃ القاری کتاب الہدیہ۔)

اور بلقیس نے جو ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لیے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُو۟ا۟ اُنْكُمۡ بِاٰتِيۡنِيۡ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاتُوْنِيۡ مُسْلِمِيۡنَ ۝

بلقیس کی حاضری دربار سلیمانی میں:

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب و مبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی و رسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی۔ بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب و جلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداء گفتگو کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمان سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے جنود و عساکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَكُ أَيْتُكَ يَا بِنْتِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ یہ اطلاع مل گئی تھی کہ بلقیس ان کی دعوت سے متاثر ہونے کی بناء پر مطیع بن کر آ رہی ہے۔ تو ارادہ فرمایا کہ وہ شاہان قوت و شوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اس کے ایمان لانے کے لیے زیادہ معین ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تنخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شامی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے۔ اس لیے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لیے فرما دیا اور اس کے تمام اموال و دولت میں تخت شامی کا انتخاب بھی شاید اس لیے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات حملات شامی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزرنہ تھا۔ اس کا بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (ذکر و اختارہ ابن جریر)

قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع و فرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے۔ یہاں بقول ابن عباس اس کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی مطیع و فرمانبردار۔ کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آنے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ: یعنی کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب میں سے یہ کون شخص تھا؟ اس

کے متعلق ایک احتمال تو وہ ہی جو خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم انہیں کو حاصل تھا۔ اس صورت میں یہ سارا معاملہ بطور معجزہ کے ہوا اور یہی مقصود تھا کہ بلقیس کو پیغمبرانہ اعجاز کا مشاہدہ ہو جائے اور کوئی اشکال اس معاملے میں نہ رہے۔ مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے اس لیے بجائے خود یہ عمل کرنے کے اپنے اصحاب کو خطاب فرمایا: **أَيُّكُمْ يَأْتِينِي** (کدانی ضرور آئے گا) اس صورت میں یہ واقعہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق:

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے: **وَمَا زَمَيْنَا إِذْ زَمَيْنَتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ زَمَنِي**، اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ ان کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول و پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لیے امت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف:

شیخ اکبر محمد بن الدین ابن عربی نے اس کو آصف بن برخیا کا تصرف قرار دیا ہے۔ تصرف اصطلاح میں خیال و نظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے لیے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، مسریم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصطلاح مریدین کے لیے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ تصرف کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام آصف بن برخیا سے لیا۔ مگر قرآن کریم نے اس تصرف کو **وَجَعَلَهُ فَنَّ الْكِشْبِ** کا نتیجہ بتلایا ہے اس سے ترجیح اس کو ہی ہوتی ہے کہ یہ کسی دعایا اسم اعظم کا اثر تھا جس کا تصرف سے کوئی واسطہ نہیں، وہ کرامت ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ: اَنَا اَتَيْنَكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْسَلَ اِلَيْكَ طَرْفُكَ یعنی میں یہ تخت آکھ چھیننے سے پہلے لا دوں گا یہ ملامت اس کی ہے کہ یہ کام ان کے قصد و اختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت دل کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ہے جو احکام القرآن میں سورۃ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا جس کا اردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ (اس سے کہا گیا تو محل میں داخل ہو جا) فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (سو جب اس محل کو دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے) وَ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا (اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں تاکہ صحن میں پانی سے گزرتے ہوئے کپڑے تر نہ ہو جائیں)۔

قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ (سلیمان نے کہا کہ یہ تو محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے مناسب جانا کہ اعجاز نبوت کے ساتھ ملکہ سبا کو ظاہری سلطنت اور شوکت بھی دکھا دی جائے۔ تاکہ وہ عورت دنیا کے اعتبار سے بھی اپنی بادشاہت اور سلطنت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی نہ سمجھے، اس کے آنے سے پہلے انہوں نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوا دیا تھا پھر اس حوض میں پانی بھر دیا پھر اس کو شیشوں ہی سے پاٹ دیا اور وہ شیشے ایسے شفاف تھے کہ نیچے کا پانی اس طرح نظر آتا تھا کہ گویا اسی پانی سے ہو کر گزرنا ہو گا جب ملکہ سبا نے گزرنے کے لیے پنڈلیاں کھول دیں تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو شیشے کا محل ہے پنڈلیاں کھولنے کی حاجت نہیں، پانی جو نظر آ رہا ہے وہ شیشے کے نیچے ہے اس سے ملکہ سبا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت اور سلطنت کا مزید پتہ چل گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ جیسی صنعت کاری یہاں ہے وہ تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ بِلَدِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اے رب میں نے اب تک اپنی جان پر ظلم کیا کہ غیر اللہ کی عبادت کرتی رہی، اب تو میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی فرمانبرداری اختیار کرتی ہوں)۔ یعنی سلیمان کا جو دین ہے اب میرا بھی وہی ہے)۔

فوائد: (۱) قرآن مجید میں ملکہ سبا کا اور اس کے اقتدار کا اور آفتاب کی پرستش کا پھر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے لیکن اس ملکہ کا نام کیا تھا قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے عام طور پر مشہور ہے کہ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔

(۲) جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کیا ہوا قرآن مجید اس سے بھی ساکت ہے، جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں داخل ہو گئی تو اب ان کے ملک میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم جاری ہو گیا۔

(۳) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ پانی میں گزرنا ہو گا اپنی پنڈلیاں کھول دیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی آنکھیں پھیر کر فرمایا کہ یہ تو شیشوں کا بنا ہوا محل ہے۔ اور ایک نبی کی بلکہ ہر صالح مومن کی یہی شان ہے کہ وہ ایسی

جگہ نظر نہ ڈالے جہاں نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔ اگر نظر پڑ جائے تو اسی وقت نظر کو پھیر لے حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیجا نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے حکم دیا کہ نظر پھیر لو اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر باقی نہ رکھو بلا اختیار جو پہلی نظر پڑ جائے اس پر تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا، اور دوسری نظر پر مواخذہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

(۱) ملکہ سب نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو ہدیہ بھیجا تھا اسے انہوں نے واپس فرما دیا کیونکہ واپس کرنے میں مصلحت تھی اور اسے یہ بتانا تھا کہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے مجھے اس سے بہتر عطا فرمایا ہے، اس میں بھی ایک طرح سے اپنے اقتدار کی شان و شوکت کو اس کے اقتدار سے اعلیٰ وارفع بتانا مقصود تھا تا کہ اس پر مزید ہیبت قائم ہو جائے اور اسے بات کے سمجھنے میں اور فرماں بردار ہونے کے آئے میں تامل کرنے کا ذرا بھی موقع نہ رہے، اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے جسے علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر ہدیہ قبول کر لیتے تو یہ ہدیہ رشوت بن جاتا اور گویا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بقیہ اپنے ملک اور اپنے دین شرک پر قائم رہے اور اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اس طرح سے حق کو باطل کے عوض بچنے کی ایک صورت بن جاتی، لہذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا ہدیہ واپس فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ ہدیہ دیتے بھی تھے اور ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور جو شخص ہدیہ دیتا تھا اس کا بدلہ بھی دیدیتے تھے اور آپس میں ہدیہ لینے دینے کا حکم بھی فرماتے تھے موطا مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تصافحوا بذهب الغل و نھاوا و اتحابوا و تذهب الشحنا (آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیہ لیا کرو اس سے آپس میں محبت ہوگی اور دشمنی چلی جائے گی) آپس میں مسلمانوں کے لیے یہ حکم ہے کہ ہدیہ لیا دیا کریں اور اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہدیہ نہ لیا جائے مثلاً رشوت بصورت ہدیہ دی جا رہی ہو یا کوئی شخص مال حرام سے ہدیہ دے رہا ہو یا کوئی عذر ہو تو یہ دوسری بات ہے، رہی یہ بات کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے آپ نے ان کا ہدیہ قبول بھی فرمایا ہے اور رد بھی کیا ہے آپ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ علی الاطلاق نہ قبول کرتا ہے اور نہ رد کرتا ہے دینی مصلحت کو دیکھا جائے۔

کسی کافر مشرک کا ہدیہ قبول کرنے سے اسلام قبول کرنے کی امید ہو تو اس کا ہدیہ قبول کر لیا جائے کیونکہ یہ ایک دینی مصلحت ہے اور اگر کافر و مشرک کا ہدیہ قبول کرنے میں ان کی طرف سے کسی سازش یا دھوکہ دہی اور فریب کاری کا اندیشہ ہو یا اور کوئی بات خلاف مصلحت ہو تو ان کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے۔

لفظ (فَمَا آتَانِي اللَّهُ) ہندوستان و پاکستان کے جو مطبوعہ مصاحف ہیں ان میں نون کے بعد لمبی (ے) لکھ کر فتح دے دیا گیا ہے تاکہ حضرت حفص کی روایت فی الوصل پر دلالت کرے، وہ اس میں وصل کرتے ہوئے رسم قرآنی کے خلاف مفتوحہ ظاہر کر کے پڑھتے ہیں جیسا کہ ہندو پاک کے حفاظ و قراء میں معروف و مشہور ہے (رسم عثمانی میں صرف ن ہے ے نہیں ہے) اب رسمی وقف کی حالت تو اس میں حضرت حفص سے دونوں روایتیں ہیں وقف بالاثبات یعنی فَمَا آتَانِي اور وقف بالخلف بھی یعنی فَمَا آتَانِ اس میں انہوں نے بحالت وصل رسم کی مخالفت کی ہے کیونکہ یہ کو ظاہر کر کے پڑھا ہے اور وقف کی ایک صورت

میں بھی مخالفت کی ہے اور وہ یہ کہی کہ وہ پس لاکر ساکن کر کے پڑھا، اس کو خوب غور کر کے سمجھیں۔
پا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی تھیں:

آیات مذکورہ میں بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہو گیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے؟ قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص نے جب عبد اللہ ابن عیینہ سے پوچھا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا معاملہ اس پر ختم ہو گیا وَاَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا اِلٰی شَمُوْدَ اَخَاهُمْ مِّنَ الْقَبِيْلَةِ صٰلِحًا اِنْ يَّانِ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَخِذُوْهُ فَاِذَا هُمْ قَرِيْنٌ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۱۰﴾ فِی الدِّیْنِ قَرِيْنٌ مُّؤْمِنُوْنَ مِّنْ حِیْنِ اَرْسَلْنٰہِ اِلَیْہِمْ وَفَرِیقٌ کٰفِرُوْنَ قَالَ لِّلْمُکَذِبِیْنَ یَقُوْمُ لَمْ تَسْتَعِیْزُوْا بِالسَّبْتِیۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ ؕ اٰی بِالْعَذَابِ قَبْلِ الرِّحْمَۃِ حَیْثُ فُلْتُمْ اِنْ کَانَ مَا اَنْتَبٰتُنَا بِہِ خَفٰتُنَا بِالْعَذَابِ کُوْلًا مَّآ تَسْتَغْفِرُوْنَ ۙ اللّٰهُ مِنَ الشِّرْکِ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَا تُعَذِّبُوْنَ قَالُوْا اَظْہِرْنَا اَصْلٰہُ تَطٰیَّرْنَا اِذْ غَمَتِ السَّآءُ فِی السَّآءِ وَاجْتَلَبَتْ هَمَزَةٌ وَضَلَّ اٰی تَشَآءُ مِنَّا بِکَ وَیَمِنْ مَعَّکَ ؕ اٰی الْمُؤْمِنِیْنَ حَیْثُ قَطَعُوا الْمَطَرَ وَجَاعُوا قَالَ ظٰہِرُکُمْ شَوْکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنَاکُمْ بِہِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۱۲﴾ تُخْتَبَرُوْنَ بِالْخَیْرِ وَالشَّرِّ وَ کَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ مَدِیْنَةُ شَمُوْدَ تِسْعَ رَہِطٍ اٰی رِجَالٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِی مِنْہَا قَرَضَتْہُمُ الدَّآئِیْرَ وَالذَّرَآہِمَ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۳﴾ بِالطَّاعَةِ قَالُوْا اٰی قَالِ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ تَقَاسَمُوْا اٰی اَخْلَقُوْا بِاللّٰهِ لَنْبِیَّتِنَا بِالنُّوْنِ وَالنَّآءِ وَضَمَّ النَّآءُ الثَّآئِبَ وَ اَهْلَہُ اٰی مِنْ اَمْرِ بِہِ اٰی نَقْلُہُمْ لَیْلًا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ بِالنُّوْنِ وَالنَّآءِ وَضَمَّ اللَّامُ الثَّآئِبَ لِوَلِیِّہِ اٰی وَلِی دَمِہِ مَا شَہَدْنَا خَضَرْنَا مَہْلِکَ اَہْلِہِ بِضَمِّ الْجِیمِ وَفَتْحِہَا اٰی اَهْلَاکُہُمْ اَوْ هَلَاکُہُمْ فَلَا نَذِیْرٌ مِّنْ قِتْلَہِ وَ اَنَا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ مَكْرُوْا فِی ذٰلِکَ مَكْرًا وَ مَكْرًا مَّکْرًا اٰی جَارِیْنَاہُمْ بِتَعْجِیْلِ عُقُوْبِہِمْ وَ هُمْ لَا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی شَمُوْدَ اَخَاهُمْ مِّنَ الْقَبِيْلَةِ صٰلِحًا اِنْ يَّانِ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَخِذُوْهُ فَاِذَا هُمْ قَرِيْنٌ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۱۰﴾ فِی الدِّیْنِ قَرِيْنٌ مُّؤْمِنُوْنَ مِّنْ حِیْنِ اَرْسَلْنٰہِ اِلَیْہِمْ وَفَرِیقٌ کٰفِرُوْنَ قَالَ لِّلْمُکَذِبِیْنَ یَقُوْمُ لَمْ تَسْتَعِیْزُوْا بِالسَّبْتِیۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ ؕ اٰی بِالْعَذَابِ قَبْلِ الرِّحْمَۃِ حَیْثُ فُلْتُمْ اِنْ کَانَ مَا اَنْتَبٰتُنَا بِہِ خَفٰتُنَا بِالْعَذَابِ کُوْلًا مَّآ تَسْتَغْفِرُوْنَ ۙ اللّٰهُ مِنَ الشِّرْکِ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَا تُعَذِّبُوْنَ قَالُوْا اَظْہِرْنَا اَصْلٰہُ تَطٰیَّرْنَا اِذْ غَمَتِ السَّآءُ فِی السَّآءِ وَاجْتَلَبَتْ هَمَزَةٌ وَضَلَّ اٰی تَشَآءُ مِنْنَا بِکَ وَیَمِنْ مَعَّکَ ؕ اٰی الْمُؤْمِنِیْنَ حَیْثُ قَطَعُوا الْمَطَرَ وَجَاعُوا قَالَ ظٰہِرُکُمْ شَوْکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنَاکُمْ بِہِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۱۲﴾ تُخْتَبَرُوْنَ بِالْخَیْرِ وَالشَّرِّ وَ کَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ مَدِیْنَةُ شَمُوْدَ تِسْعَ رَہِطٍ اٰی رِجَالٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِالْمَعَاصِی مِنْہَا قَرَضَتْہُمُ الدَّآئِیْرَ وَالذَّرَآہِمَ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۳﴾ بِالطَّاعَةِ قَالُوْا اٰی قَالِ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ تَقَاسَمُوْا اٰی اَخْلَقُوْا بِاللّٰهِ لَنْبِیَّتِنَا بِالنُّوْنِ وَالنَّآءِ وَضَمَّ النَّآءُ الثَّآئِبَ وَ اَهْلَہُ اٰی مِنْ اَمْرِ بِہِ اٰی نَقْلُہُمْ لَیْلًا ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ بِالنُّوْنِ وَالنَّآءِ وَضَمَّ اللَّامُ الثَّآئِبَ لِوَلِیِّہِ اٰی وَلِی دَمِہِ مَا شَہَدْنَا خَضَرْنَا مَہْلِکَ اَہْلِہِ بِضَمِّ الْجِیمِ وَفَتْحِہَا اٰی اَهْلَاکُہُمْ اَوْ هَلَاکُہُمْ فَلَا نَذِیْرٌ مِّنْ قِتْلَہِ وَ اَنَا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ مَكْرُوْا فِی ذٰلِکَ مَكْرًا وَ مَكْرًا مَّکْرًا اٰی جَارِیْنَاہُمْ بِتَعْجِیْلِ عُقُوْبِہِمْ وَ هُمْ لَا

يَسْعُرُونَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مُكْرِمِهِمْ ۚ اَنَا دَمَرْنَهُمْ ۚ اَهْلَكْنَاهُمْ ۚ وَقَوْمُهُمْ اَجْعِلُونَ ۝

بَصِيحَةِ جَبْرِئِلِ اَوْ يَرْمِي الْمَلَائِكَةُ بِحِجَارَةٍ يَرَوْنَهَا وَلَا يَرَوْنَهُمْ فَنُفِكَ بِقَوْمِهِمْ خَاوِيَةً خَالِئَةً وَنُفِكَ

عَلَى الْخَالِ وَالْعَامِلِ فِيهَا مَعْنَى الْاِشَارَةِ بِمَا ظَلَمُوا ۚ يَظْلِمُهُمْ اَيُّ كُفْرِهِمْ اِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّعِبْرَةٍ

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ قُلْرَتْنَا فَيَتَعِظُونَ ۚ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِصَالِحٍ وَهُمْ اَرْبَعَةُ الْاَلْفِ وَ كَانُوا

يَتَّقُونَ ۝ الشِّرْكَ وَ لَوْطًا مِّنْصُوبٍ بِاَذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْلَهُ وَ يَبْدِلُ مِنْهُ اِذَا قَالَ لِقَوْمِهِ اَتَاْتُونَ الْفَاحِشَةَ

اَيِ الْاَلْوَاطَةِ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ يَتَضَرَّعُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ اِنَّمَا كَافِيَ الْمَعْصِيَةِ اِيْنَكُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ مَعِ

و تَسْهِيْلِ الثَّانِيَةِ وَ اِذَا خَالَ اَلْفٌ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ لَتَاْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ الْنِسَاءِ ۚ بَلْ

اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ عَاقِبَةُ فِعْلِكُمْ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوا اَخْرِجُوْنَا اَل لُّوطُ اَيُّ اَهْلِكَ

مِنْ قَرِيْبِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اِنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ۝ مِنْ اَذْبَارِ الرِّجَالِ فَاَنْجَيْنَهُ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَهُ

قَدَّرْنَاهَا جَعَلْنَا مَا يَتَقَدَّرُ نَا مِنَ الْخَيْرِيْنَ ۝ الْبَاقِيْنَ فِي الْعَذَابِ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا مُّزْجًا

حِجَارَةً السَّجِجِ اَهْلَكْنَاهُمْ فِسَاءً بِشَسْ مَطَرِ الْمُنْذِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ سوان میں دو فریق ہو گئے جو (دین کے بارے میں) باہم جھگڑنے لگے (مکرین سے صالح نے) کہا۔ کہ اے میری قوم والو! تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی مانگ رہے ہو (میرے بارے میں یہ کہہ کر کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے انکار پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے۔ جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جائے (اور عذاب سے محفوظ ہو جائے) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں (کہ تمہاری وجہ سے بارشیں رکت گئیں اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔ اظہار اصل میں تطہیر نا تھا۔ تاکو طامیں ادغام کر دیا گیا اور اس سے پہلے ہمزہ وصل لایا گیا تاکہ تلفظ میں آسانی ہو۔ کیونکہ طام غم کا تلفظ مشکل ہو جاتا ہے صالح نے) کہا کہ تمہاری نحوست کا (سبب) تو اللہ کے علم میں ہے۔ البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں مبتلا ہو گے اور شہر (ثمود) میں نو شخص تھے جو ملک میں نسا دیکھا کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ سب خدا کی قسم کھاؤ ہم شب کے وقت صالح اور اس کے متعلقین (مؤمنین) کو جا رہے گے۔ (لنہیتہ اور لنہیتہ۔ فون اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے (اس وجہ سے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہے) اور ہم بالکل سچے ہیں۔

(النفول اور لتقولن دونوں قراءت ہیں اور مہلک اعلیٰ میں ہم کو ضمہ اور فتح بھی پڑھا گیا ہے) اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے (کہ ان کی چال کی سزا بطور عذاب کے ہم نے دی) اور ہماری چال کی انہیں خبر نہ ہوئی۔ سو دیکھئے کہ ان کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان کی قوم اور ان سب کو ہلاک کر ڈالا (جبریل علیہ السلام کی چنگھاڑ یا فرشتوں کی سنگساری کے ذریعہ اور یہ ان فرشتوں کو دیکھ بھی نہ سکے) سو یہ ان کے گھر ہیں جو دیران پڑے ہیں۔ ان کے کفر کے باعث۔ (خلیۃ منسوب بر بناء حال ہے اور اس میں عامل تلک اسم اشارہ کا معنی ہے) بلاشبہ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کیلئے جو صاحب علم ہیں (اور ہماری قدرتوں سے واقف ہیں۔ انہیں اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے) اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے (صالح) پر اور وہ چار ہزار کے قریب تھے) اور جو بچتے تھے (شرک سے) اور لوٹ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ درآ نکھالیکہ تم سمجھ دار ہو (اور جانتے ہو کہ یہ فعل معصیت ہے لوطا منسوب ہے اس وجہ سے کہ اس سے پہلے اذکر مقدر ہے اور اذقال لغومہ اس سے بدل واقع ہو رہا ہے) کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر۔ مگر اس سلسلہ میں تم جہالت کر رہے ہو (اور اس کے انجام سے غافل ہو۔ انکم میں دونوں ہمزہ کے باقی رکھنے یا ایک ہمزہ کو حذف کر دینا دونوں قراءت ہیں۔ مگر دونوں صورتوں میں الف باقی رہے گا) سو ان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی۔ بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوط کے لوگوں کو تم بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک و صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط اور ان کے متعلقین کو نجات دی بجز لوط کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے (عذاب میں مبتلا) رہ جانے والوں میں تجویز کر رکھا تھا۔ اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا عینہ برسا دیا (اور وہ پتھروں کی بارش تھی۔ جس نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا) سو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے ان کیلئے عینہ کیسا برا ہوا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: يَخْتَصِمُونَ: ضمیر جمع کی فریقین کی طرف راجع ہے۔
 قوله: تَسْتَغْفِرُونَ: یعنی تم عذاب سے قبل اللہ تعالیٰ سے معافی نہیں مانگتے۔
 قوله: تَرْجَمُونَ: توہم کی قبولیت کے ذریعہ۔
 قوله: قَالَ ظَلِمْتُمْ: یعنی وہ سبب جس کی وجہ سے شر آیا ہے۔
 قوله: عِنْدَ اللَّهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں۔
 قوله: بَلْ أَنْتُمْ: اس میں شکون سے اصل داعیہ کی طرف اضراب کیا گیا ہے۔
 قوله: رَجَالٍ: رجس یہ تعد کی تیز معنی کے لحاظ سے اگرچہ لفظ مفرد ہے۔
 قوله: تَقَاسَمُوا: یہ امر ہے جو مقولہ ہے یا خبر ہے یعنی ماضی ہے جو قاتلوا سے بدل ہے۔
 قوله: مَهْلِكًا: یہ مصدر، ظرف زمان، مکان کا محتمل ہے۔ مصدری معنی ضمہ کے ساتھ ہے۔

قوله: وَإِنَّا لَصِدْقُونَ: حالانکہ حال یہ ہے کہ ہم اس مذکورہ بات میں سچے کیونکہ شئی غیر مباشر ہوتا ہے۔

قوله: أَنَاذَمَرْنَهُمْ: اس کی خبر محذوف شان یہ ہے یا اسم کان کا یہ بدل ہے۔

قوله: يَظْلِمُهُمْ: نامصدر یہ ہے کیونکہ عما مذ نہیں۔

قوله: يَبْدِلْ مِنْهُ: یعنی یہ لوطا سے بدل الاشتمال ہے۔

قوله: يَبْطِرْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا: وہ سرعام لواطت کرتے تھے۔

قوله: شَهْوَةً: یہ لواطت کی علت ہے تاکہ اس کی قباحیت پر دل ہو۔ حجاج سے تو نسل مقصود ہے۔

قوله: مَطْرُوهٌ: یہ مخصوص بالذم ہے۔

قوله: هُمْ: اس کو مقدر مانا تاکہ موصول کی طرف لوٹے۔

قوله: أَهْلٌ مَكَّةَ: یہ یثرب کی غائبی ضمیر کی تفسیر ہے۔

قوله: الْآلِهَةُ خَيْرٌ: یہ اس خلق السموات کا عدیل ہے ماسبق سے متعلق نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ شُعُودٍ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ۝

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم شعود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں دعوت توحید دی تو ان میں دو فریق بن گئے ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گٹھ گٹھ جیسے اور جگہ ہے کہ منکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لا چکے ہیں انہوں نے کہا بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا بجائے رحمت کے عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تاکہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے ماننے والے۔ یہی فرعونوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائی اس میں ملتی ہے ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں اور آیت میں ہے: (وَإِنْ تُصِيبَهُمْ حَسَافَةٌ تَقُولُوا هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ تَقُولُوا هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ قُلْ كُلُّ قَوْمٍ لِّمِلَّةٍ عَدَاوَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلُوا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ) (النساء: ۷۸) یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی تضاد قدر سے ہے۔ سورہ یسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے۔ (قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرُ بِكُمْ لَكُمُ نَجَاتٌ لَّنَا وَلَكِن لَّا نَشْكُكُمْ وَلَوْلَا آلَاءُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَخَسَفَ بِكُمْ عَذَابُ السَّعِيرِ) (یسین: ۳۸) ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت سزا

دیں گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں یہ کہ حضرت صالح نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو تمہیں آزمایا جا رہا ہے اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اس کے بعد پڑے جاؤ گے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝

قوم صالح کے نوفادی سرعسنوں کا ذکر:

مشورہ کے شہر میں نوفادی شخص تھے جن کی طبیعت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں رعی، عرم، ہرم، ہریم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ جس کا بیان آیت: فَتَنَّا ذَا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى (القر: ۲۹) اور (زاد) اَلْبَتَّةَ أَشْقٰهُمَا (الفس: ۱۲) میں ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلا ضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کرانا حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔ اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا۔ اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ ﷺ کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اسے کے بال بچوں اور اس کے دالی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو اس ارادے سے چلے راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہو گیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لیے نکلے لیکن ان کی قوم تمہیں لگا کر آگنی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزرنے دو۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح ﷺ نے صاف فرمایا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک مرنے اڑو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی

نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لیے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گیا کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا۔ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح اور با ایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوا دیں۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا۔ اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہوسکا۔ انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں انکے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچالیا۔

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۵۱﴾

(و بطل) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ جب باز نہ آئے تو ہلاک کر دیئے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ برے کام کرتے تھے یعنی مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ایمان کی بھی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اس کام کو چھوڑ دو تمہارا دل بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے، یہ جاہلوں کا کام ہے تم پر جہالت سوار ہے کہ تم اسے برا کام جانتے ہوئے بھی نہیں چھوڑتے، ان لوگوں نے الٹے الٹے جواب دیئے اور کہنے لگے کہ اجداد لوط کو اور ان کے ساتھیوں کو (جنہوں نے ایمان قبول کر لیا) اور ان کے گھروالوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں، پاک آدمیوں کا ناپاک آدمیوں میں کیا کام (یہ ان لوگوں نے بطور طنز و تمسخر کہا تھا)۔

آخر ان لوگوں پر عذاب آ گیا بحکم الہی حضرت سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو اور گھروالوں کو آخرات میں بستی سے لے کر نکل گئے اللہ پاک نے ان کی قوم پر پتھروں کی بارش بھیج دی اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا۔

بارش میں جو پتھر برسائے گئے انہیں سورہ ہود اور سورہ حجر میں (حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ) فرمایا اور سورہ ذاریات میں (حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ) فرمایا بھیل کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے یعنی یہ اس قسم کے پتھر تھے جیسے مٹی کو آگ میں پکالیا ہو اور اس سے اینٹیں بنائی جائیں اسی کو فرمایا کہ ہم نے خاص قسم کی بارش بھیج دی آخر میں فرمایا: (فَسَاءَ مَقَرُّ الْمُنْذَرِينَ) (سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جنہیں ڈرایا گیا) یعنی پہلے نہیں سمجھایا گیا تھا کہ ڈرو، ایمان لاؤ، برے اعمال چھوڑو اس کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا لامحالہ عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔

شروع سورت سے لے کر یہاں تک نبوت و رسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات بحث تھی۔ اب

آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

بِالْعَذَابِ مَطْرُوهُمْ قُلْ يٰۤاُمَّحَمَّدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَىٰ هٰلَاكِ كُفَّارِ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ وَ سَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ
الَّذِينَ اصْطَفٰى ۚ اَللّٰهُ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْتِدَالِ الثَّانِيَةِ اِلْفَاوِ تَسْهِيْلَهَا وَادْخَالِ اِلِفٍ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ
وَالْاُخْرٰى تَرْكُهُ خَيْرٌ لِّمَنْ يَعْبُدُهُ اَمَّا يَشْرِكُوْنَ ۝ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ اَيُّ اَهْلٍ مَّكَّةَ بِهٖ الْاِلَهَةِ خَيْرٌ لِّعَابِدِيْهَا

ترجمہ: اور آپ (اے محمد! ان منکرین کی ہلاکت پر) کہہ دیجئے کہ ہر تعریف اللہ ہی کیلئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں۔ (اللہ میں دونوں ہمزہ کا باقی رکھنا اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دینا اور دونوں ہمزہ کے درمیان الف کا لانا یہ سب صورتیں ہیں۔ اسی طرح یشر کون میں یا اور تادونوں قراءت ہیں)۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ ضَلِيْحًا اِنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ قَرِيْنٌ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں دعوت توحید دی تو ان میں دو فریق بن گئے ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتہ گتے جیسے اور جگہ ہے کہ منکبوں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لا چکے ہیں انہوں نے کہا بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا بجائے رحمت کے عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تا کہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے ماننے والے۔ یہی فرعونوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیائیں ہمیں ملتی ہیں ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں اور آیت میں ہے: (وَ اِنْ تُصِیْبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اِنْ تُصِیْبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ قُلْ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَتٰی هُوَ لَآ یُعٰذِرُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْقًا) (النساء: ۸۱) یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی مل جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں یہ تیری جانب سے ہے تو کہہ دے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ کی قضاء و قدر سے ہے۔ سورۃ یسین میں بھی کفار کا اپنے نبیوں کو یہی کہنا موجود ہے۔ (قَالُوْۤا اِنَّا تَطٰیْرٌ نَّآیِبُکُمْ ؕ لَیْنِ لَّہٗ تَنْتٰہُوْا لَنَرْجُمَکُمْ وَلَیْمَسَّکُمْ قِتْلًا عَذَابٌ اِلَیْہِمْ) (یسین: ۳۸) ہم تو آپ سے بد شکونی لیتے ہیں اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت دیں

گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں ہے کہ حضرت صالح نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو تمہیں آزمایا جا رہا ہے اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اس کے بعد پکڑے جاؤ گے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝

قوم صالح کے نوفادی سرعسنوں کا ذکر:

شمر کے شہر میں نوفادی شخص تھے جن کی طبیعت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے الہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں رعی، رعم، ہرم، ہرمیم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ جس کا بیان آیت: فَتَنَّا ذَا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى (الفر: ۲۹) اور (اذا التَّبَعَتْ أَاشْفَقَهَا) (التيس: ۱۲) میں ہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلا ضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔ اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا۔ اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ ﷺ کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اسے کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو اس ارادے سے چلے راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گتے ہوئے عرصہ ہو گیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پٹھے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لیے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آگئی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزر نے دو۔ اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کر دو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح ﷺ نے صاف فرمادیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک مزے اڑالو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح ﷺ کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز

کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لیے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گیا کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا۔ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح اور با ایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوا دیں۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا۔ اور انہیں اس سے ذرا پہلے ہی مطلق علم نہ ہو سکا۔ انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنان پڑی ہیں انکے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دئے گئے ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔

وَلَوْ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۱۱۳

(بط) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ جب باز نہ آئے تو ہلاک کر دیئے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ برے کام کرتے تھے یعنی مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ایمان کی بھی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اس کام کو چھوڑو تمہارا دل بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے، یہ جالوں کا کام ہے تم پر جہالت سوار ہے تم اسے برا کام جانتے ہوئے بھی نہیں چھوڑتے، ان لوگوں نے الٹے الٹے جواب دیئے اور کہنے لگے کہ اچھی لوط کو اور ان کے ساتھیوں کو (جنہوں نے ایمان قبول کر لیا) اور ان کے گھروالوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں، پاک آدمیوں کا ناپاک آدمیوں میں کیا کام (یہ ان لوگوں نے بطور طعزو تمسخر کہا تھا)۔

آخر ان لوگوں پر عذاب آ گیا بحکم الہی حضرت سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو اور گھروالوں کو آخرت میں بستی سے لے کر نکل گئے اللہ پاک نے ان کی قوم پر پتھروں کی بارش بھیج دی اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا۔

بارش میں جو پتھر برسائے گئے انہیں سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں (حِجَارَاتٍ مِّنْ سِجِّيلٍ) فرمایا اور سورۃ ذاریات میں (حِجَارَاتٍ مِّنْ طِلَاسٍ) فرمایا جھیل کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے یعنی یہ اس قسم کے پتھر تھے جیسے مٹی کو آگ میں پکالیا ہو اور اس سے اینٹیں بنائی جائیں اسی کو فرمایا کہ ہم نے خاص قسم کی بارش بھیج دی آخر میں فرمایا: (فَسَاءَ مَقَرٌّ مَّنْ تَقَرُّوا) (سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جنہیں ڈرایا گیا) یعنی پہلے نہیں سمجھایا گیا تھا کہ ڈرو، ایمان لاؤ، برے اعمال چھوڑو اس کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا لامحالہ عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔

شروع سورت سے لے کر یہاں تک نبوت و رسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات بحث کر رہے ہیں اب آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل کو حید کو بیان کیا گیا ہے۔

آمَنَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهِ الْبُيُوتَ مِنَ النَّخْلِ إِلَى التَّكْوِيمِ بِهِ
 حَدَائِقَ جَمْعَ حَدِيقَةٍ وَهُوَ الْبُسْتَانُ الْمُحَوَّطُ ذَاتَ بَهْجَةٍ حُسْنٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا
 لَعَدَمٍ قُدِّرَتْكُمْ عَلَيْهِ عَالَهُ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِذَا خَالَ الْفَيْ بَيْنَهُمَا عَلَى التَّوَجُّهِ فِي
 مَوَاضِعِهِ السَّبْعَةِ فَهَعَّ اللَّهُ ۖ إِعَانَةً عَلَى ذَلِكَ أَيْ لَيْسَ مَعَهُ إِلَهٌ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْبُدُونَ ۝ يَسِّرْ كُؤْنَ بِاللَّهِ
 غَيْرُهُ آمَنَ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا لَا تَمِيدُ بِأَهْلِهَا وَجَعَلَ خِلَافَهَا فِيمَا بَيْنَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِي
 جِبَالًا أَنْبَتَ بِهَا الْأَرْضَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۖ بَيْنَ الْعَذْبِ وَالْمِلْحِ لَا يَخْتَلِطُ أَحَدُهُمَا
 بِالْآخِرِ عَالَهُ فَهَعَّ اللَّهُ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ تَرْجِيذُهُ آمَنَ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ الْمَكْرُوبَ الَّذِي
 مَتَّهَ الضَّرُّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ عَنْهُ وَعَنْ غَيْرِهِ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۖ الْإِضَافَةُ بِمَعْنَى فِي
 أَيْ يَخْلِفُ كُلُّ قَرْنٍ الْقَرْنَ الَّذِي قَبْلَهُ عَالَهُ فَهَعَّ اللَّهُ ۖ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَعِظُونَ بِالْفُوقَانِيَةِ
 وَالتَّخْتَانِيَةِ وَفِيهِ إِذَا غَامَ النَّاءُ فِي الدَّالِ وَمَا زَائِدَةٌ لِتَقْلِيلِ الْقَلِيلِ آمَنَ يَهْدِيكُمْ يَرْشِدُكُمْ إِلَى مَقَاصِدِكُمْ
 فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِالنُّجُومِ لَيْلًا وَبِعَلَامَاتِ الْأَرْضِ نَهَارًا وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيحَ بِشَرِّ ابْنَيْنِ يَدَيِ
 رَحْمَتِهِ ۖ أَيْ قُدَّامَ الْمَطَرِ عَالَهُ فَهَعَّ اللَّهُ ۖ تَعَلَّى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ بِهِ غَيْرُهُ آمَنَ يَبْدُوا الْخَلْقَ فِي
 الْأَرْحَامِ مِنْ نُطْفِهِ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ يُعِيدُهُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَإِنْ لَمْ يَغْتَرِ قُرَابًا بِإِلَاحَادَةِ لِقِيَامِ الْبَرَاهِمِينَ عَلَيْهَا وَمَنْ يُرْزُقْكُمْ
 مِنَ السَّمَاءِ بِالْمَطَرِ وَالْأَرْضِ ۖ بِالنَّبَاتِ عَالَهُ فَهَعَّ اللَّهُ ۖ أَيْ لَا يَفْعَلُ شَيْئًا مِمَّا ذَكَرَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا إِلَهَ مَعَهُ
 قُلْ بِأَمْرِهِ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ حُجَّتْكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ إِنْ مَعِيَ الْهَافِعْلُ شَيْئًا مِمَّا ذَكَرَ وَسِ
 لَوْهُ عَنْ وَقْتِ قِيَامِ السَّاعَةِ فَتَزَلْ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ الْغَيْبِ أَيْ
 مَا غَابَ عَنْهُمْ إِلَّا لِكِنَّ اللَّهَ ۖ يَعْلَمُهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيْ الْكُفَّارُ كَثِيرٌ هُمْ آيَاتُ وَقْتُ يَبْعَثُونَ ۝ بَلْ
 بِمَعْنَى هَلْ أَذْرَكَ بَوْرُنَ الْكُفْرِ فِي قِرَاءَةِ وَفِي أُخْرَى أَذْرَكَ بِشِدِيدِ الدَّالِ وَأَصْلُهُ تَذَارَكَ أَجْدَلَتْ النَّاءُ دَالًا وَ
 أَذْغَمَتْ فِي الدَّالِ وَجُثِّلَتْ هَمْزُهُ الْوُضْلِ أَيْ بَلَغَ وَلَجِقَ أَوْ تَتَابَعَ وَتَلَا حَقَّ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ ۖ أَيْ
 عَ بِهَا حَتَّى سَأَلُوا عَنْ وَقْتِ مَجِيئِهَا لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ۝ مِنْ

عَمَى الْقَلْبُ وَهُوَ أَبْلَغُ مِمَّا قَبْلَهُ وَالْأَضْلُ عَمِيئُونَ أُنْشِئَتْ الضَّمَّةُ عَلَى الْيَاءِ فَتَقَلَّتْ إِلَى الْجِيمِ بَعْدَ حَذْفِ كَثْرَتِهَا

تو چھپتا: تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے درختوں کو اگاؤ، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اگائے (لفظ ابتعا میں غائب صیغہ سے منکلم کی طرف مفت التغات ہے) پانی کے ذریعہ باغ (لفظ حدائق حدیقہ کی جمع ہے جس کے معنی چار دیواری والے محفوظ باغ کے ہیں) رونق دار (خوبصورت) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو (اس پر تمہاری قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) کیا اور بھی خدا ہے (لفظ ئالہ یہاں سات جگہ آیا ہے۔ ان سب میں دو ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے۔ نیز ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف بڑھا کر چاروں طریقہ سے پڑھا گیا ہے) اللہ کے ساتھ (اس کام پر اس کی مدد کیلئے؟ یعنی ہرگز اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہیں ہے) مگر ہاں یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں (اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کرتے ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا (کہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ ڈگمگاتی نہیں ہے) اور بنا میں ان زمینوں کے درمیان (بیچ میں) ندیاں اور زمین کی خاطر جو محل پہاڑ بنائے (جن سے زمین کو ٹھہرایا) اور دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی (جو شیریں اور شور پانیوں کو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی) کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو (اس کی توحید کو) سمجھتے بھی نہیں۔ یا وہ ذات جو بے قرار کی فریاد سنتی ہے۔ (کہ جو تکلیف کے مارے بے چین ہو) جب وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ مصیبت دور کر دیتا ہے (پکارنے والے سے بھی اور دوسروں سے بھی) اور تمہیں زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے (خلفاء الارض میں اضافت بواسطہ فی ہے، یعنی ہر پچھلا قرن پہلے قرن کا قائم مقام ہے) کیا اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو (کم بصیحت حاصل کرتے ہو۔ اکثر قراء کے نزدیک لفظ تذکرون تا کے ساتھ ہے اور ابو عمر قاری کے نزدیک یا کے ساتھ آیا ہے۔ یہ لفظ اصل میں تذاکرون تھا۔ تا کو ذال میں ادغام کر دیا ہے اور لفظ تازا اند ہے۔ مگر تغلیل کی زیادتی کیلئے لایا گیا ہے) یا وہ ذات جو تمہیں راستہ بھاتی ہے (تمہاری منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتی ہے) خشکی اور تری کی اندھیریوں میں (رات کو ستاروں کے ذریعہ اور دن میں زمین کے نشانات کے ذریعہ) اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے (رحمت سے یہاں مراد بارش ہے) بھیجتا ہے خوش کر دینے کیلئے کیا اللہ کے ساتھ اور خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان کے شرک سے (جو دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں) یا وہ ذات اول بار مخلوق کو پیدا کرتی ہے (لفظ کو رحم میں ذال کر) پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گی مرنے کے بعد۔ اگرچہ یہ اس کا اقرار نہ کریں۔ مگر اس پر دلائل موجود ہیں) اور جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان سے (بارش کے ذریعہ) اور زمین سے (اگا کر) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی خدا ہے؟ (یعنی مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا اور اللہ کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے) آپ (اے محمد!) کہیے اپنی دلیل (حجت) پیش کرو اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ میرے ساتھ اور خدا ہے جس نے مذکورہ چیزوں میں سے کچھ بھی بنایا ہو اور چونکہ کفار مکہ نے قیامت کا پوچھا تھا۔ اس لئے اگلی آیت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے

آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوق ہے (خواہ فرشتے ہوں یا انسان) کوئی بھی غیب (نگاہوں سے اوجھل چیز) کو نہیں جانتا۔ بجز (سوائے) اللہ کے (وہ جانتا ہے اور یہ کفار وغیرہ) نہیں جانتے کہ کب (کس وقت) دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ بات یہ ہے (ہل بمعنی ہل ہے) نیست و نابود ہو گیا ہے (لفظ ادرك بروزن اکرم ہے۔ ابو عمر کی قراءت میں اور دوسروں کی قراءت میں ادرك ہے دال مشدد کے ساتھ اصل میں تدارک تھا۔ تا کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کر دیا اور ہمزہ وصل حذف کر دیا ہے یعنی اتنا بڑھ گیا اور مسلسل ہو گیا) ان کا علم آخرت کے متعلق (حتیٰ کہ قیامت آنے کا وقت پوچھنے کی نوبت آگئی۔ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو کچھ علم نہیں ہے) بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں (لفظ عمون عمی القلب سے ماخوذ ہے۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ سے بڑھ کر ہے۔ عمون دراصل عمیون تھا۔ یا پر خمر دشوار ہونے کی وجہ سے مائل میم کو دے دیا میم کا حذف کر کے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **إِلَى التَّكْوِينِ**: یہ اس بات کی تاکید کے لئے ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور عمدہ باغات کی اور کسی کو قدرت نہیں جیسا کہ ما کان لکم سے اشارہ فرمایا ہے۔
- قوله: **نَسْهَلُ النَّاسِ**: اس میں بین بین کا قاعدہ جاری ہوتا ہے۔
- قوله: **يَعْبُدُونَ**: یہ عدل سے ہے جس کا معنی برابری ہے۔
- قوله: **أَمَّنْ**: یہ پہلے امن سے بدل ہے۔
- قوله: **الْمُضْطَرَّ**: مجبور۔
- قوله: **خُلِقَ الْأَرْضُ**: کی اضافت فی کے معنی میں ہے۔
- قوله: **قَلِيلًا**: قلت سے مراد عدم ہے۔
- قوله: **كَلِمَاتِ الْكِتَابِ**: اندھیرے تو رات کے ہوتے ہیں مگر بروجر کی طرف اضافت ملا بہت کی وجہ سے ہے۔
- قوله: **لِقِيَامِ الْبَرِّ**: وہ اس پر دلالت کرنے والے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں۔
- قوله: **لَكِنَّ اللَّهَ**: یہ استثناء منقطع ہے۔
- قوله: **آيَاتٍ**: یہ ای اور ان سے مل کر بنا ہے۔
- قوله: **بَلَّغَ**: یہ باب افعال سے ہو تو تفسیر ہے اور تالیع معنی ہو گا جب تدارک باب تفاعل سے لیں۔
- قوله: **عَلِمَهُمْ فِي الْآخِرَةِ**: جب ان سے علم غیب کی نفی کی تو یہ واضح کر دیا جس کے متعلق ان کے علمی دلائل مکمل ہو گئے وہ یہ ہے کہ قیامت نے بہر حال آنا ہے اور جیسا مناسب ہے ایسا وہ اس کو نہیں جانتے۔
- قوله: **فِي شَيْءٍ**: جیسے کسی معاملے میں حیران اپنی دلیل پالے۔
- قوله: **وَمِنْهَا عَمَّوْنَ**: ان کی بصیرت میں خلل کی وجہ سے وہ اس کے دلائل کا ادراک نہیں کر سکتے۔

تفسیر مقبولین

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی ؕ اَللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَشْكُرُونَ ﴿۱﴾

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے دشمنوں کی ہلاکت اور بربادی کے چند واقعات ذکر کئے اب یہ حکم دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کا شکر کرو کہ کفار اور مشرکین ہلاک اور برباد ہوئے خدا کے نافرمانوں کی ہلاکت اور بربادی اور اہل حق کی فتح و نصرت حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور سلام بھیجو خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر جن کو اللہ نے عزت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کو کامیاب فرمایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر سلام بھیجا جائے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور شرک کی بنا پر ہلاک ہوئے اس لیے آئندہ آیات میں انواع و اقسام کے دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ دیکھو صادی ص ۱۰ ج ۳۔

اس سورت کے نصف اول میں انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے ذکر فرمائے اب اس کے بعد نصف دوم میں دعوت و تبلیغ کا طریقہ اور دلائل توحید اور مبداء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی جب یہ واقعات آپ ﷺ نے بیان کر دیئے اور ان کو سنا دیئے تو کہنے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کیا اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب کیا یعنی انبیاء کرام پر اور ان کے اصحاب پر جن کی بدولت یہ گندگی اور نجاست دور ہوئی۔ ان واقعات میں غور کر کے بتاؤ کہ کیا وہ خدا بہتر جس کی قدرت کا یہ حال یا وہ چیزیں بہتر ہیں جن کو تم الوہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی ظاہر ہے کہ قادر مطلق بلاشبہ عاجز مطلق سے بہتر ہے پس اس عقلی دلیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اب آئندہ آیات میں چند کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ان میں غور کر کے بتلائیں کہ اللہ بہتر ہے یا یہ بت بہتر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں قوم ثمود اور قوم لوط کے ہلاکت کا ذکر کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ دونوں جہان کی سلامتی ان لوگوں کو دیتا ہے کہ جو اس کی بارگاہ میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں اور اس اصطفیٰ اور برگزیدگی کے مدارج اور مراتب ہیں۔ مرتبہ اعلیٰ انبیاء و مرسلین کی برگزیدگی کا ہے بعد ازاں ان مسلمانوں کی برگزیدگی کا ہے جنہوں نے انبیاء و مرسلین کی مدد اور نصرت کر کے اعلا کلمۃ اللہ کیا اور بالخصوص جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی مدد اور نصرت کی اور اس کا اولین مصداق مہاجرین اولین ہیں پھر انصار کرام اور مہاجرین اولین کے مقابلہ میں وہ اشقیاء کفار ہیں جو اعلا کلمۃ الکفر میں سائی اور کوشاں رہے۔

الغرض اصطفیٰ کے درجات میں اصطفیٰ کا اعلیٰ درجہ حضرات انبیاء کرام کے لیے ہے اور دوسرا درجہ صحابہ کرام کے لیے کما قال اللہ تعالیٰ: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الِی الْاٰخِرِ الْاٰیۃ اس لیے اس قسم کے تمام آیتوں کی تفسیر سلف صالحین نے آنحضرت ﷺ کے اصحاب کے ساتھ کی ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور سفیان ثوریؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے کہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ سے آنحضرت ﷺ کے اصحاب مراد ہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ

مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات، مشرکین کو توحید کی دعوت،

یہ چند آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اپنی رضا مندی کے کاموں کے لیے اور اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے جن لیا اور ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر سلام ہو، پھر سوال فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ کی ذات اقدس بہتر ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جنہیں مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، ان چیزوں کو کچھ بھی قدرت نہیں اور اللہ کی بڑی قدرت ہے اس کی قدرت کے مظاہرے نظروں کے سامنے ہیں مشرکین بھی جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی وجود میں ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کو کسی نے کچھ بھی وجود نہیں بخشا پھر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حماقت نہیں تو کیا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کے چند مظاہرے بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ جس پاک ذات نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا اور جس نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغیچے پیدا فرمائے تمہارے بس کا کام نہیں تھا کہ تم اس کو پیدا کرتے کیا (ان چیزوں کی تخلیق میں) اس کا کوئی شریک ہے، اس کو تو سب مانتے ہیں کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پھر عبادت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ **اَللّٰهُ فَكَيْفَ يُعْبَدُ** (کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے) یعنی اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ **(اِنَّ هُمْ قَوْمٌ يَعْبُدُوْنَ)** اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا یعنی ان سب باتوں کو جانتے ہوئے یہ لوگ پھر بھی اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ یعنی مخلوق کی عبادت کرتے ہیں، اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر راہ حق سے ہٹتے ہیں لفظ **يَعْبُدُوْنَ** میں دونوں طرح ترجمہ کرنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد فرمایا کہ جس ذات نے زمین کو ٹھہرنے والی چیز بنادیا جو خود بھی ٹھہری ہوئی ہے اور اس پر انسان اور حیوانات سب ٹھہرے ہوئے ہیں اس میں حرکت نہیں ہے اور جس نے اس کے درمیان نہریں بنادیں اور اس کے لیے بھاری پہاڑ بنادیئے اور جس نے دو سمندروں کے درمیان آڑ بنادی ایک میٹھا ہے اور دوسرا نمکین ہے دونوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوتے کیا ایسی پاک ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی نہیں ہے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے، یہاں جو زمین کو ٹھہرنے والی بتایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حرکت نہیں کرتی جس سے اوپر کی چیزیں حرکت کرنے لگیں یعنی اس میں عام حالت میں زلزلہ اور اضطراب کی کیفیت نہیں لہذا یہ اس کے معارض نہیں جو اہل سائنس کہتے ہیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں زمین کی حرکت کو دخل ہے جیسے اوپر کے پاٹ پر ایک چیونٹی بیٹھی یا چلتی رہے اور پاٹ گھومتا رہے تو چیونٹی کے بیٹھے رہنے یا چلنے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ رہی یہ بات کہ اہل سائنس جو کہ کہتے ہیں کہ لیل و نہار کا آگے پیچھے آنا جانا زمین کی حرکت کی وجہ سے ہے ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں ایک مستقل بحث ہے یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر اہل سائنس کا قول درست ہو تب بھی قرار ارض کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے زلزلہ والی حرکت بھی زمین میں پیدا ہو جاتی ہے اس وقت بھاری پہاڑ بھی زمین کے زلزلہ کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ خود بھی چورہ چورہ ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مجبور حال دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما دیتا ہے اور وہ تمہیں زمین میں خلفاء بناتا ہے یعنی گزشتہ لوگوں کا اس زمین پر جو تسلط تھا اس کے بعد تمہیں تسلط بخشا ہے کیا ایسی ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے

نہ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کیا جو ذات پاک خشکی اور سمندروں کی تاریکی میں راہ بتاتا ہے اور جو اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوا میں بھیجتا ہے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی کوئی نہیں اللہ اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔
پھر فرمایا جو ذات ابتداء پیدا فرمائے پھر موت کے بعد اس مخلوق کو لوٹا دے یعنی دوبارہ زندہ فرما دے اور وہ ذات جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجیے کہ اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مخلوق میں حقیقی تصرف کرتا ہے جب یہ بات ہے تو شرک پر کیوں جتے ہوئے ہو۔ (تفسیر انوار البیان)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِصْرًا ثَقِيلًا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُ وَنَا أَيْسَرًا كَخُرُوجِ ۝
قَدْ وَعَدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاءُ مِن قَبْلُ إِن مَاهَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ جَمْعُ أُسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ
أَيْ مَا سَطَرَ مِنَ الْكِذْبِ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ بِإِنْكَارِهِمْ
وَمِنْ هَلَاكِهِمْ بِالْعَذَابِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ فَإِنَّا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ بِالْعَذَابِ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِيهِ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدِفٌ قَرِيبٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ۝
فَنَحْصَلْ لَهُمُ الْقَتْلُ بِتَذِيرٍ وَبَاقِي الْعَذَابِ يَأْتِيهِمْ بَعْدَ الْمَوْتِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَمِنْهُ
تَأْخِيرُ الْعَذَابِ عَنِ الْكُفَّارِ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝ فَالْكَفَّارُ لَا يَشْكُرُونَ تَأْخِيرُ الْعَذَابِ
لِإِنْكَارِهِمْ وَقَوْلُهُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ تُخْفِيهِ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ بِالسَّيْتِهِمْ وَمَا مِنْ
غَافِلَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ النَّاهِلَةُ لِمُتَابَعَةِ أَيْ شَيْءٍ فِي غَايَةِ الْخِفَاءِ عَلَى النَّاسِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝
بَيْنَ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ وَمَكْنُونٌ عِلْمُهُ تَعَالَى وَمِنْهُ تَعْدِيبُ الْكُفَّارِ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْضُ عَلَى بَنِي
إِسْرَءِيلَ الْمُؤْجُودِينَ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ أَيْ
بَيَانِ مَا ذُكِرَ عَلَى وَجْهِهِ الرَّافِعِ لِلْإِخْتِلَافِ بَيْنَهُمْ لَوْ أَخَذُوا بِهِ وَأَسْلَمُوا وَإِنَّهُ لَهْدَى مِنَ الضَّلَالَةِ وَ
رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ كَثِيرٌ مِنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِحُكْمِهِ ۝ أَيْ عَذْلِهِ وَ
هُوَ الْعَزِيزُ النَّالِبُ الْعَلِيمُ ۝ بِمَا يَحْكُمُ بِهِ فَلَا يُمْكِنُ أَحَدًا مَخَالَفَتُهُ كَمَا خَالَفَ الْكُفَّارُ فِي الدُّنْيَا
أَنْبِيَائَهُ فَمَوَكَّلٌ عَلَى اللَّهِ ۝ يَقُودُهُ بِكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝ أَيْ الَّذِينَ الْبَيِّنِ فَالْعَاقِبَةُ لَكَ بِالنَّظَرِ عَلَى

الْكَفَّارِ ثُمَّ ضَرَبَ لَهُمْ مَثَلًا بِالْمُؤْنَى وَالضُّمِّ وَالْعُنَى فَقَالَ إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الضُّمَّ
الدُّعَاءَ إِذَا بَتَحَقَّقَ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِّلُ الثَّانِيَةَ بَيْنَهَا وَتَيْنِ الْبَاءِ وَلَوْ أَمْدَدِيرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَدَى
الْعُنَى عَنْ صَلَاتِهِمْ ۱ إِنَّ إِنْ تَسْمِعُ سَمَاعَ أَهْلِهِمْ وَاقْبُولَ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ فَهُمْ
مُسْلِمُونَ ۝ مُخْلِصُونَ بِتَوْحِيدِ اللَّهِ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ حَقَّ الْعَذَابِ أَنْ يَنْزَلَ بِهِمْ فِي جُمْلَةٍ
الْكَفَّارِ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۲ أَيْ تَكَلِّمُ الْمُؤْمِنِينَ جِئْنَا خُرُوجَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ نَقُولُ
لَهُمْ مِنْ جُمْلَةٍ كَلَامُهَا نَائِبَةٌ عَنَّا أَنَّ النَّاسَ أَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ وَفِي قِرَاءَةِ فَتَحِ هَمْزَةٍ إِنْ بِتَقْدِيرِ الْبَاءِ
بَعْدَ تَكَلِّمِهِمْ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝ ۳ أَيْ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْقُرْآنِ الْمُسْتَمِيلِ عَلَى التَّبَعِ وَالْحِسَابِ
وَالْعِقَابِ وَيَخْرُوجُهَا يَنْقَطِعُ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا يُؤْمِنُ كَافِرٌ كَمَا أَوْحَى اللَّهُ تَعَالَى
إِلَى نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ

ترجمہ: اور کفار (انکار قیامت کرتے ہوئے یہ بھی) کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے تو کیا ہم
ضرور نکالے جائیں گے (قبروں سے) اس کا وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ تو
بس بے سند باتیں ہیں جو لوگوں سے نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں (اساطیر، لفظ اسطورہ بالضم کی جمع ہے جھوٹی لکھی ہوئی باتیں)
آپ کہتے تم زمین پر چل کر دیکھو کہ بحر میں کیا انجام کیا ہوا ہے؟ اپنے انکار کی وجہ سے عذاب میں تباہ و برباد ہوئے) اور آپ
ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ سازشیں کر رہے ہیں ان سے تنگ نہ ہو جیئے (اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی
ہے کہ آپ ان کی چالوں سے پریشان نہ ہو جیئے کیونکہ ہماری مدد آپ کے شامل حال ہے) اور یہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ
(عذاب کا) کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) آپ کہہ دیجئے جس عذاب کی تم جلدی پھا رہے ہو عجب نہیں کہ
اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس (قریب) ہی آ گیا ہو۔ (چنانچہ غزوہ بدر میں بہت سے مارے گئے اور بقیہ عذاب موت کے
بعد جھگلتا ہوگا) اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے (کفار کو سردست عذاب نہ دینا بھی فضل ہی کا ایک حصہ
ہے) لیکن اکثر آدمی شکر ادا نہیں کرتے (چنانچہ یہ کفار بھی عذاب کے ملتوی ہونے پر شکر گزار نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ سرے
سے عذاب ہی کے منکر ہیں) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ یہ
(اپنی زبانوں سے) ظاہر کرتے ہیں اور آسمان وزمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے۔ (لفظ غائبہ میں تا مباہلہ کیلئے ہے یعنی
پوشیدہ چیز) جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو (لفظ مبہین بمعنی بین ہے۔ کتاب مبہین سے مراد لوح محفوظ ہے یا علم الہی جو سر
بتہ رہتا ہے عذاب کفار بھی اسی میں داخل ہے) بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر (جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
ہیں) بہت سی ان باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں (ایسے انداز سے بیان کر دیتا ہے کہ اگر اس کو قبول

کر لیں اور مان لیں تو سارا اختلاف دور ہو جائے) اور یقیناً قرآن ایمان داروں کیلئے (مگر اسی سے) ہدایت اور (عذاب سے) رحمت ہے۔ بالیقین آپ کا پروردگار ان میں (اور دوسروں میں قیامت کے روز) اپنے حکم (انصاف) سے فیصلہ فرما دے گا اور وہ زبردست علم والا ہے (فیصلہ سے پورے طور پر واقف، لہذا کوئی اس کا خلاف نہیں کر سکے گا۔ جیسا کہ کفار دنیا میں انبیاء کا خلاف کرتے رہتے ہیں) سو آپ اللہ پر بھروسہ (اعتماد) رکھیے۔ یقیناً آپ صریح حق پر ہیں (دین واضح پر اس لئے آخر کار کفار پر فتح آپ کی ہوگی۔ پھر آگے کفار کی مثال مردوں، بہروں، اندھوں سے دیتے ہوئے ارشاد ہے) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں۔ جبکہ (لفظ اذادوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو پہلے ہمزہ اور یاء کے درمیان تسہیل کرتے ہوئے پڑھا گیا ہے) وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ دکھلانے والے ہیں۔ آپ (سمجھانے اور قبولیت کا سنانا) انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات (قرآن) پر یقین رکھتے ہیں پھر وہی مانتے ہیں (اللہ کی توحید میں مخلص ہیں) اور جب وعدہ الٰہ پر پورا ہونے کو ہوگا (عذاب کا حق تو یہ ہے کہ مجملہ کفار کے ان پر بھی واقع ہو جاتا) تو ہم ان کیلئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا (عرب کے موجودہ لوگوں پر اس کا ظہور ہوتا اور وہ ہماری نیابت کرتے ہوئے ان سے کہتا) کہ یہ لوگ (کفار مکہ اور ایک قراءت میں ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے لفظ تکلمہم کے بعد بتقدیرا) ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے (یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ جس میں قیامت، حساب، عذاب کا ذکر ہے، اس جانور کے ظہور کے بعد امر بالمعروف نہی عن المنکر موقوف ہو جائے گا اور کوئی کافر ایمان نہیں لائے گا۔ جیسا کہ آیت انہ لن یومن من قومک الا من قد امن الخ میں حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی پیش گوئی فرمادی گئی تھی)۔

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قوله: وَلَا تَحْزَنْ: ان کی تکذیب پر غم نہ کریں۔

قوله: ضيق: دل و سینه کی تنگی۔

قوله: بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ: بمكر و ن میں مامصدر یہ ہے نہ موصولہ۔

قولہ: قُلْ عَسَىٰ لَعَلِّ اور سوف بادشاہوں کے ہاں جزم و یقین کیلئے آتا ہے اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں اسی طرح ہیں۔

قولہ: رَبِّیْ: تمہارے پیچھے ہے اور لام تاکید کے لئے زائد ہے۔

قولہ: **تَسْتَعْجِلُونَ**: یعنی تم اس کے اترنے میں عجلت چاہ رہے ہو پس طول مفعول محذوف ہے۔

قولہ: غایبہ: یہ مبالغہ کے لئے ہے ثنیت کے لئے نہیں۔

قولہ: مکتوب:۔ لوح کی دوسری صفت ہے۔

قوله: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُصِّلُ: ے شک یہ اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اس اندازے کے جو

واقع میں برحق ہے اگر وہ اس پر ایمان لاتے تو وہ اختلاف اٹھ جاتا۔

قولہ: بیتان: یہ یقین کی تفسیر ہے اور المرافع بیان کی صفت ہے۔
 قولہ: وَمَا أَنْتَ بِهَدَى الْعَنَى: کیونکہ تو بصیرت سے حاصل ہو سکتی ہے۔
 قولہ: الْقُرْآن: جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم اس طرح ہو۔
 قولہ: حَقَّ الْعَذَابُ: اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وقوع کا ان سے وعدہ تھا۔
 قولہ: نَابِئَةُ عَنَّا: یہ مقدر مانا کہ وہ ہماری طرف سے نائب کی حیثیت سے باتیں کر لے گا۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاءُ كُنَّا لَمْ نُخْرَجُونَ ۝

منکرین بعث کے وسوسے، ان کے لیے عذاب کی وعید اور تنبیہ:

توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد منکرین کے انکار بعث کا تذکرہ فرمایا، کافر کہتے ہیں کہ آپ جو یہ قیامت آنے والی بات کہتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی قبروں میں دفن ہونے کے بعد مٹی ہو جائیں گے ہمارے باپ دادا کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ زندہ ہو کر زندہ قبروں سے اٹھائے جاؤ گے آج تک تو وعدہ پورا ہوا نہیں ہمارے خیال میں تو یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آ رہی ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں نہ قیامت آنی ہے نہ زندہ ہونا ہے نہ قبروں سے نکلتا ہے، ان لوگوں کی تکذیب کے جواب میں فرمایا: قُلْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ (آپ فرمادیجیے کہ زمین میں چلو پھرو سودیکھ لو مجرمین کا کیا انجام ہوا) اس میں منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے اور وقوع قیامت کے منکر ہو تم سے پہلے بھی تکذیب کرنے والے گزرے ہیں جو اسی دنیا میں رہتے تھے تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب آیا اور ہلاک ہوئے، ان کی آبادیوں کے نشان اب تک زمین کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں، چلو پھرو انہیں دیکھو تا کہ تمہیں ان لوگوں کا انجام معلوم ہو جائے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا، اور تکذیب کر کے مجرم بنے، اگر تمہاری تکذیب جاری رہی تو سوچ لو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا کہ: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَلٰٓئِقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ (اور آپ ان کی باتوں پر رنج نہ کیجیے اور ان کے مکر کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا): وَلَا يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں چل کر دیکھ لو کہ مجرمین کا کیا انجام ہوا تو بطور تسخیر اور استہزاء یوں کہا کہ جو عذاب آتا ہے وہ کب آئے گا؟ اگر سچے ہو تو اس کا وقت بتا دو! چونکہ عذاب کا یقین نہیں تھا اس لیے انہوں نے ایسی بات کہی، اس کے جواب میں فرمایا: قُلْ عَسٰى اَنْ يُّكُوْنَ رَدْفٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ (آپ فرمادیجیے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آجی لگے)۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے غزوہ بدر مراد ہے، غزوہ بدر میں مشرکین مکہ مکرمہ سے آئے اور شکست کھائی ان کے شر آدمی مارے گئے اور ستر آدمیوں کو قید کر کے مدینہ لایا گیا یہ لوگ بڑے طمطراق سے نکلے تھے بالآخر دنیاوی عذاب بھی دیکھ لیا اور قبر کے عذاب میں بھی مبتلا ہوئے، اور یوم القیامہ کا عذاب اپنی جگہ باقی رہا۔
 إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَنْقُصُ عَلَى بَنِي إِسْرَآءَ نِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

ستر آن مجید ان چیسزوں کو بیان کرتا ہے جن میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے ہیں:

یہ چار آیات ہیں پہلی دو آیتوں میں قرآن کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں قرآن ان کے بارے میں صحیح صحیح پوری حقیقت کو بیان کرتا ہے، ان لوگوں نے اپنی کتاب میں تو تحریف کر دی تھی اور ان میں جو کچھ سنی سنائی باتیں چلی آ رہی تھیں ان میں اختلاف رکھتے تھے قرآن مجید نے واضح طور پر حق باتیں واضح فرمادیں۔

ان لوگوں کی جاہلانہ باتوں میں ایک یہ بات بھی تھی کہ العیاذ باللہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: (مَا كَانُوا يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانُوا خَنِيثًا مُّسْلِمًا) (ابراہیم یہودی اور نصرانی نہیں تھے لیکن وہ حق کی طرف مائل ہونے والے فرمانبردار تھے)

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی اس کی تردید میں فرمایا: (وَوَضَّيْ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَيْنَهُ وَيَعْقُوبَ)۔

اسی طرح حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے قرآن نے اس کو بھی صاف کیا اور حضرت مریم کی عفت اور عصمت بیان فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام بتایا کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اللہ کے رسول تھے۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اہل ایمان کے لیے ہدایت ہے اور رحمت ہے اہل ایمان اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اس لیے ان کے لیے قرآن ہدایت اور رحمت ہے، ہے تو غیر مومنین کے لیے بھی ہدایت اور رحمت لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اس لیے وہ اس کی خیر اور برکات سے محروم ہیں۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس وقت حق اور باطل ظاہر ہو جائے گا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ (اللہ زبردست ہے وہ قیامت کے دن سب کو حاضر فرمائے گا اور وہ علیم بھی ہے اس کو ہر فرد کا اور ہر فرد کے عقیدہ اور عقل کا علم ہے) کوئی اس سے چھوٹ کر جانیں سکتا اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اللہ پر بھروسہ کیجیے ان لوگوں کی کذب سے غمگین نہ ہو جائیے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں حق پر ہونا ہی تسلی اور ثبات قدمی کے لیے کافی ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْبُؤْسَى وَلَا تُسْمِعُ الضُّمَّةَ الدُّعَاءَ إِذَا وَكَلُوا مُذَبِّرِينَ ۝
 ہمارے رسول کریم ﷺ تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا

پیغام سنا کر جہنم سے بچالیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جاری ہو۔ اس لیے قرآن نے جا بجا رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ ان کے گم کردہ صلاحیت ہونے کو اس آیت میں قرآن کریم نے تین مثالوں میں ثابت کیا ہے۔ اول یہ کہ یہ لوگ قبول حق کے معاملہ میں بالکل مردہ لاش کی طرح ہیں جو کسی کی بات سن کر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ان کی مثال اس بہرے آدی کی ہے جو بہرہ ہونے کے ساتھ بات سننا بھی نہیں چاہتا بلکہ جب کوئی سنا نا چاہے تو اس سے بیٹھ موز کر بھاگتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کی مثال اندھوں کی ہی ہے کہ کوئی ان کو راستہ دکھانا بھی چاہے تو وہ نہیں دیکھ سکتے ان تین مثالوں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا: اِنْ تَسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ۔ یعنی آپ تو صرف ایسے ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان لائیں اور اطاعت قبول کریں۔ اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچنا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سنانا ہے جو نفع بخش ہو۔ جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آخر آیت میں یہ ارشاد کہ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں۔ اگر اس میں سنانے سے مراد محض ان کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور ان کے سننے جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مراد سماع نافع ہے۔ ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دے کر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لیے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان و عمل نافع ہو سکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان و عمل صالح کی تمنا میں کریں گے مگر وہ وقت ایمان و عمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لیے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لیے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماع اموات:

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہ اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لیے دوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۃ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۃ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۃ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے۔ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔ ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں

آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر و عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے۔ مگر ہم با اختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا أُولَٰئِكَ أَحْيَاءُ ۚ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَكَّوْنَ ۚ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ عِنْدَ مَقْعَدِ تَرْجِيئِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ غَلِيظُ الْعِقَابِ ۚ وَلَا تُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ غَلِيظُ الْعِقَابِ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ غَلِيظُ الْعِقَابِ ۚ

شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لیے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور و ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لیے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور و ادراک باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر جو سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے:

ما من احد يمر بقبر اخيه المسلم كان يعرفه في الدنيا فيلسم عليه الا رد الله عليه روحه حتى يرد عليه (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ مصححاً عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں دوسرے یہ کہ ان کا سننا اور ہمارا سننا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں، جب نہ چاہیں نہ سنا دیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلادیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات و کلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں۔ اسی لیے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات و روایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۃ نمل، سورۃ روم، سورۃ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سننا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں اس لیے جن مواقع میں

حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال میں اس لیے قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر سارف القرآن) (مغنی شفع)

وَإِذْ كُرِيَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ قَوْمًا قَوْمًا جَمَاعَةً مِمَّنْ يَكْذِبُ بِآيَاتِنَا وَهُمْ رُوْثٌ سَاءٌ لَهُمْ الْمَثُورُونَ
فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ أَيْ يَجْمَعُونَ بِرِذَائِهِمْ إِلَى أَوَّلِهِمْ ثُمَّ يُسَافِرُونَ قِيَامًا إِذَا جَاءَهُمْ أَمَّا كَانَ الْحِسَابُ قَالَ
تَعَالَى لَهُمْ أَكْذَبْتُمْ أَنْبِيَائِي بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا مِنْ جِهَةٍ تَكْذِبُ بِهِمْ بِهَا عِلْمًا أَمَّا فِيهِ إِذْ غَامَ فِي مَا
الْإِسْتِفْهَامِ ذَا مَوْضُوعٍ أَيْ مَا الَّذِي كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ مِمَّا أَمَرْتُمْ وَوَقَعَ الْقَوْلُ حَقَّ الْعَذَابِ
عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا أَيْ أَشْرَكُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ۝ إِذَا لَحْجَةً فَلَهُمْ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الْكَلِيلَ
لِيَسْكُنُوا فِيهِ كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَالتَّهَارُ مُبْصَرًا بِمَعْنَى يَتَضَرَّعُ فِيهِ لِيَتَضَرَّعُوا فِيهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ
ذَلَالَاتٍ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ خُصُّوا بِالذِّكْرِ لِاتِّقَاعِهِمْ بِهَا فِي الْإِيمَانِ بِخِلَافِ
الْكَافِرِينَ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ الْقُرْنُ التَّفْحَةُ الْأُولَى مِنْ إِسْرَافِيلَ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ أَيْ خَافُوا الْخَوْفَ الْمُفْضِي إِلَى الْمَوْتِ كَمَا فِي آيَةِ أُخْرَى فَصَبَقَ وَالتَّعْبِيرُ فِيهِ بِالْمَاضِي
لِتَحَقُّقِ وَقُوعِهِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۝ أَيْ جِبْرِئِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ وَعِزْرَائِيلَ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمَا هُمُ الشُّهَدَاءُ إِذْ هُمْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ وَكُلُّ تَنْوِينَةٍ عَرَضٌ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ أَيْ
كُلُّهُمْ بَعْدَ أَحْيَائِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَتَوْهُ بِصِغَةِ الْفِعْلِ وَاسْمِ الْفَاعِلِ ذَخِيرِينَ ۝ صَاغِرِينَ وَالتَّعْبِيرُ فِي
الْإِيمَانِ بِالْمَاضِي لِتَحَقُّقِ وَقُوعِهِ وَكُرِيَ الْجِبَالُ تَبْطُرُ مَا وَفَّتِ التَّفْحَةُ تَحْصِيهَا نَظْمُهَا جَامِدَةً وَاقِفَةً
مَكَانِهَا لِعَظَمِهَا وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۝ الْمَطَرُ إِذَا ضَرَبَتْهُ الرِّيحُ أَيْ تَسِيرُ سَفِيرَةً حَتَّى تَقَعَ عَلَى
الْأَرْضِ فَتَسْتَوِي بِهَا مَبْنُوتَةً ثُمَّ تَصِيرُ كَالْعِهْنِ ثُمَّ تَصِيرُ هَبَاءً مَثْوَرًا صَنَعَ اللَّهُ مَبْذَرًا مَوْكِدًا لِمَضْمُونِ
الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ أَضِيفَ إِلَى فَاعِلِهِ بَعْدَ خَدْفِ عَامِلِهِ أَيْ صَنَعَ اللَّهُ ذَلِكَ صَنَعَ الَّذِي اتَّفَقَ أَحْكَمُ كُلِّ
شَيْءٍ ۝ صَنَعَهُ إِنَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ أَيْ أَعْدَاؤُهُ مِنَ الْمَعْصِيَةِ وَأَوْلِيَائِهِ مِنَ الطَّاعَةِ
مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ أَيْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَلَهُ خَيْرٌ ثَوَابٍ مِنْهَا أَيْ بِسَبِّهَا وَلَيْسَ لِلتَّفْضِيلِ إِذَا لَا

فَعَلَّ خَيْرٌ مِنْهَا وَفِي آيَةٍ أُخْرَى عَشْرَ امْتَالِهَا وَهُمْ أَيْ الْجَاوُونَ بِهَا قُرْبَ يَوْمِيذٍ بِالْإِضَافَةِ
وَكُسِرَ الِجِيمُ وَبِفَتْحِهَا وَفَرَّغَ مُنُونًا وَفَتَحَ الِجِيمَ امْنُونٌ ۝ وَمَنْ جَاءَ بِالشَّيْثَةِ أَيْ الشَّرِّ فَلَكَبَتْ
وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۚ بَانَ وَلَيْسَ بِهَا وَذُكِرَتِ الْوُجُوهُ لِأَنَّهَا مَوْضِعُ الشَّرَفِ مِنَ الْحَوَاسِرِ فَتَغَيَّرَ هَا مِنْ بَابِ
أَوَّلَى وَيُقَالُ لَهُمْ تَبَكَّيْنَا هَلْ أَيْ مَا تَجَزَّوْنَ إِلَّا جَزَائِ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ مِنَ الشَّرِّ وَالْمَعَاصِي قُلْ
لَهُمْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ أَيْ مَكَّةَ الَّتِي حَرَّمَهَا أَيْ جَعَلَهَا حَرَامًا مِمَّا لَا يَسْفِكُ
فِيهَا دَمَ إِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيهَا أَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى خِلَافُهَا وَذَلِكَ مِنَ النِّعَمِ عَلَى قُرَيْشٍ
أَهْلِهَا فَيُزْعِ اللَّهُ عَنْ بِلَدِهِمُ الْعَذَابَ وَالْفِتْنَةَ الشَّائِعَةَ فِي جَمِيعِ بِلَادِ الْعَرَبِ وَلَهُ تَعَالَى كُلُّ شَيْءٍ كُلُّ
شَيْءٍ فَهُوَ رَبُّهُ وَخَالِقُهُ وَمَالِكُهُ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ لِلَّهِ يَتَوَكَّلُ ۚ وَأَنْ أَتْلُو الْقُرْآنَ ۚ
عَلَيْكُمْ بِلَاوَةِ الدَّعْوَةِ إِلَى الْإِيمَانِ فَمَنْ اهْتَدَى لَهُ فَاتِّمَّا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِ ۚ أَيْ لَا جِلْهَا لِأَنَّ ثَوَابَ
إِهْتِدَائِهِ لَهُ وَ مَنْ ضَلَّ عَنِ الْإِيمَانِ وَ أَخْطَا طَرِيقَ الْهُدَى فَقُلْ لَهُ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝
الْمُخَوِّفِينَ فَلَيْسَ عَلَى إِلَّا التَّلْبِيْعُ وَ هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ
فَإِذَا هُمْ لِلَّهِ يَوْمَ بَدْرِ الْقَتْلِ وَالسَّبْيِ وَضُرِبَ الْمَلَائِكَةُ وَجُوهُهُمْ وَأَذْبَارُهُمْ وَعَجَبَهُمُ اللَّهُ إِلَى النَّارِ وَمَا
رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ بِالْبَاءِ وَالنَّاءِ وَإِنَّمَا يُهْلَهُمْ لَوْ قَتَلَهُمْ

ع

تَوَجَّهْتُمْ: اور (یاد کیجئے) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں میں سے جمع کریں گے جو ہماری
آیات کو جھٹلاتے تھے (یعنی سردار، پیشوا) پھر ان کی جماعت بندی کر دی جائے گی (یعنی آخر والے اول والے کی طرف
لوٹا کر اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر انہیں ہٹا یا جائے گا) یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جاویں گے۔ (حساب کتاب کی جگہ) تو
اللہ تعالیٰ (ان سے) ارشاد فرمائیں گے کہ کیا تم نے (میرے پیغمبروں کو) میری آیتوں کے ساتھ جھٹلایا تھا حالانکہ (بلحاظ
کذب کے) تم کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لائے تھے۔ بلکہ اور کیا کیا (لفظ اما میں لفظ ام ما استفہامیہ میں ادغام ہو گیا
ہے اور ذام موصول ہے بمعنی الذی) کام کرتے رہے (جن کا تمہیں حکم دیا گیا تھا) اور وعدہ (عذاب) ان پر پورا ہو گیا۔ اس
وجہ سے کہ انہوں نے زیادتیاں کی تھیں (شرک کیا تھا) سودہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے (کیونکہ ان کے پاس حجت نہیں ہو
گی) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی (پیدا کی) تاکہ یہ لوگ (اور لوگوں کی طرح) آرام کر سکیں اور
دن بنا تاکہ لوگ دیکھیں بھالیں (یعنی کام کاج کیلئے اجالا کیا) بلاشبہ اس میں بڑی دلیلیں ہیں (اللہ کی قدرت کی نشانیاں)

ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (ایمانداروں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ ایمان کی وجہ سے دلیلوں سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں برخلاف کفار کے) اور جس دن صور پھونکا جائے گا (حضرت اسرائیل پہلا صور پھونکیں گے) سو جتنے آسمان و زمین میں ہیں سب کانپ اٹھیں گے (کہ مارے ڈر کے دم نکلنے کے قریب ہوگا جیسے دوسری آیت فصعق الخ میں ہے اور ماضی کے صیغہ سے بیان وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) بجز اس کے کہ جس کو خدا چاہے (یعنی جبریل، میکائیل، اسرائیل اور عزرائیل علیہم السلام اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ شہداء مراد ہیں جو اللہ کے یہاں زندہ ہیں اور انہیں وہاں رزق دیا جاتا ہے) اور سب کے سب (لفظ کل پر تین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے ای کلھم۔ قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر) اسی کے سامنے حاضر رہیں گے۔ (لفظ اتوہ حزہ اور حفص کے نزدیک صیغہ ماضی کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک اسم قائل کے ساتھ منقول ہے) (بے جھکے) عاجزانہ صیغہ ماضی کے ساتھ لفظ اتوہ کو لانا اس کے یقینی الوقوع ہونے کو ظاہر کرتا ہے) اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (صور پھونکتے وقت دیکھے گا) اور ان کی نسبت گمان (خیال) کر رہا ہے کہ یہ جنبش نہ کریں گے (اتنے بڑے ہیں کہ ہل نہ سکیں گے) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑتے اڑتے پھریں گے (بارش کی طرح جو ہواؤں کی وجہ سے پھوار بن کر اڑتی پھرے۔ حتیٰ کہ زمین پر گر کر اسی میں رمل مل جائے پہلے بکھری رہے پھر دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائے پھر ہوا میں اڑ جائے) یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے (صنع اللہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کیلئے ہے۔ عامل کے حذف کرنے کے بعد قائل کی طرف مضاف ہے اصل عبارت اس طرح ہوگی صنع اللہ ذلك صنعاً) جس نے ہر چیز کو مضبوط (پائیدار) بنا رکھا ہے (ایجاد کیا ہے) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری طرح خبر ہے (مفعولون، ابو عمرو ابن کثیر ابو بکر کی قراءت میں جمع غائب کے صیغہ سے یا کے ساتھ ہے اور باقی قراء کے نزدیک صیغہ جمع حاضر یعنی تا کے ساتھ ہے یعنی مخالفین کی نافرمانی اور تابعداروں کی فرمانبرداری سب سے واقف ہے) جو کوئی نیکی (کلمہ توحید قیامت کے روز) لائے گا سو اس کو اس کے سبب اجر سطر متروک دس گنا بتلایا گیا ہے) اور وہ (نیکی لانے والے لوگ) اس روز کی بڑی گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے (لفظ فزع اضافت کے ساتھ اور یومئذ فتح میم کے ساتھ ہے) اور جو شخص بدی (شرک) لائے گا تو وہ لوگ اندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے (انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا اور چہرہ کا ذکر اس لئے کیا کہ حواس میں یہ سب سے اشرف ہے پس دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ جہنم میں جھونکے جائیں گے اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کہا جائے گا) تمہیں سزا انہی کرتوتوں کی مل رہی ہے جو تم (شرک و معاصی) کیا کرتے تھے مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے (یعنی مکہ کو حرم ماسون بنایا ہے جس میں نہ کسی کی خوریزی کی اجازت ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنے کی۔ نہ وہاں شکار کی اجازت ہے اور نہ گھاس اکھاڑنے کی اور یہ اہل مکہ قریش پر اللہ کی نعمتیں ہیں کہ ان کے شہر سے غذاب اور فتنوں کو اٹھالیا ہے جو تمام بلاد عرب میں پھیلے ہوئے ہیں) اور یہ سب چیزیں اسی کی ہیں (وہی رب اور خالق و مالک ہے) اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں (اللہ کی توحید بجالا کر)

اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں (تمہیں دعوت ایمان دیتے ہوئے تلاوت کروں) سو جو شخص راہ پر آئے گا (یعنی اپنے فائدہ کیلئے کیونکہ) اس کی راہ یابی کا ثواب خود اسی کو ہوگا اور جو شخص گمراہ رہے گا (بچلے گا، طریقہ ہدایت سے ہٹے گا) تو آپ (اسی سے) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں (مجھ پر بجز تبلیغ کے اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ جواب جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں محض اللہ ہی کیلئے ہیں وہ تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا (چنانچہ غزوہ بدر میں انہیں قتل و قید کی صورت میں اللہ نے دکھلا دیا ہے اور فرشتوں نے ان کے چہروں اور کمرؤں پر مارا ہے اور جلد ہی اللہ انہیں جہنم رسید کرے گا) اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو (لفظ یعلمون کی قراءت ابو عمرو کے نزدیک یا کے ساتھ اور دوسری قراءت با کے ساتھ ہے)

کلمات تفسیریہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **مَنْ يَكْذِبْ**: یہ فوجاً کا بیان ہے بہتر یہ ہے کہ عن کو تبعیضیہ بنایا جائے۔

قوله: **وَلَمْ تُحِيطُوا**: یہ واو حالہ ہے۔

قوله: **مِنْ جَهَنَّمَ تَكْذِبُهُمْ**: یعنی تم نے سرسری طور پر تکذیب کر دی اس پر گہری نگاہ نہ ڈالی اور حقیقت جاننے کی کوشش نہ کی۔

قوله: **مَا الَّذِي**: یا وہ کیا چیز ہے جس کو تم کرتے رہتے ہو یہ تکلیت کے لئے کہا جائے گا اس لئے کہ انہوں نے تکذیب کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا وہ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہم نے اس کے علاوہ کام کیے ہیں۔

قوله: **بِمَا ظَلَمُوا**: ما مصدر یہ ہے۔

قوله: **بِمَعْنَى يَضُرُّ قَبِي**: البصار کو مجعول علیہا کے احوال میں ایک حال بنا کر اس میں مبالغہ کیا۔ جو حال اس سے سمجھی جاتا ہو۔

قوله: **لِظُلْمِهَا**: بڑے اجسام کی حرکت ایک طرف ہوتی اور حرکت واضح نہیں ہوتی۔

قوله: **صَنَعَ**: یہ مصدر موكد ہے جس کو فاعل کی طرف حذف عامل کے بعد مضاف کیا ہے وہ عامل صانع ہے۔

قوله: **مِنَ الْمُفْصِيَةِ**: یہ یا يفعلون کا بیان ہے اور من الطاعہ یہ سب اس کا بیان ہے۔

قوله: **بِالْبَجِيرِ**: سے مراد خواب ہے۔

قوله: **مِنْ قُرْعٍ**: اس سے قیامت کا خوف مراد ہے اور قُرْعٍ من فی السموت اس میں قُرْعٍ سے لا جواب ہونا مراد ہے۔

قوله: **يَقَالُ لَهُمْ**: خطاب کے غیبت قول کو مضمر ماننے سے آئے گی۔

قوله: **الْمُسْلِمِينَ**: سے مراد ملت اسلام پر ثابت قدم۔

قوله: **قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ**: اس کی نبوت والی نعمت یا جو علم اس نے مجھے دیا۔

تفسیر مقبولین

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يَكُذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٢٧﴾

یوزعون مضارع مجہول جمع مذکر غائب وزع مصدر (باب فتح) ان کو جمع کیا جائے گا۔ وزعت عن کذا۔ کسی آدمی کو کسی کام سے روک دینا۔ یوزعون کا مفہوم یہ ہے کہ انگوں کو چلنے میں پچھلوں کے آٹنے کے واسطے روکا جائے گا۔ یہ کتا یہ کثرت انہو سے ہے کہ کثرت انہو کے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے آیت: وَحُشِرَ سُلَيْمَانُ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ اور (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تو وہ قسم وار کئے گئے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عسا کر باوجود کثیر تعداد ہونے اور متفرق الجنس ہونے کے غیر مترتب و منتشر نہیں تھے۔ یہاں بھی اسی ترتیب کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر امت اور ہر قوم سے کثیر التعداد مکذبین آیات الہی کی انکشی کی جائے گی اور یہ انہو کثیر ایک ترتیب سے کھڑا کیا جائے گا۔

باز پرس کے لمحات:

اللہ کی باتوں کو نہ ماننے والوں کا اللہ کے سامنے حشر ہوگا اور وہاں انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہوگی تاکہ ان کی ذلت و حقارت ہو۔ ہر قوم میں سے ہر زمانے کے ایسے لوگوں کے گروہ الگ الگ پیش ہونگے جیسے فرمان ہے: اُحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَاذْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ (المعات: ۲۲) ظالموں کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کرو۔ اور جیسے فرمان ہے: وَإِذَا الشُّفُوسُ زُوِّجَتْ (الہور: ۲۲) جب کہ نفوس کی جوڑیاں ملائی جائیں گی۔ یہ سب ایک دوسرے کو دھکے دیں گے اور اول والے آخر والوں کو رد کریں گے۔ پھر سب کے سب جانوروں کی طرح ہنکا کر اللہ کے سامنے لائیں جائیں گے۔ ان کے حاضر ہوتے ہی وہ مستم حقیقی نہایت غصہ سے ان سے باز پرس کرے گا۔ یہ نیکیوں سے خالی ہاتھ ہونگے جیسے فرمایا: فَلَا صَدَّقِي وَلَا صَلِّ (القیامہ: ۲۱) یعنی نہ انہوں نے سچائی کی تھی نہ نمازیں پڑھی تھیں بلکہ جھٹلایا تھا اور منہ موڑا تھا۔ پس ان پر جحمت ثابت ہو جائے گی اور کوئی عذر نہ کر سکیں گے۔ جیسے فرمان ہے: هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطَلِقُونَ (المرسلات: ۳۵) یہ وہ دن ہے کہ بول نہ سکیں گے اور نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے اور نہ غیر معقول معذرت کی اجازت پائیں گے۔ پس ان کے ذمہ بات ثابت ہو جائے گی۔ سشدرو حیران رہ جائیں گے اپنے ظلم کا بدلہ خوب پائیں گے۔ دنیا میں ظالم تھے اب جس کے سامنے کھٹے ہونگے وہ عالم الغیب ہے کوئی بات بنائے نہ بنے گی۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے اور اپنی بلندی شان بتاتا ہے اور اپنی عظیم الشان سلطنت دکھاتا ہے جو کملی دلیل ہے، اس کی اطاعت کی فرضیت پر اور اس کے حکموں کے بجالانے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رکے رہنے کی ضرورت پر۔ اور اس کے نبیوں کو سچا ماننے کی اصلیت پر۔ کہ اس نے رات کو پر سکون بنایا تاکہ تم اس میں آرام حاصل کر لو اور دن بھر کی تھکان دور کر لو اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اپنی معاش کی تلاش کر لو سفر تجارت کا رو بار یا آسانی کر سکو۔ یہ تمام چیزیں ایک مومن کے لیے تو کافی سے زیادہ دلیل ہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَنَّى عَنْ فِي السَّمَوَاتِ

ان آیات میں یوم قیامت کے بعض مناظر کا اور حسات و سیئات کی جزا و سزا کا تذکرہ فرمایا ہے وقوع قیامت کی ابتداء اس طرح ہوگی کہ اسرائیل علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مقرر ہیں وہ صور میں پھونک مار دیں گے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الصُّورُ زُفْرَانٌ نَّحْتِیْہِ (کہ صور ایک سینک ہے جس میں پھونک دی جائے گی)۔

(المستدرک من ذی الہوداد)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کیسے خوشیوں والی زندگی گزاروں اور حال یہ ہے کہ صور پھونکنے والے نے منہ میں صور لے رکھا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اور اپنی پیشانی کو جھکا رکھا ہے وہ اس انتظار میں ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم دے دیا جائے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا: (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ) (اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کارساز ہے) پڑھا کرو۔ (رواہ الترمذی)

جب صور پھونکا جائے گا تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، یہاں سورۃ النمل میں فرمایا: (فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ) کہ وہ سب گھبرا اٹھیں گے جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہوں گے اور سورۃ الزمر میں فرمایا کہ: (فَضِیْقُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ) کہ نفع صورت کی وجہ سے آسمانوں والے اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے اگر یہ دونوں باتیں لحد اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے سے متعلق قرار دی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اولاً گھبرا جائیں گے اور پریشان ہوں گے پھر بے ہوشی میں ہو جائیں گے اور بحکم (كُلُّ نَفْسٍ ذٰلِقَةٌ الْمَوْتِ) سب مرجائیں گے اور بعض حضرات نے صحن کو نفع اولیٰ سے اور فزع کو نفع ثانیہ سے متعلق قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور یہ جان کر کہ حساب کتاب ہونے والا ہے گھبراہٹ میں پڑ جائیں گے۔

آیت کے ختم پر جو وَ کُلُّ اَنْوۃٌ ذٰخِرۃٌ ۝ فرمایا ہے کہ (سب اس کے حضور میں عاجزانہ طور پر حاضر ہوں گے) اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ ثانیہ سے متعلق ہے۔

سورۃ النمل میں جو فزع فرمایا اور سورۃ الزمر میں جو فصع فرمایا اس کے ساتھ ہی الامن شاء اللہ بھی فرمایا، یہ کون حضرات ہوں گے جنہیں فزع اور فصع سے مستثنا فرمایا ہے (کہ جسے اللہ چاہے وہ گھبراہٹ اور بے ہوشی سے محفوظ ہوگا)

تفسیر درمنثور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرائیل اور حضرت ملک الموت اور حاملان عرش مراد ہیں گو یہ حضرات فزع و فصع سے محفوظ رہیں گے لیکن بعد میں یہ لوگ بھی وفات پا جائیں گے۔

صور پھونکنے جانے پر جو کائنات درہم برہم ہوگی اس کی تفصیلات آیات قرآنیہ میں کئی جگہ وارد ہوئی ہیں آسمان و زمین کا بدل جانا سورۃ ابراہیم میں اور آسمان کا پھٹ جانا سورۃ انفطار و سورۃ انشقاق میں بیان فرمایا ہے سورج کا کھور ہونا اور ستاروں کا گر جانا اور سمندروں کا مسجور ہونا سورۃ الحکویر میں مذکور ہے سورۃ النمل میں پہاڑوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ پہاڑ جو عظامین کو نظر آ رہے ہیں ان کی ظاہری مضبوطی کو دیکھ کر انسان کو خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ ہمیشہ یوں ہی اپنی جگہ جسے رہیں گے اور حرکت نہ کریں گے حالانکہ ان کا یہ حال بنے گا کہ وہ صور پھونکنے جانے پر اس طرح اڑے پھریں گے جیسے بادل چلتے ہیں سورۃ قارعہ میں فرمایا کہ (جس دن انسانوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے

دھنا ہوا رنگین (اون ہوتا ہے) سورۃ میں فرمایا (جس دن زمین میں زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ ریت کا سا ڈھیر بنے ہوئے ہوں گے جو پھسل کر گرجا رہا ہوگا) اور سورۃ حاقہ میں فرمایا: (فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ وَنُحِلَّتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً فَيُؤْمَرُ بِرَدِّ وَقْعِ الْوَاقِعَةِ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَ يَوْمٍ وَاحِدَةٍ) (سو جب صور پھونکا جائے گا ایک بار پھونکنے اور زمین اور پہاڑ اٹھالیے جائیں گے ان کو ایک بار ہی چور چور کر دیا جائے گا، سو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے اور آسمان پھٹ جائے سو وہ اس دن کمزور ہوگا)

اور سورۃ الواقعة میں فرمایا کہ: (وَبُشِّرِ الْجِبَالُ سَاءَ مَا يَحْكُمُهُنَّ) (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے) اور سورۃ النبأ میں فرمایا: (وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَادٍ) (اور پہاڑوں کو جلا دیا جائے گا سو وہ ریت بن جائیں گے) اور سورۃ طہ میں فرمایا: (فَقُلْ يَنْفُسُهَا رَبِّي نَسْفًا) (سو آپ فرمادیجیے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا) صور پھونکے جانے کی وجہ سے پہاڑوں پر یہ مختلف حالات گزریں گے بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ جب وہ بادل کی طرح گزر رہے ہوں گے عین اسی وقت کوئی دیکھنے والا دیکھے گا تو یوں محسوس کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جیسا کہ کثیف سیاہ بادلوں کے ساتھ ہوتا ہے دیکھنے والا دیکھتا ہے تو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ج ۷)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے پہاڑوں میں زلزلہ آئے گا پھر وہ دھنسنے ہوئے اون کی طرح ہو جائیں گے پھر صبا بن جائیں گے پھر انہیں ہوا میں بکھیر دیں گی پھر اڑا دیں گی جیسا کہ غبار ہوتا ہے پھر سراب ہو جائیں گے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ أَنْ تَعْبُدُوا رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةَ....
(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبداء اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔
(۱) ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص۔

(۲) دوم دین اسلام پر استقامت۔
(۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوت اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ حق کا فائدہ ہے۔ اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تا کہ آخرت میں کام آویں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں مبداء اور معاد کو اور ایمان اور ہدایت کو بیان کیا اب نبی اکرم ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ تبلیغ رسالت کر چکے اور حق دعوت ادا کر چکے۔ مگر عین پر جھٹ پوری ہو گئی۔ لہذا آپ ﷺ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ان مخالفین کی پر دانہ کریں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ بس مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت اور بندگی میں لگا رہوں جس پروردگار نے اس کو حرم محرم ٹھہرایا ہے کہ اس نے اس شہر میں قتل و قتال کو اور شکار کرنے کو اور اس کے گھاس کاٹنے کو اور بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اس کی تحریم خدا کی طرف سے ہے جنوں کی طرف سے نہیں ہے اور ہر شے اسی پروردگار کی ملک

ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں یعنی توحید اور اخلاص اور عبودیت پر قائم اور ثابت قدم رہوں اور مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں یعنی خود بھی پڑھتا رہوں اور تم کو بھی پڑھ کر سنا تا رہوں اس آیت میں تلاوت قرآن کے حکم سے تلاوت قرآن پر مواظبت اور مداومت مراد ہے خواہ وہ تلاوت بطریق عبادت ہو یا بطریق دعوت ہو یعنی مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں برابر قرآن کی تلاوت میں لگا رہوں اور مسلسل تم کو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچاتا رہوں سو جو کوئی میری ہدایت سے راہ ہدایت پر آ جاوے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے راہ ہدایت پر آتا ہے اس کا نفع اسی کی ذات کو ہے اس نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا اور جو شخص راہ ہدایت بتلانے کے بعد بھی گمراہ رہا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں اور بس۔ یعنی مراد کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے میرا یہ کام نہیں کہ تم سے زبردستی منواؤں اور آپ کہہ دیجئے کہ شکر ہے خدا تعالیٰ کا جس نے مجھ کو منصب رسالت پر فائز کیا اور اپنے پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ اب نتیجہ اور انجام سب اس کے ہاتھ میں ہے سو وہ عنقریب تم کو اپنی قدرت کی اور میری نبوت کی نشانیاں دکھلائے گا جن کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ پھر تم ان کو پہچان لو گے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر حجت پوری نہ کر دے اس لیے وہ وقتاً فوقتاً تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور آخرت کی نشانیاں دکھلائے گا۔ آخرت کی آخری نشانیاں میں سے زمین سے سے دابة الارض کا خروج ہے مگر نشانوں کو دیکھ کر ایمان لانا چنداں مفید نہیں اب اگر ایمان لے آؤ تو نفع دے گا۔ اور اے نبی تیرا پروردگار بنی آدم کے اعمال سے غافل نہیں وہ ان کے اعمال سے خبردار ہے۔ اعمال کے مطابق ان کو سزا دے گا لہذا لوگوں کو چاہئے کہ آخرت پر ایمان لائیں اور اس کی تیاری کریں۔

سُورَةُ الْقَصَصِ

سُورَةُ الْقَصَصِ ۲۸ مَكِّيَّةٌ ۳۹ آيَاتٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۸۸ زُكْرَاتُهَا ۱

سورہ قصص مکہ میں اتری شریف اللہ کے نام سے جو ہے ہم پر مان نہایت رحم والا ہے اور اس کی اسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

طَسَّمَ ۝ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ تِلْكَ أَى هَذِهِ الْآيَاتِ أَيْتُ الْكِتَابِ الْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنَ الْمُبِينِ ۝
 الْمُظْهِرِ الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ تَتْلُوا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ نَبَأٍ خَبِيرٍ مُوسَى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ بِالضِّدِّ لِقَوْمِهِ
 يُؤْمِنُونَ ۝ لَا جِلْمَ لَهُمْ لَا تَنَّهُمُ الْمُتَنَفِعُونَ بِهِ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا تَعَظَّمَ فِي الْأَرْضِ أَرْضِ مِصْرَ وَجَعَلَ أَهْلَهَا
 شِيْعًا فِرْعَا فِي خِدْمَتِهِ يَسْتَظْفِرُ طَائِفَةً مِنْهُمْ وَهُمْ بَنِي إِسْرَائِيلَ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ الْمَوْلُودِينَ وَ
 يَسْتَعْبِي لِسَاءَهُمْ ۝ يَسْتَفِيهِمْ أَحْيَاءُ لِقَوْلِ بَعْضِ الْكُهَنَةِ لَهُ إِنْ مَوْلُودًا يُولَدُ فِى بَنِي إِسْرَائِيلَ يَكُونُ
 سَبَبَ دَعَابٍ مُلْكِكَ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ وَ يُرِيدُ أَنْ تُنَمَّنَ عَلَى الَّذِينَ
 اسْتَظْفَرُوا فِي الْأَرْضِ وَتَجْعَلَهُمْ آيَةً بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ تَمِ وَأَيْتُهَا الثَّانِيَةُ بَأَى يَفْتَدِي بِهِمْ فِى الْخَيْرِ
 وَتَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ مُلْكُ فِرْعَوْنَ وَتَمَكَّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَرْضِ مِصْرَ وَالشَّامِ وَبَرَى فِرْعَوْنَ وَ
 هَامَانَ وَجُنُودَهُمَا وَفِى قِرَاءَةٍ وَبَرَى بِفَتْحِ التَّحْتَانِيَةِ وَالزَّاءِ وَرَفَعَ الْأَسْمَاءِ الثَّلَاثَةِ مِنْهُمْ مَا كَانُوا
 يَحْذَرُونَ ۝ يَخَافُونَ مِنَ الْمَوْلُودِ الَّذِي يَذْهَبُ مُلْكُهُمْ عَلَى يَدَيْهِ وَأَوْحَيْنَا وَحَى الْهَامِ أَوْ مَنَامٍ إِلَى
 أَمْرِ مُوسَى وَهُوَ الْمَوْلُودُ الْمَذْكُورُ وَلَمْ يَشْعُرْ بِوَلَادَتِهِ غَيْرَ أَخِيهِ أَنْ أَرْضَعِيهِ ۝ فَأَذْخَبَتْ عَلَيْهِ قَالِقِيهِ فِي
 الْيَمِّ الْبَحْرِ أَيْ الْبَحْلِ وَلَا تَخَافُ غَرْقَهُ وَلَا تَخْزِي ۝ لِيُفَرِّقَهُ إِنْكَ رَادُّهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ
 الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَرْصَعْتُهُ ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ لَا يَبْكِي وَخَافْتُ عَلَيْهِ فَوَضَعْتُهُ فِي التَّابُوتِ مَطْلَى بِدِ الْقَارِ مِنْ دَاخِلِ

مَعْبُدُهُ فِيهِ وَاغْلَقْتُهُ وَالْقَتْلُ فِي بَحْرِ الْبَيْلِ لَيْلًا قَالَتْ قَطِطَةً بِالنَّابُوتِ صَبِيحَةَ اللَّيْلِ أَلْ أَعْوَانُ فِرْعَوْنَ
فَوَضَعُوهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفَتَحَ وَأَخْرَجَ مُوسَى مِنْهُ وَهُوَ يَمْضِي مِنَ الْبَهَامَةِ لَبَنًا لِيَكُونَ لَهُمْ أَيْ فِي عَاقِبَةِ الْأَمْرِ
عَلَاوًا يَقْتُلُ رَجَالَهُمْ وَحَزَنًا لِيَسْتَعْبُدَ نِسَاءَهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ بِضَمِّ الْحَاءِ وَسُكُونِ الرَّايِ لُغَتَانِ فِي الْمَصْدَرِ
وَمُزْنًا بِمَعْنَى اِسْمِ الْفَاعِلِ مِنْ حَزَنَةٍ كَمَا حَزَنَتْهُ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَزَيْرَةَ وَجُودَهُمَا كَانُوا
خَطِيئِينَ ⑤ مِنَ الْخَطِيئَةِ أَيْ عَاصِينَ فَعُوقِبُوا عَلَى يَدِهِ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ وَقَدْ هَمَّ مَعَ أَغْوَانِهِ بِقَتْلِهِ
مَرَّةً قَرَّتْ عَيْنَ لِي وَكَأَنَّ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا فَطَاغُوهُمَا وَهُمْ لَا
يَشْعُرُونَ ⑥ بِعَاقِبَةِ أَمْرِهِمْ مَعَهُ وَاصْبَحَ فَوَادُ أُمِّ مُوسَى لَمَّا عَلِمَتْ بِالنِّقَاطِهِ فِرْعَانًا مِمَّا سِوَاهُ إِنَّ
مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَيْ أَنَّهَا كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ أَيْ بَأَنَّهُ ابْنُهَا كَوَّ لَا أَنْ رُبَّنَا عَلَى
قَلْبِهَا بِالضَّرِّ أَيْ سَكَنَاهُ لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ⑦ الْمُصْدِقِينَ بِوَعْدِ اللَّهِ وَجَوَابُ لَوْلَا ذَلَّ عَلَيْهِ مَا
قُلْنَا وَقَالَتْ لِأَخْتِهِ مَرْيَمَ قُصِّيهِ أَتَبَعِيَ أَثَرَهُ حَتَّى تَعْلَمِي خَبْرَهُ فَبَصُرَتْ بِهِ أَيْ أَبْصَرَتْهُ عَنْ جُنُبٍ مِنْ
مَكَانٍ بَعِيدٍ اخْتِلَاسًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑧ أَنَّهَا أُخْتُهَا وَأَنَّهَا تَرْفُقُ بِهِ وَحَرَمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلِ أَيْ
قَبْلَ رَدِّهِ إِلَى أُمِّهِ أَيْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قَبُولِ ثَدْيِ مُرْضِعَةٍ غَيْرِ أُمِّهِ فَلَمْ يَقْبَلْ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنَ الْمَرَاضِعِ
الْمُحَضَّرَةِ فَقَالَتْ أُخْتُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ لَمَّا رَأَتْ خَيْرُهُمْ عَلَيْهِ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ بِالْأَرْضِ ضَاعَ
وغيره وَهُمْ لَهُ لَصِحُونَ ⑨ وَفُتِرَتْ ضَمِيرُهُ لَهُ بِالْمَلِكِ جَوَابًا لَهُمْ فَأَجِيبَتْ فَجَاءَتْ بِأُمِّهِ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا
وَأَجَابَتْهُمْ عَنْ قُبُولِهِ بِأَنَّهَا طَيِّبَةُ الرِّيحِ طَيِّبَةُ اللَّبَنِ فَأَذِنَ لَهَا بِإَرْضَاعِهِ فِي بَيْتِهَا فَرَجَعَتْ بِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى
فَرَدَدْنَاهُ إِلَى أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا بِلِقَائِهِ وَلَا تَحْزَنَ حِزْبِيذٌ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِرَدِّهِ إِلَيْهَا حَقٌّ وَلَكِنَّ
الْكَثْرَ هُمْ أَيْ النَّاسُ لَا يَعْلَمُونَ ⑩ بِهَذَا الْوَعْدِ وَلَا بَانَ هَذِهِ أُخْتُهَا وَهَذِهِ أُمُّهُ فَمَكَثَ عِنْدَهَا إِلَى أَنْ فَطَمَتْهُ
وَأَجْرَى عَلَيْهَا أَجْرَ تَهَاكُلٍ يَوْمَ دِيْنَارٍ وَأَخَذَتْهَا لِأَنَّهُمَا مَالٌ خَزِيئَةٌ فَآتَتْ بِهِ فِرْعَوْنَ فَتَرَبَّى عِنْدَهُ كَمَا قَالَ
تَعَالَى حِكَايَةً عَنْهُ فِي سُورَةِ الشُّعْرَاءِ أَلَمْ تُرَبِّكْ فِينَا وَلَيْدًا وَلَيْسَتْ فِينَا مِنْ عُمَرِكَ سِنِينَ

ترجمہ: طسم (اللہ عزوجل کی ذات ہی اس کی بابت جاننے والی ہے) یہ کتاب مبین کی آیات ہیں (آیات الكتاب

میں اضافہ تو بواسطہ من ہے اور بین کے معنی حق و باطل کو واضح کرنا ہیں۔ ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا کچھ قصہ (خبر) ٹھیک ٹھیک (سچائی کے ساتھ) پڑھ کر سنا رہے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی خاص ان کیلئے کیونکہ یہی لوگ نفع اٹھاتے ہیں) بلاشبہ فرعون (مصر کے) ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقات میں بانٹ رکھا تھا (اپنی بیگار کیلئے مختلف ٹکڑیاں کر لی تھیں) ان میں سے ایک طبقہ (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو (پیدا ہوتے ہی) مروا ڈالتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا (جینے دیتا تھا بعض کاہنوں کی پیشینگوئی کرنے سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا جو تیری سلطنت کی تباہی کا باعث بنے گا) واقعی وہ (قتل و غارت کر کے) بڑا ہی فساد مچا رہا تھا اور ہمیں یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زور ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنادیں (لفظ انما اکثر قراءہ ہے۔ نزدیک دونوں ہمزہ کی تحقیق کرتے ہوئے ہے اور نافع اور ابو عمر و ابن کثیر کے نزدیک پہلے ہمزہ کی یا سے تبدیلی کے بھلائی کے کاموں میں انہیں آگے بڑھایا جائے تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں) اور ہم انہیں (سلطنت فرعون کا) مالک بنائیں اور (ملک شام میں) انہیں سلطنت بخش دیں اور فرعون حامان اور ان کے لاؤ لشکر و کھلا دیں (ہمزہ اور علی کی قراءت میں لفظ یوی یا مفتوح اور را مفتوح کے ساتھ آیا ہے اور تینوں الفاظ فرعون، ہامان، جنود ہما مرفوع ہیں) ان کی جانب سے وہ واقعات جن سے وہ بچنا چاہتے تھے (لڑکے کے پیدا ہونے سے ڈر رہے کہ کہیں اس کے ہاتھوں سے سلطنت نہ چھین جائے) اور ہم نے الہام کیا (وحی سے مراد الہام ہے یا خواب میں بتلا دینا) موسیٰ کی والدہ کو (کہ یہ وہی بچہ ہے، اس کے پیدا ہونے کی خبر انکی بہن کے علاوہ کسی کو نہ ہوئی) کہ تم اسے دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں ان کی نسبت اندیشہ ہو تو اسے دریا (نیل) میں چھوڑ دینا اور (اس کے ڈوبنے کا) فکر نہ کرنا اور نہ (اس کی جدائی پر) رنج کرنا ہم ضرور پھر انہیں تمہارے پاس ہی پہنچا دیں گے اور انہیں پیغمبر بنائیں گے (چنانچہ تین ماہ تک ان کی والدہ نے اس طرح دودھ پلایا کہ موسیٰ نے چوں تک نہ کی۔ انہیں بچہ کی نسبت ڈر پیدا ہوا تو انہوں نے ایک صندوق کے اندر دھوپ لگا کر بستر بچھا دیا اور بچہ کو اس میں لٹا کر رات کے وقت دریائے نیل میں چھوڑ دیا چنانچہ (اسی رات کی صبح) فرعون کے لوگوں (مددگاروں) نے موسیٰ کو اٹھالیا (فرعون نے صندوق سامنے رکھ کر کھولا اور موسیٰ کو اس میں سے باہر نکالا جو اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے) تاکہ وہ ان کیلئے (آخر کار) دشمن ثابت ہوں (ان کے مردوں کو قتل کر کے) اور رنج کا باعث بنیں (ان کی عورتوں کو باغدی بنا کر، ایک قراءت میں لفظ حزنا ضمہ حا اور سکون زاء کے ساتھ ہے مصدر میں یہ دونوں لغت ہیں اور یہاں مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یہ ماخوذ ہے حزنه اور احزنه سے) بے شک فرعون اور (اس کا وزیر) ہامان اور لاؤ لشکر سب بڑے خطا کار تھے (لفظ خاطین ماخوذ ہے خطیبہ سے یعنی نافرمان تھے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سزایاب ہوئے) اور فرعون کی بیوی بولیس جب کہ فرعون کے ملازمین نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا (کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل مت کرنا عجیب نہیں کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچائے یا ہم اسے پیٹا بنالیں) پس ان لوگوں نے فرعون کی بیگم کا حکم مان لیا (اور انہیں کچھ خبر نہیں تھی) (اپنے اور موسیٰ کے انجام کی) لاؤ موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا (جب انہیں حضرت موسیٰ کے اٹھالینے کا حال معلوم ہوا) بکسر (موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے فارغ) حقیقت میں (ان مشدد تھا جس کی تخفیف ہو گئی اس کا اسم محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے) (انہا) قریب تھا کہ موسیٰ کی والدہ ان کا حال ظاہر

کردیتیں (کہ یہ میرا بیٹا ہے) اگر ہم ان کے دل کو اسی طرح سے مضبوط نہ کئے رہتے (انہیں مبرد لا کر یعنی ہم نے انہیں سکون بخشا) کہ وہ یقین کئے رہیں (اللہ کے وعدہ کو سچ سمجھ کر۔ لہذا) کا جواب مخدوف ہے جس پر پہلا جملہ دلالت کر رہا ہے) اور انہوں نے اس (موسیٰ) کی بہن (مریم) سے کہا کہ اس (موسیٰ) کا سراغ تو لگانا (یعنی پتہ لگانے کیلئے ان کے پیچھے پیچھے جاؤ) سو بہن نے اس (موسیٰ) کو دور سے (اچھتی نگاہ کے ساتھ قاصد سے) دیکھا اور وہ لوگ بے خبر تھے (کہ مریم، موسیٰ کی بہن ہے اور اس کی ٹوہ میں لگی ہوئی ہے) اور ہم نے موسیٰ پر دایوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی (موسیٰ کے اپنی والدہ کے پاس آنے سے پہلے یعنی ماں کے علاوہ کسی بھی دودھیاری کے دودھ پینے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ آنے والی دودھیاریوں میں سے کسی کا دودھ بھی موسیٰ نے قبول نہیں کیا) سو (موسیٰ کی بہن) کہنے لگی کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانہ کا پتہ بتاؤں (جبکہ بہن نے بچہ کی طرف ان لوگوں کا جھکاؤ دیکھا) جو تمہارے لئے (دودھ پلا کر اور دوسری ذمہ داریاں اٹھا کر) پرورش کریں اور ساتھ ہی اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہوں (لیکن بہن نے لہ کی ضمیر سے مراد بادشاہ بیان کیا جب ان سے پوچھا گیا۔ غرض کہ بہن کی نشاندہی منظور کر لی گئی اور وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ چنانچہ بچہ فوراً ان کی چھاتی سے لپٹ گیا۔ اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو والدہ نے جواب دیا کہ میری گود اور دودھ بہترین ہے جس پر انہیں دودھ پلانے کیلئے بچہ کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت مل گئی اور وہ اسے لے کر گھر واپس آ گئیں۔ اسی کو حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں) غرض ہم نے اس (موسیٰ) کو اس کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا۔ تاکہ (ان کو پاکر) ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ (اب) غم میں نہ رہیں اور یہ کہ اس بات کو جان لیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ (بچہ کے انہیں واپس ملنے کا) سچا ہے البتہ اکثر لوگ علم نہیں رکھتے (نہ اس وعدہ کا اور نہ اس کا کہ یہ موسیٰ کی بہن اور یہ والدہ ہیں۔ چنانچہ موسیٰ پورے شیر خواری کے زمانے میں اپنی والدہ کے پاس رہے اس طرح روزانہ ایک اشرفی بطور اجرت ملتی رہی اور وہ اسے قبول کرتی رہیں۔ کیونکہ وہ روپیہ جربئی کافر کا تھا۔ پھر وہ فرعون کے پاس بچہ کو لے جا کر پرورش کرتی رہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی آیت **الہ لربک فینا ولیداً ولبشت فینا من عمرک سنن میں حق تعالیٰ نے فرعون کی طرف سے نقل فرمایا ہے۔**

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **بَرَأَ** عمل کا ہر گروہ۔

قولہ: **يَسْتَضِفُّ** یہ جعل کے فاعل سے حال ہے۔

قولہ: **يَذْنُبُ** یہ يَسْتَضِفُّ کا بدل ہے۔

قولہ: **أَنْ تَكُنْ** یعنی ہم ان کی غلامی سے چھڑوانے کا احسان کریں نرید یہ ماضی کو حال میں ذکر کیا ہے اس کا عطف ان فرعون پر ہے۔

قولہ: **تَمْنِيَنَّ لَهُمْ** اصل میں کسی چیز کے لئے ایک جگہ بنانا جہاں وہ قرار پکڑ لے پھر تسلط کے لئے استعمال ہوا۔

قولہ: **وَمِنْهُمْ** یہ بنی اسرائیل کی طرف ضمیر جاتی ہے۔

قوله: **أَرْضِيهِ**: یعنی جب تک تم اس کا چپا سکو۔

قوله: **خَافَتْ عَلَيْهِ**: اس کے بارے میں خطرہ محسوس کیا جائے۔

قوله: **فِي عَاقِبَةِ الْأَمْرِ**: ان کے اٹھانے کی طلت کو اٹھانے والے کی غرض سے تعبیر کیا۔

قوله: **مِنَ الْخَطِيئَةِ**: اس فرعونوں کے ابتلاء کا موجب ذکر فرمایا۔

قوله: **أَمْرَاتُ فِرْعَوْنَ**: یہ تابوت سے نکالنے کے موقع کی بات ہے۔

قوله: **لَا تَقْتُلُوهُ**: جمع سے خطاب عظمت کے لئے ہے۔

قوله: **أَنْ يَنْفَعَنَّا**: یعنی فائدہ کے واضح نشانات چہرے پر انوار برص والی لڑکی کا اٹھانے سے درست ہونا۔ انگوٹھے کو چوسنا۔

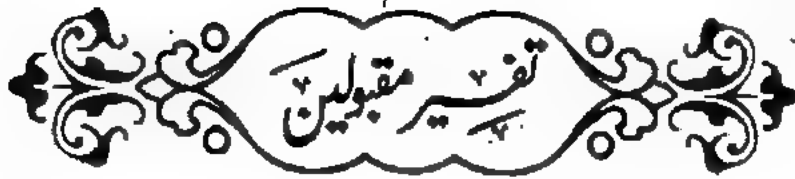
قوله: **فِرْعَوًّا**: جب موسیٰ کے علاوہ ہر خیال سے خالی۔

قوله: **أَيُّ قَبْلِ رَذِهِ**: اس کے نشانات کا پیچھا کرنے سے پہلے۔

قوله: **لَهُ لَصِخُونَ**: وہ کار جمع بادشاہ بھی بتلایا گیا۔

قوله: **أَجَابْتُهُمْ**: فرعون اور اس کے حواریوں کا جواب دیا۔

قوله: **لَا تَحْزَنْ**: اس کی جدائی پر غم مت کرو۔



طسّم

سورہ قصص کی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور حجہ (رائغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ ﷺ حجہ یعنی رائغ کے قریب پہنچے تو جبریل امین تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے محمد ﷺ کیا آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبریل امین نے یہ سورت قرآن سنائی جس کے آخر میں آنحضرت ﷺ کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے وہ آیت یہ ہے: **إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَيْهِ**۔ معاً سورہ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر کہیں مفصل بار بار آیا ہے سورہ کہف میں تو ان کے اس قصہ کی تفصیل آئی ہے جو حضرت علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، پھر سورہ طہ میں پورے قصہ کی تفصیل ہے اور یہی تفصیل سورہ نمل میں بھی کچھ آئی ہے پھر سورہ قصص میں اس کا اعادہ ہوا ہے۔ سورہ طہ میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لیے ارشاد و بانی یہ آیا ہے کہ **وَقَتْلَكَ قُتُوفًا** حضرات محدثین امام نسائی وغیرہ نے اس پورے قصے کی مکمل تفصیل وہاں لکھی ہے احقر نے بھی ابن کثیر کے حوالہ سے یہ مکمل تفصیل سورہ طہ میں بیان کر دی ہے۔ اس قصہ کے متعلقہ اجزاء کی تمام بحثیں اور ضروری مسائل اور فوائد کچھ سورہ کہف میں

باقی سورۃ طہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)
 إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا

فرعون کی سرکشی اور بنی اسرائیل پر مظالم کا تذکرہ:

مصر میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو پیٹنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کر سکیں۔ کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہیے کہ انھیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہیے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں، انھیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیل کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء و قدر کی روک تھام کے لیے ظلم و ستم کی یہ اس کی م جاری کی۔

وَلْيُؤَيِّدَنَّ أَنْ تَمُوتَ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ آيَةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٦٠﴾

اس آیت میں تدبیر فرعون کا بمقابلہ تقدیر الہی کے نہ صرف غائب و خاسر ہونا بلکہ فرعون اور اس کے سب اہل دربار کو انتہائی بے وقوف بلکہ اندھا بنانے کا ذکر ہے کہ جس لڑکے کے متعلق خواب اور تعبیر خواب کی بناء پر فرعون کو خطرہ لاحق ہوا تھا اور جس کی بناء پر بنی اسرائیل کے لاتعداد نوزائیدہ لڑکوں کو ذبح کرنے کا قانون جاری کیا تھا اس کو حق تعالیٰ نے اسی فرعون کے گھر میں اسی کے ہاتھوں پر ورش کرایا اور والدہ کے اطمینان کے لیے انہی کی گود میں حیرت انگیز طریقہ پر پہنچا دیا اور فرعون نے رضاعت کا خرچ جو بعض روایات میں ایک دینار روزانہ بتلایا گیا ہے مزید وصول کیا گیا اور دودھ پلانے کا یہ معاوضہ چونکہ ایک کافر حربی سے اس کی رضامندی کے ساتھ لیا گیا ہے اس لیے اس کے جواز میں بھی کوئی اشکال نہیں اور بالآخر جس خطرہ کے دور کرنے کے لیے ساری قوم پر یہ مظالم ڈھائے تھے وہ اسی کے گھر کے اندر سے ایک شدید لادابن کر پھوٹا اور خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے اس کو آنکھوں سے دکھا دی وَتُؤَيِّدُ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ کا یہی حاصل ہے۔

وَنُكَلِّنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَتُؤَيِّدُ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦١﴾

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے، اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا ان ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیاوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔

چنانچہ جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ ان کے

سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لیے کہ کسی طرح اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اس کی تباہی مقدر تھی، لیکن تقدیر الہی کہاں ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ساز و نسیم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلادیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ

امم موسیٰ کی وحی والہام کا ذکر: سوارشاہ فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کے ذریعے بتا دیا کہ تم اس بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ پھر جب اس کے بارے میں خطرہ محسوس ہونے لگے تو تم اس کو دریا میں ڈال دینا اور یہ الہام یا خواب میں فرمایا گیا تھا یا فرشتے کے ذریعے یا یونہی دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اَوْحَيْنَا کا مفہوم ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ بہر حال یہ وحی نبوت و رسالت کی وحی نہیں تھی کہ والدہ موسیٰ غیبیہ بہر حال نہیں تھیں۔ اور علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی خاتون نہ گھسی نہ ہوئی نہ ہو سکتی ہے بلکہ اس شرف سے ہمیشہ مردوں ہی کو نوازا گیا ہے۔ بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو وحی والہام کے ذریعے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اپنے اس بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ اور جب اسکے بارے میں فرعونوں سے خوف محسوس کریں تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور اسکے بارے میں کوئی فکر و اندیشہ نہ کریں۔ ہم ان کی حفاظت کریں گے۔ اور ہم اس کو واپس تمہارے پاس لے آئیں گے۔ اور ہم اس کو رسولوں میں سے کر دیں گے۔ اس لیے تم اس کے بارے میں مطمئن رہنا اور کسی طرح کا فکر و اندیشہ اپنے دل میں نہ رکھنا۔ اور بعد میں وعدہ خداوندی کی مطابق ایسے ہی ہوا۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۖ

آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس پیارے بچہ کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثارِ نجات و شرافت سے نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھالیا۔ مگر اس اٹھانے کے آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونوں کا دشمن ثابت ہو، اور ان کے حق میں سوہان روح بنے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزار ہا معصوم بچے تہ تیغ کر چکا ہوں وہ یہ بچہ ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج ہمارے ہاتھوں میں پرورش کرایا جا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ میثار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر تش کرنے کے باوجود موسیٰ کو زندہ رہنے دیا۔ لیکن نہ چوکے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ سمجھے کہ قضاء و قدر کے فیصلوں کو انسانی تدبیروں سے روکا جاسکتا ہے۔

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قَتَلْتُمُونِي ۖ

فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہیں کرو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اس کو ہم اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس پر فرعون نے اپنی بیوی سے کہا۔ لگ لائی۔ یعنی یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے لیے ہوگا میرے لیے نہیں۔ سو تقدیر نے یہ الفاظ اس کے منہ سے کھلوا دیئے۔ اور ایسے ہی ہوا کہ موسیٰ اس کے اقتدار کے دائمی خاتمے اور اس کی دائمی اور ابدی ہلاکت و تباہی کا ذریعہ اور باعث بن گئے۔ اور فرعون آپ علیہ السلام کے وجود باوجود سے رحمت و ٹھنڈک پانے کی بجائے ہمیشہ کے لیے فی النار و السقر ہو گیا اور آتش دوزخ کا ایندھن بن گیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

جبکہ اس کی وہ نیک طینت اور ایماندار بیوی جنت کے باسیوں میں شامل ہو کر ابدی رحمت و سعادت اور دائمی فوز و فلاح سے ہمکنار و سرفراز ہو گئی۔ بہر کیف فرعون کی بیوی نے اس سے کہا کہ ایسی موہنی صورت والا بچہ قتل کے لائق نہیں پالنے کے قابل ہے۔ یہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔ امید ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے گا یا ہم اس کو بیٹا ہی بتالیں۔ پس تم اس کو قتل کرنے کی سنگدلی کا ارتکاب کرنے کی بجائے اس کی حفاظت و پرورش کا سامان کرو۔ روایات کے مطابق وہ بڑی نیک بخت اور رحمدل خاتون تھیں اور فرعون کے رویے سے وہ سخت بیزار تھیں۔ اور اسی بنا پر وہ فرعون کے گھر میں رہنے اور اس کی بیوی ہونے کے باوجود جنت کی باسی بن گئیں۔ اور ایسی عمدہ اور پاکیزہ زندگی سے سرفراز ہو گئیں کہ ان کی زندگی اہل ایمان کیلئے ایک نمونہ اور مثال بن گئی۔ جیسا کہ سورۃ تحریم کی آیت نمبر 11 میں اس کی تصریح فرمائی گئی۔ سو یہ فرعون کی اس ایماندار اور نیک بیوی کی رحمہ لی کا ایک مظہر و نمونہ تھا۔

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فُتُورًا.....

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوقچہ میں ڈال کر دریا میں بہا دیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے رسول اور اپنے نخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا۔ صبر و سکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کر دی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کر دیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن اللہ نے اس کا دل ٹھہرا دیا ڈھارس دی اور تسکین دے دی کہ تیرا بچہ تجھے ضرور ملے گا۔ والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھ دار تھیں فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظر جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجام پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اس کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ جا رہی ہے۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایاں تھیں سب کو بچہ دیا گیا۔ ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن حکم الہی حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔ آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھوں اسے باہر بھیجا کہ کسی دایہ کو تلاش کرو جس کا دودھ یہ پئے اس کو لے آؤ۔ چونکہ رب الغلیم کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کا اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں آپ کو لے کر جب باہر نکلیں تو آپ کی بہن نے آپ کو پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ خود انہیں کوئی پتہ چل سکا آپ کی بہن تو پہلے بہت پریشان تھی لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر و سکون دے دیا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔ بہن نے انکو کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا یہ بچہ کسی دایہ کا دودھ نہیں پیتا اور ہم اس کے لیے دایہ کی تلاش میں ہیں۔ یہ سن کر ہمشیرہ موسیٰ نے فرمایا اگر تم کہو تو تمہیں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے بچہ ان کا دودھ پی لے اور اس کی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت ہے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کر لیا اور پوچھا تمہیں کیا معلوم کہ وہ عورت اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ۔ کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو۔ انعام و اکرام کی

خاطر کون اس سے ہمدردی نہ کریگا۔ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھایا نہیں لیکر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیتے ہیں۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام و اکرام کیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔ کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا۔ آخر کار ایک روز حضرت آسیہ نے فرمایا میری خوشی ہے کہ تم محل میں آ جاؤ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا میں بال بچوں والی ہوں میرے میاں بھی ہیں میں انہیں دودھ پلا دیا کرونگی پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کرونگی۔ یہ طے ہوا اور اس پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہو گئیں ام موسیٰ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، دولت و عزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام و اکرام پاتیں۔ کھانا، کپڑا، شادی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں۔ ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک دن ایک رات کے بعد ہی اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اس میں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ کی ذات پاک ہے اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہے اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے ہرگز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے۔ اس کی فرمانبرداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو فراخی سے بدلتا ہے۔ اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے۔ فسبحانہ ما اعظم شأنہ۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے۔ اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے، اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہو گئیں اور اسی طرح پرورش کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہیے۔ ہاں رب کی حکمتیں بے علموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے۔ ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں۔ اور دنیا پر رہتے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں سوچتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں وہ برا ہو یعنی ایک کام برا جانتے ہوں مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھیں ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَهُوَ ثَلَاثُونَ سَنَةً أَوْ ثَلَاثًا وَاسْتَوَىٰ أَيْ بَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً أَتَيْنَهُ حُكْمًا حَكَمَةً وَ
عِلْمًا فَفَهَّمْنَاهُ الدِّينَ قَبْلَ أَنْ يَبْعَثَ نَبِيًّا وَكَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ لَا تَنْفُسِهِمْ وَدَخَلَ
مُوسَى الْمَدِينَةَ مَدِينَةً فِرْعَوْنَ وَهِيَ مُتَفَتِّتَةٌ أَنْ غَابَ عَنْهُ مُدَّةٌ عَلَى حِينٍ عَفْلَةٍ مِنْ أَهْلِهَا وَقَتِ
الْقَبِيلَةِ فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَةِ أَبِي إِسْرَءِيلَ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ أَيِ قَبِيلَتِي
يَسْخَرُ الْإِسْرَءِيلِي لِيُحْمَلَ حَطَبًا إِلَى مَطْبَخِ فِرْعَوْنَ فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ

عَدُوَّهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى خَلِّ سَبِيلَهُ فَقِيلَ إِنَّهُ قَالَ لِمُوسَى لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْكَ فَوْكَزَةَ مُوسَى أَيْ
ضَرْبَهُ بِجَمْعِ كَفِّهِ وَكَانَ شَدِيدُ الْقُوَّةِ وَالْبَطْشِ فَقَضَى عَلَيْهِ ۖ أَيْ قَتَلَهُ وَلَمْ يَكُنْ قَضْدُ قَتْلِهِ وَدَفْنُهُ فِي
الرَّمْلِ قَالَ هَذَا أَيْ قَتَلَهُ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ ۖ الْمُهَيِّجُ غَضَبِي إِنَّهُ عَدُوٌّ لِابْنِ آدَمَ مُضِلٌّ لَهُ قَبِيلٌ ۝
بَيْنَ الْإِضْلَالِ قَالَ نَادَى مَا رَبِّ إِيَّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِي بِقَتْلِهِ فَأَغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝
أَبَى الْمُتَنَصِّفُ بِهِمَا أَرْلًا وَأَبْدًا ۖ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ بِحَقِّ أَنْعَامِكَ عَلَيَّ بِالْمَغْفِرَةِ أَعْصِمْنِي فَلَنْ أَكُونَ
ظَاهِرًا عَوْنًا لِلْمُجْرِمِينَ ۝ الْكَافِرِينَ بَعْدَ هَذِهِ إِنْ عَصَمْتَنِي أَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ
يَنْتَظِرُ مَا يَنَالُهُ مِنْ جَهَةِ الْقَبِيلِ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ ۖ يَسْتَعِثُّ بِهِ عَلَى قَبِيلِي أَخْرَجَ
قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَعَوْنٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ الْغَوَايَةِ لِمَا فَعَلْتَهُ أَمْسِ وَالْيَوْمَ فَلَمَّا أَنْ زَائِدَةٌ أَرَادَتْ أَنْ
يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا ۖ لِمُوسَى وَالْمُسْتَعِثُّ بِهِ قَالَ الْمُسْتَعِثُّ طَائِفًا أَنَّهُ يَبْطِشُ بِهِ لَمَّا قَالَ لَهُ
يُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا
تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝ فَسَمِعَ الْقَبِيلِيُّ ذَلِكَ فَعَلِمَ أَنَّ الْقَاتِلَ مُوسَى فَانْطَلَقَ إِلَى فِرْعَوْنَ
فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ فَأَمَرَ فِرْعَوْنُ الدَّبَّاحِينَ بِقَتْلِ مُوسَى فَآخَذُوا الطَّرِيقَ إِلَيْهِ قَالَ تَعَالَى وَجَاءَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ
أَلِ فِرْعَوْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَخْبَرَهَا يَسْعَى يَسْرِعُ فِيهِ مَشِيءٌ مِنْ طَرِيقٍ أَقْرَبَ مِنْ طَرِيقِهِمْ قَالَ
يُوسَى إِنَّ الْمَلَكَ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ يَأْتِيهِمْ هَكَذَا يَتَشَاوَرُونَ فِيكَ لِيَقْتُلُوكَ فَأَخْرِجْ مِنَ الْمَدِينَةِ إِيَّيْكَ لَكَ
مِنَ الْمُصْلِحِينَ ۝ فِي الْأَمْرِ بِالْخُرُوجِ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ لِنُحُوقِ طَالِبِ أَوْ غَوِي اللَّهِ إِيَّاهُ قَالَ
رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

ترجمہ: اور جب موسیٰ اپنی بھری جوانی (تیس یا تینتیس سال کی عمر) کو پہنچے اور پوری طرح (چالیس سال کے ہوئے) درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم (نبوت سے پہلے جتنی سمجھ بوجھ) عطا فرمایا اور اچھا کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں (جیسے حضرت موسیٰ کو بدلہ عطا کیا) اور (موسیٰ) شہر میں (فرعون کی بستی) معصیٰ مراد ہے جس میں ایک مدت بعد پھر آئے (داخل ہوئے) ایسے وقت کہ وہاں کے باشندے (دوپہر کو سونے میں) بے خبر تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ ایک تو ان میں سے ان کی (اسرائیلی) برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں سے تھا (یعنی قبیل جو اسرائیلی پر فرعون کے مطیع کی لکڑیاں بیگار اٹھوائے ہوئے تھا) سو ان کی برادری کے آدمی نے اس کے مقابلہ میں داد

خواہی چاہی جو اس کے مقابلہ میں مخالفین سے تھا (حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس کو بیگار سے چھوڑ دے۔ اس پر بعض کی رائے ہے کہ وہ بولا کہ اے موسیٰ پھر کیا تم پر اس ملے کو لاد دوں؟) سو موسیٰ نے اس کے گھونسہ مارا (یعنی بھرپور کہہ کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ بڑے طاقتور مضبوط تھے) سو اس کا کام تمام کر دیا (یعنی اسے جان سے مار ڈالا۔ حالانکہ انہوں نے ارادہ ایسا نہیں کیا۔ پھر اس کی نفس کو ریت میں چھپا دیا) موسیٰ بولے یہ (قتل) تو شیطانی حرکت ہو گئی (غصہ کے یہاں سے یہ ہوا) بلاشبہ شیطان (انسان کا) دشمن کھلم کھلا بھگانے والا ہے۔ عرض کیا (شرمندہ ہوتے ہوئے) اے میرے پروردگار مجھ سے (اس کے مارنے کا) قصور ہو گیا۔ سو بخش دیجئے۔ پھر انہیں بخش دیا۔ بلاشبہ وہ بھگے بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (یعنی ان خوبیوں سے ہمیشہ متعفف رہتا ہے) موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے مجھ پر جو انعام کیا ہے (اس کا واسطہ میری مغفرت کر کے مجھے بچائیے) سو میں مجرموں کی مدد نہیں کروں گا (اگر آپ نے مجھے بچالیا تو میں کافروں کی مدد نہیں کروں گا) موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور دہشت کی حالت میں دیکھے مقتول کی جانب سے کیا کچھ ہوتا ہے کہ اتنے میں وہی شخص جس نے گزشتہ کل ان سے مدد چاہی تھی وہ پھر انہیں پکار رہا ہے (کسی دوسرے قبیلے کے مقابلہ میں دہائی دے رہا ہے) موسیٰ اس سے فرمانے لگے تو ہی بڑا بدراہ ہے (کل اور آج کی کارروائی کی رو سے نہایت غلط کار ہے) پھر جب (موسیٰ نے) اس پر (ان زائد ہے) ہاتھ بڑھایا جو ان دونوں (موسیٰ اور فریادی) کا مخالف تھا تو (اسرائیلی) بول اٹھا کہ (فریادی یہ سمجھا کہ موسیٰ فریاد کے جواب میں اسے پکڑیں گے) اے موسیٰ کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ پس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے (قبیلے نے جب یہ ماجرا سنا تو سمجھ گیا کہ قاتل موسیٰ ہی ہیں فوراً ہی فرعون کے پاس جا شکایت کی۔ فرعون نے جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ کو مار ڈالا جائے۔ چنانچہ ان کو گرفتار کرنے کیلئے سپاہی دوڑے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں (اور ایک صاحب (قبیلے مسلمان) شہر کے (آخری) کنارے سے دوڑے ہوئے آئے (نزدیک راستہ سے بھاگ کر) کہنے لگے اے موسیٰ اہل دربار (فرعون کے درباری) آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں (تمہاری نسبت سوچ بچار کر رہے ہیں) کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (شہر سے) بھاگ جائیے۔ میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں (شہر سے نکل جانے کا مشورہ دے کر) چنانچہ (موسیٰ) وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف و امید کے ساتھ (کسی پکڑنے والے کے آہنچے سے یا تائید غیبی سے) کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے ان (فرعونی) ظالموں سے بچالیتے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: دَاسْتَوٰی: عقل و سمجھ کو پایا۔

قولہ: قَبْلَ اَنْ يَّبْتَغٰ: یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے۔

قولہ: مُنْتَفٰ: یہ فرعون کا دار الحکومت۔

قولہ: يَمْشٰوْا اِلَیْہِ: سرکار کام کے لئے پکڑ رہا تھا۔

قوله: فَقَطَّى عَلَيْهِ: اس کی زندگی کو آخر تک پہنچا دیا۔

قوله: مِنْ عَمَلٍ: ان کو قتل کفار کا حکم نہ دیا گیا تھا۔ خطا ہونا کی وجہ سے عصمت کے منافی نہ تھا۔

قوله: لَنَا قَالَ لَهُ: یہ آپ کا قول انک غوی مبین کہ تو کھلا غلط کار ہے۔

قوله: فَاخْلُؤْا: موئی علیہ السلام کی طرف راستہ اختیار کیا۔

قوله: يَا تَبَرُّونَ: یعنی تمہارے متعلق مشورے کر رہے ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ أَيْتَنَّهُ حَكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

اَشُدُّهُ کے لفظی معنی قوت و شدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت و شدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت و شدت آ سکتی تھی وہ پوری ہو جائے اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا اشد کا زمانہ جلد آ جاتا ہے کسی کا دیر میں۔ لیکن حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بروایت عبد بن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو و نما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح قرطبی)

أَيْتَنَّهُ حَكْمًا وَعِلْمًا: حکم سے مراد نبوت و رسالت ہے اور علم سے مراد احکام الہیہ شرعیہ کا علم ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا، المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موئی علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا۔ آگے قتل قطعی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موئی علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت کا اوردین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجہ میں کچھ لوگ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے جو ان کے متبعین کہلاتے تھے مِّنْ شِيعَتِهِ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرآن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحاق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موئی علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز آیا مگر ان کو شہر سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد حضرت موئی علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے اور علی حین غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دو پہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے۔ (قرطبی)

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ ----

غفلت کے وقت سے مراد دو پہر کا وقت ہے جبکہ وہ لوگ قیلولہ کر رہے تھے۔ اور اس مدینہ سے مراد بعض حضرات نے

شہر مصر ہی لیا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل سے شہر مصر میں داخل ہوئے جبکہ بعض دوسروں کے نزدیک اس شہر سے مراد منفس کا شہر ہے جو کہ اس زمانے میں ایک بڑا مشہور مرکز تھا۔ اور تورات میں اس کا نام موف کر کے آیا ہے جبکہ ہماری قدیم تفسیری روایات میں اس کو منصف کے نام سے ذکر کیا گیا ہے جو موجودہ دارالحکومت قاہرہ سے کوئی بارہ کلومیٹر جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور اب اسے مطرانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ راقم آٹھم نے اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک مصری عالم دین شیخ محمد عبد الحمید الحدادی جو کہ ہمارے ساتھ مرکز الدعوة والا رشادہ دہلی کے رکن ہیں، سے اس شہر کے بارے میں ان امور سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کی حرف بحرف تائید کی۔ البتہ انہوں نے کہا کہ یہ شہر مطرانہ اب قاہرہ کی آبادی سے مل گیا ہے اور قاہرہ کی عمارات وہاں تک پہنچ گئی ہیں۔ بہر کیف مدینہ سے مراد شہر ہے جو کہ اعیان و شرفاء کا مرکز اور حکومت کا مستقر تھا۔ اور بنی اسرائیل کی حیثیت چونکہ غلاموں اور خدمتگاروں کی تھی اس لیے ان کی بستی اصل بستی سے باہر کہیں بسائی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ غفلت کے کسی وقت میں شہر میں داخل ہوئے تو وہاں پر دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ جن میں سے ایک سہلی۔ اسرائیلی تھا جو کہ حضرت موسیٰ کی قوم تھی اور ایک قبطی۔ مصری۔ تھا جو کہ فرعون کی قوم تھی۔ اور یہ دونوں آپس میں کسی بات پر لڑ رہے تھے۔ سہلی یعنی اسرائیلی نے جب حضرت موسیٰ کو دیکھا تو آپ کو مدد کیلئے پکارا۔ حضرت موسیٰ اس پر آگے بڑھے اور چاہا کہ بیچ بچاؤ کر کے ان کا جھگڑا ختم کر دیں تو قبطی اپنی رعونت کی بنا پر اکڑ گیا اور آپ سے الجھ پڑا۔ اس پر حضرت موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا سید کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی پاکیزہ جوانی اور حمایت مظلوم کے جوش و جذبے کی بنا پر صادر ہونے والا آپ کا یہ مکہ ایسا کارگر ثابت ہوا کہ اس قبطی نے پانی بھی نہ مانگا اور وہ اپنی رعونت اور فرعونی خمار کے ساتھ وہیں کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نہ تو قبطی کو قتل کرنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ ہی اس خلاف توقع صورتحال کے پیش آنے کا کوئی گمان تھا۔ اس لیے آپ کو اس حادثے سے سخت پشیمانی ہوئی اور آپ علیہ السلام فوراً اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے معافی مانگنے لگے۔ اور یہی شان ہوتی ہے اللہ والوں کی کہ فوراً اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ ہمیشہ راہ حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

حضرت موسیٰ کی اپنے رب کے حضور معافی کی دعا اور خواست: سو قبطی کے موسیٰ کے ہاتھوں اس طرح خلاف ارادہ وقوع ہلاکت پر حضرت موسیٰ کو سخت عداوت ہوئی تو آپ نے اپنے رب کے حضور فوراً عرض کیا کہ اے میرے رب بیشک میں نے ظلم کر لیا اپنی جان پر۔ پس تو میری بخشش فرما دے۔ ظلم سے مراد ظاہر ہے کہ یہاں پر گناہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے اس شخص کو قصداً قتل نہیں کیا تھا مگر حضرات انبیائے کرام جو کہ معصوم ہوتے ہیں اور وہ نبوت سے پہلے بھی ہر قسم کے گناہ سے پاک ہوتے ہیں ان کی شان اتنی عظیم اور ان کی طبیعتیں اس قدر پاکیزہ ہوتی ہیں کہ وہ اپنے حق میں معمولی بات کو بھی بڑا سمجھتے ہیں۔ جبکہ کافر و منکر اور باغی انسان اپنے بڑے سے بڑے گناہ کو بھی ایک معمولی چیز سمجھ کر نال دیتا ہے۔ بہر کیف حضرت موسیٰ نے اپنے اس نادانستہ فعل کو بھی جرم اور ظلم قرار دے کر فوراً اس کے لیے بخشش اور معافی کی درخواست اپنے رب کے حضور پیش کر دی۔ بہر کیف حضرت موسیٰ سے یہ خطا چونکہ بلا کسی قصد و ارادے کے اچانک ہو گئی تھی۔ پھر آپ نے توبہ بھی فوراً اور ذل سے کی تھی اس لیے حق تعالیٰ نے آنجناب کی اس خطا کو فوراً ہی معاف فرما دیا اور مغفرت و بخشش کی اس بشارت و خوشخبری سے

آنجناب کو مطلع بھی فرمادیا گیا۔ اور اس طرح حضرت موسیٰ کو کرم بالائے کرم کی عنایت سے نواز دیا گیا۔ بلاشبہ وہ رب مہربان بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي نَعَمْتُ عَلَىٰ فُلَانٍ فَأَكُونُ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب حق تعالیٰ نے معاف فرمادیا تو آپ نے اس نعمت کے شکر میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس اسرائیلی کی مدد کے لیے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے، جھگڑالائی اس کی عادت ہے اس لیے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباس سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تفسیر ایسا ہی فرمایا ہے اس تفسیر کی بنا پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی امداد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔

۱۔ اول یہ کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اس کی امداد کرنا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی ان کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے۔

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ.....

موسیٰ کے گھونے سے قبلی مر گیا تھا اس لیے آپ کی طبیعت پر گھبراہٹ تھی۔ شہر میں ڈرتے دبتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ کہیں راز کھل تو نہیں گیا۔ دیکھتے ہیں کہ کل والا اسرائیلی آج ایک اور قبلی سے لڑ رہا ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح آج بھی فریاد اور دہائی دینے لگا۔ آپ نے فرمایا تم بڑے فتنہ آدمی ہو۔ یہ سنتے ہی وہ گھبرا گیا۔ جب حضرت موسیٰ نے اس ظالم قبلی کو روکنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو یہ شخص اپنے کمینہ پن اور بزدلی سے سمجھ بیٹھا کہ آپ نے مجھے برا کہا ہے اور مجھے پکڑنا چاہتے ہیں اپنی جان بچانے کے لیے شور مچانا شروع کر دیا کہ موسیٰ کیا جیسے تو نے کل ایک شخص کا خون کیا تھا آج میری جان بھی لینا چاہتا ہے؟ کل کا واقعہ صرف اسی کی موجودگی میں ہوا تھا اس لیے اب تک کسی کو پتہ نہ چلا تھا؟ لیکن آج اس کی زبان سے اس قبلی کو پتہ چلا کہ یہ کام موسیٰ کا ہے۔ اس بزدل ڈرپوک نے یہ بھی ساتھ ہی کہا کہ تو زمین پر سرکش بن کر رہنا چاہتا ہے اور تیری طبیعت میں ہی صلح پسندی نہیں۔ قبلی یہ سن کر بھاگا دوڑا اور ہار فرعون کی میں پہنچا اور وہاں بخبری کی۔ فرعون کی بددلی کی اب کوئی حد نہ رہی اور فوراً سپاہی دوڑائے کہ موسیٰ کو لا کر پیش کریں۔

وَجَاءَ قَوْمُ قَيْنٍ أَهْصَا الْمَدِينَةَ يَسْتَعْجِلُونَ.....

چنانچہ شہر کے اس کنارے سے ایک شخص حضرت موسیٰ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور آ کر ان سے کہا کہ موسیٰ دربار والے آپ کو قتل کر دینے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہذا آپ جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل جائیں۔ میں آپ کا پکا سچا خیر خواہ ہوں۔ روایات کے مطابق یہ آل فرعون کا وہی مومن شخص تھا جس نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا اور جس کا قصہ آگے خود قرآن پاک کی سورۃ المؤمن میں آ رہا ہے۔ سو اس شخص نے دوڑتے ہوئے اور بیچ کی گلیوں کے شارٹ راستے سے گزر کر آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بتائی۔ تاکہ آپ علیہ السلام اپنی جان کے بچانے کی فکر کر سکیں۔ سو اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ کے

قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ اس لیے میرا آپ کو خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے نکل جائیں۔ اور اس خیال سے کہ شاید موسیٰ اس کی بات کا اعتبار نہ کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ فرعون کی شخص یونہی خواہ خواہ مجھے ڈرا دھکا کر یہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے اس نے تاکید کی الفاظ میں موسیٰ سے ان کو یقین دلانے کیلئے کہا کہ میں یقینی طور پر آپ کا خیر خواہ ہوں۔ سو بدگمانی کی اس فضا میں جو اس وقت اسرائیلیوں اور قبطیوں کے درمیان پائی جاتی تھی کسی کی اس طرح کی کسی بات پر یقین کرنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اس شخص نے تاکید در تاکید کے الفاظ کے ساتھ حضرت موسیٰ کو اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ میں آپ کا سچا پاک خیر خواہ ہوں۔ لہذا آپ میری بات پر اعتماد و یقین کرتے ہوئے یہاں سے نکل جائیں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾

فرعون اور فرعونوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی آپ کو معلوم ہو گئے تو آپ وہاں سے تنہا چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے۔ چونکہ اس سے پہلے کی زندگی کے ایام آپ کے شہزادوں کی طرح گزرے تھے سفر بہت کرا معلوم ہوا لیکن خوف و ہراس کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ اے اللہ! ان ظالموں سے یعنی فرعون اور فرعونوں سے نجات دے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے واسطے ایک فرشتہ بھیجا تھا جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا واللہ اعلم۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ فِصْدَ بَوَّحِهِ يَلْقَاءَ مَدْيَنَ جِهَتَهَا وَهِيَ قَرْيَةُ شُعَيْبَ مَسِيرَةَ ثَمَانِيَةِ أَيَّامٍ مِنْ مَضَرٍ شُعَيْبُ
بِمَدْيَنَ ابْنِ إِسْرَافِيلَ وَلَمْ يَكُنْ يَعْرِفُ طَرِيقَهَا قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٥﴾ أَيْ قَصْدَ
الطَّرِيقِ أَيْ الطَّرِيقِ الْوَسْطِ إِلَيْهَا فَارْتَمَىٰ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِيَدِهِ عِزَّةٌ قَانُطَلَقَ بِهِ إِلَيْهَا وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ
بِئْرٍ فِيهَا أَيْ وَصَلَ إِلَيْهَا وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةٌ جَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ مِنَ النَّاسِ يَسْفُونَ مُوْاسِيَهُمْ وَوَجَدَ مِنْ
دُونِهِمْ أَيْ سِوَاهُمْ أَمْرَاتَيْنِ تَذَوُدَانِ ۖ تَمْنَعَانِ أَغْنَاهُمَا عَنِ الْمَاءِ قَالَ مُوسَىٰ لَهُمَا مَا خُطِبُكُمَا أَيْ
شَأْنُكُمَا لَا تَسْقِيَانِ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ جَمْعُ رَاعٍ أَيْ يَرْجِعُوا مِنْ شَقِيهِمْ خَوْفَ
الرِّحَامِ فَتَسْقِي وَفِي قِرَاءَةِ يُصْدِرُ مِنَ الرِّبَاعِ أَيْ يُضْرِبُ قَوْمًا مُوْاسِيَهُمْ عَنِ الْمَاءِ وَابْنُ شَيْخٍ كَبِيرٌ ۖ لَا
يَقْدِرُ أَنْ يَسْقِيَ فَسَقَىٰ لَهُمَا مِنْ بِئْرِ أُخْرَىٰ بِئْرُهَا رَفَعَ حَجَرًا عَنْهَا لَا يَرْفَعُهُ إِلَّا عَشْرَةُ أَنْفُسٍ ثُمَّ تَوَلَّى
إِنْصَرَفَ إِلَى الظِّلِّ لِسَمَرَةٍ مِنْ شِدَّةِ حَرِّ الشَّمْسِ وَهُوَ جَائِعٌ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ
طَعَامٌ فَقَبِيرٌ ۖ مُحْتَاجٌ فَزَجَعْنَا إِلَىٰ آيِهِمَا فِي زَمَنِ أَقَلِّ مِمَّا كَانَا تَرْجِعَانِ فِيهِ فَسَأَلَهُمَا عَنْ ذَلِكَ
فَأَخْبَرَاهُ بِمَنْ سَقَىٰ لَهُمَا فَقَالَ لَا تَحْذَرُهَا أَذَىٰ لِي قَالَ تَعَالَىٰ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ اسْتِحْيَاءٍ

اِی وَاضِعَةً کُمۡ دِرْعِیۡهَا عَلٰی وَجْهِہَا حَتّٰی مِنْہٗ قَالَتْ اِنَّ اِنِّیۡ یَدْعُوکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقِیْتَ لَنَا ۙ
 فَاجَابَہَا مُتَکَبِّرًا فِیۡ نَفْسِہِ اَخَذَ الْاُجْرَةَ وَكَانَہَا قَصْدَتِ الْمَکَافَاۃِ اِنْ كَانَ مِمَّنْ یُرِیْدُہَا فَمَشَتْ بَیْنَ یَدَیْہِ
 فَجَعَلَتِ الرِّیۡحُ تَضْرِبُ ثَوْبَہَا فَتُکْشِفُ سَاقَہَا فَقَالَ لَهَا اِمْسِیْ خَلْفِیْ وَذَلِّیۡنِیْ عَلٰی الطَّرِیْقِ فَقَعَلَتْ اِلَی
 اَنْ جَاءَ اَبَاہَا وَهُوَ شَعِیۡبٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَعِنْدَہٗ عِشَآءُ قَالَ لَہٗ اِجْلِسِ فَتَعَسَّ قَالَ اَخَافُ اَنْ یَّکُوۡنَ عَوۡضًا
 مِنَّا سَقِیْتَ لَہُمَا وَاَنَا اَهْلٌ یَّتٰی لَا نَطْلُبُ عَلٰی عَمَلٍ خَیۡرٍ عَوۡضًا قَالَ لَا عَادَتِیْ وَعَادَۃُ اَبَائِیْ نَقْرٰی
 الضَّیِّفَ وَنُطْعِمُ الطَّعَامَ فَاکُلْ وَاخْبِرْہٗ بِحَالِہٖ قَالَ تَعَالٰی فَلَمَّا جَاءَہٗ وَقَصَّ عَلَیْہِ الْقَصَصَ ۙ مُضْطَرِ
 بِمَعْنٰی الْمَقْضُوۡصِ مِنْ قَتْلِہِ الْقَبِیۡطِیِّ وَقَضِیۡہِمۡ قَتْلَہٗ وَخَوْفِہٖ مِنْ فِرْعَوۡنَ قَالَ لَا تَخَفْ ۙ تَجَوَّتَ مِنْ
 الْقَوٰمِ الظَّالِمِیۡنَ ۝ اِذْ لَا سُلْطٰنَ لِّفِرْعَوۡنَ عَلٰی مَدَیۡنَ قَالَتْ اِحْدِیْہُمَا وَہِیَ الْمُرْسَلَةُ الْکُبْرِی
 اَوِ الضُّغَرٰی یَاۡبَتِ اسْتَاۡجِرْہٗ اَتَجِدْہٗ اَجِیۡرًا یَّرْعٰی غَنَمَنَا اِیۡ بِذٰلِکَ اِنْ خَیۡرَ مِّنْ اسْتَاۡجَرْتَ الْقَوٰی
 الْاَمِیۡنَ ۝ اِیۡ اسْتَاۡجِرْہٗ لِقُوَّتِہٖ وَامَانِیَہٖ فَسَالَهَا عَنْہُمَا فَاخْبَرَہٗ بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ رَّفِیْعِہٖ حَجَرَ الْبُرِّ وَ مِنْ قَوْلِہٖ
 لَهَا اِمْسِیْ خَلْفِیْ وَزِیَادَۃُ اَنَّہَا لَمَّا جَاءَہٗ وَ عَلِمَ بِہَا صَوۡبَ رَاسِہٖ فَلَمَّ یَرْفَعُہٗ فَرَغِبَ فِیۡ اِنۡکَاۡجِہٖ قَالَ اِیۡ
 اُرِیۡدُ اَنْ اُنۡکِحَکَ اِحۡدٰی ابْنَتَیۡ هٰتَئِیۡنِ وَہِیَ الْکُبْرِی اَوِ الضُّغَرٰی عَلٰی اَنْ تَاۡجُرِنِیۡ تَکُوۡنَ اَجِیۡرَ الٰہِ فِی
 رَعٰی غَنَمِیۡ ثَمٰنِیۡ حِجَجَ ۙ اِیۡ سَبِیۡنَ فَاِنْ اَتَمَمْتَ عَشْرًا اِیۡ رَعٰی عَشْرَ سَبِیۡنَ فَمِنْ عِنۡدِکَ ۙ الْتِمَامَ وَ
 مَا اُرِیۡدُ اَنْ اَشۡقٰی عَلَیۡکَ ۙ بِاشۡتِرَاطِ الْعَشْرِ سَتَجِدُنِیۡ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لِلنَّبَرِّکَ مِنَ الصَّالِحِیۡنَ ۝ الْوَاقِیۡنَ
 بِالْعٰہِدِ قَالَ مُوۡسٰی ذٰلِکَ الَّذِیۡ قُلْتَ بَیۡنَیۡ وَبَیۡنَکَ ۙ اَیۡمًا الْاَجَلِیۡنَ الثَّمَانِ اَوِ الْعَشْرِ وَمَا زِیَادَۃُ اِیۡ رَعٰیہٗ
 قَضِیۡتُ بِہٖ اِیۡ فَرَعُوۡتُ عَنْہٗ فَلَا عُدُوَانَ عَلٰی ۙ بِطَلَبِ الزِّیَادَۃِ عَلَیْہِ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ اَنَاۡتَ وَکَیۡلٌ ۝ ع
 حَفِیۡظٌ اَوْ شَہِیۡدٌ فَتَمَّ الْعَقْدُ بِذٰلِکَ وَامَرَ شَعِیۡبٌ اِبْنَتَہٗ اَنْ تُعْطِیَ مُوۡسٰی عَصًا یُدْفَعُ بِہَا السِّبَاعَ مِنْ غَنَمِہٖ
 وَكَانَتْ عِصٰی الْاَنْبِیَآءِ عِنْدَہٗ فَوَقَعَ فِیۡ یَدِہَا عَصَاۤ اٰدَمَ مِنْ اَبۡسِ الْجَنَّةِ فَآخَذَہَا مُوۡسٰی بِعِلۡمِ شَعِیۡبَ

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف توجہ کی تو یوں کہا (یہ شہر مصر سے ایک ہفتہ کی مسافت پر تھا، اس شہر کا نام مدین بن ابراہیم کے نام پر ہے۔ حضرت موسیٰ اس کا راستہ نہیں جانتے تھے) کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ چلا دے گا۔ چنانچہ ایک فرشتہ نے آپ کی رہنمائی شہر مدین کی طرف کی جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ بھی تھا) اور جب وہ مدین کے

پانی کے کنویں پر پہنچے تو اس پر ایک مجمع (بھیڑ) کو دیکھا لوگوں کے کہ (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور مردوں کے علاوہ (سوا) دو عورتوں کو دیکھا جو ایک طرف کو (پانی سے اپنے جانوروں کو) رد کے کھڑی ہیں (موسیٰ نے ان سے) پوچھا تمہارا مدعا کیا ہے (کیوں اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی ہو) دونوں بولیں ہم اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو نہیں ہٹاے جاتے (لفظ رماوا اسی کی جمع ہے بھیڑ کے ڈر سے ان کی واپسی تک ہم رکی رہتی ہیں پھر ہم پانی پلاتی ہیں اور ایک قراءت میں لفظ یصدو رباعی سے ہے یعنی تا وقتیکہ اپنے جانوروں کو کنویں سے نہ ہٹالیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں (جانوروں کو خود پانی نہیں پلا سکتے) پس ان لڑکیوں کا خیال کرتے ہوئے موسیٰ نے پانی پلا دیا (نزدیک کے دوسرے کنویں کا ایسا بڑا پتھر بٹا کر جس کو دس آدمی بھی ہلانہ سکیں) پھر ہٹ کر (مڑ کر) سایہ میں آ گئے (سخت گرمی کے مارے کیکر کے نیچے بھوک کی حالت میں) پھر دعا کی اے میرے پروردگار تو جو نعمت (کھا جا) بھی دے دے میں اس کا حاجت مند ہوں (محتاج ہوں۔ چنانچہ لڑکیاں واپسی کے معمول سے پہلے ہی جلد اپنے باپ کے پاس پہنچ گئیں۔ انہوں نے جلد آنے کی وجہ پوچھی لڑکیوں نے پانی پلانے والے کا حال سنایا۔ باپ نے ایک لڑکی سے کہا انہیں میرے پاس بلاؤ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر ان میں سے ایک لڑکی (موسیٰ کے پاس) آئی شرماتی ہوئی چلتی تھی (یعنی موسیٰ سے شرم کرتے ہوئے چہرہ پر آستین کا پلہ کر لیا) بولی کہ میرے والد آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ جو آپ نے ہماری خاطر ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دینے کیلئے (چنانچہ موسیٰ نے اسے منظور کر لیا۔ مگر دل میں طے کر لیا کہ اجرت نہیں لوں گا۔ حالانکہ لڑکی کا منشا یہ تھا کہ موسیٰ اگر چاہیں گے تو اس احسان کا بدلہ احسان کی صورت میں ہو جائے گا۔ غرضیکہ لڑکی موسیٰ کے آگے آگے چلی۔ مگر ہوا سے اس کی لٹکی کا پلہ ہٹ گیا جس سے اس کی ہنڈی کچھ کھل گئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً کہا کہ میرے پیچھے چلو اور راستہ بتلاتی رہنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا اور اس طرح اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ وہ رات کے دسترخوان پر تشریف فرما تھے انہوں نے کھانے پر حضرت موسیٰ کی تواضع فرمائی۔ موسیٰ نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ یہ ضیافت میرے پانی پلانے کی اجرت ہو جائے اور ہم اہلبیت کسی بھلائی پر اجرت کے خواہاں نہیں ہوا کرتے۔ فرمایا ایسا نہیں بلکہ ہماری اور ہمارے خاندان کی روایت مہمان نوازی اور کھانا کھانا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کھانے میں شریک ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگزشت سنا دی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر (موسیٰ) جب (حضرت شعیب کی) خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سب حالات بیان کئے۔ (قصص معذر ہے بمعنی مقصود یعنی قبطی کا مارا جانا اور فرعونوں کا آمادہ قتل ہو جانا اور فرعون سے خوف) فرمایا کہ کچھ اندیشہ مت کرو تم عالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ شہرہ بین فرعونوں کی حدود سلطنت سے باہر ہے) ان میں سے ایک لڑکی بولی (جسے بلانے کیلئے بھیجا تھا خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی) اے ابا جان انہیں آپ نوکر رکھ لیجئے (بکریوں کی دیکھ بھال پر ہماری بجائے انہیں مقرر کر لیجئے) کیونکہ اچھا نوکر وہی ہوتا ہے جو مضبوط اور امانتدار ہو (یعنی ان کی قوت و امانت کی وجہ سے انہیں کارندہ بنا لیجئے۔ والد نے لڑکی سے ان دونوں باتوں کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے ان سے وہی بیان کر دیا کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی کنویں کے ہماری پتھر کو تنہا ہٹا دینا اور لڑکی کو پیچھے چلنے کی ہدایت دینا۔ اور نیز یہ زائد بات بھی بتلائی کہ جب وہ ان کے سامنے گئی اور انہیں معلوم ہوا تو فوراً سر نیچے کر لیا اور پھر نہیں اٹھایا۔ یہ احوال سن کر حضرت شعیب کی ان سے شادی کرنے کی رغبت ہو گئی) کہنے لگے کہ

میں پابتا ہوں کہ ان دونوں (بڑی یا چھوٹی) ٹریکیوں میں سے ایک کو تمہارے مکان میں دے دوں۔ اس شرط پر کہ تم میری نوکری کرو (میری بکریاں چرانے کا کام کرو) آٹھ سال (بیس) پھر آٹھ سال پھر آٹھ سال پھر آٹھ سال (یعنی دس بکریاں چرائی) تو یہ تمہاری طرف سے (پورا کرنا) ہے اور میں تم پر کوئی مشقت (دس سال مدت کی شرط کر کے) لاؤں نہیں چاہتا۔ تم اللہ (یہ لفظ توبہ کا ہے) مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔ کہنے لگے (موتی) یہ بات (آپ نے جو فرمائی ہے) میرے لیے آپ کے درمیان ہو چکی ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی (آٹھ سال یا دس سال) قطع ہو جائے گا تو مکہ ہے۔ جتنی اس مدت میں چرائی (پوری کر دوں) (اسے مکمل کر دوں) مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا (اور نہ یہ دوفرما کر کے) اور ہم (میں اور آپ) جو پست کر رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے (مگر اس یا شاید ہے۔ اس جملہ سے معاملہ ختم ہو گیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے عاجزادی سے فرمایا کہ انہیں لائچی لا دو جس کے ذریعہ دونوں سے بکریوں کی حواصت کریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء کی بہت سی لائچیاں تھیں۔ جن میں سے ٹرکی کے ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کی۔ ٹیچی آئی جو جنتی راگوان کی تھی۔ حضرت موتی نے اس لائچی کو حضرت شعیب علیہ السلام کے علم میں آنے کے بعد قبول کر لیا)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: يَمْدَنُ إِلَيْنَا أَمِيمٌ: یہ آپ کے بیٹے کے نام پر شہر تھا۔

قوله: نَصَدَ الطَّرِيقَ: یہاں تین راستے تھے۔

قوله: غَزْرَةٌ: چھوٹا نیزہ۔

قوله: عَلَيْهِ أَقْنَةٌ: کنوئیں کے کنارہ کے پاس۔

قوله: بہت بڑی جماعت لہو کو کھروا اظہار کثرت کے لئے لائے۔

قوله: مِنْ بَقَرٍ أُخْرَى: دوسرے کنوئیں سے پانی پلا دیا۔

قوله: زَنَعَ خَجَرًا عَثْنًا: کنوئیں سے اکیلے نے پتھر بٹا دیا یا جو دیکھو دھکے ہانڈے اور بھوک سے نہ حاشی تھے۔

قوله: فَتَيَّرَ: سائل اسی وجہ لاف سے متحدي کیا گیا تھا۔

قوله: قَالَ لَا عَادَتِي: پانی پلانے کا میں بدل نہیں کیا کرتا۔

قوله: بَائِي: احسان کرنے والے کو ہدیہ پیش کرو۔

قوله: قَالَ إِنِّي: یہ استدعا عقد تو ہے نہ کہ عقد۔

قوله: أَنْ أَكْبَلَكَ إِحْدَى: شاید کہ انہوں نے عقد کو مقرر مدت پر پورا کر دیا۔

قوله: فَبَغَى زُعْيَى غَنَمِي: ہر ایک تمہانہ کہ بکر بول کا چراتا۔

قوله: أَنْ أَشُقَى عَلَيْكَ: یہ مشقت سے نکلا ہے پھاڑنا چرنا گرائی میں ڈالنا۔

قوله: جَعِي: جمع عصا۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا وہاں دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانا پھر ان میں سے ایک لڑکی سے شادی ہونا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک شخص نے رائے دی کہ دربار والے تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ تو وہ سرزمین مصر سے روانہ ہو گئے اور مدین کی طرف چل دیے جو ملک شام کا ایک شہر ہے۔ یہ علاقہ فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا۔ اور وہ زمانہ پاسپورٹ اور ویزے کا بھی نہیں تھا جو شخص جس ملک میں اور جس شہر میں چاہتا جاسکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا رخ کیا وہاں کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے راستہ معلوم نہیں تھا اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ کر نکل کھڑے ہوئے اور یوں کہا کہ: (عَسَى رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ) (امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ بتا دے گا) موسیٰ علیہ السلام تنہا تھے کوئی رہبر نہ تھا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور اللہ کی مدد سے سیدھی راہ پر چل کر مدین پہنچنے کی امید باندھ کر روانہ ہو گئے بالآخر صحیح سلامت مدین پہنچ گئے۔ پہنچ تو گئے لیکن وہاں کبھی نہ جانا ہوا تھا نہ کسی سے شناسائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی ظاہری اور مجازی مدد سامنے نہ تھی جب مدین پہنچے تو ایک کنوئیں پر گزر رہا وہاں دیکھا کہ ایک بڑی جماعت ہے بھیڑ بھاڑ ہے بکریاں چرانے والے اپنی بکریاں لے کر آئے ہیں۔ اور انہیں پانی پلا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریاں لیے کھڑی ہیں وہ اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں تاکہ دوسروں کی بکریوں میں رمل نہ جائیں اور دوسروں کا کھینچا ہوا پانی نہ پی لیں ورنہ پانی کھینچنے والے بکریوں کو مار بھگائیں گے جو ان کی اپنی نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے، الگ کھڑے ہونے کا مقصد کیا ہے ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جو پانی پلا رہے ہیں، مرد ہیں ہم ان کے ساتھ ساتھ کنوئیں میں ذول ذال کر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتے، لہذا ہم یہ کرتے ہیں کہ جب چرواہے اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔ ایک تو عورت ذات مردوں کی بھیڑ میں ذول نہیں کھینچ سکتی، دوسرے مردوں کے اختلاط سے بھی بچنا ہے چونکہ یہ ایک اشکال ہوتا تھا کہ بکریوں کو پانی پلانا تم دونوں کے ذمہ کیوں پڑا؟ کیا تمہارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اس لیے اس کا جواب بھی انہوں نے دے دیا (وَأَبُو نَاسٍ كَهْزُ) کہہ کر بتا دیا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، وہ پانی پلانے کے لیے نہیں آ سکتے اور اتنا کہنے کے بعد جو خاموشی اختیار کر لی اسی خاموشی میں یہ بھی بتا دیا کہ نہ ہمارے شوہر ہیں اور نہ بھائی ہیں۔

لڑکیوں نے اپنی مجبوری بھی فوراً بیان کر دی کہ کسی کے دل میں کوئی غلط خیال نہ پیدا ہو جائے کہ بدظنی سے بچنا اور بچانا بھی اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک مطلوب و محبوب امر ہے۔ سو اس سے اس اہم فطری امر کا بھی اظہار اور اس کی تاکید ہوتی ہے کہ عورتوں اور مردوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔ اور عورتوں کو اگر باہر اور مردوں کے دائرہ میں کام کرنا بھی پڑے تو مردوں کے شانہ بشانہ نہیں بلکہ ان سے الگ اور مردوں کے اختلاط سے بچ کر کرنا چاہیے۔ لہذا وہ بات غلط ہے جو ہمارے بعض خود ساختہ لیڈروں کی طرف سے کہی جاتی رہتی ہے کہ مردوں اور عورتوں کو ترقی کی اس دوڑ میں شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے کہ ایسا

نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہونا چاہیے کہ یہ عقل و فطرت کے بھی خلاف ہے اور دین ضیف کی تعلیمات مقدسہ سے بھی متصادم۔ اور مرد اور عورت دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان قائم حدود فطرت کو مثلاً فطرت کے خلاف جنگ اور لعنت کا کام ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آ گیا اور جلدی سے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پانی پلانے کے بعد کنوئیں سے ہٹ کر سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر عرض کیا: رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَبِیْرٍ قَبِیْذٌ (اے میرے رب جو خیر آپ میرے لیے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔) حضرت انبیائے کرام اور مومنین صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل میں اور ہر بے بسی میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

لفظ مِنْ خَبِیْرٍ میں جو کمرہ ہے اس کے عموم میں سب کچھ آ گیا ہے۔ بھوک دور کرنے کا انتظام بھی، تھمہ غذا بھی اور امن و امان بھی، نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی، مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہو کر مدین پہنچے، پورے سفر میں بزیوں کے پتے کھاتے رہے بھوک کی وجہ سے پیٹ کمر سے لگ گیا تھا بھوک کے بھی تھے، دبلا پن بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے جو خیر کا سوال کیا اس میں خاص طور سے کھانے والی چیز کا سوال بھی تھا۔

دونوں عورتیں آج اپنی بکریوں کو لے کر خلاف عادت جلدی گھر پہنچیں تو ان کے والد نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آج تم جلدی آ گئیں، انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا ہے اور ساتھ ہی اس شخص کی اچھی صفات بھی بیان کر دیں۔ ان دونوں عورتوں کے والد نے کہا کہ اچھا جاؤ اس شخص کو بلا لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت آئی جو شرماتی ہوئی چل رہی تھی۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے چہرہ پر کپڑا ڈال رکھا تھا اس نے کہا کہ یقین جانئے کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ کو پانی پلانے کا صلہ دیں۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن انہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ شرماتی ہوئی آ رہی ہے اور خود بھی شرمیلے تھے اور حیا و شرم تمام نبیوں کا شعار تھا لہذا اس عورت سے کہا کہ تو میرے پیچھے پیچھے چل اور مجھے راستہ بتاتی رہنا۔ دائیں بائیں جدھر کو مڑنا ہو بتا دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ پردہ دار عورت کے پیچھے چلیں جو اچھی طرح کپڑوں کو ڈھاکی ہوتی تھی۔ اس طرح چلتے ہوئے اس لڑکی کے والد کے پاس پہنچے۔ جب ان کے پاس پہنچ گئے تو اپنا واقعہ بتایا۔ انہوں نے قصہ سن کر تسلی دی اور کہا کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں جن لوگوں نے آپ کے قتل کا مشورہ کیا ہے ان کی دسترس سے نکل چکے ہیں اس ملک میں ان لوگوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک عورت نے کہا ابا جان اس شخص کو آپ ملازمت پر رکھ لیجیے۔ یہ بکریاں بھی چرا لیں گے اور دوسری خدمت بھی انجام دیں گے۔ میرے نزدیک یہ شخص قوی بھی ہے امین بھی ہے اور ملازم رکھنے کے لیے وہی شخص بہتر ہے جو قوی ہو اور امین بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوی ہونا ان کی بھری ہوئی جوانی سے ظاہر تھا اور پانی پلاتے وقت جو ان کا عمل دیکھا تھا اس سے بھی ان کی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ان دونوں عورتوں نے یوں کہا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتے جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے

دریافت فرمایا، کیا اس کنوئیں کے علاوہ کہیں اور بھی پانی ہے؟ اس پر ان دونوں عورتوں نے کہا کہ ہاں قریب میں ایک کنواں اور ہے اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے اسے چند آدمی بھی مل کر نہیں اٹھا سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ وہ کہاں ہے وہ دونوں انہیں اس کنوئیں پر لے گئیں حضرت موسیٰ نے ایک ہی ہاتھ سے اس پتھر کو ہٹا دیا پھر ان کی بکریوں کو پانی پلا کر پتھر کو اسی طرح کنوئیں کے منہ پر رکھ دیا جس طرح پہلے رکھا تھا۔ (روح المعانی ص ۶۳: ج ۲) اور موسیٰ علیہ السلام کا امین ہونا اس سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے اپنی نظر تک کو خیاالت سے بچایا اور یہاں تک احتیاط کی کہ عورت کو اپنے پیچھے چلنے کے لیے فرمایا اور خود آگے آگے چلے۔ شیخ مدین نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے تمہارے ساتھ ایک کا نکاح کر دوں، بشرطیکہ تم میرے پاس بطور اجیر آٹھ سال کام کرو۔ میری طرف سے تو آٹھ سال ہی کا مطالبہ رہے گا اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے بطور تفضل اور مہربانی کے ہوگا یعنی تمہاری طرف سے ایک احسان ہوگا۔ میں تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا، نہ دس سال پورے کرنے کے لیے کہوں گا اور نہ کاموں میں دارو گیر کروں گا۔

(قال فی الروح بالزام اتمام العشر والمناقشة فی مراعاة الاوقات واستيفاء الاعمال) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (کہ انشاء اللہ تم مجھے اچھے لوگوں میں پاؤ گے) حسن معاملہ اور برتاؤ میں نرمی اور وقار عہد میں تم مجھے اچھا پاؤ گے اور میری طرف سے کوئی دکھ تکلیف اور کدورت والی کوئی بات محسوس نہ کرو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیخ مدین کی پیش کش پسند آگئی اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کی تھی اس کی قبولیت سامنے آگئی، نکاح کا بھی انتظام ہو گیا اور کھانے پینے کا بھی نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی مل گیا، لہذا شیخ مدین کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے یہ میرا اور آپ کا معاملہ اور معاہدہ ہو گیا، آپ بھی اپنی بات پر قائم رہیں اور میں بھی اس معاملے کے مطابق عمل کرتا رہوں گا جو آپ نے آٹھ یا دس سال کے لیے مجھ سے خدمت لینے کا معاملہ کیا۔ دونوں مدتوں میں جو بھی پورا کر لوں، مجھے اختیار ہے اگر آٹھ سال کے بعد میں نے کام چھوڑ دیا تو آپ کی طرف سے مجھ پر زیادہ تکلیف دینے کے لیے زیادتی نہ ہوگی۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا کہ (وَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُولُ وَكِيلٌ) (اللہ اس پر وکیل ہے جو ہم کہہ رہے ہیں) وکیل کا ترجمہ کسی نے نگران کا کیا ہے کسی نے گواہ کا کیا ہے اور کسی نے معنی معرف کا برد لیا ہے۔ (وَهُوَ الَّذِي وُجِّلَ اِلَيْهِ الْاَمْرُ) یہ سارے معانی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ وکیل بمعنی گواہ مراد لینے سے یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے جو کچھ آپس میں معاہدہ و معاملہ کیا ہے ہم اس بارے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کسی بھی فریق کو اپنے عہد کی مخالفت کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ حضرت عتبہ بن ندرؓ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ آپ نے سورۃ طسم پڑھی۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے قہقہے تک پہنچ گئے (اور) فرمایا بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کو پاک رکھنے کی اور اپنے پیٹ کی روزی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال مزدوری کے حکام میں لگا دیا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ ص ۱۶۷) مفسر ابن کثیرؒ نے متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے دس سال شیخ مدین کے پاس گزارے اور ان کی بکریاں چرائیں۔ (ابن کثیر ص ۳۸۶: ج ۲)

شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہؓ حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور علی کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس پر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے میری بیٹی! صبر کر! کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس

صرف ایک عبا تھی (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے) اگر یہ روایت صحیح السند ہو تو پھر دس سال پورے کرنا متعین ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حضرت عتبہ بن ندرؓ کی روایت میں جو دس یا آٹھ سال کے الفاظ شک کے ساتھ ہیں اس شک کو راوی کے شک پر محمول کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں چند قیراط کے عوض میں نے بھی اہل کی بکریاں چرائی ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۱)

مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک قیراط ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بکری ضعیف جنس ہے ادھر ادھر بھاگ جاتی ہے اسے مارا جائے تو ٹانگ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہذا بکری چرانے والے کو شفقت اور مہر سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ حضرات انبیاء کرامؑ نے پہلے بکریاں چرائیں، مزاج میں صبر اور تحمل کی شان پیدا ہوئی پھر ان کو نبیوں عطا کی گئیں تاکہ مخالفین سے پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کر سکیں اور تحمل اور برداشت سے کام لیں۔

فوائد..... سنائدہ اولیٰ: قرآن مجید میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ ان دونوں عورتوں کے والد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی معاوضہ دیا یا کھانا کھلایا البتہ روح المعانی (ص ۶۰ ج ۲) میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو شیخ رات کے کھانے کے لیے بیٹھے تھے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ میرے پانی پلانے کا عوض بھی نہیں دے سکتے جس سے پوری زمین بھر جائے، شیخ نے کہا کہ یہ اجرت نہیں ہے۔ میرے اور میرے باپ دادوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔

صحیح بخاری ص ۳۲۹ میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ دونوں میں جو اکثر اور اطیب تھی وہی پوری کی (یعنی دس سال شیخ مدین کی خدمت میں رہے) اللہ کے رسولوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ولفظہ قضی اکثرہما واطیبہما ان رسول اللہ اذا قال فعل (باب من امر بانجاز الوعد) (اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور بہتر مدت کو پورا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو کر کے دکھاتا ہے)۔

سنائدہ ثانیہ: یہ شیخ مدین کون تھے جن کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے گزر چکے تھے ان لوگوں کا استدلال سورۃ ہود کی آیت: (وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْکُمْ بِبَٰعِیْنٍ) سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لوط کی قوم زمانے کے اعتبار سے تم سے دور نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کا فاصل تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام کیسے ہو سکتے ہیں؟

بعض لوگوں نے اس اشکال کو یوں رفع کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر اتنی زیادہ دراز ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا زمانہ پایا۔ لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے حضرت ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ جو صاحب موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے ان کا نام اثرودن تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور بعض حضرات نے ان کا نام ہارون اور بعض حضرات نے مروان اور بعض حضرات نے عاویہ بتایا ہے اور ان سب کو حضرت شعیب علیہ السلام کا بھتیجا ظاہر کیا ہے۔ مفسر ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جس صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور اجیر اپنے یہاں رکھا تھا ان کا نام میثرب تھا۔ اس بارے میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔ صاحب روح المعانی اور علامہ قرطبیؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام ہی تھے، لیکن مفسر ابن کثیرؒ نے ابن جریرؒ سے نقل کیا ہے کہ: (اِنَّ هَذَا لَا يَدْرُكُ اِلَّا بِخَبَرٍ وَلَا خَبَرٌ تَجِبُ بِهِ الْحُجَّةُ فِيْ ذٰلِكَ) یعنی کسی حدیث کے بغیر اس کے بارے میں صحیح بات نہیں کہی جاسکتی اور اس بارے میں کوئی ایسی روایت سامنے نہیں ہے جس سے حجت قائم ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ ثالثہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیخ مدین نے یوں کہا کہ میں آپ کو اپنے یہاں کام پر ملازم رکھنا چاہتا ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا تکلف اسے منظور فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اپنی ضرورت اور حاجت کے لیے مزدوری کرنا کوئی عار اور عیب نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں نے بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ (کما مر فی الحدیث) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کچھ بڑھ لکھ لیتے ہیں یا اپنے آپ کو کسی اونچے خاندان کا فرد سمجھتے ہیں تو ملازمت و مزدوری کرنے کو عار سمجھتے ہیں۔ بھوکے رہتے ہیں۔ حاجتیں رکی رہتی ہیں۔ لیکن مزدوری کرنے سے بچتے ہیں اور اس میں اپنی حقارت سمجھتے ہیں۔ قرضوں پر قرضے لیے چلے جاتے ہیں جبکہ ادائیگی کا بظاہر انتظام بھی نہیں ہوتا لیکن محنت مزدوری کر کے کسب حلال کی طرف نہیں بڑھتے۔ یہ صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔

مسئلہ رابعہ: شیخ مدین کی ایک لڑکی نے جو کہا کہ اے ابا جان اس شخص کو اپنے یہاں اجرت پر رکھ لیجیے اور ساتھ یوں بھی کہا: اِنَّ خَيْرَ مِمَّنْ اسْتَاَجَرْتِ الْقَيُّوْمِيَّ الْاَمِيْنُ ۝ (کہ جسے آپ مزدوری پر رکھیں ان میں بہتر آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو امین بھی ہو) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف تو ہے ہی کہ یہ شخص قوت والا ہے اور امانتدار ہے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ اپنے کام کے لیے ایسے شخص کو مزدور رکھا جائے جو اس کام کو کر سکتا ہو جس کے لیے ملازم رکھا جا رہا ہے اور ہر عمل کی قوت علیحدہ ہوتی ہے کسی کو پڑھانے کی قوت و صلاحیت ہوتی ہے۔ جس کسی کو محاسب رکھا جائے وہ حساب دان ہونا چاہیے۔ جس کسی سے عمارت بنوائے، وہ اس کا اہل ہونا چاہیے۔ خواہ معمار ہو خواہ سینٹ بنانے والا ہو خواہ اینٹیں اٹھا کر دیئے والا ہو لفظ قوی، جسمانی، قلبی، دماغی سب قوتوں کو شامل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جسے کسی کام پر رکھا جائے وہ امانتدار بھی ہونا چاہیے اس میں ہر قسم کی امانت داخل ہے۔ مال میں بھی خیانت نہ کرے، وقت بھی پورا دے اور جس کے یہاں کام پر لگے اس کے اہل و عیال کے بارے میں بھی بد نفسی سے بد نظری کے خیال سے پاک اور صاف رہے۔ آج کل لوگوں میں خیانت بہت ہے جب کوئی شخص مزدوروں کو کام پر لاتا ہے تو جب تک سامنے رہتا ہے اچھی طرح لگ کر کام کرتے ہیں اور جہاں وہ نظروں سے اوجھل ہو باتیں بنانے لگے۔ عموماً دفتر میں کام کرنے والے اور اس کو لوگوں میں پڑھانے والے تنخواہ پوری لے لیتے

ہیں اور کام آدھا تہائی کرتے ہیں۔ آپس میں مل کر نمبر وار ایک شخص پورے مہینہ غیر حاضری کرتا ہے اور رجسٹر حاضری میں برابر لکھی جاتی ہے یہ سب خیانت ہے۔ جن لوگوں کو حکومت کے حکموں میں یا دوسرے اداروں میں ملازم رکھنے کا اختیار دیا گیا ہو ان لوگوں پر لازم ہے کہ جسے ملازم رکھیں اس کی صلاحیت بھی دیکھیں اور امانت دار ہونے کا بھی پتہ چلائیں محض ڈگریاں دیکھنے پر اکتفا نہ کریں اور نہ رشوت لے کر کسی کو ملازم رکھیں اور نہ قربت داری کو ملازم رکھنے کا سبب بنائیں۔

فائدہ حنا مسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں تم سے اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب لڑکی نکاح کے قابل ہو جائے اور اس کے مناسب حال رشتہ مل جائے تو اس میں دیر نہ لگائے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں جس میں دیر نہ لگائی جائے۔

(۱) نماز (جب اس کا وقت ہو جائے)

(۲) جنازہ (اس کی نماز اور تدفین) جب حاضر ہو جائے۔

(۳) بے شوہر والی عورت (جب تو) اس کے لیے کفو پالے۔ (رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے راضی ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہو جائے گا اور (لسبا) چڑانسا ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ مدین کے عمل سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص سے یہ کہنا کہ میں تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں، کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ آج کل جو لوگوں میں یہ طریقہ ہے کہ لڑکیوں کے لیے خود رشتہ نہیں ڈھونڈتے، پیغام آنے کے انتظار میں رہتے ہیں اگرچہ اچھا رشتہ سامنے آ جائے تو اپنی زبان سے بات چلانے کو عیب سمجھتے ہیں۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی کا نکاح ہوتا ہے تو باپ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ اور مجلس عقد میں حاضر ہوتا ہے تو خود ایجاب و قبول کرنے کو آبرو کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ ان کے شوہر کے شہید ہو جانے کی وجہ سے بیوہ ہو گئیں تو عدت گزر جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ میری بیٹی کو نکاح میں قبول کر لیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ انہی دنوں حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کی وفات ہو گئی تھی لہذا حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ میری بیٹی کو اپنے نکاح میں قبول کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان دنوں نکاح کرنے کا خیال نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے یہ بات بطور شکایت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کر دی تو آپؐ نے فرمایا کہ حفصہؓ سے وہ شخص نکاح کرے گا جو عثمانؓ سے بہتر ہے اور عثمانؓ کے نکاح میں ایسی بیوی آ جائے گی جو حفصہؓ سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے خود نکاح فرما لیا اور حضرت عثمانؓ سے اپنی صاحبزادی کلثومؓ کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ دیکھو اپنے دل میں ناراض نہ ہونا رسول اللہؐ نے میرے سامنے تذکرہ فرمایا تھا کہ میں حفصہؓ سے نکاح کر لوں گا لہذا مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ رسول اللہؐ کا راز افشا کروں اگر آپؐ حفصہؓ سے نکاح کرنے کا خیال چھوڑ دیتے تو میں نکاح کر لیتا۔ (راجع الاستیعاب والاصابہ ذکر حفصہ و رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہن)

فائدہ سادہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا کہ میں ان دو لڑکیوں میں اس شرط پر تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ آٹھ سال میرے پاس ملازمت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر میں کوئی دینار و درہم روپیہ و پیسہ اور کوئی مالیت کی چیز دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا خدمت کرنا بھی مہر بن سکتا ہے۔ البتہ فقہاء حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ کوئی آزاد شخص (جو غلام نہ ہو) اپنی بیوی کی خدمت کرنے کو مہر بنا کر نکاح کر لے تو اسے مہر مثل ملے گا۔ نکاح تو ہو جائے گا لیکن شوہر اس کی خدمت نہ کرے گا کیونکہ یہ قلب موضوع ہے کہ شوہر بیوی کا خادم بن جائے اور شیخ مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ سے جو شوافع نے جواز پر استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس شرط پر نکاح کرنے کا ذکر ہے کہ تم آٹھ سال میرے ہاں اجرت پر کام کرو وہاں مہر کا ذکر ہی نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ ان کی شریعت میں مہر ضروری تھا پھر یہ بات بھی ہے کہ بکریاں بیوی کے باپ کی تھیں اور انہیں کی خدمت کا وعدہ تھا اسی لیے ان تاجر ہائیں فرمایا۔ قال ابن الہمام فی فتح القدیر ص ۲۲۴ ج ۳ و کون الا وجه الصحة لقصص اللہ سبحانہ قصۃ شعیب و موسیٰ علیہما السلام من غیر بیان نفیہ فی شرعنا انما یلزم لو کانت الغنم ملک البنت دون شعیب و هو منتف۔ (امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں حضرت شعیب و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو ہماری شریعت میں نفی کے بغیر بیان کرنا آزاد آدمی کی خدمت کو بیوی کے حق مہر مقرر کرنے کے جائز ہونے کی دلیل تب ہوتا جب بکریاں ان کی بیٹی کی ملکیت ہوتیں نہ کہ حضرت شعیب کی جبکہ یہ بات ہے نہیں کہ بکریاں بیٹی کی تھیں) شوہر اگر بیوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی خدمت کر دے مگر چہ مہری کے طور پر تو حنفیہ اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ جب باپ کی خدمت کر دی تو بیٹی کو کیا ملا اور اس کا مہر اس طرح ادا ہوا تو اس کی ادائیگی اس کے ذمہ آتی ہے جس نے محنت مزدوری پر رکھا اور کام لیا۔ اب تو باپ کے ذمہ ہوگا کہ حق الخدمت کا عوض اپنی بیٹی کے حوالے کر دے بیٹی کو بھی اختیار ہے کہ پہلے ہی سے معاف کر دے یا باپ دینے لگے تو وصول نہ کرے۔

فائدہ سابع: شیخ مدین نے جو یوں کہا تھا کہ میں تم سے ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت انہوں نے بیٹی کی تعیین نہیں کی تھی اگر کوئی شخص اس پر یہ اشکال کرے کہ بغیر تعیین کے نکاح کیسے صحیح ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت شیخ مدین نے آٹھ سال ملازمت کرنے کی شرط پر نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا نکاح نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے معاہدہ کر لیا۔ بعد باقاعدہ نکاح کر دیا گیا۔ اس وقت منکوحہ کی بھی تعیین ہو گئی۔ قال القرطبی ح ۲۷۲ ج ۷ یدل علی انہ لا عقد لانہ لو کان عقد العین المعقود علیہا لہ۔ (امام قرطبی فرماتے ہیں آیت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شیخ مدین نے ارادہ ظاہر کیا تھا ان مذکورہ الفاظ سے عقد نکاح نہیں کیا اگر اسی بات میں نکاح بھی مقصود ہوتا تو جس کا نکاح ہو رہا تھا اس کی تعیین بھی فرمادیتے۔)

فائدہ ثامن: آیت کریمہ میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ شیخ مدین نے اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت لی تھی۔ حضرات شوافع کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی کا نکاح اس کا والد اس سے دریافت کیے بغیر کر سکتا ہے لیکن اس پر آیت کریمہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح بشرط ملازمت کرنے کا ذکر ہے۔ جب آپس میں معاہدہ ہو گیا تب نکاح ہوا اس میں لڑکی سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں بعض روایات حدیث سے شوافع کا استدلال ہو سکتا ہے جو متکلم فیہا ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی سے ولی کا اجازت لینا ضروری ہے اگر

لڑکی کنواری ہے تو اجازت کے وقت اس کا چپ ہو جانا کافی ہے۔ یعنی خاموشی اجازت میں شمار ہے اور جو عورت بیوہ یا مطلقہ ہو اس کا ولی اس سے نکاح کی اجازت طلب کرے تو جب تک وہ زبان سے اجازت نہ دے اس وقت تک اجازت نہیں مانی جائے گی۔ نیز قرآن مجید کی آیت: (وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ) سے بھی یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بالغ عورت اپنا نکاح خود کرے تو کر سکتی ہے، البتہ جب عورت کا نکاح خیر خواہ ولی موجود ہو تو عورت آگے نہ بڑھے اور نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد رکھے۔ احادیث کے مراجعہ کے لیے مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰ کا مراجعہ کیا جائے۔

مسئلہ ہفتم: شیخ مدین نے یہ جو فرمایا کہ: وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ اِس میں یہ بتا دیا کہ تمہارے ذمہ جو کام لگایا جائے گا تمہارے ذمہ بس وہی ہوگا، اور میں تم پر سختی نہ کروں گا۔ معاہدہ اور طے شدہ معاملہ سے زیادہ کام نہ لوں گا پھر سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ بھی فرمایا اس میں یہ بھی بتا دیا کہ تم مجھے حسن معاملہ میں اور نرم برتاؤ میں اور عہد کے پورا کرنے میں اچھا پایاؤ گے معلوم ہوا کہ مزدور اور ملازم پوری طرح محنت سے مفوضہ ائمال پورا کرنے کی کوشش کرے اور جو شخص ملازم رکھے وہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اس کا حق واجب ادا کرے اس کی ادائیگی میں دیر نہ لگائے اور ملازم سے کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس سے درگزر کرے اگر کسی بات پر مواخذہ کرنا ہو تو اس کا اندازہ بھی مناسب رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو (رواہ ابن ماجہ ص ۱۷۶) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کے خلاف مدعی بنوں گا۔

(۱) وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔

(۲) جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھا لیا۔

(۳) جس شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے اپنا کام لے لیا اور اسے اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری)

مسئلہ ہشتم: شیخ مدین کی جن دونوں بیٹیوں کا ذکر ہے بعض مفسرین نے ان کے نام بھی لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بڑی تھی ایک چھوٹی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفورا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ صفورا چھوٹی تھی اور وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اور اسی سے ان کا نکاح ہوا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بڑی لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں دی گئی تھی۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ أَيَّرَهُ فِيهِ وَهُوَ ثَمَانٍ أَوْ عَشْرُ سِنِينَ وَهُوَ الْمَطْلُوعُ بِهِ وَسَارَ بِأَهْلِهِ زَوْجَتَهُ بِأَذْنِ أَبِيهَا نَحْوِ مِصْرَ أُنْسٍ أَبْصَرَ مِنْ بَعِيدٍ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ إِسْمَ جَبَلٍ نَارًا ۖ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا هِنَا إِنِّي أَنَا نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ عَنِ الطَّرِيقِ وَكَانَ قَدْ أَخْطَأَهَا أَوْ جَدَّوَقَ بِثَلَاثِ الْجِمْ قِطْعَةٍ أَوْ شِعْلَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝ تَسْتَفْتُونَ وَالطَّاءُ بَدَلٌ مِنْ ثَاءٍ الْإِفْتَعَالِ مِنْ صَلَّىٰ بِالنَّارِ بِكُسْرِ اللَّامِ وَشَجَّهَا فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ جَانِبِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ لِمُوسَىٰ فِي الْمَقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ لِمُوسَىٰ

لِسَمَاعِهِ كَلَامَ اللَّهِ فِيهَا مِنَ الشَّجَرَةِ بَدَلٌ مِنْ شَاطِئِهِ بِإِعَادَةِ الْجَارِ لِنَبَاتِهَا فِيهِ وَهِيَ شَجَرَةُ عَنَابٍ أَوْ
 عُلَيْقٍ أَوْ عَوْسَجٍ أَنْ مُفْسِرَةً لَا مُخَفِّفَةَ يُؤْتِي إِيَّيَ أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ٥ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ
 فَالْقَامَا فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ تَحْزُكٌ كَانَتْهَا جَانٌّ وَهِيَ الْحَيَّةُ الصَّغِيرَةُ مِنْ شُرْعَةٍ حَزَّ كَتَبَهَا وَلَى مُدْبِرًا
 هَارِبًا مِنْهَا وَلَمْ يَعْقُبْ ٥ أَيْ يَرْجِعُ فَنُودِيَ يُؤْتِي أَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ ٥ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ٥ أَسْأَلُكَ
 أَذْخَلَ يَدَاكَ الْيُمْنَى بِمَعْنَى الْكُفِّ فِي جَيْبِكَ هُوَ طَوْقُ الْقَمِيصِ وَآخِرُ جُهَا تَخْرُجُ خِلَافَ مَا كَانَتْ
 عَلَيْهِ مِنَ الْأُذْمَةِ بِيَضَاءٍ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ أَيْ يَرِصُ فَادْخَلَهَا وَآخِرُ جُهَا تَضِيءُ كَشَعَاعِ الشَّمْسِ تَنْتَفِي
 الْبَصَرُ وَاضْمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ بِفَتْحِ الْخَرَفَيْنِ وَسُكُونِ الثَّانِي مَعَ فَتْحِ الْأَوَّلِ وَضَمِّهِ أَيْ
 الْخَوْفِ الْخَاصِلِ مِنْ أَضَائَةِ الْيَدِ بَانَ تَدْخُلَهَا فِي جَيْبِكَ فَتَعُودُ إِلَى خَالَتِهَا الْأُولَى وَغَبَرَ عَنْهَا بِالْجَنَاحِ
 لِأَنَّهَا لِلْإِنْسَانِ كَالْجَنَاحِ لَطَائِرٍ فَذَلِكَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ أَيْ الْعَصَا وَالْيَدُ وَهُمَا مُؤْتَنَانِ وَأَتَمَّ ذِكْرَ
 الْمَشَارَبِ إِلَيْهِمَا الْمُبْتَدَأُ لِتَذْكِيرِ خَبَرِهِ بَرَهَانٍ مُرْسَلٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ٥ إِنَّهُمْ كَانُوا
 قَوْمًا فَاسِقِينَ ٥ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا هُوَ الْقَبِيضِيُّ الشَّابِيُّ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ٥ وَ
 أَخِي هَارُونَ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا آيُنْ فَأَرْسَلَهُ مَعِيَ رِدْءًا مُعِينًا وَفِي قِرَاءَةِ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلا هَمْزَةٍ
 يُصَدِّقُنِي بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِي قِرَاءَةِ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلا هَمْزَةٍ يُصَدِّقُنِي بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِي
 قِرَاءَةِ بِالرَّفْعِ وَجُمْلَتُهُ صِفَةٌ رَدِي إِيَّيْ أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ٥ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ
 وَنَجْعَلُ لَكَ سُلْطَانًا غَلِيظًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ٥ بِشَوِّهِ إِذْهَبَا بِأَيَّتِنَا أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا
 الْغَالِبُونَ ٥ لَهُمْ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَى بِآيَتِنَا بَيِّنَاتٍ وَاصْحَابَ خَالٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُفْتَرًى
 مُخْتَلَقٌ وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا كَانًا فِي آيَامِ فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ٥ وَقَالَ بَوَارُ وَبَدُونَهَا مُوسَى رَبِّي أَعْلَمُ أَيْ
 عَالِمٌ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَى مِنْ عِنْدِهِ الضَّمِيرُ لِلرَّبِّ وَمَنْ عَطَفَ عَلَى مَنْ تَكُونُ بِالْمُقَوَّاتِيَةِ وَالتَّخَنُّاتِيَةِ
 لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ٥ أَيْ الْعَاقِبَةُ الْمُحْمُودَةُ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ أَيْ وَهُوَ أَنَا فِي الشَّقِيِّينَ فَإِنَّا مُجْتَمِعِينَ جُمُوعًا
 بِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ٥ الْكَافِرُونَ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي ٥

فَأَوْقَدْ لِي يَهَامُنُ عَلَى الظُّلُمِ فَاطْبِخْ لِي الْأَجْرَ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا قَصْرًا عَلَيْنَا لَعَلِّي أَطْلُعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَى أَنْظِرْ إِلَيْهِ وَاقِفٌ عَلَيْهِ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٥٠﴾ فَبَدَّعْنَاهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمُ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿٥١﴾ بِالْبَنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ فَآخَذْنَاهُ وَجُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ طَرْحَانَهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ الْبَحْرِ الْمَالِحِ فَعَرَفُوا أَنَّهُمْ قَدْ أَظْهَرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ حِينَ صَارُوا إِلَى الْهَلَاكِ وَجَعَلْنَاهُمْ فِي الدُّنْيَا آيَةً ۖ لِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ بِنَائِ رُؤْسَائِي فِي الشِّرْكِ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ يَدْعَائِهِمْ إِلَى الشِّرْكِ وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يَنْصُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنْهُمْ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ خِزْيًا وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿٥٤﴾

الْمُبْعِدِينَ

ترجمہ: پھر جب موسیٰ نے مدت (بکریاں چرانے کی مدت آٹھ سال، یا غالباً دس سال پورے کئے ہوں گے) پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر (بیوی کو ان کے والد کی اجازت سے مصر کی طرف) روانہ ہوئے تو طور کی جانب سے آگ کو محسوس کیا اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ٹھہر جاؤ بیشک میں نے ایک آگ دیکھی ہے امید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤ (راستہ کے متعلق کیونکہ وہ راستہ بہک گئے تھے) یا کوئی انگارہ ہی (لفظ جنودۃ تینوں طرح ہے۔ جیم کے فتح، کسرہ، ضمہ کے ساتھ نکلہ یا شعلہ) آگ لیتا آؤں تاکہ تم سینک لو (گرمائی لے لو۔ لفظ تصطلون اصل میں ط کی بجائے ف کے ساتھ تھا باب افتعال سے صلی بالنار سے ماخوذ ہے لام کے کسرہ اور فتح کے ساتھ آگ سے تاپنا) سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی اس میدان کی داہنی طرف (جانب) سے (حضرت موسیٰ کے داہنے سے) اس مبارک مقام میں (حضرت موسیٰ کے لئے وہ مقام بابرکت تھا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے کلام الہی سنا تھا) ایک درخت سے (من الشجرة بدل ہے لفظ شاطی سے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ یہ درخت اس جانب آگے ہوئے تھے۔ عناب کے درخت ہوں یا گھاس تل یا جھڑ بیری کے (لفظ ان مفسرہ ہے ان مخففہ نہیں ہے) اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں اور یہ کہ تم اپنا عصا ڈال دو (چنانچہ حضرت موسیٰ نے لاشمی ڈال دی) پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا (دوڑتا ہوا) دیکھا جیسا پتلا سانپ (سپولیا، پھرتیلا ہونے میں) تو وہ پشت پھیر کر بھاگے (سانپ کی وجہ سے) اور پھر کر بھی نہ دیکھا (یعنی مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر انہیں پکارا گیا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔ تم مامون ہو۔ ڈالو (داخل کرو) اپنا ہاتھ (داہنا مراد تھیلی ہے) اپنے گریبان میں (چاک میں ڈال کر پھر نکال لو) نکلے گا (برخلاف اس کے جو پہلے اس کا رنگ گندمی تھا) خوب روشن ہو کر بغیر کسی بیماری کے (یعنی برص کے بغیر۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا تو آفتاب کی شعاع کی طرح چمکنے لگا۔ جس سے نگاہ چکا چونکہ ہو جاتی) اور پھر اپنے سے ملا لینا اپنا بازو خوف کی وجہ سے۔ (لفظ رھب پہلے دو حرفوں کے ضمہ کے ساتھ اور دوسرے حرف کے سکون اور پہلے حرف کے فتح اور ضمہ کے ساتھ تینوں طرح ہے یعنی جو خوف

ہاتھ کی چمک سے پیدا ہوگا جب کہ گریبان میں ہاتھ ڈال کر پھر نکالنے سے وہ پہلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ اور ہاتھ کو جناح سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ انسانی ہاتھ جانور کے بازو کے حکم میں ہوتے ہیں) سو یہ (لفظ ذلک تشدید اور تخفیف دونوں طریقہ سے آیا ہے۔ اس سے عصا اور ید مراد ہیں اور اسم اشارہ جو مبتداء ہے اس کا خبر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) اور سندیں ہیں (جو بھیجی جا رہی ہیں) آپ کے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔ عرض کیا اے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص (پہلے قبلی) کا قتل کیا ہے۔ سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے (اس کے بدلہ میں) قتل کر ڈالیں گے۔ اور میرے بھائی ہارون کو وہ مجھ سے بھی زیادہ خوش بیان (رواں زبان) ہیں انہیں بھی میرا مددگار بنا کر رسالت سے نواز دیجئے۔ (لفظ رحمۃ یعنی معاون۔ ایک قراءت میں فتحہ دال کے ساتھ بلا ہمزہ کے بھی ہے) کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں (یصدقہی جزم کے ساتھ تو جواب دعا ہے اور ایک قراءت میں مرفوع یہ جملہ ردہ کی صفت ہوگا) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے۔ فرمایا ہم ابھی تمہاری قوت بازو بنائے دیتے ہیں (تمہیں مضبوط کئے دیتے ہیں) تمہارے بھائی کو اور تم دونوں کو ایک شوکت (غلبہ) عطا کئے دیتے ہیں۔ سو انہیں تم دونوں پر دسترس نہ ہوگی (بدسلوکی کرنے کی۔ تم دونوں جاؤ) ہمارے نشانات لے کر جاؤ۔ تم دونوں اور جو تمہارا تابعدار ہوگا وہ غالب رہے گا (قرعونیوں پر) پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے کھلے نشانات لے کر پہنچے (جو واضح تھے لفظ بیانات حال ہے) تو وہ بولے کہ یہ تو محض ایک گھڑا ہوا (من گھڑت) جادو ہے اور ہم نے ایسی بات (کا ہونا) اپنے اگلے باپ دادوں کے وقت (زمانہ) میں تو سنا نہیں اور موسیٰ نے (قال واؤ کے ساتھ اور غیر واؤ کے دونوں طرح ہے) فرمایا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے (واقف ہے) اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے (عندہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے) اور جسے (لفظ من کا لفظ من پر عطف ہے..... یکون! کثر قراء کے نزدیک تا کے ساتھ ہے اور حمزہ کے نزدیک یا کے ساتھ ہے) آخرت کا گھر ملنے والا ہے (یعنی آخرت میں بہترین انجام کس کا ہوگا؟ یعنی میں ہی ان دونوں باتوں کا مصداق ہوں لہذا میرا پیغام برحق ہے) بلاشبہ ظالم (کافر) کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ اور فرعون بولا اے سردار! مجھے تو اپنے سوا کوئی تمہارا خدا معلوم نہیں ہوتا۔ تو اے ہامان میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا (اینٹوں کا پردہ بھٹہ لگا) پھر میرے لئے ایک بلند عمارت (اونچا مینار) بنا تا کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھوں (نظر دوڑا کر معلوم کروں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) کہ میرے علاوہ اور کوئی خدا ہے اور اس کا رسول ہے (اور فرعون اور اس کے لاؤ لشکر نے ملک میں ناحق اپنا سرائٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں لوٹ کر ہمارے پاس آنا نہیں ہے۔ (لایرجعون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) سمندر میں (کھارے پانی میں وہ سب ڈوب گئے) سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیا ہوا؟ اور ہم نے انہیں (دنیا میں) ایسا نہیں بنا دیا تھا جو (لفظ ائمہ دونوں حمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے حمزہ کو یا سے بدل کر دونوں طرح ہے۔ شرک کی پیشوائی مراو ہے) جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے (شرک کی دعوت دے کر) اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا (ان سے عذاب دور کرنے میں) اور دنیا میں بھی (رسوائی کیلئے) ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی وہ لوگ بد حال (رائدہ) لوگوں میں ہوں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: وَهُوَ الْمُنْظَرُونَ: ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دس سال پورے کیے۔

قوله: مِنْ جَانِبِ الظُّورِ: وہ طرف جو طور کے پاس ہے۔

قوله: فِي الْبُقْعَةِ: یہ شاطی سے متصل ہے یا نودی کا صلہ ہے۔

قوله: لِيَسْمَاعِيَةَ: اس مقام میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا یہ وجہ برکت ہے۔

قوله: لِيُنَبِّئَهَا بَيِّنَةٍ: یہ بدل اشتمال ہے کہ وہ کنارے پر آگاتھا۔

قوله: الْحَبَّةُ: چھوٹا سانپ جو بعد میں اژدھا (ثعبان) بن گیا۔

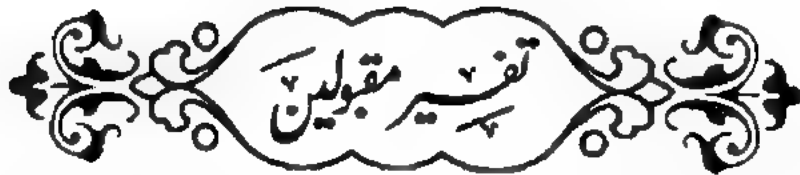
قوله: يُصَدِّقُنِي: حق کا خلاصہ بیان کر کے اور دلیل کی پختگی بیان کر کے۔

قوله: أَنْ يُكَلِّمُونِي: زبان میں انکا وہ ہے کہیں اس وجہ سے وہ تکذیب نہ کر دیں۔

قوله: الْعَاقِبَةُ: اس اچھا انجام ہی مراد ہے۔

قوله: أَظْلَغَ: بلندی میں چڑھوی۔

قوله: أَنْظُرَ إِلَيْهِ: اس نے وہم کیا کہ اگر وہ جسم ہے تو اس کی طرف چڑھا جاسکتا ہے۔



فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ.....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ کے ساتھ مدین سے واپس مصر کے لیے روانہ ہونا، اور کوہ طور پر آگ نظر آنا

پھر وہاں پہنچنے پر رسالت سے سرفراز کیا جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں اپنے خسر صاحب کے پاس اہلیہ کے ساتھ رہتے رہے پھر وہاں سے مصر کی طرف واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا، جب آنے لگے تو اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا چلتے چلتے راستہ بھی بھول گئے اور رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے سردی بھی لگنے لگی، طور پر پہاڑ سے کچھ دور ہی تھے کہ طور کی جانب آگ نظر آئی فرمایا میں وہاں جاتا ہوں۔ امید ہے کہ وہاں راستہ کی کوئی خبر مل جائے گی یعنی کسی راستہ بتانے والے سے ملاقات ہو جائے گی، اگر یہ نہ ہوا تو کم از کم اتنا تو ہوگا کہ آگ کا کوئی شعلہ کسی لکڑی میں لے آؤں گا، جسے جلا کر تم تاپ لو گے یعنی گرمی حاصل کر لو گے، اہل خانہ سے فرما کر آگ کی طرف چل دیئے جیسے ہی طور پہاڑ کے دامن جانب کے کنارے پر پہنچے تو اس مبارک جگہ سے انہیں پکارنے کی آواز آئی اور یہ آواز ایک درخت سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا اے موسیٰ میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے ڈال دو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ڈال دیا تو اچانک کیا

دیکھتے ہیں کہ وہ تو چھوٹے سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے اس کو جو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پشت پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر دیکھا بھی نہیں، اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں آگے بڑھو تم امن میں ہو تمہیں کوئی تکلیف پہنچنے والی نہیں ہے، مزید یہ کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو پھر اسے نکالو وہ چمکدار ہو کر تمہارے سامنے آ جائے گا، گندمی رنگ کی بجائے زیادہ تیز روشنی والا ہو کر جو نکلے گا تو کسی مرض یعنی برص وغیرہ کی وجہ سے ایسا نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا ان کا ہاتھ خوب زیادہ روشن ہو کر گریبان سے باہر آ گیا۔ اللہ جل شانہ نے مزید فرمایا کہ ہاتھ کی یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوف محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے لیے اپنے بازو یعنی اسی سفید ہاتھ کو دوبارہ اپنے گریبان میں ڈال لیتا ایسا کرنے سے وہ اپنی پہلی حالت پر آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عصا کو سانپ بنا کر پہلی حالت پر لوٹا دیا اور ان کے واسطے ہاتھ کو خوب زیادہ روشن چمکدار بنا دیا پھر اس کو اصلی حالت پر لوٹا دیا اور بطور معجزہ ان کو یہ دونوں چیزیں عطا فرمادیں اور فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے یہ دودلیلیں ہیں۔ تم فرعون اور اس کی جماعت کے بڑے لوگوں کے پاس چلے جاؤ اور انہیں حق کی اور اعمال صالحہ کی دعوت دو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی طرف متوجہ کرو۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فَیْضِلٰیْنَ ۝ (بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں)۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دو باتیں عرض کیں ایک تو یہ کہ میں نے مصریوں کا ایک شخص قتل کر دیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ ان کے پاس جاؤں تو مجھے قتل کر دیں اور اس صورت میں رسالت کا کام نہ ہو سکے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے ساتھ کوئی ایک شخص ہونا چاہیے۔ جو میرا معاون ہو لہذا میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیں (کمانی سورۃ ۱۰۸) اس سے مجھے قوت بھی ملے گی اور میری زبان میں روانی نہیں ہے ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔ جب وہ بھی رسول ہوں گے اور میرے کام میں شریک ہوں گے اور ہم دونوں مل کر فرعون کے پاس جائیں گے تو اس کی وجہ سے ہمت بندھی رہے گی اور اگر زبانی مناظرے کی ضرورت پیش آگئی تو چونکہ ان کی زبان میں روانی ہے اس لیے وہ مناظرہ میں بھی اچھی طرح گفتگو کر سکیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اس موقع پر ہارون میرے مددگار ہوں، اور میری تصدیق کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ وعادہیں کوہ طور کے پاس کی تھیں جب نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وعادہ قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمادی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہارون علیہ السلام مصر ہی میں تھے ابھی موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس سے پہلے انہیں رسالت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔

(قَالَ سَنَنْذِرُ عَسْكَرَ بَآئِیْكَ) (ال آیہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تمہیں غلبہ دے دیں گے کہ وہ لوگ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے تم دونوں میری آیات کو لے کر چلے جاؤ۔ تم دونوں اور جو بھی شخص تمہارا اتباع کرے تم سب غالب ہو گے۔

(هذا اذا تعلق قوله تعالى باياتنا بالفعل المحذوف ای اذها باياتنا واختاره المحلی فی تفسیرہ و فیہ اوجہ ذکرہا فی حاشیۃ تفسیر الجلالین) (یہ تفسیر تب ہے جبکہ بِآیَاتِنَا کا تعلق فعل محذوف سے ہو یعنی (اَذْهَبْنَا بِآیَاتِنَا) (تم دونوں میری آیات لے جاؤ) (اسی توجیہ کو علامہ محلی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے اور آیت کے اس جملہ میں اور بھی کئی ساری توجیہات ہیں جو تفسیر جلالین کے حاشیہ میں مذکور ہیں)۔

فائدہ: صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ طور پر جو جلی تھی کہ جلی شکل نار جلی مثالی تھی کیونکہ جلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس جلی ذاتی کے اعتبار سے لن خزان فرمایا گیا ہے یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدہ ذات حق ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ.....

رسالت سے سرفراز ہو کر موسیٰ علیہ السلام کا مصر کو واپس ہونا، پھر فرعون اور

اس کے درباریوں کے پاس پہنچ کر حق کی دعوت دینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس ہوتے ہوئے وادی طویٰ میں نبوت سے سرفراز کیے گئے اور وہیں انہوں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دیجیے تاکہ میں اور وہ مل کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جائیں اور آپ کا فرمان پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمادی، جس کی کچھ تفصیل مگر چکی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے تو اپنے گھر گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا۔ دونوں مل کر فرعون کے پاس پہنچے، فرعون اپنے درباریوں کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ کو واحد معبود ماننے کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں صحیح بات پہنچاؤں گا۔ (حَقِيقٌ عَلَيَّ اَنْ لَا اَقُوْلَ عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقُّ)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بڑے معجزے دکھائے۔ عصا کو ڈالتا تو وہ اثر و خابن گیا اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ نہایت زیادہ سفید اور روشن تھا۔ سب دیکھنے والوں نے جب یہ دونوں معجزے دیکھ لیے تو فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے کہ یہ جادو ہے جسے اس نے خود ہی بنا لیا ہے اور اس شخص کا یہ دعویٰ کہ میں نبی ہوں ایسا دعویٰ ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانوں میں تو نہیں سنا یہ بات انہوں نے جھوٹ کہی کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔ اور وہ ایمان کی دعوت دیتے رہے تھے۔

چونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو پر محمول کیا اس لیے مقابلہ کرنے کے لیے جادوگروں کو بلا یا جس کا ذکر سورۃ اعراف اور سورۃ طہ اور سورۃ شعراء میں مذکور ہے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعدد سوالات بھی کیے اور آپ نے بڑی جسارت اور بے باکی کے ساتھ جواب دیئے یہ سوال و جواب بھی سورۃ طہ اور سورۃ شعراء میں مذکور ہیں۔ چونکہ فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر تلے ہوئے تھے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ: رَبِّیْ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِہٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَہٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت لے کر آیا اور اس شخص کو بھی جس کا انجام آخرت میں اچھا ہونے والا ہے) تم لوگ مجھے جھٹلاتے ہو لیکن میرے رب کو تو معلوم ہے کہ میں اس کا رسول ہوں جو شخص میری بات مان لے گا اس کا انجام اچھا ہوگا عَاقِبَةُ الدَّارِ سے بعض حضرات نے دار دنیا کا انجام اور بعض حضرات نے دار آخرت کا انجام مراد لیا ہے اگر دار دنیا مراد ہو تو اس میں اس بات کی مشکلی اطلاع ہے کہ تم میری دعوت قبول نہ کرو گے تو تمہارا برا انجام ہوگا چنانچہ ایسا ہوا کہ فرعون اور اس کے لشکر سمندر میں غرق کر دیئے گئے۔ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ﴿۵﴾ (بلاشبہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا حاصل

یہ ہے کہ میرے رب کو خوب معلوم ہے کہ فلاح اعظم کا کون اہل ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنادیا اور ہدایت دے کر بھیج دیا اور حسن عاقبت کا وعدہ فرمایا اور اگر ایسی بات ہوتی جیسے تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس ہدایت لانے والا جادوگر ہے انفر پر داز ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہی کیوں بناتا؟ وہ غنی ہے حکیم ہے جھوٹوں کو اور جادوگروں کو رسالت اور نبوت سے نہیں نوازتا۔

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ مصر کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے متاثر ہو رہے ہیں اور وہ جو معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اس میں رخنہ پڑ رہا ہے اور موسیٰ اور اس کا بھائی مجھے معبود ماننے کو تیار نہیں ہے تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں تمہارے لیے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (جب بڑوں کا معبود ہونے کا دعویٰ کر دیا تو جھوٹے کس شمار میں ہو سکتے ہیں) اس کا دل تو جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: (لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا اَنْزَلْنَا هَٰؤُلَاءِ اِلَّا رِٰبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَٰوِدًا) (تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں) لیکن وہ انکار پر ہمارا اور خواص کی نظر ہٹانے کے لیے اور ان کے غور و فکر کو الجھانے کے لیے اپنے وزیر ہامان سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا، (فَاَوْقِنِيْ يٰهَامٰنُ عَلٰى الظُّلُمِ الَّذِيْ فَاٰجَعَلْنِيْ صَوْرًا لِّعَلِّيْ اُظْلِعَ الْاِسٰى اِلَهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِنِّيْ لَا اُظْلِعُهُ مِنَ الْكَلْبِ الَّذِيْ) (اے ہامان تو ایسا کر کہ اول کچی اینٹیں بنوا اور اس کام کے لیے ایک بھڑکا پھر اس میں اینٹوں کو پکا کر بہت بڑی تعداد میں کچی اینٹیں تیار کر پھر ان اینٹوں سے ایک اونچا محل تیار کر، تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں۔ بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں) اس کا ذکر سورۃ زمر میں اس طرح سے ہے۔ (وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ الْبَنِيْ صَوْرًا لِّعَلِّيْ اُظْلِعَ الْاِسٰى اِلَهِ الْمُؤْمِنِيْنَ) (اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لیے ایک محل بنا دے تاکہ میں آسمانوں کے راستوں پر پہنچ جاؤں پھر میں موسیٰ کے رب کو دیکھوں) یہ بات جاہلوں کو بیوقوف بنانے کے لیے کہی۔ کتنا ہی بڑا محل بنا لیا جائے پہلے آسمان پر نہیں پہنچ سکتے۔ (پھر کوئی شخص زینہ سے چڑھ کر سارے آسمانوں پر کیسے پہنچ سکتا ہے) جو لوگ ایک بڑی مدت تک جہالت میں رہتے ہیں معبود حقیقی کو نہیں جانتے وہ ایسی باتوں میں آ جاتے ہیں ورنہ عوام کے لیے تو اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ تو اپنے آپ کو معبود بتاتا ہے حالانکہ تو آسمان پر پہنچنے کے لیے زینہ اور عمارت کا محتاج ہے اپنے اور تیرے چاہنے سے تو اینٹیں بھی وجود میں نہیں آ سکتیں پہلے کچی اینٹیں بنائی جائیں پھر ان کو پکا یا جائے۔ پھر عمارت بنائی جائے پھر تو اس پر چڑھے کیا ایسے عاجز کو بھی خدائی کا دعویٰ کرنا زبیر دیتا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ سمجھ عقل تھی وہ دنیاوی مفاد اور فرعون کی سطوت اور سلطنت کی وجہ سے دہکے اور زبان نہ ہلا سکے۔

قال صاحب الروح ص ۸۰ ج وایاما کان فالقوم کانوا فی غایۃ الغباۃ والجهل و افراط العمایۃ و البلادۃ و الامانفق علیہم مثل هذا الہذیان الخ ما قال۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں قوم ان دنوں ایسی انتہاء درجہ کی بے عقل اور جاہل، بالکل اندھی اور بے وقوف تھی ورنہ جب فرعون نے ان کے سامنے اس طرح کا ہذیان کہا تو انہیں سمجھ جانا چاہیے تھا..... الخ)

قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ محل تیار ہوا یا نہیں اور تیار ہوا تو نتیجہ کیا نکلا۔ علامہ قرطبی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ ہامان نے محل بنایا اور فرعون اس پر چڑھا اور اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ خون میں بھرے ہوئے واپس ہوئے اس

پر وہ کہنے لگا کہ میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس محل میں اپنا ایک پر مارا جس کا ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے اور ایک سمندر میں گرا اور ایک مغرب میں گرا جن لوگوں نے اس محل کے بنانے میں کام کیا تھا وہ سب ہلاک ہوئے۔ علامہ قرطبی نے نقل کر دیا لیکن انہیں خود ہی اس کے صحیح ہونے پر تردد تھا اس لیے آخر میں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِصَحَّةِ ذٰلِکَ فرما دیا۔ بعض مفسرین کا موقف یہ ہے کہ فرعون نے یہ بات بطور مذاق اڑانے کے کہی تھی کہ موسیٰ جو کہہ رہے ہیں کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جو ان کے درمیان ہیں (کمانی سورۃ اشعراء) تو میں بھی تو اس کے رب کو دیکھوں یعنی مقصود محل بنانا کہ اوپر چڑھانہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جھٹلانا مقصود تھا۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ التَّوْرَةَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُولٰٓئِیَ قَوْمِ نُوْحٍ وَعَادٍ وَتَمُوْدَ وَغَیْرِہُمْ بِصَآئِرَ النَّاسِ حَالٍ مِّنَ الْكِتَابِ جَمْعُ بَصِيْرَةٍ وَهِيَ نُورُ الْقَلْبِ اِیْ اَنْوَارُ الْقُلُوْبِ وَهٰذِیْ مِنَ الصَّلٰلَةِ لِمَنْ عَمِلَ بِہٖ وَرَحْمَةٌ لِّمَنْ اٰمَنَ بِہٖ لَعَلَّہُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۰﴾ یَسْعٰطُوْنَ بِعَاقِبِہٖ مِنَ الْمَوَاعِظِ وَمَا کُنْتَ بِاَمْحَمَدٍ بِجَانِبِ الْجَبَلِ اَوْ الْوَادِیْ اَوْ الْمَکَانِ الْغَرَبِیِّ مِنْ مُّوسٰی حِیْنَ الْمُنَاجَاةِ اِذْ قَضٰیْنَا اَوْحٰنَا اِلٰی مُّوسٰی الْاَمْرَ بِالرِّسَالَةِ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِہٖ وَمَا کُنْتَ مِنَ الشَّہِیْدِیْنَ ﴿۱۱﴾ لِذٰلِکَ فَتَعْرِفُہُ فَتُخَبِّرُہَا وَلٰکِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًاۤ اَمَمًاۤ بَعْدَ مُّوسٰی فَتَطَاوَلَ عَلَیْہِہُمُ الْعُمْرُۚ اِیْ طَالَتْ اَعْمَارُہُمْ فَتَشَوُّوا الْعُھُوْدَ وَاَنْذَرْتَ الْعِلْمَ وَانْقَطَعَ الْوَحٰی فَجِئْنَا بِکَ رَسُوْلًا وَاَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ خَبْرَ مُّوسٰی وَغَیْرِہٖ وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًّا مُّقْبِلًا فِیْۤ اَہْلِ مَدِیْنٍ تَتَلَوٰۤا عَلَیْہِہُمْ اٰیٰتِنَا لَخَبْرٌ نَّانٍ فَتَعْرِفُ فِصْصَہُمْ فَتُخَبِّرُہَا وَلٰکِنَّا کُنَّا مُّرْسِلِیْنَ ﴿۱۲﴾ لَکَ وَالِیْکَ بِاَخْبَارِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ الْجَبَلِ اِذْ حِجْنَا نَادِیْنَا مُّوسٰی اَنْ خِذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَلٰکِنۡ اَرْسَلْنَاکَ رَحْمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَشْہَمُ مِّنۡ نَّذِیْرِ مِّنۡ قَبْلِکَ وَہُمْ اَہْلُ مَکَّةَ لَعَلَّہُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ یَسْعٰطُوْنَ وَکُوْلًا اَنْ تُصِیْبَہُمْ مُّصِیْبَةٌۭ غَمُوْبَةٌۭ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہِہُمْ مِنَ الْکُفْرِ وَغَیْرِہٖ فِیَقُوْلُوْا رَبَّنَا کُوْلًا هَآءَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنُتَّبِعْ اٰیٰتِکَ الْمُرْسَلِ بِہَا وَنَکُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَوَابَ لَوْلَا مَحْذُوْفٌ وَمَا بَعْدُهَا مُبْتَدَاٌ وَالْمَعْنٰی لَوْلَا الْاِصَابَةُ الْمُسَبَّبُ عَنْہَا قَوْلُہُمْ اَوْ لَوْلَا قَوْلُہُمْ الْمُسَبَّبُ عَنْہَا جَلْنَا ہُمْ بِالْعُقُوْبَةِ وَلَمَّاۤ اَرْسَلْنَاکَ اِلَیْہِمْ رَسُوْلًا فَلَمَّا جَآءَہُمْ الْحَقُّ مَحْمَدٌ مِّنۡ عِنْدِنَا قَالُوْا کُوْلًا هَآءَاۤ اَوْتٰی مِثْلَ مَاۤ اَوْتٰی مُّوسٰیؑ مِّنَ الْاٰیٰتِ کَاٰتِیْدِ الْیَضَاءِ وَالْعَصَا

وغيرهما أو الكتاب جُمْلَةً وَاحِدَةً قَالَ تَعَالَى أَوْ لَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ ۖ حَيْثُ قَالُوا نَبِيٌّ مِثْلَ مَا كَانَ آبَاؤُنَا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۚ وَنَفَحْنَا بِرُوحِنَا فَيَكْتُمُونَ ۚ إِنَّكَ كَادِحٌ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ قُلْ لَهُمْ آيَاتِي أَنْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِي قَوْلِهِمْ قُلْ لَكُمْ آيَاتِي أَنْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِي قَوْلِهِمْ قُلْ لَكُمْ آيَاتِي أَنْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

ترجمہ: اور اس کے بعد ہم نے اگلی امتوں (قوم عاد و ثمود وغیرہ) کو ہلاک کر دیا تھا ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی جو لوگوں کے لیے بصیرتوں (یہ حال ہے الکتاب سے بصائر جمع ہے بصیرۃ کی بمعنی نور قلب ای انوار اطلقلوب) کا ذریعہ تھی اور سراپا ہدایت (مگراہوں کیلئے) اور (مومنین کیلئے) رحمت تھی تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں (اس میں جو نصیحت آمیز باتیں ہیں ان سے سبق سیکھیں) اور (اے محمدؐ) آپ موجود نہ تھے (پہاڑ یا وادی یا مکان کی) غربی جانب (حضرت موسیٰ کے مناجات کرتے وقت) جب ہم نے احکام دیئے (وحی کی) موسیٰ کو (فرعون اور اس کی قوم کے پاس جانے کیلئے) اور نہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جو وہاں دیکھ رہے تھے (اس منظر کو کہ آپ سے واقف ہو کر بیان کرتے) لیکن ہم نے بہت سی دلیلیں پیدا کیں (موسیٰ کے بعد) پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا (یعنی ان کی عمریں لمبی لمبی ہوئیں اور وہ سب عہد فراموش کر گئے اور سب علوم مٹ گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ کو رسول بنایا اور آپ کو موسیٰ وغیرہ کے حالات بتلائے) اور نہ آپ قیام پذیر (ٹھہرے ہوئے) تھے اہل مدین میں کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنارہے ہوتے) یہ خبر ثانی ہے کہ اس طرح آپ ان کے حالات سے باخبر ہو کر ان کو بیان کر سکتے) لیکن ہم ہی آپ کو رسول بنانے والے ہیں (آپ کو پیغمبر بنا کر اور آپ کی طرف پہنچنے والے حالات کی پیغام رسانی کر کے) اور نہ آپ طور (پہاڑ) کے دامن میں تھے جب ہم نے آواز دی (موسیٰ کو کہ مضبوطی سے کتاب تھامو) لیکن (ہم نے آپ کو پیغمبر بنایا) آپ کے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (مکہ کے لوگ مراد ہیں) کیا عجب ہے کہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں (عبرت پکڑیں) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر کوئی مصیبت (سزا) نازل ہو جاتی ان کے کرتوتوں کے سبب (کفر وغیرہ کی وجہ سے) تو یہ کہنے لگتے اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ آپ کے احکام کی پیروی کرتے (جو آپ نے بھیجے ہیں) اور ایمان لانے والوں میں ہو جاتے (لولا کا جواب مخدوف ہے اور اس کے بعد کا جملہ مبتداء ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ اگر وہ مصیبت نہ آتی جس کا سبب ان کا یہ کہنا ہوتا۔ یا ان کا یہ کہنا باعث نہ ہوتا تو ہم اسے فوراً سزا دے دیتے اور آپ کو ان کے پاس رسول بنا کر نہ بھیجتے) تو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچے تو کہنے لگے کہ اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا (یعنی

یہ بیضائی، عصا وغیرہ نشانیاں یا پوری کتاب ایک دم۔ فرمایا) کیا جو موسیٰ کو ملا تھا تو پہلے یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے تھے کہنے لگے (موسیٰ کے متعلق یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) کہ دونوں کو جادو کہیں (اور ایک قراءت میں لفظ سحر ان ہے مراد تورات و قرآن ہے) ایک دوسرے کے مددگار (معاون) اور کہتے ہیں ہم تو ہر ایک (نبی یا کتابوں) کے منکر ہیں۔ آپ (ان سے) کہیے کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ۔ جو ہدایت میں ان (دونوں کتابوں) سے بہتر ہو۔ میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا۔ اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو۔ پھر اگر یہ لوگ (کتاب لانے کے متعلق) آپ کا کہنا نہ کر سکیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ (اپنی کفریات میں) محض اپنی نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے علاوہ محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے (یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں) بلاشبہ اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **بَصَّارٌ جَعَلَ بَصِيرَةً**: وہ انوار ہیں جن سے حقائق کو دیکھا جاتا اور حق و باطل کی تمیز کی جاتی ہے۔

قوله: **مَا كُنْتُ**: یعنی تم موجود نہ تھے۔

قوله: **الْمَكَانِ**: مغربی مکان یہ موصوف کی صفت کی طرف اضافت سے ہے۔

قوله: **وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا**: یہاں متدلوک کو حذف کیا اور اس کے سبب کو اس کا قائم مقام بنایا۔

قوله: **تَتَلَوْا عَلَيْهِمْ**: دونوں نے ان سے سیکھا۔

قوله: **وَمَا كُنْتُ**: شاید کہ اس سے مراد تورات دیے جانے کا وقت ہو اور اول سے آپ کے پیغمبر بنانے کا موقع مراد ہو۔

قوله: **أَزْ سَلْنَاكَ**: اس سے اشارہ ہے کہ رحمت یہ فعل محذوف کا مفعول لہ ہے۔

قوله: **لَتُنْذِرَ قَوْمًا**: یہ ارسلنا محذوف سے متعلق ہے۔

قوله: **لَوْ لَا**: یہ یقولوا کا مفعول ہے۔

قوله: **جَزَابَ لَوْ لَا**: اول لولا امتناعیہ ہے اس کا جواب محذوف ہے اور لولا ثانیہ تحضییہ ہے اسی وجہ سے اس کے جواب میں

فتیح کی قاء آ رہی ہے۔ اول ان نصیبہم پر داغ ہوا تو اصابت کا معنی بن گیا۔

قوله: **لَوْ لَا قَوْلُهُمْ**: یہ مقصود کی طرف دیکھ کر کہا گیا۔

قوله: **لَتَأْزِ سَلْنَاكَ**: یہ لولا اولیٰ کا محذوف جواب ہے۔

قوله: **تَنْظَرًا**: ایک دوسرے کی معاون بن گئیں اس طرح کہ دونوں سے خواہش عادت ظاہر ہوئے گویا دونوں نے یا بھی

تعاون کیا۔

قوله: **دُعَاكَ**: یہ مفعول محذوف ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ....

ان آیات میں چند امور ذکر فرمائے ہیں:

اول: یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرات انبیاء کرامؑ تشریف لاتے تھے انہوں نے توحید کی دعوت دی تھی، حق پہنچایا، ایمان قبول کرنے پر بشارتیں دی، کفر پر جہنم پر دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا، ان کی امتوں نے نہیں مانا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جو اقوام و افراد باقی تھے ان کی تسلیس چلیں، پلے اور بڑھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیج دیا اس وقت بنی اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو بھی، موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہم نے انہیں کتاب دی اس کتاب میں بصیرتیں یعنی عقل و فہم اور سمجھ کی باتیں تھیں اور ہدایت بھی تھی اور اس ہدایت کا قبول کرنا ان لوگوں کے لیے رحمت کا سبب تھا یہ کتاب انہیں موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے دی گئی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مزید فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم نے بہت سی جماعتوں کو بھیجا ان کا زمانہ دراز ہو گیا اس درازی زمانہ کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگ علوم نبوت سے اور ہدایت سے نا آشنا ہو گئے۔ لہذا ہماری حکمت کا تقاضا ہوا کہ آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کر دیا اور گمراہ لوگوں کی طرف آپ کو مبعوث کریں۔

دوم: حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی رسالت اور نبوت کے جو دلائل جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے سابقہ امتوں کے احوال کہیں نہیں پڑھے تھے نہ کسی نے آپ کو بتائے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے حضرات انبیاء کرام کے اور ان کی امتوں کے واقعات بتائے تھے۔ ان واقعات کا بتانا اور اہل کتاب کا ان کو ماننا کہ ہاں ایسا ہوا تھا کم از کم اہل کتاب اور ان کی بات کی تصدیق کرنے والوں کے لیے اس امر کی بڑی بھاری دلیل تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے واقعات کو جاننا اور صحیح صحیح بیان کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے ہیں ان واقعات میں سے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا حوالہ دے کر فرمایا جو مغرب ہی گزرا ہے اور خطاب رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ جب کوہ طور کی مغربی جانب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے جو اپنی آنکھوں سے موسیٰ کے واقعات کا مشاہدہ کرتے۔ پھر بھی آپ نے وہاں کے واقعات کی خبر دی۔ یہ واقعات ہمارے آیات میں موجود ہیں جنہیں آپ ان کو پڑھ کر سنا تے ہیں ان لوگوں کے سامنے ان آیات کا پڑھنا آپ کے نبی اور رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلَکِنَّا لَنَکْفُرُ سِیلَیْنِ ۝ (اور لیکن ہم رسول بنانے والے ہیں) ہم نے آپ کو رسول بنا کر مذکورہ واقعات وحی کے ذریعہ بتا دیئے۔ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ اِذْ نَادَیْنَا (اور آپ طور کی جانب میں اس وقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا) وَلَکِن رَّحْمَةً مِّنْ ذٰلِکَ اور لیکن اس کا علم آپ کو اس طرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنا دیئے گئے۔ جب نبوت مل گئی تو اس کے ذریعہ انبیاء سابقین کے واقعات معلوم ہو گئے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَتْهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرا یں جن کے

پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کر لیں۔ یہاں اس قوم سے اہل عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں ان کے بعد سیدنا حضرت محمد ﷺ تک اہل عرب میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا۔

سوم: یہ فرمایا کہ جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث ہوئے ہیں آپ کی بعثت سے ان پر حجت قائم ہوگئی، اگر آپ کی بعثت نہ ہوتی اور ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی وہ کہنے لگتے کہ ہمارے پاس کوئی رسول آیا ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے نہ گناہ کار ہوتے نہ مصیبت کا منہ دیکھتے جب کوئی نہ آیا تو ہم کیا کریں۔ ان لوگوں کی اس بات کی پیش بندی کرنے اور ان کا عذر ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔ اب جب حجت تمام ہوگئی پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں تو اس کا وبال ان پر پڑے گا۔ اس آیت کا مضمون تقریباً سورۃ طہ کی آیت کریمہ: (وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْ لَا اَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا قَدْ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ لَعَلَّاهُمْ يَرْجِعُونَ) (اور اگر ہم اس سے پہلے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں)۔

چہارم: یہ فرمایا کہ جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا یعنی رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب پیش کر دی تو قبول نہ کرنے کا بہانہ بنانے کے طور پر یوں کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی یعنی قرآن پورا مکمل ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہوا جیسے توراۃ شریف ایک ہی مرتبہ مکمل عطا کر دی گئی تھی۔ یہ بات اہل مکہ نے یہودیوں کو کہی تھی کہ حضرت موسیٰ کو دفعہ واحدہ پوری کتاب دے دی گئی تھی۔ ان کے جواب میں فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا اَوْفَىٰ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ (کیا لوگوں نے اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دی تھی) ان کے زمانے کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ توراۃ شریف کا انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کے بارے میں یوں بھی کہا کہ دونوں جادوگر ہیں۔ (کما فی قراءۃ سبعیۃ "ساحران" علی صیغۃ "اسم الفاعل") آپس میں مشورہ کر کے ایک دوسرے کے معاون بن گئے اور یہ بھی کہا کہ اِنَّا بِكَفَرُوْنَ (کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں) پس اگر کسی کتاب کے قبول کرنے کے لیے ایک ہی مرتبہ نازل ہوتا ان کے خیال میں مشروط ہے تو جن لوگوں کے پاس توراۃ شریف آئی تھی وہ اسے مان لیتے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ماننا نہیں ہے بہانہ بازی سے کام لیتے ہیں اور عناد پر جتے ہوئے ہیں: قال القرطبی رحمہ اللہ واما بکفر هؤلاء اليهود بما اوتی موسیٰ حين قالوا موسیٰ و ہارون هما ساحران۔ وانا بكل کافرون ای وانا کافرون بكل واحد منهم اھ۔ وفیہ قول آخر و ہوان المراد بساحران سیدنا موسیٰ وسیدنا محمد علیہما السلام یوافق قولہما فیما ادعیاه۔ (امام قرطبی فرماتے ہیں کیا ان یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا انکار نہیں کیا جبکہ انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں اور یہ کہا کہ: اِنَّا بِكَفَرُوْنَ (یعنی ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں) اھ اس بارے میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ یہ کہ یہاں دو جادوگروں سے مراد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں یہ قول یہودیوں کے دعویٰ کے موافق ہے)۔

پنجم: یوں فرمایا: قُلْ قَاتِلُوا بِکُتُبِ قَوْمِ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْہُمْ اَنْتُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (آپ فرما دیجیے کہ

تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان کتابوں یعنی قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر ہدایت دینے والی ہو میں اس کا اتباع کر لوں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو) مطلب یہ ہے کہ تم نہ توراۃ کو مانتے ہو نہ قرآن کو مانتے ہو۔ چلو تم اور کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو اگر تم بالفرض اسے اللہ کی کتاب ثابت کر دو تو میں اس کی پیروی کر لوں گا۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو میری دلائل ہوئی کتاب کو مانو میں نے اس کا حق ہونا ثابت کر دیا ہے اور اس میں توریت شریف کی بھی تصدیق ہے۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُؤْمِنُونَ....

لیں کہ یہ لوگ ہدایت کی تلاش میں ہیں ہی نہیں یہ تو حق سے منہ موڑنے کے لیے بہانے تلاش کر رہے ہیں۔ ان کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں جس کے پاس اللہ کی ہدایت نہ ہو اور وہ اپنی خواہشات نفسانی ہی کا اتباع کرتا رہے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۶۷﴾ (بلاشبہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) جو وضوح حق کے بعد ہدایت سے منہ موڑے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے۔ (أَهْدِي مِنْهُمْ) میں تثنیہ کی ضمیر قرآن مجید اور اصلی توراۃ کی طرف راجع ہے۔ لہذا یہ اشکال نہیں ہوتا کہ حرف توراۃ کو ہدایت کا ذریعہ کیسے بتا دیا اور بات بھی علی سبیل القرض ہے کہ اگر تم سے ہو سکے تو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت والی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو لہذا یہ اشکال بھی نہیں رہا کہ اصل توریت بھی تو منسوخ ہے۔ اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیوں فرمایا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِ قُولُوا لِقَوْلِ رَبِّهِمْ لَعَنُوهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۶۸﴾ يَتَذَكَّرُونَ فَيُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ
الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ أَى الْقُرْآنِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۶۹﴾ أَيْضًا نَزَلَ فِي جَمَاعَةٍ أَسْلَمُوا مِنْ الْيَهُودِ كَعَبْدِ اللَّهِ
بْنِ سَلَامٍ وَغَيْرِهِ وَمِنَ النَّصَارَى قَدِمْوَا مِنَ الْحَبَشَةِ وَمِنَ الشَّامِ وَإِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ قَالُوا آمَنَّا بِهِ
إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۷۰﴾ مُؤَخِّدِينَ أُولَئِكَ يَوْتُونَ أَجْرَهُمْ مَوْتَيْنِ
بِإِيمَانِهِمْ بِالْكِتَابَيْنِ بِمَا صَبَرُوا بِضُرِّهِمْ عَلَى الْعَمَلِ بِهِمَا وَيَدْرَأُونَ بِدَفْعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ
مِنْهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۷۱﴾ يَتَذَكَّرُونَ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ السُّمَّ وَالْأَذَى مِنَ الْكُفَّارِ أَعْرَضُوا
عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سَلَامٌ مَثَارَكُ كَذِبٍ أَى سَلَامٌ مِنَّا مِنَ السُّمِّ
وَغَيْرِهِ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۷۲﴾ لَا تَضْبَحْهُمْ وَنَزَلَ فِي جَرْصِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِيْمَانٍ غَيْبِهِ أَيْ
طَالِبٍ. إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ هِدَايَتَهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ وَهُوَ أَعْلَمُ أَى
عَالِمٍ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا أَى قَوْمِهِ إِنْ تَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ نُحْطِفُ مِنْ أَرْضِنَا أَى نُنْتَرَعُ مِنْهَا
بِسُورَةٍ قَالَ تَعَالَى أَوْ لَمْ تُكُنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يَأْمِنُونَ فِيهِ مِنَ الْإِغَارَةِ وَالْقَتْلِ الْوَاقِعِينَ مِنْ بَعْضِ

الْعُزْبَ عَلَى بَعْضِ يُجْبَىٰ بِالْفُوقَانِيَةِ وَالتَّحْتَانِيَةِ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ كُلِّ أُوبٍ رَزَقًا لَهُمْ مِنْ
لَدُنَّا أَيْ عِنْدَنَا وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٠﴾ أَنْ مَا نَقُولُهُ حَقٌّ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ بَطْرَتْ
مَعِيشَتُهَا أَيْ عَيْشَتُهَا وَأُرِيدَ بِالْقَرْيَةِ أَهْلِهَا فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ كَمْ تُسْكِنُ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا
لِلْمَازَةِ يَوْمًا أَوْ بَعْضُهُ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥١﴾ مِنْهُمْ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ أَهْلِهَا حَتَّى
يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ أَيْ أَعْظَمِهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلِهَا
ظَالِمُونَ ﴿٥٢﴾ بِتَكْذِيبِ الرُّسُلِ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعٌ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا أَيْ تَمَتُّعُونَ وَ
تَزَيَّنُّونَ بِهَا أَيَّامَ حَيَاتِكُمْ ثُمَّ يُمْسِي وَمَا عِنْدَ اللَّهِ وَهُوَ ثَوَابُهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٣﴾ بِالْبَاءِ وَالنَّاءِ أَنْ
الْبَاقِي خَيْرٌ مِنَ الْفَانِي

ترجمہ: اور ہم نے وقتاً فوقتاً بھیجا (بیان کیا) ان کیلئے کلام (قرآن) کیے بعد دیگرے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔
(متاثر ہو کر ایمان لے آئیں) جن لوگوں کو ہم نے (قرآن سے) پہلے کتابیں دی تھیں وہ ان پر ایمان لائے ہیں (یہ آیات
بھی یہود میں سے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو مسلمان ہوئے۔ جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ اور ان عیسائیوں
کے متعلق بھی جو ملک حبشہ اور شام سے حاضر ہوئے تھے) اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم
اس پر ایمان لائے یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہم نے اس سے پہلے مانتے تھے (توحید پرست تھے) ان
لوگوں کو دو ہر اواب ملے گا (تورات و قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے) اس لئے یہ پختہ (ان پر عمل کرنے میں مضبوط)
رہے اور یہ لوگ دفعہ (بدل) کرتے رہتے ہیں نیکی سے (ان کی) بدی کا اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے
خیرات (صدقہ) کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی لغو بات (کفار کی گالم گلوچ اور تکلیف دہ باتیں) سنتے ہیں تو اسے ٹال
جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا عمل ہمارے لئے ہے اور تمہارا کیا ہوا تمہارے سامنے آئے گا تمہیں ہم سلام کرتے ہیں
(یہ سلام تعلق توڑ لینے کا ہے یعنی ہم اب برا بھلا بھی نہیں کہیں گے) ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے (تعلق رکھنا نہیں
چاہتے۔ اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ایمان لانے کیلئے کوشاں
رہے) جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے (واقعہ ہے
ہدایت پانے والوں کو اور یہ (آپ کی قوم کے لوگ) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلے گئیں تو فوراً اپنی
سرزمین سے نکال باہر کر دیئے جائیں (ایک دم دیس سے نکال دے دیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ) کیا ہم نے ان کو امن و
امان والے حرم میں جگہ نہیں دی (جہاں لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ کر دیا۔ جو سارے عرب میں ایک دوسرے پر
جاری رہتا ہے) وہاں ہر قسم کے پھل پھلاری کھینچے (لفظ بھیجا تا اور یا کے ساتھ ہے) چلے آتے ہیں (ہر طرف سے ان کے
کھانے کیلئے) جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے (کہ جو کچھ ہم کہتے

ہیں حق ہے) اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنے سامان پیش پرناز تھا (یعنی خوش بختی پر اور قریہ سے امل قریہ مراد ہیں) سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آبادی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کیلئے (راہ گیر کیلئے ایک آدھ دن) اور ہم ہی (ان کے) مالک رہے اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا (وہاں والوں کے ظلم کی وجہ سے) جب تک ان کے صدر مقام (بڑے مرکزی شہر) میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حالت کے کہ وہاں کے باشندے (پیغمبروں کو جھٹلا کر) سخت شرارت کرنے لگیں اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کیلئے ہے اور اسی کی زینت ہے (یعنی تم اپنی زندگی تک ہی اس سے نفع اور آرائش حاصل کر سکتے ہو پھر سب قصہ ختم) اور جو کچھ اللہ کے ہاں (ثواب) ہے وہ بہتر بھی ہے اور نہایت پائیدار بھی۔ سو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے (یا اور تا کے ساتھ ہے۔ بلکہ باقی رہنے والی چیز فانی چیز سے بہتر ہوتی ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **أَمْثَلُ** : اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔
 قوله: **إِنَّهُ الْحَقُّ** : یہ جملہ مستانفہ ہے اس بات کی وضاحت کے لئے جس پر ایمان لانا واجب کیا گیا۔
 قوله: **إِنَّا كُنَّا** : یہ دوسرا جملہ مستانفہ جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے ان کا ایمان کوئی نئی چیز نہیں جس کو انہوں نے ابھی ایجاد کیا ہو۔
 قوله: **لَا تَهْدِي** : اسلام میں داخل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔
 قوله: **فَرِيقًا** : قوم قریش مراد ہیں۔
 قوله: **يُجْبَىٰ إِلَيْهِ** : اٹھا کر لائے جاتے ہیں۔
 قوله: **أَعْظَمُهَا** : کیونکہ بڑے والے زیادہ قہیں ہوتے ہیں۔
 قوله: **وَهُوَ ثَوَابُهُ** : کیونکہ وہ خالص لذت ہے۔
 قوله: **بِالْبَيِّنَاتِ** : یعقلون یہ خطاب سے سے زیادہ بلوغ ہے

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٦٧﴾

- وَصَّلْنَا: توصل سے شتق ہے جس کے اصل لغوی معنی رسی کے تاروں میں اور تار ملا کر اس کے مضبوط کرنے کے ہیں۔
 مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رکھا اور بہت سے نصیحت کے مضامین کا بار بار تکرار بھی کیا گیا تاکہ سننے والے متاثر ہوں۔
 تسلیغ و دعوت کے بعض آداب:

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار و تکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق کو اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، پھر بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے کسی کے دل میں ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی ٹکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ و دعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ....

اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت و نبوت اور نزول قرآن سے پہلے ہی تورات و انجیل کی دی ہوئی بشارتوں کی بناء پر نزول قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت پر یقین رکھتے تھے۔ پھر آپ مبعوث ہوئے تو اپنے سابق یقین کی بناء پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہو گئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا۔ انہوں نے جب صحابہ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اصحاب جاوید اوہیں ہم اپنے ملک واپس جا کر صحابہ کرام کے لیے مال فراہم کر کے لائیں آپ اجازت دے دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ يَكْفُرُونَ (الی قولہ) وَمَنَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (اخر ج ابن مردويه والطبرانی في الاوسط - مظہری) اور حضرت سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت جعفر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اس کے اہل دربار جو اہل کتاب تھے اور تورات و انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈال دیا۔ (مظہری)

وَإِذَا يُنشَأُ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝

لفظ مسلمین امت محمدیہ کا مخصوص لقب ہے یا تمام امتوں کے لیے عام ہے:

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ۝ یعنی ان حضرات اہل کتاب نے کہا کہ ہم تو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان تھے یہاں لفظ مسلم اگر اپنے لغوی معنے میں لیا جائے یعنی مطیع و فرمانبردار تو بات صاف ہے کہ ان کو جو یقین قرآن اور نبی آخر الزماں پر اپنی کتابوں کی وجہ سے حاصل تھا اس یقین کو لفظ اسلام اور مسلمین سے تعبیر فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سے اس کو مانتے تھے اور اگر لفظ مسلمین اس جگہ اس معنے میں لیا جائے جس کے لحاظ سے امت محمدیہ کا لقب مسلمین ہے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ صرف امت محمدیہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا اور وہ سب مسلمین ہی تھے مگر قرآن کریم کی بعض آیات سے اسلام اور مسلمین کا اس وقت کے لیے مخصوص لقب ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول خود قرآن نے نقل کیا ہے اِنَّمَا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مَسْلُومِينَ اور علامہ سیوطی اسی خصوصیت کے قائل ہیں اور اس مضمون پر ان کا ایک مستقل رسالہ ہے، ان کے نزدیک اس آیت میں مسلمین سے مراد یہ ہے کہ ہم تو پہلے ہی سے اسلام کو قبول کرنے کے لیے آمادہ اور تیار تھے اور اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کے

دین کا مشترک نام بھی ہو اور اس امت کے لیے مخصوص لقب بھی کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنے معنی و معنی کے اعتبار سے سب میں مشترک ہو مگر مسلم کا لقب صرف اس امت کے لیے مخصوص ہو جیسے صدیق اور فاروق وغیرہ کے القاب ہیں جن کا مصداق خاص اس امت میں ابوبکر و عمرؓ ہیں، حالانکہ اپنے معنی و معنی کے اعتبار سے دوسرے حضرات بھی صدیق اور فاروق ہو سکتے ہیں۔ (ہذا ما خلی واللہ اعلم) (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ.....

شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دوسرے ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور ﷺ تمام انبیاء سابقین کے مصداق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور حضور ﷺ پر بھی ان کا ایمان دوسرے ہوا۔ ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور ﷺ کی بشارت دیتے، اور حقیقی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لیے ان لوگوں کو اجر بھی دوسرے ملے گا۔

آگے مؤمنین اہل کتاب کی ایک صفت بیان فرمائی کہ وہ اچھائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں یعنی گناہ کے بعد نیک کام کر لیتے ہیں جن سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیکیوں کے ذریعہ گناہوں کا معاف ہو جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے اور یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا ہے: (إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ) (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت ابو ذرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور برائی کے پیچھے نیکی لگا دو۔ یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھو۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۶ از ترمذی)

اور بعض حضرات نے برائی کو اچھائی کے ذریعہ دفع کرنے کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس کے سرزد ہو جانے پر توبہ و استغفار کر لیتے ہیں اس نیکی سے وہ برائی گم ہو جاتی ہے یہ معنی مراد لینا بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہیں۔ (وَيُذْهِبْنَ بِالْحَسَنَةِ الشَّرَّاتِ) کا مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے جو سیاق قرآنی سے اقرب ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آئیں۔ بد کلامی کریں وہ ان کی اس حرکت کو ٹھل اور برداشت کے ذریعہ دفع کر دیتے ہیں یعنی بدلہ لینے اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کا ارادہ نہیں کرتے عفو اور درگزر اور نرمی اختیار کرتے ہیں۔ یہ مفہوم سورۃ فصلت کی آیت کریمہ (ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ) کے ہم معنی ہے۔

مؤمنین اہل کتاب کی تیسری صفت اتفاق مال بتائی اور فرمایا: وَمَنَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں) اہل ایمان کی یہ صفت قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمائی ہے۔ یہاں مؤمنین اہل کتاب کی صفات میں خاص طور سے اس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے جو افراد آئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا مدینہ منورہ پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی مالی تنگی دیکھی تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ ہمارے پاس بہت سے اموال ہیں اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو واپس جا کر اپنے اموال لے آئیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی اور واپس گئے اور اپنے اموال لے کر آ گئے جن کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد کی اس پر

آیت بالا نازل ہوئی۔ (ذکرہ فی عالم التوریل من سعید بن جبیر)
وَإِذَا سَبَّحُوا اللَّغْوَ اعْرِضُوا عَنْهُ.....

اس آیت میں مؤمنین اہل کتاب کی ایک اور صفت بیان فرمائی (جو دیگر اہل ایمان کی صفات میں بھی مذکور ہے کہ) جب وہ کوئی لغویات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یعنی اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے سنا ہی نہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ یہودہ باتوں سے پیش آتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ: لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ (ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال) تم لغویاتیں کیوں کرتے ہو اپنے اعمال کو دیکھو اور اپنی جان کی خیر منانے کی فکر کرو۔ عذاب میں مبتلا ہونے کا کام کر رہے ہو اور ہم سے بلا وجہ الجھتے ہو سَلِّمُ عَلَيْكُمْ تم پر سلام ہو۔ یہ سلام وہ نہیں ہے جو اہل ایمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں بلکہ یہ جان چھڑانے کا ایک طریقہ ہے جیسے اہل اردو کسی یہودہ آدمی سے جان چھڑانے کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ بھیا سلام کریں اور اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں کا جواب نہ دیں گے بدلہ نہ لیں گے تم ہماری طرف سے باسلامت رہو، ہم تم سے کوئی انتقام نہیں لیں گے۔ لَا تَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ (ہم جاہلوں سے بات چیت کرنا الجھنا نہیں چاہتے۔) (تفسیر قرطبی ص ۲۹۶: ج) میں حضرت عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ نجاشی نے بارہ آدمی بھیجے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے ابو جہل ان کے ساتھ ہی وہیں قریب تھا جب یہ لوگ ایمان قبول کر کے خدمت عالی سے اٹھے تو ابو جہل اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے پڑ گئے کہنے لگے کہ تم تو نامراد لوگ نکلے تمہاری یہ جماعت بری جماعت ہے تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ سواروں کی کوئی جماعت ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور جاہل نہیں دیکھی ان حضرات نے جواب میں کہا کہ: سَلِّمُ عَلَيْكُمْ (اور یہ بھی کہا کہ ہمارے سامنے جب ہدایت آگئی تو ہم نے اسے قبول کر لیا اور اپنی جانوں کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی، اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ: لَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ (ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں) ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ جواب نقل فرمایا اور ان کی توصیف فرمائی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝
راہ حق و ہدایت پر ڈال دینا پیغمبر کے اختیار میں نہیں:

سوار شاد فرمایا گیا کہ بے شک آپ اے پیغمبر ہدایت نہیں دے سکتے جسکو آپ چاہیں بلکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ یہ آیت کریمہ آنحضرت - ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور ﷺ کی خدمت تو بہت کی تھی اور ہمیشہ آپ ﷺ کا ساتھ بھی دیا تھا مگر آپ پر ایمان لانے کی سعادت اور توفیق ان کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی عظیم الشان ہمدردی اور شفقت کی بناء پر اس کی بہت کوشش فرمائی کہ کسی طرح آپ کے چچا کلمہ پڑھ کر اسلام کے حظیرہ قدس میں داخل ہو جائیں اور دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔ چنانچہ ان کی موت کے موقع پر آپ ﷺ بذات خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور نہایت ہی ہمدردی کے ساتھ ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تاکہ وہ مرتے وقت کلمہ پڑھ کر دوزخ کی آگ سے بچ سکیں اور آپ ﷺ نے ان کی خدمت میں نہایت اخلاص

دوسری سے عرض کیا کہ چچا جان آپ ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لیں تاکہ کل قیامت کے روز میں اس کو اللہ کی بارگاہ اقدس و اعلیٰ میں پیش کر سکوں۔ چنانچہ ابوطالب اس کے لیے تیار ہو گئے مگر ابو جہل وغیرہ سرداران قریش نے جب انکو عار دلاتے ہوئے کہا کہ ہوں اب مرتے وقت بھیجے کے کہنے پر کلمہ پڑھنے لگے ہو؟ اور اس کے اصرار پر اس کا دین قبول کر کے ہماری ناک کنوانے لگے ہو؟ دنیا کیا کہے گی؟ وغیرہ۔ تو اس پر ابوطالب نے اس وقت بھی کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کفر ہی کی حالت پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور اس پر اس نے وہ مشہور اشعار بھی پڑھے جو تفسیر و سیر کی کتابوں میں مسطور و مذکور ہیں۔ جن کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ محمد ﷺ کا لایا ہوا دین قطعی طور پر حق اور سچ ہے۔ لیکن میں کلمہ اس لیے نہیں پڑھتا کہ مجھے اپنے بارے میں ملامت اور بد گوئی کا خطرہ ہے کہ بعد میں لوگ مجھے برا کہیں گے اور مجھے طعنے دیں گے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یقیناً کھلے دل سے کلمہ پڑھ لیتا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نے آتش دوزخ کو اپنا نا اور اختیار کر لیا تو پسند کر لیا لیکن عار کو برداشت نہ کیا۔ اختیار التا ز علی العار۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں بتایا گیا کہ اے پیغمبر ہدایت آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں۔ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے اس سے نوازے۔ سب ہی مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کا شان نزول یہی قرار دیا ہے۔ اور احادیث میں بھی اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ (روح قرطبی، حاسن، ابن کثیر، الکبیر، جامع البیان، مفہوم البیان، مفہوم التفسیر، خازن اور معارف وغیرہ) لہذا جمہور اہل علم کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ اور علامہ ابو حیان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اس پر سب کا اجماع نقل کیا ہے اور مختلف روایات میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ بار بار ان کو کلمہ تو حید پیش کرتے رہے مگر ابوطالب ان سرداران قریش کے کہنے پر اس کا انکار ہی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ آخری کلمہ جس پر انہوں نے جان دی، یہ تھا۔ اموت علی ملة عبد المطلب۔ یعنی میں عبد المطلب کے دین پر ہی مرتا ہوں اور اس نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (حسان التوہیل وغیرہ) اسباب النزول اور حدیث کی تمام کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ جیسے صحیح بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ القصص، صحیح مسلم: کتاب الایمان، سنن ترمذی: کتاب التفسیر وغیرہ۔ اور علامہ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ اس بارے میں ناقلین و محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوطالب ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ کہ وہ آخری دم تک ایمان نہیں لائے۔ سو اس سبب کے باوجود اگر کوئی ابوطالب کے ایمان لانے کا قائل ہوتا ہے تو دیکھ لیا جائے وہ کس قدر سید زوری اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے؟۔ والعیاذ باللہ۔ اور بعض صوفیہ وغیرہ سے جو ان کے ایمان لانے کے بارے میں مروی و منقول ہے وہ سب بے حاصل ہے۔ اس کی نہ کوئی سند ہے نہ ثبوت۔ بلکہ ایسا کہنا اس آیت کے سراسر خلاف ہے۔ نیز محققین اہل حق کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ ابوطالب کے ایمان کے بارے میں بحث مباحث سے گریزی کرنا چاہیے اور خواہ مخواہ اس کو نہیں چھیڑنا چاہئے۔ یہاں پر اس قصہ سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ہدایت اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں۔ پیغمبر کا کام ہے راہ حق کی راہنمائی کرنا۔ اس کی دعوت دینا اور سیدھا راستہ دکھلا دینا اور بس۔ اس سے آگے کسی کو راہ حق پر ڈال دینا اور اس پر چلا دینا نہ آپ ﷺ کے بس اور اختیار میں ہے اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ نیز اس سے یہ بھی صاف اور واضح ہو گیا کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی اس قدر کوشش کے باوجود ابوطالب اس طرح ایمان سے محروم نہ رہتے اور کلمہ تو حید اور ملت ابراہیمی سے منہ موڑ کر

ملت عبدالمطلب ہی پر دنیا سے رخصت نہ ہوتے۔ سو اللہ ہی ہدایت سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے اور کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے۔ وہ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور اسی کا حکم و فیصلہ برحق ہے۔
وَقَالُوا إِنَّا تَتَّبِعُ الْهُدَى.....

کفار مکہ حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایت پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جاویں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اُچک لے گا (اخرجہ النسائی وغیرہ) قرآن کریم نے ان کے اس عذر لنگ کے تین جواب دیئے اول یہ کہ: اَوَلَمْ تُكُنْ لَهُمْ حَرَمًا اَوْثَنًا يُجَبِّي اِلَيْهِ ثُمَّ مَوْتُ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ان کا یہ عذر اس لیے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اہل مکہ کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان پہلے سے یہ کر رکھا ہے کہ ارض مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر و شرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمین حرم میں قتل و قتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوش انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کر دے یا اس سے کوئی انتقام لے لے، اس لیے ایمان لانے میں ان کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جاہلیت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم و کرم سے ان کے کفر و شرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک ہونے دے گا۔ یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مامون و محفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا الا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا۔ (قرطبی) آیت مذکورہ میں حرم مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں اطراف دنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تاکہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کر سکیں۔

حرم مکہ میں ہر چیز کے ثمرات کا جمع ہونا خاص آیات قدرت میں سے ہے:

مکہ مکرمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیت کے لیے ساری دنیا میں سے منتخب فرمایا ایک ایسا مقام ہے کہ وہاں دنیا کی معیشت کی کوئی چیز آسانی سے نہ ملنا چاہئے کیونکہ گیہوں، چنا، چاول وغیرہ جو عام انسانی غذا ہے، ان چیزوں کی پیداوار بھی وہاں نہ ہونے کے حکم میں تھی۔ پھل اور ترکاریوں وغیرہ کا تو کہنا کیا ہے مگر یہ سب چیزیں جس افراط کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں عقل حیران رہ جاتی ہے کہ موسم حج کے موقع پر مکہ کی دو تین لاکھ کی آبادی پر بارہ پندرہ لاکھ مسلمانوں کا اضافہ ہر سال ہو جاتا ہے جو اوسطاً دو ڈھائی مہینے تک رہتا ہے۔ کبھی نہیں سنا گیا کہ ان میں سے کسی کو کسی زمانے میں غذائی ضروریات نہ ملی ہوں بلکہ رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملتے رہنے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ ثُمَّ مَوْتُ كُلِّ شَيْءٍ میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرف عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اس کا تھا کہ ثمرات کل شجر فرمایا جاتا، اس کے بجائے ثمرات کل شئی فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنی میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے لموں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی ان کے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرم مکہ میں صرف کھانے پینے کی چیزیں جمع نہیں ہوگی بلکہ تمام ضروریات زندگی جمع کر دی جائیں گی جس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ شاید دنیا کے کسی بھی ملک میں یہ بات نہ ہو کہ ہر

ملک اور ہر خطے کی غذائیں اور وہاں کی مصنوعات اس افراط کے ساتھ وہاں ملتی ہوں جیسی مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں۔ یہ تو کافر مکہ کے عذر کا ایک جواب ہوا کہ جس مالک نے تمہاری حالت کفر و شرک میں تم پر یہ انعامات برمائے کہ تمہاری زمین کو ہر خطرہ سے مامون و محفوظ کر دیا اور باوجودیکہ اس زمین میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، ساری دنیا کی پیداوار یہاں لا کر جمع کر دی تو تمہارا یہ خطرہ کیسی بڑی جہالت ہے کہ خالق کائنات پر ایمان لانے کی صورت میں تم سے یہ نعمتیں سلب ہو جائیں گی۔

اس کے بعد دوسرا جواب اس غدر کا یہ ہے: وَكَذَٰلِكَ أَهْلُكُمْ مِّنْ قَوْمٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتُهُمْ جِسْمٌ فِيهِ تَلَايَا گویا ہے کہ دنیا کی دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ ان کے کفر و شرک کے وبال نے کس طرح ان کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر و شرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ تم کیسے بے خبر بے وقوف ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔

لَمْ تُسْكَنْ قَرْيَةً بَعْدَهُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَاعْنِي بِجَهَنَّمَ لَئِنْ قِيلَ لَكَ فِيهَا مِائَتٌ أَوْ أَلْفٌ مِّنْ أَهْلِهَا لَأَن تَرَاهُمْ فِيهَا فَتَكْفُرُ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُ

کہ تم نے کوئی قریہ ان کے بعد نہیں آباد کیا تھا اب تک بھی ان میں آبادی نہیں ہوئی بجز قدرِ قلیل کے۔ اس قدر قلیل سے مراد اگر مساکن اور مقاماتِ قلیلہ لیے جاویں جیسا کہ زجاج کا قول ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان تباہ شدہ بستیوں میں کوئی مقام اور کوئی مکان پھر آباد نہیں ہو سکا۔ بجز عددِ قلیل کے کہ وہ آباد ہوئے مگر حضرت ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ قدرِ قلیل سے مقامات اور مکاناتِ قلیلہ کا استثناء نہیں بلکہ زمانِ سکونت کا استثناء مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان بستیوں میں کوئی رہتا بھی ہے تو بہت تھوڑی دیر کے لیے جیسے کوئی راہ گیر مسافر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جائے جس کو بستیوں کی آبادی نہیں کہا جاسکتا۔

حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ مِّمَّنْ رَسُولًا: لفظ ام کے مشہور معنی والدہ اور ماں کے ہیں اور ماں چونکہ تخلیق انسانی کی بنیاد ہے اس لیے لفظ ام اصل اور اساس کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ امہا کی ضمیر قری کی طرف راجع ہے امہا سے مراد ام القری ہے یعنی بستیوں کی اصل اور مدار کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اس قوم کو بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغام حق نہ پہنچا دے، جب دعوت حق پہنچ جائے اور لوگ اس کو قبول نہ کریں اس وقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رسل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادتاً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے اسی لیے جب کسی بڑے شہر میں رسول مبعوث ہوا اور اس نے دعوت حق پیش کر دی تو یہ دعوت ان قصبات و دیہات میں بھی عادتاً پہنچ جاتی ہے اس طرح ان سب پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار و تکذیب کیا جائے تو سب پر عذاب آتا ہے۔

احکام و قوانین میں قصبات و دیہات شہروں کے تابع ہوتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے معاشی ضروریات میں چھوٹی بستیاں بڑے شہر کے تابع ہوتی ہیں وہیں سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح جب کسی حکم کا اعلان شہر میں کر دیا جائے تو اس حکم کی تعمیل اس کی ملحقہ بستیوں پر بھی لازم ہو جاتی ہے، نہ جاننے یا نہ سننے کا عذر مسموع نہیں ہوتا۔

ہلال رمضان وعید کے مسئلے میں بھی فقہاء نے یہی فرمایا ہے کہ ایک شہر میں اگر شہادت شریعہ کے ساتھ قاضی شہر کے حکم سے چاند کی رویت ثابت ہو جائے تو بالحقہ بستیوں کو بھی اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن دوسرے شہروں پر اس وقت تک لازم نہیں ہوگا جب تک خود اس شہر کا قاضی شہادت کو تسلیم کر کے اس کا حکم نہ دے۔ (کذا فی التاوی النیابہ)

تیسرا جواب اس آیت میں دیا گیا: وَمَا أَوْفَيْتُمْ قِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا..... جس میں یہ بتلایا کہ اگر بالفرض ایمان لانے کے نتیجے میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ ہے اور جس طرح دنیا کی عیش و عشرت مال و دولت سب چند روزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف و راحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے ہمیشہ رہنے والی دولت و نعمت کی خاطر چند روزہ تکلیف و مشقت برداشت کر لیتا ہی عقلمندی کی دلیل ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى..... یعنی دنیا کا مال و متاع اور عیش و عشرت سب فانی ہے اور یہاں کے اعمال کا جو بدلہ آخرت میں ملنے والا ہے وہ یہاں کے مال و اسباب اور عیش و عشرت سے اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی بہتر ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی راحت و لذت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور پھر وہ ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے بخلاف متاع دنیا کے کہ وہ کتنا ہی بہتر ہو مگر بالاخر فانی اور زائل ہونے والا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند آدمی ایسے عیش کو جو کم درجہ بھی ہو اور چند روزہ بھی اس عیش و آرام پر ترجیح نہیں دے سکتا جو راحت و لذت میں اس سے زیادہ بھی ہو اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہو۔

عقلمند کی تعریف یہی ہے کہ وہ دنیا کے دھندوں میں زیادہ منہمک نہ ہو بلکہ آخرت کی فکر میں لگے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال و جائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مر جائے کہ میرا مال اس شخص کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیا داروں میں سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب در مختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔ (تفسیر معارف القرآن) (منفی)

أَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَقَدْ فِيهِ تُبَيِّنَاتٌ ۝۱۰ أَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَقَدْ فِيهِ تُبَيِّنَاتٌ ۝۱۰ أَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَقَدْ فِيهِ تُبَيِّنَاتٌ ۝۱۰ أَلَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَقَدْ فِيهِ تُبَيِّنَاتٌ ۝۱۰
قَرِيبٌ ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ۝۱۱ النَّارُ الْأُولَى الْمُؤْمِنُونَ وَالثَّانِي الْكَافِرُونَ لَا تَسَاوَى بَيْنَهُمَا
وَأَذْكُرُ يَوْمَ يُنَادِيهِمُ اللَّهُ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝۱۲ هُمْ شُرَكَائِيَ قَالَ
الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِدُخُولِ النَّارِ وَهُمْ رُؤَسَاءُ الصَّلَاةِ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا مُبْتَذِلِينَ
وَصِفَةً أَغْوَيْنَاهُمْ خَيْرٌ فَغَوَوْا كَمَا أَغْوَيْنَا لَمْ نُكْرِهُهُمْ عَلَى الْغَى تَبَوَّأْنَا إِلَيْكَ مِنْهُمْ مَا كَانُوا إِيَّاكَ
يَعْبُدُونَ ۝۱۳ مَنَافِيَةٌ وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَفَاسَدَ السَّيْءُ وَكَانَ الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝۱۴

تَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللَّهِ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ دُعَاءَهُمْ وَرَأَوْهُمُ الْعَذَابَ ۖ اَبْصُرُوهُ لَوْ
 أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ۝ فِي الدُّنْيَا مَآزٍ أَوْ فِي الْآخِرَةِ ۚ وَادْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيهِمْ اللَّهُ فَيقُولُ مَاذَا
 أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِلَيْكُمْ فَعَيَّبَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبِيَاءُ الْأَخْبَارَ الْمُنْجِيَةَ فِي الْجَوَابِ يَوْمَئِذٍ أَيُّ لَمْ
 يَجِدُوا خَيْرًا لَّهُمْ فِيهِ نَجَاءٌ فَهُمْ لَا يَسَاءَلُونَ ۝ عَنْهُ فَيَسْأَلُونَ قَائِمًا مِّنْ تَابٍ مِّنَ الشِّرْكِ وَآمَنَ
 صَدَقَ بِتَوْحِيدِ اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا آذَى الْفَرَايِضَ فَعَسَىٰ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ التَّاجِبِينَ يَوْعِدُ
 اللَّهُ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا يَشَاءُ مَا كَانَ لَهُمْ لِلْمُشْرِكِينَ الْخَيْرَ ۚ الْأَخْبَارُ فِي شَيْءٍ
 سُبْحَنَ اللَّهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ عَنِ الشِّرْكِ ۚ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تَكُنْ صُدُّوهُمْ نَسِرُ قُلُوبُهُمْ مِنَ
 الْكُفْرِ وَغَيْرِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُونَ ۝ بِالْبَيْتِهِمْ مِنَ الْكُذْبِ ۚ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْحُدُودُ فِي الْأُولَى
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ الْجَنَّةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ الْقَضَاءِ النَّافِذِ فِي كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ بِالنَّشُورِ قُلْ لَا مَلْ
 مَكَةَ أَرَعَيْتُمْ أَيُّ أَخْبَرُونِي إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْيَلَّ سَرْمَدًا ۚ إِذَا مَرَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَن إِلَهٌ غَيْرُ
 اللَّهِ بِزَعْمِكُمْ يَأْتِيكُم بِضِيَآءٍ ۚ نَّهَارٍ تَطْلُبُونَ فِيهِ الْمَعِيشَةَ ۚ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۝ ذَلِكَ سِمَاعٌ تَقْهَمُ
 فَتَرْجَعُونَ عَنِ الْإِشْرَاقِ قُلْ لَهُمُ أَرَعَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا ۚ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ
 مَن إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ بِزَعْمِكُمْ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ تَشْتَرِيحُونَ فِيهِ ۚ مِنَ التَّعْبِ أَفَلَا تَبْصُرُونَ ۝
 مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَا ۚ فِي الْإِشْرَاقِ فَتَرْجَعُونَ عَنْهُ ۚ وَمِنْ رَحْمَتِهِ تَعَالَىٰ جَعَلَ لَكُمُ الْيَلَّ وَالنَّهَارَ
 لَتَسْكُنُوا فِيهِ فِي اللَّيْلِ وَلَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ فِي النَّهَارِ ۚ بِالْكَسْبِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ النِّعْمَةُ فِيهِمَا
 وَادْكُرْ يَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيقُولُ أَيُّ شُرَكَاءِ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ذَكَرْنَا لِيَسْمَعَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ ۚ
 نَزَعْنَا آخَرًا مِّنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ۚ وَهُوَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ بِمَا قَالُوا فَقُلْنَا لَهُمْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ عَلَىٰ
 مَا قُلْتُمْ مِنَ الْإِشْرَاقِ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ فِي الْإِلَهِيَّةِ لِلَّهِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا أَحَدٌ ۚ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَا
 هُوَ ۚ كَانُوا يَقْتُرُونَ ۝ فِي الدُّنْيَا مَنَ أَنْ مَعَهُ شَرِيكَ تَعَالَىٰ عَنْ ذَلِكَ

ترجمہ: بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک عمدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پالنے والا ہے (جنت میں پہنچنے والا ہے) کیا

اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ ٹانگہ دے رکھا ہے (جو جلد ہی اس سے چھن جائے گا) اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے (جہنم میں) لائے جائیں گے (پہلے شخص سے مراد موسیٰ اور دوسرے سے مراد کافر ہے۔ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے اور یاد کیجئے) اس دن کو جب (اللہ) انہیں پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم گمان میں لئے ہوئے تھے (کہ وہ ہمارے شریک ہیں) تو بول اٹھیں گے وہ لوگ جن پر فرمان صادر ہو چکا ہوگا (جہنم میں ڈالنے کا یعنی گمراہی کے اس رئیس) اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا تھا (یہ مبتداء ہے مع صفت کے) ہم نے انہیں ویسا ہی بہکایا (یہ خبر ہے پس وہ بہک گئے) جیسا کہ ہم خود بھگتے تھے (ہم نے انہیں بھگنے پر مجبور نہیں کیا تھا) ہم آپ کے سامنے (ان سے) دستبرداری دیتے ہیں۔ یہ لوگ کچھ ہم کو پوجتے نہ تھے (اس میں مانا یہ ہے اور فاصلہ آیات کی وجہ سے مفعول کو مقدم کر دیا ہے) اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلا لاؤ (یعنی ان بتوں کو جو تمہارے گمان میں شریک خدائیت تھے) چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ (ان کی پکار کا) جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے (مشاہدہ کر لیں گے) کاش یہ دنیا میں راہ راست پر رہے ہوتے (تو پھر یہ عذاب آخرت نہ دیکھتے) اور (یاد کیجئے) جس دن اللہ کافروں سے پکار کر کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا (جو تمہارے پاس گئے تھے) سو ان سے سارے مضامین گم ہو جائیں گے (عذاب سے بچاؤ کے جوابات) اس روز (یعنی انہیں کوئی جواب نہیں آ سکے گا جس سے ان کی نجات ہو جائے) اور آپس میں بھی پوچھ پاچھ نہ کر سکیں گے (رہائی کے سلسلہ میں لہذا خاموش رہ جائیں گے البتہ جو شخص (شرکوں میں سے) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے (اللہ کی توحید مان لے) اور اچھے کام کرے (فرائض ادا کرے) تو عجب نہیں کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں ہوں (اللہ کے وعدہ کے بموجب نجات پانے والے ہوں) اور آپ کا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے (جو چاہے) ان (شرکین) کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہے (کسی قسم کا اختیار نہیں ہے) اللہ پاک اور برتر ہے (ان کے شرک سے) جو یہ شرک کرتے ہیں اور آپ کا پروردگار سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (کفر وغیرہ جو سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں) اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (انہی زبانوں سے جھوٹ) اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اسی کی تعریف ہے اول (دنیا میں) بھی اور آخرت (جنت) میں بھی اور حکومت (ہر چیز کا مطلق فیصلہ) بھی اور تم سب (قیامت میں) اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے آپ (اہل مکہ سے) کہتے بھلا یہ تو بتلاؤ (مجھے جواب دو) کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے قیامت تک (دائمی طور سے) رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان میں) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے روشنی لے آئے (دن کر دے تاکہ تم معاش کے کام کر سکو) تو کیا تم سنتے نہیں (یہ بات سمجھتے نہیں کہ شرک سے باز آ جاؤ) آپ (ان سے) کہتے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کیلئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا (تمہارے گمان کے مطابق) وہ کون سا خدا ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاسکو (تعب سے راحت حاصل کر سکو) کیا تم نہیں دیکھتے (موجودہ شرک کے طریقہ سے باز آ جاؤ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنایا تاکہ تم (رات میں) آرام پاؤ اور تاکہ اس کی روزی تلاش کرو۔ (دن میں روزی کما کر) اور تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو (ان دونوں نعمتوں کا) اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر کہے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے (شرک کا حال دوبارہ ذکر کیا تاکہ اس پر اگلا جملہ منطبق ہو

سکے) اور ہم ہر امت میں سے ایک کو گواہ نکال لائیں گے (ان کے پیغمبر جو ان کی باتوں کے خلاف گواہی دیں گے) پھر ہم (ان سے) کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو (جو تم نے شریک یا تمہیں کی ہیں) سو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ (خدا ایت کے متعلق) ہم بات اللہ ہی کی تھی (اس میں کوئی اس کا سا بھی نہیں ہے) اور کسی کا پتہ نہ رہے گا (گم ہو جائیں گی) جو کچھ باتیں وہ گھڑا کرتے تھے (دنیا میں کہ خدا کا کوئی شریک ہے حالانکہ وہ شرک سے بری ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: وَعَدًا حَسَنًا: اس سے جنت کا وعدہ مراد ہے۔
 قولہ: هُمْ شُرَكَائِي: دلالت کلام کی وجہ سے دونوں مفعول حذف کر دیئے۔
 قولہ: خَيْرُهُ: یعنی الذین غوینا پر مبتداء ہے اور اس کی صفت المومنینا ہم ہے اور اس کی خبر فغوا کما غوینا۔
 قولہ: يَهْتَدُونَ: یعنی حق کی طرف راہ پائیں۔
 قولہ: نَارُ قَوْء: یہ لوکا جواب۔
 قولہ: قَبِيْثٌ: اس کو علی سے متعدی کیا کیونکہ اس میں خفاء کا متقی محضمن ہے تو گویا خیریں ان پر اندھے پن کی طرح بن گئیں کہ جن کی طرف راستہ نہیں مل سکتا۔
 قولہ: قَسِيْ: یہ تحقیق کے لئے ہے۔
 قولہ: غَرَضًا اِيْهِمْ: نامصدر یہ ہے موصول نہیں پس ضمیر عائد کی ضرورت نہیں۔
 قولہ: بِزُغْبَمِكُمْ: یہ ان کے زعم کے مطابق تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الہہ ہیں نہ کہ حقیقت میں جو کچھ ہے۔
 قولہ: غَابَ: اس میں اشارہ ہے کہ ضل میں استعارہ جمعہ ہے ان کے گمراہی والے افتراء کو غائب ہونے سے تشبیہ دی۔

تفسیر مقبولین

اَكْمَنَ وَعَدْنَاهُ وَعَدًا حَسَنًا فَهُمْ لَا يَخِفُّوْهُ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝
 قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے خطاب اور یہ سوال کہ جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا وہ کہاں ہیں؟

مذکورہ بالا سات آیات ہیں۔ پہلی آیت میں آخرت کے انجام کے اعتبار سے مومن اور کافر کا فرق بتایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جس سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہے کہ اس کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ابدی نعمتیں ملیں گی، اور ایک وہ شخص ہے جو مومن نہیں ہے لیکن اسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دے رکھا ہے جسے وہ استعمال کرتا ہے دنیا میں تو بظاہر کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے وہ قیامت کے دن گرفتار ہو کر آئے گا۔ اور پھر دوزخ میں

چلا جائے گا۔ غور کرنے والے غور کریں اور سمجھنے والے بتائیں کیا یہ مومن اور کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں جہاں کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ چند روزہ زندگی اور سامانِ عشرت پر نہ اترا میں وہاں مسلمانوں کو بھی بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کے سامان کی طرف نظریں نہ اٹھائیں یہ تھوڑے دن کی حقیر دنیا ہے اس کو دیکھ کر لپٹا نا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز کسی قاجر کی نعمت پر رشک نہ کر، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد کس چیز سے ملاقات کرنے والا ہے بے شک اللہ کے نزدیک اس کے لیے ایک قاتل ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی یعنی دوزخ۔ (اس میں داخل ہوگا اور چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا)۔

دوسری آیت سے لے کر چھٹی آیت کے ختم تک مشرکین اور کافرین سے جو خطاب ہوگا اس کا ذکر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے پکار کر سوال فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں؟ جنہیں تم میرا شریک سمجھ رہے تھے اس کے جواب میں ان کے گمراہ کرنے والے شیاطین جن کے بارے میں یہ طے ہو چکا ہے کہ انہیں دوزخ میں جانا ہی ہے یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بے شک یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا ہم نے انہیں ایسے ہی بہکایا جیسے ہم بہکے تھے یعنی نہ ہم پر کسی نے کوئی زبردستی کی تھی نہ ہم نے ان پر زبردستی کی، ہم گمراہ ہوئے انہیں بھی گمراہی کی باتیں بتائیں انہوں نے بات مان لی۔ دنیا میں ہم نے انہیں گمراہی پر لگایا اور یہ بھی ہماری باتوں میں آگئے اب یہاں تو ہم آپ کے حضور میں ان سے بیزار ہیں جب بہکانے والے اور گمراہ کرنے والے اپنے قبیحین سے بیزاری ظاہر کریں گے تو وہ یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم بھی ان سے بیزاری ظاہر کرتے (کیما فی سورۃ البقرۃ)۔ (وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا) بہکانے والے ساتھ ہی یوں بھی کہیں گے (مَا كَانُوا اِتَّكَافُ يَعْبُدُونَ) کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (یہ حقیقت میں اپنی خواہشوں کے بندے تھے گمراہی کی باتیں ان کی خواہشوں کے مطابق تھیں لہذا انہیں قبول کر لیا اور وہ اپنی بربادی کا سبب خود بنے) مشرکین سے یہ بھی کہا جائے گا کہ جنہیں تم اپنے خیال میں ہمارا شریک سمجھتے تھے انہیں پکارو! وہ حیرانی کے عالم میں انہیں پکاریں گے لیکن وہ ان کی بات کا جواب نہ دیں گے وہ اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے کسی کو کیا جواب دیں۔ (وَاَوَّا الْعَدَابِ) اور گمراہی کی دعوت دینے والے اور جنہیں گمراہی کی دعوت دی گئی عذاب کو دیکھ لیں گے)۔ (لَوْ اَنَّكُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ) (اس وقت وہ آرزو کریں گے کہ ہائے کاش ہم دنیا میں ہدایت پر ہوتے) اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی تدبیر جان لیتے جس سے یہ عذاب دفع ہو سکتا۔ اگر کوئی تدبیر ہوتی تو اس کو اختیار کر لیتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا اجِئْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۸﴾ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار کر سوال کیا جائے گا کہ جب تمہیں رسولوں نے حق کی دعوت پہنچائی تو تم نے کیا جواب دیا؟) فَعَيَّيْتُ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۹﴾ (سوساری خبریں یعنی ہر طرح کے مضامین جن کے ذریعہ جواب دیں سب غائب ہو جائیں گے) اور انہیں کچھ سمجھ نہ آئے گا کہ کیا جواب دیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرت انبیاء کرامؑ سے یہ سوال ہوگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا (کیما فی سورۃ المائدۃ) (يَوْمَ يَجْتَمِعُ لِلّٰهِ الرُّسُلُ فَيَقُولُ مَاذَا اجِئْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ) (تو اس وقت کی حیرانی میں کچھ جواب نہ دے سکیں گے جب اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا یہ حال ہوگا تو گمراہ لوگوں کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے

انہیں بولنے اور جواب دینے کی تاب کہاں ہو سکتی ہے؟) (نعم لا یخس آء لول) (سودہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے) کیونکہ اس دن کی وحشت اور مصیبت نے سب کچھ بھلا رکھا ہو گا کوئی کسی سے نہ پوچھے گا کہ کیا جواب دوں شرک اور کفر پر مرنے والوں کا حال بتانے کے بعد ان حضرات کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی اور ایمان اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہوئے۔ ارشاد فرمایا: فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَقَعَلَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ (یعنی جس نے کفر و شرک سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اعمال صالحہ اختیار کیے۔ سو یہ لوگ کامیابی پانے والوں میں سے ہوں گے)۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٥﴾

ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات جلیلہ اور قدرت کاملہ کے مظاہر بیان فرمائے جن میں بندوں پر بھی امتحان ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا: وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (آپ کا رب جو چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہتا ہے جن لیتا ہے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں ولید بن المغیرہ کی بات کا جواب دیا ہے جو اس نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیجنا چاہیے تھا (یعنی جو اس کے ذہن میں بڑا تھا) اہل دنیا دنیا داروں ہی کو بڑا سمجھتے ہیں اس لیے اس نے ایسی بات کہی اور اس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا تھا اسی کو سورہ زخرف میں یوں بیان فرمایا ہے: (وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمَةٍ)۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مذکورہ بالا آیت یہودیوں کے جواب میں نازل ہوئی۔

انہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ کے پاس وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ: و تا تو ہم ان پر ایمان لے آتے اور ان لوگوں کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے جن لیتا ہے۔ اس نے سارے نبیوں کے بعد خاتم النبیین بنانے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو چن لیا۔ اور سب فرشتوں میں سے وحی بھیجنے کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہے اپنی اطاعت کے لیے چن لے۔ (ذکر ذلک القرطبی فی تفسیرہ) اور بعض حضرات نے بختار کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے پسند فرماتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ نازل فرما دیتا ہے۔ پہلے جملہ میں یہ بتایا کہ کون سی امور میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور تشریحی اختیارات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ آیت کریمہ کے عموم لفظی میں یہ سب باتیں داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے جسے چاہا، چن لیا۔ اور جن حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان میں بھی آپس میں ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ بعض کو اولوالعزم بنایا اور بعض کو بہت بڑی امت عطا فرمائی، اور بعض پر ایمان لانے والے تھوڑے ہی سے تھے۔ بعض انبیاء کرامؑ پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیم کو ظلیل اللہ بنایا اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو حبیب اللہ بنایا اور معراج کا شرف عطا فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کی فضیلت عطا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کلمۃ اللہ کے ساتھ موصوف فرمایا۔ اسی طرح فرشتوں میں جس کو جو مرتبہ دیا اس میں کوئی ذلیل اور شریک نہیں۔ سورۃ حج میں فرمایا: (اللَّهُ يَصْطَلِيهِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ) (اللہ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی)۔

اسی طرح سے جنتوں میں بھی باہم فضیلت ہے۔ جنت الفردوس سب سے اعلیٰ اور افضل ہے آسمانوں میں بھی ایک کو

دوسرے پر برتری عطا فرمائی اور زمین کے خطوں میں بھی ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ کعبہ شریف کے لیے مکہ معظمہ کو منتخب فرمایا اور مسجد نبوی میں بھی ایک حصہ کو روضۂ من ریاض الجنۃ قرار دے دیا۔ اور مدینہ منورہ کو رسول ﷺ کا مسکن اور مدفن بنایا۔ جو لوگ اہل علم ہیں ان میں بھی کسی کو بہت زیادہ علم دیا کسی سے دین کی خدمت بہت لی، کسی کو مفسر کسی کو محدث کسی کو مفتی اور فقیہ بنایا، کسی کی طرف بہت زیادہ رجوع عطا فرمایا۔ طلبہ و تلامذہ کی ہزاروں کی تعداد ہو گئی۔ کسی سے بہت بڑا مدرسہ قائم کروادیا اور اس کی طرف امت کا رجوع کر دیا کسی کو کتابیں لکھنے کی توفیق زیادہ دے دی پھر اس کی کتابوں کو مقبولیت عامہ نصیب فرمادی۔ وہلم جراحالی مالایعدو لایحصی۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (لوگوں کو چن لینے اور اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں) اللہ نے جسے چاہا فضیلت دے دی اور جو حکم چاہا بھیج دیا۔ یہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ سُبْحَنَ اللّٰهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ اللہ پاک ہے اور وہ برتر ہے اس سے وہ جو شریک کرتے ہیں۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تَكُنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يَعْلَمُونَ ۝

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت علم کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ آپ کا رب وہ سب کچھ جانتا ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ لہذا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو کچھ اپنے دل میں بات رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں ہے اسے ظاہر اور باطن ہر چیز اور ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْبَصَرُ فِي الْأَوَّلِي وَالْآخِرَةِ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَالْيَوْمُ تَرْجَعُونَ ۝

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور صفات جلیلہ و جمیلہ سے اس کا متصف ہونا ذکر فرمایا۔ (اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لیے سب تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور اسی کے لیے حکم ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تمام تعریفوں کا وہی مستحق ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی، اسی کا فیصلہ حق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اسے سب کا حال معلوم ہے وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا اور جزا و سزا دے گا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْكَيْدَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ ۚ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ۝ چوتھی، پانچویں، چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے بندوں کو اپنی دو بڑی نعمتیں یاد دلایں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دن بھی دیا ہے اور رات بھی دی ہے۔ یہ محض اس کا فضل ہے اور اسی کی قدرت سے نل دنہار کا آنا جانا ہے۔ وہ اگر چاہے تو قیامت تک ہمیشہ رات ہی رات کر دے دن کبھی نہ آئے اور دن کی روشنی سے تم بالکل محروم ہو جاؤ، اسی طرح اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے رات نہ لائے جس میں تم آرام کرتے ہو تو تم کیا کر سکتے ہو؟ چونکہ مشرکین غیر اللہ کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے جب کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں اسی لیے پہلی جگہ میں یوں فرمایا کہ: مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَآءٍ ۚ (کہ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو روشنی کو لے آئے) اور دوسری جگہ فرمایا: مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۚ (کہ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرتے ہو) یہ بطور استفہام انکار کی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو رات کو دن سے بدل دے اور دن کو رات سے بدل دے، تم عقل و فہم اور سمع و بصر سے

کام کیوں نہیں لیتے؟

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں فواید تو بہت ہیں۔ لیکن دن میں معاش حاصل کرنا اور رات کو آرام کرنا دونوں عظیم فائدے ہیں ان کو اجمالاً آخری آیت میں بطور یاد دہانی مکرر بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: **وَمِنْ ذَمَّتْهُ جَعَلَ لَكُمْ آيِلَ وَالْتَهَارَ، لَتَسْكُنُوا فِيهِ وَلَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** ⑤

(اور اس کی رحمت سے یہ بات ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات کو بنایا اور دن کو بنایا تاکہ رات کو تم آرام کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو)۔

عام طور سے کسب اموال اور تحصیل رزق کے لیے دن ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اور رات کو سکون حاصل ہوتا ہے ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا لازم ہے اسی لیے آخر میں **وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** ⑤ فرمایا۔ (تفسیر انوار البیان)

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ إِبْنِ عَمَةٍ وَابْنُ خَالَتِهِ وَآمَنَ بِهِ قَبْلُ عَلَيْهِمْ بِالْكِبَرِ وَالْعُلُوِّ وَكَثْرَةِ الْمَالِ وَآتَيْنَهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءَ ثَقُلَ بِالعَصْبَةِ الْجَمَاعَةِ أُولَىٰ أَصْحَابِ الْقُوَّةِ أَيْ ثَقُلَهُمْ فَأَلْبَسُوا لِلتَّعْدِيَةِ وَعَدَّ لَهُمْ قِيلَ سَبْعُونَ وَقِيلَ أَرْبَعُونَ وَقِيلَ عَشْرَةٌ وَقِيلَ غَيْرَ ذَلِكَ أَذْكَرَ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ الْمُؤْمِنُونَ مِنْ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ لَا تَفْرَحْ بِكَثْرَةِ الْمَالِ فَرِحَ بِطَرِيقِ اللَّهِ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ⑥ بِذَلِكَ وَابْتِغَ أَطْلَبَ فِيمَا أَتَىٰكَ اللَّهُ مِنَ الْمَالِ الدَّارَ الْآخِرَةَ بَانَ نَفْعُهُ طَاعَةِ اللَّهِ وَلَا تَنْسَ تَرْجَىٰ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا أَيْ أَنْ تَعْمَلَ فِيهَا لِلْآخِرَةِ وَ أَحْسِنُ لِلنَّاسِ بِالصَّدَقَةِ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْتَغِ تَطْلُبُ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ⑦ بِعَمَلِ الْمُعَاصِي إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ⑧ بِمَعْنَى أَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ أَيْ الْمَالِ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ⑨ أَيْ فِي مِقَابِلَتِهِ وَكَانَ أَعْلَمَ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ بِالتَّوْرَةِ بَعْدَ مُوسَىٰ وَهَارُونَ قَالَ تَعَالَىٰ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ الْأَمَمَ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَ أَكْثَرُ جَمْعًا ⑩ لِلْمَالِ أَيْ وَهُوَ عَالِمٌ بِذَلِكَ وَيُهْلِكُهُمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ⑪ لِعِلْمِهِ تَعَالَىٰ بِهَا فَيَدْخُلُونَ النَّارَ بِلا حِسَابٍ فَخَرَجَ قَارُونَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ⑫ بِاتِّبَاعِهِ الْكَثِيرِينَ رُكْبَانًا مُتَحَلِّينَ بِمَلَابِيسِ الذَّهَبِ وَالْحَرِيرِ عَلَىٰ خُيُولٍ وَبِغَالٍ مُتَحَلِّينَ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَتَنَصِبَنَّهُ يَلْمِزَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونَ ⑬ مَا فِي الدُّنْيَا إِنَّهُ لَكُنْ وَ حَقٌّ نَصِيبٌ عَظِيمٌ ⑭ وَافٍ فِيهَا وَقَالَ لَهُمُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ بِمَا وَعَدَ اللَّهُ فِي الْآخِرَةِ وَيَلْكُمُ كَلِمَةً زَجَرَهُ تَوَابٌ

اللَّهُ فِي الْآخِرَةِ بِالْجَنَّةِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا مِّمَّا أُوتِيَ قَارُونُ فِي الدُّنْيَا وَلَا يُلْقِيهَا آيُ
الْجَنَّةِ الْمُنَاقِبِ بِهَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ فَخَسَفْنَا بِقَارُونَ بِهِ وَبَدَارِهِ
الْأَرْضُ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ غَيْرِهِ بَأْسٌ يَمْتَنِعُوا عَنْهُ الْهَلَاكِ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُتَنَصِّرِينَ ۝ مِنْهُ وَاصْبِحَ الَّذِينَ تَسْتَوُوا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ أَيُّ مِنْ قَرِيبٍ يَقُولُونَ وَيَكُنَّ اللَّهُ
يَبْسُطُ يُوسِعُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۚ يَضِيقُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَرَوَى اسْمُ فِعْلٍ بِمَعْنَى
أَعْجَبَ أَيُّ أَنَا وَالْكَافُ بِمَعْنَى اللَّامِ كَوَلَا أَنْ هَمَزَ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا بِالنِّبَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ
وَيَكُنَّ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ لِعِزَّةِ اللَّهِ كَقَارُونُ

ع

ترجمہ: قارون موسیٰ کی برادری میں سے تھا (چچا زاد، خالہ زاد بھائی تھا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا) سو اس نے لوگوں کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا (کبر، شخی اور مالداری کی وجہ سے) اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ اس کی کنجیاں گراں بار (بوجھل کر دیتی تھیں ایک جماعت زور آور کو) ہالعبستہ میں باقاعدہ کے لئے ہے کنجی برداروں کی تعداد، ۱۰، ۴۰، ۷۰ وغیرہ بتلائی گئی ہے اور یاد کیجئے) جب کہ اس کی برادری (میں سے مومنین بنی اسرائیل) نے کہا کہ تو اتر امت (زیادہ مالداری کے گھمنڈ میں) واقعی اللہ میاں (ان پر) اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جستجو کو (طلب رکھ) تجھ کو خدا نے جتنا کچھ (مال دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی (اللہ کی راہ میں خرچ کر کے) اور مت بھلا (چھوڑ) اپنا مقدر دنیا سے بھی (یعنی دنیا میں رہ کر آخرت کا کام کر جا) اور احسان کیا کر (لوگوں پر صدقہ کر کے) جس طرح کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور مت پھیلا (ڈھونڈ) زمین پر فساد (گناہ کر کے) بلاشبہ اللہ ایسے فساد یوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی انہیں سزا دے گا) قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ (مال) اپنی ہنرمندی سے ملا ہے (یعنی اپنے علم کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا عالم، موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد شمار ہوتا تھا۔ فرمایا کہ) کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر دیا ہے جو قوت میں اس سے کہیں بڑھے ہوئے اور جمع کرنے میں اس سے زیادہ تھے (مال کے اعتبار سے۔ یعنی وہ جانتا تھا اور اللہ نے ان سب کو برباد کر ڈالا تھا) اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں پڑے گا (کیونکہ اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔ لہذا وہ جہنم میں بلا حساب ہی داخل کر دیئے جائیں گے) پھر وہ (قارون) اپنی برادری کے سامنے اپنی آرائش کے ساتھ نکلا (شکر جزار کے ساتھ سنہری زیورات اور حیرتی لباس پہن کر آراستہ گھوڑوں، خچروں پر سوار) جو لوگ دنیا کے طلب کار تھے کہنے لگے اے کاش! (لفظ یا تنبیہ کیلئے ہے) ہمیں بھی دیا ہی سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے (دنیا میں) واقعی بڑا ہی (پورا) صاحب نصیب (قسمت) ہے جن لوگوں کو (وعدہ آخرت کا) علم عطا ہوا تھا وہ (ان سے) بولے۔ ارے تمہارا تاس ہو (یہ کلمہ ڈانٹ کا لفظ ہے) اللہ کے ہاں کا ثواب (آخرت میں جنت) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک کام کرے (یہ نسبت قارون کے

دنیاوی مال کے (اور وہ (جنتی ثواب) انہی کو دیا جاتا ہے۔ جو (اطاعت پر بھی) صبر کرنے والے ہیں (اور گناہوں سے بھی) پھر ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔ سو کوئی جماعت اس کیلئے ایسی نہ ہوئی جو اللہ سے بچا لیتی (غیر اللہ کی جماعت اس سے تباہی کو دفع کر دیتی) اور نہ وہ خود اپنے کو (اللہ سے) بچا سکا اور کل (یعنی ابھی گزشتہ زمانے میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے روزی زیادہ (خوب) دیتا ہے اور تنگی سے دینے لگتا ہے (جسے چاہے اور لفظ وئی اسم فعل بمعنی اعجب ہے بصیغہ متکلم ہے اور کاف بمعنی لام ہے) اللہ تعالیٰ کی اگر ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (لفظ خسف معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہے (جو اللہ کی نعمتوں کے منکر ہیں جیسے قارون)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: قَبْلِي: پس اس سے ان پر برتری چاہی تاکہ وہ اس کی ماتحتی قبول کر لیں۔

قوله: مِنْ اَلْكُنُوزِ: جمع شدہ اموال۔

قوله: لَتَنْتَوُنَّ: یہ ان کی خبر ہے اور جملہ ماکا صلبہ ہے۔ یہ اتنی کا دوسرا مفعول ہے۔

قوله: كَيَّا اَحْسَنَ: جیسا اس نے انعامات سے احسان کیا ہے۔

قوله: عَلٰی عَلِيْمٍ: یہ موضع حال میں واقع ہے اور عندی اس کی مفت ہے۔

قوله: مِثْلَ مَا اُوْتِيَ: جیسا عموماً لوگوں کی عادت ہے کہ وہ مال والوں کی طرف رغبت کرتے ہیں انہوں نے اس جیسا مال طلب کیا نہ کہ وہی تاکہ کہیں وہ حسد نہ کرنے لگے۔

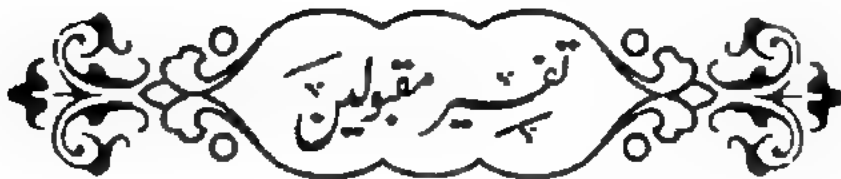
قوله: وَيَنْكُمُ: یہ بلاکت کی بددعا ہے یہ ناپسندیدہ حالت پر ڈانٹ کے لئے لایا گیا۔

قوله: مِنَ الْمُتَصَوِّرِيْنَ: بدلہ لینے والے جو انتقام چکا سکیں۔

قوله: بِمَنْعِيْ اَعْجَبَ: یہ مضارع متکلم کے حنی میں ہے امر نہیں۔

قوله: فَرَنَ اللّٰهُ: پس اس سے ہمیں ہماری تمنا فوری نہ دکا۔

قوله: لَخَفَّ: یہ معروف و مجہول پڑھا گیا ہے۔



اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْ قَبْلِيْ عَلَيْنَهُمُ

تارون اور اس کی سرکشی کی داستان عبرت کا بیان:

رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعد ذکر آخرت کی

مناسبت سے کچھ احوال عالم آخرت کے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا، جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لیے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون کو چن لیا تھا۔ قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیاوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰ بے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تو رات بہت پڑتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر وہ صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی ان ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں، مجھے کچھ بھی نہ ملے۔ کبھی مایوس ہو کر شنی مارتا کہ انھیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔

تا آنکہ جب حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو زکوٰۃ کا حکم سنایا تو یہ نفاق کے پردے سے نکل کر کھلے کفر کی شکل میں سامنے آ گیا۔ اپنے کچھ حواریوں کو جمع کر کے کہا کہ موسیٰ کی باتیں اس سے پہلے تو ہم سب مانتے اور برداشت کرتے رہے مگر اب تو اس نے ہم سے ہمارے مالوں کا مطالبہ بھی شروع کر دیا ہے۔ تو کیا تم لوگ اس کی یہ بات بھی مان لو گے؟ ان ٹوڈیوں نے جواب دیا کہ جیسے جناب کی رائے ہو، ہم ویسے ہی کریں گے۔ تو اس نے کہا میں تو کبھی بھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ انہوں نے کہا پھر ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس کے بعد اس نے ایک سازش تیار کی کہ ایک فاحشہ عورت کو بہت سارے پیسے دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جب موسیٰ بھرے مجمع میں تقریر کر رہے ہوں تم اٹھ کر ان پر زنا کی تہمت لگا دینا۔ چنانچہ اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اس فاحشہ عورت کو ایک ایسے مجمع میں لایا گیا جہاں حضرت موسیٰ نے خطاب فرمانا تھا۔ اور آپ نے دوران خطاب جب زنا کی سزا بیان فرمائی تو قارون نے کہا کہ موسیٰ یہ قانون سب کے لیے ہے؟ یا صرف ہمارے لیے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں سب کے لیے ہے۔ تو اس نے کہا! اگرچہ آپ بھی کیوں نہ ہوں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہاں اگرچہ میں بھی کیوں نہ ہوں۔ اس پر اس ملعون نے کہا کہ لو اب سنو کہ فلاں عورت آپ کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ اس پر اس نے اس عورت کو مجمع میں کھڑا کر دیا۔ موسیٰ نے جب اس عورت کو خدا کو واسطہ دے کر پوچھا تو وہ کانپ گئی۔ اور وہ صاف بتا دیا کہ مجھے قارون نے بھاری لالچ کے عوض اس الزام و اتہام کے لیے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے بارگاہ خداوندی میں قارون کے لیے بددعا کی جس سے وہ ملعون اپنے مال و دولت سمیت زمین میں دھنس گیا اور ہمیشہ کے لیے فی النار والاستقر ہو گیا۔ اور رہتی دنیا کے لیے درس عبرت بن گیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (روح، قرطبی، ابن کثیر، فائز، معارف، مرانی، جامع اور فتح وغیرہ وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ایسے اشرار و اعداء کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

قارون کے مال و دولت کا حال:

مفاتیح، مفتوح کی جمع بھی ہو سکتی ہے جس کے معنی خزانے کے ہوتے ہیں اور مفتاح کی جمع بھی جس کے معنی چابی اور کنجی کے آتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات نے اگرچہ اس لفظ کو پہلے معنی میں لے کر کہا کہ اس کے خزانے اتنے تھے کہ ایک

حاکم جماعت کے لیے بھی ان کا اٹھانا مشکل تھا۔ مگر اکثر کے نزدیک یہاں پر یہ لفظ مقابح کی جمع ہے جس کے معنی چابی کے آتے ہیں۔ یعنی اس کے خزانوں کی چابیاں اتنی تھیں کہ ایک حاکم جماعت کے لیے بھی ان کا اٹھانا مشکل ہوتا تھا۔ اور سیاق و سباق کے اعتبار سے یہی قول راجح لگتا ہے کہ اس میں جو معنویت ہے وہ پہلے قول و احتمال میں نہیں۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں خزانوں کی حفاظت کیلئے اس طرح کی تجوریوں، آہنی الماریاں اور سیف نہیں ہوتے تھے جس طرح کہ آج ہمارے اس دور میں پائے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی اس زمانے میں اس طرح کے سیل کردہ قفل اور ایسی چابیوں کا رواج تھا جو آج ہمارے سامنے اور ہمارے اس دور میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس زمانے کے سرمایہ دار بالعموم زمین دوز خزانے بناتے اور ان کی حفاظت کیلئے ان کے پھانکوں میں بڑے بڑے آہنی کنڈے لگا کر ان میں لوہے کے بڑے بڑے اڑ گئے ڈال دیتے جو خاص انہی اغراض و مقاصد کیلئے تیار کیے جاتے تھے۔ سو ان اڑ گوں کو پھسانا، کھولنا، بند کرنا بڑا مشکل کام ہوتا تھا اور ان کے تمام لوازم مل ملا کر اتنے بڑے اور اس قدر بھاری بوجھ بن جاتے کہ ان کو ہٹانے یا اٹھانے کا کام ایک حاکم جماعت کیلئے بھی ایک مشکل اور کھٹن امر ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس طرح کا طریقہ شہر پناہوں کی حفاظت اور قلعوں کے آہنی دروازوں کو بند کرنے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح کی یادگاریں اب بھی بعض مقامات پر پائی جاتی ہیں۔ سو آیت کریمہ میں اسی طرح کی سختیوں کی طرف اشارہ ہے۔ سو جس طرح عربوں کے یہاں بڑی بڑی دیگوں کا پایا جانا ان کی سخاوت و فیاضی کی دلیل سمجھا جاتا ہے اسی طرح بڑی چابیوں کو مال داری کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ بہر کیف وہ بد بخت اپنے دور کا بہت بڑا مالدار شخص تھا۔ اور اتنا کہ اس کی مال داری ضرب المثل بن گئی تھی۔

اکڑنے اترانے کی ممانعت:

سو جب اس بد بخت نے ترمود و سرکشی کی روش اختیار کی تو اس کی قوم کے دانش مند لوگوں نے اس سے کہا کہ تم اتر اؤ نہیں کہ اترانے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ یعنی نفس خوشی و مسرت کی ممانعت نہیں کہ وہ تو ایک طبعی اور فطری امر ہے بلکہ وہ تو ایک حد تک محمود و مطلوب بھی ہے۔ تاکہ اس سے اللہ پاک کی نعمتوں کی قدر دانی ہو سکے اور ان کے حق شکر کی ادائیگی کی توفیق و سعادت نصیب ہو سکے۔ بلکہ اس فرح سے مراد وہ اکڑنا اترانا اور حد سے بڑھنا ہے جو کہ انسان کے اندر تکبر اور غرور کی وہ صفات ذمیرہ پیدا کر دے جن سے آگے طرح طرح کے مفاسد و مغائن جنم لیتے ہیں اور قسما قسم کی وہ ہولناک برائیاں ابھرتی اور پھیلتی ہیں جو انسان کو دائمی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دنیاوی مال و دولت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان اسی کو اپنا مقصد بنا کر آخرت کو بھول جاتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی۔ لا تخذوا الفسیدۃ فترغبوا۔ یعنی تم لوگ ضرورت سے زیادہ جائیدادیں بنانے کی پیچھے نہ پڑا کرو کہ پھر تم دنیا ہی کے ہو کے رہ جاؤ گے۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف قارون کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ تم خداوند قدوس کی بخشی ہوئی نعمتوں کی بنا پر اور ان کے نشے اور غرور میں اسی کے خلاف اکڑنے اترانے کی حماقت کا ارتکاب مت کرو کہ وہ اکڑنے اترانے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ مگر مال و دولت کے باعث اکڑنے والے قارونی دماغوں پر ایسی باتوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ والعیاذ باللہ۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ

مال و دولت کا صحیح مصرف اور حقیقی فائدہ:

سوال مال و دولت کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اس کو راہ حق میں اور حق تعالیٰ کی تعلیمات و ارشادات کے مطابق خرچ کر کے اسے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس کی قوم کے ان دانشمندوں نے اس کو مزید نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ مال و دولت تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس سے تو آخرت کے اپنے اصل اور حقیقی گھر کو بنانے کی فکر کر۔ یہ ہے مال و دولت کا اصل مصرف کہ اس کو راہ حق میں خرچ کر کے اس سے آخرت کی کمائی کا سامان کیا جائے۔ اور اس طرح اسے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس صورت میں وہ دولت ایک نعمت بن جائے گی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: ((يَنْعَمُ النَّالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ)) کہ وہ مال جو نیک انسان کو نیک طریقے سے ملے وہ بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں مال کو خیر کے لفظ سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ پس مال و دولت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اس کی اچھائی برائی کا مدار انحصار دراصل انسان کی نیت و ارادے اور اس کے کسب و انفاق پر ہے۔ اگر وہ اس کو جائز اور حلال طریقے سے کما کر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور خلق خدا کی خدمت اور بہتری کے لیے خرچ کرے گا تو وہ اس کے لیے خیر ہی خیر اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ بنے گا۔ ورنہ وہ اس کے لیے دنیا و آخرت کی تباہی کا باعث ہوگا۔

آخری زندگی کی کامیابی کے لیے فکر و کوشش کا درس:

سو اس سے اپنی اخروی زندگی کو یاد رکھنے اور اس کے لیے فکر و کوشش کرنے کے بارے میں ایک نہایت حکیمانہ نصیحت فرمائی گئی ہے۔ سوارشاد فرمایا کہ تم دنیا سے اپنے حصے کو مت بھولو۔ عام طور پر مفسرین کرام نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم اس دنیا میں بھی اپنا حصہ نظر انداز نہ کرو۔ یعنی اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے وغیرہ کی ضروریات ترک نہیں کرنا کہ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ اس صورت میں {لائس} بمعنی لاترک ہوگا۔ اور یہ نئی کراہت تخریبہ کے معنی میں ہوگی۔ عام طور پر حضرات مفسرین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن یہ بات کچھ دل کو لگتی نہیں کیونکہ دنیاوی فوائد و منافع حاصل کرنا کوئی ایسا مقصد نہیں کہ قرآن حکیم اس کے بارے میں اس طرح تاکید و حکم دے۔ بلکہ یہ دنیا تو قرآن و سنت کی روشنی میں کسی اعتبار کے لائق ہے ہی نہیں کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ پس اس ارشاد کا مقصود مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے آخرت کے لیے توشہ لے جانا نہیں بھولنا کہ یہ دنیا دراصل آخرت کی کمائی کے لیے مزرعہ اور بھیتی ہے۔ اور آج اس کا موقعہ ہے کہ انسان اپنی مرضی اور اپنے قصد و ارادے سے اس کو جوہ خیر میں صرف و خرچ کر کے آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کیلئے سامان کرے۔ ورنہ فرصت حیات کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس کا کوئی موقعہ نہیں رہے گا۔ اور مِنَ الدُّنْيَا دینا سے کلمہ کریمہ سے بھی اسی مفہوم کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ ورنہ اوپر والا مفہوم جو کہ عام طور پر سمجھا اور بیان کیا جاتا ہے اس کے مناسب مِنَ الدُّنْيَا نہیں بلکہ فی الدُّنْيَا کی تعبیر ہے۔ اور یوں بھی ان ابنائے دنیا کو جو کہ دنیا ہی کیلئے جیتے اور مرتے ہوں اور جن کا مطلق نظر اور مقصود حیات ہی دنیاوی مال و دولت کے مرنے لوٹا اور تن و توش کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کرنا ہوا ان

کیلئے اس ہدایت و ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے کہ تم اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا کہ ان کا تو جینا مرنا ہی دنیا کیلئے ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک اس ارشاد بانی کا صحیح اور دل لگتا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ اس دنیوی مال و دولت سے جو آج تمہیں میسر ہے اپنی آخرت اور وہاں کی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے توشہ لے جانا نہ بھولنا۔ یہی مطلب و قیغ بھی ہے اور دل کو لگنے والا بھی۔ اور آیت کے کلمات کے یہ سے ظاہر اور مقبدر بھی۔ بہر کیف قارون کی قوم کے سمجھدار اور اس کے غیر خواہ لوگوں نے اس سے کہا کہ دنیاوی مال و دولت کی بنا پر اترانے کی بجائے اس کو اپنی آخرت کی کمائی کا ذریعہ بناؤ کہ اس دنیا کی ہر چیز قانی اور آئی جانی ہے۔ اس کی کسی بھی چیز کیلئے بقا اور دوام نہیں۔ اصل چیز ہے آخرت کی وہ زندگی جو کہ حقیقی بھی ہے اور دائمی اور ابدی بھی۔ سو اس دنیا میں تمہارے کام وہی چیز آئے گی جو تم اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے خرچ کرو گے۔ ورنہ تمہارا یہ مال و دولت تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا بلکہ یہ الٹا تمہارے لیے ہلاکت و تباہی کا باعث بن جائے گا۔ مگر اس نے اپنی بد بختی کی بنا پر نصیحت و خیر خواہی کی کسی بات پر کان نہ دھرا اور بال آخر وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہا۔

زمین میں فساد مت پھیلاؤ:

بے شک اللہ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سو قارون کی قوم کے ان دانشمندان نے اس بگڑے ہوئے انسان سے مزید کہا کہ تو زمین میں فساد مچانے کے درپے مت ہو اور اس میں فساد مت پھیلا اللہ کے حکم سے سرتابی کر کے اور اس کی عبادت و بندگی سے منہ موڑ کر کہ یہی چیز اصل میں فساد و بگاڑ اور ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور اس کا باعث انسان کا وہ غلو و استکبار ہوتا ہے جس سے بندہ حدود بندگی سے نکل کر خدائی حدود اور اس کے حقوق میں مداخلت کرنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دائمی ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو فساد فی الارض صرف چوری و کبتی اور راہزنی وغیرہ ہی کا نام نہیں۔ یہ تو اس کے محض بعض مظاہر ہیں۔ فساد فی الارض جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اصل میں غلو و استکبار ہے جس سے انسان حدود بندگی سے نکل کر خداوند قدوس کی حدود اور اس کے حقوق میں مداخلت کرنے لگتا ہے۔ اور جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں وہ مفسدین فی الارض میں شامل ہیں خواہ وہ اصلاح و خیر خواہی کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ اور خواہ وہ اپنا کام کتنی ہی دانش فروشیوں سے کیوں نہ کرتے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو خداوند قدوس کیسے پسند کر سکتا ہے۔ سو ایسے فسادی عناصر کی حیثیت اس کے چمن میں خود رو جھاڑیوں اور اس کے خوان کرم پر ناخواندہ و ناپسندیدہ مہمانوں کی ہے۔ بال آخر وقت آنے پر وہ ان خود رو جھاڑیوں کو اکھاڑ پھینکے گا اور ان ناپسندیدہ عناصر کو بری طرح کھد یر دیا جائے گا۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ حِلْمٍ عِنْدِي ۖ

اپنی عقل و دانش پہ معسرت و تارون کا جواب:

قوم کے علماء کی نصیحتوں کو سن کر قارون نے جو جواب دیئے اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے کہا آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو دے رکھا ہے اسی کا مستحق میں تھا، میں ایک عظیمذریعہ، دانا شخص ہوں میں اسی قابل ہوں اور اسے بھی اللہ جانتا ہے اسی لیے اس نے مجھے یہ دولت دی ہے۔ بعض انسانوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب بڑی عاجزی سے ہمیں پکارتا ہے اور جب انسان کو کوئی نعمت و راحت اسے

ہم دے دیتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ: قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْنُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۖ أَوَلَمْ يَْعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ (القصص: ۷۸) یعنی اللہ جانتا تھا کہ میں اسی کا مستحق ہوں اس لیے اس نے مجھے یہ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے کہ اگر ہم اسے کوئی رحمت چھٹاکیں اس کے بعد جب اسے مصیبت پہنچی ہو تو کہہ اٹھتا ہے کہ ہذا لی اس کا حقد اترو میں تھا ہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قارون علم کیسا جانتا تھا لیکن یہ قول بالکل ضعیف ہے۔ بلکہ کیسا کا علم فی الواقع ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کے عین کو بدل دینا یہ اللہ ہی کی قدرت کی بات ہے جس پر کوئی اور قادر نہیں۔ فرمان الہی ہے کہ اگر تمام مخلوق بھی جمع ہو جائے تو ایک کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو کوشش کرتا ہے کہ میری طرح پیدائش کرے۔ اگر وہ سچا ہے تو ایک ذرہ یا ایک جوہی بنا دے۔ یہ حدیث ان کے بارے میں ہے جو تصویریں اتارتے ہیں اور صرف ظاہر صورت کو نقل کرتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ فرمایا پھر جو دعویٰ کرے کہ وہ کیسا جانتا ہے اور ایک چیز کی کاپیا پلٹ کر سکتا ہے ایک ذات سے دوسری ذات بنا دیتا ہے مثلاً لوہے کو سونا وغیرہ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور بالکل محال ہے اور جہالت و ضلالت ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ رنگ وغیرہ بدل کر دھوکے بازی کرے۔ لیکن حقیقتاً یہ ناممکن ہے۔ یہ کیسا اگر جو محض جھوٹے جاہل فاسق اور مفتری ہیں یہ محض دعوے کر کے مخلوق کو دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ بعض اولیاء کے ہاتھوں جو کرامتیں سرزد ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی چیزیں بدل جاتی ہیں ان کا ہمیں انکار نہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ان پر ایک خاص فضل ہوتا ہے اور وہ بھی ان کے بس کا نہیں ہوتا، نہ ان کے قبضے کا ہوتا ہے، نہ کوئی کاری گری، صنعت یا علم ہے۔ وہ محض اللہ کے فرمان کا نتیجہ ہے جو اللہ اپنے فرمانبردار نیک کار بندوں کے ہاتھوں اپنی مخلوق کو دکھا دیتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عیود بن شریح مصری سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجت مندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزرہ ہو رہے تھے۔ آخر آپ نے ایک کنکر زمیں سے اٹھایا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا بن گیا۔ معجزے اور کرامات احادیث اور آثار میں اور بھی بہت سے مروی ہیں۔ جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالدار کی دعا کی تو اس قدر دولت مند ہو گیا۔ قارون کے اس جواب کی رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں جس پر مہربان ہوتا ہوں اسے دولت مند کر دیتا ہوں نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کر دیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالدار کی میری محبت کی نشانی ہے، محض غلط ہے۔ جو میرا شکر ادا نہ کریں کفر پر جمار ہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ گناہ گاروں کے کثرت گناہ کی وجہ سے پھر ان سے ان کے گناہوں کا سوال بھی عبث ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھ میں خیریت ہے اس لیے اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں اس مالدار کی کا اہل ہوں اگر مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ

قارون کے ایک بڑے جہلوں کا ذکر:

قارون جب اپنی زیب و زینت کے اظہار اور دکھلاوے کے لیے ایک جلوں کی شکل میں نکلا تو ان لوگوں نے جن کے

سامنے دنیا اور اس کے مادی شواہد ہاتھ ہی سب کچھ ہیں انہوں نے قارون کے شواہد ہاتھ کو دیکھ کر کہا کہ کاش کہ ہمیں بھی وہ کچھ مل جاتا جو قارون کو ملا ہے۔ یقیناً وہ بڑا ہی نصیب والا ہے۔ سو یہ بتائے دنیا کی لپٹائی ہوئی نگاہوں کا ایک مظہر ہے۔ دنیا داروں اور دولت پرستوں کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے کہ دنیا کی چمک دمک سے ان کی رال فوراً ٹپک پڑتی ہے اور ان کے منہ میں پانی بھرا آتا ہے کہ بس یہی ٹھیک اور یہی سب کچھ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وہ اس کو دیکھنے اور جاننے سے قاصر اور عاجز ہوتے ہیں کہ اس ظاہر کے پیچھے اصل حقائق کیا ہیں اور اس ظاہر کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اسی دوران قارون نے اپنی شان و شوکت کے اظہار اور اس کے مظاہرہ و نمائش کے لیے کوئی بڑا جلوس نکالا تاکہ اس طرح وہ موکی اور ان کے ساتھیوں کو مرعوب اور اپنی جمعیت میں اضافہ کر سکے۔ اور اس کے لیے اس نے اپنی دولت اور حشمت کا خاص طور پر مظاہرہ کیا جیسا کہ: **فَبَقِيَ ذَيْنْتَهُ** کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہی چیز عوام کا لالچ و سب سے زیادہ متاثر و مرعوب کرتی ہے۔ اور قارون کی یہ حرکت بعینہ اسی طرح کی حرکت ہے جس طرح کہ ہمارے ملک کے لیڈر صاحبان اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے اور عوام کے اندر اپنی مقبولیت دکھانے کے لیے مختلف شہروں اور قصبوں وغیرہ میں آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں۔ اللہ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

سمجھدار اور ذی علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو مجھے جانتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ شپ ٹاپ محض بیچ اور لاشیٰ ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو زرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ یعنی دنیا سے آخرت کو بہتر وہی جانتے ہیں جن سے محنت سہی جاتی ہے۔ اور بے صبر لوگ حرص کے مارے دنیا کی آرزو پر گرتے ہیں۔ نادان آدمی دنیا کی آسودگی دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس کی بڑی قسمت ہے اس کی شب و روز کی فکر و تشویش، زور دہری اور آخرت کی ذلت کو اور سو جگہ خوشامد کرنے کو نہیں دیکھتا اور یہ نہیں دیکھتا کہ دنیا میں کچھ آرام ہے تو دس بیس برس، اور مرنے کے بعد کائنات میں ہزاروں برس۔ (موضع منہیر بیر)

فَخَسَفْنَا بِهِ وَابْنَ إِدْرِهَ الْأَرْضَ

قارون کا انجام:

اوپر قارون کی سرکشی بے ایمانی کا ذکر ہو چکا یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ خیران کی مسجد میں نے ایک نوجوان کو دیکھا بڑا سباجوڑا بھرپور جوانی کے نشہ میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بالاکاثر چھا اچھے رنگ و رخن، والا خوبصورت، کھیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہی کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ بے قدر ایک بالشت کے رہ گیا۔ آخر کار اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔ یہ بھی مذکور ہے

کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ کی ہدایت سے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال و متاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ میں اس وقت جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہاں ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس عورت نے یہی کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت ہاندہ لی اور در رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کئے تو جو سچا واقعہ ہے اسے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ حضرت موسیٰ پھر سجدہ میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اس کے محل کو نگل لے۔ زمین نے یہی کیا دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی سفید قیمتی فخر پر بیٹھ بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے بنو اسرائیل کا مجمع تھا۔ یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا آج اس طرح کیسے لگے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ و حشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت پر شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اس کو لے کر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تو دعا کرتا ہے یا میں کروں؟ اس نے کہا نہیں میں کروں گا اب اس نے دعا مانگی شروع کر دی اور ختم ہو گئی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے کہا اب دعا میں کرتا ہوں اس نے کہا ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں مان لے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ لے۔ یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ لے۔ موندھوں تک زمین میں دھنس گئے۔ پھر فرمایا ان کے خزانے اور مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے کل خزانے اور مال وہاں آ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کر لے اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہو گئی۔ مروی ہے کہ ساتوں زمین تک یہ لوگ بقدر انسان دھنستے جا رہے ہیں قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔ یہاں پر بنی اسرائیل کی اور بہت سی روایتیں ہیں لیکن ہم نے ان کا ذکر یہاں چھوڑ دیا ہے۔ نہ تو مال ان کے کام آیا نہ جاہ و حشم نہ دولت و تمکنت نہ کوئی ان کی مدد کے لیے اٹھانہ یہ خود اپنا کوئی بچاؤ کر سکے۔ تباہ ہو گئے بے نشان ہو گئے مٹ گئے اور مٹا دیئے گئے (اعاذنا اللہ) اس وقت تو ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئی جو قارون کی دولت کو لچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور اسے نصیب دار سمجھ کر لیے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کیا کرتے تھے کہ کاش ہم ایسے دولت مند ہوتے۔ وہ کہنے لگے اب دیکھ لیا کہ واقعی سچ ہے دولت مند ہونا کچھ اللہ کی

رضامندی کا سبب نہیں۔ یہ اللہ کی حکمت ہے جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم دے۔ جس پر چاہے وسعت کرے جس پر چاہے تنگ کرے۔ اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کی ہے جس طرح روزی کی۔ مال تو اللہ کی طرف سے اس کے دوستوں کو بھی ملتا ہے اور اس کے دشمنوں کو بھی۔ البتہ ایمان اللہ کی طرف سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہو۔ قارون کے اس دھنسائے جانے کو دیکھ کر وہ جو اس جیسا بننے کی امیدیں کر رہے تھے کہنے لگے اگر اللہ کا لطف و احسان ہم پر نہ ہوتا تو ہماری اس تمنا کے بدلے جو ہمارے دل میں تھی کہ کاش ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔ آج اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ساتھ دھنسا دیتا۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ کے ہاں فلاح کے لائق نہیں ہوتے۔ نہ انہیں دنیا میں کامیابی ملے نہ آخرت میں ہی وہ چھٹکارا پائیں۔ غوی کہتے ہیں ویکان کے معنی ویلک اعلم ان ہیں لیکن مخفف کر کے ویک رہ گیا اور ان کے فتح نے اعلم کے محذوف ہونے پر دلالت کر دی۔ لیکن اس قول کو امام ابن جریر نے ضعیف بتایا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ ضعیف کہنا ٹھیک نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی کتابت کا ایک ساتھ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ کتابت کا طریقہ تو اختراعی امر ہے جو رداج پا گیا وہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے معنی اس کے الم تر ان کے لیے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس طرح یہ دو لفظ ہیں دی اور کان۔ حرف دی تعجب کے لیے ہیں اور یاسیہ کے لیے اور کان معنی میں اظن کے ہے۔ ان تمام اقوال میں قوی قول یہ ہے کہ یہ معنی میں الم تر کے ہے یعنی کیا نہ دیکھا تو نے جیسے کہ حضرت قتادہ کا قول ہے اور یہی معنی عربی شعر میں بھی مراد لیے گئے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ أَيُّ الْجَنَّةِ نَجْعُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ بِالْبُغْيِ وَلَا فَسَادًا ۖ يَعْمَلِ
الْمَعَالِي وَالْعَاقِبَةُ الْمُحْمُودَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ عِقَابَ اللَّهِ يَعْمَلِ الطَّاعَاتِ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ
خَيْرٌ مِنْهَا ۖ ثَوَابٌ بِسَبِّهَا وَهُوَ عَشْرُ امْتَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ
إِلَّا جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَيْ مِثْلُهُ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ لِرَأْدِكَ إِلَى مَعَادٍ ۖ إِلَى
مَكَّةَ وَكَانَ قَدْ اسْتَأْذَنَ قُلَّ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَى وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ نَزَلَ جَوَابًا لِقَوْلِ
كُفَّارٍ مَكَّةَ لَهُ إِنَّكَ فِي ضَلَالٍ أَيْ فَهُوَ الْجَائِي بِالْهُدَى وَهُمْ فِي الضَّلَالِ وَأَعْلَمُ بِمَعْنَى عَالِمٌ وَمَا كُنْتَ
تَرْجُو أَنَّ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ الْقُرْآنُ إِلَّا لِكِنَّ الْفَيْ إِلَيْكَ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّمَعِينِنَا
لِلْكَافِرِينَ ۝ عَلَى دِينِهِمُ الَّذِي دَعَوْكَ إِلَيْهِ وَلَا يَصُدُّكَ أَصْلُهُ يَصُدُّونَكَ حَذَفَتْ ثَوْنُ الرُّفْعِ لِلْجَازِمِ
وَالْوَاوُ الْقَاعِلُ لِالْيَقَائِنَا مَعَ الثَّوْنِ الشَّاكِنَةِ عَنْ آيَةِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ أَيْ لَا تَرْجِعْ إِلَيْهِمْ فِي
ذَلِكَ وَادْعُ النَّاسَ إِلَى رَبِّكَ بِتَوْحِيدِهِ وَعِبَادَتِهِ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمَشْرِكِينَ ۝ بِإِعَانَتِهِمْ يُؤْثِرُ الْجَازِمُ

فِي الْفِعْلِ لِثَنَائِهِ وَلَا تَتَّبِعْ تَعْبُدُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ الْأَيَّاهُ
لَهُ الْحُكْمُ الْقَضَاءُ النَّافِذُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥﴾ بِالشُّؤْرِ مِنَ الْقُبُورِ

ترجمہ: یہ عالم آخرت (جنت) ہم انہیں کیلئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں (بغوات پھیلا کر) بڑا بننا نہیں چاہتے اور نہ
(گناہوں کے ذریعہ) فساد اور (بہترین) انجام تو متقیوں کا حصہ ہے (جو نیکیاں کرتے ہوئے عذاب الہی سے ڈرتے
ہیں) جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر ملے گا (دس گناہ اجر ایک نیکی کی وجہ سے ملے گا) اور جو بدی لے کر
آئے گا۔ پس ایسے لوگ جو بدی کا کام کرتے ہیں بس اتنا بدلہ ہی ملے گا جتنا کام وہ کرتے تھے جس نے آپ پر قرآن فرض
(نازل) کیا ہے وہ آپ کو آپ کے وطن پہنچا کر رہے گا (مکہ میں جس کا آپ کو اشتیاق ہے) آپ فرمادیجئے میرا پروردگار
خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے (کفار مکہ کے آنحضرت کی نسبت انک فی ضلال
کہنے کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یعنی فی الحقیقت آپ ہدایت لے کر آنے والے ہیں اور اہل مکہ گمراہی میں
ہیں اور لفظ علم بمعنی عالم ہے) اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب (قرآن) نازل کی جائے گی۔ مگر (آپ پر نازل
کی گئی) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے۔ سو آپ ان کافروں کی ذرا تائید (اعانت) نہ کیجئے (اپنے جس مذہب کی طرف
یہ لوگ آپ کو بلارہے ہیں) اور ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ لوگ آپ کو روک دیں (یصدنک اصل میں یصدونک تھا فون
جمع جازم کی وجہ سے اور واو علامت فاعل نون ساکن کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے) اللہ کے احکام سے
آپ کے پاس ان کے آنے کے بعد (یعنی اس کے بعد اس کی طرف رخ نہ کیجئے) اور آپ اپنے پروردگار (کی توحید اور
عبادت) کی طرف بلاتے رہیے اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے (ان کی تائید کر کے۔ لا تکنون میں جہی ہونے کی
وجہ سے جازم نے عمل نہیں کیا) اور اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ کیجئے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب چیزیں فنا ہونے
والی ہیں بجز اس کی ذات کے اسی کی حکومت (حکم نافذ) ہے اور اسی کی طرف تم سب کو جانا ہے (قبروں سے اٹھ کر)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: عَمَلُوا الشَّيْئَاتِ: ظاہر کو صمیر کی جگہ لائے اس سے ان کی قبیح حالت بیان کرنے مقصود ہے ان کی طرف برائی کی اسناد
کو پختہ کیا گیا۔

قوله: بِمِثْلِهِ: مثل کو حذف کر دیا اور ما کا نوا عملون کو اس کے قائم مقام بطور مبالغہ کر دیا۔

قوله: أَنْزَلَهُ: اور اس نے اس کی تلاوت و تبلیغ کو لازم کر دیا۔

قوله: بِلَى مَكَّةَ: وہ کہ جس کی آپ کو عادت ہے۔

قوله: لَكِنْ: یہ استثناء منقطع ہے۔

قوله: لَا تَرْجِعْ: کفار کے لئے ممانعت کو ظاہر ہے اور حقیقت میں جناب رسول اللہ ﷺ کو منع کیا کہ ان کی طرف رجوع فرمائیں۔

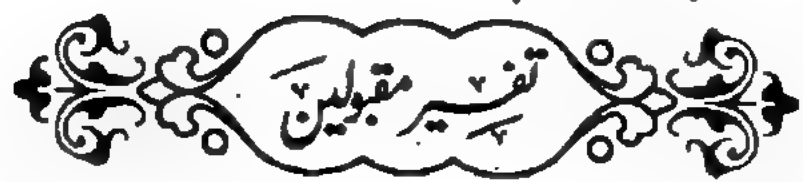
قوله: إِلَىٰ رَبِّكَ: یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کی جانب۔

قوله: يُوْثِرُ: بکون سے داد کو حذف کیا جائے گا۔

قوله: لِبَنَاتِهِ: نون تاکید اس سے ملحق ہوگی۔

قوله: وَلَا تَنْجُ: یہ ابھارنے کے لئے ہے اور آپ کی معاونت سے مشرکین کی طمع کو منقطع کرنا ہے۔

قوله: يَا أَيُّهَا: الوجه سے ذات باری تعالیٰ مراد ہے۔



تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ.....

آنحضرت کا گھرانہ لوگوں کیلئے ہے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں یہ بتایا کہ دار آخرت یعنی موت کے بعد جو مؤمنین صالحین کو ٹھکانہ ملے گا اسے ہم انہیں لوگوں کے لیے خاص کر دیں گے جو زمین میں بڑائی، برتری اور بلندی کا ارادہ نہیں کرتے اور فساد کو نہیں چاہتے۔ اور اچھا انجام متقیوں ہی کا ہے، بندوں کو تواضع کے ساتھ رہنا لازم ہے۔ ساری بڑائی خالق اور مالک ہی کے لیے ہے جس نے سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کی بڑائی اور کبریائی کے سامنے ہر بندہ کو جھک جانا لازم ہے۔ جن لوگوں کو جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے ان میں اسی قدر تواضع ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اس بڑائی کے حاصل کرنے کے لیے بہت سے گناہ کرتے ہیں اللہ کی مخلوق کو ستاتے ہیں دکھ دیتے ہیں قتل تک کر داتے ہیں۔ اللہ کے احکامات کو پامال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے لیے دار آخرت یعنی جنت سے محرومی ہی کا نظارہ کرتے ہیں پھر دنیا میں بھی انہیں وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اگر لوگ دنیاوی اقتدار کے دباؤ میں کچھ نہ کہیں تو دلوں سے تو برا سمجھتے ہی ہیں۔

تواضع کی منفعت اور تکبر کی مذمت:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہوگا اور جس نے تکبر اختیار کیا اللہ اسے گرا دے گا۔ پس وہ لوگوں کی نظروں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا۔ (لوگوں کے نزدیک اس کی ذلت کا یہ حال ہوگا کہ) وہ کتے اور خنزیر سے بڑھ کر ان کے نزدیک ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۴) ایک حدیث میں ہے کہ دوزخ میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ اور کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۳ از مسلم)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تکبر کرنے والے انسانی صورتوں میں چوہنیوں کے برابر

چھوٹے چھوٹے جسموں میں جمع کیے جائیں گے انہیں دوزخ کے جبل خانہ کی طرف ہٹا کر لے جایا جائے گا جسکا نام بولس ہے ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی، ان لوگوں کو طیۃ الخبال (یعنی دوزخیوں کے جسموں کا ٹھکانہ) پلایا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

تکبر بری بلا ہے شیطان کو لے ڈوبا اس کی راہ پر چلنے والے انسانوں کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ دوسری آیت میں یہ بتایا کہ جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ سب سے بڑی نیکی تو ایمان ہے اس کا بہت بڑا بدلہ ہے یعنی ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہونے کا انعام ہے اور صاحب ایمان جتنی بھی نیکیاں کرے گا ہر نیکی کا بہت بڑا ثواب پائے گا جو اس کی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا اور ہر نیکی کا ثواب کم از کم دن گنا ہو کر تو ملتا ہی ہے یہ تو اہل ایمان کا ذکر ہوا۔ اب رہے کافران کو بھی ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ سب سے بڑا برا عمل کفر و شرک ہے اور کفر کے ساتھ اہل کفر اور بھی بڑے بڑے گناہ کرتے رہتے ہیں۔ کافروں میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں غریب تھے اصحاب اقتدار کی رعیت تھے ان کے سامنے ذلیل تھے تنگدست بھی تھے لوگوں کے سامنے حقیر بھی تھے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو بڑے بڑے مالدار تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے، کافر و مشرک امیر ہو یا غریب ہو عزت دار ہو یا ذلیل ہو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنے گا اور کفر کے علاوہ جو گناہ کیے ہوں گے ان کی سزا بھی ملے گی۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ...

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم فرماتا ہے کہ رسالت کی تبلیغ کرتے رہیں لوگوں کو کلام اللہ سناتے رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کی طرف واپس لے جانے والا ہے اور وہاں نبوت کی بابت پرستش ہوگی۔ جیسے فرمان ہے: فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف: ۶) یعنی امتوں سے اور رسولوں سے سب سے ہم دریافت فرمائیں گے۔ اور آیت میں ہے رسولوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور آیت میں ہے نبیوں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ معاد سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے موت بھی ہو سکتی ہے۔ دوبارہ کی زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ دوبارہ پیدا ہوں اور داخل جنت ہوں۔ صحیح بخاری میں ہے اس سے مراد مکہ ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے جو آپ کی جائے پیدائش تھی۔ ضحاک فرماتے ہیں جب حضور ﷺ مکہ سے نکلے ابھی حنظلہ ہی میں تھے جو آپ کے دل میں کئے کا شوق پیدا ہوا پس یہ آیت اتری اور آپ سے وعدہ ہوا کہ آپ واپس مکہ پہنچائے جائیں گے۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہو حالانکہ پوری سورت مکی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے شاید اس کہنے والے کی غرض اس سے بھی قیامت ہے۔ اس لیے کہ بیت المقدس ہی محشر زمین ہے۔ ان تمام اقوال میں جمع کی صورت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی تو آپ کے کئے کی طرف لوٹنے سے اس کی تفسیر کی ہے جو فتح مکہ ہے پوری ہوئی۔ اور یہ حضور ﷺ کی عمر کے پورا ہونے کی ایک زبردست علامت تھی جیسے کہ آپ نے سورۃ اذاجاء کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ جس کی حضرت عمرؓ نے بھی موافقت کی تھی۔ اور فرمایا تھا کہ تو جو جانتا ہے وہی میں بھی جانتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انہی سے اس آیت کی تفسیر میں جہاں مکہ مروی ہے وہاں حضور ﷺ کا انتقال بھی مروی ہے اور کبھی قیامت سے تفسیر کی کیونکہ موت کے بعد قیامت ہے اور کبھی جنت سے تفسیر کی جو آپ کا ٹھکانا ہے اور آپ کی تبلیغ رسالت کا بدلہ ہے کہ آپ نے جن و انس کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور آپ تمام مخلوق سے زیادہ کلام زیادہ صحیح اور زیادہ

افضل تھے۔ پھر فرمایا کہ اپنے مخالفین سے اور جھٹلانے والوں سے کہہ دو کہ ہم میں سے ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ کس کا انجام بہتر ہوتا ہے؟ اور دنیا اور آخرت میں بہتری اور بھلائی کس کے حصے میں آتی ہے؟ پھر اپنی ایک اور زبردست نعمت بیان فرماتا ہے کہ وحی اترنے سے پہلے کبھی آپ کو یہ خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ پر کتاب نازل ہوگی۔ یہ تو تجھ پر اور تمام مخلوق پر رب کی رحمت ہوئی کہ اس نے تجھ پر اپنی پاک اور افضل کتاب نازل فرمائی۔ اب تمہیں ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہئے بلکہ ان سے الگ رہنا چاہئے۔ ان سے بیزاری ظاہر کر دینی چاہیے اور ان سے مخالفت کا اعلان کر دینا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی اتری ہوئی آیتوں سے یہ لوگ کہیں تجھے روک نہ دیں یعنی جو تیرے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو تیری تابعداری سے روکتے ہیں۔ تو اس سے اثر پذیر نہ ہونا اپنے کام پر لگے رہنا اللہ تیرے کلمے کو بلند کرنے والا ہے تیرے دین کی تائید کرنے والا ہے تیری رسالت کو غالب کرنے والا ہے۔ تمام دینیوں پر تیرے دین کو اونچا کرنے والا ہے۔ تو اپنے رب کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلا تارہ جو اکیلا اور لا شریک ہے تجھے نہیں چاہیے کہ مشرکوں کا ساتھ دے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکار۔ عبادت کے لائق وہی ہے الوہیت کے قابل اسی کی عظیم الشان ذات ہے وہی دائم اور باقی ہے وحی و قیوم ہے تمام مخلوق مر جائے گی اور وہ موت سے دور ہے۔ جیسے فرمایا: کُلُّ مَنْ عَلَيْنَا فَاَنٍ وَيَنْفِي وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن: ۲۷) جو بھی یہاں پر ہے فانی ہے۔ تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو جلال و کرامت والا ہے۔ وجہ سے مراد ذات ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سچا کلمہ لبید شاعر کا ہے جو اس نے کہا ہے شعر (الاکل شنی ما خلا اللہ باطل) یاد رکھو کہ اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ مجاہد و ثور سے مروی ہے کہ ہر چیز باطل ہے مگر وہ کام جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کئے جائیں ان کا ثواب رہ جاتا ہے۔ شاعروں کے شعروں میں بھی وجہ کا لفظ اس مطلب کے لیے استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

(استغفر اللہ ذنباً لست محصیہ۔ رب العباد الیہ الوجه والعمل)

میں اللہ سے جو تمام بندوں کا رب ہے جس کی طرف توجہ اور قصد ہے اور جس کے لیے عمل ہیں اپنے ان تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جنہیں میں شمار بھی نہیں کر سکتا۔ یہ قول پہلے قول کے خلاف نہیں۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ انسان کے تمام اعمال اکارت ہیں صرف ان ہی نیکیوں کے بدلے کا مستحق ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کی ہوں۔ اور پہلے قول کا مطلب بھی بالکل صحیح ہے کہ سب جاندار فانی اور زائل ہیں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو فنا اور زوال سے بالاتر ہے۔ وہی اول و آخر ہے ہر چیز سے پہلے تھا اور ہر چیز کے بعد رہے گا۔ مروی ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہتے تھے تو جنگل میں کسی کھنڈر کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور دردناک آواز سے کہتے کہ اس کے بانی کہاں ہے؟ پھر خود جواب میں یہی پڑھتے۔ حکم و ملک اور ملکیت صرف اسی کی ہے مالک و متصرف وہی ہے۔ اس کے حکم احکام کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ روز جزا سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب کو ان نیکیوں اور بدیوں کا بدلہ دے گا۔ نیک کو نیک بدلہ اور برے کو بری سزا۔

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ
۲۹ مَكِّيَّةٌ ۸۵

اٰیَاتُهَا ۶۹
رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورہ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس کی پہلی آیتیں ہیں اور سات کلمات

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا يَدْعُو بِهِ حَقِيقَةً اِيْمَانِهِمْ تَزَلُ فِيْ جَمَاعَةٍ اٰمَنُوْا اِذَا هُمْ اِلَیْهِ مُشْرِکُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فِيْ اِيْمَانِهِمْ عِلْمٌ مُّشَاهَدَةً ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فِيْهِ اَمْرٌ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ الشُّرَكَ وَالْمَعَاصِي اَنْ يَّسْتَقُوْنَ اَنْ يَّفُوْا نَفَاةً فَلَا تَنْتَقِمُ مِنْهُمْ سَاءَ بِشَرِّ مَا الَّذِيْ يَحْكُمُوْنَ ۝ هَٰ حُكْمُهُمْ هٰذَا مَنْ كَانَ يَرْجُوْا يَخَافُ لِقَاءَ اللّٰهِ فَاَنْ اَجَلَ اللّٰهُ لَا يَۤاْتِ فَلَيَسْتَعِذُّهُ وَهُوَ السَّيِّئُ لَا قُوْلَ الْعِبَادِ الْعَلِيْمُ ۝ بِاَفْعَالِهِمْ وَمَنْ جَاهَدَ جِهَادَ حَرْبٍ اَوْ نَفْسٍ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۝ لَانْ مَنْفَعَةَ جِهَادِهِ ۝ لَا لِلّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ بِعَمَلِ الصّٰلِحٰتِ وَلَنُجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ بِمَعْنٰی حَسَنٍ وَنُصْبِهِ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَاۤءِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَهُوَ الصّٰلِحٰتِ وَصِيْفَتَا الْاِنْسَانِ بِوَالِدَيْهِ حَسَنًا ۝ اٰی اِيصَاءَ ذَا حَسَنٍ بَانَ يَبْرَهَا ۝ اِنْ جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ شَرَاكَهٗ عِلْمٌ مُّوَافَقَةٌ لِلْوَاقِعِ فَلَا مَفْهُومَ لَهُ فَلَا تُطْعَمُهُمَا ۝ فِي الْاَشْرَاكِ اِلٰى مَرْجِعِكُمْ فَاَنْتَبِهُم بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اٰجَازِيْكُمْ بِهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ الْاَنْبِيَاۤءُ وَالْاَوَّلِيَاۤءُ بَانَ نَحْشُرُهُمْ مَّعَهُمْ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَا اُوْدِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةً النَّاسِ اٰی اِذَا هُمْ لَهٗ كَعْدَابِ اللّٰهِ ۝ فِي الْخَوْفِ مِنْهُ فَيُطْعَمُهُمْ فَيَنَافِقُ وَلٰكِنْ لَا مَقْسَمَ جَاءَ لِنَصْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ رَبِّكَ

فَعَسَوْا لَيَقُولُنَّ حُذِفَ مِنْهُ تُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي التُّوْنَاتِ وَالْوَاوِضِجِ الْجَمْعِ لِاتِّفَاقِ الشَّاكِكِينَ إِنَّا كُنَّا
 مَعَكُمْ ۚ فِي الْإِيمَانِ فَأَشْرَحْنَا فِي الْغَيْبَةِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ أَيْ بِعَالِمٍ بِمَا فِي صُدُورِ
 الْعَالَمِينَ ۝ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْإِيمَانِ وَالنَّفَاقِ بَلَى وَ لَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِقُلُوبِهِمْ وَ لَيَعْلَمَنَّ
 الْمُنَافِقِينَ ۝ فَيَجَازِي الْقَرِيبِينَ وَاللَّامِ فِي الْفَعْلَيْنِ لَامِ قَسَمٍ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا
 سَبِيلَنَا طَرِيقَنَا فِي دِينِنَا وَ لَنَحْمِلَ خَطِيئَتَكُمْ ۚ فِي اتِّبَاعِنَا إِن كَانَتْ وَالْأَمْرُ بِمَعْنَى الْخَبَرِ قَالَ تَعَالَى وَمَا
 هُمْ بِحَمِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ۝ فِي ذَلِكَ وَ لَيَحْمِلَنَّ أَثْقَالَهُمْ أَوزَارُهُمْ وَ
 أَثْقَالًا مَقْعَ أَثْقَالِهِمْ بِمَقُولِهِمْ لِلْمُؤْمِنِينَ اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَاضْلَلْنَاهُمْ مَقْلَدِيهِمْ وَ لَيَسْتَلَنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا
 كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ يَكْذِبُونَ عَلَى اللَّهِ سُؤَالَ تَوْبِيخٍ فَاللَّامُ فِي الْفَعْلَيْنِ لَامِ قَسَمٍ وَحُذِفَ فاعلها

الواوونون الرفع

ترجمہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اللّٰہ۔ (اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے) کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ
 محض اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے (یعنی ان کے اس کہنے کی وجہ سے) کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزما یا نہ جائے گا
 (ان کے ایمان کی حقیقت جانچنے کیلئے ان کی آزمائش کی جائے گی۔ یہ آیت ان نو مسلموں کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ
 جنہیں ایمان لانے پر مشرکین نے ستایا تھا) ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو اللہ ان لوگوں کو
 جان کر رہے گا۔ جو (اپنے ایمان میں) سچے تھے (علم مشاہدہ کے درجہ میں) اور (اس بارہ میں) جھوٹوں کو بھی جان کر رہے
 گا۔ ہاں کیا جو لوگ (شرک اور گناہوں کے) برے برے کام کر رہے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں
 گے (چھوٹ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہیں لے پائیں گے) نہایت بیہودہ (بھدی) ہے ان کی یہ تجویز (ان کا یہ
 فیصلہ) جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہو (ڈرتا) ہو۔ سو وہ اللہ کا وقت معین ضرور آنے والا ہے (لہذا اس کی تیاری کر لو
) اور وہ سب کچھ (بندوں کی باتیں) سنا ہے اور وہ سب کچھ (ان کے کام) جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے (جہاد یا مجاہدہ
 وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے کیونکہ اس کی محنت کا فائدہ اسی کو ہوگا اللہ کا کیا نفع؟) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز
 ہے (انسان، جن، فرشتوں اور ان کی عبادت سے) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ ہم ان کے گناہ
 ان سے دور کر دیں گے (ان کے نیک کاموں کی وجہ سے) اور ان کو زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے (احسن بمعنی حسن ہے
 اور منسوب ہے باجاء حذف کرنے کے بعد) ان کے (نیک) اعمال کا اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک
 سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (یعنی بہترین حکم کہ والدین کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا) اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی
 ایسی چیز کو میرا شریک بنا جس کی (شرک کی) تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے (جو واقع کے مطابق ہو۔ لہذا یہ قید احترازی

نہیں ہے) تو تو ان کا کہنا نہ ماننا (شرک کے متعلق) تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آتا ہے، سو میں تم کو تمہارے سب کام جنگا دوں گا (اور ان پر بدلہ دوں گا) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں نیک بندوں میں داخل کریں گے (انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ان کا حشر کریں گے) اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی (ان کے ستانے) کو ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے خدا کا عذاب (دہل جاتے ہیں۔ لہذا ان کا کہنا مان کر منافق بن جاتے ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے پروردگار کی طرف سے آتی ہے (جس سے انہیں بھی مال غنیمت مل جاتا ہے) تو بول اٹھتے ہیں (لیقولن) میں مسلسل تین نون جمع ہونے کی وجہ سے نون علامت کے رفع کو اور التقائے ساکنین کی وجہ سے واؤ ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے (ایمان لانے میں لہذا ہمیں بھی غنیمت میں شریک کرو، فرمایا) کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں ہیں؟ (دلوں کا ایمان و نفاق ضرور معلوم ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا (دونوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے گا۔ لام ان دونوں فعلوں میں قسمیہ ہے) اور کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں تم ہماری راہ چلو (ہمارے دین پر ہمارے طریقہ کے مطابق) اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ (ہماری پیروی کرنے میں اگر وہ بری نکلی، صیغہ امر بمعنی فعل مضارع ہے فرمایا) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے۔ یہ بالکل جھوٹ بک رہے ہیں (اس کے متعلق) اور یہ لوگ اپنے گناہ (قصور) اپنے اوپر لا دے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ کچھ اور گناہ بھی (ایک تو مسلمانوں سے اپنی پیروی کو کہنا دوسرے اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا) اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی۔ جیسی جیسی جھوٹی باتیں گھڑتے تھے (اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشیاں، یہ سوال بطور ڈانٹ کے ہوگا۔ دونوں فعلوں میں لام قسم ہے اور واؤ فاعل اور نون رفع حذف کر دیئے گئے ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: بِقَوْلِهِمْ: یعنی ان مصدر یہ اور حرف جر محذوف اور یہ حسب کا دوسرا مفعول ہے۔ تقدیر حاصل یا مستقر ہے اور اول مفعول ان یترکوا اس کا معنی یہ ہے ان کے ترک کو گمان کرو ان کی باب سامتا پر مفتون نہ ہو تو ترک اس کا پہلا مفعول ہے اور غیر مفتون اس کا کلمہ کیونکہ وہ اس کے فاعل سے حال ہے۔

قوله: أَمْرٌ حَسِبَ الَّذِينَ: ام منقطعہ ہے کیونکہ متصل کی شرائط مفقود ہیں اور وہ مدخول کا مفرد یا حکم مفرد میں ہونا ضروری ہے۔

قوله: فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ: وہ وقت جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا مقرر کیا گیا۔

قوله: بِمَعْنَى حَسَنٍ: کیونکہ جزاء احسن کے لئے ساتھ خاص نہیں۔

قوله: لِمَا أَحْسَنَ: مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنایا اور لقب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔

قوله: مُوَافَقَةً: یہ قید واقع کے ساتھ موافقت پیدا کرنے کے لئے ہے کیونکہ نئی شرک کا علم تو فی الواقع حاصل ہے۔

قولہ: **الْفَالِجِينَ**: سے کامل افراد انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔

قولہ: **بِأَنَّ كَاثَتٍ**: یعنی اگر ہماری پیروی غلط ہے۔

قولہ: **مَقْلَدِهِمْ**: ان کے مقلدین کے پوئلہج میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔



اَللّٰهُ

تمہیدی کلمات:

سورۃ العنکبوت کے بارے میں تعین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہ نبوی ﷺ میں نازل ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب مکہ میں مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم و ستم بہت بڑھ چکا تھا۔ اس سے پہلے تین سال تک تو مخالفین نے حضور ﷺ کی دعوت کے اثرات کے بارے میں کوئی سنجیدہ رد عمل ظاہر نہیں کیا، بلکہ اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران وہ لوگ آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے رہے، آپ ﷺ کو شاعر اور جادوگر کہتے رہے اور یوں آپ ﷺ کی تھوٹک کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے جھٹکنڈوں سے آپ ﷺ کی قوت ارادی دم توڑ دے گی، آپ ﷺ بدول ہو کر ہمت ہار کر بیٹھ جائیں گے اور اس طرح یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ لیکن ان تمام حربوں کے باوجود حضور ﷺ کی دعوت کا دائرہ تھا کہ روز بروز پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ خصوصی طور پر ان کے لیے تشویش ناک بات یہ تھی کہ آپ ﷺ کی دعوت سے متاثر ہونے والوں میں زیادہ تعداد غلاموں اور اونچے گھرانوں کے نوجوانوں کی تھی۔ چنانچہ جب سردار ان قریش کے کئی ایک غلام ایمان لے آئے اور دوسری طرف حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ جیسے نوجوان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تو مشرکین کو اس دعوت کے تدارک اور سد باب کے لیے سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اہم فیصلہ کیا وہ یہی تھا کہ ایسے تمام لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اور جسمانی ایذا و تشدد کے ذریعے انہیں نیا دین چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔

جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ نوجوان اہل ایمان بھی اپنے اپنے خاندان والوں کے ہاتھوں کسی حد تک تشدد کا نشانہ بنے، لیکن غلاموں اور بے آسرا لوگوں پر تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ غلاموں کی حیثیت اس معاشرے میں ڈھور ڈنگروں کی سی تھی۔ جیسے آپ نے ایک بکری خریدی اور اسے اپنے کھونٹے سے باندھ لیا۔ جب تک چاہا اس سے فائدہ اٹھایا اور جب چاہا اسے ذبح کر لیا۔ انسانی سطح پر ان کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ کوئی آقا اپنے غلام کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے، اسے مارے پیٹے یا جان سے مار ڈالے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ حضرت ابولکھبہؓ اور حضرت خبابؓ بن الارت جیسے صحابہ کے ساتھ ان کے آقاؤں نے ظلم و ستم کے ایسے ایسے طریقے آزمائے کہ ان کے تصور سے ہی روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غلاموں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی اس خوفناک اور بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنے جو قریشی نہیں تھے اور کسی کے حلیف بن کر

مکہ میں رہ رہے تھے۔ حضرت یاسرؓ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپؓ کا تعلق یمن سے تھا۔ آپؓ نے یمن کے عیسائیوں سے نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کا چرچا سن رکھا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خواب میں اشارہ بھی ملا تھا کہ مکہ میں آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے شوق میں آپؓ یمن کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور ابو جہل کے چچا کی پناہ حاصل کر لی۔ ابو جہل کا چچا شریف آدمی تھا اس نے نہ صرف انہیں پناہ دی بلکہ اپنی لونڈی سمیہؓ سے ان کا نکاح بھی کر دیا۔ پھر اللہ نے آپؓ کو ایک بیٹا بھی عطا کیا۔ جب ابو جہل کا چچا فوت ہو گیا تو یہ خاندان ابو جہل کی پناہ میں آ گیا۔ حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت یاسرؓ آپؓ کی زوجہ محترمہ حضرت سمیہؓ اور آپؓ کا بیٹا عمار تینوں حضور ﷺ پر ایمان لے آئے۔ جب قریش نے اہل ایمان پر تشدد کرنے کی حکمت عملی اپنائی تو اس چھوٹے سے خاندان پر ابو جہل نے تشدد کی انتہا کر دی۔ اس کے نتیجے میں حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ تو شہید ہو گئے جبکہ حضرت عمارؓ نے کلمات کفر کہہ کر اپنی جان بچائی جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا۔ (سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اگر کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے تو اللہ معاف فرمانے والا ہے۔) اسی طرح حضرت خباب بن الارتؓ پر جو قیامت گزری وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپؓ غریب خاندان سے تھے اور پیٹے کے اعتبار سے لوہار تھے۔ ایک دن ان ہی کی بھٹی میں سے دھتے ہوئے کوئلے لے کر انہیں زمین پر بچھایا گیا اور ان کی قمیص اترا کر پشت کے بل کوئلوں پر لٹا دیا گیا تا وقتیکہ آپؓ کے جسم کی جڑی سے وہ کوئلے ٹھنڈے ہوئے۔

حضرت خبابؓ بن الارتؓ فرماتے ہیں کہ جب صورت حال ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں اپنی چادر کا تکیہ لیے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: حضور! آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ مشرکین کے تشدد کی بڑھتی ہوئی کارروائیاں اب ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔ حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہماری یہ بات حضور ﷺ کو ناگوار گزری۔ آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم تم جلدی مچا رہے ہو ابھی تم پر وہ حالات تو آئے ہی نہیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں آدھا زمین میں دبا کر آروں سے چیر ڈالا گیا وہ زندہ آگ میں جلادے گئے اور انہوں نے ایسے حالات پر صبر کیا۔ تمہیں بھی بہر حال صبر کرنا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ وقت ضرور آئے گا جب ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہیں ہوگا۔

یہ اس پس منظر کی ایک جھلک ہے جس میں اس سورت کا نزول ہوا۔

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا...

کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی جانچ نہیں کی جائے گی۔ مدنی صحابہ نے مکی مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیج دی مکی مسلمانوں نے کہا: اب تو ہم یہاں سے نکل ہی چلیں گے۔ اگر کسی نے ہمارا پیچھا کیا تو ہم اس سے لڑیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات نکل کھڑے ہوئے مشرکوں نے ان کا تعاقب کیا۔ راستہ میں دونوں گروہوں کی جنگ ہوئی۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ مسلمان بچ کر نکل گئے۔ ان کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْهُ بَعْدَ مَا قَاتَلُوا...

ابن ابی حاتم نے قنادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت کچھ کی لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ یہ لوگ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مکہ سے چل پڑے تھے، شرکوں نے ان کو روکا تو وہ لوٹ گئے (مدنی) بھائیوں نے ان کو وہ آیت لکھ کر بھیجی جو ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جدید آیت پڑھ کر وہ نکل کھڑے ہوئے۔ شہید ہونے والے شہید ہو گئے اور بچنے والے بچ گئے۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں الناس سے مراد ہیں مکہ میں رہ جانے والے مسلمان سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید، عمار بن یاسر وغیرہ۔

ابن سعید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبید اللہ بن عمیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ آیت ذیل کا نزول حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ہوا، آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دکھ دیئے جاتے تھے۔ اللہ نے فرمایا: أَحْسِبَ النَّاسُ رِجْ بَغْوِي نَے ان جریج کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت مجب بن عبد اللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی، اس امت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازہ کی طرف بلایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: حضرت مجب ہی جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے کافروں کے مقابلہ کے لیے قطار سے باہر نکل آئے تھے۔ عامر بن حفص نے آپ کو تیر مار کر شہید کر دیا۔ راہ خدا میں سب سے پہلے شہید ہونے والے آپ ہی ہوئے۔ جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ و زاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

آم کے بعد ہمزہ استفہام کا ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ آم الگ مستقل جملہ ہے (کیونکہ ہمزہ استفہام کا تقاضا ہے کہ آغاز کلام میں آئے اگر آم سے بعد والے جملہ کا ارتباط ہوتا تو ہمزہ استفہام آم سے پہلے آتی، مترجم)۔

حسان سے مراد ہے گمان کرنا اور استفہام انکاری ہے یا زجری، مطلب یہ ہے کہ کیا لوگ اپنے کو یونہی متروک بے امتحان سمجھ بیٹھے ہیں کہ امتحان دینے سے چھوٹ جائیں گے، ایسا نہیں ہوگا بلکہ اللہ ان کو مصائب اور دشواریوں میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لے گا۔ مثلاً وطن سے ہجرت کرنا، جہاد کرنا اور طرح طرح کے مالی، جانی اور اولاد کے دکھ ان کو اٹھانے ہوں گے تاکہ مخلص اور منافق کے درمیان امتیاز ہو جائے اور دین پر ثابت قدم رہنے والا تر دو شک کرنے والے سے الگ ہو جائے اور صبر کرنے والوں کو اونچے مراتب ملیں۔

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ شروع میں اللہ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا پھر نماز، زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کئے۔ بعض لوگوں کو اس کی تعمیل میں دشواری ہو گئی اور ان پر یہ حکم شاق ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس شان نزول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا: کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ صرف ایمان لانے سے (بغیر شرائع کے) ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور دوسرے ادا کروا دیں؟ بھیج کر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ صرف ایمان لانا اگرچہ دوا می جہنمی ہونے سے روکتا ہے اور جنت میں (کبھی نہ کبھی) داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے لیکن حصول درجات، تواداء طاعات اور ترک خواہشات سے وابستہ ہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ.....

ہم ان سے پہلے لوگوں کی (سخت) آزمائشیں کر چکے ہیں۔ یعنی انبیاء اور مومنین کی سخت آزمائش کر چکے ہیں۔ بعض انبیاء کو آروں سے چیرا گیا، بعض کو قتل کر دیا گیا، بنی اسرائیل کو فرعون بدترین عذاب دیتا رہا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کا یہ پرانا دستور

ہے کہ نیک لوگوں کو سخت ہصائب میں مبتلا کر کے پرکھا جاتا ہے۔ تمام امتیں اسی آزمائشی دور سے گزری ہیں تو کیا اس زمانہ میں اس سنت قدیمہ کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے۔

فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ① سو اللہ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو (ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا۔

اللہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے سچوں کو بھی اور جھوٹوں کو بھی اس لیے حصول علم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے علم ازلی کا سچوں کی سچائی اور کاذبوں کے جھوٹ سے بالفعل (بعد العمل) تعلق پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ سچے ایمان والے جھوٹے منافقوں سے ممتاز ہو کر الگ ہو جائیں اور ان سے ثواب یا عذاب کا تعلق ہو جائے۔ بعض کے نزدیک آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ اللہ سچوں کو جھوٹوں سے الگ کر کے ظاہر کر دے تاکہ اللہ کے ازلی علم کا فعلی ظہور ہو جائے۔ مقاتل نے علم کا ترجمہ دکھانا کیا ہے اللہ دکھا دے گا۔ بعض نے اس طرح معنی بیان کئے کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے گا۔

وَمَنْ جَاهَدْ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ①

ہر شخص کا محابدہ اسکے اپنے نفس کیلئے ہے اور اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اسے ثواب ملے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات اور ثواب عطا فرمانے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے اور وہ وقت ضرور آئے گا اور جو عمل ثواب کے لائق ہوگا اس پر ضرور ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ سب کی دعائیں سنتا ہے، آرزوئیں جانتا ہے، سب کے اعمال سے باخبر ہے وہ تمام مخلصین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔ اہل ایمان کو جو ایمان قبول کرنے پر بعض مرتبہ تکلیفیں ہوتی ہیں اور دشمنان دین سے اذیت پہنچتی ہے یہ ایک محابدہ ہے یعنی نفس سے مقابلہ ہے۔ یہ لفظ جہد سے مشتق ہے، عربی زبان میں جہد مشقت کو کہتے ہیں۔ یہ باب مفاعلہ ہے جو جانین کی شرکت پر دلالت کرتا ہے، جب کوئی شخص آخرت کی بہتری کے لیے عمل کرنا چاہے (جس میں ایمان کا قبول کرنا بھی ہے) تو نفس کو شاق مگزرتا ہے اور نفس کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے اس لیے اس کو محابدہ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا جو شخص مشقت اٹھائے، محنت اور محابدہ کرے تو اس کا تکلیف اٹھانا اور مشقت برداشت کرنا اس کی اپنی جان کے لیے ہے وہ اس کا اجر و ثواب پالے گا، اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں ہے اسے کسی کے کسی عمل کی حاجت نہیں وہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

وَدَصَيْنَا لِلنَّاسِ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم:

یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے، پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے، سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳ میں اس کا طریقہ کار بھی بیان فرمایا ہے، وہاں ارشاد فرمایا:

(وَقَطِ رُكُوكَ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آتَاؤُا بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَلَبٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي

صَلِّیْوَا) اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی اف بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے۔)

سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیات میں اول تو (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) فرمایا جس میں والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا حکم دیا ہے جو حسن سلوک کرنے اور ان پر مال خرچ کرنے کو شامل ہے۔

پھر بوڑھے ماں باپ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو مت جھڑکو اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ماں باپ کے سامنے شفقت اور رحمت کی وجہ سے انکساری کے ساتھ جھکے رہو۔ پھر ان کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا کہ یوں دعا کرو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ اس میں رحمت اور شفقت کا سبب بھی بیان فرمایا کہ کبھی تم ایسے تھے کہ ان کی شفقت کے محتاج تھے، انہوں نے تمہیں پالا پوسا تمہارے لیے تکلیفیں اٹھائیں اب وہ ضعیف ہیں تم قوی ہو تمہیں ان کے لیے فکر مند ہونا چاہیے۔ مزید تفصیل کے لیے سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیات کی تفسیر دیکھئے وہاں ہم نے بہت سی احادیث شریفہ کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے جو والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے سے متعلق ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا (وَ اِنْ جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا) (اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی تیرے پاس دلیل نہیں تو ان کی فرمانبرداری مت کرنا) یہ حکم سورہ لقمان میں بھی ہے وہاں مزید فرمایا (وَ صَاحِبُهَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا) (کہ ان کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے پر پیش آتے رہو) یعنی اگر وہ کفر و شرک کرنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت مت کرنا، اور باوجودیکہ وہ کافر ہوں حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا اور ان کی خدمت سے در بے نہ کرنا، جیسا کہ ماں باپ کے کہنے سے کفر و شرک حرام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی کرنا ممنوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَا طَاعَةَ لِمُخْلَوِّ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (کہ خالق تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی فرمانبرداری کی اجازت نہیں)، ہاں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک میں اور مالی انفاق میں کوتاہی نہ کرے۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ایک بیٹی حضرت اسماءؓ تھیں وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں، ان کی والدہ مشرکہ تھیں اور وہ مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں، سن ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کا معاہدہ ہوا جس میں یہ بھی تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اس زمانہ میں حضرت اسماءؓ کی والدہ مدینہ آ گئیں، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور اس وقت عجز ہیں اور مالی مدد چاہتی ہیں کیا میں مال سے ان کی خدمت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرو۔ (رواہ البخاری)

آج کل نوجوانوں کو اس میں بڑا ابتلا ہوتا ہے کہ ماں باپ انہیں گناہوں کی زندگی اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں، داڑھی

موٹے دانے پر اصرار کرتے ہیں، رشوت لینے پر آمادہ کرتے ہیں، بینک کی نوکری اختیار کرنے اور سود لینے کا بھی حکم دیتے ہیں، بے پردگی اختیار کرنے کو کہتے ہیں، ان کے علاوہ بہت سے گناہوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ اوپر حدیث سے معلوم ہوا کہ خالق کی مافرمائی میں مخلوق کی کوئی فرمانبرداری نہیں، ماں باپ کے لیے حرام ہے کہ اولاد کو گناہوں کا حکم دیں اور اولاد کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ ماں باپ کے کہنے پر کوئی گناہ کریں، اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، اس نے سب کو وجود بخشا ہے اس کا حق سب سے پہلے ہے اور سب سے زیادہ، کسی مخلوق کا حق اس کے بعد میں ہے، اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت کرنا لازم اور فرض ہے، اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی کے کہنے سے بھی حلال نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی ص ۱۳۹ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی والدہ نے کہا کہ اے سعد میں نے سنا ہے کہ تو اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کے دین میں داخل ہو گیا ہے؟ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ میں کسی گھر میں داخل نہ ہوں گی (یوں ہی میدان میں پڑی رہوں گی خواہ دھوپ ہو اور ہوا سے میرا کچھ نہ بنے) اور مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک کہ تو محمد ﷺ کے اتباع کا انکار نہیں کرے، حضرت سعدؓ اپنی والدہ کے سب سے زیادہ چہیتے بیٹے تھے، انہوں نے کفر اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کی والدہ نے اپنی قسم کی وجہ سے بغیر کھائے پیئے یوں ہی میدان میں پڑے ہوئے تین دن گزار دیئے، حضرت سعدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، اس پر آیت بالا اور سورہ لقمان کی آیت (وَوَضَّيْنَا إِلَيْكَ آيَاتِنَا أَنْتَ لَا تَبْصُرُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ) نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۴۶۱ میں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے دو دن اور دو رات تک کچھ نہ کھایا پیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اماں جان اگر آپ کے بدن میں سو ۱۰۰ روپے بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی تو میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو تو کھاؤ پیو یا مر جاؤ، بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھالیا۔

إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَنْتُمْ لَكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (میری طرف تمہارا لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا بھی عمل کرے بہر حال اسے قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور دنیا میں جو اعمال کیے تھے وہ سامنے آ جائیں گے اور اعمال کے مطابق جزا سزا ملے گی۔ پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کو خوشخبری دی اور فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم ضرور ضرور انہیں صالحین میں داخل کریں گے) یعنی ان کا شمار صالحین میں ہوگا اور انہیں صالحین کے مراتب اور درجات سے سرفراز کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ....

مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے:

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض مسلمان تھے وہ زبان سے تو اسلام کا اظہار کر دیتے تھے پھر جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچ جاتی تھی تو ان کے موافق ہو جاتے تھے اور اس موافقت کو مسلمانوں سے چھپاتے تھے۔ اور قنادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے پھر مشرکین مکہ انہیں واپس لے گئے۔ دنیا داری حقیقت میں

کمزوری کا سبب ہے، اگر آخرت کا یقین پختہ ہو اور آخرت کی ضرورت سمجھ کر ایمان قبول کیا ہو تو منافقت کی شان ختم ہو جاتی ہے، اگر کافروں میں پھنس کر کوئی مومن بندہ مجبور ہو جائے تو گو وہ بظاہر زبان سے کوئی نامناسب کلمہ کہہ دے لیکن دل سے کفر اختیار نہیں کر سکتا اور کافروں کا ہم نوا نہیں بن سکتا، اگر کافروں سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر کرتا ہے جیسے عہد نبوی کے مسلمانوں (حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت خبابؓ نے تکلیفیں برداشت کیں، پختہ مسلمان سمجھتا ہے کہ یہ تو تھوڑی سی تکلیف ہے کفر پر مرنے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہو گا وہ بہت ہی شدید ہو گا لیکن جن لوگوں کا ایمان یوں ہی نام کو ہوتا ہے وہ لوگ ایمان پر پہنچنے والی تکلیفوں کو اس عذاب کے برابر سمجھ لیتے ہیں جو آخرت میں کافروں کو ہو گا اور اس کی وجہ سے صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور کافروں کا ساتھ دینے لگتے ہیں۔ اور چونکہ دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں اس لیے خفیہ طور پر کفر اختیار کرنے کے باوجود مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں جو فلاحی جگہ مال غنیمت حاصل ہوا ہمیں بھی اس میں شریک کرو ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے (یعنی ہم دینی اعتبار سے تمہارے ساتھی ہیں) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: **أَوْ لَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ** (کیا اللہ جہاں والوں کے سینوں کی باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے کون مخلص ہے کون منافق ہے، اگر کسی نے بندوں سے اپنے نفاق کو چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپا سکتا۔ (تفسیر انوار البیان)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ

کفار قریش مسلمانوں کو بہکانے کے لیے ان سے یہ بھی کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر عمل کرو اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہم پر۔ حالانکہ یہ اصولاً غلط ہے کہ کسی کا بوجھ کوئی اٹھائے۔ یہ بالکل دروغ گو ہیں۔ کوئی اپنے قریبتداروں کے گناہ بھی اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔ دوست دوست کو اس دن نہ پوچھے گا۔ ہاں یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے بوجھ بھی ان پر لا دے جائیں گے مگر وہ گمراہ ہلکے نہ ہوں گے۔ ان کا بوجھ ان پر ہے۔ جیسے فرمان ہے: **لِيَتَّخِذُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ** (نحل: ۲۵) یعنی یہ اپنے کامل بوجھ اٹھائیں گے اور جنہیں بہکایا تھا ان کے بہکانے کا گناہ بھی ان پر ہو گا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ہو گا اتنا ہی اس ایک کو ہو گا لیکن ان کے ثوابوں میں سے گھٹ کر نہیں۔ اسی طرح جس نے برائی پھیلائی اس پر جو بھی عمل پیرا ہوں ان سب کو جتنا گناہ ہو گا اتنا ہی اس ایک کو ہو گا لیکن ان گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ حضرت ابو امامہؓ سے فرمایا حضور ﷺ نے اللہ کی تمام رسالت پہنچادی آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت والے دن اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا مجھے اپنی عزت کی اور اپنے حلال کی قسم آج ایک عالم کو بھی میں نہ چھوڑ دوں گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ فلاں فلاں کہاں ہے؟ وہ آئے گا اور پہاڑ کے پہاڑ نیکیوں کے اس کے ساتھ ہو گئے یہاں تک کہ اہل محشر کی نگاہیں اس کی طرف اٹھنے لگیں گی۔ وہ اللہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا پھر منادی ندا کرے گا کہ اس طرف سے کسی کا کوئی حق ہو اس نے کسی پر ظلم کیا ہو وہ آ جائے اور اپنا بدلہ لے لے۔ اب تو ادھر ادھر سے لوگ اٹھ کھڑے ہو گئے اور اسے گھیر کر اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے ان بندوں کو ان کے حق دلواؤ۔ فرشتے کہیں گے اے اللہ کیسے دلوائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کی نیکیاں لو اور انہیں دو چنانچہ یوں ہی کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک نیکی باقی نہیں

رہے گی اور ابھی تک بعض مظلوم اور ہمدار باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا انہیں بھی بدلہ دو فرشتے کہیں گے اب تو اس کے پاس ایک نیکی بھی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ حکم دے گا ان کے گناہ اس پر لا دو۔ پھر حضور ﷺ نے گھبرا کر اس آیت کی تلاوت فرمائی: (وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ) (العنکبوت: ۱۳) ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا اے معاذ! قیامت کے دن مومن کی تمام کوششوں سے سوال کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے سرے اور اس کے منی کے گوندھے سے بھی۔ دیکھ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کوئی اور تیری نیکیاں لے جائے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ وَعَمَّرَهُ أَرْبَعُونَ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا
يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ تَوْحِيدِ اللَّهِ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ أَيُّ الْمَاءِ الْكَثِيرِ طَافَ بِهِمْ وَعَلَاهُمْ فَغَرَقُوا وَهُمْ
ظَالِمُونَ ﴿٥﴾ مُشْرِ كُونَ فَأَنْجَيْنَاهُ إِلَىٰ نُوحًا وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ أَيُّ الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ فِيهَا وَجَعَلْنَاهَا آيَةً
عِبْرَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ لَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ النَّاسِ إِنْ عَصَوْا رُسُلَهُمْ وَعَاشَ نُوحٌ بَعْدَ الطُّوفَانِ سِتِّينَ سَنَةً أَوْ
أَكْثَرَ حَتَّىٰ النَّاسَ وَابْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ خَافُوا عِقَابَهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ مِمَّا
أَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧﴾ الْخَيْرِ مِنْ غَيْرِهِ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَىٰ
غَيْرِهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ أَفْكَاءَ تَقُولُونَ كَذِبًا إِنَّ الْأَوْثَانَ شُرَكَاءُ لِلَّهِ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَلا يَقْدِرُونَ أَنْ يُرْزُقُوا كُمْ فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ أَطْلُبُوهُ مِنْهُ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا
لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨﴾ وَإِنْ تَكْذِبُوا أَىٰ تَكْذِبُونَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ مِّنْ قَبْلِي
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٩﴾ الْبَلَاغُ الْبَيِّنُ فِي هَاتَيْنِ الْقِصَّتَيْنِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَقَالَ تَعَالَىٰ فِي قَوْمِهِ أَوَلَمْ يَرَوْا بِالْبَيِّنَاتِ وَيَنْظُرُوا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَقُرْئِ
بِفَتْحِهِ مِنْ بَدَأَ أَوْ أَبَدَ بِمَعْنَىٰ أَنْ يَخْلُقَهُمْ ابْتِدَاءً ثُمَّ هُوَ يُعِيدُهُ أَىِ الْخَلْقِ كَمَا بَدَأَهُ إِنَّ ذَلِكَ الْمَذْكُورُ
مِنَ الْخَلْقِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٠﴾ فَكَيْفَ تَتَذَكَّرُونَ الثَّانِي قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا
كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ لِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَأَمَّا نَهُمْ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ مَذَاقُ قَصَرٍ مَعَ سَكُونِ
الْبَيْنِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَمِنَ الْبَدْءِ وَالْإِعَادَةِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ نَعْدِيَهُ وَيَرْحَمُ مَنْ
يَشَاءُ رَحْمَتِهِ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿١١﴾ تَرُدُّونَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ رَبَّكُمْ عَنْ ادْرَاكِكُمْ فِي الْأَرْضِ

وَلَا فِي السَّمَاءِ لُكُومٌ فِيهَا آيٌ لَا تَفُوتُونَ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ آيٌ غَيْرُهُ مِّنْ ذُلِّ يَمْنَعُكُمْ مِنْهُ وَلَا يُصِيبُ ۚ يَنْظُرُ كُمْ مِنْ عَذَابِهِ

ترجمہ: اور ہم نے نوح کو یقیناً اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے زائد تھی) سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے (دعوت توحید دیتے رہے اور لوگ انہیں جھٹلاتے رہے) پھر ان لوگوں کو طوفان نے آدبا یا (بے انتہا پانی میں گھر گئے اور ڈوب گئے) اور وہ بڑے ظالم (مشرک) لوگ تھے۔ ہم نے نوح کو بچا لیا اور اہل کشتی کو (جو کشتی میں ان کے ہمراہ تھے) اور ہم نے اس واقعہ کو نشانی (عبرت) بنادیا تمام جہاں والوں کیلئے (بعد کی نسلوں کیلئے) اگر انہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی اور حضرت نوح اس طوفان کے فرو ہونے کے بعد ساٹھ سال یا زائد حیات رہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی آبادی پھر ہو گئی) اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور (اس کے عذاب سے) ڈرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا (تمہاری بت پرستی کے مقابلہ میں) اگر تم سمجھ رکھتے ہو (بھلائی برائی کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر بعض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو) غلط بیانی کرتے ہو کہ بت اللہ کے شریک ہیں) خدا کو چھوڑ کر جنہیں تم پوج رہے ہو۔ وہ تم کو کچھ بھی روزی دینے کا اختیار نہیں رکھتے (تمہیں رزق نہیں دے سکتے) سو تم روزی اللہ کے پاس تلاش کرو (ڈھونڈو) اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے ہو (اے مکہ والو!) سو تم سے (مجھ سے) پہلے بھی بہت سی قومیں جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (بلاغ مبین بمعنی البلاغ مبین ہے۔ ان دونوں واقعات میں آنحضرت کیلئے تسلی ہے آپ کی قوم سے ارشاد ہے) کیا ان لوگوں کو خبر نہیں (یو وایا اور تا کیساتھ بمعنی یَنْظُرُوا ہے) کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے (لفظ پیدای ضم یا کے ساتھ ہے اور فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ہدا اور لہدا سے ماخوذ ہے۔ یعنی ابتدا مخلوق کو کیسے پیدا کیا) پھر وہی دوبارہ مخلوق کو پیدا کرے (پہلی مرتبہ کی طرح) یہ (پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا) اللہ کے نزدیک بہت آسان بات ہے (پھر دوسری بار پیدا کرنے کا انکار کیسے کرتے ہو) آپ کہیے کہ تم لوگ زمین پر چلو پھر وادہ دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو پہلی بار کس طریقہ سے پیدا کیا ہے (تم سے پہلوں کو اور ان کو موت دی) پھر اللہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا (لفظ نشأۃ مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ دونوں طرح سکون شین سے پڑھا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (منجملہ اس کے اول پیدائش اور بعد کی پیدائش بھی ہے) وہ جسے (عذاب دینا) چاہے عذاب دے گا۔ اور جس پر (رحم کرنا) چاہے رحم فرمائے گا تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (پیش ہوؤ گے) اور تم ہر انہیں سکتے (اپنے پروردگار کو، تمہیں گرفتار کرنے سے) نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (اگر تم آسمان میں پہنچ جاؤ یعنی تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے) اور خدا کے سوا (علاوہ) تمہارا نہ کوئی کارساز ہے (کہ تمہیں اس سے بچائے) اور نہ کوئی مددگار ہے (کہ اس کے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: و عمرہ: نوح علیہ السلام کی عمر بوقت بعثت چالیس سال تھی۔

قولہ: أَلْفَ سَنَةٍ: بعثت کے بعد۔

قولہ: نَحْنُأَوَّانُ: ان کی تعداد کل اسی افراد تھی۔

قولہ: مِنْهُ: آپ کی اولاد اور پیروکار۔

قولہ: إِذْ قَالَ: یہ ابراہیم علیہ السلام سے بدل اور اشتعال ہے۔

قولہ: تَخْلُقُونَ: یہ تقولوں کے معنی میں کہ تم افتراء کہتے ہو۔ انکایہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: أَنْ يَرْزُقُوهُمْ: اس سے اشارہ ہے رزق کا مصدر ہے مفعول کے معنی میں نہیں۔

قولہ: مِنْ قَبْلِي: ان کی تکذیب نے انبیاء علیہم السلام کا کچھ نہیں بگاڑا اپنا نقصان کیا۔

قولہ: نَسْلُكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس آیت کو دونوں واقعات کے درمیان لانے کی وجہ بتائی کہ یہ دونوں نسل

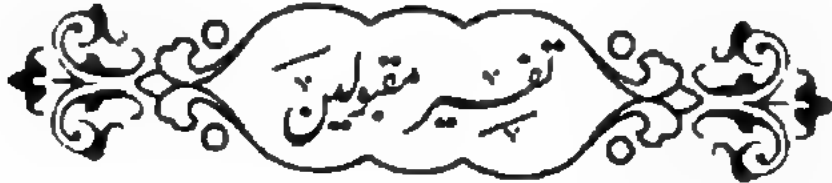
مقررہ ہیں۔

قولہ: مَنْ بَدَأُ أَوَّابًا: اول تقدیر فتح اور دوسرا بتقدیر ضم لف، نشر غیر مرتب و بیدی۔

قولہ: هُوَ: ہو کہ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ تم یحید و کا عطف اولم پر واپر ہے۔ ہدی پر نہیں کیونکہ رویت المادہ پر واقع ہونے

والی نہیں۔

قولہ: فِي الْأَرْضِ: زمین کے اندر چھپ جانے سے۔



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ.....

نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ شکنی:

اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے۔ آپ کو خبر دی جاتی ہے کہ نوح علیہ السلام اتنی لمبی مدت تک اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ دن رات پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح آپ نے انہیں اللہ کی دین کی طرف دعوت دی۔ لیکن وہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے گئے۔ بہت ہی کم لوگ آپ پر ایمان لائے آخر کار اللہ کا غضب ان پر بصورت طوفان آیا اور انہیں تہس نہس کر دیا تو اے پیغمبر آخرا زمان آپ اپنی قوم کی اس تکذیب کو نیا خیال نہ کریں۔ آپ اپنے دل کو رنجیدہ نہ کریں بدایت و منسلات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جن لوگوں کا جہنم میں جانا طے ہو چکا ہے انہیں تو کوئی بھی بدایت نہیں دے سکتا۔ تمام نشانیاں گواہ ہیں

لیکن انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا بالآخر جیسے نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور قوم ڈوب گئی اسی طرح آخر میں غلبہ آپ کا ہے اور آپ کے مخالفین پست ہوں گے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ چالیس سال کی عمر میں نوح علیہ السلام کو نبوت ملی اور نبوت کے بعد ساڑھے نو سو سال تک آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ طوفان کی عالمگیر ہلاکت کے بعد بھی نوح علیہ السلام ساٹھ سال تک زندہ رہے یہاں تک کہ بنو آدم کی نسل پھیل گئی اور دنیا میں بہ بکثرت نظر آنے لگے۔ قتادہ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کی عمر کل ساڑھے نو سو سال کی تھی تین سو سال تو آپ کے بے دعوت ان میں گزرے تین سو سال تک اللہ کی طرف اپنی قوم کو بلایا اور ساڑھے تین سو سال بعد طوفان کے زندہ رہے لیکن یہ قول غریب ہے اور آیت کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو اللہ کی وحدانیت کی طرف بلاتے رہے۔ عون بن ابی شداد کہتے ہیں کہ جب آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال کی تھی اس وقت اللہ کی وحی آپ کو آئی اس کے بعد ساڑھے نو سو سال تک آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے اس کے بعد پھر ساڑھے تین سو سال کی عمر اور پائی۔ لیکن یہ بھی غریب قول ہے۔ زیادہ درست قول ابن عباس کا قول نظر آتا ہے واللہ اعلم۔ امین عمر نے مجاہد سے پوچھا کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں کتنی مدت تک رہے؟ انہوں نے کہا ساڑھے نو سو سال۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد سے لوگوں کے اخلاق ان کی عمر میں اور عقلیں آج تک کھنٹی ہی چلی آئیں۔ جب قوم نوح پر اللہ کا غضب نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی کو اور ایمان والوں کو جو آپ کے حکم سے طوفان سے پہلے کشتی میں سوار ہو چکے تھے بچالیا۔ سورہ ہود میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے اس لیے یہاں دوبارہ وارد نہیں کرتے۔ ہم نے اس کشتی کو دنیا کے لیے نشان بنادیا تو خود اس کشتی کو جیسے حضرت قتادہ کا قول ہے کہ اول اسلام تک وہ جودی پہاڑ پر تھی۔ یا یہ کہ کشتی کو دیکھ کر پھر پانی کے سفر کے لیے جو کشتیاں لوگوں نے بنائیں ان کو انہیں دیکھ کر اللہ کا وہ بچانا یاد آ جاتا ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت: **وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ** (یسین: ۴۱) ہماری قدرت کی نشانی ان کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں بٹھادیا۔ اور ہم نے ان کے لیے اور اسی جیسی سواریاں بنادیں۔ سورۃ الحاقہ میں فرمایا جب پانی کا طوفان آیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں بٹھالیا۔ اور ان کا ذکر تمہارے لیے یادگار بنادیا تاکہ جن کانوں کو اللہ نے یاد کی طاقت دی ہے وہ یاد رکھ لیں۔ یہاں شخص سے جنس کی طرف چڑھا دیا ہے۔ جیسے: **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ** (الملك: ۵) والی آیت میں ہے کہ آسمان دنیا کے ستاروں دنیا کے ستاروں کا باعث زینت آسمان ہونا بیان فرما کر ان کی وضاحت میں شہاب کا شیطانوں کے لیے رجم ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور آیت میں انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کا ذکر کرنے فرمایا ہے پھر ہم نے اسے نطفے کی شکل میں قرار گاہ میں کر دیا۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں حاکی ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا کو کیا جائے واللہ اعلم (یہاں یہ خیال رہے کہ تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں شروع تفسیر میں کچھ عبارت زیادہ ہے جو بعض نسخوں میں نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو سو سال تک آزمایا جانا بیان کیا اور ان کے قول کو ان کی اطاعت کے ساتھ آزمانا بتلایا کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے انہیں غرق کر دیا۔ پھر اس کے بعد جلادیا۔ پھر قوم ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا کہ انہوں نے بھی اطاعت و متابعت نہ کی پھر لوط علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر کیا اور ان کی قوم کا حشر بیان فرمایا۔ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعات سامنے رکھے پھر عاد یوں، ثمود یوں، قارونیوں، فرعون یوں، ہامانیوں وغیرہ کا ذکر کیا کہ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی توحید کو نہ

ماننے کی وجہ سے انہیں بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ پھر اپنے پیغمبر اعظم المرسلین سے سب سے زیادہ مشرکین اور منافقین سے تکالیف سنبھال کر کیا اور آپ کو حکم دیا کہ اہل کتاب سے بہترین طریق پر مناظرہ کریں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أَيْ الْقُرْآنِ وَالتَّبَعَاتِ أُولَٰئِكَ يَكُونُوا مِنْ رَحْمَتِي أَيْ جَنَّتِي وَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَوْلَاهُ قَالَ تَعَالَىٰ فِيهِ قِصَّةُ إِبْرَاهِيمَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْصَبْهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۖ الَّتِي قَدْ فُتُوهُ فِيهَا بَأْسٌ جَعَلَهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ أَىٰ انْجَاةٍ مِّنْهَا لَآيَاتٍ ۖ هِيَ عَذَابٌ تَأْيِيذٌ مَّا فِيهِ مَعَ عَظِيمَةٍ وَأَخْمَدُهَا وَأَنْشَأَ رُوضٌ مَّكَانَهَا فِي زَمَنِ يَسِيرٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ يُصَدِّقُونَ بِتَوْحِيدِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ لِأَنَّهُمْ الْمُتَنَفِّعُونَ بِهَا وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا تَعْبُدُونَهَا وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ خَبْرَانٍ وَعَلَىٰ قِرَاءَةِ التَّنْصِبِ مَفْعُولٌ لَهُ وَمَا كَافَّةُ الْمَعْنَى تَوَادَّدْتُمْ عَلَىٰ عِبَادَتِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ يَسْتَرْ الْفَادَةُ مِنَ الْأَتْبَاعِ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا يَلْعَنُ الْأَتْبَاعُ الْفَادَةَ وَمَا وَلَكُمْ مَصِيرُكُمْ جَمِيعًا النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ تَصْرِيحٍ ۝ مَا بَعِثْنَا مِنْهَا قَائِمًا لَهُ صَدَقَ بِإِبْرَاهِيمَ لُوطٌ ۖ وَهُوَ ابْنُ أَخِيهِ هَارَانَ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنِّي مُهَاجِرٌ مِنْ قَوْمِي إِلَىٰ رَبِّي ۖ أَيْ إِلَىٰ حَيْثُ أَمَرَنِي رَبِّي وَهَجَرَ قَوْمَهُ وَهَاجَرَ مِنْ سَوَادِ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ وَهَيْئَتِهِ بَعْدَ اسْمَاعِيلَ لَهُ اسْحَاقُ وَيَعْقُوبُ بَعْدَ اسْحَاقَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النَّبُوَّةَ كُلَّ الْأَنْبِيَاءِ بَعْدَ إِبْرَاهِيمَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ وَالْكِتَابَ بِمَعْنَى الْكِتَابِ أَيْ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْقُرْآنَ وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَهُوَ أَنْشَأَ الْحَسَنَ فِي كُلِّ أَهْلِ الْأَدْيَانِ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لِمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ الَّذِينَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ وَأَذْكُرُ لُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادِّ خَالَ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى التَّوَجُّعَيْنِ فِي التَّوَضُّعَيْنِ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ أَيْ أَذْيَارَ الرِّجَالِ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۖ طَرِيقَ الْمَارَةِ بِفِعْلِكُمْ الْفَاحِشَةَ بِمَرُؤٍ يَنْتَرِبُكُمْ فَتَرْكُ النَّاسِ الْمَنْعَرَبَكُمْ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ مُتَحَدِّدِينَ الْمُتَكَرِّرَ ۖ فِعْلُ الْفَاحِشَةِ بِبَعْضِكُمْ بَعْضًا فَمَا كَانَ

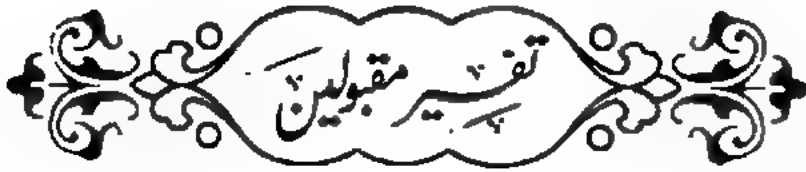
جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵﴾ فِی اسْتِفْہَاحِ ذٰلِكَ وَاِنَّ
عَذَابَ الْعَذَابِ نَازِلٌ لِّفَاعِلِیْهِ قَالَ رَبِّ انصُرْنِیْ بِتَحْقِیْقِ قَوْلِیْ فِیْ اَنْزَالِ الْعَذَابِ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۶﴾
الْعَاصِیْنَ بِاٰثِمَانِ الرَّجَالِ فَاسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاہُ

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور اس کے سامنے جانے (یعنی آیات قرآنیہ اور قیامت) کے مکر ہیں وہی تو میری رحمت (جنت) سے مایوس ہوں گے اور یہی تو ہیں جنہیں دردناک عذاب ہوگا (تکلیف دہ آگ بقیہ واقعہ ابراہیمی کا ذکر ہے) سوان کی قوم کا جواب بس یہی تھا۔ کہنے لگے یا تو انہیں قتل کر ڈالو یا انہیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ابراہیم کو اس آگ سے بچالیا (جس میں انہیں جھونکا تھا اس طرح کہ اس آگ کو ان کے حق میں برد و سلام بنا دیا) بلاشبہ اس واقعہ (نجات) میں بہت کچھ نشانیاں ہیں (انتہائی ہولناک ہونے کے باوجود آگ کا ابراہیم پر اثر نہ کرنا اس کا بھج جانا اور فوراً ہی آگ کا گلزار ہو جانا) ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (اللہ کی توحید اور قدرت کو مانتے ہیں دراصل ایسے ہی لوگوں کو فائدہ ہو سکتا ہے) اور (ابراہیم نے) فرمایا تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے (بندگی کرنے کیلئے مامصر یہ ہے) پس یہ تمہارے باہمی تعلقات کی بناء پر ہے (یہ ان کی خبر ہے اور قراءت نصب یہ مفعول لہ اور ما کافہ ہے۔ یعنی ان کی پوجا پاٹ تمہارا آپس کا مشغلہ ہے) دنیاوی زندگانی تک پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے (قائدین اپنے پیروکاروں سے دامن چھڑائیں گے) اور ایک دوسرے پر لعنت کی بوچھاڑ کریں گے (پیروکار قائدین پر پھٹکار ڈالیں گے) اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا (جو تمہیں دوزخ سے بچالے) پھر حضرت لوطؑ نے ان کی (ابراہیم کی) تصدیق فرمائی (یہ ابراہیم کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) اور ابراہیم بولے میں (اپنی قوم کو چھوڑ کر) اپنے پروردگار کی طرف چلا جاؤں گا (جہاں مجھے حکم الہی ہوگا۔ چنانچہ قوم کو چھوڑ کر ترک وطن کرتے ہوئے سواد عراق سے شام کی راہ لی۔ بے شک وہی دنیا میں) بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو (اسماعیلؑ کی پیدائش کے بعد) اسحاقؑ عطا کیا (اور اسحق کے بعد) یعقوبؑ عطا کیا۔ اور ان کی نسل میں نبوت قائم رہی (چنانچہ حضرت ابراہیم کے بعد سارے نبی انہی کی نسل سے ہوئے ہیں) اور کتاب دی (یعنی آسمانی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک) اور ہم نے ان کو اس کا صلہ دنیا میں بھی دیا (تمام ادیان والے ان کا احترام کرتے ہیں اور آخرت میں بھی یقیناً ان کو کاروں میں سے ہوں گے) (جن کیلئے بلند رہے ہیں) اور (یاد رکھیے) ہم نے لوط کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا یقیناً تم (لفظ ائیکم تحقیق ہمزتین اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ درمیان میں الف داخل کرتے ہوئے دونوں طریقہ سے دونوں جگہ پڑھا گیا ہے) ایسی بے حیائی کا کام کر رہے ہو (یعنی لواطت) کہ تم سے پہلے دنیا جہان میں (انسان یا جن نے) کسی نے نہیں کیا۔ ارے تم تو مردوں سے فعل کر رہے ہو اور تم ڈاکہ ڈالتے ہو (دن دھاڑے سر راہ لوگوں سے بد فعلی کرتے ہو۔ کہ لوگوں نے ان راستوں پر چلنا ہی چھوڑ دیا) اور تم بھری مجلس میں (چوپال میں) ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہو (آپس میں حرام کاری) سوان کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب نازل آؤ اگر سچے ہو (اس کام کو برا کہنے میں اور یہ کہ ایسا کام کرنے والے پر عذاب الہی ہوتا ہے) عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے غالب بنا کر (عذاب نازل ہوئے

کے متعلق میری بات سچ کر دکھا) ان مفسدوں پر (جو حرام کاری کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے حضرت لوطؑ کی دعا قبول فرمائی)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **مِنْ رَّحْمَتِي**: وہ قیامت کے روز میری رحمت سے مایوس ہو جائیں گے یعنی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کی۔
 قوله: **وَأَخْذَاهَا**: آگ بجھ گئی۔
 قوله: **بَعْدَ إِسْمَاعِيلَ**: اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ استنان کا موقعا اور وہ اسحاق و یعقوب کے ذریعہ زیادہ ہے اس لئے کہ یہ مایوسی کی عمر میں پہنچنے پر ملے۔
 قوله: **الْكِتَابَ**: اس سے جس کتاب مراد ہے۔
 قوله: **الَّذِينَ لَهُمْ**: صالحین کا مل صالح انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔
 قوله: **يُنْفِلُ فَاحِشَةً**: مثلاً جماع اور بھسکی وغیرہ۔



وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ....

کفر و باطل کا نتیجہ و انجام نہایت دردناک عذاب:

سوار شاد فرمایا گیا کہ اللہ کی آیتوں اور اس کے حضور حاضری و پیشی کے منکروں کے لیے اس کی رحمت سے مایوسی اور دردناک عذاب ہے۔ سوا مل کفر و باطل کے لیے اللہ کی رحمت سے کامل محرومی اور ان کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کہ اللہ پاک کی رحمت کا اصل کامل اور ابدی ظہور تو جنت اور عالم آخرت ہی میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اس دنیا میں جہاں بھی کہیں رحمت کا کوئی مظہر موجود ہے یہ اللہ پاک کی رحمت کے اس سوویں حصے میں سے ہے جو اس نے اس دنیا کے لیے مقرر فرما رکھا ہے۔ بقیہ ننانوے حصے تو آخرت کے لیے مختص ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آخرت کی ان رحمتوں کا کیا عالم ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ آخرت کا عقیدہ نہیں رکھتے اور اس کو نہیں مانتے تو وہ اس رحمت سے یقیناً مایوس اور محروم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے اس مادہ پرست دور کا انسان ایک انتہاء درجے کے نشیانی خوف میں مبتلا ہے کہ یہ مادی سہولتیں اور آسائشیں ہمیں بے شک حاصل ہیں اور بدرجہ تمام و کمال حاصل ہیں لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ اور ہم کس انجام سے دو چار ہوں گے؟ اور اس بنا پر وہ ہمیشہ سے خوف میں مبتلا ہے۔ اس کے برعکس ایک مومن صادق جو عقیدہ آخرت کے ایمان سے سرشار ہے وہ ہر حال میں شاداں و فرحاں اور مطمئن البال رہتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مجھے اپنے ایمان کی بدولت اپنے رب کے فضل و کرم سے آخرت کی وہ ابدی و دائمی نعمتیں ملنے والی ہیں جن کا یہاں تصور بھی نہیں کیا

جاسکتا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہر حال اہل کفر و باطل کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کمال محرومی ہے۔
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَذِّقُوهُ.....

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب کہ ان کو قتل کر دیا آگ میں جلادو:

اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا ذکر تھا درمیان میں کچھ تنبیہات آئیں جو قرآن کریم کے مخاطبین سے متعلق ہیں، یہاں سے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی تو ان کی قوم نے یہی کہا کہ ان کو مار ڈالو یا آگ میں جلادو، چنانچہ قوم نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کا حکم دے دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دے دی، وہ آگ سے صحیح سالم نکل آئے، (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ) (بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانا کہ تم دنیاوی دوستی کی وجہ سے بت پرستی میں لگے ہو اور قیامت کے دن ایک دوسرے پر لعنت کرو گے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم سے دعوت توحید کے سلسلہ میں باتیں کیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تم لوگوں نے جو بتوں کو معبود بنا رکھا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم لوگوں کی دیکھا دیکھی اس کام میں لگ گئے ہو، تم نے غور و فکر تو کیا ہی نہیں جس سے تم پر حق واضح ہو جاتا کہ بتوں کا پوجنا بہت بڑی حماقت ہے، تم نے تو یہ دیکھ لیا کہ ساری قوم ان کی پرستش کرتی ہے، اور باپ دادے ان کی پوجا کرتے چلے آتے ہیں، تمہاری دنیا والی دوستیاں ایک دوسرے کو جو کفر و شرک پر لگائے ہوئے ہیں، تم یہ سمجھتے ہو کہ توحید کو مانیں اور بتوں کو چھوڑیں تو قوم سے علیحدہ ہو جائیں گے، قوم ہم سے ناراض ہو جائے گی۔

صاحب روح المعانی (جلد ۲: ص ۱۵۰) مَوَدَّةً بَيْنَكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: المعنى ان مودة بعضكم بعضا هي التي دعيتكم الى اتخاذها بان رأيتم بعض من توذونه اتخذها فاتخذتموها موافقة له لمودتكم اياه، وهذا كما يرى الانسان من يوده يفعل شيئا فيفعله مودة له۔ (اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ایک دوسرے سے محبت ہی ہے جس نے تمہیں بچھڑے کو معبود بنانے کی دعوت دی۔ اس طرح کہ تم نے اپنی محبت والے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کو پوج رہے ہیں تو تم نے بھی محبت کی وجہ سے ان کی موافقت میں بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اور یہ ایسے ہے جیسے انسان اپنے کسی گہرے تعلق والے کو کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس کی محبت کی وجہ سے اسی کام کو کرنے لگتا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ دنیا میں تو تم دوست بنے ہوئے ہو، اور تمہاری یہ دوستی آپس میں ایک دوسرے سے بت پرستی کرانے کا سبب بنی ہوئی ہے لیکن قیامت کے دن تمہاری یہ دوستی دشمنی سے بدل جائے گی وہاں ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور تم میں سے بعض پر لعنت کریں گے کیونکہ تم نے ایک دوسرے کو راہ حق سے روکا تھا، یہ لعن طعن آپس میں ہوگا اور سب ہی کو دوزخ میں جانا ہوگا اور وہاں تم میں سے کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا، یہاں شرک کرانے میں ایک دوسرے کے مددگار بنے ہوئے ہو لیکن وہاں کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔

سورہ اعراف میں فرمایا: (كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتْ أُخْتَهَا) (جب کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو اپنی ساتھ

والی جماعت پر لعنت کرے گی جو ان سے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکی ہوگی) سورۃ ص میں فرمایا: (قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ خَلَلْتُمْ بَيْنَنَا فَبَنَسِ الْقَوَارِ) (یعنی دنیا میں جو لوگ اتباع تھے وہ اپنے متبوعین یعنی لیڈروں اور سردروں سے کہیں گے تمہارے لیے کوئی مبارکباد نہیں تم نے کفر کو ہماری طرف بڑھایا اب یہ برا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیں بھی ٹھہرنا ہے اور تمہیں بھی)

جو حال اہل کفر کا ہے وہی اہل معاصی کا ہے، ایک دوسرے کو دنیا میں گناہوں پر ابھارتے ہیں، اپنے ساتھ لگاتے ہیں، اپنے پاس سے پیسے دے کر گناہ کراتے ہیں اور آخرت میں کوئی کسی کا یا ر و مددگار نہ ہوگا۔

فَأَمِّنْ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَى رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

لوط علیہ السلام کا دعوت ابراہیمؑ کو قبول کرنا اور دونوں حضرات کا فلسطین کے لیے ہجرت کرنا:

اس کے بعد فرمایا: فَأَمِّنْ لَهُ لُوطٌ م لوط علیہ السلام ابراہیمؑ کی نبوت پر ایمان لے آئے (جو حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے) جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم پر ہر طرح سے حجت پوری کر دی تو فرمایا اب میں اس وطن کو چھوڑتا ہوں اور اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں یعنی میرے رب نے جو ہجرت کی جگہ بتائی ہے وہاں جاتا ہوں بلاشبہ میرا رب عزیز ہے حکیم ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ: وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ کا فاعل حضرت لوط علیہ السلام ہیں لیکن پہلی بات راجح ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا قول ہے جیسا کہ سورۃ صافات میں مذکور ہے: (وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَتَهْدِيَنِي) (اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتا دے گا)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وطن سے (جو عراق اور فارس کے درمیان تھا) ہجرت فرمائی اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر (جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں اور آپ کی بیوی تھیں) ہجرت فرما کر فلسطین میں آکر مقیم ہو گئے۔
وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ.....

بیٹے اور پوتے کی بشارت اور موعبت:

اس وقت آپ کی عمر بعض مفسرین کے قول کے مطابق ۷۵ سال تھی اور آپ کی اہلیہ محترمہ بوزمہ تھیں، شام میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: (رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ) (اے میرے رب مجھے صالحین میں ایک لڑکا عطا فرما) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی، یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آئے تھے جیسا کہ سورۃ ہود میں گزر چکا ہے۔

یہ بشارت حضرت اسحق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق تھی، حضرت اسماعیل علیہ السلام دوسری بیوی یعنی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری فرماتا:

حضرت اسحق اور حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو عطا فرمائے اور ہمیشہ کے لیے ان کی ذریت

میں نبوت بھی رکھ دی اور کتابوں کا نازل فرمانا بھی انہیں کی ذریت میں رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں نبیوں پر ہی نازل ہوا کرتی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام تشریف لائے تھے سب انہیں کی نسل میں سے تھے، آخر سید الانبیاء والمرسلین سیدنا حضرت محمد حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔

ذکر خیر کی دعا اور قبولیت:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑا مرتبہ دیا، دنیا میں بھی ان کو جن لیا اور اپنا خلیل بنالیا اور بعد میں آنے والی قوموں میں اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری فرما دیا، جتنے ادیان ہیں ان کے ماننے والے حضرت ابراہیم کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں ان میں یہود و نصاریٰ بھی ہیں اور دیگر مشرک اقوام بھی ہیں، مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں گو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سب ہی اچھے کلمات کہتے ہیں انہوں نے جو دعا کی تھی (وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ) وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کا ذکر حسن تمام ادیان میں جاری رکھا۔

وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا : (اور ہم نے ان کو ان کا صلہ دنیا میں دے دیا) ان کی ذریت میں انبیاء کرام کا آنا متعین فرما دیا اور انہیں دار الکفر سے نجات دلا کر فلسطین میں پہنچا دیا اور ان سے کعبہ شریف بنوا دیا اور ان کے ذریعے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا، دنیا میں جو کچھ ملا وہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی وجہ سے آخرت کا اجر و ثواب اور رفیع درجات اور قرب الہی کا حصول اس کے علاوہ ہیں، اسی کو سورۃ بقرہ، سورۃ نحل اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا: (وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَيَسَّ الضَّالِّجِينَ) (اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیک بندوں میں سے ہوں گے۔)

وَلَوْ كُنَّا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَنَاقِلُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝

اس جگہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے تین سخت گناہوں کا ذکر کیا ہے، اول مرد کی مرد کے ساتھ بد فعلی دوسرے قطع طریق یعنی مسافروں پر ڈاکہ زنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں اعلانا سب کے سامنے گناہ کرنا۔ قرآن کریم نے اس تیسرے گناہ کی تعین نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ جو اپنی ذات میں گناہ ہے اگر اس کو علانیہ بے پردائی سے کیا جائے تو یہ دوسرا مستقل گناہ ہو جاتا ہے وہ کوئی بھی گناہ ہو، بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ان گناہوں کو شمار کیا ہے جو یہ بے حیا اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے کیا کرتے تھے، مثلاً راستہ چلتے لوگوں کو پتھر مارنا اور ان کا استہزاء کرنا جیسا کہ ام ہانی کی ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بے حیائی ان کی مشہور تھی اس کو وہ کہیں چھپ کر نہیں کھلی مجلسوں میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے۔ العیاذ باللہ

جن تین گناہوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان سب میں اشد پہلا گناہ ہے، جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا اور جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ باتفاق امت یہ گناہ زنا سے زیادہ شدید ہے۔ (کنزانی الروح)

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ ۖ إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ أَيُّ قَوْمٍ لُّوطُ ۚ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ كَافِرِينَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۖ أَيْ الرَّسُلِ

قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ بِالْخَفِيفِ وَالشَّدِيدِ وَ أَهْلَهُ إِلَّا أَمْرَاتُهُ ۖ كَانَتْ مِنْ
الْغَيْبِ ۖ ١٠ الْبَاقِينَ فِي الْعَذَابِ وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ بِهِمْ حَزَنٍ يُسَبِّحُهُمْ وَضَاقَ بِهِمْ
دَرْعًا صَدْرًا إِلَّا نَهْمٌ حَسَنٌ الْوُجُوهِ فِي ضُورَةٍ أَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمُهُ فَاغْلَمُوا بِهِ أَنْتَهُمْ رُسُلُ رَبِّهِ وَ
قَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنْجُونَ ۖ بِالشَّدِيدِ وَالْخَفِيفِ وَ أَهْلِكَ إِلَّا أَمْرَاتُكَ كَانَتْ مِنْ
الْغَيْبِ ۖ ١١ وَنَصَبَ أَهْلَكَ عِطْفًا عَلَى مَحَلِّ الْكَافِ إِنَّا مُنْزِلُونَ بِالْشَّدِيدِ وَالْخَفِيفِ عَلَى أَهْلِ
هَذِهِ الْقَرْيَةِ رَجْزًا عَذَابًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا بِالْفِعْلِ الَّذِي كَانُوا يَفْسُقُونَ ۖ بِهِ أَى سَبَبٍ فَسَقُوا وَ لَقَدْ
تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً ظَاهِرَةً هِيَ أَثَارُ خَرَابِهَا يَقُومُ يَعْقِلُونَ ۖ يَتَذَكَّرُونَ وَ أَرْسَلْنَا إِلَى مَدْيَنَ
أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَقُومِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ اخْشَوْهُ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَ لَا تَعْتُوا فِي
الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۖ ١٢ خَالَ مَوْكِدَةً لِغَامِلِهَا مِنْ عَيْنِي بِكُسْرِ الْمُثَلَّةِ أَفْسَدَ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
الزَّلْزَلَةُ الشَّدِيدَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَثِيئِينَ ۖ ١٣ بَارِكْ عَلَى الرُّكْبِ مَبِيشَ وَأَهْلَكْنَا عَادًا وَ ثَمُودًا
بِالصَّرْفِ وَ تَرَكِهِ بِمَعْنَى الْحَيِّ وَالْقَبِيلَةِ وَ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ أَهْلَاكُهُمْ مِنْ مَسْكِنِهِمْ ۖ بِالْحَجَرِ وَالْيَمَنِ
وَ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي قَصَدَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ سَبِيلِ الْحَقِّ وَ كَانُوا
مُسْتَبْصِرِينَ ۖ ١٤ ذُرَى بَضَائِرَ وَأَهْلَكْنَا قَارُونَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ ۖ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَى مِنْ قَبْلِ
بِالْبَيِّنَاتِ بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَ مَا كَانُوا سَابِقِينَ ۖ ١٥ فَاتَيْنَا عَذَابَنَا فَكَلَّا مِنْ
الْمَذْكُورِينَ أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِمْ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ رِيحًا عَاصِفًا فِيهَا حَصْبَاءُ كَقُومِ
لُوطٍ وَ مِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۖ كَنُحُودَ وَ مِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۖ كَقَارُونَ وَ مِنْهُمْ
مَنْ أَغْرَقْنَاهُ ۖ كَقَوْمِ نُوحٍ وَ فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهِ وَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ فَيَعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلَكِنْ كَانُوا
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۖ ١٦ بِإِزْكَابِ الذَّنْبِ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ أَى أَصْنَامًا يَرْجُونَ
نَفْعَهَا كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ۖ ١٧ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ لِتَنْسِبَهَا تَأْوِي إِلَيْهِ وَ إِنْ أَوْهَنَ أَصْعَفَ الْبُيُوتِ كَبَيْتِ
الْعَنْكَبُوتِ ۖ لَا يَدْفَعُ عَنْهَا حَزًّا وَلَا يَرُدُّهَا كَذَلِكَ الْأَصْنَامُ لَا تَنْفَعُ عَابِدِيهَا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۖ ١٨ ذَلِكَ

مَاعْبُدُوهَا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ بِمَغْنَى الَّذِي مَا يَدْعُونَ يَعْبُدُونَ بِالنِّبَا وَالْقَاءِ مِنْ دُونِهِ غَيْرُهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ
الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي صُنْعِهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ فِي الْقُرْآنِ نُضَرُّبُهَا نَجْعَلُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا
يَعْقِلُهَا أَيْ يَفْهَمُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝ الْمُتَدَبِّرُونَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ أَيْ مُحِقًّا إِنَّ فِي
ذَلِكَ لَآيَةً دَلَالَةً عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ خُصُّوا بِالذِّكْرِ لَأَنَّهُمُ الْمُتَنَفِّثُونَ بِهَا فِي الْإِيمَانِ
بِخِلَافِ الْكَافِرِينَ -

ترجمہ: اور جب ہمارے فرشتے خوشخبری (اسحاق اور ان کے بعد یعقوب کی) لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں
نے کہا کہ بلاشبہ ہم اس بستی (لوط کی) کو ہلاک کرنے والے ہیں بلاشبہ اسی بستی کے لوگ ظالم ہیں۔ ابراہیم بولے کہ وہاں تو
لوط ہیں (قاصد فرشتوں نے) جواب دیا کہ جو جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب خبر ہے ہم ان کو بچالیں گے (یہ لفظ تخفیف اور
تشدید کے ساتھ ہے) اور ان کے خاص متعلقین کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی
(عذاب سے اسے چھٹکارا نہیں ملے گا) اور ہمارے وہ فرستادے جب لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے
(قوم کے لوگوں کی وجہ سے غمگین ہوئے) اور ان کے سبب بہت کڑھے (کیونکہ وہ خوبصورت بن کر آئے تھے اس لئے لوط
اپنی قوم کے لوگوں کے ان کے ساتھ برتاؤ سے فکر مند ہوئے مگر فرشتوں نے لوط کو بتلادیا کہ ہم پروردگار کے فرستادے
ہیں) اور (فرشتے) کہنے لگے کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور غمگین نہ ہو جیئے ہم آپ کو بچالیں گے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ
ہے) اور آپ کے خاص متعلقین کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی (اور احمک پر نصب
عمل کاف پر عطف کی وجہ سے ہے) ہم نازل کرنے والے ہیں (یہ لفظ تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اس بستی کے
باشندوں پر آسمانی عذاب (ان بدکاریوں کی پاداش میں) گناہوں کی وجہ سے جن کا ارتکاب وہ کرتے ہیں (یعنی ان کے
گناہوں کی وجہ سے) اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیئے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں (جوان بستیوں کے بگڑنے کی
ظاہر علامات ہیں) ان لوگوں کیلئے جو غفلت مند (مذہب) ہیں اور (ہم نے بھیجا ہے) مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو
پیغمبر بنا کر، سو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخری دن (قیامت کے روز) سے ڈرو اور سرزمین
میں فساد مت پھیلاؤ (یہ عامل کا حال مؤکدہ ہے لاتعلوا ماخوذ ہے عشی سے جوٹا کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی السد) مگر ان
لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا۔ پس زلزلہ (شدید جھٹکے) نے انہیں آدبا یا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے
(گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے مر گئے) اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کیا (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف ہے بمعنی قبیلہ اور
خاندان) اور (ان کا ہلاک ہونا) تمہیں نظر آ رہا ہے ان کے رہنے کے مکانات سے (حجر اور یمن میں) اور شیطان نے ان
کے (کفر و گناہوں کے) اعمال کو ان کی نظروں میں خوشنما کر دکھایا تھا اور ان کو (حق کے) راستہ سے روک رکھا تھا اور وہ
لوگ (ہوشیار) سمجھا رہے تھے اور (ہم نے ہلاک کر ڈالا) قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے پاس موسیٰ (پہلے)
نشانیاں (دلائل) لے کر گئے تھے پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے (ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے)

سوہم نے ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر توہم نے تیز دھند ہوا بھیجی (آندھی جس میں کنکریاں بھی شامل تھیں جیسے قوم لوط پر) اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آدھایا (جیسے قوم ثمود) اور ان میں سے کسی کو زمین میں دھنسا دیا (جیسے قارون) اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا (جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم کو) اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا (بلا تصور انہیں سزا دے دیتا) البتہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے (گناہ کر کے) جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں (یعنی بت جن سے فائدہ کی امید لگائے ہوئے ہیں) ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا (اپنے ٹھکانے کیلئے) اور مکڑی کا جال سب گھروں میں سب سے بودا (کمزور) ہوتا ہے (جس میں نہ گرمی کا بچاؤ ہو سکے اور نہ سردی کا۔ یہی حال بتوں کا ہے کہ وہ اپنے عابدوں کو بھی نفع نہیں پہنچا سکتے۔) کاش یہ لوگ اس کو سمجھ لیتے (توبت پرستی نہ کرتے) ان سب چیزوں کو اللہ جانتا ہے (ما بمعنی الذی ہے) جس جس کو وہ پکارتے ہیں (ہندگی کرتے ہیں لفظیدعون یا اور تا کے ساتھ ہے) اللہ کے سوا (علاوہ) اور وہ زبردست ہے (اپنے ملک میں) حکمت والا ہے (اپنی کاریگری میں) اور ہم مثالوں کو لوگوں کیلئے (قرآن میں) بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو سمجھتے نہیں مگر علم والے (تدبر کرنے والے) اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حقیقتاً (فی الواقع) بنایا ہے اس میں بڑی دلیل ہے (اس کی قدرت پر رہنمائی کرنے والے) ایمانداروں کیلئے (خاص طور پر مومنین کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ ہی ان سے ایمان کے سلسلہ میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: قَرْيَةً لُّوطٍ: یعنی سدوم وغیرہ۔
 قوله: عَطَفْنَا عَلَىٰ مَجْلَى الْكَافِ: کیونکہ موضع جر ہے اس لئے کہ وہ مضاف الیہ ہے اس کی دلیل منجوا کا تو ن جمع گرا دیا گیا۔
 قوله: بَارِكَيْنَ عَلَى الزُّمْبِ: گھٹنوں کے بل گرا۔
 قوله: أَفْلَكُنَا: یہ باعادہ فعل مخدوف۔
 قوله: مِّنْ مَّسْكِنِهِمْ: ان کے مساکن کی جناب جب تم ان پر عبرت کی نگاہ ڈالو۔
 قوله: ذَوِي بَصَائِرٍ: انہوں نے اپنی بصیرت و بصارت کو درست طور پر استعمال نہ کیا۔
 قوله: قَارُونُ وَفِرْعَوْنُ: فرعون کی بجائے قارون کو شرف نفی کی وجہ سے مقدم کیا۔
 قوله: نَارِيبِينَ عَذَابًا: ہمارے عذاب سے سبقت کر کے بچنے والے نہ تھے۔
 قوله: أَخَذْنَا: ہم نے ان کو عذاب دیا۔
 قوله: فَنُعَذِّبُهُمْ: تاکہ ان سے وہ ان سے ظالم کا معاملہ کر لے جب کہ یہ اس کی عادت نہیں۔
 قوله: مِّنْ دُونِ اللَّهِ أُولِيَاءَ: دراصل ان کی حالت کو مکڑی کی حالت سے تشبیہ دینا ہے پس مشن یہ صفت کے معنی میں ہے کہ عجیب حالت ہے۔ ذات سے تشبیہ مقصود نہیں۔

قوله: كَسَّيْلٍ: یعنی کمزوری میں۔
قوله: تِلْكَ الْأَمْثَالُ: یہ اور اس کے دیگر نظائر۔
قوله: أَيْ يَنْفَعُهُمْ: یعنی اس کے فوائد کو سمجھے۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝
فرشتوں کی آمد:

حضرت لوط علیہ السلام کی جب نہ مانی گئی بلکہ سنی بھی نہ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جس پر فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے بشکل انسان پہلے بطور مہمان کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ آپ نے ضیافت کا سامان تیار کیا اور سامنے لا رکھا۔ جب دیکھا کہ انہوں نے اس کی رغبت نہ کی تو دل ہی دل میں خوفزدہ ہو گئے تو فرشتوں نے ان کی دلجوئی شروع کی اور خبر دی کہ ایک نیک بچان کے ہاں پیدا ہوگا۔ حضرت سارہ جو وہاں موجود تھیں یہ سن کر تعجب کرنے لگیں جیسے سورہ ہود اور سورہ حجر میں مفصل تفسیر گزر چکی ہے۔ اب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کیا۔ جسے سن کر خلیل الرحمن کو خیال آیا کہ اگر وہ لوگ کچھ اور ڈھیل دے دیئے جائیں تو کیا عجب کہ راہ راست پر آجائیں۔ اس لیے آپ فرمانے لگے کہ وہاں تو لوط نبی علیہ السلام ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا ہم ان سے غافل نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ انہیں اور ان کے خاندان کو بچالیں۔ ہاں ان کی بیوی تو بیشک ہلاک ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے کفر میں ان کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر خوبصورت قریب الملوغ بچوں کی صورتوں میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی لوط شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر انہیں ٹھہراتے ہیں تو ان کی خبر پاتے ہی کفار بھڑبھڑا کر آجائیں گے اور مجھے تنگ کریں گے اور انہیں بھی پریشان کریں گے۔ اگر نہیں ٹھہراتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے قوم کی خصلت سے واقف تھے اس لیے ناخوش اور سنجیدہ ہو گئے۔ لیکن فرشتوں نے ان کی یہ گھبراہٹ دور کر دی کہ آپ گھبرائیے نہیں رنجیدہ نہ ہوں ہم تو اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کے لیے آئیں ہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان سوائے آپ کی اہلیہ کے بچ جائے گا۔ باقی ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا اور انہیں ان کی بدکاری کا نتیجہ دکھایا جائے گا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک لے گئے اور وہاں سے الٹ دیں پھر ان پر ان کے نام کے نشاندار پتھر برسائے گئے اور جس عذاب الہی کو وہ دور سمجھ رہے تھے وہ قریب ہی نکل آیا۔ ان کی بستیوں کی جگہ ایک بڑے گندے اور بدبودار پانی کی جمیل رہ گئی۔ جو لوگوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ اور عظیم لوگ اس ظاہری نشان کو دیکھ کر ان کی بری طرح ہلاکت کو یاد کر کے اللہ کی نافرمانیوں پر دلیری نہ کریں۔ عرب کے سفر میں رات دن یہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۝

اہل مدین اور فرعون، ہامان، فستارون کی ہلاکت کا تذکرہ:

ان آیات میں اجمالی طور پر بعض گزشتہ اقوام کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے، پہلی اور دوسری آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو علاقہ مدین میں رہتے تھے، ان لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور فرمایا کہ آخرت کا دن بھی واقع ہوگا وہاں کفر کی اور اعمال بد کی سزا ملے گی، تم یہ نہ سمجھو کہ دنیا ہی سب کچھ ہے بلکہ موت کے بعد حساب کتاب ہے، پیشی ہے، اس کے واقع ہونے کا یقین رکھو اور اس کے مطابق عمل کرو اور زندگی گزارو، جو برے افعال کرتے ہو ان کو چھوڑ دینا لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے جیسا کہ سورہ ہود اور سورہ الشعراء میں مذکور ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات نہ مانی لہذا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ان سب کو چھوڑ کر اور تباہ کر کے رکھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل ادھمے منہ گرے ہوئے رہ گئے جیسا کہ سورہ ہود میں ذکر فرمایا ہے، ان پر جہنم کا عذاب بھی آیا اور زلزلے نے بھی دبایا اور یہ دونوں چیزیں ہلاکت کا ذریعہ بن گئیں۔

تیسری آیت میں قوم عاد اور ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی ہلاکت کے نشانات تمہاری نظروں کے سامنے ہیں، جب تم سفر میں جاتے ہو تو ان کے برباد شدہ گھروں کے پاس سے گزرتے ہو، یہ عبرت کی جگہ ہے غور کرو اور کفر سے توبہ کرو۔ وَذَرِكُنْ لَهُمُ الشَّيْطَانَ اَعْمٰیًا لَهُمْ (اور شیطان نے ان کے اعمال بد اور کفر و معاصی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا) یعنی انہیں سمجھایا کہ تم اچھی زندگی گزار رہے ہو۔ فَصَدَّهُمْ عَنْ السَّبِيلِ، (سو انہیں راہ حق سے ہٹا دیا) وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۱﴾ (حالانکہ وہ لوگ صاحب بصیرت تھے، سمجھدار تھے) لیکن شیطان کے کہنے میں آگے عقل سے کام نہ لیا، دنیاوی لذتوں کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ دی تھی اسے استعمال نہ کیا اور شیطان کی تریخیں اور تمسکین کی وجہ سے مدہوش ہو گئے۔

چوتھی آیت میں قارون فرعون اور ہامان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا سورہ عنکبوت سے پہلے سورہ قصص میں ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، وہ ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات لے کر آئے لیکن ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کفر پر جسے رہے، انکار پر مصر رہے، اور انکار کا سبب ان کا استکبار تھا یعنی یہ کہ وہ اپنے کوزہ میں بڑا سمجھتے تھے اور ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو یہ ہم سے اونچے ہو جائیں گے۔

سورہ المؤمنین میں ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ (اَتُؤْمِنُ بِمَکَرِنِیْمٍ مِّثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ) (کیا ہم ایسے دو شخصوں کی (موسیٰ و ہارون علیہ السلام) پر ایمان لائیں جو ہمارے ہی جیسے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہماری فرمانبرداری ہے) سورہ الزخرف میں ہے کہ فرعون نے کہا: (اِنَّہٗ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ہٰذَا الَّذِیْ ہُوَ مَہْیُوْنٌ وَلَا یَکَذِّبُوْنَ) (بلکہ میں افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا) بہر حال ان لوگوں کو ان کا کفر اور کبر لے ڈوبا، فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ڈوب گیا۔ (فَغَشَّیَتْهُم مِّنَ النَّارِ مِثَیْمٌ مَّا غَشَّیَتْهُمْ۔ وَمَا کَانُوْا سٰیِقِیْنَ) (اور یہ لوگ ہم سے آگے بڑھنے والے نہ تھے) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمارے عذاب سے بچ کر نکل جاتے اور کہیں فرار ہو کر اس کی جگہ پہنچ جاتے۔

پانچویں آیت میں مذکورہ بالا اقوام کی ہلاکت کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا: فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ (سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا) فَمِنْهُمْ قَوْمٌ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۖ (سو بعض پر ہم نے تیز ہوا بھیج دی) جو کہ آندھی کی صورت میں آئی اور اس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ قوم عاد کے ساتھ ہوا، یہ ہوا ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں بیان فرمایا ہے: (وَمِنْهُمْ قَوْمٌ أَخَذَتُهُ الصَّيْحَةُ) (اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا) اس سے قوم ثمود مراد ہے (کمافی سورۃ ہود (علیہ السلام))۔ پھر فرمایا: مِنْهُمْ قَوْمٌ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۖ (اور ہم نے بعض کو زمین میں دھنسا دیا) اس میں قارون کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۃ قصص کے ختم کے قریب گزر چکا ہے۔ (وَمِنْهُمْ قَوْمٌ أَغْرَقْنَا) (اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا) اس میں فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ (اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم فرماتا) یعنی اس نے کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں دیا۔ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (اور لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی وہ حق قبول نہیں کرتے تھے کفر پر جبر کرتے تھے، گناہوں پر مصر رہتے تھے۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنُظَرِ بِهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کٹری اور مکھی وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا، کہ مثالیں اپنے مواقع کے لحاظ سے نہایت سوزوں اور مثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھدار ہی اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بیوقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔

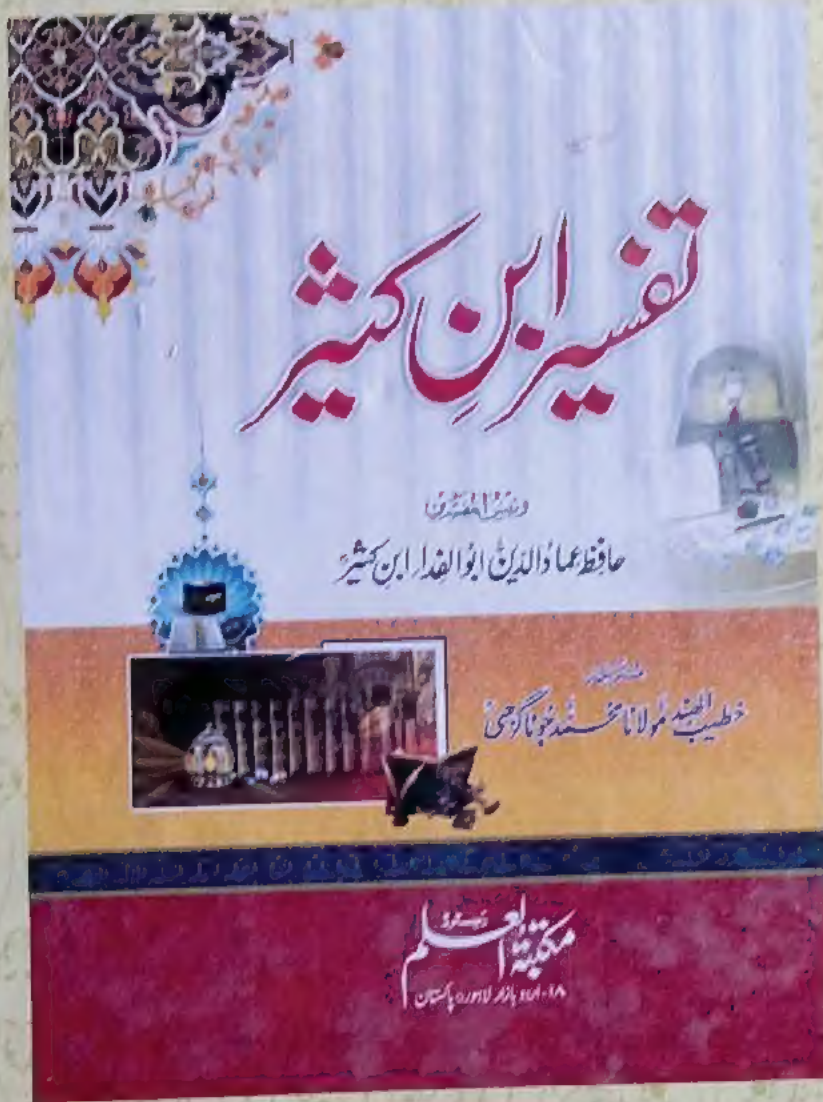
وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝

اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کرے اور اس کی اطاعت پر عمل کرے اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا، جب تک قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے اور جب تک کہ اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار امثال سیکھی ہیں، ابن کثیر اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاص کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں۔

اور حضرت عمرو بن مرہ نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھ بڑا غم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنُظَرِ بِهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝ (ابن کثیر)



مکتبۃ الاسلامیہ رجسٹرڈ
۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان

37231788-37211788